اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ

نمبر اوّل

یعنی

عالیجناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی مسلم مشنری
و ایڈیٹر رسالہ "مسلم انڈیا و اسلامک ریویو لنڈن"
کے انگریزی لکچر کا اُردو ترجمہ
جو آپ نے
کیمبرج کی دہریہ سوسائٹی کے روبرو زیر صدارت مسٹر سی۔ اتچ
اوگڈن صاحب ایم۔ اے۔ مگڈالن کالج بتاریخ ۲۷۔ اپریل ۱۹۱۳ء کو
بمقام کیمبرج دیا اور
جسے
"پیغام صلح سوسائٹی لمیٹڈ لاہور" نے اشاعت اسلام کیلئے شائع کیا

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپا

قیمت ۱/
تعداد (۲۰۰۰)

رسالہ مُسلم انڈیا و اسلامک ریویو

لنڈن

یہ رسالہ جو مغربی ممالک میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر سے جناب حضرت **خواجہ کمال الدین** صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی مسلم مشنری کے دردِ دل کا اظہار ہے۔ لنڈن سے ہر ماہ کی ۲۲۔ تاریخ کو انگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ باوجودیکہ اس کے ابھی چند ہی نمبر شائع ہوئے ہیں۔ مگر ولایت و ہندوستان میں اس کے عجیب و غریب رُوح القدس کی تائید سے لکھے ہوئے مضامین نے وہ تہلکہ ڈالدیا ہے کہ ولایت کی تمام بڑی بڑی سوسائٹیاں جناب خواجہ صاحب کی زبانی اسلام کی حقیقت سُننے کے لئے بے چین ہو رہی ہیں۔ اگر آپ میں بھی کچھ اسلام کا درد ہے تو اس نیک کام میں مدد دے کر ثواب دارین حاصل کریں +

قیمت انگریزی رسالہ مبلغ (صہ) سالانہ پیشگی لیجاتی ہے +

اس رسالہ کا اردو ترجمہ اخبار "**پیغام صلح لاہور**" میں جو ہفتہ میں تین بار لاہور سے شائع ہونیوالا ہے شائع ہوا کرے گا +

اس کی **قیمت** چھ روپے سالانہ عوام سے + سےمہ ششماہی + اور للعہ روپے سالانہ طلباء سے ہے +

تمام درخواستیں بنام شیخ رحمت اللہ صاحب انگلش ویرہوس لاہور آدیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب پریسیڈنٹ صاحب لیڈیز اور جنٹلمین

سب سے پہلے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ آپ نے مجھے یہ عزت دی ہے کہ آپ جیسے معقول پسند لوگوں کو خطاب کرنے کا مجھے موقعہ ملا ہے۔ ایک طرح مجھے اُن اصولوں سے بھی ہمدردی ہے جو آپ کی کلب کے محرک ہیں۔ اس کلب کی بُنیاد آخر اُن تقاضوں پر رکھی گئی ہے جو ہم میں ہمارے عقل اور قوتِ استدلال نے پیدا کر رکھے ہیں اور انسان آخر معقول پسند وجود بنایا گیا ہے۔ ہم بعض بظاہر فوق العقل باتوں کو مان بھی سکتے ہیں۔ لیکن جو باتیں عقل سے ہی خارج ہوں وہ کوئی کس طرح مان سکتا ہے۔ میں یہ تو قبول کر سکتا ہوں کہ ہم میں سے سارے کے سارے ہر ایک امر کو عقل و استدلال کی بُنیاد پر سمجھنے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔ لیکن کسی کا کیا حق ہے کہ ہم سے بعید از عقل امور۔ یہ کہہ کر کہ یہ راز ہیں۔ منوانے کی کوشش کرے۔ خصوصاً ایسے تراشیدہ اصولؔ ہم کیوں تسلیم کریں۔ جن کا زندگی پر بھی کوئی اثر نہ ہو۔ آخر مذہب ہے کیا ؟ ایک دستور زندگی ! جو ہمیں نفع رساں۔ جو ہمارے قویٰ اور ہماری استعدادوں کی تہذیب تعدیل اور نشوونما میں ممد ہو۔ بیشک یہ ہمیں ایسے عقائد کا رکھنا تعلیم کرے۔ جو ہمیں اُس دستور زندگی کے اختیار کرنے کے لئے تحریک کریں بیشک مذہب ہم کو بعض روزانہ اعمال کی ہدایت کرے جو ہمیں اُس دستور زندگی کے لئے طیار کریں۔ ان امور کے علاوہ اگر مذہب مجھے تعلیم کرنا چاہتا ہے۔ تو میں اُس مذہب کا کبھی قائل نہیں ہوا۔ مجھے تو ایسا مذہب نہیں چاہیئے۔ جو مجھے باتیں تو وہ منوائے کہ جن کا اثر میری زندگی پر نہ ہو۔ اور روزمرہ زندگی کے آئین و دستور کے لئے مجھے مجھ پر چھوڑ دے۔

صاحبان! مجھے یہ کہنے کے لئے آپ معاف فرماویں کہ اُس سیلاب تصانیف کے ہونے پر بھی جو یہاں پریس مطابع سے یہاں نکلتا ہے۔ ایسا ہی حصول علم کی اُس سچی خواہش پر بھی جو مغرب میں نظر آتی ہے۔ اسلام اس وقت بھی غلط واقفیت یا غلط بیانی کے پردہ میں مستور ہے۔ بدقسمتی سے ریشنلزم (مذہب معقولیت) نے اور خدا کا مفہوم مغرب میں کے مروجہ عقائد سے لیا۔ اور یہ امر طبعی تھا کہ وہ مذہب اور خدا سے بیزار ہو جاوے۔ خود میری رائے لے لیجئے۔ مَیں منکر ہستی باری تعالیٰ ہونا اُس خدا پر ایمان لانے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ جس کے اوصاف و اخلاق کا ظہور چرنی (کھرلی) میں اور صلیب پر ہُوا۔ میں اُس عرفان کے مقابل تذبذب تشکک کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں جو یورپ میں علم الہیات کی بعض کتابوں میں تعلیم ہوتا ہے۔ لیکن آپ یقین کریں۔ کہ اسلام اور مقدس کتاب اسلام یعنے قرآن نے مجھ پر مذہب کی ضرورت روشن کر دی ہے۔ یہ مجھ پر ثابت ہُوا ہے کہ اگر میں سوسائٹی کا مفید ممبر بننا چاہوں یا ایک اچھا اہل شہر بننا پسند کروں۔ تو پھر مجھے کسی خاص آئین و دستور کی بھی ضرورت ہے۔ مجھے چند ایسے عقائد کی بھی احتیاج ہے جو اُس آئین و دستور پر چلانے کی تحریک کریں۔ کیونکہ ہمارے کل کے کل کاروبار و اعمال کسی نہ کسی ایمان و یقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ آج آپ کا یہ یقین و ایمان کہ مَیں یہاں کچھ بیان کرونگا۔ آپ کو یہاں لے آیا ہے ایسا ہی مجھے بعض روزانہ مشقوں اور عملوں کی بھی ضرورت ہے جو مجھے اُن عقائد سے ملحق کر دیں۔ اور مجھے آئین زندگی پر چلانے کے قابل کر دیں۔ القصہ میں ایک قانون یا شریعت کا محتاج ہوں جسپر چلنے سے میرے مضمر قوی فعل میں آجاویں۔ اور میری استعداد ظہور پذیر ہو جاویں۔ اور میں اُس لئے اُن اعمال و عقائد کو بھی چاہتا ہوں جو مجھے اُس شریعت اور قانون پر قائم کر دیں +

میرا آج کا لیکچر جیسے مجھے بتلایا گیا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابل چاہتا ہے۔ اس لئے میرے موضوع سے شائد یہ دُور ہو کر میں اُن مذاہب کے متقابلہ عقائد پر کوئی سلسلہ دلائل شروع کر دوں۔ ہاں میں نے استدلال کو اُس حد تک برتنا ہے جو میرے بیان کے واضح اور روشن کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ مسلمان اور عیسائی دو نو ہستی باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ میں اس بُنیاد پر چلونگا۔ اور حتی الوسع سادے

سادے واقعات بیان کرنے پر قناعت کرونگا۔ ان مبادی باتوں کے بعد اب میں اپنا لیکچر شروع کرتا ہوں۔ میرے لیکچر کا عنوان ہے۔

اسلام اور اصول اسلام

اور

اُن کا مقابلہ عیسائیت سے

اسلام اپنے لفظی معانی اور اُس مفہوم کے رو سے جو ہماری مقدس کتاب یعنے قرآن نے اسلام کو دیا ہے۔ شریعت و قوانین کی کامل اطاعت کا نام ہے۔ اور اگر صحیفۂ قدرت اپنے تمام افعال و مظاہر کے ساتھ اُس عقلِ عظیم اور اُس لا انتہا ابدی طاقت کی منشا کا جس سے بقول حکیم ہربرٹ سپنسر کل اشیا نکلی ہیں۔ ایک قابل اعتبار آئینہ ہو سکتا ہے اور ایسا ہی اگر یہ صحیفۂ فطرت مذہب یا آئین زندگی کو اختیار کرنے میں ہمارا عمدہ رہنما ہو سکتا ہے۔ تو آپ یاد رکھیں کہ اسلام یا اطاعت قوانین کے علاوہ یہ آپ کو کسی اور مذہب کے اختیار کرنے کی سفارش نہیں کریگا۔ آپ ذرا صحیفہ قدرت کا مطالعہ تو کریں خواہ بالکل سرسری نگاہ سے ہی۔ آپ کو ایک ذرہ بھی ایسا نظر نہ پڑے گا۔ جو لا تبدیل مقررہ قوانین کی اطاعت میں نہ لگا ہو۔ بلکہ کل کے کل عناصر عالم کا وجود خود اور ایسا ہی اُن ذرات کا ایک دوسرے کے لئے مفید و خادم ہونا جن پر کل کائنات کا ہم آہنگ ہونا حصر رکھتا ہے۔ یہ سب کا سب کھیل قطعاً اس بات پر حصر رکھتا ہے کہ ہر طرف مقررہ قوانین کی اطاعت ہو رہی ہے۔ ایک منٹ کے لئے آپ فرض کر لیں کہ کائنات کے کسی ذرہ بمقدار نے اپنا فعل کرنا چھوڑ دیا۔ اِس کا آخری نتیجہ کل کائنات کی تباہی ہوگی۔ آپ ذرا سورج کو چاند کو ستاروں کو دن رات۔ موسم۔ درخت۔ سمندر وغیرہ کو دیکھیں۔ کون ہے جو ایک نہ ایک قانون کے ماتحت نہیں۔ اور جس قانون کی وہ کامل اطاعت نہیں کر رہا۔ اور مجھے تو دُنیا کی تاریخ میں ایک بھی دن یاد نہیں جب کہیں قانون مقررہ کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ بس اسی کا نام اسلام ہے۔ اور خدا کی کتاب قرآن نے جو اپنی صداقتوں کو مبرہن کرنے کے لئے صحیفۂ قدرت کو یعنے قول الٰہی کی تصدیق میں فعل الٰہی کو شہادت میں لاتی

ہے۔ اس حقیقت اسلام کے روشن کرنے کے لئے بھی نہایت ہی حقیقت نما رنگوں میں وہی بات کہنی ہے جو میں نے ابھی عرض کی ہے جس سے نہ ہم پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو اسلامی شعار کی کس قدر ضرورت ہے بلکہ غیر اسلامی طریق زندگی اختیار کرنے پر ہمیں نتائج بد سے بھی روکا گیا ہے وہ امر ذیل کی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے +

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ××× أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ۔ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ××× وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ×× وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ + (ترجمہ) بات تو یہی کہ خدا کا اگر کوئی دین ہے تو اسلام یعنے الٰہی قوانین کی اطاعت۔ کیا یہ لوگ اس دین الٰہی کے سوا کوئی اور آئین چاہتے ہیں۔ دیکھتے نہیں جو زمین آسمان میں ہے طوعاً کرہاً۔ خدا کی رضا پر چل رہا ہے۔ اور پھر ان سب کا آخری رجوع بھی اُسی طرف ہوتا ہے۔ سورج کو نہیں دیکھتے۔ اپنے سب کے سب نظام شمسی کو لئے کسی خاص جائے قرار کی طرف جا رہا ہے۔ یہ جائے قرار بھی تو عزیز علیم خدا کا ہی مقرر کردہ ہے۔ کیا چاند کے لئے بھی ہم نے مختلف منازل مقرر نہیں کر دیئے۔ جن میں سے گذر کر آخر پھر یہ کھجور کی ٹیڑھی پتلی شاخ بنجاتا ہے۔ بھلا سورج کی مجال ہی کیا ہے کہ چاند کی راہ میں آجاوے۔ یا رات کبھی دن پر سبقت کرلے۔ یہ تو کل کے کل اپنے مقررہ راہوں پر چل رہے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ اچھا! اب کوئی اور راہ اسلام کے ماسوا اپنے لئے تجویز کرلو۔ یہ کہاں قبول ہوسکتا ہے۔ ہاں انجام اس کا نقصان ہے +

صاحبان۔ اس طرح بالفاظ قرآن ہم دیکھتے ہیں کہ کل ذرہ ذرہ کائنات کا دیگر عناصر کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر مقررہ قوانین کی اطاعت میں لگا ہُوا ہے۔ اب کیا انسان۔ جو صنعت قدرت کا آخری کامل مکمل نمونہ ہے۔ انھیں ذرات کا مجموعہ نہیں۔ کیا انسان ایک قسم کا عالم صغیر نہیں۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ یہ مختلف ذرات جو جمع ہو کر انسان کو جسم

اور رُوح بخشتے ہیں۔ وہ اس مجموعی حیثیت میں اپنے خواص بدل گئے ہیں۔ آؤ ہم اپنے ہی اعضا۔ جوارح۔ عضلات۔ رگ۔ پٹھے۔ کا مطالعہ کریں۔ کیا وہ سب کے سب مقررہ آئین پر نہیں چل رہے۔ کیا یہ سب کے سوا ہماری خواہشات اور احکام کو نہیں مانتے بشرطیکہ ہم مقررہ طریق پر اُن سے کام لیں۔ ہاں اگر وہ مقررہ طریق کے خلاف کسی کام پر لگائے جاویں تو پھر یہ اطاعت کرنی چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آنکھ آپکی غلام ہے۔ آپ سُننا چاہتے ہیں۔ کان آپ کے خادم ہیں۔ لیکن کیا آپ آنکھ سے سُن سکتے ہیں یا کان سے دیکھ سکتے ہیں۔ آج اپنی آنکھ سے کسی ذائقہ کو تو چکھنے کی کوشش کرنا۔ یا پیاس بجھانے کے لئے پانی کان میں ڈال لینا۔ تمہاری طبیعت کا تقاضا اور خواہش تو کیا پوری ہوگی۔ ہاں اپنے اعضاء اور قویٰ کو ضرور گنوا بیٹھو گے۔ اور نقصان اُٹھاؤ گے۔ دیکھو یہ تو وہی بات ہے جو مَیں نے قرآن سے پڑھی۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ " اگر اسلام یعنے اطاعت قوانین الٰہیہ کے سوا کوئی اور طریق اختیار کرلیا۔ تو مقبول تو ہو چکے رہا۔ انجام کار نقصان بالضرور ہوگا " ہم تو فطرتاً۔ اطاعت و اتباع قوانین پر قائم کئے گئے ہیں۔ ہمارے تو قویٰ کا نشو و نما ہی قوانین کے چلنے پر حصر رکھتا ہے۔ اسی صداقت کی طرف قرآن کے ذیل کے الفاظ اشارہ کرتے ہیں +

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ (شریعت کی اطاعت) تو خدا کی دی ہوئی فطرت ہے۔ اور اسی فطرت پر انسان بنایا گیا ہے۔ خدا کی خلقت میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ بس سُن لو۔ یہی مضبوط مذہب اور دین ہے۔ فطرتاً ہم پابندی قوانین کے قابل ہیں۔ اور اسلام کا یہ وہ بُنیادی اصول ہے۔ جس سے اسلام کو عیسائیت کی موجودہ شکل سے تخالف ہے۔ مَیں نے موجودہ شکل اس لئے کہا۔ کیونکہ خود جناب مسیح نے تو ان اصولوں کی تعلیم نہیں کی تھی جو اُس کے بعد کلیسیا نے تراش لئے۔ جناب مسیح تو ایک سچے مسلمان تھے۔ اُنھوں نے تو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے حواریین کو یہی اسلام سکھلایا۔ جنکی تشریح اسوقت کر رہا ہوں۔ اُس کے متعلق شائد اُن کے یہ الفاظ ہیں +

مت خیال کرو کہ میں قوانین کو توڑنے آیا ہوں۔ یا پیغمبروں کے خلاف کرنے

آیا ہوں۔ میں شریعت کو برباد کرنے نہیں آیا۔ شریعت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ مَیں تمہیں کہتا ہوں۔ جبتک زمین و آسمان ہے ٹل جاوے۔ شریعت کا ایک ذرہ بھی نہ ٹلے گا جبتک پُورا ہو کر نہ رہے۔ لہذا جو تم میں سے قانون کو ذرا بھی توڑتا ہے۔ یا لوگوں کو ایسا سکھلاتا ہے۔ وہ خدا کی سلطنت میں چھوٹا ہے۔ اور جو شریعت کو پورا کرے گا یا لوگوں کو سکھلائے گا وہ خدا کی سلطنت میں بڑا کہلائے گا" +

یہ تو جناب مسیح نے سکھلایا۔ ہاں وہ رخصت ہوئے۔ تو میاں پولوس اور کلیسا میں اُس کے متبعین نے یہ تعلیم دینی شروع کی کہ ہم قوانین پر چل ہی نہیں سکتے۔ گناہ جو خلاف ورزی قانون کا نام ہے یہ تو ہماری فطرت ہے۔ ہمارا ورثہ ہے۔ اور جب یہ صورت ہے تو خداوند کا عدل ہم کو سزا سے کب چھوڑ سکتا ہے۔ جبتک کوئی کفارہ کی تجویز نہ ٹھیرے اور کفارہ پھر وہ ہو جو ہماری طرح کی فطرت کا نہ ہو۔ بلکہ معصوم فطرت کا ہو۔ اور وہ تو پھر خدا ہی ہے +

عیسائی مذہب کے کل کے کل اصولوں کی بُنیاد تو اس طرح۔ بس یہ اصول ہے کہ گناہ یعنے خلاف ورزی قانون ہمارا ورثہ اور فطرت ہے۔ لہذا پابندی قانون کے لئے ہماری ناقابلیت کا عقیدہ تو جڑ ہے اور باقی دیگر عقائد عیسویت اسکی شاخیں۔ میں عیسائی الہیات کی معقولیت کو زیر جرح لانا نہیں چاہتا۔ میں اسکو اُسکی موجودہ شکل میں ہی قبول کر لیتا ہوں۔ ہاں میں آپکی اجازت سے ایک بات آپکو سمجھاتا ہوں۔ کیا یہی خدا کا عدل۔ جو کفارہ چاہتا ہے مجھے ہر قسم کی سزا سے بری الذمہ نہیں کر دیتا۔ صاحبان۔ کیا آپ از روئے عدل و انصاف اپنے نوکر کو ایسے فعل کے نہ کرنے پر ماریں گے۔ جس فعل کے کرنے کی اُس میں استعداد ہی نہیں کیا آپ اپنے خادم کو ایسے امر کے نہ کرنے پر سزا دیں گے جس سے وہ فطرتاً نہیں رُک سکتا۔ کیا جناب والا آپ اپنے کتے کو ماریں گے کہ اُس کی چھاتیوں سے عمدہ دودھ نہیں نکلتا۔ کیا اپنی بلی کو زدو کوب کرینگے کہ کیوں آج اُس نے آپ کو اچھی سواری نہیں دی کیا آپ گائے کو ہنٹر رسید کریں گے کہ وہ گھاس کیوں کھاتی ہے۔ کیا آپ اپنی بھیڑ پر ناراض ہونگے کہ کیوں مزیدار سریلا گانا وہ نہیں گاتی۔ یا آخر میں آپ بندروں کے جوڑے پر ناخوش ہونگے۔ کہ کیوں وہ نر مادہ ملکر نہیں ناچتے +

نہیں صاحب نہیں۔ آپ عقلمند ہیں۔ ایسا ناقابل عفو فعل آپ سے کب ہو سکتا ہے۔ آپ کا عدل و انصاف تو شائد اس قدر بھی گوارا نہ کرے کہ معمولی سے معمولی تنگ مزاجی کا اظہار آپ کسی پر ایسے امر کے نہ کرنے سے کریں جو فطرتاً اُس سے ہو نہ سکتا تھا۔ اور اگر یہ بات درست ہے۔ تو مکرم!! اگر کلیسیا کے اصولوں کا ماننا میری نجات کے لئے ضروری ہے تو کیا میں۔ خدا کی عقل و انصاف کو اپنے عقل و انصاف سے بہت کم سمجھوں۔ بلکہ خدا کو تو ایک اور فضیلت مجھ پر ہے۔ وہ تو میرا خالق بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ کیا جو کچھ نقص بھی میری فطرت میں ہیں وہ بحیثیت خالق ہونے کے خود ہی اُن کا ذمہ وار نہیں۔ وہ میرا بنانے والا ہے کیا اُس کو علم نہیں کہ مجھ میں کیا استعداد ہے اور کیا استعداد نہیں۔ کونسا انصاف اور کونسی شرافت اُس کو اجازت دیگی۔ کہ وہ مجھ سے اُن باتوں کی توقع رکھے جس کے لئے میں بنایا ہی نہیں گیا۔ جب وہ جانتا ہے کہ میں کیا ہوں جب وہ خود ہی میری اُس خلقت کا ذمہ وار ہے۔ جو مجھے شریعت پر چلنے کے قابل نہیں رکھتی۔ تو پھر یہ کہاں کی شرافت ہے کہ وہ شریعت میرے لئے تجویز کرتا ہے +

اِس طرح۔ صاحبان۔ عیسائیت۔ دونوں کو ملانے والے عنکبوتی پل پر معلق ہے۔ اگر انسان شریعت کی پابندی کر سکتا ہے اور دوسروں کو ایسا سکھلا سکتا ہے تو پھر خدا کی سلطنت میں داخل ہونے کا وعدہ صرف اسی ایک بات پر جناب مسیح دے چکا ہے جیسے کہ میرے اقتباس کردہ الفاظ تھے۔ پھر انسان کو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر میں شریعت پر چلنے کے قابل ہی نہیں تو پھر اگر خدا عادل ہے تو وہ کس عدل کے رو سے مجھے سزا دے سکتا ہے۔ پھر کفارہ ایک فضول امر ہے۔ دوسری طرف اسلام جس کے معنے ہی کامل پابندی قوانین ہے۔ ہم کو تعلیم دیتا ہے کہ انسان اپنے اندر اعلےٰ سے اعلےٰ استعدادیں اور قابلیتیں رکھتا ہے۔ جنکو فعل میں لا کر وہ اپنی نجات حاصل کر لیتا ہے۔ صاحبان۔ بہشت اسلامی اصطلاح میں بعد الموت انسان کی اُس حالت کا نام ہے۔ جب اُس کے کل قویٰ اور استعدادیں مکمل نشوونما پالیں۔ ایسا ہی جب مرنے پر انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتیں بلا تعدیل و تہذیب حالت میں رہیں تو وہ اپنی دوزخ اپنے کندھوں پر ساتھ لے جاتا ہے۔ قرآن کی

تعلیم کے مطابق تمہارا بہشت اور تمہارا دوزخ تمہارے ساتھ اور تمہارے اندر ہے۔ جو بعد میں حس و شکل کے ماتحت ہو سکتا ہے +

اب میں آپ سے ایک اور امر دریافت کرتا ہوں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ ہم اس زندگی میں بھی مکافاتِ عمل بھوگتے ہیں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ نادر حالات کے سوا۔ ہم خود ہی اپنی خوشی اور تکلیف کے ذمہ وار ہیں۔ لہذا۔ اگر ہمارا کوئی فعل بھی پھل دیئے بغیر نہیں رہتا۔ اور یہ پھل ضروری نہیں کہ فوراً ہی مل جاویں۔ بلکہ اکثر تو کچھ وقت چاہیے جب ہمارے اعمال کے پھل طیار ہوں اور خصوصاً اُن افعال و اعمال کے پھل جو کسی انسان سے اپنی موت سے کچھ ہی وقت پہلے سرزد ہوئے ہوں۔ اب اگر میں ان منطقی قضایا پر یہ نتیجہ مرتب کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ کہ بعد الموت زندگی کے آپ قائل ہو سکتے ہیں۔ تو پھر قرآن نے انسانی استعدادوں کی تکمیل نمو کا نام بہشت اور اُن کے غیر طبعی اور نا تربیت و تعدیل یافتہ حالت کا نام دوزخ رکھا ہے +

مجھے اس سے انکار نہیں کہ انسان کا میلان طبع شریعت کے توڑنے کی طرف بھی ضرور ہے۔ لیکن یہ رجحان اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہم میں پابندی شریعت کی استعداد نہیں۔ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کا اعلیٰ مشن نسلِ انسان کو معراجِ شرافت پر پہنچانا تھا۔ فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ بروقت ولادت مسلمان فطرت رکھتا ہے۔ اس میں پابندی شریعت کی استعداد ہوتی ہے۔ یہ تو اس کے بعد کی نواحی حالات ہیں۔ جو اُس اسلامی فطرت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور وہ قانون توڑنے لگتا ہے +

بہر حال۔ اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کن امر یہ ہے کہ آیا انسان سے قانون پر چلنے کی استعداد ظاہر ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ہم اپنی سوسائٹی کے ڈھانچ اور اس کے کاروبار پر سرسری نگاہ بھی ڈالتے ہیں۔ تو اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ انھیں قوموں نے علی الخصوص جو عیسائیت کو مانتے ہیں۔ اپنے روزانہ طریق عمل سے عیسائیت کے اس بنیادی اصول کا بطلان کیا ہے۔ ہم مشرقی لوگ تو اُن تمام اغلال اور زنجیروں سے جو مغرب میں سوسائٹی کے تجویز کردہ رواج نے پیدا کر رکھے ہیں۔ بہت ہی آزاد ہیں۔ آپ

میں سے تو قریباً ہر ایک کو بیشمار قواعد جو فیشن اور رواج نے پیدا کر رکھے ہیں۔ کپڑے پہننے میں۔ کھانا کھانے میں۔ چلنے پھرنے میں۔ پبلک کاموں میں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ تمہارے تو روزمرہ کی کھیلیں اور دفع الوقتی یا تفریح کے اشغال ضوابط اور قواعد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور کیا عجیب بات ہے کہ تم یہ سارے کے سارے قواعد تو پابندی کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہو۔ لیکن جب مذہب کا سوال آتا ہے۔ تو پھر تم کچھ اور اظہار کرتے ہو۔ آؤ میں آپ کو ذرا اُن قواعد اور ضوابط کی طرف متوجہ کروں۔ جن کو ملک واضعان قوانین نے وضع کر دیا ہے۔ کیا تم میں سے اکثر عمدہ شہرت کی زندگی نہیں بسر کرتا۔ کیا آپ میں سے اکثر اُن قوانین پر نہیں چلتے جو گورنمنٹ نے بنائے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ ابھی تک ہمارے بادشاہ جارج اُس تعہد مہمانداری سے سبکدوش نہیں ہوئے۔ جو شاہی مہمانوں کی جیلخانہ کی چار دیواری میں روزانہ اُن کے ذمہ ہے۔ لیکن لکھوکھا ہم میں سے ایسے ہیں جو نہایت پابندی کے ساتھ فوجداری اور دیوانی قوانین کا لحاظ کرتے ہیں۔ آپ کسی فلسفۃ القانون کے فاضل سے دریافت کریں۔ اور وہ آپ کو بتلا دے گا۔ کہ آپ کے یہ سارے قوانین اور ضوابط اور احکام۔ اپنی ابتدائی شکل میں انھیں قوانین سے نکلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو جناب موسیٰؑ اور اُس کے متبعین کو ملے تھے۔ کیا ہی مزیدار امر ہے اور سوچتے ہوئے بھی مزا آجاتا ہے۔ کہ اگر ہم چاہیں تو ملک معظم کی سلطنت میں تو فرمانبردار اور قانون پر چلنے والی رعایا بن سکتے ہیں۔ نہیں بنا جاتا تو خدا کی سلطنت میں نہیں بنا جاتا۔ حالانکہ جو قوانین خدا کے تجویز کردہ ہیں وہ زیادہ تر سہل۔ ہمارے حالات زندگی کے زیادہ تر مناسب اور طبعی بمقابل اُن قوانین کے ہیں جو ہماری سوسائٹی کی پیچیدگیوں نے ہم پر ڈال رکھے ہیں۔ اگر عیسائی کلیسیا کی تعلیم کو کم از کم اُس کے معلم سچ مانتے ہیں۔ تو کیا میں یہ یقین کرنے کی اجازت رکھتا ہوں۔ کہ سبھی کلیسیا کے بڑے بڑے عمائد اور بشپ۔ فطرتاً جرائم پیشہ اپنے آپکو سمجھتے ہیں۔ العیاذ باللہ آپ کسی سوسائٹی کی پرداخت اور اُس کے ڈھانچ پر غور کریں خواہ وہ سوسائٹی کیوں نہ ابتدائی حالت میں ہی ہو۔ وہ سوسائٹی چل ہی نہیں سکتی جب تک اُس کے افراد میں اُن قوانین پر چلنے کا من سمجھونہ نہ ہو جاوے۔ جو جان

اور مال کی حفاظت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور کیا یہ قانون بن بھی سکتے ہیں۔ جب تک قانون پر چلنے کی استعداد نہ ہو۔ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو کیسی سیدھی باتیں یہ سمجھنے کو ہیں۔ پر یہ بات مجھے خود بھی سمجھ نہیں آتی کہ کیوں عامہ زندگی میں تو ہم عقلمند نظر آتے ہیں۔ لیکن مذہبی معاملات میں عامہ عقل سے بھی ہمیں جواب دینے کو کہا جاتا ہے +

ہاں بیشک یہ مذہب کا اور ایسا ہی ہر سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ قلب انسانی میں ایسی کیفیات پیدا کر دے جس سے انسان قانون کی عزت کرنے پر آمادہ ہو جاوے۔ عیسائیت کی تو بُنیاد ہی نرالی ایک اصول پر رکھی گئی تھی۔ اس لئے اُسکو اور اصول وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ مَیںنے ابھی دکھلایا ہے کہ جسقدر عیسائیت کے دو چار اصول ہیں وہ شاخیں اور فرع اُس ایک اصول کے ہیں۔ جس کے ماتحت گناہ یا قانون کا توڑنا۔ ہمارا ورثہ اور فطرت ہے۔ لیکن اسلام جس نے انسان کو شریف طبع اور شریف فطرت سمجھا ہے اُس نے بعض اصول اور عقائد وضع کئے ہیں جس سے انسان اپنی یہ شرافتِ فطرت قائم رکھ سکے۔ مگر پیشتر ازیں کہ میں اسلام کے اُن اصولوں پر کچھ روشنی ڈالوں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اوّل تشریح و توضیح کے لئے اُن آپ کی انسٹیٹیوشن اور ضوابط کا کچھ ذکر کر دوں جو نہ صرف اپنی بلکہ انسانی سوسائٹی کی حکومت و آئین نے سوسائٹی کے ہر مرحلہ۔ اپنی بہبودی اور سوسائٹی کے چلانے کے لئے ضروری سمجھے ہیں +

یہ امر صداقت اور حقیقت ہے کہ قانون کے سوا چارہ نہیں۔ دو آدمی بھی تو اس تفہیم اور سمجھوتہ کے سوا اکٹھے دو دن گذارہ نہیں کر سکتے۔ کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کی عزت کرینگے۔ جان و مال کی حفاظت کرنا ہی تو ہر حکومت و آئین کا بنیادی پتھر ہے۔ اور ما بینی حقوق و فرائض کی حفاظت۔ تعدیل و تقسیم ہی قوانین کو عدم سے ہستی میں لاتی ہے۔ لیکن قانون پر لوگوں کو پابند کرانا بعض امور لازمی کو چاہتا ہے۔ سب سے پہلے قانون تب عزت پاتا ہے جب اس کا سرچشمہ وہ وجود ہو جس ہم چشموں میں ایک قسم کا شاہی اقتدار خواہ رضامندی سے یا کسی اور طرح حاصل چکا ہو۔ بادشاہ۔ پارلیمنٹ۔ مجلس واضعان قوانین وغیرہ مختلف شکلیں اور صورتیں

اُس وجود کی ہیں جس کو ہم سرچشمہ قوانین لکھیں گے۔ لیکن یہ قانون کے سرچشمے آپ ہیں سے ہر ایک تک اپنے احکام اور قوانین پہنچا سکتے ہیں جب تک ان میں اور آپ میں کوئی بالواسطہ درمیانی وجود نہ ہوں۔ آپ اپنی سوسائٹی کو دیکھ لیں انھوں نے عملاً ایسے قوانین رسانوں کا وجود سرچشمہ قوانین میں اور رعایا میں تسلیم کرلیا ہے۔ یہ قانون رسان قوانین کو رعایا تک پہنچانے اور قانون کو شائع کرتے ہیں۔ سرچشمہ قانون۔ قانون اور اشاعت قانون تو ہو گئی۔ لیکن قانون ابھی تک بے جان تحریر اور ناقابل عزت رہگیا جب تک ہم ایسے اصول نہ بناویں جس سے لوگ قانون کی عزت کریں۔ کسی قانون کی عزت نہیں ہو سکتی جب تک قانون توڑنے والوں کے لئے سزائیں تجویز نہ ہوں صرف ایک یہ خیال ہی کہ میرے اعمال کا ضرور محاکمہ ہوگا اور میرے ثمرات میرے اعمال پر مرتب ہونگے۔ ہاں یہی ایک بڑا خیال ہے جو ہم میں سے اکثروں کو قانون پر چلنے کی طیاری پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر ایک مہذب سوسائٹی نے نہ صرف قانون توڑنے والوں کے لئے سزائیں تجویز کی ہیں بلکہ یہ بھی انتظام کیا ہے کہ ایسے لوگ کسی جگہ لائے جاویں۔ اور وہاں اُن کے اعمال کا محاکمہ بھی کیا جاوے اور پھر محاکمہ کے بعد اُن پر سزا یا جزا مرتب ہو۔ یہ تمام امور بیٹھے بٹھائے نہیں ہو جاتے۔ جب تک عمالان قانون مقرر نہ ہو۔ اور ہر ایک سوسائٹی نے پولیس جیلر۔ ناظر وغیرہ وغیرہ شکلوں میں یہ عمال مقرر کئے ہیں۔ الغرض یہ چھ امور ہیں جس پر ہر ایک سوسائٹی کا ڈھانچ رکھا گیا ہے۔ اور ادنی سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ سوسائٹی تک ان چھ امور کو قبول کیا ہے +

لیکن یہ تو سوسائٹی کی ایک قسم کی مشنیری ہے۔ اس ساری مشنیری کا چلنا اور کسی قوم کا مرفع الحال ہونا۔ ایک اور بات پر حصر رکھتا ہے۔ جب تک ہر ایک فرد اِس فکر میں نہ ہو تو کہ وہ اپنے ہر ایک فعل کا ذمہ وار ہے اور وہ یہ سمجھ لے کہ اُس کا ہر ایک فعل ایک نہ ایک نتیجہ پیدا کرے گا۔ یعنے ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیئے اور جسقدر یہ ایمان مضبوط ہوگا۔ اُسی قدر دُنیا میں نیکی پھیلے گی اور بدی دُور ہوگی۔ اور وہ ایمان یہ ہے کہ دُنیا میں ہر ایک چیز علت اور معلول یا سبب اور نتیجہ کے رشتہ میں مربوط ہے۔ بدی کا نتیجہ بدی۔ اور نیکی کا نتیجہ لازماً نیکی ہے یعنے اسباب اور نتائج میں ان مٹل رشتہ ہے۔ یہی ایک یقین ہے جو مجھے بدی سے بچا سکتا اور نیکی پر مائل کر

سکتا ہے جس کو انگریزی میں (Theory of Causation) یا نیکی اور بدی کے مقررہ اندازے کہتے ہیں +

الغرض اگر اس لازمی اصول کو اُن چھ اصولوں کے ساتھ شامل کردیا جاوے جو ہر سوسائٹی کے رُوح و رواں ہیں۔ تو یہ ذیل کی سات صداقتیں ہیں جن پر سب کا عملاً ایمان ہے +

واضع قانون یا سرچشمہ قانون۔ دوم عمّالان قانون۔ سوم خود قانون۔ چہارم قانون رساں۔ پنجم محاکمہ قانون۔ ششم نیکی اور بدی کے ان ٹل اندازے۔ اور مفہیم قانون کے محاکمہ کے لئے حاضر ہونا +

صاحبان مجھے اب ایک ہی اور بات کہنی ہے اور پھر میں آپ کو بتلاؤں گا کہ اسلام نے کس طرح انہیں سات باتوں کو اپنے سات بنیادی اصول تعلیم دیئے۔ اور قبول کئے ہیں +

اسلام آپ یاد رکھیں کوئی مفروضہ یا تراشیدہ ایسے اصول نہیں سکھلاتا کہ جن کے جاننے یا نہ جاننے سے انسانی جماعت کا نہ تو علم کم ہوا نہ زیادہ اور نہ اُسے فائدہ ہوا نہ نقصان +

اور یہ بھی آپ سُن لیں کہ اسلام نے نہ ہم کو بعض رسوم کی بوجھ سے دبایا ہے۔ اسلام تو روزانہ زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ جس پر چلکر آپ دُنیا کا مفید ممبر بن سکتے ہیں۔ ہاں ہر چند عقیدے بھی آپ کو تعلیم کرتا ہے جس سے آپ کو اُس ضابطہ کے قبول کرنے کی ہدایت ہو۔ بعض روزانہ اعمال بھی ہمارے ذمہ لگاتا ہے جس سے وہ ضابطہ اور وہ عقیدہ رات دن آپ کے نصب العین اور پیش نظر رہیں۔ عیسائیت کی طرح اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی کہ آیندہ زندگی کے خیال میں موجودہ زندگی کی پروا نہ کرو۔ نہیں نہیں۔ اسلام کے نزدیک تو آیندہ زندگی بہتری یا بالعکس موجودہ زندگی کے اچھے بُرے ہونے پر منحصر ہے۔ قرآن کا یہ کہنا۔ کہ جو اس دُنیا میں اندھا بنے گا یا رہے گا۔ وہ اندھا ہی آیندہ اُٹھایا جاوے گا۔ ایک آیت میں ہزار جلد کی تفسیر رکھتا ہے کہ کس طرح اس دُنیا میں انسان کو بابرکت اور مفید ہونا چاہیئے۔ لیکن اب ایک اور بات بھی ہے۔ کیا انسان کا دل انسان کے افعال کا سرچشمہ نہیں۔ کیا

ہمارے ارادہ اور ہماری نیتیات جو ہمارے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ قطعاً اور خالصتاً ہمارے کل کاموں کے ذمہ وار نہیں۔ کیا ہمارے اعمال کی تہذیب و تعدیل ہمارے دل کی تہذیب و تعدیل پر منحصر نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کاموں کی پاکیزگی دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور بد خیالات انسان کو بدی کا مرتکب کر دیتے ہیں۔ آپ کے عمّالان قوانین آپ کے محکمہ ٹھگی ڈکیتی کے ممبر۔ مانا کہ میرے اعمال کے ذریعہ میری نیتیات کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ لیکن کیا وہ میرے دل کے اندر جا سکتے ہیں۔ کیا وہ سمجھ سکتے یا دیکھ سکتے ہیں کہ میرا دل کیا کر رہا ہے۔ یہ بالکل ناممکن اس لئے اس بات کے لئے کہ تم میں طہارت قلب پیدا ہو کر طہارت افعال پیدا ہو جاوے۔ تمہارا دل پاک ہو کر تمہارے اعمال کی پاکیزگی کا موجب ہو۔ تمہارے دل ایک ایسی نگاہ سے ہونے چاہئیں جو اُن باتوں کو پڑھ لے جو تمہارے سینہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ میں ایک اور بات کی طرف بھی تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔ کیا سزا سے بچ جانا ہی بہت حد تک جرائم کے قیام اور جاری رہنے کا موجب نہیں۔ کیا پولیس کی نگاہ سے دُور رہنا۔ یا گوشۂ تنہائی یا اندھیرا ہی جرائم پیشہ کی بدعملیوں کے لئے تلاش نہیں کیا جاتا۔ یہ تو سچ ہے لیکن تم نے کیا علاج کیا ہے کہ تم ہر ایک انسان کے افعال پر نگاہ حاضر و غائب رکھ سکو۔ نہیں یہ تم کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ تمہارا حاکم یا سرچشمہ قوانین صفت حاضر ناظر نہ رکھتا ہو۔ پھر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر جرائم کی کمی بہت حد تک اس بات پر منحصر ہے کہ مجرم جرم کے بعد سزا سے بچ نہ سکے۔ تو کیا ہزاروں اور لاکھوں مجرم تمام عمر سزا سے نہیں بچ گئے۔ کیا تم سب کے سب مجرمین کو قانون کے شکنجہ میں لا سکے ہو۔ نہیں صاحب! تم یہ نہیں کر سکتے اور خاص اُن لوگوں کی سزا کا تم نے کیا علاج کیا ہے جو جرم کرتے کے دن ہی اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ لہٰذا اگر سزا بھی جرم کی روک سمجھی گئی ہے۔ تو تمہاری آئین بالکل ناکمل ہے۔ جب تک تم اُن مجرمین کی سزا دہی کا انتظام نہ کر سکو جو اس زندگی میں سزا سے بچ گئے۔

لہٰذا کسی سوسائٹی کا آئین اور دستور یا طریق حکومت اُسی صورت میں مکمل ہو سکتا ہے جب یہ مان لیا جاوے کہ اصل حاکم یا سرچشمہ قانون۔ علاوہ

اور صفات کاملہ کی صفت حاضر ناظر۔ صفت علم کل۔ صفت علیم بذات الصدور یعنے سینوں کے بھیدوں کے پڑھنے والی صفت سے بھی متصف ہے۔ اسی طرح سزا جرائم کے قطعی روک کا ذریعہ بنانے کے لئے یہ ہونا چاہیئے کہ اُن اعمال کا کم ازکم ابھی محاکمہ باقی ہے جن پر محاکمہ اور سزا اِس دُنیا میں مرتب نہیں ہوئے +

دوستو۔ تم ان ضروری عناصر کو اپنی اُن سات صداقتوں کے مفہوم میں اضافہ کر دو۔ اور تم نے اسلامی سات صداقتوں کو قبول کر لیا۔ یہ میری باتیں دعوےٰ ہی دعوےٰ ہونگی۔ اگر میں اُن عربی فقرات کو آپ کے سامنے با ترجمہ نہ پڑھوں جن میں یہ سات صداقتیں بطور ایمان دیگئی ہیں۔ ہم میں کا کوئی شخص بھی اسوقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ ان سات صداقتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن پیش ازیں کہ میں اُن فقرات کو پڑھوں اور ترجمہ کروں۔ میں پھر آپ کی سوسائٹی کے سات اصل گن جاتا ہوں تاکہ تقابل میں آسانی ہو۔ وہ یہ ہیں +

(۱) بادشاہ یا اُس کے بمنزلہ کوئی وجود یعنے سرچشمہ قانون جس کو میں آئندہ بادشاہ کہوں گا +

(۲) بادشاہ کی رضا یا منشا کے عمل میں لانے والے یعنے عمالان قانون +

(۳) بادشاہ کی رضا یعنے قانون +

(۴) رعایا تک بادشاہ کی رضا کے پہنچانے والے یعنے پیغام رسانان قانون +

(۵) قانون کی خلاف ورزی یا اُس پر عمل کرنے پر محاکمہ +

(۶) بدی اور نیکی کے رشتہ بصورت علت و معلول +

(۷) ہمارا اپنے اعمال پر محاکمہ حاصل کرنے کے لئے جانا +

دیکھو یہی سات باتیں ذیل کی عبارت میں مسلمانوں کو تعلیم کی گئی ہیں جس کا نام صفت ایمان ہے +

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ط

(۱) میں ایمان لایا ہوں اللہ پر۔ جو سرچشمہ شریعت ہے جو حاضر ناظر۔ علیم بذات الصدور اور جمیع صفات کاملہ کا خدا ہے +

(۲) میں اُس کی رضا کے عمال یعنے فرشتوں پر ایمان لایا +

(۳) میں اُس کی کتابوں پر ایمان لایا۔ جن میں شریعت آئی +

(۴) میں اُن رسولوں پر ایمان لایا۔ جن کے ذریعے شریعت آئی +

(۵) میں اُس دن پہ ایمان لایا جب شریعت کے ماتحت مجھ پر محاکمہ ہوگا +

(۶) میں نیکی اور بدی کے اندازوں کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ یعنے وہ ان مٹل اور لاتبدیل ہیں +

(۷) میں اس زندگی کے بعد پھر محاکمہ حاصل کرنے کے لئے اُٹھوں گا +

ہم ان سات صداقتوں کو مانتے ہیں۔ یہی اسلام کے سات اصول ہیں یہی سات اصول تمہارے ہاں بھی ہیں۔ اگرچہ تمہارا مفہوم اُن کا اس قدر وسیع نہیں جسقدر ہمارا ہے۔ نیم سیم تم بھی مسلمان ہو۔ ہاں ذرا اپنے مفہوم کو بڑھالو۔ اور عملاً مسلمان ہو جاؤ۔ تم اگر قانون کے پابند ہو تو اسلام کی طرف آرہے ہو ہاں اگر قانون کے پابند رہنے کے قابل تم آپنے آپ کو نہیں سمجھتے۔ اور گناہ کرو۔ تاکہ خدا کا فضل اُترے اگر یہ ایمان ہے تو پھر ہمارے پاس یہ تشفی نہیں۔ عیسائیت اسکے لئے پولوس نے ظاہر کی ہے +

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

اگر یاراں کنوں بر غربت اسلام رحم آرید
باصحاب نبی نزدِ خدا نسبت شود پیدا

نفاق و اختلافِ ناشناساں از میاں خیزد
کمالِ اتفاق و خلت و الفت شود پیدا

بجنبید از پئے کوشش کہ از درگاہِ ربانی
زبہر ناصرانِ دینِ حق نصرت شود پیدا

اگر امروز فکرِ عزت دیں در شما جوشد
شمارا نیز و اللہ زینت و عزت شود پیدا

اگر دستِ عطا در نصرتِ اسلام بکشائید
ہم از بہرِ شما ناگہ یدِ قدرت شود پیدا

زبذلِ مال در راہش کسے مفلس نمی گردد
خدا خود مے شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

دو روزِ عمرِ خود در کارِ دیں کوشید اے یاراں
کہ آخر ساعتِ رحلت بصد حسرت شود پیدا

امیدِ دیں رواگر داں امیدِ تو روا گردد
زصد نومیدی و یاس و الم رحمت شود پیدا

در انصارِ نبی بنگر کہ چوں شد کار تا دانی
کہ از تائیدِ دیں سرچشمۂ دولت شود پیدا

بجو از جان و دل تا خدمتے از دستِ تو آید
بقائے جاوداں یابی گر ایں شربت شود پیدا

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

ہمی بینم کہ دادار قدیر و پاک مے خواہد
کہ باز آں قوتِ اسلام و آں شوکت شود پیدا

کریما صد کرم کن بر کسے کو ناصرِ دین است
بلائے او بگرداں گر گہے آفت شود پیدا

چناں خوش دار اور اے خدائے قادرِ مطلق
کہ در ہر کار و بار و حال او جنت شود پیدا

دریغ و درد قومِ من ندائے من نمے شنود
زہر در میدہم پندش مگر عبرت شود پیدا

مرا باور نمے آید کہ چشمِ خویش بکشایند
مگر وقتیکہ خوف و عفت و خشیت شود پیدا

مرا دجال و کذاب و بتر از کافراں فہمند
نمیدانم چرا از نورِ حق نفرت شود پیدا

عجب دارید اے ناآشنایاں غافلاں از دیں
کہ از حق چشمۂ حیواں دریں ظلمت شود پیدا

چرا انساں تعجب ہا کند در فکر ایں معنے
کہ خواب آلودگاں را دافعِ غفلت شود پیدا

فراموشت شد اے قومم احادیثِ نبی اللہ
کہ نزدِ ہر صدی یک مصلحِ امت شود پیدا

پیغام صلح سوسائٹی لمیٹڈ لاہور

اور

اخبار پیغام صلح لاہور

پنجاب بھر میں کیا بلکہ کل ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ پہلی مشترکہ سرمایہ کی لمیٹڈ سوسائٹی ہے جو اشاعت اسلام جیسے عظیم الشان مقصد کیلئے قائم کیگئی ہے اور جس کا کل کا کل انتظام متدین ہاتھوں میں ہے جس کے باعث حصہ داروں کے جمع شدہ سرمایہ کو انشاء اللہ کسی قسم کی بددیانتی کا اندیشہ نہیں قیمت فی حصہ دس روپے اسقدر قلیل ہے کہ ایک غریب آدمی بھی اسمیں شامل ہوکر دینی اور دنیاوی فوائد حاصل کرسکتا ہے اور اس طرح اشاعت اسلام کے کام میں مدد دیسکتا ہے۔ فی الحال سرمایہ سوسائٹی ۲۰ ہزار مقرر کیا گیا ہے جسمیں سے نصف کے قریب حصص فروخت ہوچکے ہیں باقی کے لئے درخواستیں آرہی ہیں۔ آپ جلدی کریں تاکہ بعد از وقت درخواست بھیجنے کے باعث مایوسی نہ ہو۔

"پیغام صلح سوسائٹی" کے مقصد کو مدنظر رکھکر فی الحال اعلےٰ پیمانہ پر ایک نہایت عجیب و غریب ملکی و مذہبی اخبار بنام "پیغام صلح" بڑی تقطیع عمدہ کاغذ پر ہفتہ میں تین بار شہر لاہور سے شائع ہونا تجویز ہوا ہے جسمیں علاوہ ملکی و غیر ملکی خبروں کے سیاسی۔ تمدنی اور اخلاقی امور پر بھی اسلامی نقطہ خیال سے بحث کی جایا کریگی جناب خواجہ کمال الدین صاحب مشہور مسلم مشنری کے رسالہ مسلم انڈیا لنڈن کا اردو ترجمہ باقاعدہ ہر پرچہ میں شائع ہوتا رہے گا۔ گویا مذہبی اور ملکی معاملات کا ایسا مجموعہ مرتب ہوگا کہ اسکی موجودگی میں مختلف اخباروں کے مطالعہ کی کم ضرورت رہیگی۔ ایڈیٹوریل سٹاف میں متدین صلح جو متین اور تجربہ کار اشخاص کا تقرر مدنظر ہے ہندوستان کی مختلف اقوام میں صلح اور آشتی قائم کرانے کے لئے یہ اخبار انشاءاللہ ان مقاصد کی اشاعت کا واحد ذریعہ ہوگا۔ باوجود ان سب خوبیوں کے اخبار کی قیمت بمقابلہ اخراجات کے بہت تھوڑی یعنی چھ روپیہ سالانہ اور تین روپیہ [illegible] عوام سے اور چار روپیہ [illegible] سالانہ طلباء سے مقرر کی گئی ہے [illegible]

[illegible] (درخواستیں بنام [illegible] پیغام صلح [illegible] لاہور [illegible])

جناب خواجہ صاحب کی دیگر تصنیفات

۷۸۶

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو

زیر ادارت

جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے ایل ایل بی مبلغ اسلام انگلستان

جلد (۱)	بابت ماہ نومبر ۱۹۱۴ء	نمبر ۵
قیمت سالانہ تین روپیہ (۳ روپے)	فہرست مضامین	خریداران پیغام صلح سے دو روپیہ

لاہور احمدیہ بلڈنگس سے
بہ ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام سے احمدیہ
پریس لاہور میں چھپکر شایع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیغام صلح

وہ اخبار ہے۔ جو فرنگستان میں اسلامی کوششوں کی صحیح خبریں خواجہ کمال الدین صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کی کامیابیوں کے حالات سُناتا اور جنگ یورپ کی تازہ خبریں لیکر ہفتہ میں تین بار شایع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستان اور دیگر ممالک کے قابل تذکرہ واقعات دلچسپ تنقیدات اور دلکش ادائے بیان کے ساتھ اسلامی جذبات کو متحرک کرنے اور قایم رکھنے کا کام بحُسن و خوبی انجام دیتا ہے۔ اور اپنی دلربا خصوصیات کے لحاظ سے ملک کا بینظیر اخبار ہے

قیمت سالانہ چھ روپیہ ششماہی تین روپیہ سہ ماہی ۲ عہ ماہوار ۹ ر

المشتہر

مینیجر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

مَیں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

(از جناب شیخ خالد شیلڈرک صاحب مسلم مشنری انگلستان)

مجھے اپنے والدین کے حکم سے چرچ آف انگلینڈ کے قواعد کی نہایت سخت پابندی کرنی پڑتی تھی۔ سات سال تک میں گویا بنا رہا۔ ہمارا پادری ایک ایسا شخص تھا۔ کہ جس کی میں اب بھی ہر طرح عزت کرتا ہوں۔ وہ راست باز متحمل مزاج۔ خطاؤں سے درگذر اور چشم پوشی کرنے والا اور اپنے وعدہ کا پکا تھا۔ میں اس بات کا معترف ہوں۔ کہ لڑکپن کے زمانہ میں مذہب کی وجہ سے مجھے کوئی دُکھ نہیں پہنچا۔ اور میری عبادت گویا ایک خود بخود حرکت کرنیوالا آلہ تھی۔ اس کے بعد میں دنیا میں مصروف بیکار ہوگیا اور بالکل نئے علائق سے میرا واسطہ آن پڑا۔ میرے پہلے ساتھی دہریہ اور رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ اس لئے ان مباحثات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جو میرے اور ان کے درمیان روزمرہ وقوع میں آتے تھے۔ ان مباحثات میں مَیں نے پہلی دفعہ اپنے عقاید پر حملہ ہوتے دیکھا۔ اور چونکہ اس نے مجھے بہت کچھ متزلزل کر دیا تھا۔ اس لئے میں نے اپنے رُفقا کے اعتراضات کو رد کرنے کے لئے اپنے مذہب کو مطالعہ کرنے کی سخت قسم کھائی۔ اس پر سخت پریشانی اور گھبراہٹ کی حالت

ہیں جب میں نے پڑھنا اور مسیحی لکچروں میں جانا شروع کیا۔ تو مجھے معلوم ہُوا۔ کہ میں کئی ایک اقوال پر جو بیان کئے گئے ہیں۔ ایمان نہیں رکھتا۔ میں نے عیسائیت کی تردید میں کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ جس سے میرا ایمان خطرہ میں پڑ گیا۔ میں حتی الوسع تمام عیسائی اور غیر عیسائی فرقوں میں جاتا رہا۔ اور ان سب کی تواریخ اور تعلیم پر غور کرتا رہا۔ اس جد وجہد میں صرف ایک فرقہ نے میری توجہ کو کھینچا۔ اور وہ یونیٹیرین چرچ سے تعلق رکھتا تھا تاہم چونکہ میں تثلیث کا پہلے سے معتقد ہونے کے باعث ضد اور ہٹ کی وجہ سے ابھی تک نہایت شوق، مستعدی بلکہ سرگرمی سے اسی آرزو میں پڑھتا رہا۔ کہ مجھے پختہ یقین ہو جائے۔ کہ عیسائیت ہی ایک سچا مذہب ہے اور تمام دوسرے مذاہب خدائے تعالےٰ کی طرف سے نہیں۔ میں ابھی تک دوسرے مذاہب اور فرقوں کے بالکل خلاف تھا۔ یہاں تک کہ میرا تمام مطالعہ نہایت تنگ خیالی اور خشک مزاجی کو لئے ہوئے تھا۔ آخر کار میں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ وہ مذہب جسے میں نے اپنی فطرت اور عقل کے مطابق ہونے کی وجہ سے اپنے دل میں جگہ دے رکھا ہے۔ وہ عیسائی گرجاؤں کی تعلیم سے بالکل مختلف ہے سب سے اول میں نے محسوس کیا۔ کہ اُنہوں نے مجھے یہ سکھایا ہے۔ کہ میں گناہ کی وجہ سے حمل میں آیا تھا۔ اور اس طرح سے انہوں نے میرے سب سے قریبی اور سب سے زیادہ پیارے رشتہ دار یعنی والدین کو سخت بے عزت کیا۔ میں نے پڑھا۔ کہ ان دونوں نے میری پیدائش کے لئے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا میں اس بات کو مان کر ان کا بیٹا کہلا سکتا تھا۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ میں خود فطرتاً گنہگار ہوں۔ اور کہ میں درحقیقت گناہ کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اور اس لئے میں اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق بہت زیادہ گناہ کرکے اور ایک بہت بڑا گنہگار بن کر خدائے تعالیٰ کی رضا کا موجب ہونگا

کیونکہ اس نے گناہ کو میری فطرت اور خلقت کا ایک جزو بنا دیا ہے۔ فطرت کا یہ نقشہ کس قدر بھدا اور ہنسی آمیز ہے پھر یہ خالق حقیقی کے کام کی کیسی بے عزتی اور تحقیر کی گئی ہے۔ نیز خود اللہ تعالےٰ پر کتنا بڑا افترا اور کفر باندھا گیا ہے! پھر مجھے یہ بتلایا گیا۔ کہ میں گنہگار ہونے کی وجہ سے تا حال دوزخ کا کندا ہوں۔ جس کی تصویر اس میں کھولتا ہوا پانی اور گندھک ہونیکی وجہ سے بہت ہی مہیب اور ڈراؤنی ہے۔ اور اگر میں بپتسمہ حاصل کئے بغیر مرجاؤں۔ تو میرے بچاؤ کی خواہ میں معصوم بچہ ہی کیوں نہ ہوں کوئی صورت نہ ہو گی۔ اور میری روح کو ہلاک کر دیا جائیگا۔ یہ عقیدہ اسلام کی اس تعلیم کے کس قدر خلاف ہے۔ جو بعد میں مجھے معلوم ہوئی۔ اور وہ یہ کہ تمام بچے فطرتی مذہب کے خواص لیکر پیدا ہوتے ہیں۔ جس کے بعد ان کے ماں باپ انہیں عیسائی۔ یہودی یا مسلمان بنا لیتے ہیں"۔ پس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے عیسائیوں کے متذکرہ صدر اعتقاد کی کافی تردید ہوجاتی ہے۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالےٰ جیساکہ بائیبل کی مختلف آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ در حقیقت ایک رحیم و کریم خالق نہیں بلکہ ایک وحشی دیو ہے۔ جس نے ایک ادنے اور حقیر انسان کی عامہ خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تمام انسانیت کو تباہ کر دینا چاہا۔ مجھ سے یہ اعتقاد رکھنے کی خواہش کی گئی۔ کہ خدائے تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا کرنیکے بعد یہاں تک اس کام کو بگاڑا۔ کہ اُس نے یہودیوں کے سوائے تمام دوسری قوموں کو تباہ کر دینا چاہا۔ اور اسی خیال کی بنا پر یہ فرضی حکم بھی اس کی پاک ذات کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو گویا اس نے یہودیوں کی برگزیدہ قوم کو دیا۔ اور ان کو کہا۔ کہ تم بنی نوع انسان میں سے ہر ایک فرد کو قتل کر دو۔ اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دو۔ کیا میں اس بات پر ایمان لاسکتا تھا؟ کبھی نہیں۔ خدا ان لوگوں کو معاف کرے۔ جو اس کی

ایسی سجو کیا کرتے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا۔ کہ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے لکھوکھا پیغمبر دنیا میں ہدائت کے لئے بھیجے۔ مگر انسان کچھ ہمیشہ سے ہی ضدی واقع ہُوا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو ابدی جہنم میں دھکیل دینا چاہا۔ جس سے خلاصی اور نجات کی صرف ایک ہی شرط تھی۔ جو اسطرح سے پوری ہوئی۔ کہ (نقل کفر کفر نباشد) خداوند کے اکلوتے بیٹے نے نسل انسانی کی حمایت کی۔ اور خداوند باپ اس بات پر رضامند ہو گیا۔ کہ اس کا بیٹا بطور قربانی ہلاک ہو جائے۔ اور اس کے کندھوں پر کل دنیا کے گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔ اس عقیدہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ خداوند اپنے بے قصور بیٹے کو قتل کرنے کا مجرم ہے۔ مگر اس نے اس جرم کا ارتکاب کیوں کیا؟ صرف اپنے اندھا دھند غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے میرے خیال میں اس عقیدہ کے بانی خدائے تعالےٰ کو ایک تند خو قاتل کی صورت میں پیش کرنے کے باعث نہایت سخت کفر کے جو ہم و خیال میں آسکے مرتکب ہوئے ہیں۔ پھر یہ عقیدہ کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ خداوند کا اکلوتا فرزند اس شرط پر کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائیگا کہ وہ اس کے نجات دہندہ خون پر ایمان لائے۔ اور اس وقت یہ گیت پڑھا جاتا ہے۔ کہ تیرے کے خون سے پاک کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ کسی پادری یا کسی کفارہ کے معتقد نے کسی مقتل میں جا کر خون سے غسل کیا ہو۔ اور پھر وہ پاک ہو گیا ہو۔ یہ ایک بہت ہی قابل نفرت خیال ہے۔ اور جہالت کی ایک یادگار جو بیسویں صدی کے دل و دماغ کے شایان نہیں۔ یہ بات میرے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ ایک تعلیم یافتہ شخص اس پر کیونکر ایمان لا سکتا ہے۔ پھر یہ عقیدہ کہ اس باری تعالےٰ نے دنیا کے لئے کوئی بیٹا اپنا متبنّٰی بنایا۔ اور اس کو انسانی خواہشات عطا کیں۔ یہ بھی میرے خیال میں ایک کلمہ کفر ہے۔ پھر

اگر کوئی شخص اس بناوٹی عقیدہ پر ایمان نہ لے آئے۔ تو اسے سخت عذابوں کا مورد خیال کیا جاتا ہے۔ اللہ اللہ خدائے تعالیٰ کی ذات اقدس کا یہ تصور کس قدر ہولناک ہے۔ آدم علیہ السلام کو بھی حالانکہ خدائے تعالیٰ کا بیٹا ہی کہا گیا ہے۔ مگر عیسائی ہم سے یہی منوانا چاہتے ہیں۔ کہ یسوع ہی اسکا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان اعتقادات کی رو سے خدائے تعالیٰ گویا (نعوذ باللہ) اپنے بیٹے اور تمام نسل انسانی کا ایک سخت ہیبتناک دشمن ٹھہرتا ہے۔ جس کا انسان کو فطرتاً گنہگار پیدا کرنا خود اسے بھی انسانی ہوا و ہوس کا ہی شکار ثابت کرتا ہے۔ بلکہ وہ تو ایک ایسی سخت فطرت والا ثابت ہوتا ہے۔ جو انسان کو بھی کبھی ہی میسر آئی ہوگی۔ کیونکہ ایسا کونسا باپ ہوگا۔ جو اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جان بوجھ کر اپنے ہی بیٹے کو قتل کر دے۔ میں نے دیکھا۔ کہ جس وقت عیسائی مذہب بہت عروج پر تھا۔ تو ہر ایک شخص جو اپنی تسلی اور اطمینان کے لئے کوئی سوچ وبچار کرنے کی جرأت کرتا۔ تو اسے زندہ جلا دیا جاتا۔ یا قید کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ کنیسہ کے قواعد خونریزی کا باعث تھے حال ہی میں جو جنگ بلقان میں عیسائی بہادروں نے اپنے اس اعتقاد پر عمل کرتے ہوئے۔ کہ مقدونیہ کے چند افراد کی نجات کے لئے مشرق ادنےٰ کو خون میں نہلا دیا جائے۔ جو خونریزی کی ہے۔ اور بعد ازاں ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر اس اعتقاد کو اور بھی پختہ کیا ہے۔ اور اس طرح سے عیسائیت کی طاقت اتصال کو ظاہر کیا ہے۔ ان سب امور کا ارتکاب کون سے عدل و انصاف کی رو سے جائز تھا؟ پھر مجھے معلوم ہوا۔ کہ ہماری آزادانہ تقاریر اور آزادیٔ تحریر کے ذمہ وار صرف آزاد خیال لوگ ہی ہیں۔ اور کہ جارج۔ جیکب۔ ہولیوک۔ چارلس بریڈلا اور ان کے پیروؤں کو اگرچہ بہت کچھ دکھ اور اذیتیں دی گئیں۔ مگر وہ اپنے اعتقاد پر پختہ رہے اور ہم اپنی آزادی کے لئے انہی کی قربانیوں کے ثمرات سے متمتع ہو رہے ہیں

ہم آزادی کے لئے عیسائیت کے رہین منت نہیں۔ بلکہ حقولیت اور دلائل کے احسانمند ہیں میں نے دیکھا۔ کہ بزرگان دین اس بات کے مقر ہیں۔ کہ وہ ان تمام کی صداقت ثابت نہیں کر سکتے۔ جو بائیبل کے مرتبین کی فہرست میں لکھے گئے ہیں۔ اور وہ اس بات کے بھی قایل ہیں۔ کہ بائیبل کی پہلی پانچ کتابیں حضرت موسیٰ کی تصنیف کردہ نہیں۔ اور کہ سلاطین تواریخ روت۔ یسعیاہ ملاکی وغیرہ وغیرہ نامعلوم الاسم لوگوں کی تصانیف ہیں۔ جو کہ ان انبیاء کے بعض صحائف کی بنا پر لکھی گئی ہیں۔ نیز یہ کہ متی مرقس۔ لوقا اور یوحنا ان اناجیل کے مصنف نہیں ہیں۔ اور ان چاروں کی بابت کئی عیسائیوں نے یہ اقرار کیا ہے۔ کہ وہ ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ اور کہا ہے۔ کہ چوتھی کتاب کو دوسری کتابوں سے تطبیق دینا بالکل ناممکن ہے۔ اور کہ پولوس نے وہ خطوط اور چٹھیات ہرگز نہیں لکھیں۔ جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اور اس لئے گویا تمام بائیبل جو دنیا کے آگے کتاب مقدس کے نام سے پیش کی جاتی ہے۔ نامعلوم الاسم مصنفین کی تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ پھر یہ امر کہ بائیبل میں بہت کچھ دستبرد اور تحریف و تبدل ان چند سالوں میں بھی عمل میں آیا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار سے سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ مجلس مصححین بائیبل نے حال ہی میں ۱ یوحنا ۵۔ آیت کو جو ان الفاظ میں تھی۔ کہ آسمان میں تین ہیں۔ جو دنیا کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ باپ۔ بیٹا اور روح القدس۔ اور یہ تینوں ایک ہی ہیں۔ اسے انجیل سے نکال دیا ہے۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ آیت انہیں کسی پرانے نسخہ سے دستیاب نہیں ہوئی۔ اور آگسٹائین کامٹ فرانسیسی عالم علوم دینیہ نے اقرار کیا ہے۔ کہ یہ آیت بعد میں انجیل میں ملائی گئی ہے۔ پھر اس آیت کو مارٹن لوتھر کی ملاوٹ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس بہت بڑے مصلح نے اگرچہ اپنے وقت کے عام دستور العمل کی مروجہ بدعات کی یقیناً اصلاح کی۔ مگر ان کو جڑ سے کاٹ ڈالنے کی وجہ سے اس نے بہت سخت ٹھوکر کھائی

جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

ہے۔ اس نے بائیبل کی تواریخ کو چھُوا تک بھی نہیں۔ بلکہ اسے اسی حالت میں جیسی کہ وہ تھی۔ قبول کر لیا۔ اور اس کی صداقت کو پرکھنے کی کبھی کوشش نہ کی جس کی وجہ زیادہ تر یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس قدر جرأت نہ رکھتا تھا لیعقر بظاہر بہت وہمی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سُنتے ہیں۔ کہ اُسے شیطان نظر آیا۔ اور اُس نے اس پر اپنی دوات دے ماری۔ لیکن اگر کوئی بائیبل کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کی خواہش میں اپنی آواز کو اُٹھانے کی جرأت بھی کرتا۔ تو لوتھر اسے ایذاء پہنچائے بغیر نہ رہتا۔ عیسائی مذہب کی بابت اگرچہ ہم نے سنا ہے۔ کہ یہ رومی شہنشاہوں کی ایذا رسانی کا شکار رہا تھا۔ مگر در اصل یہ مذہب کبھی بھی تحمل۔ بردباری اور برداشت رکھنے والا مذہب ثابت نہیں ہُوا۔ جونہی کہ شہنشاہ قسطنطین نے اس مذہب کو قبول کیا۔ اسی وقت سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایرین لوگوں کو جو حضرت مسیح کو نبی مانتے تھے۔ تثلیث پرستوں نے نہایت بے رحمی سے دکھ دینے شروع کر دیئے۔ الغرض ہمیشہ ہی جب کبھی اس مذہب کو عروج حاصل ہوا ہے۔ تو جس کسی نے اس کے ساتھ اختلاف رائے کے اظہار کی جرأت کی ہے۔ اسے سخت مصائب کے شکنجہ میں کھینچا گیا ہے۔ اور پروٹسٹنٹوں نے ویسی ہی خوشی اور شادمانی کے ساتھ کیتھولک فرقہ کے پیروؤں کو زندہ جلا دیا ہے۔ جیسا کہ کیتھولک لوگوں نے پراٹسٹنٹوں کے ساتھ یہیں سرزمین انگلستان میں یہی سلوک روا رکھا تھا۔

متذکرہ بالا تمام باتوں نے میرے دل میں یہ بات بٹھا دی۔ کہ کلیسیا کو سب سے پہلے قبل ازیں کہ وہ یسوع اور اس کی تعلیم پر کچھ بتائے۔ بائیبل کے ان اصلی نسخوں کو تلاش کرنا چاہیئے۔ جو کہ بے شک و شبہ ان ایام کے پیغمبروں اور مرسلین کے تصنیف کردہ ہوں۔ ورنہ عیسائیت ایک نامعلوم اور غیر معتبر کتاب کو یسوع کے مشن کی شہادت میں پیش کرنے کی وجہ سے ایک غلط مذہب ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ مذہب اسلام سے کس قدر متغائر ہے جس کی پاک کتاب قرآن

مجید آج ویسے ہی انسانی دستبرد سے پاک و صاف ہے۔ اور ابھی تک اپنی اصلی صفائی کے ساتھ قائم ہے۔ جیسی کہ اس وقت تھی۔ جب حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے اسے دنیا میں چھوڑا تھا۔ ہم بڑی جرأت سے ہر ایک حملے کا دلیرانہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن عیسائیت کو جب تک کہ وہ اپنی اصلی شکل و صورت کے صحیح حالات معلوم نہ کرلے۔ ہر ایک طوفان کے بالمقابل جھکنا اور سر تسلیم خم کرنا پڑیگا۔

پھر اگر ہم اناجیل کو موجودہ حالت میں بھی قبول کر لیں۔ تو کیا اس میں حضرت مسیح کا یہ قول ہمارے پڑھنے میں نہیں آتا۔ کہ "اگر کوئی تیری دہنی گال پر طمانچہ مارے تو بائیں بھی اس کے آگے پھیر دے" پھر اگر ہم اناجیل کی اس تعلیم کے رو سے بھی یورپ کا جائزہ لیں۔ تو کیا یورپ عیسائی ثابت ہوتا ہے۔ برطانیہ عظمی آئے دن ڈریڈناٹ بناتی چلی جا رہی ہے۔ اور بحری و بری افواج کے لئے بڑی بڑی رقوم صرف کی جاتی ہیں۔ لیکن ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ اگر انگلستان ایک عیسائی ملک ہے۔ تو اسے چاہئے۔ کہ اپنے تمام دشمنوں کو بلا کر اپنے تمام ممالک رعایا اور دیگر تمام مقبوضات اس کے حوالہ کردے۔ بہرحال ان دونوں امور سے کوئی ایک ضرور غلطی پر مبنی ہے۔ یا یسوع کی تعلیم صحیح نہیں اور یا یورپین اقوام کی پالیسی اور مکر و فریب اس کی صریح خلاف ورزی ہونیکے باعث کجی کا راستہ لئے ہوئے ہے۔ مجھے ڈبلیو سٹوارٹ راس جیسے زبردست مصنف سے جو سلطان صلاح الدین غازی اسلام کا اس قدر مداح ہے کہ اُس نے اپنا تاریخی نام بھی صلاح الدین رکھا۔ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ اگر خدا موجود ہے۔ تو وہ اس تصور و ادراک سے جو کہ عیسائیت نے پیش کیا ہے۔ بہت بالاتر ہے۔ اگر اس عالم میں کسی اعلیٰ طاقت (خداوند تعالےٰ) کی ہستی ممکن ہے (اور میں اس سے کبھی منکر نہیں ہوا)۔ تو وہ ان عاجزانہ و غریبانہ تصاویر سے بے اندازہ بڑھ کر ہوگا۔ جو کہ بائیبل نے

اس کی نسبت بیان کی ہیں۔ پھر اگر خدائے تعالےٰ کی شکل و صورت کے عین مطابق اس کا صحیح انعکاس ہماری فطرت میں ہے۔ تو وہ اعلےٰ نقشہ اسلام نے ہی ہمارے آگے پیش کیا ہے"۔ اس زبردست مصنف کے ذریعہ میں نے بدھ مذہب کا بھی مطالعہ کیا۔ مگر وہ تو خشک فلسفہ کہے جانیکا مستحق ہے۔ نہ کہ مذہب۔ ایک شخص جو کشکول ہاتھ میں لیکر بدھ مذہب کے معنک کی مثال پر عمل درآمد کرے۔ اور بھیک مانگتا پھرے۔ یا یسوع کی طرح سیاحت میں زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے یہ بات نہایت ہی تعجب خیز ہوگی۔ کہ اگر یسوع دوبارہ دنیا میں آئے۔ اور ویسے ہی ایک بھکاری کی زندگی اختیار کرے۔ تو کیا دنیا اسے قبول کرے گی نہیں بلکہ برخلاف اسکے اسے ایک آوارہ گرد اگر سمجھ کر قید کر دیا جائیگا۔ مجھے ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی۔ جو قابل عملدرآمد ہو۔ نہ کہ نرے خیالات اور غلط خوابوں میں ہی زندگی کو گذار دینے والا ہو۔ نہ ہی اس کے ذریعہ دوسروں سے قطع تعلق کرنا پڑے۔ بلکہ مجھے ایک ایسے دستور العمل کی ضرورت تھی۔ جس پر چل کر میں ہر گھڑی دوسروں کے لئے اور نیز اپنے واسطے ایک نمونہ بن جاؤں۔ میں نے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے دوسرے مذاہب کو بھی جس طرح سے کہ بہت لوگوں نے جو ان کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کیا کرتے۔ انہیں بیان کیا ہے مطالعہ کیا۔ اور بالآخر مجھے معلوم ہوا۔ کہ میرے اپنے خیالات جو ایک عقیدہ کے طور پر میرے ذہن نشین ہو گئے تھے۔ ہو بہو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر اس وقت پہنچا تھا۔ جبکہ ابھی تک میں نے کسی مسلمان کی لکھی ہوئی نہ ہی کوئی کتاب ہی پڑھی تھی۔ اور نہ ہی کسی مسلمان سے ملاقات کا موقعہ ہی مجھے میسر آیا تھا۔ میں نے اسلام پر عیسائی مصنفین کے متواتر حملوں کو دیکھا۔ اور اس پر میں نے اپنے آپ سے یہ سوالات کئے۔ کہ "یہ لوگ اسلام سے اتنے خائف کیوں ہیں ؟ اسلام نے وہ کون سی تعلیم دی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ کلیسیا کا ایک زبردست دشمن ٹھہر گیا ہے"۔ میں نے جہاں تک

ہو سکا۔ تمام کتابیں مہیا کیں۔ مگر وہ سب کی سب عیسائی محققین کی لکھی ہوئی تھیں۔ انہی کتابوں سے اپنے دل میں اصل معاملہ کو وزن کر لینے کے بعد میں دس سال ہوئے۔ کہ اس صداقت پر پہنچ گیا تھا۔ اور اپنے آپ کو مسلمان یقین کر لیا اسکے بعد پہلا مسلمان جس سے مجھے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی تھا۔ جو عیسائیت کو خود بخود ترک کرنیوالے شخص کی لوگ شاندار مثال ہے۔ اس کے ساتھ گفتگو کرنے اور ابھی تک عیسائیت کے جذبہ سے لبریز ہو کر نہایت تحقیق و تدقیق سے بحث کرنے کے بعد آخرکار میرے تمام شکوک رفع ہو گئے۔ اور میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسلام میں یہ امر عملی نقطہ خیال سے میرے لئے بہت ہی مؤثر ثابت ہوا ہے۔ کہ اس مذہب نے شراب۔ منشیات۔ اور جوئے کی قطعی ممانعت کی ہے۔ کیا عیسائیت نے بھی کہیں ان باتوں سے روکا ہے۔ کیا بائیبل میں کوئی ایسی آیت بھی ہمیں ملتی ہے۔ جس میں یورپین تہذیب کی ان اظہر من الشمس برائیوں کی تردید ہو۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ برخلاف اس کے اگرچہ میں اس بارہ میں عیسائیوں کی کوششوں کا مداح ہوں۔ مگر میں یہ ضرور کہونگا۔ کہ وہ اپنے اعتقاد اور مذہب سے زیادہ نیک راستہ جانتے ہیں۔ یسوع مسیح کا پہلا معجزہ۔ جو نئے عہدنامہ میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ ایک معمولی پینے والے پانی کو شراب اور اس سے خمیر دار شراب بنا دینا تھا۔ ہمیں انجیل (یوحنا ۲ باب ۱ سے ۱۱ آیت تک) میں میر مجلس کی بابت جو لاریب اچھی اور بری شراب کے تمیز کرنے کا اہل ہوگا۔ یہ لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کہ اس نے (اس بے خبری میں کہ یسوع نے پانی کو شراب بنا دیا ہے) یسوع سے پوچھا۔ کہ "تو نے اچھی مے اب تک کیوں رکھ چھوڑی ہے" بجائیکہ عام دستور کے مطابق "ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے" اور جب لوگوں کی قوت ادراک زائل ہو جائے۔ یا اس کے اپنے الفاظ میں "جب لوگ پی کر چھک

جائیں۔ تو اُس وقت اُنہیں ناقص شراب دینی چاہئے۔ تاکہ وہ اچھی و ناقص میں تمیز نہ کر سکیں۔ کیا یسوع کا یہ معجزہ منشیات کے رواج کو تقویت دینے والا نہیں۔ پھر عشائے ربانی کی تقدیس انگوری شراب سے کی جاتی ہے اور اگر کچھ پاک ہونے سے رہ جائے۔ تو جو پادری اس وقت متعین ہو۔ اسے اس کمی کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ پھر کیا پولوس یا کسی گمنام مصنف نے تیمتھیس کو یہ نصیحت نہیں کی؟ کہ اپنے پیٹ کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی شراب پی لیا کرے۔ ان حالات میں عیسائیت میں ترک منشیات کا خیال کہاں سے پیدا ہوا۔ کیا بائیبل سے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اسلامی ممالک کے حالات کو دیکھکر عیسائی لوگ اس نتیجہ پر پہنچے۔ کہ یہ ایک بہت سخت برائی ہے۔ اور اس لئے وہ ترک منشیات کی تعلیم میں جس سے ان کا اپنا مذہب عاری ہے۔ اسلام کے رہین منت ہیں۔ شراب خوری اور جوئے بازی عیسائی ممالک میں ایک لعنت ہے۔ اور جن ممالک میں مسلمان لوگ آباد ہیں۔ وہاں اس کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ اسلام ایک عروج اور ترقی کی طرف لے جانیوالا مذہب ہے۔ اور اس لئے دنیا کو بھی یہاں تک عروج کی طرف جانا اور روشن ضمیر ہونا چاہئے۔ کہ وہ بہت پاک وصاف اور شاندار ہوجائے مگر دوسری طرف عیسائیت نے ہمیشہ لوگوں کے فہم و ادراک کو دبانے اور روکنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسے بڑھنے نہیں دیا۔ یسوع کی زندگی کا بھی ہمیں کوئی حال معلوم نہیں۔ اور اس لئے وہ ہرگز ہمارا رہبر و رہنما نہیں ہوسکتا۔ مگر دوسری طرف حضرت محمد صلعم کی زندگی کے ایک ایک دن کا حال ہم پر پورے طور پر منکشف ہے تیرہ برس تک آپ کو طرح طرح کے دکھ اور اذیتیں دی گئیں۔ اور آپ نے صبر و استقلال اور برداشت کی عمدہ مثال قائم کی۔ پھر غالب آکر بھی ایسی حالت میں جبکہ آپ کے دشمن آپکے قدموں پر لوٹتے تھے۔ اور جبکہ آپ کو اپنا انتقام لینے اور اُن کو تباہ وبرباد

کر دینے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا کوئی شخص رحم دل اس وقت کہلا سکتا ہے۔ جب اسے انتقام لینے کا پورا موقعہ اور طاقت میسر ہو۔ اور پھر وہ معاف کر دے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ آپؐ کو غرور کا احساس تک بھی نہ تھا۔ کیونکہ آپؐ بادشاہت کی حالت میں بھی خود اپنے گھر میں جھاڑو دیتے اور خود اپنی جوتیوں کو گانٹھتے تھے۔ آپؐ نے اپنا تمام مال اور دولت محتاجوں اور غلاموں کو آزاد کرنے پر صرف کر دیا۔ اور آپؐ کی زندگی پیدائش سے لیکر مرنے تک دنیا کے لئے ایک نمونہ تھی۔ اسلام نے ہمیں... ایثار اور نیک کاموں کی ہدایت کی ہے۔ اور یہی وہ پاکیزہ شعار ہیں۔ جو ہمیں بہشت کا وارث بنا سکتے ہیں۔ نرا زبانی ایمان اور اقرار کسی کام کا نہیں۔ اگر اس کے ساتھ نیک اعمال نہ ہوں۔ خدائے تعالےٰ کی وحدانیت اور تمام انسانوں کی آپس میں اخوت اسلام کا مغرب کو ایک پیغام ہے۔ پھر کیا یہ ایسا اعتقاد نہیں۔ جس پر کہ مسلمانوں کو فخر کرنا چاہئے۔ مجھے مسلمان ہو جانے پر کبھی کوئی افسوس نہیں ہوا۔ اور نہ ہی میں خدا اور اپنے پاک رسول صلعم کا دامن پکڑنے پر کبھی شرمندہ ہونگا +

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدؐ رسول اللہ

ایک دہریہ کے مطالعہ کے لئے

نمبرا

کیا ہمیں بہت سی ایسی خواہشات اور ضروریات لاحق نہیں۔ جن کے پورا کرنے کے لئے ہم اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے؟ ہماری تمام ان ذرایع کے حصول پر صرف ہو جاتی ہے۔ جن سے ہماری قدرتی ضروریات پوری ہو سکیں۔ تمام وہ امور جن کو ہم تہذیب کے نام سے موسوم کرتے ہیں صرف

انسان کی طاقتوں کو اس طرف خرچ کرنے سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ خوشی وخوشحالی کا حصول اور دکھ اور تکلیف کا دفعیہ زندگی کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مگر پوری رضامندی اور خوشی ہماری قدرتی خواہشات کی مناسب تکمیل نہیں؟ ہم قانون قدرت میں دو چیزوں کی ہستی کا انکار نہیں کرسکتے۔ جن میں سے ایک تو ہماری ضروریات ہیں۔ اور دوسری نظام عالم میں ان کو پورا کرنے والے ذرائع کی موجودگی۔ ہمیں کان اور آنکھ عنایت کئے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں نغمہ ہائے شیریں اور خوشگوار نظاروں کی ضرورت ہے۔ پس ان کی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نفیس اور اچھے اچھے علوم وفنون کا استعمال کیا جائیگا۔ ہمیں شرب ونوش کے لئے عمدہ پانی اور نفیس کھانوں کی ضرورت ہے۔ جس کی تکمیل کے لئے ہم نے دُنیا چھان ماری۔ ہمیں اس سے بھی زیادہ بڑی بڑی خواہشات لاحق ہوجاتی ہیں مگر ان کے پورا کرنے کے لئے بھی ہمیں کوئی دکھ اور تکلیف اُٹھانی نہیں پڑتی۔ ہم محبت رحم اور فیاضی کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ پس ہمیں ان کی نمائش کے لئے کوئی نہ کوئی موقعہ ضرور تلاش کرنا چاہئے۔ چاہے وہ کچھ خرچ کرنے سے ہی ہاتھ آئے۔ اسی طرح کیا ہم میں تعریف۔ مدح گوئی اور شکریہ کی قابلیت نہیں۔ پھر کیا ہم اس وقت جبکہ ہمارے سینہ میں ان کا جوش پیدا ہو۔ ان موثر باتوں کا اظہار نہیں کرتے۔ ان شریفانہ خصائل کے اظہار کے ذرایع کرم گستری اور خوبصورتی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ان سے خوشی اور خوشحالی پختہ ہوجاتی ہے۔ ایک سخت سنگدل اور بے رحم آدمی بھی اس سے اختلاف نہیں کرسکتا۔ پس ہم خوبصورتی اور فیاضی کی صفات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب وہ صفات ہم میں پیدا ہوجائینگی۔ تو ہماری تعریف اور شکریہ کا احساس جوش میں آئیگا۔ اور بالآخر ظاہر ہوکر رہے گا مگر خوبصورتی اور فیاضی کی صفات ہم کو بے جان چیزوں کے ذریعہ ہی حاصل

ہوتی ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ہمیں ان کی بھی تعریف کرنی چاہئے۔ اور انکا شکریہ ادا کرنا چاہئے؟ نہیں بلکہ ایسا کرنا سراسر بے وقوفی کا کام متصور ہوگا اگر کسی علم و فن کی چیز کی خوبصورتی نے ہماری خوشی میں اضافہ کیا ہے۔ تو ہمیں شرائط یا تعریف کی مستحق اس چیز کو نہ ٹھہرانا چاہئے۔ بلکہ اس امر کے لئے اس ہستی کی طرف ہی نگاہ رکھنی چاہئے۔ جس نے اس چیز کو ہمارے لئے عیاں کیا۔ یا اسے مہیا کیا ہے۔

کیا ہمارے ارد گرد کا نظام عالم ہی ہماری خوشیوں کا منبع اور سرچشمہ نہیں؟ کیا دُنیا کے ایک چھوٹے سے ذرے سے بھی خوبصورتی اور فیاضی کا اظہار نہیں ہوتا؟ کیا اس کی گوناگون خوبیاں ہمارے حمد و ثنا کرنے والے خیال کو نہیں اُبھارتیں۔ تو پھر کیا یہ امر خلاف قانون قدرت ہے۔ کہ کسی چیز کی خوبیوں سے فائدہ اُٹھا کر اس سے شکریہ کا احساس کیا جائے۔ مگر ہم کبھی گونگی اور بیجان و مردہ اشیا کا شکریہ ادا نہیں کیا کرتے۔ بلکہ ہم ہمیشہ اپنے شکریہ کا تحفہ کسی ذی عقل ہستی کے آگے ہی پیش کیا کرتے ہیں۔ جو اس ہماری خوشیوں میں اضافہ کرنے والی شئے کو بنانے یا مہیا کرنے والی ہو۔ پس ان حالات میں اگر ہم اپنے چاروں طرف کی اشیاء سے مستفید ہو رہے ہوں۔ تو ہمیں اس استفادہ کے شکریہ کے لئے کس کو مخاطب کرنا چاہئے۔ شکر گذار ہونا انسانیت کا تقاضا ہے۔ اور کسی ایسی چیز کو تلاش کرنا جس پر اپنے شکریہ کا اظہار کیا جا سکے ایک فطرتی امر ہے۔ کیا ہمیں گونگی دنیا کی تعریف کرنی چاہئے۔ اور مردہ و بیجان مادہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے؟ اگر ہم ایسا کریں گے۔ تو گویا ہم اپنی اسی فطرت کے خلاف کارروائی کریں گے۔ پس ہمیں کسی ذی روح ہستی کی ضرورت ہے۔ جو ہماری حمد و ثنا اور شکریہ کی مستحق ہو۔ یہ صرف ایک فطرتی خواہش ہے۔ ہاں ہماری فطرت کسی عقلمند فیاض کو ڈھونڈتی ہے۔ جس سے کچھ فائدہ اُٹھانے پر اس کے آگے ہم اپنے شکریہ کا ہدیہ پیش کر سکیں۔ خدائے تعالےٰ کی بے شمار

رحمتیں اور برکات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس پر انسانی فطرت کے یہ تمام راز کھول دیئے گئے۔ اسلام کی پاک کتاب قرآن مجید کیا ہی شان دار پیرایہ میں خدائے تعالےٰ کی ہستی کو ذیل کے الفاظ میں ہمیں منواتی ہے۔ اس نے خوبصورتی اور فیاضی کے متعلق جو فطرت انسانی میں ودیعت کیگئی ہے۔ نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور اس طرح ہماری تعریف۔ اور شکریہ کرنے والے جذبات سے جو بالضرور کسی اعقلمند ہستی اور خالق کل یعنے خداوند تعالےٰ کے سامنے ہی آشکارا ہونے چاہئیں۔ یوں اپیل کی ہے :۔ تمام محامد اور صفات صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو کہ تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا۔ پالنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔ جن کی موجودگی ہماری پیدائش قیام اور پرورش کے لئے نہایت ضروری ہے +

نمبر ۲

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا

نظام قدرت میں ایک نہایت زبردست اور موثر نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ جو کہ ایک سطحی نظر سے دیکھنے والے شخص سے بھی پنہاں نہیں رہ سکتا۔ نظام عالم میں ہر ایک چیز بتدریج ترقی کر رہی ہے۔ لیکن اس کی ترقی کا راستہ معین اور محدود ہے۔ اسے چند ایک قوانین کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اور اس طرح وہ آزادانہ ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہاں وہ اپنے اردگرد کی دنیا کے لئے اسی صورت میں فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ جب وہ اپنے مقررہ دستور العمل پر گامزن ہو۔ ورنہ بصورت دیگر اس کا قوانین سے منہ موڑنا اسکی تباہی اور نقصان کے ہم معنی ہے۔ سورج ہر روز طلوع ہوتا اور پھر غروب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس روزانہ طرز عمل میں وہ اپنے مقررہ راستہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔ تمام نظام شمسی کرۂ ہوائی۔ زمین اور جو کچھ اس پر ہے۔ یہ تمام کے تمام ترقی کے راستہ پر چکر لگاتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر انکا یہ تمام فعل صرف مقررہ قواعد وضوابط کے ماتحت ہی ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

دن اور رات کبھی ایک دوسرے کی اقلیم پر قبضہ نہیں جما سکتے۔ یا یوں کہو کہ ایک دوسرے کی حدود کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ چاند اور ستارے کیسی اطاعت اور وفاداری کے ساتھ اپنے اپنے راستوں پر چلے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم نے قانونِ قدرت کے ان عجیب و غریب دنیوی مناظر اور تمام نظام عالم کی اس قابلِ غور اطاعت و فرمانبرداری کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کیا ہی عجیب کھینچا ہے۔

وآیۃ لہم الّیل نسلخ منہ النہار فاذا ھم مظلمون۔ والشمس تجری لمستقرلھا ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ والقمر قدرنٰہ منازل حتّٰی عاد کالعرجونِ القدیم۔ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الّیل سابق النہار وکلٌّ فی فلک یسبحون۔ اور ان کے لئے رات میں نشان ہیں۔ کہ ہم اس سے دن کو کھینچکر نکالتے ہیں اور دیکھو وہ اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور سورج اپنے قرارگاہ پر چل رہا ہے۔ یہ اس عزیز و علیم یعنے غالب جاننے والے خدا کا اندازہ ہے (جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا) اور ہم نے چاند کے لئے اسکی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کے مانند پھر واپس لوٹتا ہے۔ سورج اس قابل نہیں۔ کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن کے آگے نکل سکتی ہے۔ اور یہ تمام کے تمام اپنے اپنے دوائر میں گھوم رہے ہیں۔ قرآن کریم (۳۶ : ۳۷-۴۰)۔ کیا ہی عجیب صداقت ہے۔ کہ ہر ایک چیز اپنے اپنے حلقوں میں راستہ طے کر رہی ہے۔ قدرت کا ہر ایک ذرہ اپنے مقررہ راستہ پر ہی چل رہا ہے۔ وہ اپنے مقررہ اور لاتبدیل قوانین سے ذرہ بھر انحراف یا مداخلت بیجا کا مرتکب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے برخلاف ان کی کامل متابعت میں سرِ تسلیم خم کئے ہوئے چلا جا رہا ہے۔ یہی ایک امر ہے۔ جو متضاد عناصر کو بے ترتیبی اور ہنگامۂ و گڑبڑ سے نکال کر ایک باترتیب دنیا کی شکل میں خوش اسلوب بنا دیتا ہے۔ اور یہی ایک نظام ہے جس سے

تمام علمی انکشافات کا راستہ کھلتا ہے۔سائینس کچھ پیدا نہیں کرتی۔اور نہ ہی کچھ بناتی ہے۔بلکہ اس کے علمی ممالک کی وسعت صرف ان قوانین کے انکشاف اور واقفیت تک محدود ہے۔جو قدرت کے اعضاء و جوارح ہیں یا نیچرل طاقتوں کو حرکت میں لا رہے ہیں۔لیکن اگر قوانین قدرت کی لا تبدیل خاصیت یقینی نہ ہوتی۔اور نہ ہی ان قوانین کی پیروی ہی نظام عالم کے لئے ضروری ہوتی۔تو یہ انکشافات ناممکن اور نیز بالکل بے سود ٹھہرتے کیا یہ کوئی اتفاقی امر ہے؟ کیا نظام عالم ایک مقررہ قانون پر نہیں چل رہا کیا مادہ پر کوئی قانون حکمران نہیں؟ کیا اس کی حالت ارتقائی میں کوئی بے ترتیبی یا بے ضابطگی کبھی واقع ہوئی ہے؟ ایک نادان انسان اس کارخانۂ قدرت کو محض اتفاق پر محمول کریگا۔اور قانون اور ضوابط کو بھی اسی کا ایک نتیجہ قرار دیگا مگر سائینس نے ہمیشہ ضابطہ۔ترتیب اور باقاعدگی کو ہی تمام دنیا و مافیہا کے منتظم اصول سمجھا ہے۔اور اس کے انکشافات ہمیشہ وہ قواعد و ضوابط ہی ہوا کرتے ہیں۔جو مادہ پر حکومت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔یہ ایک نظام اور ترتیب کو ظاہر کرتا ہے۔قانون مادہ پر سبقت رکھتا ہے۔اور اس لئے اس میں کوئی بناوٹ یا اتفاق کی بات نہیں۔

ہم یہاں جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک لیکچر میں سے۔جو لاہور کے جلسۂ اعظم مذاہب میں پڑھا گیا تھا۔چند ایک فقرات نقل کرتے ہیں۔آپؑ نے ہستی باری تعالےٰ کو بدلائل ثابت کرتے ہوئے ذیل کے پاک الفاظ تحریر فرمائے ہیں:۔

"اگر ان کا کوئی مدبر نہ ہو۔تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے۔کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں۔جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ و برباد ہو سکتی ہے۔یہ کیسی قدرت حق ہے۔کہ وہ آپس میں

نہ ٹکراتے ہیں۔ نہ بال بھر رفتار بدلتے۔ اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے
کچھ گھسے۔ اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا۔ اگر سر پر کوئی محافظ
نہیں۔ تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خودبخود چل رہا ہے
انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خدائے تعالےٰ دوسرے مقام میں
فرماتا ہے۔ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنے کیا خدا
کے وجود میں شک ہوسکتا ہے۔ جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی"

اس نمبر میں ہم اپنے دہریہ دوست کے لئے اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور باقی مضمون کو جو اسی عنوان کے ماتحت لکھنے کا ہمارا ارادہ ہے۔ آئندہ اشاعت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ ہاں اب ہمیں اس مسیحی بھائی کے ساتھ دو دو باتیں کرنی ہیں جو عیسائیت کو موجودہ شکل میں صحیح تسلیم کئے ہوئے اور اس پر کاربند ہے ✦

دینِ فطرت

جو کچھ ہم یہاں بیان کریں گے۔ اگر وہ ہمارے مخاطب عیسائی کی ضمیر اور عقل سے داد انصاف طلب کرنے والا ہو۔ تو اسے فوراً شرائع اور رضا و تسلیم کے مذہب پر جو کہ اپنی ان خصوصیات کے باعث دینِ فطرت ہے۔ اور سائنس اس کی صداقت کو تسلیم کرتی ہے۔ ایمان لے آنا چاہئے۔ کیا ہم ایسے مذہب کو ترک کرسکتے ہیں؟ عیسائیت میں کلیسیا کا مذہبی اصول ہمیں ان قواعد و شرائع کی پابندی سے چھڑا دیتا ہے۔ پولوس کی تعلیم کے مطابق شریعت کو (نعوذ باللہ) لعنت خیال کیا جاتا ہے۔ اور انسان کو اس بات کے ناقابل یقین کیا جاتا ہے کہ وہ شریعت کی لعنت کا بوجھ اٹھا سکے۔ اور اس ناقابلیت کے باعث کفارہ کو نجات کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے مگر کیا بہر حال انسان خلاصۂ موجودات اور اشرف المخلوقات اور نظامِ عالم کا بہترین ماحصل نہیں؟ کائناتِ عالم میں اعلےٰ

سے اعلےٰ ساخت کی ہر ایک چیز اس کے اندر موجود ہے۔ ان کی خوشگوار ترکیب اس میں زندہ دلی۔ عقل و خرد۔ پاک جذبات اور ضمیر کو پیدا کرتی ہے اور ان سب کو بحیثیت مجموعی روح کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ عناصر کی شکل وصورت تو بظاہر تبدیل ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن ان کے خواص میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ قانون کی کلی طور پر سپردی کرنا اور اس لئے عجیب وغریب اور حسب خواہش نتائج پیدا کرنا عناصر کی خاصیت ہے۔ کیا وہ انسانی شکل میں اکٹھے اپنی خاص حالت کو چھوڑ دیں گے؟ پولوسی مذہب اور اس کی کلیسائی طریقت جتنا چاہے ایک انسان کی الوہیت اور کفارہ کے عقیدہ کو سچا ثابت کرنے کے لئے زور لگائے۔ لیکن سائنس کا رویہ اس کے بالکل برخلاف ہے اگر قوانین وشرائع پر چلنے کی قابلیت یقینی نہ ہوتی۔ تو کوئی شخص طبی علوم کا انکشاف نہ کر سکتا اور نہ ہی ان کو ترتیب ہی دے سکتا۔ رشتوں اور تعلقات کے ضوابط۔ دوستی کے قواعد اور اعضاء کے کام کاج کے قوانین جب باقاعدہ طور پر ترتیب دے دیئے جائیں۔ تو وہ ایک علم بن جاتے ہیں۔ انسانی اعضائے کے کاروبار کا ایک سرسری مشاہدہ بھی اسی صداقت کو ثابت کرتا ہے ہمارے پاس آنکھیں کان اور منہ وغیرہ ہیں۔ ان سب سے ذرا وہ کام تو لو جو اس کام سے جس کے لئے وہ بنائے گئے ہیں۔ متغائر ہو۔ وہ ناقص اور خراب ہو جائیں گے اور اپنی کو کھو دیں گے۔ لیکن وہ ہر ایک غیر فطری راہ پر چلنے سے قطعاً انکار کر دیں گے۔ ہاں انہیں مقررہ راستہ پر چلاؤ۔ تو تم انہیں پورے فرمانبردار پاؤ گے بلکہ ایسا کرنے سے وہ طاقت میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یہی قانون اور اطاعت کا مذہب تمام انسانی ساخت پر حاوی ہے۔ اگر ہمارے اعضاء اور جوارح کا بہترین اور فائدہ مند استعمال صرف چند ایک قوانین کی اطاعت سے ہی عمل میں آسکتا ہے تو اس استعمال کی درستگی باضابطہ ہدایات کی بہت زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ کیا تمام جرائم ہمارے اعضاء وجوارح اور بے شمار جذبات کے

غلط استعمال کی وجہ سے ظہور پذیر نہیں ہوتے؟ اگر کسی شہر کی حکومت ہمارے ہاتھ پاؤں اور منہ کا ہم سے صحیح استعمال کرانے کے لئے قوانین جرائم کو نافذ کرتی ہے تو کیا ہماری آزادی آرائے اور اختیارات پر حکومت کرنے کے لئے ہمیں کسی اعلیٰ قانون کی ضرورت نہیں؟ جو کہ ہماری تمام حرکات وسکنات کو صحیح اور درست کر دے۔ ہمیں محبت۔ رحم۔ تحمل۔ صبر۔ فیاضی۔ غصہ۔ انتقام۔ بہادری۔ بھوک اور پیاس وغیرہ وغیرہ جیسے کئی ایک اخلاق اور خواہشات کا حامل بنایا گیا ہے۔ ان تمام میں فوائد اور نقصانات سبھی کچھ ہیں۔ غصہ جب صحیح طور پر استعمال میں آئے۔ تو وہ نیکی بن جاتا ہے۔ اور غلط محبت گناہ ہو جاتی ہے۔ ...... ایک قاتل پر رحم کھانا سوسائٹی کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ اور قوت منتقمہ کا صحیح استعمال اسے امن اور سلامتی میں ڈال دیتا ہے۔ کیا ہم کسی ایسے قانون کے محتاج نہیں۔ جو انسانی فطرت کی تمام ان ہدایات۔ خواہشات نفسانی خیالات اور اخلاق کو درست طریق پر قائم کر دے۔ موجودہ مجالس کے کاموں میں اس ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ہم طوعاً و کرہاً تمام اخلاق اور خواہشات اور اپنے نفسانی خیالات کو پورا کرنے میں ان کو استعمال میں لاتے ہوئے ان قوانین پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ یہی بات جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے اعضاء وجوارح کی بابت بھی صادق آتی ہے پس انسان فطرتاً عملی طور پر فطرتی قانون و شرائع کے ٭ جو کہ اسلام یعنی خدائے تعالےٰ کی رضا کو تسلیم کرنا۔ اس کی اعلیٰ مرضی کی متابعت اور اس کی حکومت کی اپنی تمام آرائے شعور اور اختیارات سے بڑھکر کامل متابعت) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

یہ کوئی غلامی نہیں جسے نفرت انگیز کہا جا سکے۔ جیسا کہ جہلا اسے خیال کیا کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ ہمارے لئے قوانین نافذ کرتے ہیں۔ ہم ہر روز ایک اپنے سے زیادہ عقلمند صاحب اختیار کے آگے جھکتے ہیں۔ ایک ہم سے زیادہ دانا شخص آگے نکل جاتا ہے پس۔ اس سرچشمۂ عقل و علم کل سے زیادہ جو کہ

٭ یعنی پیروی اور فرمانبرداری کرتا ہے

بڑی دانائی اور عقلمندی کے ساتھ تمام کائنات پر ایسی حکومت کرتا ہے۔ جو اسکے لئے سب سے زیادہ فایدہ رسان ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون با اختیار دانا اور عقلمند ہو سکتا ہے۔ ×

× ×

× ؟ خود اس خالق ازلی کے سوائے اور کون ہمیں ان صحیح راستوں کا پتہ بتا سکتا ہے۔ جن پر چل کر اس کا مقصد پورا ہو سکے۔ اس لئے ہم اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام کے محتاج ہیں۔ قانون اور متابعت کا مذہب زندگی کا بہترین قاعدہ ہے۔ اور یہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو اس وقت الہام کیا گیا تھا۔ جب انہیں کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اسی مذہب اسلام (کامل متابعت) کا کوہ سینا کی چوٹیوں سے نہایت بلند آہنگی سے اظہار کیا گیا۔ فطرت انسانی بگڑ چکی تھی اور کوہ شعیر پر (جہاں اولو قوم رہتی ہے) اس کی کسی قدر اصلاح کی گئی تھی اسی مذہب نے قرآن کی تعلیم کے مطابق بنی نوع انسان کی دوسری اقوام پر بخشش اور مہربانی کی۔ نسل انسانی اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے ماتحت ہر جگہ پھیل گئی تھی اور جب اس کی ایک دوسرے سے..... جدا ہونے والی شاخوں کا ایسا ملاپ ہونے والا تھا۔ کہ جس سے تمام دنیا مل کر ایک ہو جائے۔ تو دین فطرت کے آخری مظہر کا کوہ فاران پر ظہور ہوا۔ اور اس طرح سے خداوند کے وہ الفاظ پورے ہو گئے۔ جو اسنے قدیم ایام میں موسےٰؑ کی زبان پر یوں فرمائے تھے :-

"اور اس نے کہا۔ کہ خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا"

حضرت مسیح نے مرتے دم تک اسی مذہب کی تعلیم دی۔ اگر صلیب کا واقعہ ایک نئے مذہب کی تعلیم کے لئے وقوع پذیر ہوا تھا۔ جو کہ اس کو بوجہ خدا ہونے معلوم تھا۔ اور ان کے علم سے باہر نہ ہو سکتا تھا۔ تو کوہِ او تور سے وعظ و نصیحت

کرنے اور خطے پڑھنے کی اُن کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کیا اس نے یہ نہ کہا تھا؟ کہ "یہ نہ سمجھو۔ کہ میں شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کے لئے آیا ہوں"۔ یہ وہ مذہب ہے۔ جو اُنہوں نے اپنے پیرووں کو سکھایا۔ کیا آپ نے پولوس کو اس بات کا اختیار دے دیا تھا۔ کہ وہ شریعت کو منسوخ کروے۔ جیسا کہ اُس نے بعد میں کیا لیکن وہ جو کہ آپ کے بعد آیا۔ اُس نے تمام صداقت اور راست بازی کی ہی تعلیم دی۔ کیا یہ کوئی نئی صداقت تھی جس نے شریعت کو منسوخ کر دیا تھا۔ اور جو کہ کلیسیا نے دُنیا کے آگے پیش کی؟ متی باب ۵ اور ۶ کو ذرا غور سے پڑھو۔ اس میں آپ کے وعظ کا طرز اس قسم کا ہے۔ جیسا کہ تم سُن چکے ہو........ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ .... کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ حضرت مسیح کچھ شریعت سکھا رہے ہیں؟ اگر آپ کو یہ علم تھا۔ کہ آدمی اس کی پیروی سے ناقابل ہے۔ تو گویا وہ اپنے پیرووں سے مذاق کر رہے ہیں اگر شریعت لعنتی تھی تو کیا وہ اس لعنت کو اور زیادہ بڑھانے کے لئے آئے تھے؟ نعوذ باللہ من ہذہ الہفوات۔ خدا ہمیں ان باتوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ لیکن موجودہ کلیسیا کی تعلیم کا یہ ایک صحیح نتیجہ ہے۔ یہ تمام امور سادہ لوح اشخاص کے لئے بھی بالکل صاف ہیں مگر ہاں کلیسیا کا ایک پادری اپنا علمی چغہ کندھوں پر ڈال کر ان باتوں کو بھلا دے سکتا ہے ✦

سچی اور جھوٹی عبادت

عنوان بالا کے تحت میں بشپ جے۔ سی۔ رائیل ڈی ڈی نے چند ایک نہایت خوبصورت خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس کو ڈرومانڈز ٹریکٹ ڈپوسٹرلنگ نے ایک چھوٹے سے ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا ہے۔ ہم اس میں سے

ذیل کا اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جو امید ہے۔ کہ ہمارے ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہو گا۔

"ان آیات میں آخری بات جو ہماری توجہ کی محتاج ہے۔ وہ آدمی کا خدا کے حکم کو نیست و نابود کر دینے کی تجاویز سوچنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے خداوند نے تین دفعہ فریسیوں پر یہ الزام دیا "کہ تم خدا کے حکم کو ترک کر کے آدمیوں کی روایت کو قایم رکھتے ہو" "تم اپنی روایت کے ماننے کے لئے خدا کے حکم کو کیا خوب باطل کرتے ہو!" "یوں تم خدا کے کلام کو اپنی روایت سے جو تم نے جاری کی ہے۔ باطل کر دیتے ہو" فریسیوں کی پہلی کوشش یہ تھی کہ وہ اپنی روایات کو کتاب مقدس کے ساتھ بطور مفید ضمیمہ جات کے شامل کر دیں۔ دوسری تجویز یہ تھی۔ کہ ان کو خدا کے حکم کے ساتھ ایک ہی جگہ شامل کر دیا جاوے۔ اور ان دونوں (یعنے خدا کے احکام اور فریسیوں کی روایات) کو ایک جیسی وقعت دیں جسکے بعد آخری کوشش یہ تھی۔ کہ ان کی عزت و عظمت کتاب مقدس سے بڑھ چڑھ کر کی جاوے۔ اور عہد نامہ جات کو شریعت کی حیثیت سے گھٹا دیا جاوے۔ یہ حالات تھے اس وقت کے جب ہمارا خداوند دنیا پر ظاہر ہوا تھا۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے۔ کہ عیسائی بہت دور تک اکثر اوقات اس بارہ میں فریسیوں کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کے اسی طرز عمل نے رفتہ رفتہ دوبارہ اپنی جگہ لی ہے۔ اور وہی نتائج ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

یہی رسم و رواج رفتہ رفتہ خدا کے احکام سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ جم گئے ہیں۔ اور خدا کے اپنے حکم کی سند سے زیادہ جوش کے ساتھ ان کے لئے مدافعت کی جاتی ہے۔ ہمیں اس کے لئے مثالیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ کلیسیا کی اپنی تاریخ انہیں مہیا کریگی۔

ہمیں نجات کے لئے خدا کے حکم کے ساتھ کسی اور شئے کو ملانے کی کوشش

سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہماری یہ حرکت خدائے تعالےٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہے۔ اور اس طرح سے وہ غصہ ہو کر ہم پر سخت سے سخت بلاؤں کا نزول فرماتا ہے۔ ایسی حرکت کا سرزد ہونا گویا عملی طور پر یہ کہنا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مقدس کتاب مکمل نہیں۔ اور یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ گویا ہم اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے جو وہ انسان کی نجات کے لئے ہمیں دیتا ہے۔ زیادہ بہتر جانتے اور علم رکھتے ہیں۔ خدا کے حکم کے ساتھ کچھ اور ملا کر اس کی اصلیت کو باطل کر دینا ویسا ہی برا کام ہے۔ جیسا کہ انہیں انسانی دستبرد کے نیچے دبا کر اس میں سے کچھ نکال باہر کرنا اور جیسا کہ اس کی صداقت کا انکار کر دینا ہے۔ تمام کتاب مقدس اور ہاں صرف کتاب مقدس ہی ہمارے لئے واجب العمل ہونی چاہئے۔ اور اس میں کچھ بھی بڑھنا یا گھٹنا نہ چاہئے۔

بالآخر ہمیں ان مذہبی باتوں میں جو انسان کے منہ سے نکلی ہیں۔ اور ان میں جن کا صاف طور پر خدا کے کلام میں حکم دیا گیا ہے۔ تفریق کا ایک وسیع خط کھینچ دینا چاہئے۔ خدائے تعالےٰ کے احکام نجات کے لئے ضروری ولابدی ہیں۔ مگر انسانی حکم ایسے ضروری نہیں۔ انسانی حکم خاص خاص اوقات کے لئے تو مفید اور ضروری ہو سکتے ہیں۔ مگر نجات ان کی تقلید پر منحصر نہیں ہے خدائے تعالےٰ جس بات کا حکم دیتا ہے۔ وہ ابدی زندگی کے لئے ایک لازمی امر ہے۔ اور جو شخص جان بوجھ کر ان کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ اپنی روحانیت کو تباہ و برباد کر لیتا ہے"

اسلامک ریویو۔ ہم ان بلند خیالات کی جو ایسی سچائی کے ساتھ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ بڑے زور سے تائید کرتے ہیں۔ یہ الفاظ کہ "خدا کے احکام نجات کے لئے نہایت ضروری اور لابدی ہیں۔ لیکن انسانی حکم نہیں" صداقت سے پورے طور پر لبریز ہیں۔ اور زندگی کے نشیب و فراز کا بہترین پہلو کہے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک سچے عیسائی کو دیکھنا چاہئے

کہ ان کے خداوند کے کلیسیا کی بنیاد اس کلام پر رکھی گئی ہے۔ جو اس کے پاک منہ سے نہیں نکلے پس اسے تمام انسانی دستبرد سے پاک وصاف کر دینا چاہئے مگر شاید اس اصلاح کے کام میں سب سے زیادہ مشکل یہ سوال ہوگا۔ کہ کلیسیا کی تاریخ میں اس مقام کو واضح کر دیا جائے۔ جہانکہ کلیسیائے مسیح پر تصرف کرنے کے لئے اس میں انسانی تجاویز کا دخل اور عملدرآمد شروع ہوگیا۔ ناصرت کی کونسل اور دوسری ایسی ہی کمیٹیوں کے فیصلہ جات کو انسان بہت آسانی سے بالائے طاق رکھ سکتا ہے۔ مگر موجودہ کلیسیائے مسیح کی تو اصل عمارت ہی پولوس کی تحریرات پر مبنی ہے حالانکہ پولوس کے مذہب کی بنیاد مسیح کی تعلیمات پر نہیں۔ کیونکہ درحقیقت وہ خداوند کے الفاظ کا سند کے طور پر بہت ہی جزورسی سے استعمال کرتا ہے۔ اسکی نیم منطقی اور نیم مصنوعی مذہبی گرم جوشی اس کے تمام مذہب کا مجموعہ ہے اگر ہم بائیبل کو انسانی دستبرد سے پاک وصاف کر دینا چاہیں۔ تو ہم پولوس کی تحریرات کو اس میں سے نکال باہر کریں گے۔ مگر ہمارے راستہ میں ایک اور مشکل بھی حائل ہے۔ کاش ہم مذکورہ بالا ریورنڈ بشپ کے الفاظ میں یہ کہہ سکتے۔ کہ تمام کتاب مقدس اور ہاں صرف کتاب مقدس ہی ہمارے لئے واجب العمل ہونی چاہئے۔ اور اس میں کچھ بھی بڑھانا یا گھٹانا نہ چاہئے ۔ بائیبل کے متعلق کوئی شخص خط کشیدہ الفاظ کو منہ سے نکال نہیں سکتا۔

ناظرین آئندہ نمبر میں اس بارہ میں ایک مفصل مضمون میں بعنوان "بائیبل کہاں ہے؟" کچھ ملاحظہ فرمائینگے۔ وہ پاک صحیفہ جو محدود انسان کے لئے ایسا قابلِ فہم ہے۔ کہ ہم اس کی نسبت آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس میں کچھ گھٹا یا بڑھایا نہیں گیا۔ وہ صرف قرآن کریم ہی ہے۔ جس نے ہماری زندگی کا ایک کامل ضابطہ بنایا ہے۔ اور جو کہ ہماری تمام ضروریات کو رفع کرتی ہے *

خطبۂ جمعہ

جو ۷ جولائی ۱۹۱۶ء کو وہائیٹ سٹی انگلستان میں جناب حضرت
خواجہ کمال الدین صاحب نے پڑھا

توحید باری تعالیٰ

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد فمن کان یرجو لقاء
ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً

ترجمہ:- کہدے (اے رسول) کہ سوائے اس کے نہیں - کہ میں تمہارے مانند ایک آدمی ہوں - ہاں میری طرف یہ وحی بھیجی جاتی ہے - کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے - پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو - اسے چاہئے - کہ عمل صالح بجا لائے - اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ ٹھہرائے

معزز خواتین اور اخوان! میں تم کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ایک انسان کے ملنے پر نہایت زور سے مبارک باد دیتا ہوں - تم انسان ہو - اور انسانی خیالات اور جذبات ہی تم میں موجزن ہیں - نیز تمہاری تمام قابلیتیں اور قوائے انسانی رنگ میں ہی رنگین ہیں - اور اس لئے تمہاری رہنمائی اور تعلیم کے لئے بھی کسی انسان ہی کی ضرورت ہے - ہم بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پاک اور برگزیدہ آقائے نامدار پر جس نے قرآن کریم کے مندرجہ بالا الفاظ میں پکار کر کہا - کہ انما انا بشر مثلکم بجا فخر رکھتے ہیں - یہی الفاظ وہ اعلیٰ شاندار ترقیات کی خوشخبری اور انسانی ترقی کی بہترین تحریک ہیں - نیز ہمیں اس بات کی ترغیب و تحریص دلانے کے لئے کہ ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی پیروی کریں - ہمارے اس ایمان سے زیادہ زبردست چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی - جو ہم ان کی اور

اپنی بحیثیت انسان ہونے کے یکسانیت ہیں رکھتے ہوں۔ انسان اور یہاں صرف انسان ہی ہمارے لئے بہترین نمونہ بن سکتا ہے۔ اور کوئی حیوان یا فرشتہ کسی ایسے کام نہیں آسکتا۔ کیا ہم نقال اور تقلید پسند مخلوق نہیں؟ کیا ہماری تربیتِ اخلاق میں آبائی اور موروثی خیالات سے بہت بڑھکر ہمارے قرب و جوار کا اثر نہیں ہوتا؟ بچپن سے لیکر جوانی کی عمر تک ہمارے والدین۔ ہمارے اُستاد۔ ہمارے دوست یا یوں کہنا چاہئے۔ کہ وہ شخص جو دوسرے سے بڑھکر اثر رکھتا ہو۔ اپنے نمونہ کی طرف ہماری توجہ کو کھینچتا اور ہمیں اپنا مطیع بنا لیتا ہے۔ لیکن ہمیں کبھی کسی ایسی ہستی کی تقلید کرنے یا اس کی نقل اتارنے کا خیال تک بھی نہیں آتا جس کی فطرت اور قابلیت ہماری اپنی فطرت سے بالکل مختلف ہو۔ ہم شیر اور ہاتھی کی ان کی بہادری اور طاقت کے باعث بہت تعریف و توصیف کیا کرتے ہیں۔ مگر انہیں اپنے لئے نمونہ کبھی نہیں بنایا کرتے۔ ہم میں شیر یا ہاتھی بننے کی نہ تو خواہش اور نہ طاقت اور قابلیت ہی ہے۔ ان حالات میں کیا خدا بن جانے کی خواہشات ہمیں لایق اور سزاوار ہیں ہرگز نہیں۔ ہم میں اس بات کی کوئی خواہش اور رغبت ہی نہیں ہم اپنی فطرت انسانی کی مقررہ حدود سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ جب حالت ایسی ہے۔ تو پھر ایک متشکل خدا کی (جو انسانی لباس پہنکر دنیا میں آنازل ہو۔) ہمیں نمونہ کے لئے کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ قرآن کریم کی ایک آیت میں اسی صداقت کو کیا ہی صاف اور صریح الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ

وما منع الناس ان یومنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشرًا رسولا قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ یعنے لوگوں کو (خدا کی طرف سے) آئی ہوئی ہدایت کی پیروی کرنے سے سوائے اس کے اور کسی چیز نے نہیں روکا۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ کیا اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تو کہدے (اے رسول) کہ اگر زمین

میں فرشتے آرام سے چلا کرتے۔ تو ہم فرشتے رسولوں کو ہی ان پر آسمان سے نازل کرتے۔ ایک فرشتہ صرف فرشتوں کی طرف ہی خدا تعالےٰ کی طرف سے رسول ہو کر آسکتا ہے۔ وہ اپنے جذبات و احساسات میں ہم سے بکلی مختلف ہونے کے باعث ہمارا رہبر یا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ تو اور خود خدا تعالیٰ کی الوہیت کی نقل بھی ہم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم اپنی انسانی حدود سے ہرگز تجاوز نہیں کر سکتے۔ میں حیران ہوں۔ کہ یسوع مسیح کو خدا بنانے پر مغربی کلیسیا کو کس بات نے آمادہ کیا۔ ابن مریم خدا ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ یہ مسئلہ کسی معقول اور سمجھدار انسان کے غور و فکر کے شایانِ شان نہیں۔ مگر بہر حال فیصلہ کن امر یہ ہے۔ کہ اگر وہ خدا ہے۔ تو وہ بنی نوع انسان کے لئے نمونہ یا اس کا ہادی بننے کے لائق نہیں درحقیقت یسوع نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسے خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ مگر اس نے دوسروں کو بھی اسی خطاب کے لائق سمجھا۔ اس نے ہمارے لئے چند ایک اخلاقی قوانین وضع کئے مگر اس نے شریعت کو سرے منسوخ یا باطل نہیں کیا۔ اس نے عجوبہ کام اور معجزات بھی دکھائے۔ مگر اس نے دوسروں میں ایسی طاقت کے ہونے کا انکار نہیں کیا۔ اور درحقیقت مجھے تو تمام عیسائی کتب میں اس کی نسبت کوئی ایسی بات پڑھنے میں نہیں آتی۔ جس کی اس کے ہمسروں میں ہونے کا انکار کیا جا سکے وہ مجسم انسان تھا۔ اور اس لئے دوسروں کے لئے نمونہ بننے کے لائق۔ اور اس کے گرد و نواح کے تاثرات کو بھی کافی گنجائش مل سکتی تھی۔ کفارہ کی نسبت میں جتنا بھی تھوڑا ذکر کروں زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اس لحاظ سے بھی وہ کوئی نمونہ نہ تھے۔ کوئی دوسرا شخص اس لعنت عالمیان یا گناہان دنیا کو جو کہا جاتا ہے۔ کہ انسان کے گلے مڑھ دی گئی ہے۔ اٹھا لینے کے لئے خدا نہیں بن سکتا الغرض یسوع خواہ خدا ہے۔۔۔۔ یا نہیں مگر اگر ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو انسانی نمونہ کی حیثیت سے مجھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا

کیونکہ میں ایک انسان ہوں۔ اور انسانی خیالات اور جذبات رکھتا ہوں۔ الغرض یسوع مسیح خدا ہو یا نہ ہو۔ اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن اگر وہ سچ مچ خدا ہی تھا۔ تو انسانیت کے لحاظ سے اس کا نمونہ میرے لئے کوئی کارآمد چیز نہیں۔ بلکہ اس کا عدم وجود برابر ہے۔ کیونکہ اس حیثیت میں مجھے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں انسان ہوں۔ اور انسانی خیالات و خواہشات رکھتا ہوں۔ ہاں عرب کے عظیم الشان اور برگزیدہ نبی صلعم کی اطاعت مجھے بہت پسندیدہ ہے۔ جنے انما انا بشر مثلکم کہہ کر اپنی بشریت کا یقین دلایا آپ کا یہ قول میرے آگے سچے نمونہ کو پیش کرتا۔ اور میری آنکھوں کے سامنے خوشنما امیدوں اور شاندار ممکنات کا ایک نہایت واضح اور درخشاں نظارہ لے آتا ہے۔ انما انا بشر مثلکم کے قول سے آپ ایک عظیم انسان اور نہایت اعلےٰ نمونہ بن جاتے ہیں۔ میں ترقی و عروج کی اس عظیم الشان چوٹی پر خواہ چڑھ نہ سکوں۔ مگر آپ کے موثر الفاظ میری استعداد پر سے تمام شک و شبہات کے بادلوں کو دور کر دیتے اور امید و کامیابی کا دروازہ کھول دیتے ہیں آپ مجھے یہ یقین دلا رہے ہیں۔ کہ آپ اور میں اختیار اور قوت و امکان کے لحاظ سے ایک جیسے ہی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی آرزوؤں اور خواہشات میں آپس کے حصہ دار ہیں۔ اور انسانی ضروریات کے ایک دوسرے کے برابر محتاج ہیں۔ اپنے آسمانی پیشوا اور رہبر کے بارہ میں یہ یقین ہمیں صرف اس کے نقش قدم پر چلنے کی بدیں امید تحریک کر سکتا ہے۔ کہ ہم اس پر چل کر انسانیت کے اصل مقصد کو حاصل کر لیں۔ کیا کوئی خدا بہ لباس انسانیت مجھے یہی الفاظ کہکر میرے صاف و شفاف دل کو خوشنما امیدوں اور خوشخبریوں سے پر کر سکتا۔ اور میری زندگی کو صحیح طور پر ہزارہا سال تک قایم رکھ سکتا تھا۔ میرے آقائے نامدار جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کیا ہی خوب اور سچی ہدایت کی ہے کہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم یعنے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو آؤ میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تعالے تم سے محبت کریگا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔ اور اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے۔ مگر دوسری طرف جناب یسوع اگر وہ واقعی خدا ہیں۔ تو وہ کبھی اپنے نقش قدم پر چلنے کی مجھے ترغیب نہیں دلا سکتے۔ خداوند کی حیثیت میں اس کا نمونہ میرے لئے ناقابل تقلید ہے۔ کیونکہ اس کے اور میرے خیالات اور خواہشات و ترغیبات بالکل متغائر ہونے کے باعث وہ مجھے غدا نہیں بنا دے سکتا

ایماں دار اور سچے مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کا سب سے اعلےٰ اور مکمل نمونہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور دریں صورت کہ انہوں نے خود انما انا بشر مثلکم کہکر اپنے آپ کو ہمارے جیسا انسان ہی قرار دیا ہے۔ تو ایسی حالت میں خداوند تعالےٰ کے سوائے کوئی بھی ہمارا معبود نہیں ہوسکتا اس مخفی صداقت کو کیسے صاف اور صریح الفاظ میں ہمارے ذہن نشین کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد دیکھو دوسرے چھوٹے چھوٹے نبیوں اور فرقوں کے مقدس اور روحانی آدمیوں کو ان کے پیروؤں نے خدا بنا لیا تھا۔ لیکن قرآن کریم کی صاف اور کھلی کھلی تعلیم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی پرستش کی خفت سے بچا لیا بنی نوع انسان میں مساوات اور ان کی آپس میں ایک دوسرے سے مشابہت جسے اسلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس طرح زور سے پیش کرکے صاف کر دیا ہے۔ رشک کا ایک جذبہ پیدا کر دیتی ہے لیکن اس سے کسی کی کوئی ذاتی فوقیت ممکن نہیں۔ اسلام کے جو کہ اخوت و مساوات کے قایم کرنے والا ایک ہی مذہب ہے۔ خدا کی وحدانیت پر زور دینے کا یہی ایک بہت بڑا سبب ہے۔ یہ مت خیال کرو۔ کہ ہمارا غدا کوئی عام خدا ہے"۔ خدائے تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھیرانا ..... اخلاق عقل اور

روحانیت کو بہت حد تک غلام بنا دیتا ہے۔ جب ہم خدائے تعالے کی توحید پر ایمان لاتے ہیں تو ہم ایک اور صرف ایک ہی ہستی کو اپنا معبود و مسجود سمجھتے ایک ہی کو اپنی رہبری کا باعث یقین کرتے۔ اور اس ایک ہی کو ایسا مانتے ہیں کہ جس سے ہمیں اپنی رہبری اور امداد کی توقع رکھنی چاہئے۔ ہاں وہ ایک ہی ہمارے دلوں میں محبت۔ ڈر اور خوف اور عزت وعظمت کا سکہ بٹھا سکتا ہے۔ اس طرح سے خدائے تعالے کی وحدانیت پر ہمارا ایمان تمام صحیح اور درست جمہوری خیالات کو نشو ونما دیتا ہے۔ ہاں یہ ایمان روح کی خودمختاری اور چال چلن کی پختگی اور عمدگی کو پیدا کرتا۔ اور اطاعت اور غلامانہ کفش برداری کے رذیل خیالات کو نیست ونابود کر دیتا ہے۔ میں اپنا نفع نقصان خود ہی سمجھ سوچ سکتا ہوں۔ میں اپنی زندگی کا خود ہی ناخدا ہوں۔ اور اپنی قسمت کی گتھی کو آپ ہی سلجھانے والا ہوں۔ میرے لئے دوسروں کے برابر سب راستے کھلے ہیں۔ اور تمام مواقع میرے آگے پیش ہیں۔ اور میں وہ سب کچھ کرسکتا ہوں۔ جو دوسروں نے کیا ہے۔ اس لئے ایک مسلمان توحید باری تعالے پر پختہ ایمان رکھ کر کسی ایسی چیز پر اپنے خیالات کو بانٹ نہیں سکتا۔ جو انسانوں کی باہمی مساوات کے اس جذبہ کو تباہ کر ڈالے۔ یا اسے نظر انداز کر دے۔ سوسائٹی میں انسانوں کا تفاوت مراتب کسی حالت میں بھی بنی نوع انسان کی اس مساوات کا منافی یا مخالف نہیں۔ بلکہ یہ انفرادی کوششوں کا نتیجہ اور زیادہ جدوجہد کا محرک ہے یہ ترقی کے مواقعات کی برابری ہے۔ جو سب لوگوں کے لئے ویسے ہی کھلے ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ خدائے تعالے کے افضال دنیا میں سب پر برابر ہیں۔ اگر دوسرے لوگ درجہ ورتبہ میں مجھ سے کسی طرح بڑھ گئے ہیں۔ تو یہ کوئی نادر وصف نہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسی چیز کا انکشاف ہے۔ جو کہ مجھے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ ہاں جو کچھ کسی دوسرے کے پاس ہم سے زیادہ ہے

ہمارے لئے اس پر مہر نہیں لگ گئی۔

خدائے تعالیٰ کی وحدانیت تہذیب کا جزو اعظم ہے

توحید باری تعالیٰ پر ایمان جیسا کہ اسلام نے تعلیم کیا ہے۔ ایک اور مقصد کو بھی سرانجام دیتا ہے۔ تاریخ عالم کے نامعلوم زمانوں سے اسلام کی آمد تک انسان عناصر قدرت کو جن میں بے جان بتوں سے لیکر مردم پرستی تک سب کچھ شامل ہے۔ پوجتا رہا۔ مگر جس طرح سے مردم پرستی۔ آزاد خیالی کی دشمن اور ہمارے اندر سے رشک و مقابلہ کی اس خواہش کو تباہ کر دینے والی ہے۔ جو کہ ہمیں کامیابی و سبقت کی مملکت کا پروانہ راہداری دلا دیتی ہے۔ ویسے ہی عناصر پرستی علوم طبیعیہ کے اکتساب میں ہماری ترقی کے راستہ میں بمنزلہ سد سکندری کے حایل ہو جاتی ہے۔ ہمیں کائنات عالم پر انکشافات علوم کی کلید رکھنے کے باعث اپنی بزرگی و فوقیت پر ایک پختہ ایمان ہونا چاہئے۔ اور خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر ہمارا ایمان اس بارہ میں ہمارے لئے بہت بڑا مدد گار ہے۔ ایک ہی معبود کے اسلامی عقیدہ سے ہمارے تمام دوسرے معبود ہمارے برابر ٹھیر جاتے۔ بلکہ ہمارے خدمت گار ثابت ہوتے ہیں لیکن اگر طبعی انکشافات کی الوہیت پر ہم ایمان رکھتے ہوں۔ تو کیا ہم ان سے ایک نوکر جیسا سلوک روا رکھ سکتے ہیں۔ انسان گذشتہ زمانوں میں سورج چاند اور ستاروں کا پرستار رہا ہے۔ اور اس نے دریاؤں۔ ہواؤں اور درختوں کی مہا گائی گئی ہے۔ اور اس لئے وہ ہمیشہ ان کی عزت و عظمت کو ملحوظ رکھتا اور ان کا ڈر اور خوف اس پر مستولی رہتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا دلی جذبہ ہے۔ جو علمی تحقیقات کے لئے مفید نہیں۔ انسان اپنے معبودوں کی حقیقت اور ان کے اندرونی خواص دریافت کرنے کے لئے انہیں زیر تحقیقات لانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسا خیال ہی ذہن میں نہیں لا سکتا تھا۔ اپنی ضروریات کے لئے ان کو استعمال میں لانے

کا خیال تو کفر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اسلام کے ظہور سے پیشتر علمی تحقیقات میں کوئی باقاعدہ ترقی نہیں ہوئی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کے دل میں توحید باری تعالےٰ کا نقش پختہ طور پر جما دیا ہے۔ اور اس طرح سے اس پاک کتاب نے نہ صرف تمام جھوٹے خداؤں کو تخت الوہیت سے اُتار کر نیچے دے مارا ہے۔ بلکہ انہیں ہمارا خادم اور ضروریات کو پورا کرنے والا ظاہر کیا ہے چنانچہ اس بارہ میں قرآن کریم کے بعینہٖ الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ۔ وسخر لکم الانھٰر وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار (۱۴-۳۸) الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض (۳۱-۱۹)

جو کچھ آسمان میں ہے۔ اور جو کچھ زمین کے اوپر یا اس کے اندر ہے۔ وہ سب کا سب انسان کے مطیع کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک صداقت ہے۔ جو کہ قرآن کریم نے انسان پر بہت ہی دلچسپ پیرایہ میں ظاہر کی ہیں۔ کیا ہم اس ایمان کے بغیر چھلانگیں مار کر ویسی ترقی کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس زمانہ میں کی ہے؟ کیا یہ آیات کریمہ تمہیں اور زیادہ آگے بڑھنے کی ترغیب نہیں دلاتیں اور قدرت کی پوشیدہ اور مخفی طاقتوں کو تمہارے قبضہ اور تصرف میں نہیں دے دیتیں۔ کیا اگر کائنات عالم کی ہر ایک مخفی طاقت تمہارے ماتحت ہو۔ اور تم کو اسکی پوری بصیرت اور معرفت حاصل ہو۔ تو عجائبات کا انکشاف کوئی ناممکن امر ہے۔ کیا اس لئے تمام دنیا اس عظیم الشان صداقت کا صحیح علم حاصل کرنے میں قرآن کریم کی ممنون احسان نہیں؟ ہم اگر توحید باری تعالےٰ پر خاص طور پر زور دیں۔ تو اس سے دنیا پر ہمیں ہی غلبہ و اقتدار حاصل ہوگا۔ اور انسانی مساوات قایم ہو جائیگی۔ ورنہ خواہ ہم اکیلے خدائے تعالےٰ کی پرستش کریں۔ یا اس کے ساتھ دس ہزار اور معبودان باطلہ کو بھی شامل کر لیں۔ تو

اس سے اس کا درجہ نہ تو کوئی رتی بھر بڑھتا۔ اور نہ ہی اس کی عظمت میں کوئی ذرہ برابر بھی فرق آجاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کے لئے آپ مکتفی ہے اور وہ کوئی حاسد خدا نہیں۔ اس کی تعظیم وتکریم کرنا گویا اپنی عزت کو بڑھانا اور ترقی کرنا ہے۔ ہم حب قدرت یا اس کے اجزا اور انسان وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تو اس سے ہم اس کے اصلی تصور کو بہت گھٹا دیتے ہیں

موجودہ جنگ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر ۱

(جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا لیکچر مسجد وکنگ ہیں۔)

آج سے چند ہفتے پیشتر جب میں ایک دن جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بیان کر رہا تھا۔ اور آپؐ کی زندگی کو انسانیت کا بہترین نمونہ ظاہر کیا تھا۔ تو لیکچر کے بعد کے سوالات میں مجھ سے یہ دریافت کیا گیا تھا۔ کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگجو کی حیثیت میں بھی انسانی تقلید کے لئے ایک پسندیدہ نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ میں نے اس وقت اس سوال کا جو کچھ جواب دیا تھا۔ گذشتہ چند ایک ہفتوں کے واقعات کا ہولناک انکشاف اس کی پوری تائید کرتا ہے۔ دیوانے جنگ آزما کتوں[1] کی زنجیر کھول دی گئی ہے۔ اور دنیا بدقسمتی سے ایسی نہایت سخت دردناک تباہیوں کو دیکھ رہی ہے۔ جن کا اسے اپنی پیدائش سے آج تک شاید ہی سامنا کرنا پڑا ہو۔ کوئی شخص جنگ کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ تہذیب وشائستگی کو دھکے دیتا اور اس سے منہ موڑتا ہے۔ اور انسانی ترقیات کو روک دیتا ہے۔ یہ دکھ اور مصائب کو بڑھاتا۔ اور عیش وآرام کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ بایں ہمہ ہم باوجود اپنی مفروضہ تہذیب اور شائستہ خیالات

[1] یعنے جرمنی و آسٹریا۔

کے جنگ کے آہنی پنجوں میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم مغرب میں اس اچانک آتشزدگی وشعلہ افگنی کا ملزم چاہے قیصر کو ٹھیرائیں۔ یا اُسکی ذمہ داری زار کے سر تھوپیں مگر کیا کوئی شخص دیانت داری کا ایک شائبہ لئے ہوئے بھی اس کارروائی پر کوئی نقص عائد کر سکتا ہے۔ جو برٹش گورنمنٹ اپنی مرضی اور خواہش کے برخلاف اس بیہودگی میں حصہ لینے کے لئے کرنے پر مجبور رہوئی ہے۔ سر ایڈورڈ گرے نے لڑائی کو روک دینے یا اُسے محدود اور مختص المقام رہنے دینے کے لئے بہت کوشش کی۔ مگر ان کی یہ تمام شریفانہ کوششیں ناکام اور بے سود رہیں۔ اور واقعات کی رفتار میں ایسا برقی اثر آ گیا۔ کہ اڑتالیس گھنٹوں میں وہ قوم جو لڑائی پر سخت نارضامند اور ناخوش تھی۔ خود ہی اس میں پھنس گئی۔ اور وزیر خارجہ کو سوائے اس کے کچھ بن نہ آئی کہ وہ اس روش کی اطلاع دے دے۔ جو کہ اس قوم نے نہایت سخت نارضامندگی کے ساتھ اختیار کی تھی۔ یہ روش محض اپنی مدافعت اور خود حفاظتی کے لئے اختیار کی گئی تھی۔ اور اسلئے کسی جگہ بھی اس پر کوئی ملامت کا اظہار نہیں ہوا۔ کیبنٹ (مجلس مشاورت) کے وہ ممبر بھی جو کہ سر ایڈورڈ کی تائید پر آمادہ نہ تھے۔ اُنہوں نے بھی اُنکی تجاویز کی مخالفت پر ہی ضد اور ہٹ نہ کی۔ یہاں تک کہ اس جنگ و جدال میں سوشلسٹوں نے بھی شریک کارزار ہونا ضروری سمجھا۔ یہ ایک ضروری بات بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ علو مراتب کے فرائض کو پورا کرنے کے لئے ایک زبردست للکار ہے۔ کیا مذہب اس شریفانہ جواب کے خلاف جو انگریزی قوم نے ہتھیار کے ذریعہ سے دیا ہے۔ کچھ کہہ سکتا تھا؟ نہیں۔ بلکہ کلیسیا اس خوفناک حالت میں حصہ لینے کو موجود ہے۔ اور پادری بھی قوم کی ہستی کو برقرار و مستحکم رکھنے میں امداد دینے کے لئے دنیاداروں کے ساتھ آ شریک ہوئے ہیں۔ اور اسلحہ کو چومتے اور انہیں اپنی برکت دیتے ہیں اگرچہ اس کے معاوضہ میں ان کی عیسوی ضمیر بالکل ہی ضائع ہو جاتے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس وقت جبکہ انہوں نے اپنی اور اپنے مریدین کی جانوں کو بچانے کے لئے ہتھیار اُٹھائے تھے۔ ایسے ہی بلکہ ان سے بھی زیادہ خوشگوار حالات درپیش نہ تھے؟ پورے تیرہ سال تک آپ کو نہایت سخت دُکھ اور اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور آپؐ نے ان کو کمال تحمل اور صبر سے برداشت کیا۔ پھر آپؐ کے قتل کے لئے ایک منصوبہ گانٹھا گیا اور اس ہولناک تجویز کے ورود سے بچنے کے لئے حضور اپنے وطن مالوف سے بھاگ جانے پر مجبور ہوئے۔ آپؐ اور آپؐ کے مریدین نے مدینہ میں جا کر پناہ لی۔ مگر دشمن نے وہاں بھی آپکا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ آپؐ کو مار دینا چاہتے تھے۔ اور اس لئے اُنہوں نے فوجوں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی اُنہوں نے پہلی دفعہ اُس وقت اپنا گھونسہ رسید کیا تھا۔ جبکہ آپؐ مکہ میں تھے۔ اور اب وہ دوسرا گھونسہ مارنے کے لئے آپؐ کے پیچھے آئے تھے۔
"دائیں گال" پر طمانچہ مارا جا چکا تھا۔ اور بائیں پر مارنے کا اب ارادہ کیا گیا تھا۔ کیا اب بھی آپؐ کو ہاتھ پاؤں نہیں ہلانے چاہئیں تھے۔ اور دوسری گال بھی دشمن کے آگے پھیر ہی دینی چاہئیے تھی۔ وہ شخص جو امن اور چین کے خوشگوار سایہ میں محفوظ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نازک حالت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جبکہ دشمن نے مکہ سے مدینہ تک چڑھائی کرنے کے لئے جہاں آپؐ کی قلیل جماعت رہتی تھی۔ بارہ دن کے سفر میں سے نو دن کا راستہ طے کر لیا تھا۔ اور اس طرح سے آپؐ دشمن کے مقابلہ میں اپنی چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ شہر سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہونے پر مجبور ہو گئے۔

لیکن موجودہ زمانہ کی نظیر شاید اس پر پوری نہ اُترے اور اس کے بالکل مخالف نظر آئے۔ جرمن انگلستان پر حملہ آور ہونے کے لئے برلن سے روانہ نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی ابھی وہ بحیرۂ انگلستان تک پہنچے ہی ہیں۔

اگر انہوں نے بلجیم کی غیر جانبداری میں دست اندازی کی ہے۔ تو محض فرانس پر شمال کی طرف سے حملہ آور ہونے کی تدبیر کو حل کرنے کے لئے انہوں نے ایسا کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے انگریزی قوم کی سلامتی کے معرض خطر میں پڑ جانے کا (بالکل صحیح اور جائز طور پر) خیال کر لیا گیا ہے۔ اور اسلئے اپنی خود حفاظتی کے لئے قدم اٹھانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس تجویز پر تمام قوم کی تائید سے عمل کیا گیا ہے۔ پھر کلیسیا نے بھی اس کی منظوری دے دی ہے۔ مگر کیا یہ یسوع مسیح کی لفظی یا معنوی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ نہیں۔ بلکہ تاریخ کے تیرہ سو سال کے واقعات کو دوہرایا گیا ہے۔ اور انگریزی قوم نے مقدس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر چلنا شروع کیا ہے۔ ہوس آف کامنز کی میز پر اس تجویز کے جواز میں بلیو بک (پارلیمنٹ یا پریوی کونسل کے فیصلہ جات کی رپورٹ) رکھدی گئی۔ اور سر اڈورڈ گرے اور وزیر اعظم نے اپنی کارروائیوں کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے اپنی تاریخی تقاریر سے صاف طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت دیا ہے۔ مسٹر اسکوئتھ نے اپنے نن کنفرسٹ (کلیسیا سے منحرف) ضمیر کے ساتھ پہاڑی وعظ کو پس پشت ڈال کر پیغمبر اسلام کی پیروی اختیار کی ہے۔ ہاں یہ ایک سچی بات ہے۔ کہ اپنی مدافعت اور خود حفاظتی کے لئے لڑنا ایک بہت بڑی ضرورت۔ خالص نیکی۔ اور ٹھیک صداقت ہے۔ مذہب ایک دستور العمل ہے نہ کہ نرا اصول۔ اور انسانی عملدرآمد ہی اس کی تعلیم کی صداقت کو پرکھنے کی ایک کسوٹی ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی مدافعت میں جنگ کئے۔ جبکہ آپ کی ہستی کے برقرار رہنے کے دوسرے پرامن ذرائع نابود ہوگئے تھے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے جن کے ماتحت آپ نے

اللہ تعالےٰ کے حکم سے پہلی دفعہ ہتھیار اُٹھائے تھے ملتا ہے اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا۔ وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا (۲۲ + ۴۰ - ۴۱) ترجمہ ان لوگوں کو جنھوں نے اپنے پر ظلم و ستم ہونے کے باعث ہتھیار اُٹھائے ہیں۔ لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ان کی امداد پر قادر ہے وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے ناجائز طور پر نکالا گیا ہے۔ صرف اس لئے کہ اُنہوں نے کہا۔ کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالےٰ ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو بعض کی مدافعت میں کھڑا نہ کر دیتا۔ تو مندر گرجے۔ یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اکثر اللہ تعالےٰ کا نام لیا جاتا ہے یقیناً گرا دی جاتیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو ان کے گھروں میں سے نکال دیا گیا۔ اُنہوں نے طرح طرح کے مصائب اور دُکھ برداشت کئے۔ اور ان سب دکھوں میں ان کا جرم صرف یہی تھا۔ کہ وہ ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ خدائے تعالےٰ بالضرور بعض لوگوں کو دوسروں سے اگر اول الذکر موخر الذکر کی جان اور مال کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کریں۔ تو پسپا کرا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دشمنوں کے درمیان پہلی تین لڑائیوں کا موقع و محل ہی اس دکھ دہ سوال کا فیصلہ کر دیتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگجویانہ کارروائی صرف بچاؤ اور مدافعت کے لئے اور ایک ضرورت کی بنا پر تھی۔ پہلی لڑائی بدر کے مقام پر جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام مدینہ سے تین دن اور دشمن کے شہر مکہ سے ۹ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ہوئی۔ دوسری لڑائی احد پر جو کہ مدینہ سے ایک دن اور مکہ سے گیارہ دن کی مسافت پر واقع

ہے۔ وقوع پذیر ہوئی۔ تیسری لڑائی مدینہ میں ہوئی۔ جہاں دشمن مکّہ سے چل کر آیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہیں قیام پذیر تھے۔ کیا ان حالات میں یہ جان لینا کوئی مشکل امر ہے۔ کہ فساد کا بانی کون تھا۔ اور اسے روکنے والا کون؟*

منبر پر کھڑے ہوکر زبانی صبر و برداشت کا سبق دے لینا تو پسندیدہ امر ہے۔ مگر اسے کر کے نہ دکھانا ان الفاظ کو مردہ ثابت کر دیتا ہے۔ ہمیں اس تعلیم کی جو مسیح کی طرف منسوب کیجاتی ہے۔ جانچ پڑتال کر کے اسے غلط ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ اس کے پیروؤں نے اس کی تعلیم پر کاربند ہونے کی کبھی پروا نہیں کی۔ عیسائیت اسوقت تک متحمل و بردبار تھی۔ جب تک کہ وہ غلامی کی حالت میں تھی۔ مگر جونہی کہ اسنے کانسٹنٹائن کو اپنا حلقہ بگوش بنا کر ترقی و عروج کی چوٹی پر پہنچنے کے لئے پہلے ہی زینہ پر قدم رکھا۔ تو اس نے اپنے خداوند کی تمام تعلیمات کو بھلا دیا۔ مگر وہ اس کے خلاف بھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔ جو کچھ اسے سکھایا گیا تھا۔ اس پر کاربند ہونا ناممکن تھا۔ اور چونکہ اس کی بجائے اور کوئی دوسری تعلیم نہ تھی۔ اس لئے اسے اپنی سمجھ اور شعور پر کاربند ہونا پڑا۔ اور اس لئے قتل و غارت وقوع پذیر ہوئی۔		(باقی آئندہ)

---

*۔ ہم آئندہ اشاعت میں جناب حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی سابق ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کے ایک فاضلانہ مضمون کا اقتباس ہدیہ ناظرین کرینگے جو کہ ۱۹۰۶ء میں "اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ" کے عنوان سے شایع ہوا تھا۔

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

اسلامی مشن انگلستان کے معرکتہ الآراء تبلیغی کارنامے

نمبر ۳

گذشتہ اشاعت میں جن دس خواتین کے جناب مولانا مولوی صدر الدین صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کی خوشخبری ناظرین کو سنائی گئی تھی۔ ان میں آخر شوال تک تین اور سعید روحوں کا اضافہ ہوا۔ علاوہ ازیں ایک نہایت معزز انگریز بنام مسٹر ونیڈر ہلٹ نے جس کا خاندان اسی نام سے کل یورپ و امریکہ میں ممتاز خاندان ہے مسجد ووکنگ کے [illegible] منعقدہ جلسہ میں جناب مولانا صاحب کے لیکچر کے بعد بصدق دل مسلمان ہونا چاہا۔ جس پر اسے کلمہ شہادت پڑھا کر اس سے توحید باریتعالےٰ نبوت اور بشریت مسیح اور رسالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کیا گیا۔ اور جناب مولانا صدر الدین صاحب نے اس کا نام ابوبکر تجویز کر کے اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت مال دیا ہے۔ عقل اور فراست بخشی ہے۔ اخلاص عطا کیا ہے۔ اس جہت سے میں انکا نام ابوبکر رکھتا ہوں۔ اور فال یہ لیتا ہوں۔ کہ وہ اپنے بزرگ حضرت خلیفہ اوّل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر تبلیغ اسلام کریں گے۔ اور اس راہ میں ویسا ہی ایثار دکھائیں گے۔" اس کے جواب میں تم اٹھ کر اقرار کے طور پر انہوں نے اپنا ہاتھ مولوی صاحب موصوف کے ہاتھ میں دیا اور زبان سے اعلان کیا۔ کہ میں اس امر کا عہد کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ ان کو توفیق دے! آمین ÷

اس کے علاوہ امریکہ میں بھی ایک دولت مند تاجر نے بذریعہ خط و کتابت اسلام قبول کیا۔ اور اس کا نام بھی تجارت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مناسبت رکھنے کے باعث ابوبکر رکھا گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

علاوہ ازیں ایک اور قابل قدر کوشش جو جناب مولٰینا صدر الدین صاحب کے اسلامی جوش اور سچے درد دل کا پورا ثبوت دیتی ہے۔ وہ لورپول کی جمعیت اسلامیہ کے پراگندہ افراد کو دوبارہ اتحاد و اتفاق کی سلک میں منسلک کرنے اور انہیں آپس میں ملکر وہاں تبلیغ اسلام کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دلانا تھا۔ ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ آج سے بہت عرصہ پیشتر لورپول میں ایک نومسلم غازی اسلام مسٹر محمد عبد اللہ کوئیلیم نے وعظ و تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی شہرت کل بلاد اسلامیہ اور بالخصوص یورپین ممالک میں ایک عرصہ تک رہی لیکن افسوس ہے کہ یہ سلسلہ بہت عرصہ تک جاری نہ رہ سکا اور مسٹر عبد اللہ کوئیلیم کو بعض ناموافق حالات کے پیش آجانے پر لورپول چھوڑ کر مفقود الخبر ہو جانا پڑا۔ اور اس لئے ان کی عدم موجودگی میں ان کا مشن بھی تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ بلکہ اُنہوں نے اپنی رات دن کی کوششوں اور بڑی جانکاہی سے نومسلموں کی جو چھوٹی سی جماعت وہاں بنائی تھی۔ وہ بھی ان کے چلے جانے کے بعد منتشر ہو گئی۔ اور وہ ایک دوسرے سے کچھ ایسے بیگانہ ہوئے۔ کہ باوجود اسلامی عقاید و شرایع پر ایمان رکھنے کے وہ ایک دوسرے کی جان پہچان سے بھی ناواقف ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی اس مردگی پر رحمت الٰہی نے دوبارہ جوش مارا اور مشیت ایزدی نے جناب مولٰینا صدر الدین صاحب کو اس بات کے لئے اُبھارا کہ وہ اُن کے لئے باران رحمت بن جائیں۔ اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا کے نقاطر سے دوبارہ انہیں جان ڈالدیں۔ چنانچہ گذشتہ ماہ میں آپ صرف دو دن کے لئے لورپول تشریف لے گئے۔ اور اپنے بچھڑے ہوئے نومسلم بھائیوں کو دوبارہ گلے لگانے کے لئے وہاں اُن کی تلاش میں مصروف ہو گئے مگر انہیں باوجود بہت جدوجہد کے ساتھ اسلامی گھروں

ہیں سے صرف تین کا پتہ لگ سکا۔ مگر ان تینوں گھرانوں کو بھی شیخ عبداللہ کوئیلم کے بعد اور جناب مولوی صاحب کی تشریف بری سے پیشتر کبھی آپس میں ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا تھا۔ ان میں سے ایک گھر میں تو ایک ستر سالہ خاتون ہیں جنکا ایک نوجوان صاحبزادہ ہے۔ یہ دونوں ماں بیٹے بڑے پکے مسلمان ہیں۔ اور دونوں مصنف ہیں سوائے تصنیف انکا کوئی کام نہیں اپنی تصنیف میں انکا خیال رہتا ہے۔ کہ کس موقعہ پر کسی اسلامی تعلیم کا ذکر کریں یا کسی اعتراض کا جواب دیں۔ دوسرے صاحب کا نام ہارٹیمور ہے اور تیسرا گھر خود شیخ عبداللہ صاحب کوئیلم کا ہے۔ ان کے ایک صاحبزادہ بلال کوئیلم صاحب وکیل ہیں اور دوسرے احمد کوئیلم صاحب ایم اے اب صرف کلارک ہیں۔ پہلے وہ ٹرکی کی طرف سے وائس کونسل تھے۔ لیکن باپ پر مصیبت آنے کی وجہ سے ان کا کام بھی بگڑ گیا۔ شیخ صاحب کی دو صاحبزادیاں ہیں جو بڑی لائق ہیں ایک کا نام حلیمہ کوئیلم صاحبہ ہے۔ اور دوسری کا حنیفہ کوئیلم صاحبہ ان تین گھرانوں سے ملاقات کرنے اور ان سے دیگر نومسلموں کے تیس کے قریب نام حاصل کر لینے کے بعد ان کے گھروں کے پتہ لگانے کا کام جناب مولینا نے شیخ صاحب کے لڑکوں کے ذمہ ڈالا اور ان کے مفصل پتے تحریر کر نیکی فرمائش کی تاکہ ان کے نام اسلامک ریویو جاری کیا جاوے۔ اور ان کے میل ملاپ کا کچھ سامان کیا جائے علاوہ ازیں لورپول میں جناب شیخ عبداللہ کوئیلم صاحب کی ایک مسجد بھی تھی جہاں عبادات اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شیخ صاحب کے وقت میں جاری تھا لیکن بعد میں حالات زمانہ نے اسپر بھی دست درازی کی اور اسکا نقشہ بدلکر کچھ اور ہی ہوگیا یہ مسجد اب گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے اور وہاں اب ویکسی نیشن ڈیپارٹمنٹ ہے۔

اس کے علاوہ جناب مولینا نے شیخ عبداللہ کوئیلم صاحب کا بھی مختصر سا حال تحریر فرمایا ہے۔ اور یہ خوشخبری سنائی ہے۔ کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں اور وہ عنقریب اُن سے خط و کتابت شروع کریں گے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ
مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو
زیر ادارت
جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مبلغ اسلام انگلستان

نمبر ۶	بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء	جلد ۱
خریداران پیغام صلح سے دو روپیہ (عہ)	فہرست مضامین	قیمت سالانہ تین روپیہ (سے)

لاھور احمدیہ بلڈنگس سے
[illegible] کو خلیفہ رجب الدین صاحب کی اہتمام سے احمدیہ سٹیم پریس
لاھور میں چھپکر شایع ھوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

اسلام اور جنگ

گذشتہ نمبر میں جناب مکرمی معظمی حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے ایک لطیف لیکچر بعنوان " موجودہ جنگ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم " کے ایک حصّہ کا ترجمہ ہم نے ہدیہ ناظرین کرنے کے بعد فٹ نوٹ میں اس بات کا وعدہ کیا تھا۔ کہ آئندہ نمبر میں حضرت مولانا مولوی محمدؐ علی صاحب کے ایک مبسوط مضمون بعنوان " اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ " کا اقتباس ہدیہ ناظرین کیا جائیگا یہ مضمون جیسا کہ گذشتہ نمبر میں بھی ظاہر کیا گیا تھا ریویو آف ریلیجنس ۱۹۰۶ء میں طبع ہو چکا ہوا ہے۔ اور اگرچہ اس لحاظ سے وہ ایک پرانا مضمون ہے۔ مگر اپنی نوعیت میں ایک ایسا نرالا مضمون ہے۔ کہ جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں نیا ہی رہے گا۔ اور اس پر پرانا ہونیکا لفظ کبھی صادق نہیں آسکتا مگر تاہم چونکہ آج کل بعض طبائع کچھ ایسی جدت پسند واقع ہوئی ہیں۔ کہ وہ ہر ایک چیز کو ہر رنگ میں ہی نیا دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور دوسری طرف خود حضرت مولینا نے بھی آج کل اسی موضوع پر ایک اور لطیف مضمون اخبار پیغام صلح میں شائع کرایا ہے۔ جو مبسوط اور جامع ہونے کے ساتھ مختصر

بھی ہے۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ موعودہ مضمون کی جگہ اسی کو ذیل میں نقل کر دیا جائے۔

اس مضمون میں اگرچہ اسلامی جنگوں کے ساتھ مسیحی لڑائیوں کا مقابلہ نہیں کیا گیا۔ اور اس لئے ممکن ہے۔ کہ بعض نکتہ چین طبایع اس کو موعودہ مضمون کی جگہ دینے میں تامل کریں۔ مگر ہمارے خیال میں جس طرح سے آفتاب کے طلوع ہو جانے پر کسی شخص کو اس بات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کہ وہ چاند اور ستاروں کی روشنی کے ماند ہو جانے پر فلسفی اور منطقی دلایل پیش کرتا پھرے۔ اور کوئی دوسرا اس صریح مشاہدہ کے مقابلہ میں اپنی من گھڑت باتوں کو زیادہ وقعت دے۔ ایسا ہی اس حقیقی آفتابِ اسلام کی روشنی اور حق کی چمک پر ہرگز کوئی ضرورت اس بات کی نہیں۔ کہ چھوٹے چھوٹے ملمع کئے ہوئے چمک دار ڈھیلوں کی چمک کو جو پہلے ہی مفقود ہو چکی ہے۔ بے حقیقت ثابت کیا جائے۔ اور باطل کا سر کچلنے کی ہی کوشش کی جائے۔ بجائیکہ وہ پہلے ہی کچلا جا چکا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔۔۔

"جس مذہب کا نام ہی لفظ صلح کا ہم معنی ہو۔ اس پر یہ اعتراض کہ وہ تلوار سے ہی بڑھا اور تلوار سے ہی زندہ رہ سکتا ہے۔ بڑا ہی ظلم ہے۔ معترض اتنا ہی غور کریں۔ کہ آخر کوئی شخص کوئی نام رکھتا ہے تو اس نام کے تجویز کرنے میں کوئی غرض اس کی ہوتی ہے۔ اگر درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلوار کے ذریعہ ہی اپنا دین پھیلانے پر آمادہ تھے۔ تو اس کا نام اسلام انہوں نے کیوں رکھا؟ سارا عرب تو ان کا پہلے دن سے ہی دشمن ہو چکا تھا۔ کس کو دھوکہ دینے کے لئے انہوں نے اپنے مذہب کا نام اسلام یعنے صلح کا مذہب رکھا۔ اور پھر غور کرو کہ آپ نے کیسی عجیب بنیاد صلح کی اسلام کے ذریعہ سے رکھ دی۔ کہ آپ نے کسی نبی کی نبوت سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ کل نبیوں

پر ایمان لانا اسلام کا اصل الاصول قرار دیا۔ یہ وہ عظیم الشان کام مذہب میں صلح کی بنیاد رکھنے کا تھا۔ جو کسی مذہبی پیشوا نے نہ آپؐ سے پہلے کیا۔ اور نہ آج تک آپؐ کے بعد کیا گیا۔ بلکہ مہذب ممالک کی مذہبی آزادی درحقیقت اسلام کے باغ ہی کا ایک ثمر ہے۔ مذہبی پیشواؤں کی یہاں تک عزت کی اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی قوم کے جھوٹے معبودوں کو بھی برا کہنا جائز نہ رکھا لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ پہلی مذہبی کتابوں کی بھی یہاں تک عزت کی۔ کہ فیہا ھدی و نوراً کا مقام ان کو دیا۔ اس سے بڑھکر صلح کی تعلیم ناممکن تھی اور ناممکن ہے۔

توسوال یہ ہے کہ اگر اسلام واقعی جنگ کی ضد ہے۔ اور اپنے حقیقی معنوں کے لحاظ سے ایسی عظیم الشان صلح کی بنیاد سب مذاہب میں اسلام نے رکھی ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کیوں کئے۔ دنیا کی مہذب سے مہذب قوم آج یہ نہیں کہہ سکتی۔ کہ صلح پسند اور امن جو قوموں کو کبھی بھی ایسی مجبوری پیش نہیں آسکتی۔ کہ وہ کسی دوسری قوم سے جنگ کے لئے مجبور ہو جائیں۔ مگر یاد رکھو کہ جو معمولی ضرورتیں امن پسند اور صلح جو قوموں کو جنگ کے لئے پیش آجایا کرتی ہیں۔ وہ سب مسلمانوں کو پیش آجانے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہیں دی۔ اور نہ ان ضرورتوں کو مجبوری کی حد تک پہنچی ہوئی ضرورتیں قرار دیا ان کی خواہشمند قوموں کی عزت پر جب کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا ان کی جائدادوں اور ان کے مالوں پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا ان کی تجارتوں پر کوئی حملہ ہوتا ہے یا ان کی آزادی پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا سب سے بڑھ کر ان کی جانوں پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ تو دنیا کی اصطلاح میں بھی وہ باوجود امن پسند ہونے کے جنگ کی ابتداء کرنے میں حق بجانب سمجھے جاتے ہیں۔ مسلمان قوم پر مکہ میں برابر تیرہ سال تک ان تمام معاملات میں ایسے خطرناک حملے ہو چکے تھے۔ کہ قریب تھا

کہ اگر مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر نہ بھاگ جاتے تو ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا جاتا۔ ان کی نہ کوئی عزت باقی رہی تھی۔ نہ ان کی جائدادیں اور اموال ظالموں کے ہاتھ سے محفوظ رہے تھے۔ نہ ان کی کوئی تجارت رہ گئی تھی۔ نہ اُن کیلئے آزادی کا کوئی پہلو باقی رہ گیا تھا۔ اور نہ ہی اُن کی اُن کے بال بچوں اُنکے بھائی بندوں کی جانیں محفوظ تھیں۔ بلکہ بہت سے بڑے بڑے مظالم کیساتھ مار ڈالے گئے تھے۔ پر ان باتوں پر مسلمانوں کو صبر کرنے کی ہدایت رہی۔ یہ کس لئے؟ اس لئے کہ یہ سب باتیں اب تک اپنی عزت اپنے مالوں۔ اپنی تجارتوں اپنی آزادی اپنی حفاظت کے لئے تھیں اور اللہ تعالٰے چاہتا تھا۔ کہ مسلمان اپنے نفوس پر ہر قسم کے دُکھ اور مصیبتیں برداشت کرنا سیکھیں ان کا جونکہ نام ہی مسلم یا ایک صلح پسند اور حق جو قوم تھا۔ اور وہ نام ان کا اپنا تجویز کردہ نہ تھا۔ بلکہ اُس خدائے قادر کا تجویز کردہ تھا هو سمٰكم المسلمين جس نے انہیں حقیقی معنوں میں مسلم بنا کر دکھانا تھا۔ اس لئے انہیں اجازت نہیں دیگئی۔ کہ وہ ان دکھوں ان مصیبتوں ان حق تلفیوں اور جانوں کے تلف ہونے پر اعلان جنگ کریں۔ جن پر دُنیا کی دُوسری قومیں کرتی ہیں۔ مگر آخر ان کو بھی میدان جنگ میں نکلنا پڑا کیب اور کن حالات کے ماتحت ایسا کرنا پڑا۔ اس پر قرآن سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں۔ ابتدا میں جنگ کی اجازت کا ذکر دو موقعوں پر قرآن شریف نے فرمایا ہے۔ ایک سورۂ حج میں اور دوسرے سورۂ بقرہ میں اور دونوں جگہ الفاظ مختلف ہیں۔ مگر مفہوم ایک ہی ہے۔ سورۂ حج میں تو یہ ہی الفاظ فرمایا۔ اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوٰت ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا (۲۲: ۳۹-۴۰) ان لوگوں کو جن کے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے۔ اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ بھی جنگ کریں) کیونکہ

ان کے ساتھ ظلم کیا جاتا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے (اور ان کا) سوائے اس کے (کوئی قصور نہ تھا) کہ وہ کہتے تھے۔ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ رکواتا۔ تو صومعے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ ویران کر دیئے جاتے۔ اور سورۃ بقر میں فرمایا۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (۲: ۱۹۰) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو۔ جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ (اور ضرورت جنگ کی) حد سے نہ بڑھو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور اس کے آگے فرمایا۔ وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ (۲: ۱۹۳) اور ان کے ساتھ جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور مذہب اللہ کے لئے ہو۔

ان دونوں مقامات سے ذیل کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ مسلمان طرح طرح کے دکھ اور مصیبتیں اپنے مخالفوں کے ہاتھ سے برداشت کر چکے تھے وہ اپنے گھروں سے بھی ناحق نکالے جا چکے تھے۔ مگر ان کو اپنی مصیبتوں کا انتقام لینے یا اپنے گھروں کے واپس لینے کے لئے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی دوئم یہ کہ ان کا جنگ کرنا اپنے لئے نہ تھا۔ بلکہ فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں تھا۔ اور دوسری جگہ اسی مطلب کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ اگر اب بھی جنگ کی اجازت نہ دی جائے۔ تو تمام مذاہب کے مقدس مقامات برباد کر دیئے جائیں گے۔ سو مسلمانوں کا جنگ اپنے مال وجان اپنی عزت اور اپنی تجارتوں کی حفاظت کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اُن مقامات کو جو اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں۔ ویرانی سے بچانے کے لئے تھا۔ اور اسی کا نام فی سبیل اللہ رکھا ہے ھدمت صوامع کے الفاظ سے اور فی سبیل اللہ کہہ کر یہ جتایا ہے۔ کہ مسلمانوں کا جنگ اپنی

قومیت کے لئے نہیں۔ بلکہ سب قوموں کے یکساں بھلے کے لئے۔ اور صرف اپنی قوم کے خلاف ہے۔ جو تمام دنیا کی مذہبی آزادی کو برباد کرکے اللہ کے نام کو دنیا سے مٹانا چاہتی ہے۔ جو یہ اجازت نہیں دیتی۔ کہ لوگ کلمۂ حق منہ سے کہہ سکیں بلکہ کسی کلمۂ حق کو اپنی کسی غرض یا فائدہ کے منافی خیال کرکے ایسے کلمۂ حق منہ سے نکالنے والے لوگوں کو دنیا سے نیست ونابود کرنا چاہتی ہے۔ سوم دونوں آیتوں میں ایک جگہ یقاتلون فرما کر اور دوسری جگہ الذین یقاتلونکم فرما کر یہ حکم دیا ہے۔ کہ باوجود ان سب باتوں کے کہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں اور ان کو دنیا سے نیست ونابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اللہ کے نام کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر بھی مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے مخالفوں سے جنگ کی ابتدا کریں۔ بلکہ پہلے مخالف جنگ شروع کریں۔ تو اس کے بعد مسلمانوں کو جنگ کی اجازت ہے۔ باوجودیکہ تمام واقعات پیدا ہو چکے تھے۔ جن کی وجہ سے جنگ ضروری ہو چکی تھی۔ پھر بھی اسلام کو جنگ کیساتھ اسقدر نفرت تھی۔ کہ اب بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ مخالف جنگ شروع کریں تو تم جنگ کرو۔ ورنہ اب بھی رُکے رہو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا۔ کہ اگر جنگ شروع کر دینے کے بعد وہ رُک جائیں اور جنگ کرنا ترک کر دیں۔ تو تم بھی رُک جاؤ۔ اور ان کی ساری زیادتیوں کو معاف کر دو۔ فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم (۲: ۱۹۲) چہارم جنگ کے اندر جنگی ضروریات سے بڑھ کر کسی قسم کی زیادتی کرنے سے روکا۔ لا تعتدوا ایک قوم جو طرح طرح کے دکھوں اور مصیبتوں کا نشانہ رہ چکی تھی۔ ممکن تھا۔ کہ فتح اور غلبہ کے وقت وہ اپنی مصائب کا انتقام لینے کے لئے دشمن پر کوئی زیادتی کر بیٹھے۔ اس سے روکا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین اپنی فوجوں کو یہ ہدایت دیتے رہے۔ کہ بچوں۔ بوڑھوں۔ عورتوں۔ راہبوں وغیرہ کو جنگ میں قطعاً نہ چھیڑا جائے۔ ثمردار درخت نہ کاٹے جائیں۔ گھر نہ جلائے جائیں

یہ وہ باتیں ہیں جن کے ارتکاب سے کئی مہذب قوموں کا دامن آج بھی آلودہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ مظلوم ہو کر نہیں۔ بلکہ ظالم ہو کر جنگ کرتے ہیں۔ ان کو کوئی دکھ دینے والا نہیں۔ بلکہ وہ دوسروں کو دکھ دینے کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ جن سے اٹلی کے خونخوار مظالم طرابلس ہیں۔ یا بلقانی ریاستوں کے وحشیانہ مظالم ٹرکی کی پردہ نشین عورتوں اور معصوم بچوں پر۔ یا جرمنی کا بلجیم کے شہروں کو جلانا۔ اور بچوں اور عورتوں تک کی مصائب کا لحاظ نہ کرنا نتیجہ جنگ کی غرض یہ نہ تھی۔ کہ کسی قوم کو مفتوح اور مغلوب کریں۔ یا کسی پر اپنے رعب کا سکہ بٹھائیں۔ بلکہ صرف یہ کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ امن پسند مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کو کلمۂ حق کہنے کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے۔ گرجے مسجدیں اور دوسرے مذاہب کے عبادتخانے سب یکساں محفوظ ہوں۔ اسی کا نام یکون الدین للہ رکھا ہے۔ اور یکون الدین للہ کے جو معنے بعض لوگوں نے کئے ہیں کہ سب لوگ اللہ کا دین یعنی اسلام قبول کرلیں۔ وہ نہ صرف قرآن کریم کے دوسرے مقامات کے خلاف ہیں۔ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات یہ بتاتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ معنے اس کے کبھی نہیں سمجھے۔ مثلاً اسی جگہ قرآن شریف میں فرمایا۔ فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم۔ کہ اگر یہ لوگ جنگ سے رُک جائیں۔ تو تم ان کو سب کچھ معاف کردو۔ اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا ان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ کہ اگر یہ صلح کے لئے جھکیں۔ تو تم سب صلح کے لئے جھک جاؤ۔ پس اگر اسلام قبول ... کرنا شرط ہوتی۔ تو یہ ہدایات جو اس کی منافی ہیں۔ کیوں دی جاتیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سورۂ حج میں جنگ کی آخری غرض یہ لکھی ہے۔ کہ گرجے اور دوسرے عبادتخانے اور مسجدیں سب یکساں ویرانی سے بچائے جائیں۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقعہ پر کفار سے صلح کی۔ حالانکہ انہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہاں تک شرط کرلی تھی۔ کہ کفار میں سے کوئی مسلمان ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

چلا جائے۔ تو آپ اسے اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی کفار سے جا ملے۔ تو کفار اسے واپس نہیں دیں گے۔ پس ان تمام آیات اور ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یکون الدین للہ کے یہ معنے کہ سب لوگ اللہ کا دین قبول کرلیں۔ غلط اور قرآن کریم کے صریح مخالف ہیں۔

ان تمام امور سے معلوم ہوگا۔ کہ گو اسلام کو جنگ کرنے پڑے۔ مگر یہ اس غایت درجہ کی مجبوری میں جائز رکھے گئے۔ جب اور کوئی صورت قیام امن کی باقی نہ رہی۔ اور چونکہ قیام امن اسلام کی اصل اغراض میں سے تھا اس لئے صرف اسی ایک غرض سے جنگ کی اجازت دی۔ اور اسی قیام امن کی حد تک جنگ کے جاری رکھنے کا حکم دیا۔ اور کسی وقت اس غرض کے حاصل ہو جانے کی صورت میں جنگ کو روک دینے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوگا۔ کہ واقعی اسلام صلح کا نام ہی ہے۔ البتہ صلح اور امن کے قایم کرنے کے لئے جو ضرورتیں پیش آئیں۔ اور جو کچھ بھی قربانیاں کرنی پڑیں وہ اسلام کے اس مفہوم کے منافی نہیں ۔

مسجد ووکنگ

(از شیخ خالد شیلڈرک صاحب نومسلم انگلستان)

دیہاتی علاقہ جانتے ہیں سے ایک تیز رفتار ٹرین میں گذرتے ہوئے اتنا وقت نہیں ہوتا۔ کہ کوئی شخص زیر نظر سرزمین کے خاص مقامات پر ایسی طرح سے غور کرسکے۔ کہ وہ حافظہ میں محفوظ رہ جائیں۔ لیکن ایک مسافر جونہی کہ ووکنگ کے خوبصورت سے چھوٹے قصبہ کے نزدیک آجاتا ہے۔ یکایک ایک ایسی چیز نمودار ہوتی ہے۔ جو کہ عام عمارات سے ایسی مختلف ہوتی ہے۔ اور اس کا سبزی سے ڈھنپا ہوا نظارہ ایسا شاندار اور عام

سرزمین سے نرالا اور سبزی سے ڈھپا ہوا [illegible] نظر آتا ہے کہ مسافر کی توجہ فی الفور اسی جگہ جم جاتی ہے۔ باہر آکر دیکھنے پر [illegible] صاف طور پر ایک مسجد یا یوں کہو کہ تثلیث پرست سرزمین میں خدائے واحد کی پہرہ دار اسلام کی ترقی کی محافظ کا جو کہ اپنی سادگی اور [illegible] صفائی اور پاکیزگی کی تصویر اتار رہی ہے۔ بیرونی [illegible] درختوں سے اونچا نکلا ہوا گنبد بہ [illegible] صحیفۂ قدرت سے بالاتر بھی کوئی ہستی موجود ہے۔ اور اس کی [illegible] چوٹی پر ہلال اس ترقی و عروج اور تمکین کی طرف اشارہ کرتا ہے [illegible] حاصل کرنا نسل انسانی کے نتیجۂ اقتدار میں ہے۔ ایک درختوں [illegible] گھرے ہوئے راستہ سے داخل ہوتے وقت انسان فی الفور [illegible] ان کے جذبہ سے جس سے خود کرۂ ہوائی بھی بھرپور معلوم ہوتا ہے۔ لبریز ہو جاتا ہے۔ گھنی جھاڑیوں سے گھرا ہوا مسجد کا صحن [illegible] یکایک صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ یہاں [illegible] کے لئے کھڑے ہو کر اس پیارے منظر کا حظ اٹھاؤ۔ ایک [illegible] محراب دار دروازہ۔ اس پر پچی کاری کا خوبصورت [illegible] کے اوپر سے مڑا ہوا ہے۔ ہر ایک کونے پر کھڑے ہوئے مینار [illegible] طرف بلند گنبد۔ اور عین ہمارے سامنے ایک فوارہ جس میں چمکتے ہوئے پانی کی دلربا لہریں بہتی ہیں۔ جو کہ سورج کی کرنوں سے مل کر [illegible] روشن ہوتی ہوئی سبز فرش میں پھولوں کے ساتھ ایسی جڑی [illegible] معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے ایک خوبصورت خلعت میں جواہرات۔ یہ سب کچھ مل کر کیا ہی دل چسپ و دلآویز نظارہ ہو جاتا ہے۔ اس کی چوڑی سیڑھیوں پر چڑھ کر ہم اندر داخل ہوتے ہیں اور جوتیاں اتار کر فوراً ایک چٹائی پر جس کا رنگ باہر کی سبزی سے بالکل مشابہ ہے۔ قدم رکھتے ہیں۔ ہمارے سر پر ستاروں سے جڑا ہوا اونچا محراب دار

گنبد ہے۔ جو کہ اوپر کے آسمان کی نقل معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے آگے محراب ہے جس پر نہایت خوبصورت نقش و نگار کئے ہوئے ہیں۔ اس کی چوٹی پر خدائے علیم حکیم کا پیارا نام اللہ لکھا ہوا ہے۔ اور اس کی دونوں طرف قرآن کریم کی بہت سی سورتیں ہیں۔ داہنی طرف ہمیں منبر نظر آتا ہے جس پر نقش و نگار ہیں۔ اور اس کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ہمیں ایک شان دار کام دکھائی دیتا ہے۔ جو یک لخت ہماری توجہ کو کھینچ لیتا ہے۔ یہ قرآن کریم کی پاک آیات ہیں جو ایک نہایت خوش اسلوب طرز سے لکھی گئی ہیں۔ اور ان سب پر ایک سنہری گنبد کی چھت ہے۔ زائرین کے لئے صرف یہی ایک بے نظیر چیز ہے جو اس قابل ہے کہ زندگی میں ایک دفعہ اسے دیکھنے کی تکلیف اٹھائی جائے لیکن ایک غور کن شخص کے لئے یہ ایک دقیق معنے اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے شان دار دامن میں کھڑے ہو کر پڑھو۔ یہ دنیائے کذب و افترا میں سچائی کی حمایت۔ بدیوں کی الجھن اور ایچ پیچ کے عالم میں پاکیزگی کا اظہار اور عالم کفر و الحاد میں اس اعلیٰ و برتر ہستی پر ایمان کا اقرار ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ جب نماز کے لئے ایک بامعنی صدا "اذان" خاموشی کو توڑتی ہے۔ تو اس سے اس بات پر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ کہ خدا تعم ہمیشہ حاضر و ناظر ہے۔ وہ موجود ہے۔ اور وہ اکیلا ہی پرستش کے قابل ہے۔ اور کہ وہ یقیناً ان لوگوں کی آواز کو سنتا ہے۔ جو اس کی الہامی کتاب ورراہ ہدایت کی پیروی کرتے اور اس پر چلتے اور اس سے برکت مانگتے ہیں۔ اور ہاں ان لوگوں کی بابت جنھوں نے اس عمارت کو استعمال کیا اور اس سے فایدہ اٹھایا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کہ سالہا سال تک یہ مسجد بغیر استعمال کے یونہی پڑی رہی۔ اور کسی نے اس پر قبضہ نہ کیا۔ اس کے باغات میں کبھی موذن کی اذان نہ گونجی تھی۔ اور اس کا دروازہ صرف بھولے بھٹکے سیاح کے لئے ہی کھولا جاتا تھا۔ مگر اس پر

یکایک ایک تبدیلی واقع ہوئی۔ جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب لندن میں تشریف لائے۔ اور وہ میموریل ہوس میں اقامت گزین ہوئے اس وقت سے یہ مقدس عمارت سب کے لئے ہر وقت کھلی رہتی ہے۔ ہر نماز میں ہندوستانی۔ عرب اور انگریز نمازیوں کا ایک حصہ یہاں جمع ہو جاتا ہے۔ اور زائرین اس کی خوبصورتیوں اور نادرات کو دیکھنے اور اسلام کے متعلق کچھ سیکھنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اس مسجد کی موجودگی کا حال صرف ارد گرد کے قصبوں میں ہی معلوم نہیں۔ بلکہ تمام جزائر برطانیہ کے لوگ اس سے کلی طور پر واقف ہیں۔ ہر اتوار کو یہاں ایسے لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔ جن کا اعتقاد ہے۔ کہ انگلستان میں پھیلنے والا مذہب یعنی اسلام نہ تو الہامی ہے۔ نہ اس کا کوئی ضابطہ زندگی ہے۔ اور نہ ہی اس سے روح کو کوئی حقیقی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے وہ لیکچر جو یہاں دیئے جاتے ہیں۔ بہتوں کے لئے بہت بڑے فایدہ کا باعث ہیں۔ خود قصبہ ووکنگ میں سے کئی لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور پھر لندن میں سے بھی انگریز مسلمان عبادت الٰہی میں شریک ہونے کے لئے آ پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مخالفت بھی چمک اُٹھی ہے۔ لیکن یہ صرف ان منطقی اور مدلل لیکچروں کا نتیجہ ہے۔ جو مسجد ووکنگ میں دیئے جاتے ہیں۔ اور پادریوں کو اب یہ مصیبت پڑ گئی ہے۔ اور وہ اس بات کو اب ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اپنے ڈوبتے ہوئے مذہبی جہاز کو اسلام کی ناقابل روک طغیانی میں غرق ہو جانے سے پیشتر پانی سے نکال باہر کریں۔

مسجد کے دروازہ پر ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔ جس پر لکھا ہے:-

The House of God is open to all

یعنی "خانۂ خدا جو سب کے لئے کھلا ہے"۔ یہ ایک کیا ہی عجیب پیغام ہے جس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ تمہیں Pews (گرجوں میں بیٹھنے کی جگہوں)

کے لئے کوئی نہیں ادا کرنی چاہئے۔ [illegible] تمہاری اپنی سبت ہونگی نہیں۔ نہ اگر تم کسی اور [illegible] پابند ہو۔ تو تمہیں اس کے اندر جانا چاہئے۔ نہ ہی ان الفاظ [illegible] خاص عقیدہ ہی تعلیم کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس بورڈ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ چرچ آف انگلینڈ پروٹسٹنٹ۔ ویسلین یا عیسائیت کے [illegible] مختلف فرقوں میں سے کسی ایک کے متعلق ہے۔ نہیں ایسا [illegible] بلکہ اس میں تو ایک وسیع [illegible] سب کے لئے" لکھا ہے [illegible] ایک بدھ۔ ایک یہودی ایک فری تھنکر [illegible] آزاد خیال [illegible] خاطر اس کے اندر داخل ہو کر اسلام کا آسمانی پیغام [illegible] ان متعصب یورپین لوگوں کے حقیر اور چھوٹے چھوٹے [illegible] ایک اسی پاک کتاب کا بالکل مختلف ترجمہ [illegible] لوگ اس سے کچھ اور استنباط کرتے ہیں*۔ ہاں [illegible] لوگوں کو اسلام سے آشنا بنانا ان کو اس بات پر یقین کرا دینا۔ کہ تمام نسل انسانی کا باپ ہے اس کا الہام کسی ایک ہی برگزیدہ قوم کے [illegible] بلکہ تمام نسل انسانی خدا کی حقیقی آواز ہے۔ کس قدر ضروری [illegible] دنیا کو اس بات کی تعلیم دینا کس قدر لازمی امر ہے۔ کہ بجائے ایسے نالائق اور کمینہ بن جانے اور اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے کندھوں پر ڈال دینے کے ہمیں اپنے آپ کو درست کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنی اندرونی برائیوں اور بدعادات پر غلبہ پا لینے کی سر توڑ کوشش کرنی چاہئے۔ ہمیں دوسری مخلوق کی بھلائی میں بالضرور کوشاں رہنا چاہئے۔ اور ہمیں اپنے خدا کی پوری اطاعت کرنی چاہئے

حال ہی میں ایک اخبار نے لنڈن کی [illegible] شہرت پر جو کہ تمام بلاد انگلشیہ کا نمونہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ تنقید کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ کہ "باشندگانِ لنڈن کی منفرد عبادتگاہیں اگرچہ ابھی تک شراب خانوں کی

* ان پر مفتی کفر لگا دیتا ہے۔ کیا ہی عجیب تردید ہے۔

حیثیت رکھتی ہیں۔ لنڈن میں جیسا کہ بہت [illegible] طور پر ظہور میں آئی ہے۔ اس شہر میں بے اندازہ عیاشی کا بہت زور رہتا ہے اور ہر ایک بازار کے کونہ پر شراب خانہ اس عیاشیت کا جاذب بن رہا ہے۔ پھر یہ ضابطہ اور عوام کی اپنی رائے بھی رکھتا ہے۔ اور [illegible] آپ سے ہی کلی طور پر مطمئن ہے ...... انسان کا دل [illegible] تب اسے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ سال بسال ہزارہا نو [illegible] بچے اپنے دیہاتی گھروں سے اس کفرستان میں کھینچ دیئے جاتے ہیں۔ ان تمام بدمعاشی کی تہ میں گو شراب جیسی بُری چیز نہیں۔ تو یہ کم از کم [illegible] کے پہلو بہ پہلو اور [illegible] کی نہایت قریبی مدد تو ضرور ہے۔ پس ان [illegible] انوں کے جنگل کو کاٹ ڈالنے اسکی دلدلوں کو صاف کر دیئے اور اس [illegible] زہریلے پودوں کو اکھاڑ پھینکنے اس میں روشنی اور ہوا کو داخل [illegible] مختصراً اسے مہلک گندگی [illegible] بات اور نفرت انگیز [illegible] وابستہ [illegible] ان کو [illegible] دنیا کی جو بیماری اور دنیا معلوم ہوں [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] آشتی گاہ بنانے کی ایک تازہ دم اور زیادہ سخت اور پائیدار کوشش بالضرور ہونی چاہئے"۔ کیا ان سطور کو لکھنے والے نے کبھی اس بات پر بھی دھیان کیا۔ کہ وہ دنیا کے آگے کس قدر شرمناک تصویر کھینچ رہا ہے۔ اور کہ یہ سب کچھ "مسیحی تہذیب" کا نتیجہ ہے۔ مسیح نے کہا تھا۔ کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور آج مسیحیت پر دو ہزار سال گذر چکنے کے بعد ایک مسیحی مصنف نے لنڈن کا یہ خوفناک نقشہ کھینچا ہے۔ لیکن اس نے ان خطرناک امراض کا کیا علاج بتایا ہے۔ کیا اس نے یہ دہائی مچا کر کلیسیا کو اس بات کی ترغیب دلائی ہے۔ کہ وہ یہاں کے لوگوں کے کیسوں کا بے طرح خالی ہونا موقوف کرائیں۔ تاکہ ان سے باہر مبلغین بھیجکر ان لوگوں کو جو ایسے مذاہب کے پیرو ہیں۔ جن کا قدم نیکی میں بہت زیادہ استوار ہے

اور جن پر وہ دل وجان سے ایمان رکھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ سکھایا جاسکے؟ کیا اس نے ان باہر گئے ہوئے مبلغین کو واپس بلایا ہے۔ تاکہ وہ یہاں کی جہالت اور کفر کو دور کر کے روشنی کو پھیلا دیں۔ نہیں بلکہ وہ تو اس علاج کو خود بیماری سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ مبلغین باہر میدان میں تبلیغ میں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اکثر اوقات لڑ جھگڑ نہیں سکتے۔ لیکن ذرا انہیں انگلستان کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے دو۔ پاک تفتیش کا خوف ان تدابیر اور چالاکیوں کے لئے ہرگز کارگر نہ ہوگا جو وہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں پھر اُس نے اس بیماری کا علاج کیا بتایا ہے؟ قانونی ڈنڈا کے سوائے اور کچھ بھی نہیں۔ صلیب کی جس کی بابت ہم اتنا کچھ سن رہے ہیں۔ وہ طاقت کہاں گئی کیا لوگوں نے اس بات پر یقین کرنا شروع کر دیا ہے کہ یہ اصول اور قاعدہ محض ایک جعل اور بناوٹ ہے۔ اور انسانی ترقی میں یہ کسی کام نہیں آسکتا۔ اس نے عیسائیت کا کمزور و ضعیف ہونا جیسا ظاہر کیا ہے عیاں ہے۔ اس لئے کلیسیا کے پاس اسکا کوئی علاج نہ ہونے کے باعث لامحالہ ہمیں قانون کی ہی پناہ ڈھونڈنی پڑتی ہے۔ یہ حالات کس قدر افسوسناک ہیں۔ اس لئے ہمیں ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو نسل انسانی کو سنبھال سکے اور [illegible] کے [illegible] کا باعث ہو۔ جو صرف زبانی دعوے کرتا ہی نہ جانتا ہو بلکہ عملاً بھی کچھ کر کے دکھائے۔ جو خوش اسلوبی، ترقی اور عمدہ طاقتوں کی نمائش گاہ نہ ہو۔ اور جو اندھا دھند تقلید کا خیال نہ رکھتا ہو۔ مذہب وہ ہونا چاہئے۔ جو انسان کے دل سے اپیل کرے۔ جو اس کو یقین دلا دے کہ خدا موجود ہے۔ وہ اسے ہر کام میں ہدایت دے اس کو سکھائے۔ کہ تمام بنی نوع انسان بھائی بھائی ہیں۔ وہ اسے بتائے۔ کہ انسان گنہگار اور فاسق و فاجر نہیں۔ نہ ہی وہ ایسا بے کس و بے بس ہے کہ وہ چار پاؤں والے حیوانات

کے برابر ایک ہی سطح پر زندگی بسر کرسکتا ہے بلکہ وہ بتائے کہ ہمیں ایسے اعلےٰ سے اعلےٰ قویٰ اور استعدادیں ہیں۔ جو اسے نہایت اعلےٰ سے اعلےٰ ترقی کی سطح مرتفع پر لے جاسکتی ہیں جو خود خدائے تعالےٰ کا قایم مقام اور اسکا خلیفہ ہے۔ اور کہ باری تعالےٰ کی مرضی کی پوری اطاعت اور اپنے ساتھ کی دوسری مخلوقات کی امداد سے وہ بہشت کے دروازے اس زمین میں کھول سکتا ہے۔ اسلام شراب اور جوئے سے منع فرماتا ہے۔ اور اس طرح عیسائی ممالک کی یہ دو بڑی لعنتیں مسلمان مبلغین کے زیر اثر دور ہوسکتی ہیں۔ اسلام روح کو شرف و عزت عنایت کرتا۔ انسان کو خیرات کا حکم دیتا۔ اور زندگی کا ایک ایسا ضابطہ ہمارے لئے بنا دیتا ہے۔ جس میں انسان کی زندگی کے ہر لمحہ کے لئے ہدایات موجود ہیں۔ پس اس طرح سے تمام لوگوں کو ترقی اور بلندی پر دیکھ کر کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ان تمام مصائب و امراض کا صحیح علاج اس خوف ناک صورت حالات کے لئے جو کہ مذکورہ بالا اخبار میں ظاہر کی گئی ہے یہاں میں پھر دہرا دینا ہوں کہ اسکا اصل اور ایک ہی علاج اسلام ہے۔ اور اس لئے مغرب میں مسجد وکنگ اسلام کا دروازہ ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہئے۔ کہ وہ دن آتا ہے۔ جب ہماری یہاں کی جماعت کا شمار ہزار کے اعداد سے ہوگا۔ اور ممالک متحدہ کے ہر ایک شہر میں مساجد کھول دی جائیں گی۔ کیونکہ قانون میں غلطی اور نقص ہوسکتا ہے۔ لیکن اسلام کامل اور بے عیب ہے۔ (خالد شیلڈرک)

*

کیا عیسائیت درحقیقت تثلیث پرستی کی تعلیم دیتی ہے

عیسائیت اور اسلام کے درمیان موجودہ مخالفت اور منافقت کی بنا اس خیال اور اعتقاد پر ہے۔ کہ عیسائیت تثلیث پرستی کی تعلیم دیتی ہے

اور اسلام خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کا وعظ کرتا ہے۔ لیکن بائیبل کا نہایت غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنے پر یہ ظاہر ہو جائیگا۔ کہ عیسائیت کے متعلق یہ اعتقاد غلط طور پر تجویز کیا گیا ہے۔ اور کہ یہ مذہب بھی اسلام کی طرح توحید باری تعالیٰ کا ویسا ہی مؤید اور حامی ہے۔ آدم سے چلکر جوں جوں ہم نیچے اُتریں ہمیں معلوم ہوتا جاتا ہے۔ کہ سچا مذہب ہمیشہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی ہی تعلیم دیتا رہا ہے۔ اور تثلیث کا خیال ان مشرکین کے ذریعہ اس میں آداخل ہوا۔ جو کہ مصر و روما و یونان و ہندوستان وغیرہ میں تمام تثلیثی عقاید کے مذاہب بالترتیب ... پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سچ ہے کہ مسیح نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا کو اپنا باپ کہا۔ مگر اس نے دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہی کہا۔ کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کی طرف جاتا ہوں۔

اب ان الفاظ سے کیا معلوم ہوتا ہے۔ ان سے صاف طور پر پتہ نہیں لگتا۔ کہ حضرت مسیح نے بیٹے کے لفظ کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا ہے۔ اور ان کا لفظ "میرا خدا" کو اپنے لئے استعمال کرنا بتاتا ہے۔ کہ وہ ہرگز خدائی کے دعویدار نہ تھے۔ کیونکہ اگر وہ خود ہی خدا تھے۔ تو ان کے یہ الفاظ بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ خود خدا کا کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک موقعہ پر مسیح نے کہا۔ کہ "تم مجھے نیک کیوں کہتے ہو۔ اُس ایک خدا کے سوائے کوئی نیک نہیں"۔ کیا ان الفاظ میں مسیح نے صاف طور پر خدائی سے انکار نہیں کیا۔ اور کیا ان میں اس امر کا اقرار واضح طور پر نہیں کیا گیا۔ کہ وہ محض ایک انسان تھا۔ جو کہ خدا کی طرح بالکل نیک اور مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بائیبل میں سے اور بھی کئی ایک ایسے فقرات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع مسیح نے اپنے آپ کو مخلوق ہی سمجھا۔ نہ کہ خالق۔ پھر اس رویہ سے بھی جس

اس کے حواریوں نے جو کہ اس کے ساتھ رہتے اور چلتے پھرتے تھے۔ اس سے برتاؤ کیا۔یہی ظاہر ہوتا تھا۔کہ وہ اسے انسان ہی سمجھتے تھے جو علم وفضل میں ان سے فائق تھا۔مسیح کا ایک حواری آپ کو دغا دینے کا خیال بھی دل میں لا سکتا تھا۔اگر مسیح کو یہ یقین تھا۔کہ وہ خود خدا ہے تو پھر کیا شیطان ان کو لالچ دلانے کی جرأت کر سکتا تھا۔بحالیکہ اسے معلوم تھا۔کہ وہ خدا اور اس کو خود پیدا کرنے والا ہے۔کیا مسیح نے (جو کہ پیغمبر خدا تھے) صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتنی (اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کہکر اپنی بشری کمزوری کا اظہار نہیں کیا؟ کیا مسیح نے اس بات سے اپنی غلطیوں کا مرتکب ہونے کا ثبوت نہیں دیا۔کہ جب اسے بھوک لگی ہوئی تھی۔تو وہ ایک انجیر کے درخت کے پاس بدیں خیال پہنچا۔کہ وہ میوہ سے لدا ہوا ہوگا۔لیکن اس نے کمال مایوسی کے ساتھ اسے بے پھل پایا۔پھر کیا اس کی انسانی کمزوری کا ثبوت اس بات سے نہیں ملتا۔کہ اس نے درخت پر لعنت کی۔ جس سے وہ مرجھا گیا۔

مگر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔خدا تعالیٰ کے متعلق تثلیث کا خیال واقعہ صلیب کے تھوڑے عرصہ بعد مسیح کے خالص توحید کی تعلیم دینے والے مذہب میں آ داخل ہوا۔اور کونسل آف نائس کے پُرجوش مباحثہ سے اس صداقت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔کہ اس وقت بھی بہت سے ایسے مسیحی موجود تھے۔اور مشہور اریاس بھی انہیں میں شامل ہے۔جو تثلیث کو مذہب میں ایک بیرونی ملاوٹ سمجھتے تھے۔ اور انہوں نے عیسائیت میں اس عقیدہ کے آ داخل ہونے پر نہایت بلند آہنگی سے اس کی مخالفت کی۔بائیبل صرف خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کی تعلیم دیتی ہے۔اور اس کا یہ فرمان کہ "سن لے اے

اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (استثنا ب ۶ ۴) باقی کتاب مقدس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ عہد نامہ جدید میں صرف ایک ایسا فقرہ ہے۔ جو کہ تثلیث کے عقیدہ کا کسی قدر موید معلوم ہوتا ہے۔ یعنی یوحنا کے پہلے خط کے باب ۵ آیت ۷ میں لکھا ہے۔ کہ "آسمان میں تین ہیں جو محافظ ..... ہیں۔ باپ۔ بیٹا اور روح القدس" لیکن عہد نامہ جدید کے ایک تصحیح شدہ ترجمہ کے حوالہ سے ظاہر ہو گا۔ کہ مجلس مصححین کو جس میں عیسائی علمائے دین شامل تھے۔ یہ فقرہ یونہی ایک بناوٹ معلوم ہوا۔ اور اس لئے انہوں نے اسے بائبل سے نکال باہر کیا۔ ان حالات میں سمجھ نہیں آتا۔ کہ انگریز لوگ اپنی مضبوط اور پختہ عقل و دانش کے باوجود جو ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ کس طرح ابھی تک اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ یسوع مسیح دنیا کا خالق ہے۔ اور کہ عیسائیت ایک تثلیث پرست مذہب ہے +

ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہے۔ کہ اگر تثلیث پرست عیسائی صرف بائبل کا بڑے غور سے اور روحانیہ رنگ میں مطالعہ کریں۔ تو وہ تثلیث کی تعلیم دینے والی عیسائیت پر قبول اسلام کو ترجیح دینے کے لئے فوراً مستعد ہو جائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ ہم سب سچائی کو پالیں جس سے تمام اختلاف مٹ جائیں۔ اور عیسائی اور مسلمان اسلام کے جسے (موسیٰ عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ آدم سے لیکر تمام انبیا علیہم السلام نے تعلیم کیا) حلقہ بگوش ہو کر آپس میں بغلگیر ہو جائیں +

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کے عیسوی علم دینیات کا نقشہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی اور کامیابی اور آپؐ کے موحدانہ خیال کی پاکیزگی کو سمجھنے کے لئے یہ نہایت ضروری امر ہے۔ کہ اس کا مقابلہ ان خیالات سے کیا جائے۔ جو آپؐ کے وقت میں اور آپؐ سے چند صدیاں پیشتر اس ملک میں رائج تھے۔ جہاں کہ آپؐ پیدا ہوئے (یعنے عرب میں) نیز ان بڑے بڑے خیالات یا زیادہ علمی اصطلاح میں ان اصل عقاید کے مقابلہ میں اس کو رکھا جائے۔ جو اس وقت مشرق اور مغرب کے تمام ممالک میں عیسائی مذہب میں موجود تھے۔ میں اس مضمون میں ان خیالات کا مختصر اً نقشہ کھینچنا چاہتا ہوں۔ جو عیسائی مذہب کا اس وقت اصل الاصول تھے۔ اور اس ظاہر اور کھلی بات کا خاکہ اُتارنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوئی۔ تا کہ ہم اس تبدیلی کو زیادہ عمدگی کے ساتھ سمجھ سکیں جو مذہب کے بنیادی اصولوں پر اسلام نے کر دکھائی۔ قطع نظر اس اعجازی اثر کے جو اس نے لوگوں کے اخلاق پر کیا جسپر میں اس مضمون میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ اس میں زیادہ تر ان باتوں کا اُلجھاؤ بھی ہے۔ جن کا نام میں نے "اصل عقاید" تجویز کیا ہے +

عیسائی مشنری اعتقاد معلوم ہوتا ہے۔ کہ علم دینیات کے ان خیالات کے ساتھ جو آج یورپین مدبرین کے ترقی یافتہ حلقوں میں رائج ہیں ہمیشہ اسلام کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ جس میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یا بھُلا دیا گیا ہے۔ کہ بیسویں صدی کے اعلےٰ عیسائی خیالات ساتویں صدی کے عیسوی اعتقاد سے اصولاً بالکل مختلف ہیں۔ بلکہ وہ سمجھ اور فراست میں

کبھی ایک ہی جیسی سطح پر قایم نہیں - کلھوف نے اپنی کتاب رائیز آف کرسچینٹی

لکھا ہے - کہ

"آج ایک مذہبی انسان کا عیسائیت کی نسبت یہ خیال کہ یہ ایک شخصی مذہب ہے - اور شخصی شفاعت کا حامی متقدین عیسائیوں کو بیوقوفانہ خیال معلوم ہوتا ہے"

اسلامی نقطۂ خیال سے یہ بات بالکل درست ہے - کہ موجودہ عیسوی اعتقاد بہت حد تک زمانہ متوسط میں اسلامی تہذیب کے ساتھ ٹکرانے اور اسلامی مذہب فلسفہ - لٹریچر - سائینس اور موجودہ مغربی علوم سے جو مسلمانوں سے ہی حاصل کئے گئے ہیں - صدیوں متاثر ہوتے رہنے کی وجہ سے پیدا ہوا - ان دنوں عیسائی حلقوں میں نہ تو بڑے بڑے باریک بین - دقیقہ سنج اور محقق تھے اور نہ ہی چھوٹے - ان کے لئے عیسائیت میں کوئی گنجائش نہ تھی - اور اس میں وہ ہرگز زندہ نہ رہ سکتے تھے ہاں زمانہ متوسط میں عہد نامہ عتیق پر نکتہ چینی - اور اس کی چھان بین اس حد تک ہونی شروع ہوگئی - جہان تک کہ اس سے عیسائی لٹریچر کا تعلق تھا - ہر ایک قسم کی قیمتی تحقیق یہودیوں کی تصنیف میں کی گئی - جو خود عربیین سائینس علم ادویات اور لٹریچر کے سکولوں - اور اندلس - سسلی - شمالی افریقہ اور وسطی ایشیا کے کالجوں میں پڑھ کر پختہ ہو چکے تھے - انہوں نے اسلامی علم ادویات ہیئت اور کیمیا کی ترقی سے سبق اٹھایا - اور خالص فکر و تدبر کے میدان میں مسلمان مدرسین سے ریاضی علم قواعد - الٰہیات اور علم تشریحات کے زیر حکومت علم مناظرہ اور قواعد کو سیکھا - ان مدرسوں اور کالجوں کے متعلمین میں گاؤن سعادیہ مصری - ابن اور اسپانوی - جوزف کیمچی جو ناربون علاقہ فرانس کا رہنے والا تھا - اور اس کے بیٹے موسز اور ڈیوڈ

.... جیسے جلیل القدر انسان شامل تھے۔ سب سے بڑھ کر قابل تذکرہ متعلمین میں کارڈووا کے مشہور جیوئش طالب علم موسز ابن میمون جرمنی کے جان ون روچین اور اس کے مشہور و معروف داما دفاب میلینکھتن مارٹن لوتھر جیسے عالم علم الٰہیات... جو کہ مصلحین زمانہ کی رہنمائی کر سکتا تھا کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں مانٹسک فلاسفر سپینوزا بھی جس کی تصانیف تمام فلسفی خیالات پر خاص طور پر اثر انداز ہوئیں۔ یہودی ہی تھا۔ یہ سب لوگ اور ان کے معاصرین ہی وہ انسان ہیں۔ کہ جنھوں نے زمانہ متوسط میں ان بڑے بڑے بت شکن متاخرین کے راستہ کو صاف کیا۔ جنھوں نے آج کل عہد نامہ عتیق اور جدید میں تحقیق و تدقیق کے باعث ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اور دین عیسوی کی شکل و صورت کو ہی بالکل ایک نئے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ وہ ڈی لاگارڈ۔ ویلہاس کیونن۔ ہیوڈ۔ ریوالڈ۔ بور۔ سٹراس۔ رینن اور اس انبوہ کثیر کے پیشرو تھے۔ جو آج ہمارے زمانہ میں موجود ہے۔ اور جن کے نام ان سب ناظرین کو معلوم ہونگے۔ جو اس مضمون سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

سنہ ھ کے انقلاب عظیم سے بائیبل کی تحقیق و تدقیق کا زور خاص طور پر بڑھ گیا۔ کیونکہ کلیسیا۔ کا یہ دعوی کہ وہی کتاب مقدس کی شرح کرنے کا واحد حقدار ہے۔ بالکل ملیا میٹ کر دیا گیا۔ اور اس طرح سے لوگوں کو بائیبل کا خود مطالعہ کرنے اور خود اس سے استدلال اور نتائج اخذ کرنے پر کمر بستہ کیا گیا۔ بس پھر کیا تھا فی الفور اختلاف رائے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تبادلہ خیالات۔ بحث مباحثات فرقہ بندی کے تنازعات نے خیالات کو متحرک اور نظروں کو بہت وسیع کر دیا۔ لوگوں نے اپنے مذہبی معلمین کی اطاعت سے باہر ہو کر خود سوچ و بچار کر کے رائیں قائم کرنی شروع کر دیں اس حالت کو پہنچتے پہنچتے صدیاں

گذر گئیں۔ اور آج جن باتوں کے ساتھ ہمارا زیادہ تر تعلق ہے۔ یہ اس وقت سے پہلے کے خیالات ہیں۔ جبکہ نوت تحقیق و تدقیق نے لوگوں پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا تھا۔

متعلمین بائیبل نے عام طور پر اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ پولوس کے خطوط عبادات و اطاعت انسانی کی پرانی پند و نصائح ہیں۔ اور انہیں زمانہ مابعد میں سخت ناجائز طور پر بائیبل کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے مگر ناہم جسٹر مارٹر کو دوسری صدی کے وسطی زمانہ کا حال لکھتے ہوئے ان کا کچھ بھی حال معلوم نہیں ہوا۔ بحالیکہ اس کے مذہب کی بنیاد بہت حد تک مسیح کی صلیبی موت پر ہے جس پر ایمان لانے سے اس کے نزدیک نجات پا لینا یقینی امر ہو جاتا ہے۔ لہذا ہم مان لیتے ہیں کہ پولوس کی تحریرات اگر وہ ویسے ہی صحیح اور اصلی حالت میں محفوظ بھی ہیں۔ تو بھی ان خطوط کا علم بتدریج حاصل ہوا۔ اور شروع زمانہ میں علم دینیات کے متعلق کوئی متحقق و مستند بات ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی یہ اس وقت تک ممکن ہی تھا۔ جب تک کہ کم و بیش مقررہ قوانین اور شرائع کا پتہ نہ لگ جاتا۔ اور یہ سب کچھ علم کی ترقی اور نشو و نما ہونے پر معلوم ہوا۔ کلیمنٹ۔ پولیکارپ۔ برنباس اور اگنیٹیس کے خطوط کے لکھنے والے یا لکھنے والوں کو مسیح کے آباؤ اجداد کی ہی داستان معلوم نہیں۔ اور یہ اُن کے نزدیک ایک ایسا معجزہ ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے کبھی ایسی بات نہیں سُنی۔ یہ قابل یادداشت امر ہے۔ کہ پولوس کے خطوط میں کسی ایسی تعلیم کا ذکر اور حوالہ تک نہیں۔ جو کہ اناجیل میں مسیح کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اور پولوس یقیناً تمام تعلیمات اور اس اعجاز نما منبع سے کلی طور پر بے خبر معلوم ہوتا ہے۔ اس کی نسبت ایک ڈرچ متعلم وان میفن نے بہت قابلیت سے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے کہ اسکے تمام

خطوط فرضی اور جعلی ہیں۔

عیسائیت کے ابتدائی زمانوں میں اس کے متعلق سلطنت روما کے باشندوں میں ایک ادنےٰ اور حقیر حیثیت رکھنے کے باعث ترقی و عروج کے لئے اس کے اور دیگر مذاہب کے درمیان جد و جہد اور کوشش قدرتی طور پر جاری رہی۔ مثلاً متھرا۔ ڈیمیونیسر۔ ڈیمیٹر وغیرہ اس جد و جہد میں شامل تھے۔ اور متھرا ازم عیسائیت کا انہیں سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس دھینگا مشتی اور جد و جہد کے نتائج مذہب عیسوی کے ہر ایک رگ و ریشے میں پائے جا سکتے ہیں۔ اس نے کفار اور مشرکین کے مذاہب کی منڈی میں سے ان کے رسوم و رواج کو مستعار لیا۔ لیکن اس نے انہیں ملیا میٹ نہیں کر دیا۔ جیسا کہ اسلام نے عرب میں کیا۔ بلکہ اس نے انہیں اپنے اندر جذب کر لیا۔ ایک مشرک کفر و شرک سے دست بردار ہو کر عیسائیت کا حلقہ بگوش بن سکتا۔ اور قریباً بالکل بے روک ٹوک خوشی کے ساتھ اپنے پرانے رسوم و رواج پر بھی کاربند ہو سکتا تھا۔ اس سے بہت تھوڑی تبدیلی واقع ہوتی۔ اس نے فی الحقیقت ایک قدرتی امر تھا۔ کہ نئے مسیحی نے اپنے ساتھ بہت سی رسم و رواج کو لے آئے۔ یہاں تک کہ وہ نئے مذہب کی فقہ کا ایک جزو بن گئے۔ رومی مذاہب نے دینی خیالات پر ایسا اثر نہ کیا تھا جیسا کہ ان رسوم و رواجات نے کیا اس لئے ایک ایسے سلسلہ کو تلاش کرنے پر جس سے عیسوی خیالات پر ایک گہرا اثر پڑنے والا تھا اور وہ اس کی فلسفیانہ اور دینی وسیع النظری کو بھی چھو جانے والا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اسے نئے قالب میں ڈھالنے والا تھا۔ ہمیں ناسٹک فرقہ کا پتہ لگتا ہے۔ جو کہ دوسری صدی میں پورے زور پر تھا۔

یہ جنگ رسوم و رواج کی رسوم و رواج کے خلاف نہ تھی۔ بلکہ یہ ایک

دماغی اور ذہنی جنگ تھی۔ جس میں ایک خیال دوسرے خیالات کے مخالف تھا۔ اور یہی جنگ اور ناسٹک مذہب کی تعلیم تھی۔ جو کہ زیادہ تر لوقا کی انجیل کے بنانے کا باعث ہوئی۔ ناسٹیسزم کے بہت سے طریقے اور فرقے موجود تھے۔ ایک گروہ ہماریا ہیں تھا۔ اور اس کا نام سمونیز تھا۔ اُن کے یہاں یسوع کی کوئی سوانحعمری نہ تھی۔ ان کے لئے وہ ایک الٰہی تصور تھا۔ جو مادہ کے ساتھ ملنے کے بغیر ہی شکل انسانی میں حلول کر آیا۔ اس اعتقاد کے ساتھ وہ اپنی نجات کو وابستہ سمجھتے تھے۔ اور عام فلسفہ بھی اسی سے وابستہ کئے ہوئے تھے۔ سیریا کے بعض ناسٹک لوگوں نے تو یہ مسئلہ تجویز کر رکھا تھا۔ کہ وہ ایک نیک خداوند ہے۔ جس نے سات فرشتے پیدا کر رکھے ہیں۔ ان فرشتوں نے انسان کو ذرا کمتر حیوانی طرز لیکن خدا کے نمونہ پر بنایا۔ ان کے نزدیک اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی روحوں کو شیطان سے جو کہ بدیوں کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ بچانے کے لئے اپنے بیٹے کو ان کی طرف شکل انسانی میں بھیجا۔ تاکہ وہ انہیں باپ کے متعلق کچھ بتائے۔ علاوہ ازیں دوسرے فرقہ جات ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے اور اسے اپنا خالق سمجھتے تھے۔ جو پہلے تو اس سے پاک تھا۔ لیکن بعد ازاں مخالفت کے باعث اس نے گوشت میں حلول کیا +

یسوع مسیح کی یہ حیثیت کہ وہ اپنے پر ایمان لانے والوں کو اعلیٰ زندگی عنایت کرتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کے مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ اس سے اسی جسم کے ساتھ جی اُٹھنے سے پیدا ہوئی ہے مگر بعض لوگ اس سے منکر ہیں۔ اور ان کا قیاس ہے۔ کہ وہ مادی جسم کے ساتھ نہیں۔ بلکہ روحانی طور پر ہی اُٹھا تھا۔ بعض اور ناسٹکز نے یسوع مسیح کو صرف ایک افضل انسان ہی بیان کیا۔ جو کہ قانون قدرت کے مطابق یوسف اور مریم کے توسط سے پیدا ہوا۔ ان میں ایک اسکندریہ کے

کارپوکریٹس کو بہت سے متبعین کا گروہ مل گیا مصر میں نوسٹیسزم اگرچہ بہت اعلیٰ پایہ پر نہیں تھا۔ توکم از کم دقیق اور بعید الفہم۔ نہایت فلسفیانہ اور غالباً سب سے زیادہ علمی صورت تک پہنچ گیا۔ جس میں سابقہ یونانی مدبرین بالخصوص۔ پلیٹو اور پلاٹینس کے خیالات سے بہت کچھ اخذ کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ دیگر مشرقی خیالات کو بھی ملا دیا گیا۔ نوسٹیسزم اعلیٰ مراتب پر پہنچکر ینیقی ازم سے بہت زیادہ الگ نہ تھا۔ اور ینیقی ازم کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ خدا کسی کا جنا ہُوا نہیں۔ اس نے اپنے جسم کے جوہر سے دل کو پیدا کیا۔ جس سے الہام الٰہی کا نزول ہُوا۔ اور اس سے تمیز حاصل ہوئی وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تین سو بنسٹھ درجے تجویز کئے گئے ہیں ویلینٹینس کے دستور العمل میں تثنیہ اور تثلیث ثابت کرنے کی بھی بہت کوشش کی جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہُوا۔ کہ وہ پورے طور پر اُلجھنوں اور گورکھدھندوں میں پھنس گئے۔ ان دونوں کے خیالات میں بہت بڑا فرق اس وقت یہ تھا۔ کہ عام عیسائی یہ اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ مسیح کا جسم قبر میں روح سمیت دفن ہُوا۔ اور ہزار سال کی حکومت کے بعد روح کے ساتھ ہی قبر سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ مگر دوسری طرف فرقہ ناسٹک عام طور پر جسم عنصری کو اس بات میں شامل نہ سمجھتا تھا۔ اور اس کا یہی اعتقاد تھا۔ کہ روح مرنے کے وقت آسمان کو چلی گئی تھی۔ بعدہٗ پروٹسٹنٹ ازم میں بھی یہی عقیدہ رائج ہو گیا۔ اور ڈیمیٹر۔ سائیبل اور آئسس نے رومن چرچ میں ... کنواری والدہ کے خیال کو ترویج دی۔ الغرض کفار ...... کے رسوم ورواج اور ناسٹک لوگوں کی تعلیمات کے درمیان لگاتار مقابلہ اور لڑائی لگے رہنے کی وجہ سے ابتدائی اصولوں میں لازماً اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور اس قسم کے مسائل پر کہ مسیح انسان تھا یا خدا مختلف خیالات پیدا ہو گئے۔ حتیٰ کہ بعدہٗ انہی اختلافات سے الفاظ سے نکل کر زد و کوب

اور بہت دکھوں اور اذیتوں تک نوبت پہنچ گئی۔ اور صدیوں تک یہی حالت قایم رہی۔ ایک مورخ نے ان حالات کی بابت یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

"اول ترین عیسائی یہودیوں کے گروہ میں بہت سادہ موحد لوگ تھے" جب انجیل چہارم کی تعلیم عیسائی خیالات پر غالب آنی شروع ہوگئی۔ تو اس وقت کے بعد بت پرست لوگ ان کا مقابلہ کرنے کے اس طرح قابل ہو گئے۔ کہ انہوں نے یہ سوال کرنے شروع کر دیئے۔ کہ اگر مسیح انسان تھا۔ تو اس کی پرستش کیوں کی جاتی ہے؟ اور اگر وہ خدا تھا تو اس کی مصائب پر روتے کیوں ہو؟۔ بعض مصلحین نے اس مشکل کو اس اعتقاد کے ذریعہ حل کر دینا چاہا کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں علیحدہ علیحدہ نہیں۔ بلکہ ایک ہی خدا کے مختلف مناصب اور حیثیتیں ہیں۔ بعض لوگوں نے یوں بھی اس دقت کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ کہ وہ انسان نہیں۔ بلکہ الوہیت کی مختلف اشکال اور صفات ہیں۔ مثلاً طاقت۔ عقل۔ نیکی وغیرہ لیکن تاہم دوسرے لوگوں کا اعتقاد یہی تھا۔ کہ یسوع صرف ایک اعلےٰ انسان تھا۔ اور وہ خارق عادت کے طور پر پیدا ہوا تھا۔ غرضکہ اسی طرح سے اس قابل حل معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور جھگڑے کی لہر تمام مسیحی دنیا پر پھیل گئی۔ جس سے نزاع پیدا ہوگئی۔ اور نفرت بہت بڑھ گئی۔ ایک فرقہ دوسرے کی صرف دلیل سے ہی مشتعل ہو جاتا تھا۔ اور نہ تو اس کا قائل ہوتا تھا۔ اور نہ ہی اسکا رد کرتا تھا۔ جذبات بھڑک اٹھتے تھے۔ اور عیسائی مذہب باہم دست و گریبان ہونے والے فرقوں کی ایک کھولتی ہوئی دیگ بن گیا تھا۔ اس وقت نظام سلسلہ خود اس مذہب کے ذریعہ سے پھوٹ سے بچا نہیں رہا۔ بلکہ حکومت کے ذریعہ سے اس کا بچاؤ ہوگیا۔ کانسٹنٹائن کی فتوحات عظیمہ خود عیسائیت کی فتح تھی۔ اور جولین کی زیر سرپرستی بت پرست اس کے کچھ بھی مزاحم نہ ہوئے۔ بالآخر تھیوڈوسیس کے فرامین نے اسے بعت سی

مالی تقویت دے کر مضبوط پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ لیکن اس سے ممبران کلیسیا کا مسائل پر جھگڑا اور نزاع ختم نہ ہُوا۔ اور اگر کوئی چیز زیادہ تشدد ہو گئی۔ تو وہ دشمنی اور جھگڑا ہی تھا۔ اور جوش زیادہ بڑھ گیا۔ جس پر منکرین نے ہنسی اُڑانی شروع کر دی۔ اور تھیٹروں میں انہوں نے تشنیع و تضحیک سے کام لیا +

۳۲۵ء میں کونسل آف نائس میں مسائل سیموساٹا اور سبیلین کی بابت ابتدائی اصول کے سوال کا فیصلہ کر دیا۔ لیکن اسکندریہ کے ایرس نے اس میں اس عقیدہ کا اعلان کیا۔ کہ بیٹا کلی طور پر اور لازماً باپ سے مختلف اور علیحدہ ہے۔ اس اعلان پر دوبارہ ان میں طوفانہ جنگ چھڑ گئی۔ اسکندریہ کی دو کونسلوں میں بشپ الیگزنڈر نے ایرس کو کلیسیا سے باہر دے مارا۔ کونسل آف نائس نے رائے پاس کی۔ کہ بیٹا باپ ہی کے اصلی جوہر سے ہے۔ اور تاہم وہ بالکل جدا انسان ہے۔ اور باپ سے پیدا ہوا ہے۔ ایرس کو جلاوطن کر دیا گیا + لیکن پانچ برس کے بعد کانسٹنٹائن نے اسے دوبارہ واپس بلا لیا۔ اور اس کے بعد یروشلم کی ایک کونسل نے ایرنیم عقاید کو دوبارہ رائج کر دیا۔ اور ۳۳۶ء میں پیشتر اس کے کہ پھر اسے مسند نشین کیا جائے وہ قسطنطنیہ میں مر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے زہر دے کر مار دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی وفات سے بھی بحث و مباحثہ ختم ہونے میں نہ آئے۔

دن بدن نئے نئے فرقے بنتے چلے گئے۔ اور ہر ایک پہلے فرقوں سے بڑھ چڑھ کر پوری دانائی اور عقلمندی کے ساتھ مسائل متنازعہ فیہ کو کسی طرز سے حل کرتا تھا۔ مباحثات کا ایک اور سلسلہ یسوع میں انسانی اور خدائی خاصیات کے اکٹھے ہونے کے متعلق شروع ہو گیا۔ نیز ایک اور سلسلہ مباحث میں اس مسئلہ پر بھی رائے زنی ہونی شروع ہو گئی۔ کہ روح القدس

کی حیثیت اس سے بالاتر ہے۔ یا نہیں۔ اس سے بالکل گڑبڑ واقع ہوگئی اور کفار اپنے دشمنوں کو پاگل سمجھتے تھے۔ شمالی افریقہ میں ڈوناٹسٹز کا ایک فرقہ پیدا ہوگیا۔ اور ایک وقت ... وہ اپنے اسکلے تمام لوگوں کو اسی حلقہ میں لے گئے۔

ادھر مینیشینزم اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے یسوع کو متھرا mithra عقائد کے ساتھ پہچانا۔ جو ابن اللہ کا عقیدہ مانتے تھے۔ یہ مذہب آہستہ آہستہ پھیلا۔ اس کا دعویٰ تھا۔ کہ یسوع کا جسم صرف دیکھنے کے لئے تھا اور اسے کوئی دکھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے بعض مسائل نے ملکی جماعت پر بہت اثر کیا۔

تمام آبادی بحث و جھگڑے پر ہی فروخت ہو چکی تھی۔ خود گرجاؤں کے اندر جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ وحشی ترین اور سخت حیوانیت پسند طبائع میں قتل و خونریزی واقع ہوئی۔ اور ایک دوسرے کو دکھ اور اذیتیں پہنچائی گئیں۔ کلیسیا نیکی کے بارہ میں کلی طور پر بے اختیار تھا۔ اس روحانی فقدان اور اخلاقی تنزل کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کی گئی۔ روحانی فقدان کے ان حالات میں جیولین کی سرپرستی میں پلٹا کھانا ناممکن تھا۔ اس پردہ کے اندر کوئی سمجھ دار اور فہیم انسان نہ تھا۔ عیسائیت کی چند نسلوں نے عقلمندی کو جواب دے رکھا تھا۔ ایسی الجھن اور گورکھ دھندا میں کوئی اعلےٰ خیالات۔ کوئی عمدہ نمونہ ملنا ممکن نہ تھا۔ ایسی روحانی گڑبڑ اور اخلاقی بے ترتیبی میں کوئی شخص ایسی اعلیٰ قابلیت پیدا نہ کرسکتا تھا۔ کہ وہ مذہبی یا صرف اخلاقی زندگی کو ہی نبھا سکے۔

ذیل میں ہم مذکورہ بالا واقعات کے چند نتائج کو جمع کرتے ہیں۔ ۳۲۱ء میں کونسل آف نائسس نے آریس کے خلاف یہ فیصلہ صادر کیا۔ کہ مسیح حقیقت میں خود خداوند ہے۔ جو برابری اور ہمیشگی میں اپنے باپ کا شریک ہے گویا وہ

اس سے جدا تو ہے۔ لیکن تاہم یہ دونوں ایک ہی ہیں +

سنہ ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ کی کونسل نے اپولینیریس کے خلاف فیصلہ کیا۔ کہ وہ حقیقتاً انسان بھی ہے +

سنہ ۴۳۱ء میں کونسل آف ایفیسس نے یہ اصول قائم کیا۔ کہ یہ دو قسم کی فطرتیں درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور ان کو ایک دوسری سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا +

سنہ ۴۵۱ء میں کونسل شیلسیڈون نے یہ رائے قائم ہی۔ کہ یہ دونوں اگرچہ ایک ہی ہیں۔ مگر تاہم ایک دوسرے سے کلی طور پر علیحدہ ہیں +

ایسی بےمعنی تعلیمات اور عقائد کی الجھن میں عیسائی مذہب پھنسا ہوا تھا۔ کوئی مناسبت و موافقت اور ایسی توضیح اور تفسیر نہ تھی۔ جو عقدہ کشائی کرسکے۔ اور نہ ہی ادہر کے حالات سے ایسا ہونا ممکن ہی تھا۔ ہر ایک فریق اپنے ہی راستہ پر چلا جا رہا تھا۔ اور اپنے ہی عقاید کو بار بار دہراتا چلا جاتا تھا۔ نیسٹوریَنزم نے مشرقی مملکت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور اس طرح شام میں سلطنت کے اور ٹکڑے ہو کر زوال پذیر ہو جانے کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ ہیراکلیس نے بیشک سنہ ۶۳۰ء کے فیصلہ کی رو سے یہ مان کر کہ مسیح میں خاصیات تو دو ہی قسم کی تھیں۔ لیکن اس کی مرضی ایک ہی تھی۔ اس طغیانی کو روکنے اور فریقین کو ایک ہی خط پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑا کرنے کی کوشش کی اور اس طرح سے مورخین کے لئے ایک سہولیت پیدا کر دی۔ لیکن یہ کوشش بے فائدہ تھی کیونکہ کیتھولک فرقہ نے فیصلہ کیا۔ کہ اس کی خواہشات بھی دو ہی قسم کی تھیں۔ اگرچہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے مطابق و موافق رہتی تھیں اس طرح سے یہ جنگ و جدال پھر شروع ہو گیا +

سنہ ۶۸۱ء میں کانسٹنٹائین ثانی نے بالآخر اس عقیدہ کو تسلیم کر لیا کہ

مسیح کی دونوں خواہشات ایک دوسری سے ملتی جلتی تھیں۔ اور اس طرح سے ایک اور بعید از عقل عقیدہ اس میں داخل ہوا۔ حقیقی عیسائیت اپنے ابتدائی عقائد کے لحاظ سے بے بنیاد خرافات کا ایک ناقابل فہم مذہب بن گئی تھی۔ پے درپے مقررہ عقائد کی وسیع تعداد نے اسے کئی خیالات کی کھچڑی سی بنا دیا + جے پارکنسن

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

عید الاضحٰی کے موقعہ پر ووکنگ میں شاندار اسلامی اجتماع ایک اور انگریز کا قبول اسلام

(از جناب مولانا مولوی صدر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی)

برادران! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ عید بھی بڑی رونق افزا ہوئی۔ اور پچھلی عید کی طرح اس مبارک موقعہ پر بھی ایک نوجوان سعید انگریز نے خطبہ عید کے بعد اسلام اختیار کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا نام حمید رکھا گیا۔ اپنے بزرگوں کو جو تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور عزیز طلباء کو قدرتی طور پر مسرت اور انبساط حاصل ہوئی انگریز نومسلم مرد و زن اور خواتین کے لئے تو یہ عیدیں اور جمعے اور اسلامی اخوت اور رونق جماعت بہت تقویت کا موجب ہوتی ہیں۔ لیکن آئے دن دائرہ اسلام کا وسیع ہوتے دیکھنا بھی اُن کے لئے ازدیاد ایمان کا بڑا ذریعہ ہے۔ انگریزی قوم میں اگرچہ برہمن چھتری۔ ویش۔ شودر کی تقسیم تو نہیں

لیکن عملی رنگ میں حالت اس سے بھی بدتر ہو رہی ہے۔ امراء کا طبقہ اپنے نزدیک غربا کو آنے نہیں دیتا۔ ہر موقعہ پر خاص تقسیم اور تمیز ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں بھی اخوت کا رنگ نہیں۔ خدا کے گھر میں انہوں نے دام دے کر معزز مقام خرید رکھے ہیں۔ جن سے غربا کا تو کیا ذکر۔ متوسط الحال لوگ بھی ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ پادری صاحب کے ہاں متوسط الحال ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا۔ لیکن اس خدائے اسلام کے گھر میں انہوں نے دیکھا۔ کہ ہز ہائینس والئے ریاست بہاولپور۔ اور ہر ہائینس شہزادی صالحہ مصری فرش مسجد پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھے ہیں۔ اور طالب علم اور دیگر اصحاب جو بطور سیاحت آئے ہیں۔ اگلی صفوں میں باہم منسلک ہو کر ہم آغوش ہو رہے ہیں اور ان کے پیچھے جہاں جگہ ملی ایسے بزرگ بیٹھ گئے۔ جیسا کہ ہمارے مکرم و معظم آنریبل جج عبد الرحیم صاحب اور آنریبل مرزا عباس علی بیگ صاحب ممبر کونسل انڈیا آفس۔ سیٹھ لطیفی صاحب۔ سیٹھ جیون جی صاحب۔ سیٹھ سلیمان صاحب اور مولینا خیر الدین صاحب آفندی ترکی امام اور از قبیل بزرگ نومسلموں کے علاوہ اور بھی انگریز مرد اور خواتین عید کے خطبہ میں موجود تھے۔ ڈپٹی کمشنر مسٹر اٹکنسن جناب نواب صاحب والئے ریاست بہاولپور کے ہمرکاب آئے ہوئے تھے۔ اور ان کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد الدین صاحب و مولانا مولوی غلام حسین صاحب بھی تھے۔ لارڈ ہیڈلے بالقابہ جو اسلامی کاموں میں دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر تشریف لانے والے تھے۔ مگر افسوس بوجہ علالت فرزندان خود تشریف نہ لا سکے۔ اور بذریعہ تار اپنی عدم حاضری پر افسوس کیا۔ ہمارے مکرم بھائی چودھری فتح محمد صاحب بھی ہمیشہ ایسے موقعہ پر آتے رہتے ہیں۔ یہ اخوت اسلامی جو بوائے محمد رسول اللہ کے نیچے عملی رنگ میں مساجد کے اندر نظر آتی ایک کمیاب عملی سبق انگریزوں کے واسطے ہے

الحمد للّٰہ رب العلمین ۔

دوسرا امر جو انگریزوں کے لئے قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہے وہ ہماری سرکار محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے قواعد ہیں۔ جن پر عمل کرنے سے انسان رشتہ اخوت میں منسلک ہوجاتے ہیں۔ وہ دعوت ہے اور باہم مل کر کھانا پینا ہے۔ اور یہ ہماری سرکار کے ارشادات میں سے ہے۔ چار بکرے ہم نے ذبح کئے۔ اور پلاؤ ۔ قورمہ اور فرنی وغیرہ سب چھوٹے بڑوں نے اکٹھے بیٹھکر تناول کی۔ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اور بہت ہی بڑا فضل ہے۔ دوسرے تو اس ... کو دیکھکر متاثر ہوتے ہیں۔ اور ہمارے منو طن بھائی اور ترکی مصری مسلمان اس امر کو نعماء سے یقین کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انگلستان میں ہمیں اپنی مسجد اپنا گھر اپنا فراخ احاطہ اپنے گھر کی دعوت عطا کردی۔ سب کے سب محسوس کرتے ہیں گویا وہ اپنے وطن میں ... عید منا رہے ہیں۔ فالحمد للّٰہ رب العلمین ۔

خطبہ عید کو نہایت مختصر الفاظ میں درج کردیتا ہوں۔ "یہ قربانی کا دن بڑا مبارک دن ہے۔ اور بہت قابل یاد ہے۔ کہ اس ایک فعل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کو بہت بڑی مصیبت سے بچایا۔ قربانی ایک ایسا فعل ہے۔ جو بہت قدیم ہے۔ اور تمام ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے بھی اس کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتا ہے۔ واتل علیھم نباء ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین حضرت آدم کے دو لڑکے قربانی کرتے ہیں۔ ایک کی قبول ہوئی۔ دوسرے کی رد کی گئی۔ اور اس میں اصل راز قربانی کا بتادیا۔ یعنے یہ اعمال ان لوگوں کی طرف سے قبولیت کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔ جو خشیۃ اللہ اور خوف الٰہی اپنے

دل میں لئے ہوئے ہوں +

الغرض یہ فعل قربانی ایک قدیم فعل ہے۔ اور ایران۔ شام۔ چین جاپان امریکہ۔ یونان۔ روما۔ انگلستان اور ہند میں رائج تھا۔ مختلف جانوروں کی قربانی ہوتی تھی۔ لیکن ترقی کرتے کرتے لوگوں نے محبت الٰہی کے نشہ میں سرشار ہوکر خود اپنے تئیں قربان کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ عبادت ایران میں۔ ہند میں امریکہ اور یونان میں روما میں مغربی افریقہ میں بڑے زور شور سے رائج ہوگئی۔ اب بھی چین میں غربی افریقہ میں بادشاہ کی خاطر انسان قربانی ہوئے تھے۔

انگلستان کے لوگ جانتے ہیں۔ کہ امریکہ میں کس درجہ تک یہ خطرناک بات پھیل گئی تھی۔ بعض ممالک میں اکلوتے بیٹے قربان کئے جاتے تھے۔ اور گویا اس فعل سے عملی رنگ میں یہ دکھایا جاتا تھا۔ کہ یہ اپنے فعل سے ہی عابدین خدا تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرسکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ جو بڑا ہی رحیم وکریم ہے۔ جو حقیقی مہربان ہے۔ وہ والدین سے بھی بہت بڑھ کر محبت اور الفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ کب پسند کرتا ہے۔ کہ اپنی مخلوق کو اپنے نام پر اس طرح ذبح کرنے کا حکم دے۔ اس کی اصل غرض تو یہ تھی کہ انسان اپنے نفس کو ذبح کرے۔ اور باغی خواہشات سے بہیمی صفات سے اور سبعی زندگی سے نجات حاصل کرے۔ اور یہ خشیۃ اللہ کے مستولے ہونے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لئے فرمایا۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ متقی انسان جو ہر کام کو اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت کرتا ہے۔ اور جو یقین رکھتا ہے۔ کہ ہر فعل و قول اس کا خدائے علیم کی نگاہ میں ہے۔ اور جو اسکی مخلوق کو کسی طرح سے دکھ دینا پسند نہیں کرتا۔ دنیا کے لئے بڑا بابرکت انسان ثابت ہوتا ہے۔ اور جو شخص اپنے تئیں ذبح کرے۔ اس سے کیا فائدہ بعض نے نفس امارہ کو ذبح کرنے کے لئے سمندر کے ساحل اور پہاڑوں کے

کھفوں اور چوٹیوں میں زندگی بسر کرنا ضروری سمجھا۔ اور بعض نے اپنے تئیں دودھ اور مکھن اور دیگر نعماء الٰہی میں محروم رکھا۔ لیکن اس سے نفس امارہ نہیں مرتا۔ ایسے لوگوں نے نہایت ہی معمولی مقامات پر ٹھوکر کھائی۔ ترغیب کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور اکثر جذبہ نفسانی کا شکار ہو کر فنیل ہو گئے۔ مکتی اور نروان کا طریق یہ نہیں۔ اور نہ ہی یہ طریق عملی جامہ پہن سکتے ہیں۔ نہ ہی اس دنیا کو فایدہ پہنچ سکتا ہے۔ خدا کے دیئے ہوئے قویٰ مفید نہیں۔ ان پر متقی قلب کی حکومت ہو۔ اور خشیۃ اللہ سے نوازے ہو۔ تو امن۔ صلح۔ آشتی۔ مکتی اور نروان میسر آ سکتے ہیں۔ الغرض یہ دکھ بھری تعلیمات دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رویا میں دکھایا۔ کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے ابراہیم ع کو ذبح کر رہے ہیں۔ تمام ملک میں یہ بات پھیل گئی۔ کہ حضرت ابراہیم ع اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں گے۔ تمام اقوام میں ان کی بڑی عزت تھی۔ اور آج بھی شام مصر عرب کی اقوام اور تمام یہودی اور نصاریٰ اور مسلمان ان کو انبیاء علیہم السلام کا باپ اور اقوام کا سردار مانتے ہیں۔ جب وہ مذبح پر پہنچے۔ اور حضرت اسمٰعیل کی گردن پر چھری رکھنے کو تھے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے رویا کی تعبیر ان کو سمجھا دی۔ کہ بچے کے ذبح کرنے کے معنے جانور ذبح کرنا مراد ہوتا ہے۔ انہوں نے اس تعبیر کو بیان فرمایا۔ اور اس کے عوض میں کبش قربان کیا۔ اور ایک عالم کو اس دکھ سے نجات دی۔ تمام اقوام اُن کی عزت تو کرتی ہی تھیں۔ انہوں نے تسلیم کر لیا۔ کہ کسی بزرگ نے اللہ تعالےٰ کے الفاظ کو لفظی طور پر پورا کرنے میں غلطی کی۔ اور یہ امر اقوام میں راسخ ہو گیا۔ آج حضرت ابراہیم ع کو اللہ تعالےٰ نے اس کی تفہیم عطا کی ہے۔ پس کس قدر خوشی کا دن ہے۔ اور کس قدر ممنون ہیں ہم اس مقدس انسان کے اس نے اس دکھ سے نجات دی۔ یہ کیسا گندہ خیال نظر آتا ہے۔ اور اکثر فقیہ

کے مردم خور انسانوں کا سماں نظر آتا ہے۔ کہ اللہ تعالے خون کا پیاسہ اور گوشت کا ہڑپ کرنے والا ہے۔ قربان ہو قرآن حمید پر ہماری جان کہ وہ فرماتا ہے لن ینال اللہ لحومہا ولا دماتہا ولکن ینالہ التقویٰ منکم اللہ تعالے نہ خون پیتا ہے۔ اور نہ گوشت کھاتا ہے۔ وہ تو صرف تقویٰ کا خریدار ہے۔ اور تقویٰ بھی اس لئے۔ کہ یہ انفرادی طور پر اور اجماعی طور پر دنیا کے لئے مفید ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ہمارے عیسائی بھائی ہمارے مقدس نبی حضرت عیسیٰ کی طرف کفارہ کی تعلیم منسوب کرکے گویا اس رسول کو اس غلطی میں مبتلا کرتے ہیں۔ جس سے ان کو ان کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نکالا تھا۔ دنیا کا باپ تو اپنے بیٹے کو ذبح کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ خدائے رحیم وکریم جس کو نصاریٰ عیسےٰ کا باپ سمجھتے ہیں وہ کب ایسے فعل کو استحسان کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ یا برداشت کرسکتا ہے۔ اور یہ بات ہی اچنبے کی بات ہے۔ کہ ایک انسان کو پھانسی دے کر تمام دنیا کی رہائی کر دینا اور اُن کے اندر سے گناہ کا مادہ نکال دینا اور ابدی نجات کا سارٹیفکیٹ جاری کر دینا۔ عیسائی دنیا ویسی گناہ کی مرتکب ہوتی ہے۔ جیسی ہندو مسلمان اور یہود۔ پھر ایسے کفارہ سے کیا فائدہ جس سے خدا پر اعتراض اور ہمارے مقدس نبی حضرت عیسےٰ پر اعتراض اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم کی تعلیم کے خلاف ورزی ہو۔ یہ نہایت ہی بعید از عقل بات ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی طرف اشارہ فرماتا ہے ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ حضرت ابراہیم کی مفید تعلیم سے برگشتہ ہونا عقلمندی نہیں ہے۔ ہاں حضرت عیسےٰ نے سچائی کے لئے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے یہ دکھ برداشت کیا۔ اُنکا یہ ایثار قابل قدر ہے۔ لیکن اُس کو کفارہ بنانا اُن کی اپنی تعلیم اور حضرت ابراہیم کی الٰہی تعلیم کے اور اسلام کی تعلیم کے برخلاف ہے۔ چنانچہ حضرت

چلائے فرماتے ہیں۔ متی باب ۱۹ ورس ۱۶-۱۷ اور دیکھو ایک شخص آیا اور اُس نے مسیح سے کہا کہ اے نیک استاد میں کون سا نیک عمل کروں کہ نجات ابدی حاصل کر سکوں۔ اور مسیح نے اُسے کہا۔ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں سوائے ایک کے یعنے خدا کے۔ اور اگر تو زندگی چاہتا ہے۔ تو احکام الٰہی کی پابندی کرو"

یہی تعلیم ہے۔ خدائے تعالےٰ کے احکام کی پابندی۔ اور اس کا خوف اور تقویٰ نجات کا موجب ہیں۔ بہیمی اور سبعی عادات اور رذیلہ عادات اور خواہشات سے نجات حاصل کرنا اپنی خوشی اور غنا کے لئے اور دوسروں کی خوشی اور امن و برکت کے لئے ضروری ہے۔ ہم یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں ایک دوسرے کے آرام کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم خود غرض نہ ہوں تھوڑی سی اپنی خواہش کی قربانی کریں۔ دسترخوان پر ریل کے سفر میں اور ہر جگہ پر ایثار اور قربانی ضروری ہے۔ خواہشات کی دوری بہت لمبی ہے۔ فقیر سے لیکر بادشاہ تک اس بندش سے نجات مطلق حاصل نہیں کرتے۔ شاہی محلات میں ایک بچہ کو شکار کر لیا جاتا ہے۔ تاکہ حکومت دوسروں کو مل جاوے۔ وہ لوگ جو یتامیٰ کے سرپرست ہوتے ہیں۔ وہ مال کو خورد بُرد کرنا چاہتے ہیں۔ تاجر اور دوسرے لوگ اپنا مال بڑھانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ افعال نہ ہی خدائے تعالےٰ کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں۔ اور نہ لوگوں کے لئے موجب برکات ہیں۔

قربانی اس عالم کا لابدی حصہ ہے۔ آج ہندوستان نے کتنی بڑی قربانی کا ثبوت دیا ہے۔ سپاہی پیادے اور سوار رعایا اور حاکم شہزادے راجے اور نواب تمام اس قربانی اور ایثار کی عملی تصویر بن رہے ہیں۔ اور یہی تمدن اور معاشرت کی جڑھ ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم کو توفیق دے کہ ہم قربانی کرتے ہوئے اپنی بڑی خواہشات کی گردن پر چھری پھیر دیں۔ اور اپنے

اندر ایثار کی روح پھونکیں۔ اور ہم اپنے باپ حضرت ابراہیم کے اِس عالمگیر احسان کی یاد میں یہ فعل کرتے ہیں۔ اور ہمارے عیسائی دوستوں کو اللہ تعالےٰ توفیق دے۔ کہ وہ اس پر غور کریں۔ اور یہ جو تعلیم حضرت عیسےٰ کے لئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور اللہ تعالےٰ کے لئے اور مہذب اقوام کے لئے موجبِ عار ہے۔ اس کو ترک کردیں۔

خطبہ کے ختم ہونے پر ایک نہایت مضبوط وجیہہ نوجوان نے میرے پاس کھڑے ہوکر اسلام قبول کیا۔ اور اعلان کیا۔ اور اس سے اقرار ضروریہ لے کر اُسنے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا۔ اور اس کا نام حمید رکھا۔ فالحمد للہ رب العٰلمین۔ الہم زد فزد والسلام +

مُکتی فوج کی کپتان لیڈی کا اسلام اختیار کرنا

ووکنگ ۱۰ نومبر ۱۹۱۲ء (از جناب مولانا مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی)

برادران۔ السلام علیکم۔ اس ہفتہ ایک خاتون مسلمان ہوئی ہیں۔ جو خاص طور پر موجب مسرت و انبساط ہیں۔ یہ کوئی معمولی خاتون نہیں ہیں مُکتی فوج کی کپتان تھیں۔ اچھی لیکچرار ہیں۔ نہایت عمدہ دل رکھتی ہیں بڑی ذہین اور تجربہ کار ہیں کئی ہفتوں سے اسلام کا مطالعہ کررہی تھیں۔ لنڈسی ہال میں نماز جمعہ کے خطبات بھی سُنتی رہیں۔ زبانی گفتگو سے بھی حصہ لیتی رہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے اُن کو چُن لیا۔ اور اُنہوں نے اس جمعہ مبارک کے دن لنڈسی ہال میں ہمارے مجمع میں اسلام اختیار کرنے کا اعلان کیا۔ ان سے حسبِ معمول اقرار متعلق توحید اور رسالت حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لیا گیا۔ اور یہ کہ میں حضرت عیسےٰ کو نہ خدا اور نہ خدا کا بیٹا تسلیم کرتی ہوں۔ نہ اُسے عبادت کے لائق سمجھتی ہوں۔ ہاں اُسے

انبیاء میں شمار کروں گی۔ اُن کا نام آمینہ رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت نازل کرے۔ اور اسلامی برکات اُن پر وارد ہوں۔ اور وہ اسلام کے لئے موجب برکت ہوں۔ آمین۔ اللھم زد فزد ٭

مسلمانوں کے قبرستان کے لئے محکمہ جنگ سے برابر افسر میرے پاس آرہے ہیں۔ اور ہر طرح سے کوشش کر رہے ہیں۔ کہ مفصل ہدایت حاصل کریں۔ تاکہ کوئی امر موجبِ اعتراض نہ ہو۔ بہت سی جگہیں اُنہوں نے مجھے دکھائی ہیں۔ اُن میں سے میں نے ایک پسند کی ہے۔ جو مسجد کے تھوڑے فاصلہ پر نہر کے کنارے سبزہ زار میں واقع ہے۔ اس کی چاردیواری کے بعد اُس کو باغ کی شکل وصورت دینے کے لئے میں نے افسران سے کہہ دیا ہے۔ امید ہے۔ جلد اس میں پھولوں کی کیاریاں اور موزوں درخت لگا دیئے جائیں گے۔ والسلام ٭

سوا سو یتیم کو کھانا کھلایا گیا

ہماری مسجد کے پہلو میں ایک یتیم خانہ ہے۔ جس میں سوتھ ویسٹرن ریلوے کے ملازموں کے یتیم لڑکے اور لڑکیاں پرورش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ پر روشن ہے کہ حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب کو بچوں سے محبت اور اُلفت ہے۔ کیونکہ اُن کو ایک عرصہ سے بچوں کے ساتھ بوجہ ہیڈ ماسٹر رہنے کے تعلق رہا ہے۔ اور بچوں اور طالب علموں کی ہر ایک تکلیف اور ضروریات سے بخوبی واقف ہیں۔ اس واسطے ان کا دل بچوں کی تعلیم اور تربیت کے واسطے ہمیشہ پسیجتا رہتا ہے۔ مجھے کئی دفعہ فرمایا ہے کہ یہ نوخیز بچے جو اس وقت بہت خورد سال ہیں اور کس مپرسی میں ہیں ایک دن آنے والا ہے کہ یہ بڑے ہوکر ہماری عدم موجودگی میں ہمارے

جانشین ہونگے۔ اگر ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت عمدگی سے کیجاوے تو نتیجہ عمدہ ہوگا۔ اور پرورش کنندگان کو اللہ تعالیٰ نے ایک جاریہ ثواب عطا کریگا۔ یتیم کی پرورش کرنا ہر ایک مسلم کا فرض ہے۔ یہ بچے انشاءاللہ دُنیا اور دین کے واسطے مفید ثابت ثابت ہونگے۔ چنانچہ عید کے اگلے دن مولانا صاحب یتیم خانہ کے دیکھنے کے واسطے تشریف لے گئے اور یتیم خانہ کی منتظمہ اور مولوی صاحب کے درمیان جو گفتگو ہوئی۔ اس کو میں اپنے الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔ جو خالی از لطف نہ ہوگا۔

جب مولوی صاحب یتیم خانہ میں پہنچے۔ اور منتظمہ سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب "چونکہ یہ یتیم خانہ ہمارے بہت قریب ہے۔ اور یتیموں کی پرورش کے واسطے اسلام نے بہت تاکید کی ہے۔ اس واسطے میں ان کے دیکھنے کے لئے آگیا ہوں۔ اگر آپ کا کوئی ہرج نہ ہو۔ کس قدر بچے اس جگہ ہیں"

منتظمہ "جناب آپ بڑی خوشی سے ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ اس میں کل ایک سو بیس لڑکے لڑکیاں ہیں۔ پچاس سے زیادہ لڑکیاں ہیں۔ باقی لڑکے "

مولوی صاحب نے تمام کمروں کا ملاحظہ فرمایا۔ اور بچوں کی رہائش کے کمروں کو عمدہ حالت میں دیکھا۔ ہر قسم کی اشیا جن کی ضرورت عموماً طالبعلموں کو ہوتی ہے۔ موجود پائیں۔ ادہر اُدہر کی گفتگو کے بعد مذہب اسلام کے متعلق گفتگو شروع ہوگئی۔ تو مولوی صاحب نے مذہب اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ یہ قدیم مذہب ہے اسلام کے معنے ہیں خدا کے احکام کی فرمانبرداری۔ اور مخلوق الٰہی سے محبت جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ تب سے یہ مذہب ہے۔ مگر تاہم جہاں سے پتہ تاریخی طور سے ملتا ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جن کو اس وقت کی تمام زبردست اقوام اور زبردست مذہب والے اپنا مورث اعلےٰ ظاہر کرنا ایک فخر خیال کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسی بزرگ کی

اولاد سے ہیں - اور اُن کی تعداد ...ہوگا - کہ مسجد میں قریبًا ایک سو مرد مان کا مجمع
قوم نبی کے وجود سے خالی ... کار کو زندہ کرتی ہے - کہ جب حضرت ابراہیمؑ
اور ملک میں نبی ا... گردن پر چھری رکھی تھی تاکہ خدا تعالیٰ کا وہ حکم پورا ہو جاوے
جو محمدؐ رسول ... دیا گیا تھا جسکے معنے اُنہوں نے یہی سمجھے تھے کہ اسمٰعیل کو قربان
... جب چھری حضرت اسمٰعیل کے حلق پر پھرنے کو تھی اُسوقت اللہ تعالیٰ نے
ظاہر کر دیا - کہ اے ابراہیم تو نے اپنی خواب کو حرفًا پورا کر دیا - اسکے بدلے دُنبہ ذبح کرو
چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے دُنبہ کو ذبح کیا - اوّل اوّل یہودی لوگ اس یادگار میں قربانیاں
کیا کرتے تھے مگر اب خدا تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل اس یادگار میں اہل اسلام ہر
سال کرتے ہیں میں چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیں - تو اس عید کے موقعہ پر
ہم اس یتیم خانہ کے بچوں کو کھانا کھلا دیں۔

منتظمہ - میں آپ کی تہ دل سے مشکور ہوں - آپ بڑی خوشی سے کھانا یہاں
بھجوا دیں - چنانچہ زردہ پلاؤ - قورمہ وغیرہ کھانا تیار کرا کر ۱۲½ بجے دوپہر
کو یتیم خانہ میں بھجوا دیا گیا - ذیل میں اس چٹھی کا ترجمہ دیتا ہوں - جو سکرٹری
صاحب یتیم خانہ نے اس ضیافت کے شکریہ میں ارسال کی :-

ترجمہ چٹھی از سکرٹری صاحب *London & South Western Railway Servant orphanage*

2/2 Nov 1914

جناب مولوی صاحب صدر الدین بی - اے - بی ٹی -

مہربان من یتیم خانہ کی منتظمہ نے مجھ سے عرض کیا ہے - کہ آپ کے دلمیں ہمارے یتیم خانہ کے بچوں کی محبت ہے - میں آپ کی ضیافت کا شکریہ ادا کرتا ہوں - جو آپ نے گذشتہ ہفتہ کے دن ہمارے یتیم بچوں کو دی - میں یقین سے کہتا ہوں - کہ اُنہوں نے آپ کی ضیافت سے بہت لذت حاصل کی براہِ مہربانی ہمارا شکریہ آپ قبول فرماویں - میں ہوں آپکا صادق - ایچ - جی - وارن

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے۔ بی ٹی)

نمبر ۲	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۵ء	جلد ۱

فہرست مضامین

جنوری ۱۹۱۵ء کو خلیفہ ... الدین صاحب ...

قیمت سالانہ تین روپے
(عہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیغامِ صلح

وہ اخبار ہے جو ووکنگ مشن میں اسلامی کوششوں کی
صحیح خبریں خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے ہمراہیوں کی
نو مسلموں کے حالات اور جنگ یورپ کی
خبریں لیکر ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں
ہندوستان اور دیگر ممالک کے قابل تذکرہ واقعات عجیب
تنقیدات اور دلکش ادبی بیان کیساتھ اسلامی جذبات کو
متحرک کرنے اور قائم رکھنے کا بیان حسن و خوبی انجام دیتا ہے
اور اپنی دلربا خصوصیات کے لحاظ سے ملک کا بے نظیر اخبار
ہے قیمت سالانہ چھ روپیہ ششماہی تین روپیہ ماہی ۹ ماہوار

المشتہر

مینیجر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد ۲ بابت ماہ جنوری ۱۹۱۵ء نمبر ۱

ضروری اطلاع

رسالہ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کو انگریزی میں جاری ہوئے پورے دو سال ہو گئے۔ چنانچہ دوسری جلد کا آخری نمبر دسمبر گذشتہ میں شایع ہو چکا ہے ان دو سالوں کے اندر کسقدر کام اسنے انگلستان میں کیا ہے۔ اس کا اندازہ تو انہی کو خوب ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے انگلستان کی سرزمین میں ووکنگ کی مسجد کا نظارہ اور اس کے انگریزی نژاد مسلمانوں کا اجتماع دیکھا ہے۔ کون مسلمان ہے جس کا دل اس خبر کو سن کر باغ باغ نہیں ہوتا۔ کہ اس سرزمین تثلیث میں جسکے مشنری تثلیث کی ترویج کے لئے آج دنیا کے ہر ایک کونے میں کام کر رہے ہیں پانچ وقت خدائے واحد کا نام بلند مینار سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس قوم کے مرد اور خواتین جنہوں نے کبھی خدائے ذوالجلال کے آگے جبہ فرسائی نہ کی تھی۔

پانچ وقت مسجد میں آتے اور نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ پھر کون مسلمان ہے جس کا دل اس خبر کو سن کر باغ باغ نہیں ہوگا۔ کہ اس رسالہ کے اجرا سے دو سال کے اندر اندر ساٹھ آدمی جن میں نہ صرف متوسط درجہ کے آدمی ہی ہیں بلکہ وہ لوگ جو لارڈ اور کونٹ کہلاتے ہیں یعنی اس ملک کے نواب اور راجے حتیٰ کہ ایک یورپین ملک کا ایک شہزادہ بھی شامل ہیں۔ پھر اگر سوسائٹی کے اعلیٰ سے اعلیٰ طبقہ میں اسلام اس قلیل عرصہ کے اندر اپنا گھر کر چکا ہے۔ تو علماء و فضلاء کے طبقہ میں بھی اپنے نام کو اسلام پر قربان کرنے والے پیدا ہو چکے ہیں۔ اور کالجوں کے پروفیسر۔ ایل ایل۔ ڈی۔ ڈاکٹر بھی اس میں شامل ہو چکے ہیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ صرف مسلمان ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ اسلام کے سچے دل سے شیدا ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگوں کے مضامین بھی رسالہ اسلامک ریویو میں نکلتے رہتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے دلوں میں یہ جوشش موجزن ہے۔ کہ اپنے سارے ہم قوموں کو اسلام کی غلامی میں داخل ہوا ہوا دیکھیں۔

اس مبارک تحریک کا اثر صرف انگلستان کی حدود تک ہی نہیں اور نہ صرف غیر مسلموں کے لئے ہی یہ ہدایت کا موجب ہوئی ہے۔ بلکہ خود اہل اسلام کیلئے بھی انگلستان کے اندر اور باہر بہت سی برکات کا باعث ہوئی ہے۔ چنانچہ لنڈن میں باقاعدہ نماز جمعہ کا ہونا درحقیقت اسی تحریک سے وابستہ ہے جس التزام کے ساتھ ہماری قوم کے وہ نوجوان جنہیں کبھی ایسا موقعہ شاذ و نادر ہی ملتا ہوگا۔ نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ وہ بجائے خود اس تحریک کے ایسے مفید نتائج میں سے ہے۔ کہ اس کا اور کوئی فایدہ بھی نہ ہوتا تو اس غرض کے لئے ہی اس کا زندہ اور جاری رکھنا ضروری تھا۔ پھر بہت سے ایسے خطوط مسلمانوں کے آئے ہیں۔ جن میں یہ اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ اس رسالہ کو پڑھ کر درحقیقت ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ تو یہ رسالہ نہ صرف تبلیغ کا ہی ذریعہ ہے۔ بلکہ خود اہل اسلام کے اندر

بھی ایک بیداری پیدا کر رہا ہے۔ اور وہ حقیقی روح پیدا کر رہا ہے۔ جس کے بغیر آج ہماری قوم ایک مردہ قوم بن رہی ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں اسلامی ممالک میں یہ رسالہ گیا ہے۔ وہاں یہ بھی خواہش کی گئی ہے۔ کہ اس کا ترجمہ اس ملک کی زبان میں شایع ہو۔ اور ایک جگہ تو اس کا ایک غیر زبان میں اجرا ہو بھی گیا ہے مصر اور عرب اور شام کے لیئے عربی زبان میں اس کے نکالے جانے کے بہت لوگ خواہشمند ہیں۔ جن کی خاطر سردست دو تین چار اوراق عربی زبان میں اصل رسالہ کے ساتھ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو شاید مستقل طور پر اس کے عربی زبان میں نکلنے کی بھی کوئی صورت پیدا کر دے۔

انہی تحریکات کے اندر ہندوستان میں بھی کثرت سے احباب اس بات کے خواہشمند تھے۔ کہ اس کا ترجمہ اردو زبان میں شایع ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یہ انتظام بھی کیا گیا اور چھ نمبر اردو ترجمہ کے نکل بھی چکے ہیں۔ لیکن یہاں پہنچ کر اب ہیں نے مناسب سمجھا کہ رسالہ کے اردو ترجمہ کا کام اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ اور اس میں نہ صرف انگریزی رسالہ کے مضامین کا ترجمہ ہی شایع ہو۔ بلکہ حسب ضرورت اس ملک کی ضروریات کے مطابق اور مضامین بھی شایع ہوتے رہیں۔ اس لیئے اس کا حجم بڑھا دیا گیا ہے۔ اور جنوری ۱۹۱۵ء سے اس کی پہلی جلد عملی رنگ میں شروع کر دی ہے۔ قیمت وہی تین روپے رہے گی جس کا اعلان پہلے ہو چکا ہے۔ مگر علاوہ حجم کے بڑھانے کے کاغذ و چھپوائی وغیرہ کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ تاکہ معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری اوصاف کا بھی یہ رسالہ جامع ہو۔ جن احباب کو پہلے تین نمبر پہنچ چکے ہیں۔ اور ان کی قیمتیں وصول ہو چکی ہیں۔ ان سے ان چھ پرچوں کی قیمت ۱۲؍ وضع کر کے باقی قیمت ان کی اس نئی جلد میں محسوب ہوگی۔ عموماً یہ کوشش کی جائیگی۔ کہ ہر رسالہ میں اس سے پچھلے مہینہ کے انگریزی رسالہ کا ترجمہ آجائے۔ اور علاوہ ازیں اس ماہ کے ووکنگ مشن اسلام کے حالات بھی درج ہوں۔

اور حسب ضرورت دیگر مضامین اشاعت اسلام پر بھی ہوں - اور اگر کبھی موقعہ ملتا رہا - تو ان بیش قیمت مضامین میں سے بھی جو گذشتہ دو سال میں نکل چکے ہیں کبھی کبھی کچھ ہدیہ ناظرین ہوتا رہیگا - یہ بھی کوشش کی جائیگی - کہ اشاعت اسلام کے متعلق اور بھی ضروری اطلاع اس رسالہ کے ذریعہ سے بہم پہنچائی جائے

ایڈیٹر

ماخوذ از اسلامک ریویو انگریزی

بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء

شذرات

یہ نہایت خوشی کا مقام ہے - کہ اسلامک ریویو نے آخرکار انگلستان اور دیگر ممالک میں عزتِ مقبولیت حاصل کر لی - اس کی غرض اشاعت اسلام و تبلیغ دین خیر الانام ہے - اس مجلاے اسلام نے نہ صرف اُن غلط فہمیوں کو یورپ سے ایک حد تک دور کر دیا ہے - جن کو کور باطنوں نے اسلام اور شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یورپ میں پھیلا رکھا تھا - بلکہ جو طبیعتیں مغرب میں مذہب سے بالکل سرد ہو گئی تھیں - اور جن پر دن بدن دہریت اپنا قبضہ کر رہی تھی - اُن میں اسلامک ریویو نے عشق مذہب کی چنگاڑی کو سلگا کر ٹھنڈی طبیعتوں کو گرما دیا - اس قلیل عرصے میں جب سے اسلامک ریویو جاری ہوا - نتائج ہماری امیدوں سے بہت بڑھکر پیدا ہوئے -

---

ہم آج انگلستانی دوستوں کو اطلاع دیتے ہیں - کہ اُن میں سے ایک کافی تعداد اسلام کی حلقہ بگوش ہو چکی ہے - دراصل اُن میں ایک کثیر تعداد ایسی بھی

ہے جن کا ذاتی مطالعہ ان میں ایسے عقاید پیدا کر دینے کا موجب ہو چکا ہے۔ جو قریب قریب اسلام ہے۔ ہاں وہ خود ابھی تک نہیں جانتے . . . . کہ وہ مسلمان اندر ہی اندر ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ کو مذہب معقولیت (ریشنلزم) قرار دیتے ہیں۔ لیکن اُن کے مسلمات تو بالکل اسلام ہی اسلام ہیں۔ یہ ہمارا نتیجہ اُن بیشمار خطوط اور ملاقاتوں کی بنا پر ہے۔ جو گذشتہ ایام میں ہمیں حاصل ہوا ہے۔ یہ اس ایک امر کا عملی اعتراف ہے۔ کہ اسلام انسانی فطرت و ضروریات کے بالکل مطابق حال ہے۔

مشرف باسلام ہونے کا طریق بالکل صاف اور سیدھا سادھا ہے بعض بذریعہ خطوط قبولیت اسلام کا اقرار کر لیتے ہیں۔ اور وہ اقرار دو لفظی ہے۔ ایک نومسلم کو اس امر کا اعتراف کرنا ہوتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے اور آدم سے لے کر آنحضرت صلعم تک سب خدا کے نبی برحق ہیں۔ اور محمد صلعم اُن میں خاتم النبیین ہیں۔ یہی ان سب کی تعلیم ہے۔ کہ تمام انسان بلا تمیز رنگ و قوم بھائی بھائی ہیں۔

دوسرا طریق اسلام میں داخل ہونے کا یہ ہے۔ کہ مسجد ووکنگ میں لنڈسے ہال (نوٹنگ ہل گیٹ لنڈن) جہاں ہمارے لیکچر اور خطبات ہوتے رہتے ہیں۔ وہاں آکر اپنے اسلام کا اعلان ہو سکتا ہے۔ ووکنگ مسجد میں ہمارے لیکچر ہر اتوار ۳ بجے سہ پہر کو شروع ہوتے ہیں۔ لنڈسے ہال میں ہر جمعہ قریباً پونے ایک بجے خطبہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ہر دو جگہیں مستفسران یا محققان مذہب کے مطالعۂ اسلام کا عمدہ موقع ہیں۔

مسجد ووکنگ ۔ ہر مذہب و ملت کے لئے کھلی ہے۔ تقریباً ہر روز

ہی مسجد کی زیارت کو بعض اصحاب وخواتین آتی ہیں۔ اُن سے دوران گفتگو میں بعض وقت بعض ایسے مسایل طے ہو جاتے ہیں۔ جن کے سمجھانے میں شاید دوسرے طریق پر بہت ہی وقت خرچ ہو۔ اس کے علاوہ ایک ایک اور مفید طریق یہ ہے۔ کہ ہمارا گھر ہر متلاشی مذہب کو خیر مقدم کہتا ہے پچھلے سال سے عموماً احباب ہمارے ہاں آکر ٹھیرتے ہیں۔ ہمارے وہ مہمان ہوتے ہیں۔ اس طریق سے نہ صرف وہ بالمشافہ بہت کچھ مذہب اسلام کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ وہ ہماری پرائیویٹ زندگی سے بھی اطلاع پا لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی مذہب کو اختیار کرنے سے پہلے یہ ایک نہایت ہی محتاط ومعقول طریق ہے۔ کہ اس قسم کے اصحاب آکر ہم کو دیکھ لیں کہ ہم جو ان کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ہم خود کس قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں +

ہم نہایت مسرت سے اس امر کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ اب خدا کے فضل سے ان نومسلموں کی تعداد اس قدر ہے۔ کہ انہوں نے ایک علیحدہ سوسایٹی بنائی ہے۔ جس کا نام "برٹش مسلم سوسایٹی" رکھا ہے۔ اور جس کے پریزیڈنٹ لارڈ ہیڈلے بالقابہٗ ہیں +

اسلام کیا ہے؟ یہ سوال عام طور پر سرسری واقفیت حاصل کرنے لئے ہم پر لوگ کرتے ہیں۔ اسلام کے عقاید میں سب سے پہلے یہ بات داخل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو جس نے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے۔ اور جو اسے قایم رکھتا ہے۔ جو سب سے زیادہ رحم اور محبت کرنے والا ہے اور انسان کی خطاؤں کو توبہ کرنے پر اور اُس کے رحم اور محبت کیطرف رجوع کرنے پر معاف کرنے والا ہے۔ اُسے واحدہٗ لاشریک مانیں۔ اور اُسکی

توحید میں کسی قسم کا شرک داخل نہ کریں۔ ثانیاً اسلام کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ تمام انبیا و حضرت آدمؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان ہو۔ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے۔ کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور بجز اُس کے اور کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہئے کسی نبی کی پرستش نہیں ہونی چاہئے۔ ہم نہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے ہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ الہامی کتاب جس میں اسلام کی تشریح کی گئی ہے۔ وہ قرآن کریم ہے۔ اور اُس کے اصول ومسایل عقل کی کسوٹی پر پرکھنے سے ویسے ہی صحیح ثابت ہوئے ہیں جس طرح کہ اُن پر کاربند ہو کر عمل کی کسوٹی پر وہ مفید پائے گئے ہیں۔ یہ مذہب کسی سے یہ توقع نہیں رکھتا۔ کہ اندھا دھند بغیر سوچے سمجھے اس کے اصول پر ایمان لایا جاوے۔ بلکہ اسلام اس قسم کے بودے اور غیر معقول اصول سے بالکل پاک ہے۔ جو عقل سلیم نہ مان سکے +

اسلام کی تعلیم میں یہ تلقین کی جاتی ہے۔ کہ تمام احکام جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جاری کئے ہیں۔ اُن کی تعمیل کی اُس کو طاقت حاصل ہے اور ان تمام عیوب اور غلط کاریوں سے بچنے کی بھی اُس میں طاقت ہے جن سے اللہ تعالےٰ نے اُن کو روکا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تعمیل اور گناہوں سے بچنے کی طاقت انسان کو عطا کی ہے۔ اسلام میں ایک ایسا نظام موجود ہے۔ جو انسان کی فطرنی طاقتوں کو نشو ونما دینے میں مدد دیتا ہے۔ اخلاقی۔ مذہبی۔ مجلسی۔ ملکی۔ تجارتی۔ فوجی اور قانونی معاملات میں اعلیٰ پایہ کے متعلق قواعد موجود ہیں۔ مدعا اس قدر تفصیل کا صرف یہ ہے۔ کہ انسان کی رہنمائی میں کسی قسم کی کمی نہ رہ جائے۔ اور وُہ

خالق ومخلوق کے ساتھ اپنے تعلقات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق قایم کرسکے
اس مذہب کے بانی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں
اسلام کی تعریف یوں کی ہے "خدا کے احکام کی تعظیم اور مخلوق خدا پر
شفقت" اسی اصول کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کا یہ ایک ضروری
عنصر ہے کہ وُہ خدا کی حمد کریں۔ اور اُس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی رکھیں
اسلام میں خدا اور انسان کے درمیان اور کوئی حایل نہیں ہے۔ ہر ایک
انسان خدا کے ساتھ براہِ راست تعلق قایم کرسکتا ہے۔ بجائے اِس کے
کہ انسان کی فطرت کا ضروری حصہ گناہ سمجھا جاوے۔ اسلام یہ تسلیم کرتا ہے
انسان کی فطرت معصوم ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ وہ گناہ سے پاک ہوتا
ہے۔ اور اگر چاہے تو تمام عمر بھر گناہ سے پاک رہ سکتا ہے۔ اسلام کی یہ
تعلیم نہیں ہے۔ کہ انسان گناہ کے بارِ گراں سے کسی صورت میں بچ ہی نہیں
سکتا۔ اور کہ خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ وُہ گناہ
سے محفوظ رہ سکے۔ اسلام نے انسان کو اس قسم کی مایوسی پیدا کرنے والے
اصول سے نجات دے دی ہے۔ اور ان لوگوں کے عذر نامعقول کو ہمیشہ
کے لئے توڑ دیا ہے۔ جو گناہ تو خود کرتے لیکن اپنی غلطیوں کا ذمہ وار اللہ
تعالیٰ کو ٹھیراتے ہیں۔ صرف اسی بنا پر کہ خدا نے انسان کی فطرت ہی ایسی
کیوں بنائی ہے جس کا خاصہ گناہ ہے۔ خدا نے انسان کی فطرت ایک
غرض اور مدعا کے لئے بنائی ہے۔ وُہ خدا کی مرضی کی تعمیل کرنا ہے
انسان کی نجات اسی میں ہے کہ وُہ خدا کی مرضی کے مطابق چلے۔

ہم اپنے ناظرین کی واقفیت کیلئے یہ عرض کردینا مناسب سمجھتے
ہیں۔ کہ مفصلہ ذیل مضمون نگار صاحبان۔ جن کے مضامین اس رسالہ میں
نکلتے رہتے ہیں۔ انگریز نومسلم ہیں۔

رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے فاروق بالقابہ ۔ ڈاکٹر ہارون مصطفٰی ایچ ۔ بی این پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ ایل ایل ڈی ۔ ایف ۔ ایس ۔ پی ۔ ڈاکٹر بین نیول جے وے مانٹ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ مسٹر یحییٰ پارکنسن ایف ۔ جی ۔ ایس مسٹر خالد شلڈریک ۔ مسٹر عمر فلایٹ ۔ امینہ ۔ مسز مبارکہ ایلس ولش ۔ جمیلہ ہڑج مسٹر شمس الدین سمس ۔ مسٹر احمد ولش اور مسٹر نورالدین ہیرس ۔

اسلامی نماز اور اُس پر مغربی اعتراض

از خالد شیلڈرک

(نماز کا عربی زبان میں ادا ہونا ۔ نماز کے مختلف ارکان)

اس شہر ووکنگ میں ہمارے ایک دوست ہیں ۔ جو کچھ دن ہوئے اب مسلمان ہوئے ہیں ۔ وہ کبھی کبھی اپنی اُس ترسان وخایف حالت کا ذکر کیا کرتے ہیں جس کے ساتھ وہ پہلے دن ووکنگ مسجد میں داخل ہوئے ۔ انہیں یہ بتلایا گیا تھا ۔ کہ اسلامی نماز پُر از اسرار حرکات اپنے اندر رکھتی ہے ۔ اُن کا خیال تھا ۔ کہ اُنہیں مسجد میں جا کر کوئی نامانوس رقص یا کسی قسم کی بھیانک آوازیں سُنائی دینگی ۔ یا شاید شعلے ہی نظر آویں ۔ وہ کئی دفعہ مسجد میں آنے کا ارادہ کرتے رہے لیکن وہ اس خوف پر غالب نہ آسکے ۔ آخر کئی دن ارادہ توڑ کر ایک دن وہ اپنے خوف پر غالب آگئے ۔ اور مسجد کی طرف آنکلے ۔ کیا عجیب بات ہے کہ ٹھیک اُس وقت ہم نماز میں مصروف تھے ۔ ہمارے رکوع وسجود نے اُن کے دل میں خوف افزا خیالات کا ایک ہجوم پیدا کر دیا ۔ وہ بیٹھ تو گئے لیکن ہر لحہ وہ اس بات کے منتظر تھے ۔ کہ اُن کے سامنے کوئی خطرناک ہیبت افزا واقعہ پیش ہونے والا ہے ۔ وُہ اس گھبراہٹ میں تھے ۔ کہ ایک اور

غیرمُسلم خاتون بھی مسجد میں آگئی۔ اور ہمارے دوست کے پاس بیٹھ گئی۔ اس سے ان کی گھبراہٹ کسی قدر کم ہوگئی اور اُن کو کسی قدر خوف سے اطمینان ہوگیا۔ اس قلبی کیفیت کو ہمارے اس دوست نے ہی محسوس نہیں کیا بلکہ کثرت سے ایسے اصحاب یہاں مغرب میں ہیں۔ جو اسلامی نماز کو استعجاب [illegible] ہماری نماز کے متعلق اپنے دل میں طرح طرح کے خیالات رکھتے ہیں [illegible] خدائے واحد کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں [illegible] کے پرستار ہیں۔ ہم تو عربی زبان میں آیات قرآن پڑھتے [illegible] کرتے ہیں۔ کہ اجنبی الفاظ بھوت پریت کو بلانے کے لئے ہم اس [illegible] رہتے ہیں۔ ایسا ہی بہت سے لوگ اپنی عدم واقفیت اسلام کے [illegible] باعث یہ یقین کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو جن بھوت نکالنے کے طریق آتے ہیں۔ یہ عجیب خیالات ہمارے متعلق اُن ناولوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جو اُن کے مصنفین یا تو جہالت یا تعصب سے پھیلا دیتے ہیں۔ وقت یہ ہے۔ کہ ناول اور قصہ کہانیاں ہی یورپ میں ایسی چیزیں کہ جن کے ذریعہ بہت سے امور عامۃ الناس طبقہ میں پھیلائے جاتے ہیں۔ بہت

سلہ یہ عام طور پر انگلستان میں مشہور ہے۔ کہ اہل اسلام سورج کی پرستش کرتے ہیں نہ معلوم اس خیال کی کونسی چیز ذمہ وار ہے۔ ہاں لنڈن کے کوچوں میں اور ایسا ہی اور شہروں میں ایک ہری کین کی قسم کا اشتہار دیکھنے میں آیا ہے۔ اُس لالٹین کا نام موجد نے سورج رکھا ہے۔ اشتہار میں اس لالٹین کی تصویر کے مقابل چند مسلمانوں کو سربسجود دکھلایا گیا ہے۔ اس اشتہار نے بھی اُس غلط خیال کی تائید کی ہے جس نومسلم دوست کا شیخ خالد شیلڈرک اپنے مضمون کے ابتدا میں ذکر کرتے ہیں۔ وہ بھی اسی خیال کو لے کر مسجد میں آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آخر انہیں نور اسلام سے مشرف کیا۔ اور ان کا اسلامی نام شمس الدین رکھا گیا (ایڈیٹر)

سے لوگ ہیں۔ جو کسی مضمون پر مستند کتاب نہ تو پڑھنے کا وقت رکھتے ہیں
نہ ایسا کرنے کے لئے اُن میں استعداد ہے۔ لیکن یہی لوگ چند ناول اور
کہانیاں پڑھ کر اسلام پر ہر طرح کی واقفیت بہم پہنچانے کے ٹھیکہ دار ہو
جاتے ہیں۔ یہ ایک مشکل ہماری راہ میں ہے۔ جس کو ہمیں آخر کار حل کرنا ہے
یعنی وہ اجنبیت جو مغربی دل کو اسلامی تعلیم اور اسلامی نماز کی ممکن ہے۔
چنانچہ سب سے پہلا اعتراض ہے۔ کہ

نماز کیوں عربی زبان میں ادا کی جاتی ہے

بار بار یہ سوال ہم سے ہوتا ہے۔ کہ ایک نماز پڑھنے والے کو ایسی زبان
میں جسے وہ سمجھتا نہیں نماز پڑھنے سے کیا فایدہ ہے۔ اب یہ غور طلب سوال
ہے۔ کہ یہ اعتراض کہاں تک اپنے اندر حقیقت رکھتا ہے۔ اس [illegible] ب
سے پہلے قومیت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہم اینگلو [illegible] ت
قدامت پرست ہیں۔ ہم اکثر اس بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ [illegible] غیر
قوموں کو کوئی روشنی ملے۔ اس لئے ہماری پراٹسٹنٹ گرجا [illegible] ہمیشہ
انگریزی زبان استعمال ہوتی ہے۔ عام خیال یہ ہے۔ کہ اگر ایک اجنبی ہماری
زبان نہیں سمجھ سکتا۔ اُس کے قومی حالات اور عادات ہمارے مطابق حال
نہیں۔ تو ہم اس کی علی العموم کم پرواہ کرتے ہیں۔ لیکن بالفرض ایک فرانسیسی
یا جرمن یا روسی ہمارے گرجا میں آجاوے۔ تو کیا وہ سمجھ لیگا۔ کہ وہاں کیا ہو
رہا ہے۔ کیا وہ اور عبادت کنندوں کے ساتھ بیٹھ کر شریک عبادت ہو
سکتا ہے۔ کیا وہ خیال کر سکتا ہے۔ کہ میں اپنی برادری میں ہوں یا وہ اپنے
آپ کو اجنبیوں کے حلقہ میں پائیگا۔ اُس کے کان میں ناآشنا الفاظ آئیں گے
اُس کے اردگرد اجنبیت ہی اجنبیت ہوگی۔ اور کیا یہ ناممکن نہیں۔ کہ وہ
اس سارے کے سارے منظر سے گھبرا جائے۔ ہمارا عبادت کے الفاظ
اپنی زبان میں دہرانا۔ ہمارا مختلف گیت گانا۔ ہمارا خطبہ ہمارا وعظ۔ اُس

کے لئے سب کا سب ایک بیہودہ اور بے معنی فعل ہوگا۔ ہم سے تو رومن کیتھلک ہی اچھے ہیں۔ کہ جنہوں نے اس وقت کو سمجھا ہے۔ اور لاطینی کا رواج اپنی عبادت میں دے رکھا ہے ہر ایک کیتھلک عیسائی جس ملک میں جائے وہ گرجا میں جاکر عبادت میں اجنبیت نہیں پاتا۔ اگر ایک مذہب مختلف ممالک اور مختلف قوموں میں رائج ہو۔ تو اُس کی عبادت میں وحدت اُسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جب عبادت کو مختلف اقوام کی زبان سے آزاد کرکے اُس کے لئے ایک زبان تجویز کی جاوے۔ یہ تو اعتراض کردیتے ہیں۔ کہ اسلام نے کیوں نماز میں عربی زبان کو اختیار کیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اسلام کسی ایک قوم کا مذہب نہیں۔ بلکہ کل دنیا کا مذہب ہے۔ اگر اسلام کسی خاص ملک کا مذہب ہوتا۔ مثلاً ترکوں کا تو ترکی کا استعمال جائز تھا۔ جیسے ہم لوگ انگریزی کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو تو قومی بندھنوں سے ذرا آزاد ہوکر اسلام کے لئے کل دُنیا کو سامنے رکھنا ہے۔ مسیح تو بالضرور اپنے یہودا کی بکھری ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے اپنی خواری سمجھتا ہے۔ لیکن محمد صلعم تو فرماتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ میں تو کل دنیا کے لئے رحمت ہوکر آیا ہوں۔ اس سے ہمیں سمجھ آتی ہے۔ کہ ان دو پیغمبروں کے مشن میں کہاں تک فرق ہے۔ مسیح دراصل یہودیوں کے لئے آئے تھے۔ جو ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ ان کی ہی اصلاح اُن کے مدنظر تھی۔ اُن کے مشن کا خاتمہ اچانک اور بہت جلد ہوگیا۔ نہ تو اُن کو موقعہ ملا۔ کہ وہ اپنی تعلیم کو بحیثیت مجموعی پیش کرسکیں اور نہ وہ اسے مکمل کرسکے۔ اُن کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آسکی۔ کہ اُن کی تعلیم کبھی سیریا کے حدود سے بھی باہر جاسکے۔ یہ تو اُن کے بعد اُن کے پیروؤں کو خیال آیا۔ جب یہودیوں نے اُن کی نہ سُنی۔ تو اُنہیں خیال آیا۔ کہ ہم اس تعلیم کو غیر مختون قوموں میں پھیلائیں۔ یہ تو محمد عربی کا زبردست اور مضبوط قلب تھا۔ جس نے دیکھ لیا۔ کہ آپ کے کلمات کافتہ الناس کے

لئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں ہی عرب سے باہر دیگر اقوام کے پاس پیغام اسلام بھیجا۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے ایک لمبی عمر عطا کی۔ اور وہ اپنی زندگی میں اپنے مشن کی تکمیل کر کے اُٹھے۔ لہذا اگر عربی زبان نماز کے لئے انتخاب کی گئی تو محض ارادہ خداوندی سے کی گئی۔ قرآن کریم عربی زبان میں اس لئے نازل ہوا۔ کہ عربی زبان کل دیگر زبانوں کے خلاف تغیرات کے اثر سے محفوظ ہے اور اس لئے یہی ایک زبان ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے اُس آخری پیغام کا تخت گاہ ہو سکتی ہے۔ جو کل دنیا کے لئے نازل ہوا۔ قرآن کا اپنی اصلی حیثیت میں محفوظ رہنا بذات خود اس کے لئے ایک معجزہ ہے۔ آج بھی یہ کتاب مقدس اُسی شکل وصورت میں موجود ہے جس میں آنحضرت صلعم اسے چھوڑ گئے۔ تیرہ سو برس سے یہ کتاب تحریف بندی سے محفوظ ہے۔ کیا یہ بات ہم کسی اور مقدس کتاب کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ صرف ہم مسلمان ہی وثوق کے ساتھ اپنی کتاب کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمارے ہاتھ میں ہو بہو وہی کتاب ہے جو ہمارے خدا نے ہمارے رسول کو دی۔ یہ کتاب عربی مبین میں نازل ہوئی میں نے ابھی کہا ہے۔ کہ ایک عربی زبان ہی ایسی زبان ہے۔ جس کے الفاظ کی شکل و معانی غیر متغیر حالت میں رہے ہیں۔ باقی کل کی کل زبانیں بدلتی ہیں اور بدلتی رہی ہیں۔ یہی ہماری انگریزی زبان گذشتہ چند صدیوں میں کس قدر ہیوے بدل چکی ہے۔ لہذا عربی ہی ایک زبان ہے۔ جو عالمگیر الہام کے لئے موزوں ہے۔ اسی طرح جو نماز کل قوموں کے لئے تجویز ہو نہ کہ صرف افریقہ یا امریکہ کے لئے وہ ضرور ہی ایک زبان میں ہونی چاہیئے۔ جو سب زبانوں کی قایم مقام سمجھی جاوے۔ نماز چند مختصر عربی الفاظ ہیں۔ جن سے زبان اور کان جلد آشناء ہو سکتے ہیں۔ ان کے مطالب کو بھی انسان بہت جلد سمجھ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان جس کی خواہ کوئی بھی زبان ہو اور کوئی بھی ملک وہ کسی قوم کی مسجد میں چلا جاوے۔ اور وہاں نماز ہوتی ہو۔ اُس کے کان اُسے فوراً کہہ دینگے

کہ اُسکی نماز ہو رہی ہے۔ اگر مختلف ملکوں کے مسلمان اپنی اپنی زبان میں نماز ادا کریں۔ تو ان ایام میں جب کل ممالک میں اس قدر آمد و رفت ہے۔ کس طرح کوئی مسلم دوسرے ملک کی مسجد میں جا کر سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ وہی نماز ادا کر رہے ہیں۔ جو اسلام کی تعلیم کردہ ہے نہ کوئی اور۔ یہ امر تو اُسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب کل ممالک کے مسلمان ایک ہی زبان میں نماز ادا کریں۔ اور جب یہ صورت ہے۔ تو عربی زبان سے زیادہ کسی اور زبان کا حق نہیں کہ وہ ذریعہ نماز ہو سکے۔ کیا یورپ اس دقت کو محسوس نہیں کر رہا۔ اس وقت مختلف یوروپین ممالک میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور چاروں طرف ایک مشترک زبان کی ضرورت کو محسوس کیا جاتا ہے۔ کیا والپاک۔ اسپیرنٹو۔ اور آئڈو نے اپنی اپنی جگہ ایسے ہی امور کے واسطے یورپ میں ایک مشترک زبان تجویز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا یورپ میں ہر جگہ اس دقت کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ کہ ایک مشترک زبان کے نہ ہونے سے کس طرح مختلف یوروپین ممالک کے لوگ نہ تو ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو سکتے ہیں۔ نہ تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں۔ اور کیا ان تمام ضروریات کا علاج اس وقت زبان اسپیرنٹو میں نہیں دیکھا گیا۔ جب خود یورپ اس فکر میں ہے۔ تو پھر اگر مسلمانِ عالم اپنی نماز کے لئے ایک مشترک زبان یعنی عربی اختیار کریں۔ تو کونسی اچنبھا بات ہے۔ کیا یہ روح افزا امر نہیں۔ کہ ایک مسلمان خواہ کسی ملک و قوم کا ہو۔ وہ بلا تامل کل دنیا میں جا کر جہاں چاہے اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے۔ اور نہ صرف شریک نماز ہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ اُس کے ہم مذہب غیر ملک کیا کیا کر رہے ہیں۔ اسلام نے رنگت۔ زبان اور ملک کے امتیاز کو اپنے میں سے مٹا دیا ہے۔ یہ تعصبات اور تمیزیں تو صرف انہیں مذاہب کا حصہ رہ گئی ہیں جو عالمگیر مذہب ثابت نہیں ہو سکے۔ مسلمان سب کے سب ایک دوسرے

کے بھائی ہیں۔ کوئی قومی یا شخصی تمیز اُن میں نہیں۔ یہ اخوت اسلامی محض زبان یا ہونٹوں پر نہیں ہوتی۔ بلکہ مسلمانوں میں اخوت ایک عملی حقیقت ہے۔ کیا مسرت افزا اور خوش کن وہ وحدت ہے جس نے یہ اخوت پیدا کر رکھی ہے۔ ایک ہی زبان۔ ایک ہی اخوت کی روح۔ اور ایک ہی مذہب کیا صرف یہ ایک بات ہی اسلام کو اس امر کا مستحق نہیں ٹھیراتی۔ کہ اسے عالمگیر مذہب سمجھا جاوے +

نماز پر دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض جو ہندو نماز پر ہوا کرتا ہے۔ وہ اس کے رکوع وسجود۔ قعدہ۔ قومہ وغیرہ سے متعلق ہے۔ یہ اعتراض اُن لوگوں کی زبان پر تو موزون نہیں معلوم ہوتا۔ جو گرجا میں عبادت کے لئے تو جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کرسیوں پر بیٹھکر صرف گردن کو جھکا دینے میں نماز کا خاتمہ کر لیتے ہیں۔ کیا یہ منافقت نہیں کہ خود اُن کا مذہب تو اُنہیں اس قسم کے سجود و رکوع سکھلاتے اور وہ محض جسمانی تکلیف سے بچنے کے لئے رکوع سجود کی بجائے صرف گردن جھکانا کافی سمجھیں۔ اور اعتراض ان لوگوں پر کریں۔ جو ان فرائض کو ادا کریں۔ ہاں ہم نماز میں سینہ پر دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں لیکن کیا یہ حالت توجہ اور عزت کے اظہار کے لئے طبعی حالت نہیں۔ کیا جب ہم کسی امر پر نہایت توجہ سے غور کرتے ہوں۔ یا کسی فصیح اللسان کی تقریر غور سے سنتے ہوں۔ تو ان دو حالتوں میں ہم طبعاً یہی حالت چھاتی پر ہاتھ باندھنے کے اختیار نہیں کر لیا کرتے۔ کیا سینہ پر ہاتھ رکھنا تسلیم و اظہار کے لئے بہترین طریق نہیں۔ کیا یہی تصویر ہمیں اس قیدی کی شکل میں نظر نہیں آتی۔ جب وہ حاکم کے سامنے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے۔ تو پھر اگر نماز میں ہم نے یہ طرز اختیار کر لی۔ تو پھر استعجاب کیوں ہوسکتا ہے۔ ہاں ہم نماز میں اپنے زانوؤں پر بھی ہاتھ رکھتے ہیں۔ کیا اس طریق سے تعلیم کا

کامل اظہار نہیں ہوتا۔ کیا اگر راہ میں ہم کسی شریف یا کسی خاتون سے ملیں۔ تو ہم اس کے سامنے نہیں جھکتے۔ یہ تو ہم معمولی ملاقات کے وقت ہر ایک کے آگے کیا کرتے ہیں۔ تو پھر اگر اسی طرح ہم خدا کے آگے جھک جائیں۔ تو اس میں کونسا اچنبھا پن ہے۔ ہاں ہم سجدہ بھی کرتے ہیں۔ جب ہم اپنا ماتھا زمین سے رگڑتے ہیں۔ کیا اس سے بہتر اور اس سے زیادہ موزون طریق دنیا میں اظہار تذلل کا کسی انسان کے لئے کوئی تجویز کر سکتا ہے۔ جب اُن سے احکم الحاکمین کے آگے کھڑا ہونا ہو۔ کیا ہم زمینی بادشاہوں کے سامنے جب جاتے ہیں۔ تو کیا سر سیدھا کھڑا کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ یا زانو دبا کر اور سر جھکا کر اُن کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں۔ کہ جب تک ہمارے بادشاہ ہمیں اذن نہ دیں۔ ہم سر نہیں اُٹھاتے۔ کس قدر زیادہ تذلل کے ساتھ اپنے خداوند کے آگے جھکنا چاہیئے۔ جو ہماری ہر طرح کی ربوبیت کرتا ہے۔ ہمارا سر ہمارے جسم کا ممتاز حصہ ہے۔ ہمارے سر میں ہماری اعلیٰ سے اعلیٰ استعدادیں ہیں ہم اسی کو خدا کے آگے زمین پر رکھ کر دنیا کو دکھلاتے ہیں۔ کہ ہم اُس احدیت مآب کے آگے ذرۂ بیمقدار ہیں خدا نے ہی ہمیں ہر قسم کی راحت اور آسایش عطا کی ہے۔ اور خدا ہی ہماری ساری ضروریات کا کفیل ہے۔ تو پھر کیوں نہ ہمارے تذلل اور انکسار کا اظہار اُس کے سامنے سب سے زیادہ ہو۔ پھر بائیبل میں جا بجا سجدہ کا ذکر آیا ہے خود مسیح اکثر سجدہ میں گر جایا کرتا تھا۔ تو پھر ہمارے سجدہ پر کیوں حیرت ہوتی ہے۔ بہر حال جس بات کو اہل مغرب نے ایک راز سر بستہ سمجھا۔ وہ تو کوئی راز نہ نکلا۔ اور اسلامی نماز تو در اصل وہ تمام اعلیٰ صفات اپنے اندر رکھتی ہے۔ جو ادب۔ تعظیم اور عبادت کے لئے ضروری ہیں۔ اہل مغرب اگر مادیات کو چھوڑ کر روحانیات کی طرف آجاویں۔ تو پھر اُن کو وُہ امر کبھی اجنبی نہ معلوم ہوگا۔ جو اللہ کی ہیکل میں مسلمان برنگ نماز اختیار

کرتے ہیں۔ یورپ کو سمجھ آجاویگی۔ کہ اسلام کو یہ ضرورت نہیں کہ وہ اپنی نماز کو ان کے حالات کے مطابق کردے۔ بلکہ اس بات کی زیادہ ضرورت ہے۔ کہ مغرب کے غلط خیالات کو اسلامی نماز کی روحانیت سے دھو ڈالے ✤

حسن قرآن کریم پر عیسائی اہل قلم لوگوں کی شہادتیں

قرآن کریم کسی حمایت کنندہ کا محتاج نہیں۔ اس کا حسن پڑھنے والے پر پوشیدہ نہیں لیکن ان دنوں میں جب کہ اسلام اور اسکی مقدس الہامی کتاب پر طرح طرح کے بے بنیاد الزام لگائے جارہے ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ کہ ذرا ان فضلاء و حکماء کی کتابوں کے اوراق پر ایک نظر ڈالی جائے جن کو اس عظیم الشان کتاب کے مطالعہ اور اس کے اصولوں پر غور کرنے کے بعد رائے قایم کرنے کا موقعہ ملا۔ ایسے جاہلوں کی بکواسیں جو تعصب کے ماتحت ہوتی ہیں۔ مفصلہ ذیل اقتباسات کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہیں ✤

اس مقدس کتاب کا نام ہی قرآن ہے جس کا مادہ لفظ قرا، ہے جس کے معنے ہیں پڑھنا اور قرآن کے لغوی معنی ہیں "پڑھائی" یا "ایسی چیز جسے پڑھنا چاہئیے" یہ چھوٹے بڑے ۱۱۴ حصوں میں منقسم ہے جن کو سورتیں کہا جاتا ہے۔ پھر ہر ایک ان میں سے بجائے خود آیات پر منقسم ہے۔ ہر ایک سورت کا ایک الگ نام ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ سورۃ کا نام ایک ایسا لفظ ہوتا ہے۔ جو خود سورۃ میں موجود ہوتا ہے۔ نام کے بعد ہر سورۃ کے شروع میں سوائے نویں سورت کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہوتی ہے ✤

جارج سیل اپنے ترجمہ کی تمہیدی بحث میں کہتا ہے :-
"قرآن کے لئے عام طور پر اجازت دی گئی ہے۔ کہ اسے نہایت صفائی وہ بستی و زبان کی پاکیزگی کے ساتھ لکھا جاوے .... یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ کتاب عربی زبان کے لئے سند ہے" پس جارج سیل کے یہ الفاظ ہمارے سامنے موجود ہیں جن میں وہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کرتا ہے۔ اور تسلیم کرتا ہے کہ زبان عربی کے لئے یہ کتاب بسند ہے۔ کیا یہ اس بات کے لئے زبردست شہادت نہیں ہے۔ کہ یہ کتاب جیسی آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح بغیر کسی تغیر و تبدل کے آج بھی موجود ہے اور جب علمی تنقید کے ماتحت تمام دوسری مقدس کتابوں کو نظر انداز کیا جا چکا ہے۔ اس حالت میں بھی قرآن کریم اپنی ناقابل گرفت طرز بیان میں آج اسلامی دنیا کا ہادی ثابت ہو رہا ہے ؛

کارلایل کہتا ہے، "جب ایک دفعہ قرآن کریم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ تو اسکی حقیقتیں خود بخود کھلنے لگ جاتی ہیں۔ اور اُن میں ایک خوبی نظر آتی ہے۔ جو ادبی تحریروں سے بالکل الگ ہے۔ جو کتاب دل سے نکلتی ہے۔ وہ دل پر جا بیٹھتی ہے۔ سب قسم کے تصنع اور تفنن اس کے آگے ہیچ ہوتے ہیں۔ کوئی یہ کہ سکتا ہے۔ کہ قرآن کی پہلی صفت اس کی راست بیانی ہے۔ یعنی یہ حقیقی معنوں میں کتاب ہے۔ لیکن میرے نزدیک قرآن کی خوبی تو اسکی صداقت ہے۔ ہر حالت میں ایک کتاب کی یہ سب سے پہلی خوبی ہے۔ اور اسی پر تمام خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی خوبی سے تمام خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ درحقیقت یہی ایک خوبی ہے۔ کہ جس سے ہر ایک خوبی کا آغاز ہو سکتا ہے" ؛

کارلایل اس مقدس کتاب کو دوسرے پہلو سے دیکھتا ہے۔ اور پاتا ہے۔ کہ یہ کتاب براہ راست دل پر اثر کرتی ہے۔ وہ اس بات کا ثنا خوان

ہے۔ کہ اس کے ہر صفحہ سے صداقت ٹپکتی ہے۔ اور اسکی راست بیانی نے اُس کو گرویدہ کیا ہے۔ پھر ہمارے پاس سر ولیم میور کی شہادت بھی موجود ہے۔" قرآن ایسی دلایل سے بھرا پڑا ہے۔ جو قدرت اور فطرت سے لی گئی ہیں اور جن کا مقصد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالی کی جو احکم الحاکمین ہے ہستی کا ثبوت دیا جائے اور اُس کے فایق بر ہمہ حق کو منوایا جائے۔ جو انسان فرمانبرداری اور شکرگذاری چاہتا ہے۔ مابعد الموت زندگی میں جزا و سزا کی کیفیت۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تائید۔ اپنے خالق کی عبادت اور فرمانبرداری کو اپنا فرض اور عین خوشی سمجھنا۔ اور پیچ و تم باتوں کو ایسی خوبصورت اور پُر زور زبان میں بیان کیا ہے۔ کہ حقیقی نظمی کیفیات کا نقشہ جم جاتا ہے۔ اسی طرح مسئلہ حشر اجساد کی معقولیت کو نہایت زبردست دلایل کے ساتھ مبرہن کیا ہے خصوصاً جو تشبیہیں حشر اجساد کی کرۂ ارض کے جنوبی ممالک کی زمینوں کے ساتھ دی ہیں۔ وہ کیسی دلفریب ہیں۔ کس طرح زمین مدتوں خشک اور مدتوں مردہ حالت میں پڑی رہتی ہے۔ پھر کس طرح آسمان سے بارشیں آ کر اس میں فی الفور زندگی اور تر و تازگی پیدا کر دیتی ہیں"

واشنگٹن آروِنگ اپنی کتاب لایف آف محمدؐ میں لکھتا ہے" قرآن میں نہایت پاکیزہ ارفع و اعلیٰ اور سچائی پر مبنی اصول ہیں"

ڈیون پورٹ اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ دی قرآن" میں لکھتے ہیں " قرآن اسلامی دنیا کے لئے ہر پہلو اور ہر حالت زندگی کے لئے کیا بلحاظ تمدن و معاشرت سول اور تجارت۔ فوج اور عدالت۔ فوجداری اور دیوانی اور کیا بلحاظ مذہب کے ایک قانونی کتاب ہے۔ اس کے ذریعہ مذہبی عبادات و رسومات سے لے کر روزمرہ کے کاموں تک۔ نجات روحانی سے لے کر صحت جسمانی تک قومی حقوق سے لے کر شخصی حقوق تک۔ اخلاق فاضلہ سے لے کر جرایم تک سزائے دنیوی سے لے کر عقوبت اخروی تک غرض ہر چیز کو آیات ۔۔۔ کے

ماتحت لایا گیا ہے۔

ڈاکٹر مسٹر برک الزامات وارن ہیسٹنگز میں قرآن کے حسن کی سرکار میں نہایت عالی نذر پیش کرتا ہے:۔

"شریعت محمدی ایک تاجدار سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی پر یکساں فرض ہے۔ یہ ایک ایسی شریعت ہے جس میں سب سے زیادہ معقول۔ سب سے زیادہ عالمانہ۔ سب سے زیادہ مہذب اصولی قانون ہیں۔ جو تمام دنیا میں لاثانی ہیں"

ڈیون پورٹ یہ بھی لکھتا ہے کہ "قرآن کی بے شمار خوبیوں میں سے دو خوبیاں نہایت روشن ہیں۔ اول تو یہ کہ اس میں جب خدا کا ذکر آئیگا تو خدا کی عظمت اور جلال اور تقدس کو ہمیشہ ظاہر کرنے والا ہوگا۔ اور کبھی خدا کی طرف انسانی کمزوریوں اور جذبات کو منسوب نہیں کریگا۔ اور دوم تمام قرآن ایسے خیالات۔ الفاظ۔ بیانات وغیرہ سے قطعاً مبرا ہے۔ جو گندے۔ بداخلاق اور فحش ہوں۔ جیسا کہ اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ جسے عیسائی لوگ پرانا عہد نامہ (توریت) کہتے ہیں۔ ان نقصوں سے جن کا عیسائی انکار نہیں کر سکتے۔ قرآن ایسا پاک اور مبرا ہے۔ کہ اس میں ذرا بھی کاٹنے چھانٹنے کی ضرورت نہیں۔ اور شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جاؤ مگر حیا کا رخسارہ شرم سے گلگوں نہ ہوگا"

باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب لایف آف محمدؐ میں مفصلہ ذیل بیان معرض تحریر میں لاتا ہے "ایک ایسی بےنظیر خوش نصیبی سے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رنگ میں بانی ہوئے۔ ایک قوم کے بانی۔ ایک سلطنت کے بانی۔ اور ایک مذہب کے بانی۔ باوجود امی اور لکھے پڑھے نہ ہونے کے آپ ایک ایسی کتاب کے مصنف ہوئے جو کہ ایک ہی وقت میں نظم بھی ہے۔ قانونی کتاب بھی ہے۔ اور بشارت بھی ہے۔ اور آج کے دن تک بلحاظ اپنی فصاحت و بلاغت اور معارف حقایق کے کل بنی نوع انسان کی ⅕ آبادی اُسے ایک معجزہ سمجھتی ہے۔ اور اُس کی

دل سے تعظیم و تکریم کرتی ہے ۔ یہ ایک خاص معجزہ ہے ۔ جو آنحضرت نے پیش کیا اور اُسے دائمی معجزہ کے نام سے آپ نے یاد کیا ۔ اور درحقیقت یہ کتاب ایک معجزہ ہے"۔

پاپولر انسائیکلو پیڈیا حصہ ہشتم صفحہ ۳۲۶ میں ہم پڑھتے ہیں :"قرآن کی زبان سب سے زیادہ خالص عربی سمجھی جاتی ہے ۔ اور ایسا دلربا انداز بیان اور خوبصورت نظام ہے ۔ کہ اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ اس کے اخلاقی اصول نہایت پاکیزہ ہیں ۔ جو آدمی بھی اُن پر چلیگا ضرور ہے کہ وہ متقی بنجائے"

ہربرٹ لیکچرز میں مفصلہ ذیل فقرہ پایا جاتا ہے"شریعت اسلام میں قابل تعریف اخلاقی اصول ہیں ۔ اور جو سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ ہے ۔ کہ اسلامی شریعت اُن اصولوں پر عملدرآمد کرانے اور ان کے بجا لانے کے تاکیدی احکام میں کامیاب ہو جاتی ہے"۔

وین اسٹینلے ایک فاضل عیسائی اپنی کتاب ایسٹرن چرچ صفحہ ۲۷۹ میں لکھتا ہے :"قرآن کا قانون بلاشبہ بائیبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا"۔

ڈیوڈ ارکوہارٹ اپنی نہایت سمجھ سے لکھی ہوئی کتاب "دی اسپرٹ آف دی ایسٹ" کی جلد اول کی تمہید میں اسلام کا مختصراً ذکر کرتے ہیں ۔ جو دل کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتا :"اسلام کوئی نیا مذہب پیش نہیں کرتا ۔ اس میں نہ کوئی مقرر شدہ مذہبی لوگ ہیں ۔ جن کی عدم موجودگی میں خدا کی عبادت نہ ہو سکے ۔ اور نہ اس میں کوئی گرجا ہے ۔ جس کی حکومت کے نیچے لوگوں کی گردنیں ہوں ۔ یہ لوگوں کو مذہب کے مطابق قانون اور آئین مملکت عطا کرتا ہے"۔

یہ اقتباسات کافی ہیں ۔ مذکورہ بالا آرا اُن لوگوں کی ہیں ۔ جو علما و فضلا اور غور و فکر کرنے والے ہیں ۔ اور ان کو پڑھ کر ایک غیر متعصب پڑھنے

والا فیصلہ کر سکتا ہے۔ بہت آدمی ہیں۔ جو پڑھنے سے پہلے ہی ایک چیز کو حقارت سے پھینک دیتے ہیں۔ اور اس قدر متعصب ہیں۔ کہ اُن کی دانائی اور عقل سلیم اسلام کی مخالفت میں پس پردہ جا پڑی ہے۔ اُن کو خود تحقیقات کرنی چاہیئے اُن کو چاہیئے۔ کہ وہ قرآن کریم کو پڑھیں۔ اُس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور وہ اُس "سچی راحت" کو پا دیں گے۔ جسے وہ تلاش کر رہے ہیں۔ لارڈ بیکن کی اس گرانمایہ بات کو سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ فلاسفی کا ناقص علم انسان کے دل کو دہریت کی طرف مایل کر دیتا ہے۔ مگر فلاسفی میں کامل مہارت پیدا کرنا انسان کے دل کو مذہب کی طرف لے آتا ہے۔

قرآن اور جنگ

جس مذہب کو قرآن کریم نے تعلیم کیا ہے۔ اُس کا نام اسلام ہے۔ یہ نام نہایت ہی معنی خیز نام ہے۔ سب سے اول اس کے معنی سلامتی ہیں۔ اس کا نام ہی اُس انسانی فطرتی خواہش کو اپیل کرتا ہے۔ کہ جس کے ہر تقاضے پر ایک انسان ہر طرف امن و امان ہی دیکھنا چاہتا ہے اور ہر قسم کے فساد اور شور سے دلی نفرت رکھتا ہے۔ پیروان اسلام کا نام مسلم ہے (نہ کہ محمڈن جیسے کہ عیسائی جاہل مصنفین نے مسلمانوں کا نام رکھ دیا ہے) اور مسلم وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے صلح کر کے اُسی آن صلح کو مخلوق الٰہی تک پہنچا دیتا ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کو ملنے کے وقت بھی السلام علیکم کہتے ہیں۔ (جس کے معنی ہیں۔ تم پر سلامتی ہو) یہ طریق عمل سلام کہنے والے کی نیت ملنے والے پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو یہ ہے کہ مجھ میں اور تجھ میں صلح اور صفائی ہے اور میں تیری سلامتی چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے دنیا میں آ کر یہ اعلان کیا۔ کہ میں

اسلام یعنی سلامتی اور امن کے مذہب کی تبلیغ کے لئے آیا ہوں۔ عرب جیسی جنگ جو قوموں کے لئے یہ دین کیا۔ نیک اور دلفریب بشارت تھی۔ اور کیا تاریخ نے اس بات کا ثبوت نہیں دیا۔ کہ اس مبارک بشارت نے آخر جنگجو عناصر کو اتحاد کی کٹھالی میں ڈھال دیا۔ وہ عرب تو عربستانی ریت کے ذرات کی طرح ایک دوسرے سے جدا جدا اور متفرق تھے۔ لیکن پھر وہ کس طرح تن واحد ہو گئے۔ کس طرح اسلام کے امن افزا اصولوں نے ایک جمہوری اخوت ان میں پیدا کر دی۔ ذیل کی آیات اُس خطرناک فساد اور خونی جنگجو حالت کا نقشہ کھینچتی ہیں۔ جو عرب کے ایام جاہلیت میں وہاں مستولی تھی۔ پھر کس طرح قرآن نے آکر اُن میں اخوت اور وحدت پیدا کر دی۔ اور یہ امر وہ ہے جیکی شاہد حال خود تاریخ ہے +

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم علیٰ شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منہا کذالک یبین اللہ لکم ایاتہ لعلکم تہتدون

ترجمہ

اور سب مضبوطی سے اللہ (کے دین) کی رسّی کو پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے۔ پھر اُس نے تم کو اُس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاؤ +

سورۃ آل عمران آیت ۹۰ - ۹۹

ان متضاد عناصر کو ہم آہنگ کر دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خدا کے

نبیؐ کے دشمن ہر وقت برسرِ پیکار رہتے۔ اور آپ کے متعلقین کو طرح طرح کی تکلیف دینے میں ہر طرح ساعی تھے۔ ابتدائی مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے طرح طرح کی بے رحمانہ کارروائیاں کی گئیں۔ نہایت بے شرمی سے عورتوں کو ہدف نیزہ کیا گیا۔ بچوں کو سرد مہری سے قتل کیا گیا۔ بسا اوقات نومسلموں کو عرب کی جلتی ہوئی ریت پر جو بذاتِ خود ایک آگ کی بھٹی سے کم نہیں ہوتی۔ لٹا کر انہیں طرح طرح کی تکلیف دی گئی۔ ایک صحابی کو جو تکلیف دی گئی وہ تو اُن تمام تکالیف سے بڑھ گئی جس کو انسان کی قوتِ متخیلہ تجویز کر سکتی ہے دو اونٹوں کی پچھلی ٹانگوں کے درمیان اُسے معلق کیا گیا۔ اور اُس کی ایک ایک ٹانگ اونٹوں کی ایک ایک ٹانگ سے باندھ دی گئی۔ اور اونٹوں کو کوڑے مار کر دو مخالف سمتوں میں بھگا دیا گیا۔ ایک انسان خود ہی قیاس اس اذیت رسان موت کا کر سکتا ہے۔ جو اس فعل موذی سے پیدا ہوئی۔ الغرض دشمنانِ اسلام کی قوتِ واہمہ طرح طرح کی اذیت اور تکلیف تجویز کر کے نومسلموں کو ارتداد کی طرف لانے کی کوشش کرتی تھی۔ قرآن نے ذیل کی آیت میں ان بے رحمانہ کارروائیوں کا ذکر اس طرح کیا ہے +

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ الظالم اہلہا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیرا۔

ترجمہ - اور (مسلمانو) تم کیوں اللہ کی راہ میں جنگ نہ کرو جبکہ مرد عورت اور بچے جو بے بس ہیں۔ وہ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اے ہمارے رب اس بستی سے ہمیں نجات دے۔ جہاں کے لوگ ظالم ہیں۔ اور تو اپنی جناب سے کسی کو حامی بنا۔ اور مددگار بنا۔ سورہ نساء آیت ۷۷

اور تو اور خود آنحضرت صلعم بھی ان بدمعاشوں کی ایذا رسانی سے محفوظ

نہ تھے۔ آخر ان کی موت کے لئے بھی سازشیں ہوئیں۔ جیسے کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہو رہا ہے ؛

واذ یمکر و بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک

ترجمہ

اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے برخلاف منصوبہ کرتے تھے۔ کہ تجھے قید کرلیں یا مار ڈالیں یا وطن سے نکال دیں۔ سورہ انفال

آنحضرت صلعم نے آخر کار صحابہ کی ایک جماعت بغرض پناہ حبشہ میں بھیج دی۔ اور خود اپنی جان کی حفاظت کے لئے آپ کو مدینہ ہجرت کرنی پڑی لیکن وہ سنگ دل سفاک کب اس بات پر راضی ہو سکتے تھے۔ اُن کا دل تو اس وقت ٹھنڈا ہو سکتا تھا۔ جب خدا کا مرسلؐ اُن کے ہاتھ سے موت کا مُنہ دیکھے۔ کئی ایک متفقہ حملے خود مدینہ پر اسی لئے کئے گئے۔ ان ظالمانہ حملوں نے آخر کار وہ وقت پیدا کر دیا۔ جب انسان حفاظت خود اختیاری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ در اصل امن کا قایم کرنا اور جان کا بچانا یہی دو امر تھے جس کے لئے قرآن نے تلوار اوٹھانے کا حکم ذیل کی آیت میں دیا ؛

الفتنہ اشد من القتل .... وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ

ظلم اور خانہ جنگیاں قتل مقابلہ سے بدتر ہیں .... (اس لئے) ان کے ساتھ جنگ کرو تاکہ بے امنی اور فساد مٹ جاوے ؛ سورہ بقرہ۔

جنگ تو بیشک قوموں میں ہوتے ہیں۔ آخر ہیگ کی کانفرنس بھی تو برسوں امن و امان قایم کرنے کے لئے طرح طرح کے قوانین بناتی رہی۔ لیکن یورپ میں وہ اپنے مقصد کو قایم نہ کر سکی۔ جنگ تو ہوئی اور شاید ہوتی رہے لیکن کیا ہم کو ایسے قوانین کی ضرورت نہیں۔ جو جنگ کے وقت ہمارے ہادی ہو کر حقیقی غرض کو حاصل کرا دیں۔ انسانی قوانین قلوب پر وہ حکومت نہیں رکھتے ۔

جس قدر بانی قوانین کو دلوں پر حاصل ہوتی ہے۔ لیکن انسان کی فطرت بھی اُنہیں بانی قوانین کو قبول کر سکتی ہے۔ جو اس کے مطابق حال ہوں۔ وہ قوانین بالکل بے تاثیر ہوں گے۔ جو ہمارے جذبات اور تقاضوں کو مٹانا چاہیں۔ ایسے قوانین ہمیشہ داخلِ دفتر ہونے کے قابل ہوتے ہیں۔ انجیل مقدس کے احکام کا آخر کیا حشر ہوا۔ عیسائی مدبران سلطنت ہائے مختلفہ نے اِس موجودہ جنگ میں جو کچھ اسکی عزت کی محتاج بیان نہیں۔ اس وقت بائیبل پر چلنا تو سلطنت عظمٰی برطانیہ کے لئے ہلاکت تھا۔ مقدس معلم انجیل کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ وہ ان مدبرانِ سلطنت اور فصیح اللسان مقررین کو اس وقت معاف کر دیں۔ جو اپنی کل طلاقت لسانی و بلاغت اپنی قوم کو جنگ کے لئے ابھارنے پر یہاں خرچ کر رہے ہیں۔ اور وہ کیوں ایسا نہ کریں۔ اسی پر تو اس وقت سلطنت کا قیام و بقا حصر رکھتا ہے لیکن بائیبل کی شکایت ہی کیا۔ اُس کے مقدس معلم کو تو کبھی یہ وہم بھی نہیں ہوا۔ کہ اُس کے متعلقین کسی دولت وحشمت کو دیکھیں گے۔ یا اُن کے قبضہ میں بھی کبھی سلطنت آوے گی۔ اُنہیں بھی کبھی اپنی سلطنت اور ملک کو ظالم حملہ آوروں سے بچانے کی ضرورت پڑیگی۔ اور یہ کوئی موجودہ جنگ ہی نہیں۔ کہ جس سے انجیل کی تعلیم بالکل بے ثمر اور نا قابل تعمیل ثابت ہوئی ہے۔ بلکہ یوروپین اقوام تو اس جنگ عظیم سے بہت پہلے اس حقیقت سے واقف ہو چکی ہیں۔ خود ہیگ کانفرنس کا وجود ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوروپین دماغ ان حالات کو محسوس کر چکا ہے۔ ان حالات نے وہ دو امور واضح طور پر ظاہر کر دئے ہیں جن سے بائیبل کی تعلیم بالکل معرا ہے۔ (اوّل) انجیل میں بالکل کوئی ایسا قانون نہیں۔ جو مہذب قوموں کے حسب حال ہو (دوم) انجیل میں کوئی ایسے قوانین نہیں۔ جو جنگ کے وقت کام میں لائے جاویں۔ اور جن کے ماتحت آخر کار دنیا میں امن اور سلامتی پھیل سکے۔ ایسا ہی جنگ کی مختلف ضروریات کے مطابق ایک بھی قانون ہمیں بائیبل میں نظر نہیں آتا۔ اب جو اپنی ضروریات

کے مطابق عیسائی اقوام نے کوئی ہدایت بائیبل میں نہ پائی۔ تو لا جرم اُنہیں انسانی عقل پر حصر کرنا پڑا۔ لیکن قرآن دوسری طرف وہ شاندار صحیفہ ہے۔ کہ اس میں نہ صرف حالات جنگ کے مناسب حال تعلیم ہے۔ بلکہ اس میں ہر ایک وقتی ضروریات کا حال موجود ہے +

قرآن کریم نے ابلغ طریق پر تمام انسانی امور پر بحث کی ہے سیاسیات تمدن۔ اخلاق۔ روحانیات ہر ایک امر کے متعلق قرآن نے قوانین منضبط کئے ہیں۔ اور پھر جو کچھ کہا ہے۔ اُس کو دلایل قویہ سے واضح اور مبرہن کیا ہے مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم کو موجودہ حالات جنگ پر ہی منطبق کیا جاوے پھر دیکھا جاوے۔ کہ کہاں تک قرآن اس معیار میں صیحح اُترتا ہے +

ہم ذیل میں قرآن کریم سے چند آیات نقل کرتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ان حالات اور ضروریات پر روشنی پڑتی ہے۔ کہ جن کے ماتحت ہی انسان کو جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہونا چاہیئے۔ پھر قرآن نے اُس خدا ترسی کی تعلیم دی ہے۔ جو ایسے نازک وقت پر ایک جنگی سپاہی کو ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے۔ کن کن طریقوں پر قرآن نے جنگ کے وقت مباہات اور تفاخر سے انسان کو روکا ہے۔ اور کس طرح ایسے وقت میں گندے جذبات اور بسیں نفسانی خواہشات کو لگام دینے کی تعلیم دی ہے۔ پھر عین جنگ میں خدا کو یاد رکھنا۔ نماز ادا کرنا۔ حسنات وخیرات کا خیال رکھنا۔ سچی شجاعانہ سخاوت قلب دکھلانا۔ معاہدات کی عزت کرنا۔ اور متخاصمین میں سے کس جماعت کا ساتھ دینا۔ اور کن سے جدا ہونا۔ اور پھر مفتوح اور مغلوب قوم سے کس قسم کا سلوک کرنا۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ ملاطفت اور موافقت۔ پناہ طلب کرنے والوں سے طریق عمل۔ پھر اثنائے جنگ میں کس طرح صبر۔ تحمل۔ رضا وتسلیم ایثار۔ قربانی کرنی چاہئے الغرض یہ وہ امور ہیں۔ جن کی ضرورت جنگ کے چھڑ جانے پر انسان محسوس کرتا ہے۔ پھر کیا بائیبل یا کسی کتاب مقدس میں ان

تمام ضروریات حقہ کا علاج ہے۔ اگر تو یہ حالات جو یورپ نے اس وقت پیدا کر دئے ہیں۔ ضرورت حقہ نہیں۔ تو امر دیگر ہے لیکن اگر بعض اقوام کے لئے (مثلاً برطانیہ۔ فرانس اور بلجیم) یہ ضرورت حقہ ہیں۔ تو پھر بائیبل گویا کسی ایسی کتاب مقدسہ کو یورپ کیا کرے۔ ہیگ کانفرنس بھی تو انہیں ضروریات کا علاج تھی۔ لیکن وہ انسانی کام تھا۔ اس لئے قلوب پر اُس کی حکومت نہ تھی۔ اگر خدا کی شریعت میں ایسی باتیں ہوتیں۔ تو کیوں اُس کی پیروی نہ کی جاتی۔ الغرض قرآن کریم نے ان امور پر ذیل کی آیات میں کافی روشنی ڈال دی۔ اور یہ ثابت کر دیا۔ کہ یورپ اور ایسا ہی کل دنیا کی ہدایت صرف اسی ایک ربانی کتاب میں ہے۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا ۝ (سورہ النساء) واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (سورہ انفال) یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا (سورہ بقر آیت ۲۱۴) اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر ۝ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم

بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۝ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ۝ (سورہ حج آیت ۳۹ سے لیکر ۴۱ تک)

وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۝ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ ۚ فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝ اَلشَّهۡرُ الۡحَـرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (بقرہ آیت ۱۸۶ - ۱۹۱)

ترجمہ - اور کیا وجہ ہے کہ تم جنگ نہ کرو اللہ کی راہ میں جس حالت میں کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے ضعیف اور بے بس لوگ (خدا کے حضور میں) دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے جس کے لوگ ظالم ہیں نکال اور اپنی جناب سے ہمارے لئے کوئی حامی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا (سورۃ نساء) اور وہ وقت یاد کرو جبکہ کفار خفیہ منصوبے کر رہے تھے کہ تجھے قید کرلیں یا قتل کر دیں[م] وہ خفیہ تدبیریں کرتے تھے اور خدا ان منصوبہ بازیوں کی سزا دینا چاہتا تھا۔ اور اللہ اپنی

م یا جلا وطن کر دیں

تدبیریں نہایت عمدہ اور اعلیٰ طریق پر کرتا ہے (انفال) تجھ سے ادب والے مہینوں کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ تو (اُن کو سمجھا دو کہ ادب والے مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور اُس کا انکار کرنا اور عزت والی مسجد (کعبہ) میں نہ جانے دینا۔ اور اُن لوگوں کو جو اُس کے اہل تھے وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس بھی بڑا گناہ ہے۔ اور خانہ جنگی اور فساد کا برپا رہنا جنگ سے بڑھ کر بہت بری بات ہے۔ اور یہ لوگ تم سے جنگ کرنے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ جب تک کہ ان کا اگر بس چل جائے تو تم کو اپنے دین سے پھیر نہ لیں (بقرہ) جن (مسلمانوں) سے کافر جنگ کرتے ہیں اُن کو (بھی ان کافروں سے جنگ کرنے کی) اجازت دی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بیشک اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے (یہ وہ مظلوم لوگ ہیں) جو (بچارے) صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے نہ ہٹواتا رہتا تو (نصاریٰ کے) صومعے اور گرجے اور (یہودیوں) کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی مدد کریگا کچھ شک وشبہ نہیں کہ اللہ زبردست اور سب پر غالب ہے۔ یہ لوگ (یعنی مظلوم مسلمان) اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں۔ تو نمازیں قایم کریں گے اور زکواۃ دیں گے۔ اور (لوگوں کو) اچھے کام کے لئے کہیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔ اور سب چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے (حج)۔ اور جو لوگ تم سے جنگ کریں۔ تم بھی اللہ کے رستے میں اُن سے جنگ کرو۔ اور زیادتی نہ کرنا۔ اللہ (کسی طرح) زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو اور

جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی اُن کو (وہاں سے) نکال باہر کرو اور فساد (کا برپا رہنا) خونریزی سے بھی بڑھ کر بُرا ہے۔ اور جب تک یہ لوگ ادب والی مسجد (کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑیں۔ تم بھی اُس جگہ اُن سے نہ لڑو لیکن اگر وہ لوگ تم سے لڑیں۔ تو تم بھی اُن کو قتل کرو۔ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہاں تک اُن سے لڑو کہ (ملک میں) فساد (باقی) نہ رہے۔ اور دین خدا کے لئے ہو جائے (یعنی دین میں کسی کو جبر کرنے کا مجاز نہ ہو) پھر اگر یہ باز آجائیں۔ تو سختی تو ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ادب والے مہینوں کا معاوضہ ادب والے مہینے اور ادب کی تمام چیزیں ادلے کا بدلا۔ تو جو تم پر (کسی قسم کی) زیادتی کرے تو جتنی زیادتی اُس نے تم پر کی۔ اسی قدر زیادتی کی سزا تم بھی اُس کو دو۔ اور (زیادتی کرنے سے) اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ اُن کا ہی ساتھی ہوتا ہے۔ جو (اُس سے) ڈرنے والے ہوتے ہیں (بقرہ)

یہ آیات محتاج تشریح نہیں۔ اُن سے نہ یہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کن حالات کے ماتحت آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ جنگ کے لئے مجبور ہوئے بلکہ ان آیات میں ایسے قواعد بھی منضبط کر دئے گئے ہیں۔ جن کے ماتحت ہی ایک قوم جنگ کو اختیار کر سکتی ہے۔ کیا کوئی انسانی کانفرنس ان سے زیادہ معقول زیادہ ہمدردی انسانی اور خوف خدا سے لبریز قوانین تجویز کر سکتی ہے یہ آیات ان وجوہ کا مفصل ذکر کرتی ہیں۔ جن کے پیدا ہونے پر ایک قوم جنگ پر مجبور ہو سکتی ہے۔ خود شارع اسلامؐ نے اُس وقت میدان جنگ کا رخ کیا۔ جب اُن کے چاروں طرف ظلم و جفا کاری ہو رہی تھی۔ مسلمان طرح طرح کی ستمگاریوں۔ مختلف قسم کے مظالم اور خطرناک بیجر متیوں کے شکار ہو رہے تھے۔ اُن کو گھر سے بے گھر کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ خود خدا کے رسولؐ کی جان پر حملہ کرنے کی تجویزیں شروع ہو گئی تھیں

ان حالات میں آپ نے وہی کیا جو صحیح اور درست تھا۔ اور آپ کے ہمراہیوں
نے وہی کیا۔ جو اور معقول انسان ان حالات میں کیا کرتے ہیں۔ جو مثال
آنحضرتؐ نے اسوقت قایم کی۔ اُس کے قدم بقدم آج تک فضلائے
روزگار چلتے رہے ہیں۔ اور اس جنگ میں چل رہے ہیں۔ یوروپ کے
عقلمندوں نے ان معلمان مسیحیت اور پادریوں سے قطع تعلق کرلیا ہے۔
جو اس جنگ میں انگلستان کے فعل پر یا جرمن کے فعل کے بر خلاف نکتہ چینی
کرتے ہیں۔ کیونکہ بائیبل نہ تو جرمن کی طرح کسی کو کسی اور پر حملہ کرنے کی
اجازت دیتی ہے۔ اور نہ انگلستان کی طرح ان خانہ جنگیوں کو صحیح قرا
دیتی ہے۔ اب اگر بائیبل کی تعلیم انگلستان یا جرمن نے مسترد کر دی ہے
تو اس میں خود بائیبل کا قصور ہے۔ نہ ان ممالک کا بائیبل کی تعلیم ہی اس
قابل نہیں کہ کوئی اس پر چل سکے۔ بالمقابل لوگ قرآن کریم کو مانیں یا نہ مانیں
لیکن بلا علم و ارادہ اس وقت وہ قرآنی تعلیم پر اضطراراً قدم زن ہو رہے
ہیں۔ کیونکہ قرآن کی معقول تعلیم فطری تقاضوں کے منافی نہیں۔ بلکہ قرآن
تو اُن جذبات اور استعدادوں کو نشو و نما دیتا ہے۔ اور ابھارتا ہے جو
فطرت انسان میں ودیعت شدہ ہیں۔ دراصل قرآن نے ہی ایک ایسا
مذہب پیش کیا ہے جو نہ صرف انسان اور اُس کی سیرت کی عزت کرتا
بلکہ قرآنی احکامات اور تعلیمات تو عین فطرت کے مطابق ہیں +

اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ اور اس کی اصل غرض بھی
یہ ہے۔ کہ دنیا میں امن اور سلامتی پھیلے۔ اس لئے یہ سب پیغمبروں کے
دعویٰ نبوت کو تسلیم کرتا ہے اور ساری کتب مقدسہ کا مصدق ہے۔ اور
حکم دیتا ہے۔ کہ ہر ایک خدا کا گھر خواہ وہ مسجد ہو یا گرجا۔ خواہ معبد ہو سو
ہو یا مندر۔ الغرض جہاں خدا کا نام لیا جاوے۔ اسکی حفاظت کی جاوے
کیا مختلف مذاہب اور قوموں میں امن اور محبت قایم کرنے کے لئے

اس سے بہتر اور کوئی قواعد منضبط ہو سکتے ہیں ✦

ان آیات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام کسی قسم کے ظلم کو روا نہیں رکھتا۔ اور امن اور صلح جوئی کو پسند کرتا ہے۔ خود خدا نے قرآن ظالموں کو پیار نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اُن سے محبت کرتا ہے۔ جو لڑائی میں بھی خدا کا خوف سامنے رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے ذیل کا نقشہ اُن لوگوں کا کھینچا ہے۔ جن سے خدا راضی ہوتا ہے ✦

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور

ترجمہ۔ یہ لوگ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں۔ تو نمازوں کو قایم کریں گے۔ اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور بھلے کام کے واسطے لوگوں کو حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے لئے ہے ✦

ہر ایک کام میں آنحضرت کا اسوۂ حسنہ ہونا۔ وہ عظیم الشان انقلاب جو آنحضرت کے قدم سے دنیا میں ہوا۔ وہ بے مثال کامیابیاں جو آپ کو نصیب ہوئیں۔ وہ فوق العادت تبدیلی جو آپ کی قوم میں ہوئی۔ جبکہ قوم خطرناک سیہ کاریوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ تہذیب و روشنی جو عربوں نے حاصل کی۔ اور جو اُن سے ایک طرف سپین تک اور دوسری طرف چین تک پہنچ گئی۔ یہ وہ باتیں ہیں۔ جن کو دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں۔ یہ وہ تعلیم ہے۔ اور یہ اُس کے نتایج۔ اب لوگ خود ہی ان باتوں پر غور کریں اور خود ہی صحیح نتایج پر آ دیں ✦

اب ہم وہ احکام درج کرتے ہیں۔ جن کے ماتحت ایک مسلم قوم جنگ میں کن کی حلیف ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اسلام نے حلیف ہونے کے سوال کو نظر انداز نہیں کیا ✦

ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان
تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم
والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ٥ (مایدہ)
یآیھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھدآء بالقسط ولا
یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب
للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ٥ (مایدہ)
یآیھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھدآء للہ
ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن
غنیا او فقیرا فاللہ اولیٰ بھما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا
وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا (النساء)
لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او
معروف او اصلاح بین الناس ومن یفعل ذلک
ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ٥ (النساء)

ترجمہ۔ اور بعض لوگوں نے تم کو عزت و حرمت والی مسجد سے روکا تھا۔ یہ عداوت تم کو (ان پر کسی طرح کی) زیادتی کرنے کا باعث نہ ہو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ ہوا کرو اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے (مایدہ) اے ایمان والو اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس جرم کا مرتکب نہ کر دے۔ کہ انصاف نہ کرو (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے (مایدہ) اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قایم رہو (اور) خدا لگتی گواہی

دو۔ اگرچہ (یہ گواہی) تمہارے اپنے یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے
خلاف ہی (کیوں نہ) ہو اگر کوئی مال دار یا محتاج ہے۔ تو اللہ سب سے
بڑھ کر ان کی پرواخت کرنے والا ہے۔ تو تم (حق سے) درگذر کرنے میں
خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ اور اگر بی زبان سے گواہی دوگے۔ یا (حق
سے گواہی دینے سے) پہلوتہی کروگے۔ تو پھر بیشک اللہ جو تم کرتے ہو
جانتا ہے (یعنی سزا دیگا) ان لوگوں کی اکثر خفیہ کمیٹیوں میں نیکی (کا تو نام
نہیں مگر (ہاں) جو خیرات یا (کسی اور) نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ
کی صلاح دے۔ اور جو کوئی خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسے
نیک کام کریگا تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے (نساء)

معاہدوں کے متعلق

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها
وقد جعلتم الله عليكم كفيلا ان الله يعلم ما تفعلون
(نحل) والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه و
يقطعون ما امر الله به ان يوصل ويفسدون في
الارض اولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار ٥ (رعد) ان
شر الدواب عند الله الذين كفروا فهم لا يؤمنون ٥ الذين
عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم في كل مرة وهم
لا يتقون ٥ ۔۔۔۔ واما تخافن من قوم خيانة فانبذ
اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين ٥ (انفال) الا
الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم
شيئا ولم يظاهروا عليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم
الى مدتهم ان الله يحب المتقين ٥ (توبہ) یا ايها
الذين آمنوا اوفوا بالعقود (مائدہ)

ترجمہ ۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو ۔ جب تم عہد کرلو ۔ اور قسموں کو اُن کے پکا کرنے کے پیچھے نہ توڑو ۔ حالانکہ اللہ کو تم اپنا ضامن ٹھیرا چکے ہو ۔ بیشک اللہ جانتا ہے ۔ جو تم کرتے ہو (نحل) ، اور جو لوگ خدا کے ساتھ پکا قول و قرار کے پیچھے عہد شکنی کرتے ہیں ۔ اور جن (باہمی تعلقات) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ۔ اُن کو توڑتے ہیں ۔ اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے لعنت ہے ۔ اور اُن کے لئے بُرا انجام بھی ہے (رعد) اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ لوگ ہیں ۔ جو کفر کرتے ہیں ۔ پھر وہ کسی طرح ایمان لانے والے ہی نہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا ۔ پھر اپنے عہد و پیمان کو ہر بار توڑتے ہیں ۔ اور وہ نہیں ڈرتے . . . . . . اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو ۔ تو مساوات کو ملحوظ رکھ کر (اُن کے عہد کو اُلٹا) اُن ہی کی طرف پھینک مارو ۔ بیشک اللہ اُن کو دوست نہیں رکھتا (انفال) ، ہاں مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کر رکھا تھا ۔ پھر اُنہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی وہ مستثنیٰ ہیں ۔ تو اُن لوگوں کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے ۔ اُسے اُس مدت تک جو اُن کے ساتھ ٹھیری تھی ۔ پورا کرو ۔ بیشک اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے (توبہ) اے ایمان والو ۔ عہدوں کو پورا کرو (مایدہ)

نبی اسلام معاہدات کے ایفا پر علی الخصوص بڑی شد و مد سے زور دیا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ خلعت نبوت پانے سے بہت پہلے اس صفت سے آپ کا نام اپنی قوم نے الامین رکھا ہوا تھا ۔ ایک مسلم کی نگاہ میں عہد شکن اور منافق ایک چیز ہیں ۔ دورنگی یا کسی کے ظاہر و باطن میں فرق ہونا اسلام میں نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ آج کل کی تہذیب نے تو معاہدات پیدا ہی اس لئے کئے ہیں ۔ کہ حسب ضرورت ان کو توڑ دیا جائے

لیکن یہ طریق خیانت ایک مسلم کی فہرست اخلاق میں جگہ نہیں پاتا۔ اللہ اللہ کیا قرآن کی تعلیمات ہیں۔ کس طرح قرآن حسنات کو ہی حقیقی بہبودی اور فلاح کی بنیاد بتلاتا ہے۔ اس جنگ کے وقت جس میں اب ترک بھی شریک ہو گئے ہیں۔ ایک ہندوستانی مسلم کا کیا طرز عمل ہوگا۔ وہ مسلمان ہیں۔ اور اُن کی دلی ہمدردی ہر ایک ایسے انسان سے لازمی ہے۔ جو مسلم ہے۔ خواہ دُنیا کے کسی حصّہ میں آباد ہو۔ اگر وہ ایسے خیالات ترکوں کے لئے رکھیں تو بالکل فطری تقاضا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ گورنمنٹ کا بھی ساتھ دیں گے۔ خواہ گورنمنٹ کا مذہب اسلام نہ ہو۔ اس وقت انگریزی پریس کے بعض حصّے نے نہایت حزم و احتیاط سے گرا ہوا طریق اختیار کیا ہے۔ وہ ایسی باتیں لکھ دیتے ہیں۔ جن سے اسلامی احساسات کو تکلیف ہو سکتی ہے۔ بعض نے تو یہاں تک نادانی کی ہے۔ کہ قیصر کا نام 'حاجی محمد ولیم' تجویز کیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ وہ راہ ہے۔ جو دور اندیشی سے اور عقلمندی سے بہت دور ہے۔ اسلام تو ایک عملی زندگی کا مذہب ہے۔ آنحضرت صلعم نے برابر تیرہ سال نہایت ہی تکلیف رساں زندگی میں گذارے۔ اُن پر جو حکومت تھی۔ وہ ہر طرح اُن کی اذیت اور ضرر کا موجب تھی۔ لیکن آپ نے کبھی بھی کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کیا جس میں موجودہ اور وقتی حکومت کے خلاف کسی قسم کی سازش شورش یا فتنہ کا شائبہ بھی پایا جاوے۔ آپ نے اپنے پیرؤں کو حکم دیا۔ کہ وہ ہر حالت میں امن اور صلح کی راہوں کو اختیار کریں۔ مسلمان آج بھی احکام نبوی پر کاربند ہیں۔ لیکن یہ پہلے درجہ کی نادانی ہوگی۔ اگر اُن سے توقع کی جاتی ہے۔ کہ وہ منافقانہ رنگ اختیار کریں۔ اور اپنے مسلم بھائیوں کے لئے کوئی احساس اپنے اندر نہ رکھیں۔ اور نہ یہ احساسات جو اخوت اسلامی مسلمانان عالم میں پیدا کرتی ہے۔ احساس اطاعت حکومت کے متناقض ہیں ✦

قرآن نے ذیل کی آیت میں وہ طریقِ عمل بتلایا ہے۔ جو معرکہ جنگ میں ایک مسلمان نے اختیار کرنا ہے۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ واللہ بما تعملون محیط ۝ واذ زین لھم الشیطن اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس ۝ (انفال)

ترجمہ۔ اور اُن جیسے نہ بنو جو شیخی کرتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے۔ اور حالت یہ کہ خدا کے رستہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اور اللہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں۔ سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور جب شیطان نے اُن لوگوں کو اُن کی اپنی حرکات عمدہ کرکے دکھائیں اور کہا کہ آج لوگوں میں کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آسکے"۔

یہ سبق تو ضرور ان مہذب عیسائی قوموں کے پیش نظر رہنا چاہئے۔ جو اس وقت میدان جنگ میں ہیں۔ اور جو آئے دن اپنی کارروائیوں کو تو تفاخر کے ساتھ بیان کرتی ہیں اور اپنے دشمن پر بے جا تہمت لگاتی ہیں۔ اس سے نہ صرف ہمارے دماغی قوا سے پر ہی نقص عاید ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے تو صحیح فہم و ادراک کا بھی فقدان نظر آتا ہے۔ کسی قوم کا صحیح طور پر مہذب ہونا یا اس کے قوائے کا اصلاح یافتہ ہونا موقع اور امتحان کے وقت ہی نظر آتا ہے۔ ایسے وقت پر بے تعصبی اور غیر جانب داری کو قایم رکھنا بہت مفید نتایج کا باعث ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات انہیں میں پائی جاتی ہے۔ جن کی تربیت و تعلیم نہایت عمدہ اسلوب پر ہوئی ہو۔ انسان کو ہمیشہ مبالغہ اور مباہات سے بچنا چاہئے۔ اور دوسروں پر کذب کا الزام دینے سے الگ رہنا چاہئے۔ اس موقعہ کے لئے قرآن کریم نے ذیل میں حکم فرمایا۔

یا ایہا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم ندمین (حجرات)

ترجمہ ۔ اے ایمان والو قوم قوم پر نہ ہنسے عجب نہیں کہ وہ اُن سے بہتر ہو ۔ اور عورتیں عورتوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ ان سے بہتر ہوں ۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے یاد کرو ۔ اے ایمان والو اگر کوئی بُرا آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ۔ (ایسا نہ ہو) کہ نادانی سے تم کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر ندامت اُٹھانی پڑے ◆

اس وقت جو زبان یورپ کی جنگجو قومیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر رہی ہیں ۔ اور جو قابلیت اور استعداد انہوں نے بالمقابل ایک دوسرے کے لئے القاب اور نام تراشنے میں ظاہر کی ہے ۔ وہ تو ہمیشہ کے لئے اب زبان میں قائم رہیں گے ۔ اور ایک ماہر اللسان اُن نئے تراشیدہ القاب و الفاظ میں پتہ لگا لیگا ۔ کہ کہاں تک اہل مغرب حسن تربیت و کمال علو ہمت کے مدعی ہو سکتے ہیں ۔ لیکن کیا اچھا ہو کہ جو کچھ آجتک زبان میں ان نئے اختراع شدہ الفاظ و القاب نے ایزاد کر دیا ہے اس پر غور کیجئے

عین معرکہ کارزار میں خدا کی یاد

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قنتین ۝ فان خفتم فرجالا او رکبانا فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم ما لم تکونوا تعلمون ۝ (البقرہ)

وإذا ضربتم في الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا
من الصلوٰة ان خفتم ان يفتنكم الذين كفروا ط
ان الكٰفرين كانوا لكم عدوًا مبينًا ۝ وإذا كنت فيهم
فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم طائفة منهم معك وليأ
خذوا اسلحتهم ف فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم
ولتأت طائفة اخرىٰ لم يصلّوا فليصلّوا معك وليأ
خذوا حذرهم واسلحتهم ج (النسآء)

ترجمہ - نمازوں کی حفاظت اور درمیانی نماز کی حفاظت کرو
اور کامل فرمانبرداری کے ساتھ خدا کے لئے کھڑے ہو جاؤ - اگر تمہیں خوف
ہو - تو پیادہ یا سوار (جس حالت میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن میں آجاؤ -
تو پھر اللہ کی یاد کرو اُسی طرح جس طرح تم کو سکھایا گیا ہے - جو تم نہ جانتے
تھے - اور جب زمین میں سفر کرو تو پھر کچھ حرج نہیں - اگر نماز کو قصر کر لیا
کرو - اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تم پر آن چڑھیں گے - کچھ شک نہیں -
کہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں - اور جب تو اے رسُول اُن کے درمیان
ہو اور نماز پڑھنے لگو - تو مسلمانوں کی ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی
ہو - اور اپنے ہتھیار لئے رہے - پھر جب سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ جائے
اور دوسری جماعت جو (اب تک) شریک نماز نہیں ہوئی - آکر تمہارے
ساتھ نماز میں شریک ہو - اور ہوشیاری رکھیں اور اپنے ہتھیار لئے
رہیں -

یہ ہدایات جنپر خود شارع اسلام اور صحابہ کرام اور آج تک کے
مسلمان کاربند ہیں - بذات خود ایک دلچسپ مضمون ہر مستفسر اسلام
کے لئے ہو سکتی ہیں - یہ ایک طریق عمل ہے - جو عین معرکہ کارزار میں ایک
شریک جنگ کے دل کو خدا کی طرف متوجہ کر سکتا ہے - کیا اس فعل کا

کوئی اثر بھی دلوں پر نہ ہوگا۔ کیا ایک مسلمان کا عین میدان جنگ میں نہایت عجز و انکسار اور تذلل بغرض نماز اپنے اندر پیدا کر لینا۔ کسی نیک اور امن افزا نتیجہ کو پیدا نہ کریگا۔ یہ وہ فعل ہے۔ کہ جس کی تاثیر اندر ہی اندر نامعلوم طریق پر رنگ دکھلا دیتی ہے۔ یہی امر ہے۔ کہ جس سے ایک مسلمان عین جنگ میں بھی رحم اور درد والا دل اپنے اندر رکھتا ہے۔ مسلم تو جہاں جاتا ہے۔ اپنی مسجد اور اپنا گرجا اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ وہ کسی خاص چار دیواری یا خاص قسم کی عمارت وغیرہ کا محتاج نہیں +

ان آیات سے ایک اور نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ کی عبادت ایک مسلمان کی زندگی کا کس قدر ضروری حصہ ہے وہ اس نازک سے نازک وقت بھی نماز سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ امن اور راحت کے وقت نماز کو چھوڑ سکے +

یہ نہایت ہی مشکل لیکن نہایت ہی مفید ہدایت کہ عین معرکہ جنگ میں مسلمان نماز نہ چھوڑیں۔ بذات خود نہایت بلیغ طریق پر آنحضرت صلعم کے دعوے نبوت کی صداقت پر ایک بیّن دلیل ہے۔ ایک مفتری خصوصاً اپنے لئے ایسے فرایض نہیں تجویز کر سکتا۔ جو اُس کی زندگی کو معرض خطر میں ڈالدیں۔ آنحضرت خود معرکہ جنگ میں شریک ہوتے رہے۔ جو عین احتیاط کا وقت ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے خود بھی نمازیں پڑھنی تھیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ خطرہ میں ڈالنے والے احکام اُس کے اپنے تجویز کردہ نہ تھے۔ بلکہ حکم خداوندی سے تھے۔ اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت کا قلب مطہر کس قدر سکون اور اطمینان اپنے اندر رکھتا تھا والا ان تشویش وہ حالات میں انسان طبعاً خوف و خطر سے خالی نہیں ہوتا۔ اور نہ پریشان خاطری سے کوئی بچ سکتا ہے۔ ایک مفتری کا دل فطرتاً کوئی ایسا طریق اختیار نہ کریگا۔ جس سے اس کی جان خود خطرہ میں پڑ جاوے

لیکن وہ تو ربانی دل لے کر آئے تھے۔ اور حکم خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں اول المسلمین تھے۔ اُن کی ذاتی مثال نے صحابہ کے دل سے کل خوف دور کر دیا۔ اور اُنھوں نے اُن نازک احکام کے آگے سر جھکا دیا۔ یہی راز ہے۔ اُس جاںنثاری کا جو صحابہ کرامؓ نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے متعلق ظاہر کی۔ وہ تو آپ کے لئے جان دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ کاش ہمیں اس ایثار اور جان بازی کی روح کا عشرِ عشیر بھی جناب مسیحؑ کے پیروؤں میں نظر آتا۔ لیکن وہاں یہ امر کہاں۔ وہاں تو ایک بزرگ چند پیسوں پر مرشد فروشی کرتے ہیں۔ اور دوسرے اپنے معلم کو مستوجب لعنت ٹھیراتے ہیں ؂

میدان جنگ کے متعلق دوسرے قواعد

یاایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ٥ وکلوا مما رزقکم اللہ حلٰلاً طیباً و اتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون ٥ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولٰکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان ج ..... یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مایدہ)

ترجمہ۔ اے ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔ ان کو (اپنے اوپر) حرام نہ کرو۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور خدا نے جو تم کو حلال پاکیزہ روزی دی ہے۔ اُس کو بے تامل، کھاؤ اور جس خدا پر تم ایمان لائے ہو۔ اُس سے ڈرتے رہو۔ تمہاری قسموں میں

جو لایعنی ہیں۔ اُن پر تو خدا تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں پکّی قسم (کے توڑنے) پر تم سے مواخذہ کرے گا۔ . . . . . اے ایمان والو بیشک شراب اور جؤا اور بت اور پاسے تو بس ناپاک شیطانی کام ہیں۔ تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ (مایدہ)

دشمنوں کے ساتھ سلوک

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم ۰ وما یلقها الا الذین صبروا ومایلقها الا ذوحظ عظیم ۰ (حم السجدہ) وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجره علی الله انه لایحب الظلمین ۰ ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئک ما علیهم من سبیل انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق اولئک لهم عذاب الیم ۰ ولمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور (شوریٰ) یا ایها النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسرٰی ان یعلم الله فی قلوبکم خیراً یؤتکم خیراً مما اخذ منکم ویغفر لکم والله غفور رحیم (انفال) وان احد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام الله ثم ابلغه مامنه ذالک بانهم قوم لایعلمون ۰ (توبہ)

ترجمہ۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو (اگر ایسا کرو گے) تو (تم دیکھ لو گے) تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی۔ تو اب ایک دم سے گویا وہ

(تمہارا) دل سوز دوست ہے۔ اور (ایسی) حسن مدارات (کی توفیق) انہی کو دیجاتی ہے۔ جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے بڑے حوصلے ہیں۔ اور بڑے صاحب نصیب ہیں (حم السجدہ) بدی کا بدلہ اسی بدی کے مطابق سزا دینا ہے۔ پھر جو معاف کر دے۔ اور اصلاح ہوتی ہو تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور کسی پر ظلم ہوا ہو۔ اور اس کے بعد بدلا لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان ہی پر ہے۔ جو لوگوں پر ظلم کرتے اور ناحق ملک میں زیادتی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنکو دردناک عذاب ہونا ہے۔ اور البتہ جو شخص صبر کرے۔ اور (دوسرے کی خطا) بخش دے تو بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں (شوریٰ) اے نبی قیدی جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اُن کو سمجھا دو۔ کہ اللہ اگر دیکھے گا۔ کہ تمہارے دلوں میں نیکی ہیں تو جو تم سے لیا گیا ہے۔ اُس سے بہتر تم کو عطا فرمائے گا۔ اور تمہارے قصور بھی معاف کر دیگا۔ اور اللہ معاف کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے (انفال) اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو۔ تو اس کو پناہ دو۔ یہاں تک کہ وہ کلامِ خدا کو سن لے گا۔ پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ یہ بے علم لوگ ہیں (توبہ)

یہ احکام ہیں۔ جو قرآن حمید نے جنگ کے متعلق وضع فرمائے ہیں۔ ان مضامین کے پڑھنے والے خود ہی ہماری مقدس کتب کا مطالعہ فرماویں پھر خود ہی انصاف کریں۔ کہ اسلامی تعلیمات کہاں تک قومی یا انفرادی ضروریاتِ انسان کو زیر نظر رکھتی ہیں۔ وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔ کہ آنحضرت نے غیر مسلموں کو بزور شمشیر مسلمان بنانے کے لئے جنگ شروع نہیں کئے جنگ میں یادِ خدا کے احکام ہی اس گندے الزام کا دفعیہ ہو سکتے ہیں

اسلام اور اس کے اصولوں نے مسلم قلوب پر جو اس قدر قابو پایا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مذہب کس قدر معقول۔ کس قدر قابل تحصیل اور دل فریب ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اس وقت انگلستان میں کون ضرب شمشیر سے کام لے رہا ہے۔ کہاں کہاں آج بزور شمشیر اسلام پیش کیا جاتا ہے۔ کیوں اہل انگلستان جیسے مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ آہستہ آہستہ اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ کون ایسے فضلائے دہر کو جیسے رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے فاروق مصطفٰے پی اون پی۔ ایچ۔ ڈی ایل ایل ڈی۔ ایف۔ سی پی یحییٰ پارکنسن ایف۔ جی۔ ایس۔ امین نوویل بے ومینٹ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بین کسی جبر سے اسلام کی طرف لا سکتا تھا۔

یہاں ہم کوئی لمبی فہرست اُن اصحاب کی دینی نہیں چاہتے جنہوں نے اخوت اسلامی کو قبول کر لیا ہے۔ ان فضلائے دہر کا لوائے محمدی تلے آجانا ہی اسلامی صداقت کی ایک بیّن دلیل ہے۔ اور اس امر کی بھی شہادت ہے کہ اسلام کی معقولیت محتاج شمشیر نہیں۔ جبر و اکراہ مومن نہیں بلکہ منافق بنایا کرتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے لا اکراہ فی الدین کا سبق دیا۔ اور منافقوں سے نفرت دلائی۔

معذوری

کاتب کے کافی انتظام نہ ہونے کے باعث یہ نمبر وقت پر نہیں نکل سکا۔ ہم اس کوشش میں ہیں۔ کہ بہت جلد ایک کاتب سے مستقل انتظام ہوجائے۔ اور رسالہ ماہ بماہ مقررہ تاریخ پر جو ہر انگریزی ماہ کی بیس تاریخ ہوگی۔ نکلا کرے۔ اب آیندہ ماہ (فروری) سے مستقل انتظام کر لیا گیا ہے۔

بعض اصحاب کی خدمت میں یہ رسالہ بلا درخواست بھیجا جاتا ہے صرف اس خیال سے کہ وہ اشاعت اسلام کے اس نیک کام میں اسطرح ہماری مدد کرینگے۔ انکی خدمت میں التماس ہے۔ کہ اگر وہ اس رسالہ کو خریدنا پسند نہ کریں۔ تو اطلاع دیکر ہمیں آیندہ کے نقصان سے محفوظ بچائیں کسی کو مالی نقصان سے بچانا بھی اس کی مدد کرنا ہے

مَیں انگلستان کب واپس جاتا ہوں؟

یہ ایک سوال ہے۔ جو بہت سے احباب مجھ سے دریافت کرتے ہیں اگرچہ مجھے آتے ہوئے ابھی دو ماہ نہیں گذرے۔ لیکن میرے دور نزدیک کے سب دوست مجھے بہت جلد بے وطن دیکھنا چاہتے ہیں۔ مَیں اُن کی اس محبت کا شکر گذار ہوں۔ اگرچہ یہ ان کا تقاضا عام حالت میں خوش کن نہیں ہو سکتا۔ لیکن الاعمال بالنیات۔ ان کی یہ خواہش اس نظر استحسان کا ایک ثبوت ہے۔ کہ جس کے ساتھ وہ میرے کاروبار کو دیکھتے ہیں ہاں در اصل مَیں دل سے خوش ہوں۔ کہ مَیں جلد واپس جاؤں۔ میرے لئے یہاں کیا رکھا ہے۔ لیکن جو حالات مجھے یہاں لائے اور جو ممکن ہے۔ مجھے چند ماہ اور یہاں رکھیں۔ مَیں اُن سے اپنے دوستوں کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ ووکنگ مشن کی شاخیں کچھ اس قدر اخراجات چاہتی ہیں۔ کہ اُن کا اگر مناسب انتظام نہ ہو۔ تو بہت جلد اس کام میں روکاوٹ کا احتمال ہے۔ مَیں کب چاہتا ہوں۔ کہ میرا وقت روپیہ کے انتظام اور اخراجات کی فکر میں خرچ ہو۔ یہ وقت نہیں کہ مبلغ کا وقت ان امور میں ضایع جاوے۔ خدا جلد مجھے اس قدر ان امور سے فارغ البال کر دے۔ کہ مَیں ہمہ تن اس کام میں مصروف رہوں۔ جس میں مَیں حقیقی راحت اپنے لئے پاتا ہوں۔ مَیں خدا تعالیٰ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ کہ اُس نے میری ناچیز محنت کو میری امید کیا میرے وہم سے کہیں فزوں تر ثمر ور کیا۔ مجھے روز روشن میں وہ کچھ دکھلایا کہ جس کو خواب میں دیکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔ مَیں اخیر ستمبر ۱۹۱۲ء میں انگلستان پہنچا۔ مَیں نے چار ماہ وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد فروری ۱۹۱۳ء کو کام شروع کیا۔ آج اس

پر پورے دو سال گذرے۔ اور وہ درخیبر کھل گیا جس کی کشایش پر اسلام کی مذہباً فتح آخر کار یورپ میں ہوئی ہے۔ مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں یہاں سے انگلستان گیا۔ مجھ پر پھبتیاں کسی گئیں ہنسی اڑائی گئی میرے کام کو ایک مجنوں کا کام سمجھا گیا۔ آج خدا تعالیٰ نے کل کا کل نقشہ بدل دیا۔ آج ناممکن ممکن ہوگیا۔ آج مایوسی۔ امید میں تبدیل ہوگئی۔ آج مردہ دلوں میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ آج ناامیدوں کے دلوں میں امنگیں جوشزن ہوگئی ہیں۔ کیا کوئی دنیا کا مذہب ایسی کامیابی کو پیش کرسکتا ہے۔ جو اسلام کو خدائے تعالیٰ نے عطا کی۔ دنیا میں مختلف مذاہب نے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ بعض قوموں نے لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ سالانہ اپنے مشنوں پر خرچ کئے۔ پھر کیا وہ اس کامیابی کا عشر عشیر اپنے ہاں دکھلاسکتے ہیں۔ وہ کام جو وہاں روپیوں میں نہ ہوسکتا۔ یہاں کوڑیوں میں ہوگیا۔ اسلام کی فتح معاملہ تبلیغ میں بھی علیٰ وجہ الاتم ہوئی۔ جس طرح اور مذاہب کے مقابل یہ خدا کا دین اپنی تعلیم اور اصولوں کے لحاظ سے گوئے سبقت لے گیا۔ آج تبلیغ کے معاملہ میں فتح و نصرت کا تاج **اسلام** کے سر پر ہی رہا۔ آج دو سال میں نومسلموں کی تعداد ستر سے تجاوز کرگئی +

مجھ پر یہ اعتراض کیا گیا۔ کہ میں نے کیوں اپنی عاجز کوششوں کا جولان گاہ ہندوستان چھوڑ کر یورپ بنایا۔ ہر کسی را بہر کارے ساختند ہندوستان میں کام کرنے والے مجھ سے بہتر اور بہت بہتر موجود ہیں۔ لیکن انگلستان کے لئے مذہبی معلومات کے علاوہ زبان انگریزی سے واقفیت بھی ضروری تھی۔ ہماری قوم میں اس وقت تبلیغ کا کام کہاں ہو رہا ہے۔ پھر چہ جائیکہ انگلستان میں۔ یہ تو ایک بچپن کا جنون تھا۔ جو آج حقیقت ہوکر مجھے کشاں کشاں کہیں کا کہیں لے گیا۔ میں نے اپنے ایام

وکالت میں کل ہندوستان کا دورہ کیا۔ لیکن میری بے چین طبیعت مجھے
آخرکار یہاں سے نکال کر غیروں میں لے گئی۔ لیکن انگلستان میں میرے
کام کرنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ میرا یہ ہمیشہ سے خیال ہے۔ کہ حکمران
اور فاتح قوموں کا اسلام اختیار کرنا جس شوکت و قوت کا موجب ہوتا ہے
وہ مفتوح قوموں کو مذہب میں لانے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر
ان دو سالوں میں مَیں یہاں ایک ہزار بھی مسلمان کر لیتا۔ تو کیا وُہ ان ستر
آدمیوں کے برابر ہوتے جن میں زیادہ تر تعلیمیافتہ کام کرنے کے قابل۔
بنے بنائے مبلغ اور مشنری۔ اسی رسالہ میں کسی اور جگہ ان نومسلموں کے
نام دیئے گئے ہیں جو اسلامک ریویو میں مضامین لکھتے ہیں۔ کیا ہندوستان
میں کوئی تبلیغی تحریک ایسے نتائج مرتب کرسکتی ہے۔ مَیں جس میدان
جنگ میں ہوں۔ اس کے لئے سیکھے سکھائے سپاہی اگر مل سکتے ہیں۔ تو
وہاں نہ یہاں۔

آخرکار اس ملک میں برٹش قوم کا حکمران ہونا ایک فعل خداوندی ہے
جہاں یہ راج اور فیوض کا موجب ہوا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی
برکت اس راج سے وابستہ تھی۔ کہ یہاں غربی ممالک کے لئے مبلغ
اسلام اسی طرح تیار ہو سکتے تھے۔ آخر خدا کا مذہب کل مذاہب پر
غالب آنا ہے۔ آخر لیظہرہ علی الدین کلہ کے الفاظ پورے ہونے ہیں
آخر ناقوس اور گھنٹے کی بجائے اذانوں نے ایک دن غربی وادیوں
میں گونج پیدا کرنی ہے۔ آخر آفتاب نے مغرب سے بھی نکلنا ہے۔
جس کے لئے ارہاصات اب پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ نہ ہوسکتا۔ جب
تک ہمارے بھائی کسی نہ کسی غربی زبان میں ماہر نہ ہو جاویں۔ جب ٹرکی۔
مصر۔ شام۔ ایران اور دیگر مسلم ممالک نے اس فرض کفایہ کی طرف
توجہ نہ کی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزی زبان

سے واقف کرنے کے سامان پیدا کر دے۔ ہاں ہندوستان ہی وہ مبارک جگہ ہے جس کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ مجھے اس طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ یہ حدیث بہت ہی مشہور حدیث ہے۔ اسلام کی اشاعت ہی وہ ٹھنڈی ہوا ہے۔ جو آنحضرت صلعم کی روح پُرفتوح کو نوش کر سکتی ہے۔ کیا عجب ہے۔ کہ یہ ملک ہی ایسے اسباب پیدا کر دے۔ جو آخر کار یورپ کے مسلمان ہونے کا موجب ہو جاویں۔

میری ان ناچیز کوششوں نے باثمر ہو کر کم از کم دو امور طے کر دئے۔ ایک یہ کہ یورپ میں اسلام بہت جلد پھیل سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر انسان تھوڑا سا ہاتھ پاؤں ہلائے تو بہت جلد خدا تعالیٰ طرف سے فتح و نصرت کے دروازے کھلنے والے ہیں۔ گذشتہ دو سال کی زبانی گفتگو اور خط و کتابت سے جو مجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ اس وقت انگلستان چھوڑ سب یورپ میں دو قسم کے فضلا موجود ہیں۔ ایک وہ ہیں۔ کہ جو تحقیق مذہب کرتے کرتے در اصل مسلمان ہو چکے ہیں۔ لیکن مقامی تعصبات کے خوف نے انہیں اعلان سے روک رکھا ہے دوسرے وہ لوگ ہیں۔ جن کے غور و فکر اور عقل سلیم نے ان کے لئے ایک مذہب تجویز کر دیا ہے۔ جو بالکل اسلام کے قریب ہے۔ ہماری تحریک نے ان دو قسم کی جماعتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ مثال کے طور پر اول الذکر جماعت میں سے ڈاکٹر لی اون ایم۔ اے۔ ایل ایل ڈی ہیں۔ جو تیس سال سے مسلمان تھے۔ لیکن جب تے اُن سے قریباً ایک برس ہوا خط و کتابت کی۔ تو انہوں نے اپنے اسلام کی اطلاع تو مجھے دی لیکن انہوں نے اس وقت اظہار سے تامل کیا۔ دوسرے[1] آکسفورڈ کے مشہور علامہ

---

[1] ڈاکٹر ایبن وہیمنٹ کا اسلام قبول کرنا الٰہی افضال میں سے ہے۔ آپ اپنی علمی تبحر کے باعث مشہور روزگار میں سے ہیں۔ اور آکسفورڈ یونیورسٹی نے ایک اعلیٰ علمی ڈگری آپکو دی ہے

ڈاکٹر ڈوے منٹ پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ جو میری غیر حاضری ووکنگ تشریف لائے۔ اور دو ن تک ہمارے مہمان رہے۔ اور حضرت قبلہ مولوی صدرالدین صاحب کی فیض صحبت نے انہیں سرچشمہ اسلام تک پہنچا کر آب توحید سے سیراب کیا۔ آج یہ دونوں بزرگ اسلام کے زبردست وکیل ہیں۔ اور ان کی قلم کے جواہر نگار مضامین اسلامک ریویو کے زیب وزینت ہوتے ہیں۔ ایک بے شمار تعداد ایسی روحوں کی انگلستان میں موجود ہے جو اندر ہی اندر مسلمان ہو رہی ہیں لیکن نہیں جانتیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ ہمارا بڑا کام یہ ہے۔ کہ ان نفوس کی تلاش کریں۔ اور ان کی بقیہ مراحل اسلام کی تکمیل کرا کر انہیں اسلام کا حلقہ بگوش بناویں یہی ایک بڑی بھاری وجہ ہے۔ کہ میں اسلامک ریویو کو کثرت سے مفت تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ گذشتہ سال میں دو اور ڈھائی ہزار کے درمیان یہ رسالہ اس طرح تقسیم ہوا۔ اس مفت تقسیم کے کفیل علی الخصوص بمبئی۔ حیدرآباد اور رنگون کے چند دوست تھے۔ انھوں نے اس مفت تقسیم کا بہت حد تک خرچ اپنے ذمہ لیا۔ وہ گذشتہ سال کے لئے تھا۔ جو دسمبر ۱۹۱۴ء کو ختم ہو گیا۔ اب نیا سال شروع ہوا ہے۔ اب بھی انشاء العزیز جن جن محبان اسلام کے دل میں اللہ تعالےٰ جوش ڈال دیگا۔ وہ میری مدد کو تیار ہو جاویں گے ٭

دراصل لٹریچر کی اشاعت ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو مغربی ممالک میں کسی اصول یا مذہب کو ترویج دے سکتی ہے (

تصنیف وتحریر نے ہی آہستہ آہستہ عیسائیت کی بیخ دبن یورپین دلوں سے ہلا کر اُن کو اسلامی صداقت کے قبول کرنے کے لئے تیار کر دیا۔ اور اب تصنیف وتحریر ہی آیندہ اُن صاف زمینوں میں اسلامی نخل لگا دیگی۔ اس لئے اسلامک ریویو کو مفت تقسیم کرنے کا انتظام گذشتہ دو سال میں ہوتا رہا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرنے کے بعد اگر وہاں

بھی توجہ کرنے والے نکل آویں۔ تو مَیں کہونگا۔ کہ ہمارا کام ہوگیا۔ اسلامک ریویو پڑھنے پر بعض لوگ استفسار اور تحقیق کی طرف لگ جاتے ہیں۔ اُنہیں میں سے آخر کار بعض مسلمان ہوجاتے ہیں۔ اسلامک ریویو ایک بیج ہے۔ جو بعض زمینوں میں شگوفے اور کونپلیں لگا دیتا ہے۔ جن کی آبیاری مختلف طریقوں سے ووکنگ میں کی جاتی ہے۔ پھر انہیں کو آخر کار اللہ تعالیٰ ثمر ور درخت بنا دیتا ہے۔ اس وقت اسلام کی اشاعت کے لئے ذیل کے پانچ طریق ہیں ✦

(۱) اسلامک ریویو کی مفت اشاعت

(۲) خط وکتابت۔ یہ بذات خود بڑا بھاری کام ہے۔ اور اگر پورے طریقہ سے کیا جاوے۔ تو دو قابل آدمیوں کی مستقل روزانہ مصروفیت کے لئے کافی ہے۔ ریویو پڑھنے پر یا ہماری تحریک کا حال سُن کر مختلف لوگ تفحص واستفسار کرتے ہیں۔ جن سے سلسلہ خط وکتابت کا جاری ہوجاتا ہے ✦

(۳) لنگرخانہ۔ ہم نے بھی سلف صالحین کے طریق پر لنگرخانہ مارچ ۱۹۱۴ء سے کھولا ہے۔ ہمارے پاس متلاشیان حق آتے ہیں۔ دو دن۔ چار دن بعض وقت زیادہ دن بھی رہتے ہیں۔ پھر جو ووکنگ سے باہر رہنے والے اسلام قبول کرتے ہیں اُن کو اسلام سے واقف کرنے کے لئے ہم اکثر بطور مہمان بلا لیتے ہیں۔ دراصل یہی صحیح طریق تعلیم اسلام کا ہے۔ خصوصاً ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ مغربی دنیا مبلغین اسلام کے پاس رہ کر اُن کی اندرونی زندگی کا مطالعہ کریں۔ اور دیکھیں۔ کہ وہ لوگ خود کس قسم کے اور کن حالات کے ہیں

جو اُن کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں ؛

(۴) **اتوار کا جلسہ اور مہمانوں کی ضیافت** - ووکنگ میں ہر اتوار جلسہ ہوتا ہے - جس میں شریک ہونے والے لندن اور دیگر شہروں سے آتے ہیں - اُن میں بعض تو نومسلم اور بعض متلاشیان حق ہوتے ہیں - لیکچر کی شمولیت کے لئے لوگوں کو ۱۲ بجے دوپہر تک ووکنگ پہنچ جانا چاہیئے کیونکہ اتوار کے باعث اس دن بہت ریلیں نہیں چلتیں - ان مہمانوں کی ضیافت اسلام اور اخلاق محمدی نے مذہبًا ہمارے ذمہ ڈال رکھی ہے - اور یہ وہ سحر حلال ہے - جو یورپ جیسی سر زمین میں اسلامی اخلاق حسنہ کے لئے دلفریبیاں پیدا کرنے میں بے عدیل ہے - علاوہ ازیں غربی دنیا میں کل معاملات اہم سے اہم بھی کھانے کی میز پر طے ہوتے ہیں - اس میں نہ مذہب کو استثنا ہے اور نہ سیاسیات کو - اس لحاظ سے بھی یہ امر ازبس ضروری ہے - کہ یہ سب کے سب دوست ایک ہی جگہ کھانا کھاویں - ہمارا دسترخوان کیا ہے - ایک مکتب مذہب - اتوار کو یہ دوست دو دفعہ تو لازمًا ہماری میز پر جمع ہوتے ہیں - لیکچر سے اوّل لنچ - (دوپہر کا کھانا) کے لئے اور لیکچر کے بعد سہ پہر کی چاء کے لئے اور کچھ اُن میں سے رات کے کھانے میں بھی شریک ہو جاتے ہیں - ان تین وقتوں میں کوئی نہ کوئی تعلیم اسلام زیر بحث ہوتی ہے -

(۵) **جمعہ کا خطبہ** - جو لندن میں ہوتا ہے - اور مختلف کلبوں اور گرجوں میں لیکچر - جو لوگوں کی درخواست پر یا باہمی انتظام

وقتاً فوقتاً ہوا کرتے ہیں +

یہ پانچ طریق ہیں۔ جو ہم نے اس وقت اشاعت اسلام کے لئے اختیار کر رکھے ہیں۔ انگلستانی زندگی میں یہ پانچوں امور بہت سے اخراجات کا موجب ہوجاتے ہیں۔ جس وقت مَیں وہاں سے چلا تھا تو قریباً اسی پونڈ ماہوار کا خرچ تھا۔ لیکن جیسے کہ مولنا صدرالدین صاحب کے خطوط سے جو مختلف اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے مہمانوں کی بھی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور اسلامی تبلیغ کے اور سامان بھی ہوتے جاتے ہیں۔ اس وقت وہاں کا خرچ سو پونڈ سے متجاوز ہے جیسے کہ مولوی صاحب موصوف کے ایک تازہ خط سے ظاہر ہوتا ہے مجھے ڈر ہے۔ کہ اگر ہم سے بہت جلد ان اخراجات کا کوئی مناسب انتظام نہ ہوسکا۔ تو کہیں اس چلتے کام میں روکاوٹ نہ پیدا ہوجائے۔ مجھے خدائے تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ کہ وہ میری محنت کو ضایع نہ کریگا۔ اُس نے آج تک جو کچھ کیا۔ اپنے فضل سے کیا۔ اور آیندہ جو کریگا وہ بھی اُسی کے فضل سے ہوگا +

یہی ایک بات ہے۔ جو مجھے یہاں لائی۔ والا میرے لئے یہاں کیا رکھا ہے۔ مَیں جانتا ہوں۔ کہ مَیں لوگوں کے تیر ملامت سے نہیں بچا۔ مختلف قسم کے ظن۔ اور طرح طرح کی رقابتیں بہت سے اصحاب کے دل تنگ کرا کر اُن کی قلم و زبان سے وہ باتیں نکلواتے ہیں۔ جو اُن کی شان کے شایاں نہیں۔ کاش کہ اُن کو یہ علم ہوجاوے۔ کہ مجھے ان کی ان گالیوں سے تکلیف نہیں ہوتی۔ میرا جنوں مجھے کچھ اس طرح اپنی طرف متوجہ کرچکا ہے۔ کہ مَیں اُن کی دشنام دہی کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں پاتا۔ ہاں اُن کی ان گالیوں سے مجھے اپنے کام کی اہمیت اور نیک اور مفید ہونے کا یقین ہوجاتا ہے۔ ہر ایک نیک اور مفید کام

گالیوں اور تمسخر چھینیوں سے نہیں بچا۔ تو میں کیوں ایسے لوگوں کے ہاتھ سے بچوں جیسے تبلیغ کا کام روحانی طور پر آج مجھے ورثہ میں ملا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اسے قایم رکھے) ویسے گالیاں کھانا بھی ہمارا ایک ورثہ ہے۔ بہرحال میں ان امور بالا کی بنیاد پر ان اصحاب سے اور صرف ان اصحاب سے اپیل کرتا ہوں جن کو مجھ پر حسن ظن ہے۔ حرام ہے اُس شخص پر جو مجھ پر نیک ظن نہیں رکھتا۔ یا اس اہم کام کو میرے ہاتھ میں مفید نہیں سمجھتا۔ کہ وہ ایک کوڑی کی بھی مدد کرے۔ میرا روئے سخن صرف انہیں اصحاب کی طرف ہے۔ جو میرے کام کو اچھا۔ اور مجھے اس کام کا اہل اور مجھے اپنے مالوں کو صحیح مقام پر خرچ کرنے کے لئے امین سمجھتے ہیں۔ ہاں انہیں اصحاب کو خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت۔ میں یہ خطاب کرتا ہوں۔ وہ میری مدد کو آویں۔ اور میری مالی مشکلات کے دفعیہ کا تقیہ کریں۔ میرے اس ہندوستانی سفر کی یہی غرض ہے۔ اور بس۔ جہاں تک مجھے مولوی صدرالدین صاحب کے خط سے معلوم ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اُن کے پاس اسوقت صرف تین ماہ تک کا خرچ ہے ✦

یہ رسالہ اشاعت اسلام جو دراصل اردو ترجمہ اسلامک ریویو کا ہے اس کی اشاعت کی غرض بھی دراصل ووکنگ مشن کے فنڈس کو مضبوط کرنا ہے۔ اس کی قیمت بھی ہم نے بہت تھوڑی رکھ دی ہے۔ صرف تین روپیہ سال۔ اگر اس کی دس ہزار کاپیاں یہاں ہندوستان میں خریدی جاویں۔ تو میں یقین کرتا ہوں۔ کہ خرچ اخراجات نکال کر ہمارے اخراجات ووکنگ کو یہ رسالہ بذاتِ خود بہت حد تک سنبھال سکتا ہے ✦

اے اسلام سے محبت کرنے والو۔ اے اسلام کے نام پر مٹنے والو خدارا قرآن کو کھولو دیکھو قرآن رب العالمین کی طرف سے آیا۔ اور نذیر اللعالمین اور رحمت للعلمین پر نازل ہوا خدا تعالےٰ نے اسے ذکراً للعلمین کہا تو پھر شبلاؤ اسلام کو عالمین تک پہنچانا تم پر فرض

کفایہ نہیں۔ کیا اسلام کا دنیا کے چار کونوں میں پہنچانا۔ تم کو خدا محمدؐ نے نہیں کہا۔ کیا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر کی آیت اشاعت اسلام کی اصلیت تم پر ظاہر نہیں کرتی۔ کیا اشاعت دین ہی بعثت سرور کونینؐ کی اصل غرض نہیں۔ کیا یہی وہ چیز نہیں کہ جس کے لئے آپ نے تیرہ سال خطرناک تکلیف اُٹھائی۔ اور ہزاروں صحابیوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ آج تو خدا کے فضل سے وہ سہولتوں کا زمانہ آگیا ہے۔ کہ جس نے ان تمام تکالیف کو تم سے دور کردیا ہے۔ آج تو صرف چند پیسوں کا سوال ہے۔ چند روپوں سے کام بنتا ہے۔ اگر اور کسی قسم کی مدد تم نہیں کر سکتے۔ تو کیا اس رسالہ کے لئے خواہ اردو خواہ انگریزی خریدار بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور پھر اس اصل قیمت کے عوض ہم تم کو ایک قیمتی لٹریچر دیتے ہیں یہ وہ لٹریچر ہے جس نے یورپ کے فضلا کے دانت کھٹے کئے ہیں۔ یہ وہ لٹریچر ہے جسکو ہندوستانی اعلیٰ تعلیمیافتہ مسلمانوں نے پڑھ کر مجھے خطوط لکھے اور اعتراف کیا۔ کہ وہ از سر نو مسلمان ہوئے +

بہرحال تین روپیہ میں یہ رسالہ ایک ارزاں چیز ہے۔ لیکن مَیں کہتا ہوں۔ اگر یہ بھی نہ ہوں۔ تو اس تھوڑے سے ایثار سے تم ایک بھاری کام کو چلاؤ گے۔

انگلستان میرے نزدیک ایک مسلم خیز جگہ ہے۔ ہمارا یہ تجربہ بھی ہماری آیندہ امیدوں کا کفیل ہو سکتا ہے۔ مَیں آیندہ دکھلاؤں گا۔ کہ کن کن وجوہ سے اسلام ہی مغرب کے لئے موزون مذہب ہے۔ میرے نزدیک بہت مفید اور مناسب امر یہ ہوگا۔ کہ نو مسلم انگریزوں میں سے قابل لوگ اس نیک کام میں اپنے ساتھ شریک کرلئے جاویں۔ گذشتہ سال مَیں نے شیخ خالد شیلڈرک صاحب کو ووکنگ سٹاف میں لے لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو اُس نے خود اسلام کو ہم سے سیکھا۔ اور پھر وہ اور وں کی ہدایت

کا موجب ہوا۔ اس وقت دو اور بزرگ نومسلم بھی اس سٹاف میں لئے جا سکتے ہیں۔ اوّل شیخ یحییٰ النصر پارکنسن۔ دوسرے شیخ ہارون مصطفیٰ پی اون ایم۔اے۔ ایل ایل ڈی پی۔ایچ۔ڈی۔ یہ دونوں بزرگ عالم متبحر اور وسیع معلومات کے انسان ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ معزز روزی کے مالک ہیں۔ ہاں اُن کے دل ہمارے ساتھ ہیں۔ اور وہ شاید کچھ ایثار بھی کر سکیں۔ مَیں نے حضرت قبلہ مولوی صدرالدین صاحب کو لکھ دیا ہے۔ کہ وہ اُن سے خط وکتابت کریں۔ اور دریافت کریں۔ کہ کس مناسب مشاہرہ پر وہ کام کر سکیں گے۔ اس وقت ووکنگ کے عملہ میں مولوی صدرالدین صاحب شیخ نور احمد صاحب منشی غلام مصطفیٰ صاحب میاں محمدعلی صاحب اور شیخ شیخ شیلڈرک ہیں۔ اگر مسٹر پارکنسن اور ڈاکٹر لی اون عملے میں آجاویں۔ تو پھر ہم وسیع پیمانہ پر تبلیغی کام شروع کر سکتے ہیں کل انگلستان میں لیکچروں کا انتظام ہوسکتا ہے۔ مَیں جب وہاں تھا۔ اور خصوصاً جب مولوی صدرالدین صاحب تشریف لے گئے۔ تو مختلف جگہوں پر لیکچر دینے چلا جاتا تھا۔ یونی ٹیرین گرجاؤں میں اتوار کے دن خود عبادت اتوار کا سرانجام کرتا تھا اور یہ مشکل کام نہ تھا۔ ذاتی رسوخ اور خط وکتابت سے یہ امر آسانی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن میرے آنے پر مولوی صاحب موصوف کے سر پر اس قدر کام پڑ گیا۔ کہ یہ کام وسیع پیمانہ پر نہ ہوسکا۔ ہاں یہ ساری باتیں وسیع اخراجات کو چاہتی ہیں۔ الغرض میرا واپس جانا یا کس وقت جانا میری اس تحریک کے متعلق مسلم توجہ پر بہت کچھ حصر رکھتا ہے ؛

خواجہ کمال الدین

ووکنگ مشن کی رپورٹ

متعلقہ ماہ دسمبر

نومسلم — خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ماہ دسمبر نہایت ہی مبارک مہینہ گذرا۔ [illegible] خواتین [illegible] دو شریف انگریز حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان خواتین میں سے ایک لیڈی صاحبہ [illegible] کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ تحریر و تقریر میں اچھی قابلیت رکھتی ہیں [illegible] ہمارے لئے بہت تاریخ ثابت [illegible] [illegible] ایک بہت [illegible] مسلموں کے علاوہ ایک [illegible] [illegible]

قبرستان — [illegible] قبرستان کا معاملہ طے ہو گیا۔ اور گورنمنٹ نے نہایت [illegible] ایک زمین ہمیں خرید دی۔ یہ قبرستان اب مسلم قبرستان ووکنگ [illegible] مسجد [illegible] زمین [illegible] الاسباب [illegible] سال [illegible] سے تجویز کر رکھی تھی۔ ایک قبرستان کی ضرورت [illegible] واقعات نے پیدا ہو کر اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ ہم اہل ہندوستان کی طرف سے گورنمنٹ عالیہ کے از حد مشکور ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت قبلہ مولوی صدر الدین صاحب کی جائز معروضات کو سنا۔ اور غور کیا۔ اور مسلمان فدایان سلطنت کی قبریں عیسائی قبرستان سے الگ کر کے مولوی صاحب کے منشاء کے مطابق ووکنگ میں تجویز کیں۔

کس قدر خوشی کا مقام ہے۔ کہ ہمارے سپاہیوں کا جنازہ خوار نہیں ہوتا۔ ان مجروحوں کی روحانی تشفی اور اطمینان کے لئے مولوی صدر الدین صاحب اکثر ہسپتال میں جاتے ہیں۔ ان کے ہمراہ نومسلم خواتین اور شریف مرد بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے لارڈ ہیڈلے صاحب ایک دفعہ ان بھائیوں کی ملاقات کو گئے۔ ان ملاقاتوں نے ہمارے زخمی بھائیوں پر بہت نیک اثر کیا۔ ان میں جوش اور انبساط نے پیدا ہو کر ان کی صحت پر بہت بڑا فائدہ کیا۔ جو سپاہی ان ہسپتالوں میں فوت ہو جاتے ہیں۔ ان کا کفن و دفن بالکل اسلامی طریق پر ہوتا ہے۔ ان کا جنازہ ووکنگ میں بذریعہ موٹر کار آتا ہے۔ پھر وہاں سے قبرستان کو مسلمانوں کی معیت میں پہنچایا جاتا ہے۔ جہاں باضابطہ نماز جنازہ کے بعد یہ فدایان اسلام دفن ہوتے ہیں۔ تازہ خط آمدہ ووکنگ سے پتہ لگتا ہے۔ کہ یہ قبرستان عمارات کے لحاظ سے بھی ایک عمدہ چیز ہوگی۔ گورنمنٹ کے خرچ سے اس کی چار دیواری اور اس کے متعلق ضروری مکان تیار ہو رہے [illegible] مشرقی وضع پر ہوں گے۔ دیواروں پر موقعہ بموقعہ قرآنی آیات اور احادیث کندہ کی جاویں گی۔ ہماری نومسلم خواتین اس معاملہ میں خاص دلچسپی لے رہی ہیں۔

[illegible]

اس قسم [illegible]

[illegible] کہ جب [illegible] کے آنے [illegible]

[illegible] کرنے میں [illegible]

[illegible] وہ ایک مدت [illegible]

ان کا الگ ہوتا [illegible]

[illegible] اس معاملہ میں [illegible]

آپ نے حضرت معاذ بن جبل [illegible]

[illegible] ان کو لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم دو۔ جب اس [illegible] تو

پھر محمد الرسول اللہ [illegible]

[illegible] اول [illegible] اسلام [illegible]

[illegible]

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ
مُسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو
زیر ادارت
خواجہ کمال الدین بی۔اے۔ ایل ایل بی، و مولوی صدر الدین بی۔اے بی ٹی،

نمبر ۲	بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۵ع	جلد ۳

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۵ع

قیمت سالانہ تین روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ماخوذ از اسلامک ریویو ماہ جنوری ۱۹۱۵ء

سال نو

ہم اس موقعہ پر سلام اور دعا کا ہدیہ تمام ناظرین رسالہ اور خصوصاً اُن انگریز اور امریکن بھائی اور بہنوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے وہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جو فطرت انسانی میں مذکور ہے۔ اور جس کا تبلیغ بغیر کسی تکلیف کے کیا جا سکتا ہے۔ ہماری غرض اسلام سے ہے جس کے معنی ہی سلامتی اور امن کے ہیں۔ حقیقت میں دیکھا جاوے۔ تو اسلام ہی اس قابل تھا۔ کہ جس نے عرب جیسے خونخوار قبیلوں میں امن قایم کر دیا۔ اور انہیں اخوت کے ایسے سلسلہ میں منسلک کر دیا۔ جو اپنے اندر جمہوری قواعد اور اصول رکھنے کی وجہ سے ممتاز ہے ✦

اسلام قومی تمیز سے بالاتر ہے۔ ایک مسلمان جبکہ کسی دوسرے مسلمان کو دیکھتا ہے۔ تو اس کا دل سچی اور پرجوش محبت سے بھر جاتا

ہے خواہ وہ مختلف قوموں سے تعلق رکھتے ہوں۔ بعض متعصب نکتہ چینوں کی یہ عادت ہو رہی ہے۔ کہ وہ اسلام کے ہر ایک طریق و اصول کو بدنما چہرہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور اس مذہب کی [illegible] ہمدردی اور اظہار محبت کی بجائے اسلامزم کے بُرے نام سے پکارتے ہیں۔ لیکن وہ نادانستہ اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچا رہے ہیں۔ کہ اسلام میں مختلف اقوام کے لوگوں کو ایک کر دینے کی طاقت [illegible] موجود ہے۔ ہماری دلی آرزو ہے۔ کہ اس قسم کے عقائد [illegible] اصولوں کی تشہیر ہو۔ جن سے تمام عالم کے لوگوں کے تعلقات [illegible] مضبوط ہو جاویں۔ یہی ہماری خواہش شروع سے ہے اور آئندہ رہیگی۔ اور ہم سچے دل سے امید کرتے ہیں کہ اس امر کی تکمیل بذریعہ اسلام ہوگی۔ جو کہ امن و سلامتی کا ہم معنے ہے۔

گزشتہ اتوار یعنی ۲۰ دسمبر کے بعد جس روز کہ برٹش مسلم سوسایٹی کے جلسہ عام میں اس کے پریذیڈنٹ سیف الرحمٰن شیخ عبد الرحمٰن فاروق لارڈ ہیڈلے نے تقریر فرمائی۔ ایک اور عورت ایسنور ایبی سیکسبی مسلمان ہوئی۔ اور اس کا نام خدیجہ رکھا گیا۔ اس اسلامی برادری میں جو کہ آہستگی سے مضبوطی پکڑ رہی ہے۔ تین اور مسلمان انگریزوں کا اضافہ ہوا + ہمارے انگریز اور امریکن بھائی اور بہنیں کے لئے یہ خبر باعث فرحت ہوگی۔ کہ ہمارے معزز بھائی خواجہ کمال الدین صاحب تین ماہ کے کامیاب سفر کے بعد ۲۴ نومبر کو مع الخیر بمبئی پہنچ لئے۔ حاجی خواجہ کمال الدین صاحب نے متبرک مقامات یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ اور حج کرنے کی دلی خواہش کو پورا کیا۔ ہم دعا کرتے ہیں۔ کہ ان کا یہ مختصر سا قیام اہل و عیال کے

ساتھ خوشی وخورمی سے گذرے ۔

جناب سیف الرحمٰن شیخ رحمت اللہ صاحب فاروقی ۔۔۔ اور مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ ہندوستانی زخمی سپاہیوں کے پاس وکٹوریہ ہوٹل نٹلی میں گئے ۔ تاکہ ان کی تشفی کریں اور اُن کے ساتھ اظہار ہمدردی بھی کریں ۔ ان سپاہیوں کے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوا ۔ جبکہ انہوں نے اپنے ایک ہندوستانی مولوی اور ایک مسلمان لارڈ سے ملاقات کی جنہیں وہ دیکھنے کے متمنی تھے ۔ اور جن کی بے تکلفانہ اور ہمدردانہ گفتگو ان کے حق میں مقویات سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوئی ۔

حضرت محمد صلعم ایک فاتح کی حیثیت سے

حضرت محمد صلعم کی زندگی فاتحوں کے لئے سبق

حضرت محمد صلعم کے حالات زندگی انقلابات کا ایک سلسلہ تھی ۔ جس کی وجہ سے خدا نے اس زبردست رسول کی خصلت کے مختلف پہلوؤں پر نظر پڑتی ہے ۔ آپ کی طبیعت میں تکلیف اور آزمایش ۔ افلاس اور احتیاج پھر اعلیٰ درجہ کی حکومت اور دولت مندی کے وقت تغیر نہ آنا ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر نہیں ملتی ۔ آپ کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی ہمیشہ بڑے ادب سے تقلیداً بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے ۔

اس زمانہ میں جبکہ ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ لوگوں کو نقصان پہنچ رہے ہیں ۔ اور گردش زمانہ کی لپیٹ میں لوگ آرہے ہیں ۔ یا بعض بڑی

درخشندہ کامیابیاں حاصل کرتے اور شہرو
ہیں۔ تو نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ
جائے۔ جو حضرت محمد صلعم کے فتح مکہ کے
اسلامی فوج نے جب ایک معرکۃ الآرا لڑائی
اس وقت آنحضرت صلعم کو ایک نہایت خ
کرنا پڑا۔ یعنی اس موقعہ پر جب حضرت خالد
کا تیروں سے مقابلہ کیا گیا۔ تو ظفر مند فوج
جو مسلمانوں پر مکہ سے نکالے جانے سے پیشتر
آ گئے۔ اور فوری انتقام لینے کا جوش دلوں
جو اس دستے کے افسر تھے۔ فوراً شہر میں گھس
گھس گئے۔ لیکن حضرت محمد صلعم نے جو اس
تھے۔ روک دیا اور اپنے بر وقت فرمان
بچا لیا۔ مسلمانوں کے لئے مکہ کے سرکش لو
آسان تھا۔ لیکن اس آتش غضب کو فرو کر
ان تکالیف کی یاد سے بھڑک اٹھی تھی۔ جو
نے برداشت کرنی پڑی تھیں۔ لیکن رسوا
ہیں مناسبت کی ایک بے نظیر روح پھونک
فرمان نے انتقام کے اس تیز و تند طوفان
کم کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہماری آرزو ہے
کو تسخیر کیا جائے۔ اور اس سختی سے مغلوب
ان سے منوانا ہمارے منشا کے خلاف ہے
کے نام تاکیدی احکام جاری ہوئے۔ کہ وہ
چنانچہ عین طلوع کے وقت حضرت صلعم

بتدا میں عبادت فرمایا کرتے
ابنیا دوبارہ تعمیر کے وقت
نے اس مکان کے گرد سات
ہمارے اس کفر سے حجر اسود
دگار حضرت ابراہیم کی جس نے
وقع پر ایک خلاف توقع نظارہ
آپ کعبہ کے اندر تشریف
دگ قدیم الایام سے کعبہ کا
آپ کو داخل ہونے سے
فاتح حاکم اور اس کا مقابلہ
ابھی فتح ہو چکا ہے۔ اور اس
ت سزا تجویز کی جانی چاہئے!
رت اسی ایک واقعہ سے
ں کی گستاخانہ طریق عمل کی
لی کی یہ شوخی برداشت نہ ہو
بچا کر متولی مذکور کے گھر
ہت کشمکش ہوئی۔ اور بہت
دوسرے کے موہنہ سے نکلے
ب المثل تھی۔ عثمان کو چھپاٹا
جب کہ چابی حضور صلعم کے
متانت سے حکم دیا کہ چابی
دیا کہ یہ ہمیشہ اس کی اور اس
کہ چابی کا عثمان سے چھینا

ے وطن مولود میں داخل ہوئے۔حضرت
ر ہوئے۔ آپ کے داہنے ہاتھ کی طرف
پیچھے آرہے تھے۔یہ فتح تو واقعی بہت
ہ کی وہ شان و شوکت جو اس موقعہ پر
ی اس خوشی و انبساط کا مقابلہ نہ کر سکتے
تمام الہامات کے پورا ہونے کی وجہ
ہ پھر مکہ میں خیر و عافیت کے ساتھ داخل
ں جن کا اعلان کئی سال پیشتر کیا جا
پورا ہونے سے (ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد)
تھا۔ ان کے پیروں کا اعتقاد زیادہ مضبوط
س وقت تک بتوں کی محبت جاگزین تھی

ے ایک زبردست شاہنشاہ کی طرح
، ایک زائر کے لباس کو جس سے عاجزی
ہ اچھا سمجھا۔ اور اُن آیات کو دہرانا
یشینگوئی تھی۔ آپ کی زندگی کا ایک
و ستایش کرنا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ
ہے۔ اور علیم و دانا ہے۔ اور اُس
ے وعدہ کی سچائی کو ظاہر کر دکھایا۔ جو اس
خل ہونے سے متعلق تھی ؃
ترنے کے بغیر سیدھا مکہ کی طرف تشریف
طرف جو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ
م سے جائے پرستش بن رہا تھا۔ اور

تا تھا۔ لیکن اُسے نہیں
واپس دی گئی ہے۔
پر حضرت محمدؐ کے دل
ت سلطنت کے اعتبار میں
ل جو کہ مالی مدد کا ذریعہ
ثمان نے بڑی شکر
ت دروازہ ہی کھولا۔
وقت تک عثمان
ں خاتمہ رسولؐ کی
یادگار ہے ؃

...اسلام سوسائٹی

و

...کو مسجد ووکنگ
راد تھی۔ جس میں
بلے یحییٰ النصر پرنس
ں آنریری وایس
صاحب موصوف
...اور جنگ و...ج

اس کے بعد رایٹ آنریبل جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بی-اے ایم-آئی-سی-آئی-ای-ایف-ایس-آئی نے بحیثیت پریذیڈنٹ سوسایٹی اپنا لکچر دیا-جو کہ مکمل رسالہ اسلامک ریویو میں درج ہے- لارڈ صاحب موصوف کے بعد ہمارے بھائی پروفیسر ایچ مصطفےٰ لیٹن بی-ایچ-ڈی-ایل ایل ڈی-پی ایس پی نے بڑے جوش سے بیان کیا-کہ وہ اکتیس سال تک ایک ایسے مذہب کو مانتے رہے ہیں-جسے نہایت معقول خیال کیا جاتا ہے-انہوں نے پھر ایک جلسہ کا ذکر کیا-جس میں یہودی مسلمان اور عیسائی صاحبان نے باہم دوستانہ طور پر ان تمام امور کے متعلق تحقیقات کرنی شروع کی-جن پر ان تمام کا مذہبی نکتۂ خیال سے اتفاق ہو-پروفیسر مذکور نے جو اس وقت عیسائی تھے-اور شریک جلسہ بھی تھے-فرمایا-کہ اہل جلسہ میں سے ایک فاضل نے کہا کہ حاضرین کا متفقہ اعتقاد ہے-کہ خدا احکم الحاکمین اور رب العلمین بھی ہے اور اس نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے حضرت آدمؑ کو الہام سے مشرف کیا-پھر سب کا اس پر بھی اتفاق ہوا-کہ حضرت نوح بھی خدا کی طرف سے پیغام لائے-پروفیسر صاحب نے ان ہی حاضرین پر ظاہر کیا-کہ جب کبھی زمانہ کی ضروریات خدا کی طرف سے الہام کی محتاج ہوتی ہیں-تو اس وقت ایک رہنما اللہ تعالیٰ کی رضا کو اس کے بندوں پر ظاہر کرنیکے لئے پیدا ہوتا ہے-چنانچہ پروفیسر صاحب نے پھر بتلایا-کہ یہ سلسلہ گفتگو حضرت ابراہیمؑ تک پہنچا- اور ہر سہ مذاہب کے پیروں کا اُن کی رسالت پر کلّی اتفاق تھا- اسی طرح حضرت موسےٰ پر وحی الٰہی کے نزول پر بھی سب متفق الرائے رہے-انہوں نے حضرت مسیح کی انجیل کو تسلیم کیا-اس کے بعد ایک مسلمان نے پروفیسر صاحب سے مخاطب ہوکر کہا

کہ عیسائی اپنا مذہب یہودیوں کے مذہب سے اس لیے بہتر خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ مذہب بعد میں آیا۔ لیکن اسلام ایسی دلیل سے عیسائیت کے مقابلہ میں افضل ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو رسول اکرم حضرت محمدؐ کے ذریعہ قرآن مجید میں ایک غیرفانی وحی آلہی کا پتہ دیا گیا ہے۔

اس تمام حقیقت کے بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے حاضرین جلسہ موجودہ سے کہا۔ کہ اسلام وہی مذہب ہے۔ اور وہی سیدھا سادھا طریق ہے۔ جو خدا نے ابتدائے آفرینش سے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے مقرر کیا۔ صرف اسلام ہی پہلی مقدس صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور حضرت محمدؐ صلعم نے تمام قسم کی تعلیمات کو تکمیل تک پہنچایا۔ اور جس طرح قرآن شریف خدا کی آخری کتاب ہے۔ اسی طرح حضرت محمدؐ بھی خاتم النبیین ہیں۔ پھر لکچرار صاحب نے ذکر کیا۔ کہ ایک شخص رسول اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ میں ناخواندہ اور جاہل ہوں۔ مجھے اسلام کے متعلق کچھ وعظ کیا جائے۔ کہ میں اس پر عمل کر سکوں۔ رسول پاک نے فرمایا۔ کہ بُرا کام مت کرو۔ اس پر اُس شخص نے حتی الامکان کاربند رہنے کا وعدہ کیا۔ اور ایک سال کے بعد واپس آکر عرض کیا۔ کہ حضور کے فرمان پر عمل کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور بُرا کام نہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ مجھے کچھ اور فرمایا جائے۔ اس پر آنحضرت صلعم نے حکم دیا۔ کہ منہ سے بری بات نہ نکالو۔ ایک سال گذرنے پر وہ شخص پھر حاضر ہوا۔ اور کہا کہ حضور کا یہ حکم مشکل تر تھا۔ لیکن مجھے کامیابی ہوئی۔ کیونکہ میں نے زبان سے کوئی بُرا کلمہ نہیں نکالا۔ اب مجھے اور نصیحت فرمائی جائے۔ اس پر حضرت صلعم نے اسے کہا۔ کہ خیال

سے کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔ چنانچہ پھر ایک سال کے بعد وہ شخص حاضر خدمت ہوا۔ اور بیان کیا۔ کہ یہ کام نہایت ہی مشکل تھا۔ لیکن مَیں نے اُسے پورا کیا ہے۔ مجھے اور کچھ عطا کیا جائے۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ بس اب تم مسلمان ہو چنانچہ اس سے ڈاکٹر لی اؤن نے سامعین سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کہ آیا یہ مذہب ایسا نہیں۔ کہ اس پر ناز کیا جائے۔ وہ مذہب جو کہ نہ عمل سے نہ کلام سے اور نہ خیال سے کسی کو ضرر پہنچانے کی تعلیم دیتا ہے کیا اس قابل نہیں کہ مغرب والوں کو سکھایا جائے۔ اور بعد میں پروفیسر صاحب مذکور نے حاضرین میں سے اُن کو جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن جنہوں نے جلسہ میں اپنی شمولیت سے اس اسلامی تحریک کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ مخاطب کر کے کہا۔ کہ وہ اسلام کا خود مطالعہ کریں۔ اور خوب یاد رکھیں۔ کہ اسلام ہی خدا کی آخری وحی ہے۔ جو ہمارے پاک رسولؐ پر نازل ہوئی۔ اور جس نے اُن موسوی اور عیسوی مذاہب کی تکمیل کی جو قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں بھیجے گئے۔

پروفیسر صاحب کے بعد ہمارے بھائی کپتان عبد الرحمن سٹینلے مسگریو اپنے فوجی وردی پہنے ہوئے تقریر کے لئے اُٹھے۔ اور لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ پریزیڈنٹ کا شکریہ ادا کرنے کی تجویز کرنے کے بعد آپ نے بیان کیا کہ مَیں کلیسا انگلستان کا برائے نام پیرو ہو چکا ہوں۔ جب مَیں نے سموئیل لینگ کی کتاب موسومہ ماڈرن زوروسٹر کا مطالعہ کیا۔ تو مجھے اپنے عقاید پر بڑی توجہ سے غور کرنا پڑا۔ مَیں لایق معلمین کے زیر تعلیم بھی رہا۔ مجھے کیتھولک فرقہ کے پادری صاحب نے کہا۔ کہ مَیں اس مذہب کا پیرو نہیں رہ سکتا کیونکہ مَیں بہت زیادہ علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے کہا گیا کہ

میں ایک حدتک تحقیقات کر کے ترقی کرسکتا ہوں ۔ ما بعد ازاں بعد مجھے کچھ نہ دریافت کرنا چاہیئے ۔ اور محض اعتقادات پر ہی قناعت کرنا چاہیئے ۔ اس لئے پھر میں نے کلیسیا انگلستان کی تعلیم کا مطالعہ کیا ۔ اور میں نے دیکھا ۔ کہ میں کلیسیا میں سے نہیں ۔ جس کی وجہ سے پھر میں دیگر عیسائی فرقوں کے پاس گیا ۔ اور ان کے اعتقادات کا مطالعہ کیا ۔ لیکن میری تشفی نہ ہوئی ۔ بعد ازاں میں نے ایک کتاب بنام اسلام پڑھی ۔ جو میجر لیونارڈ کی تصنیف شدہ تھی ۔ اور اس پر بڑا غور کیا ۔ چونکہ میں نے جنوبی افریقہ ۔ ہندوستان اور مصر میں ملازمت کی ہوئی تھی ۔ میں نے ان تحریرات کا مقابلہ اپنے اس علم سے کیا ۔ جو مجھے مشرق کے مسلمانوں کی نسبت ذاتی طور پر تھا ۔
اور میں نے محسوس کیا ۔ کہ اسلام میں سادگی ۔ خاص قسم کے بے دلیل اعتقادات کی موجودگی اور اعلیٰ پایہ کی روحانی تعلیم پائی جاتی ہے ۔ اور یہ ایسی باتیں تھیں ۔ جو عین میرے خیال کے مطابق تھیں ۔ گویا میں مسلمان ہی تھا ۔ ازیں بعد کپتان صاحب نے حاضرین جلسہ سے اسلام کے متعلق تحقیقات کرنے کی درخواست کی ۔ اور کہا کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی سوانحعمری پر غور کریں ۔ اور اپنی ذات کی خاطر مذہبی امور کی نسبت سوچیں ۔ کیونکہ یہ انسان کی خوشحالی کے لئے ازبس لازمی ہیں ۔ خاتمہ پر کپتان صاحب نے جلسہ میں اپنی شمولیت پر خوشی کا اظہار کیا ۔ اور دوبارہ لارڈ ہیڈلے صاحب کے شکریہ ادا کرنے کی تجویز پیش کی ✣

پھر ووکنگ کے ہمارے ایک بھائی احمد ولیش صاحب ایم بی ۔ ایم ۔ ایس نے شکریہ کے متعلق تجویز کی تائید کی ۔ اور بتلایا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے ۔ اور اس پر ایمان رکھنے والے آپس میں

بھائی بند ہیں۔ اور پھر لارڈ ہیڈلے۔ پروفیسر لیون۔ کپتان مسگریو اور دیگر اصحاب کے جلسہ میں شریک ہونے پر مسرت ظاہر کی۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تعریف کرکے کہا۔ کہ ان کی ہی کوشش سے یہ اسلامی تحریک ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور خواجہ صاحب نے محنت شاقہ کی اور یہ جلسہ اُن کی کامیاب سعی کا ظاہری ثمرہ ہے۔ اور بعد میں برٹش مسلم سوسایٹی کے شاندار مستقبل ہونے کی امید کی اور بتلایا۔ کہ اس کے ذریعہ ان تمام برٹش مسلمانوں کا تعلق باہمی گہرا ہو جائیگا۔ جو کہ گو آپس میں بھائی ہیں۔ لیکن مسافت کے وجہ سے ایک دوسرے سے دُور رہتے ہیں +

آخیر میں مولوی صدر الدین صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی امام مسجد ووکنگ تقریر کے لئے اٹھے اور پریزیڈنٹ کا شکریہ ادا کرنے کی تجویز کی تائید کرکے اسلام کے جمہوری اصولوں کا تذکرہ کیا۔ اور ظاہر کیا کہ اس مذہب کے پیرو آپس میں بھائیوں کی طرح خیال کئے جاتے ہیں۔ اعلیٰ وادنےٰ۔ سفید وسیاہ سب بھائی ہیں۔ خواہ دُنیا کے کسی حصہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور اسی اصول اخوت کی بنا پر ہمیں ترکوں سے جو مسلمان ہیں ہمدردی ہے۔ خواہ ہم ہندوستانی ہوں یا ترک محض ایسے رشتہ اخوت کے باعث ہمیں اُن کے لئے درد ہے۔ لیکن مسلمان کا مسلمان کے خلاف برسرپیکار ہونا البتہ قابل افسوس ہے۔ لکچرار نے پھر اس امر کی طرف توجہ دلائی۔ کہ اسلام اپنے پیروں کو وفاداری کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن ہم مسلمانوں کو لازمی ہے۔ کہ ہم حضور ملک معظم دام ملکہٗ کی تابعداری اور فرمانبرداری میں ثابت قدم رہیں۔ کیونکہ ہم اُن کی رعایا ہیں۔ مولوی صاحب مذکور نے لارڈ ہیڈلے صاحب کے ساتھ اتفاق کیا۔ کہ اصول اسلام پر

کار بند رہنا نہایت ضروری ہے۔ اور ذکر کیا کہ جب حضرت محمدؐ صلعم نے حضرت معاذؓ کو گورنر صوبہ یمن مقرر کیا۔ تو نصیحت کی کہ وہ ابتدا خدا کی واحدانیت کی تلقین کریں۔ اور محمدؐ کا نام تک بھی نہ لیں۔ اور پھر جب لوگوں کو اسلام کے بنیادی مسئلہ کی سمجھ آجائے تو پھر نماز اور دیگر اعتقادات کی تعلیم دی جائے۔ مولوی صاحب نے پھر بیان کیا۔ کہ بڑے بڑے عالم اور شایستہ لوگ اسلام کی تعلیم کا غور و خوض سے مطالعہ کرکے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور مغرب میں بھی اسی طرح ہر روز بڑھتے جاتے ہیں۔ اسلام کے متعلق صرف غلط فہمیوں کو دور کرنے ہی سے اس کی سچائی لوگوں کے دلوں پر اثر کر جاتی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ حقیقت میں مسلمان ہیں۔ اگرچہ انہیں اسلام سے بالکل واقفیت نہیں۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے اعلان کیا۔ کہ گذشتہ ہفتہ میں اور تین صاحب مسلمان ہوئے جو انگریز مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی جماعت میں اضافہ کا موجب ہوئے ہیں۔ نیز بتلایا کہ اسی دن صبح کو پروفیسر لینؔ۔ کپتان مسگریو۔ محمدؐ وڈورڈ۔ خالد شیلڈرک اور مسٹر پرکنس صاحب لنڈنی کے روبرو ایک اور صاحب مشرف باسلام ہوئے۔ اور ان کا نام یحییٰ رکھا گیا۔

جلسہ کے دن سب لوگوں نے اسلامی اخوت کی پوری شان دیکھی۔ لارڈ ہیڈلے۔ پروفیسر لینؔ۔ کپتان مسگریو۔ محمدؐ وڈورڈ نے بمعہ دیگر برادران اسلام کے مولوی صدر الدین صاحب کے پیچھے نمازیں ادا کیں۔ اُن لوگوں نے جو اسلامی نمازوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہاں دیکھ لیا ہوگا۔ کہ اسلام نے کس طرح مشرق و مغرب کو ملا دیا ہے۔ یہاں دیکھا جاتا تھا۔ کہ کھانے کے وقت اور

گفتگو کے موقعہ پر کسی قسم کے درجہ کا امتیاز نہ تھا۔ کپتان و سپاہی لارڈ اور عامی۔ پروفیسر اور طالب علم۔ امیر و غریب۔ سب مساوات کے پلیٹ فارم پر کھڑے تھے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ سچے اسلامی جوش سے اظہار اخوت کر رہے تھے ؁

اس موقعہ سے مغربی دنیا کے لوگ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اسلام نے بڑی کامیابی کے ساتھ وہ نفرت انگیز قومی امتیاز دور کر دیا ہے۔ جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے جدا کرنے کا موجب ہو رہا ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے۔ کہ دیگر قومیں اخوت پر محض وعظ کرتی ہیں۔ لیکن مسلمان روزمرہ اس پر عمل کر کے دکھلا رہے ہیں۔ ہاں اسلام میں ہی صرف ایک اخوت انسانی کا مسئلہ ہے۔ جو حقیقت رکھتا ہے۔ غرضیکہ یہ تمام دن بڑی خوشی سے بسر ہوا۔ اور ہر ایک شخص کا خیال تھا۔ کہ سوسایٹی کا یہ مبارک جلسہ اس کے شاندار مستقبل کا پیش خیمہ ہے ؁

پروفیسر پارکنسن کی چٹھی

بائیرس روڈ۔ کلوننگ ۷ار دسمبر ۱۹۱۶ء

مجھے اس بات کو سن کر نہایت خوشی ہوئی ہے۔ کہ اگلے اتوار کو برٹش مسلم سوسائیٹی کا جلسہ منعقد ہوگا۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں اس عظیم الشان موقع پر شامل نہ ہوسکوں گا۔ اسلام کا قدم برطانیہ میں اب مضبوط جم گیا ہے۔ اور یہ بالخصوص ہمارے بھائی خواجہ کمال الدین صاحب کی قابل شکریہ سرگرم کوششوں اور قربانی کا نتیجہ ہیں۔ اور نیز چند پیشواؤں کا جو اسی مقصد کو لے کر کچھ سال پہلے محنت کرتے رہے ہیں۔ مگر خواجہ صاحب کی بے غرض فیاضانہ کوشش فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ انہوں نے ہمارے ہاتھ میں ایک ایسا رسالہ دے دیا جس میں ہم اپنے خیالات کا اظہار کرسکیں اور اپنے مقاصد اور اصولوں کی طرف دوسروں کی توجہ منعطف کرسکیں۔ اُن کا وجود باوجود علاوہ ازیں ہمارے اور ہمارے مشرقی بھائیوں کے درمیان میل اور ملاپ کی کڑی ثابت ہوا۔ برطانیہ میں اسلام کا درخت خوب نشو ونما پا رہا ہے۔ اور پھل رہا ہے برٹش مسلم سوسائیٹی اس کا پہلا پھل ہے۔ خدا کرے آئندہ یہ اس سے بھی زیادہ پھلے اور پھولے۔ اس قسم کی سوسائیٹی کی سخت ضرورت تھی۔ اور درحقیقت یہ اس لئے ضروری تھی۔ کہ حضرت نبی کریم صلعم کے اُس حکم کی تعمیل ہو جائے۔ جو آپ نے فتح مکہ کے بعد مکہ کے باہر پہاڑی پر دیا۔ اور وہ حکم یہ تھا۔ کہ کل مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی ہونا چاہیئے۔ مجھے توقع ہے۔ کہ یہ سوسائیٹی ہمیں ایک دوسرے سے

باخبر رکھے گی۔ خواہ ہم کوسوں دُور ہوں ہمیں ایک عظیم الشان اخوت میں باندھ دے گی۔ ہمیں اسلام کے صراط مستقیم پر چلا دے گی۔ اور ہم میں سے ہر ایک میں ایک قوت پیدا کرے گی۔ تا زندگی کی کشمکش اور انسانی اخلاق فاضلہ اور مذہب اسلام کے قیامت تک باقی رہنے والے اصولوں کی حفاظت اور اشاعت کے لئے جدوجہد میں ہم کامیاب ہوسکیں۔ میں امید رکھتا ہوں۔ کہ یہ سوسایٹی دنیا کے پردہ پر جو بھی مسلمان بھائی ہے۔ اس سے ہمیں باخبر اور تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ اتفاق و وحدت ایک طاقت ہے۔ خدا کرے یہ سوسایٹی ہم میں اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے درمیان میل وملاپ کی ایک کڑی ثابت ہو۔ اور سب کو ایک اور کبھی نہ ٹوٹنے والی زنجیر میں جمع کرکے باندھ دے۔ اور اس زنجیر کے حلقہ کے اندر مشرق ومغرب افریقہ وامریکہ سبھی تو آجائے۔ ہم نے سلطنت برطانیہ کے عین قلب میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا ہے۔ اس کے ریشمی پھریرے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ شرفا وصلحا مرد اور شریف اور نیک خاتونیں اس کے نیچے جمع ہو رہی ہیں۔ آؤ ہم کوشش کریں۔ کہ اس جھنڈے کے پھریری بے داغ و بے لوث اُڑتے رہیں۔ ہاں اسی طرح بے داغ و بے لوث جیسا کہ چودہ سو برس قبل عرب کی چلتی بلتی ریت پر اُڑتے تھے۔ ہم سب پر یہ حق ہے۔ اور ہم سب کا یہ حق ہے۔ کہ ہم اپنی قوم میں سب سے پہلے آدمی ہوں۔ جو اُن اصولوں کی حمایت کریں۔ جن کے لئے یہ جھنڈا گاڑا گیا ہے۔ اور سچائی کی حمایت میں بہتان اور افتراؤں کا جو اسلام پر لگائے جاتے ہیں۔ مقابلہ کریں۔ اور اپنے اُن ایمانوں کو بلاخوف وخطر ظاہر کریں۔ جو ہم میں ہیں۔ اور ہماری ملکیت ہیں۔ اسلام ہمیں ایک عظیم الشان ورثہ ملا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اس پر کوئی حرف نہ آنے دیں اور اسی آب وتاب کے ساتھ اُن کے سپرد کریں۔ جو ہمارے بعد آ دیں

اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑ جائیں۔ کہ وہ اس پر فخر کریں۔ اور اس کے ذریعہ انصاف اور سچائی کی راہ کو زیادہ پختگی سے طے کر سکیں۔ اور اس کی مدد سے اُن بلندیوں پر چڑھ جائیں۔ جو ہم کبھی نہ چڑھے ہوں۔ اور اپنے خیالات اور مقاصد اس قدر اعلیٰ مقامات پر پہنچا سکیں جو ہمارے وہم وگمان میں کبھی نہ گذرے ہوں۔ ڈرو نہیں۔ وللاخرۃ خیر لک من الاولی مستقبل ماضی سے تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس میں اخلاص اور دیانت سے کام لو۔ کام کئے جاؤ۔ کیونکہ کام ہی ہے۔ جس سے انسان مقاصد تک پہنچتا ہے۔ اور اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ ہاں اس پاک انسان کی طرح جس کو بیابان کے عرب الامین کہتے تھے۔ تم دلوں کو مضبوط کرو۔ اور استقلال سے کام کئے جاؤ۔ اور اپنے کل کاموں میں صدق ووفا سے کام لو۔ ایسا کرو گے تو ضرور ہے۔ کہ تمہاری کوششوں کو فتح اور کامیابی کا تاج پہنایا جائے۔ اسلام کے لئے بڑھے چلو۔ یا ال الاسلام اسلام کی جے پکارے جاؤ۔ یہی تمہارا امتیازی نعرہ ہو۔ اور تم مظفر و منصور ہوگے۔ اللہ تم سب کے ساتھ ہو۔ السلام علیکم

راقم یحییٰ النصر پارکنسن

ایک چٹھی ایڈیٹر اسلامک ریویو کے نام

جناب من - ایک مسلمان دوست کی مہربانی سے کچھ عرصہ سے میں اسلام پر لکھی ہوئی مقبول عام کتابوں کا مطالعہ کر رہی ہوں جن میں سے میں سید امیر علی صاحب کی قابل تعریف تصنیفات کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ اسلام میں حقوق نسواں کے متعلق اُن کے ایک رسالہ نے مجھے خاص طور پر نفع دیا۔ دوسری مشہور کتب میں سے جنہوں نے میرے دل پر خاص طور پر اثر کیا ہے۔ وہ ہلیل ہلید کی تصنیف "ہلال بمقابلہ صلیب" ہے۔ نیز لیڈر کی تصنیف "اسرار مصر و مذہب اسلام" اور کارلائل کی کتاب "ہیرو نبی کے رنگ میں" ہے۔

میرے بغور مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت محمدؐ کی جو عظیم الشان نبی اور مصلح ہیں۔ اور اُن کے حریت پسند مذہب کی حد درجے کی تعریف میرے قلب میں پیدا ہو گئی ہے اور اب اس مذہب کو قبول کرتے ہوئے میں اپنے اندر بڑی تسلی اور خوشی محسوس کرتی ہوں۔

اگرچہ میں تسلیم کرتی ہوں۔ کہ اصلاح شدہ عیسویت ایک بڑا مذہب ہے۔ مگر پھر بھی یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ کہ اسلام نہ صرف عیسویت کے بہترین اصولوں کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ بلا شک وشبہ اپنے فلسفیانہ اور روحانی خیالات میں اور ان اصولوں میں جو بہتر تمدن اور معاشرت سکھلاتے ہیں۔ اسلام عیسویت پر بہت بڑھ چڑھ کر فوقیت رکھتا ہے

میں آپ کو اپنے ان خیالات اور قبول اسلام کے متعلق اس لئے اطلاع دیتی ہوں کہ ممکن ہے کہ آپ کے لیے اور آپ کے قیمتی اسلامک ریویو کے ناظرین کیلئے دلچسپی کا باعث ہو۔ میں اپنا دستخط اسلامی نام میں کرتی ہوں۔

آپکی صادق آمینہ (مس بے بمفورڈ) کیو روڈ رچمنڈ ایس ڈبلیو نومبر ۱۹۱۲ء

ایک چٹھی بنام اخی المکرم خالد شیلڈرک

از سائیکمور ہوس - ووراِل متصل شفیلڈ - مرقومہ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۴ء

برادر عزیز! مَیں غفلت کی وجہ سے آپ کو جلد خط نہ لکھ سکا۔ مَیں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں - کہ آپ مجھے ہمیشہ اسلامک ریویو بھیجتے رہتے ہیں - جس کا آنا میرے لئے خوشی کا باعث ہوتا ہے - اور جسے مَیں دوسرے احباب کو بھی جو عالمگیر مذہب کے متعلق دلچسپی رکھتے ہیں - پڑھنے کے لئے دے دیا کرتا ہوں - اسلامک ریویو کے خیالات اور مقاصد ایسے منتخب اور وسیع ہیں کہ معلوم ہوتا ہے - کہ نسیم سحری کی طرح حقیر مذاہب اور لغو عقاید کی کہر کو صاف کر دیں گے ؛

کچھ اپنے متعلق مَیں عرض کرتا ہوں - اور نہایت آزادی اور راستی سے کہتا ہوں - امید ہے - کہ آپ صاف گوئی کو پسند کریں گے - میری مذہبی زندگی کا نشوونما آہستہ آہستہ ہوتا رہا ہے - مذہب عیسوی کے ایک نہایت متعصب فرقہ بیپٹسٹ کے مطابق مجھے تعلیم ملی تھی - گر رفتہ رفتہ مَیں اس قدر ترقی کر گیا - کہ مذاہب کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا - کئی سالوں تک تو مجھے شک ہی رہا - کہ مذہب واقعی کچھ چیز بھی ہے یا نہیں - لیکن موجودہ اسپرچوازم (علم روحانیات) کے متعلق تحقیقات نے مجھے یہ یقین دلا دیا - کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ضرور ہے - اگرچہ اس کا یہ نتیجہ ہوا - کہ جو مذہبی خیالات مجھے سکھلائے گئے تھے - وہ سب درہم برہم ہو گئے - پھر مَیں نے برہمنوں کا مذہب اور بدھ مذہب کا مطالعہ کیا - اور مجھے علم ہیئت اور ان بنیادی علوم سے دلچسپی پیدا ہو گئی - جن سے مصر اور یونان کے قدیم مذہب نکلے تھے - کنفیوشس کے حالات زندگی اور اُس کی تعلیم بھی مجھے بہت اچھی

معلوم ہوئی۔ الغرض ان تمام مطالعوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ عالمگیر مذہب کے اصل الاصول میں یہ باتیں ضرور ہونی چاہئیں۔ کہ علیم و رحیم خدا کی تعظیم و عبادت اور خدا کی پیدا کردہ مخلوق سے عقد اخوت باندھکر نسل انسانی کی خدمت ہو ◆

میں اب بھی سپرچولسٹوں کی مجلس سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور اس کی قومی کونسل میں شریک ہوتا ہوں۔ لیکن اسلام کا جو کچھ میں نے مطالعہ کیا ہے خاص کر اسلامک ریویو کے ذریعہ اور قرآن کے ذریعہ جس کا انگریزی ترجمہ جسے میں نہایت ناقص ترجمہ سمجھتا ہوں میرے پاس ہے۔ جو کچھ میں نے اسلام کے متعلق معلوم کیا ہے تاکہ جب میں خود روحانیات (سپرچولزم) کی تائید میں تقریر کرتا ہوں (اور جو میں اکثر کرتا ہوں) تو در اصل میں اکثر اسلام ہی کے اصولوں کی تائید کیا کرتا ہوں۔ جب جب میں ان اصولوں سے عیسائیت کا مقابلہ کرتا ہوں۔ تو عیسائیت کو ان کے سامنے ہیچ پاتا ہوں۔ میں کہاں تک مسلمان ہوں یہ میں نہیں جانتا لیکن میں جانتا ہوں کہ خدا کے فضل سے ایکدن میرے لئے یہ معاملہ صاف ہو جائیگا۔ مثلاً اسلامک ریویو کے موجودہ پرچے کے صفحہ ۵۰ پر ایڈیٹر نے سوال کیا ہے۔ کہ "اسلام کیا ہے" اس کے جواب کو بغور پڑھنے سے میں یہ پاتا ہوں۔ کہ جو کچھ اسلام کی تعریف بیان کی گئی ہے میں حرف بحرف اس سے اپنے آپ کو متفق پاتا ہوں ◆

یہ سچ ہے۔ کہ اسکی بعض باتوں کو میں خود دوسرے لفظوں میں بیان کرتا۔ لیکن بہرحال میں اس سارے بیان کے متعلق آمین کہتا ہوں۔ اور اس کو میں بطور اپنے عقیدہ کے قبول کرتا ہوں ◆

میرے مذہبی خیالات میں یہ بات شامل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو جو اسکی مخلوق ہے۔ اپنی منشا کے پورا کرنے کے لئے منتخب کیا کرتا

ہے وہ مجھ میں اور اسلام کے پیروں میں اس قدر اشتراک اور اتفاق پیدا کر دیتا ہے

ہے۔ امید ہے کہ ہم بھی اُس کے بندوں میں داخل ہونے کے لیئے ویسا ہی
حق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ابراہیمؑ ۔ اسحاقؑ ۔ یعقوبؑ ۔ موسیٰؑ ۔ عیسیٰؑ اور
حضرت محمد صلعم رکھتے تھے۔ اگرچہ اُن سے کم درجہ پر۔ مگر جہاں تک اللہ
تعالیٰ اپنے فضل سے توفیق بخشے۔ اور یہ بھی میرا خیال ہے۔ کہ ہمارا
یہ حق مرنے کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ہمیشہ [illegible] بشرطیکہ ہم خدا
کی عبادت اور اسکی مخلوق کی خدمت کرتے رہیں [illegible] میں اے میرے
بھائی تم سمجھ سکتے ہو کہ میں [illegible] مقام پر ہوں۔ اور اگر تم میری مدد کرو تو میں
تمہارا نہایت شکر گذار ہونگا ۔

مجھے نہایت پسند تھا [illegible] ہندوستان میں آ کر اگلے اتوار کو لارڈ
ہیڈلے کی تقریر [illegible] کی وجہ سے یہ ناممکن ہے میں دنیوی
زر و مال کے لحاظ سے تو غریب آدمی ہوں [illegible] خوشی اور دوستوں
کے لحاظ سے بڑا امیر آدمی ہوں [illegible] سے یہ حالت ہمیشہ نہ رہے لیکن
اگر خدا نے توفیق دی [illegible] کرتا رہونگا۔ خدا کی رضا
کی معرفت نامہ کے [illegible] ادا کرنے
میں ہمیشہ ساعی رہوں گا ۔

برٹش مسلم سوسائیٹی کی [illegible] کے لیئے میں تہ دل سے دعا کرتا ہوں
اور میں جہاں تک بن پڑے گا کوشش کرونگا۔ کہ قابل لوگ شریک
ہوسکیں ۔

اس خطرناک جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کا رحم اپنا کام کر رہا ہے ۔
کیونکہ ہر رنگ و مذہب کے لوگ آج دوش بدوش لڑ رہے ہیں الحمد
للہ۔ کہ لوگوں کے درمیان سے رنگ و مذہب کی امتیازی دیوار
ٹوٹتی جا رہی ہے جس میں سے رنگ کی دیوار سب سے سخت تھی ۔
میں دعا کرتا ہوں۔ کہ یہ رنگ کا امتیاز دنیا سے جلد اٹھ جائے ۔ اور

اُس وقت لوگ سچائی پر غور کریں گے ۔ جو اسلام پیش کرتا ہے ۔ وہ ہے توحید اور وحدت ٭

آخر میں بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اور مبارکباد دیتا ہوں تم پر خدا کا سلام اور برکتیں نازل ہوں ٭

تمہارا بھائی ارنسٹ ڈبلیو اوٹن

برٹش مُسلم سوسایٹی

افتتاحی ایڈریس

(از سیف الرحمٰن شیخ رحمت اللہ فاروق لارڈ ہیڈلے)

انگریز نومسلموں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ یہ ضروری معلوم ہوا کہ ان نومسلموں کی ایک باقاعدہ انجمن ہونی چاہیے جس میں وہ باہم مل کر تبدیل خیالات کر سکیں ۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ اور ملاقات بڑھائیں ۔ اور ان کے اندر اسلامی اخوت کی سچی روح پیدا ہو ۔ اور دین اسلام کی ترویج اور اشاعت کے لئے وہ تجویز بھی کوشاں رہیں ۔ اور اس اسلامی تحریک کے لئے جو انگلستان میں قایم کی گئی ہے اور جس کا مرکز ووکنگ ہے ۔ یہ ایک تائید ہو ۔ چنانچہ برٹش مسلم سوسایٹی یعنی انگریز نومسلموں کی انجمن کی بنیاد ۱۹۱۴ء میں رکھی گئی ۔ اور اس کے پریزیڈنٹ لارڈ ہیڈلے بالقابہ اور وائس پریزیڈنٹ یحییٰ النصر پارکنسن قرار پائے ۔ اور اس کے ممبروں کی تعداد روز افزوں ہے ۔ اس سوسایٹی کا سب سے پہلا جلسہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۴ء کو

ہؤا جس کی مفصل روئیداد دوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہے۔ نیچے لارڈ ہیڈلے کی افتتاحی تقریر کا ترجمہ دیا جاتا ہے +

اس تقریر کو پڑھتے وقت ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس بات کو بھول نہیں جانا چاہیئے کہ واقعی جن لوگوں کو اشاعت اسلام سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہی اس کی مشکلات کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کس قدر تدریجی تھی۔ ابتدا میں آپ کا وعظ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی تھا۔ پھر جوں جوں لوگ اس بات پر پختہ ہوتے گئے۔ ان کو دین کی اور باتیں سکھائی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ نے ربانی کے معنے جسے ہم آج عالم ربانی کہیں گے ان الفاظ میں بیان فرمائے۔ من یربی الناس بصغار العلم قبل کبارھا۔ پھر احادیث کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو جو امام یا مبلغ ہوتے باربار یہی سمجھایا کرتے تھے کہ لوگوں پر اس قدر بوجھ نہ ڈالو۔ کہ وہ دین سے متنفر ہی ہوجائیں۔ معاذ بن جبل کو اہل یمن میں تبلیغ کے لئے آپ نے کیا ہدایات دیں کہ پہلے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سکھاؤ۔ پھر دین کے دوسرے امور۔ آج بھی جن لوگوں کو اس کام کی مشکلات سے واقفیت ہے۔ وہ اس اصول کو ہی اشاعت اور تبلیغ کا اصول زرین مانتے ہیں۔ اور جو شخص تدریجی طریق اشاعت پر معترض ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر معترض ہوتا ہے +

لارڈ ہیڈلے کی اس تقریر میں جو نیچے درج ہے۔ ہمارے لئے بڑی خوشی کا مقام یہ ہے۔ کہ یہ نومسلموں کی انجمن جن میں سے اکثر لوگوں کے اسلام پر قریباً ایک سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گذرا۔ اشاعت اور تبلیغ کے اہم مقصد کو اپنا اولین مقصد قرار دیتے ہیں۔ یہ وہ امر

تھا۔ کہ اگر ہمارے دلوں میں [illegible] اسلام کی کچھ تڑپ ہوتی تو
لارڈ ہیڈلے کی اس تقریر پر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ کہ ان
نومسلموں کے دلوں میں [illegible] ہے۔ کہ وہ خود دین
اسلام کے خادم بن جائیں۔ مگر ہم نے مسلمان بھائیوں کا نقشہ تو
پہلے [illegible] نے خوب کھینچ دیا۔ [illegible] بصد نکتہ نغز گوش
[illegible] اپنے بھائیوں
[illegible] رہتی
ہیں۔ اس تقریر میں سے بعض [illegible] بالکل [illegible] اصلی
تقریر کے یہ ستے نکال [illegible] کیا ہے کہ
لارڈ ہیڈلے نے اپنی تقریر [illegible] شراب کا
[illegible] کر دیا ہے۔ اور اس [illegible] طور پر سوائے
اس کے [illegible] معلوم ہوا وہ مسلمان ہی ہیں
[illegible] مسلمان
کرنے کی تجویز ہی فضول ہے۔ [illegible] اس تقریر کو غور سے پڑھیں۔ اس
کا اصل [illegible] مسلم
بھائیوں کو اشاعت اسلام اور تبلیغ اصول حقہ کی تحریک کرتے ہوئے
یہ کہتے ہیں۔ کہ تم پہلے اصول دین کو محکم پکڑ کر ان کو پھیلاؤ۔ اور میرے
خیال میں گو الفاظ مختلف ہوں۔ گو کسی جگہ بوجہ واقفیت تامہ کے نہ
ہونے کے اظہار خیالات بالکل درست طور پر نہ ہوا ہو۔ مگر اصل منشا
اس تقریر کا یہی ہے۔ جو [illegible] کی [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمائی ہے۔ یعنی پہلے لوگوں کو دین کے اہم اور آسان امور سکھاؤ۔ پھر
اس کی مشکل باتیں سکھاؤ۔ بیشک اس کو غور سے پڑھا جائے۔ اصل
منشا اس کے سوائے کچھ نہیں۔ اور اس قسم کی اس تقریر کے فقرات

سے جیسے مثلاً لارڈ ہیڈلے نے کہا ہے کہ انگریزی قوم کی مصروفیتیں
اس قسم کی ہیں کہ بعض وقت ان کو نماز پڑھنے کے لئے بھی وقت نہیں
ملیگا۔ تو ایسی صورت میں وہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔ اس کا منشاء بھی
یہی ہے کہ اگر تم پہلے اس بات پر زور دو گے کہ پانچ وقت کی نماز
میں اوقات مقررہ پر ادا کرنا بھی اسلام کا اصل الاصول ہے تو خواہ
مخواہ لوگوں کی طبیعت اسلام کی طرف سے بیزار ہو جائیگی۔ بلکہ وہ
لکھتے ہیں کہ پہلے تم اصولی باتوں کو جو اسلام سے متعلق ہیں پیش کرو انکی
خوبصورتی اور سادگی پر جب لوگ فریفتہ ہو کر خود ہی اس طرف کا رخ کریں
گے۔ تو پھر ان کو وہ باتیں بھی سکھائی جا سکتی ہیں۔ جو ابتدا میں ان کو
نہایت مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ اور جن سے اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوگی
ناظرین کہتے ہیں کہ ان باتوں کا نماز کو چھوڑ کر نو مسلموں سے توجہ
ترک کرنا جس کو پانچ وقت کے مسلمان پورا نہیں کر سکتے۔ یہ کہاں
کا انصاف ہے۔ کیا یہاں سب مسلمان باقاعدہ پانچ وقت مسجدوں
میں نماز پڑھتے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ بعض مسلمان نماز نہیں پڑھتے
ہم کو آئندہ تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تک چھوڑ دینا چاہئے جب
تک کہ پہلے سارے مسلمان پانچ وقت مسجدوں میں جا کر جماعت کے
ساتھ نماز ادا نہ کریں۔ اور پھر اگر واقعی نماز کے پانچ وقت ادا
کرنے میں مشکلات نظر آتی ہیں۔ تو کیا یہ ہمارے ہی طرز عمل کی وجہ
سے نہیں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ولایت میں
گئے۔ پھر انہوں نے کون سا نمونہ اپنے نمازی ہونے کا وہاں پیش کیا
جس سے انگریزی قوم کے دلوں پر نماز کی عظمت کا رعب بیٹھ جاتا۔
یہی نمونہ ہے۔ کہ وہاں جا کر نماز کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ اور کسی
دوسرے کے سامنے نماز ادا کرنا تو ایک طرف رہا۔ گھر میں بھی،

کوئی پڑھنے والا نہیں۔ یا یہ محض خدا کا فضل ہے۔ کہ تو مسلم تو ایک طرف رہے۔ وہ کتنے ہیں جو [illegible] نمازوں میں شامل ہوتے۔ اور قرآن شریف کے [illegible] ہیں۔ جنہوں نے ابھی تک اپنے اسلام کا اعلان بھی نہیں کیا۔ میرے خیال میں [illegible] وہ مسلمان جو ولایت میں ہیں۔ سارے کے سارے [illegible] ذکر کرنے لگ جائیں۔ تو نماز خود ایک [illegible] ہے۔ کہ [illegible] لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔ لیکن جب [illegible] باقی نہ ہو۔ اس کو وہ شکل نظر آتی [illegible]

یہ میری تقریر گویا [illegible] ہے۔ جو اس وقت بالکل ابتدائی [illegible] ہوں۔ کہ اپنی تقریر اس سوسائٹی [illegible] چاہتا ہوں۔ کہ [illegible] طریق کا بھی ذکر کروں۔ جس پر [illegible] اسلام کی مبارک صداقتوں کی اشاعت [illegible]

مجھے تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ میں عقیدتاً مسلمان ہوں۔ اس مذہب کی شاندار صداقت اور سادہ تعلیم [illegible] مذہب کا پروہتانہ اصولوں سے پاک ہونا یعنی کسی ایسے گروہ کو تسلیم نہ کرنا جو محض منصباً مقدس سمجھے جائیں۔ اور خلاف عقل باتوں کو تسلیم نہ کرنا۔ یہ وہ امور ہیں۔ جو اگرچہ بذات خود مجھے اسلام کی طرف کھینچ لے جانے کے لئے کافی تھے لیکن ان کے ماورا اور بھی بعض زیادہ [illegible] زیادہ تر یقین دلانے والے امور ہیں جن میں بعض متواترہ کشوف بھی ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ ان امور نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنےٰ سا خادم بنا دیا۔ یہ باتیں مصائب میں میری راحت کا باعث ہوئیں انہی امور نے مجھ میں مقابلہ کی طاقت پیدا کر دی جبکہ بدی کی طاقتیں

مجھے مغلوب کرنے پر تھیں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں نے اپنی نجات کے لئے کبھی بپتسمہ پر ایمان لانا یا عیسائی مذہب کے کسی فرقہ کو قبول کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس لئے میرے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ میں نے کوئی ایسا مذہب چھوڑا جس پر مجھے یقین تھا۔

میرے نزدیک ہمارا پہلا مدعا یہ ہونا چاہئے۔ کہ ہم اپنے ملنے والوں کو اطلاع دیں۔ کہ ہمارا مذہب اس مذہب کا دشمن نہیں جس کا نام عیسائیت ہے۔ بلکہ اس میں شش صد سالہ مزید نور و ہدایت ہے۔ اور عیسائیت کی طرح یہ مذہب بھی ان فرائض پر مشتمل ہے۔ جو ہم پر خدا کے اور ہمارے ہمسایگان کے ہیں۔ کوئی وسیع القلب اور روشن دماغ عیسائی پادری ہم پر متنازعہ فیہ امور پر بحث کرنے پر اعتراض نہ کریگا۔ اور اگر ہماری بحث کا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ تو پھر کسی شکر رنجی کا موجب نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ نوع انسانی کے فائدے کے لئے کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس وقت ہزارہا ایسے اشخاص ہیں جو دل سے مسلمان ہیں لیکن مخالف نکتہ چینی کے خوف سے وہ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتے۔ ہاں جو میری طرح مختلف فرقہ جات عیسویت کی مخالفانہ تعلیم کی اطاعت کرنا اپنے لئے ناممکن سمجھیں۔ وہ اس سیدھے سادھے مذہب کو قبول کرنے میں کوئی تکلیف نہ پائیں گے جس نے ہر ایک انسانی خیال و خواہش کو خدا اور صرف خدا کی کامل فرمانبرداری پر ختم کر دیا۔ ایک اور جماعت بھی یہاں ہے جو کسی مذہب مروجہ یورپ کو اپنے موافق نہ پاکر عملاً دہریہ بن بیٹھی ہے۔ میرے نزدیک اس جماعت کے لئے اسلام بہت ہی موزون ہوگا۔ کیونکہ حقیقی خوشی تو انسان کے لئے اس عقیدہ پر زیادہ تر وابستہ ہے۔ کہ اسے نصرت الٰہی پر بھروسہ ہو۔ اور آیندہ زندگی پر یقین۔ اس جماعت کی معقولیت کو اسلام اپنی طرف متوجہ کریگا۔ اور وہ اپنی عقل کے ذریعہ روحانی بلند

پروازیوں کے متعلق تحقیق کر سکیں گے ؂

ہم مسلمان صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ ہماری باتوں کو اچھی طرح سُنا جائے اور اُن پر غور کیا جائے ہمیں یہ یقین کامل ہے۔ کہ اگر اہل انگلستان ایک دفعہ سمجھ جائیں۔ کہ اسلام کیا ہے۔ تو ہمارا عام فہم اور طبعی خواہشیں جو ہم سب میں ہیں۔ اور جن سے ہم اپنی معقولیت اور جذبات کو مخاطب کرتے ہیں۔ یہ ان تمام غلط فہمیوں کو دور کر دینگی۔ جو اس وقت موجود ہیں۔ یوروپین اسلام کو عموماً وحشیوں کا مذہب سمجھتے ہیں لیکن اگر ان کو علم ہو جائے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب اور دیگر ممالک سے کس قدر وحشیانہ حالات کو دور کیا۔ تو وہ فی الفور اپنی موجودہ رائے کو بدل دینگے۔ یہ کس قدر شرمناک اور تکلیف دہ امر ہے۔ کہ ان عیسائیوں نے اسلام کے متعلق غلط فہمیاں اور مغالطے پھیلانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ یہ سب انہی کا قصور ہے۔ خواہ اپنے خیال میں انہوں نے نیک نیتی سے ہی کیا ہو۔ میرے دل میں کئی دفعہ یہ خیال گذرا کہ اگر یہ لوگ نجات کے متعلق کم گفتگو کیا کریں۔ اور سچ بولنے کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ تو شاید لوگ ان کی زیادہ عزت کریں۔ ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ ہم ان تمام دوستوں کو جنہیں اس طرح دھوکا دیا گیا ہے۔ اس امر سے اطلاع دیں۔ کہ یہ بھی اعلان کرنا چاہیئے۔ کہ اسلام وہ مذہب ہے۔ جو دنیوی طاقت سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ میں نے کسی اور جگہ لکھا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک متبع اس اجر کو اپنے سامنے رکھتا ہے جو دنیاوی مفاد سے اتنا ہی ارفع ہے۔ جیسے سورج کی روشنی سراب کی چمک سے اس مذہب میں نہ کوئی پوپ ہے نہ بشپ اور نہ کوئی اس قسم کے معلمان دین ہیں۔ جن کو بڑی بڑی تنخواہیں اور روزینے ملنے چاہئیں۔ کیونکہ خود خدا اس روحانی کلیسیا کے سر پر ہے۔ مغرب کے مذاہب علی العموم ایام وسطیٰ کی جہالت

وتاریکی کا نتیجہ ہیں - اوران میں کوئی تطابق جناب موسیٰ یا عیسیٰ کی تعلیم سے نہیں پایا جاتا - یہ بات ہم اسلام کے متعلق نہیں کہہ سکتے - جو کامل سادگی اپنے اندر رکھتا ہے - اور اسکی تعلیم صاف اور پاکیزہ ہے - کہ اس کے متعلق ذرہ بھی شبہ نہیں ہوسکتا - کہ اس کے اندر آنحضرت صلعم کی تعلیم میں کسی قسم کی تحریف ہوگی ؛

یہ بیان کرنے کے بعد کہ اسلام ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قایم ہے اور ایک ایسا مذہب ہے - جو انسان کے فطرتی جذبات اور اسکی عقل کو تسلیم کرتا ہے - میرے نزدیک ہمارے سامنے ایک نہایت ہی مشکل اور نازک کام ہے - جو ہماری با احتیاط توجہ کو چاہتا ہے - ہمیں اہل مغرب کو یہ کہنا ہے کہ اس مذہب کو عام طور پر قبول کرلینے سے ان کے خاص مغربی وضاع و اطوار میں چنداں فرق نہ آئیگا - اور نہ یہ امر قرآنی تعلیم کے اصول کے خلاف ہوگا - اسلام میں کچھ اس قسم کا تطابق ہے - کہ وہ ہر ایک وقت کو جو راہ میں آئے یا پیدا ہو - پورا کر سکتا ہے ؛

مشرق اور مغرب کے حالات زندگی بہت حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں - اور نہ وہ عادات و رواج اس وقت موجود ہے - جو آج سے تیرہ سو برس پہلے موجود تھے - لیکن وہ عظیم الشان اور بنیادی اصول جو آنحضرت صلعم نے اس وقت قایم کئے - اور آج بھی ویسے ہی صحیح اور مناسب حال ہیں - جیسے وہ آپ کے زمانہ میں تھے - روشنی اور ظلمت - راستی اور ناراستی میں امتیاز ہزاروں برس سے چلا آیا ہے اور ایسا ہی چلا جائیگا - ہمیں بھی یہ تمیز سامنے رکھنی ہے - . . . .

جب ہمیں یہ کہتے ہیں - کہ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ پر ایمان رکھنا ہماری نجات کے لئے ضروری ہے - اور یہ وہ امر ہے - جس کے قبول کرنے میں ہم کوئی غیر معقول بات تسلیم نہیں کرتے - اس اسلام کے

ماننے میں کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی اہل مغرب اس پر اعتراض کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بعض مراسم اور شعار پر بہت زور دیا جائے۔ جو آج سے تیرہ سو برس پہلے کے خاص لوگوں کے مختلف حالات اور مختلف آب وہوا میں مناسب حال تھے۔ اور یہ زور دیا جائے۔ کہ یہ مراسم اصولاً اہم ہیں۔ تو ہمارے لئے اس وقت ترقی کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اور ہم پر بھی وہی اعتراض آئیگا۔ جو ہم عیسائیوں پر کیا کرتے ہیں۔ مثلاً بپتسمہ یا الوہیت مسیح یا پر ایمان نجات کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے دعویٰ کے ثبوت میں ہمارے پاس ایک بڑی مضبوط اور یقین دلانے والی دلیل ہے جس سے ہم ایک مغربی کو اپنا ہم نوا کر سکتے ہیں۔ جو یہ ہے کہ ایک سچے مسلم کے دل میں کبھی شرک اور دوئی کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ بات اسلام کو آیندہ کا سب سے بڑا مذہب بنا دیگی۔ عیسائیت میں اتحاد ووحدت کی سخت کمی ہے۔ لیکن اسلام میں ہر ایک چیز ایسی موجود ہے۔ جو ایک مخلوق کی اپنے خالق اور کل مخلوقات کے قادر مطلق محافظ کے ساتھ متحد ہونے اور اس کی طرف جانے کی خواہش کو پورا کرتی ہے ؂

مَیں یہ بھی خیال کرتا ہوں۔ کہ اپنے دلائل کو پیش کرنے میں بھی یہ بتا دینا چاہیئے۔ کہ بہت سے مذاہب روحانیت کے بلند مقصد کو بعض تنگ عقاید کے نیچے چھپا دیتے ہیں۔ جو اکثر اوقات پروہتوں کے تجویز کردہ ہوتے ہیں۔ ایک سچا مسلم اس بات کو محسوس کرتا ہے۔ کہ جہاں کہیں بھی وہ ہو۔ وہ اللہ تعالےٰ کے حضور۔ ہاں اُس خدا کے حضور جو سب کچھ دیکھتا اور ہر شے پر قادر ہے۔ خود حاضر ہو سکتا ہے۔ اور اُس کی بارگاہ میں قرب پا سکتا ہے۔ اور بہشت کی چابی کسی خاص شخص کے ہاتھ میں نہیں بلکہ وہ ہر شخص کے لئے موجود ہے۔ اور ایک عاجز سے عاجز انسان ہاں وہ انسان بھی جو بدترین حالت میں نظر آتا ہے۔ کسی مرشد یا عالم یا پادشاہ

کی مدد کے بغیر اس چابی سے اپنی مقصد کشائی کر سکتا ہے۔ یہ اُس مبارک ہوا کی طرح ہے جس میں سانس لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے کی ساری مخلوق کے لئے اس کے خزانے کھلے ہیں۔ اور وہ لوگ جو انسانوں کو اس کے خلاف خیال کرنے کی راہ پر . . . . لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غالباً کچھ ذاتی اغراض رکھتے ہیں ؎

اب میں ایک اور امر پر غور کرتا ہوں۔ جو کسی صورت میں فروگذاشت کے قابل نہیں ہے۔ اس سوسایٹی کا پہلا پریزیڈنٹ ہونے کے لحاظ سے میں خیال کرتا ہوں کہ میں ان تمام لوگوں کے خیالات کا ترجمان ہونگا۔ جو ہماری اس انجمن میں کسی قسم کی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں۔ کہ ہمیں ملکی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کریں۔ تو اس کا انجام یقیناً رنجیدہ ہوگا۔ خواہ آپس [illegible] اندرونی اختلافات کی وجہ سے یا بیرونی طور پر کسی رنگ میں حکومت کے ساتھ تصادم کی وجہ سے اس موجودہ جنگ میں ہم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ اس طرح پر قوم کے مختلف فریقوں نے خیالات قوم کے تحفظ کی خاطر بالائے طاق رکھ دئے ہیں۔ اور ہم یہ اپنے لئے آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں۔ کہ ملکی سوالات کی بحث اشاعتِ اسلام کے مقصد میں کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہیئے۔ میں اس پر زیادہ روشنی ڈالنے کی خاطر اور مشکلات سے بچاؤ کی ایک مثال دینے کے لئے ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا ہے۔ مجھ سے یہ درخواست کی گئی تھی۔ کہ میں ایک ایسی انجمن کا وائس پریزیڈنٹ ہونا منظور کروں۔ جو ایک خاص اسلامی سلطنت کی حمایت کے لئے قایم کی گئی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ بعد یا اُسی وقت کے قریب مجھ سے یہ بھی درخواست کی گئی۔ کہ میں ایک ایسی انجمن میں شامل ہوں۔ جو اس ملک کے ساتھ ہمدردی کرنے کے لئے

بنائی گئی تھی۔ اب اس وقت ہمدردی کے سوال کو الگ رکھکر میں نے
اس بات کو محسوس کیا۔ کہ ان میں سے کسی انجمن میں شامل ہوکر میں اپنے
آپ کو ایک ایسے ملک کے اغراض کا معاون ٹھیرانے والا بن جاؤنگا۔
جس کی اغراض دشمن ہے۔ بعض وقت اسی مذہب کے دوسرے ممالک
کی اغراض کے ساتھ اتحاد نہ رکھتی ہوں۔ میرا اشارہ ٹرکی کی طرف ہے
یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے۔ کہ ٹرکی بہت عرصہ سے ایک برائے
نام عیسائی ملک کی باتوں پر کان دھرتی رہی ہے جس کی اغراض کسی
صورت میں اپنے اندر خلوص نہیں رکھتیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس
طریق سے کس قدر ٹرکی کو یورپ بلکہ ایشیا میں بھی نقصان پہنچنے کا خطرہ
ہے۔ اور ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتے ہیں
جو موجودہ [illegible] سلطان [illegible] کی [illegible] پہنچے ہیں۔ اور نوجوان ترکوں
کی ناعاقبت اندیشانہ [illegible] ہمدردی نہیں رکھتے۔ نہ ہی جرمنی
کے [illegible] دعا میں ایک
[illegible] یہودیوں [illegible] ترکوں [illegible] کو اکٹھا کرکے بیان کیا گیا ہے
جس سے شاید ناواقف لوگوں کو یہ خیال ہو۔ کہ سارے مسلمان ترک
ہیں۔ مگر ہم خوب سمجھتے ہیں۔ اور ان کروڑہا مسلمانوں کو جانتے ہیں۔
جو برٹش انڈیا اور دوسرے مقامات میں انگریزی سلطنت کی رعایا ہیں
اور جو کسی طرح پر ان دھوکہ دینے والی تدابیر سے دھوکا نہیں کھا سکتے
اور نہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ جنگ ایک مذہبی جنگ ہے۔ یہ بیشک سخت
رنجدہ بات ہے۔ کہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنی پڑی ہے
مگر اس کا کوئی چارہ نہیں۔ پس ان ٹرکش سوسائٹیوں میں شامل ہونے
سے انکار کرکے اب میں کلیتہً آزاد ہوں۔ اگر میں ان میں شامل ہوگیا
ہوتا تو میری پوزیشن اس وقت بڑی مشکلات کی ہوتی۔ کیونکہ میں وہ

ٹرکش سوسائٹیوں کا ممبر ہوتا حالانکہ ٹرکی میرے ملک کے خلاف جنگ کر رہی ہے۔ اور اس صورت میں استعفےٰ دینا لازمی ہوتا اور خواہ مخواہ ناخوشگوار باتیں پیدا ہوتیں۔ پس ہمارے لئے احتیاط کا طریق یہی ہے۔ کہ ہم ملکی مباحث اور ملکی جھگڑوں سے الگ رہیں۔ اور جہاں تک ہماری طاقت ہے۔ اس کو ہمیشہ دین اسلام کی اشاعت میں لگا دیں۔ جو کہ ہم سب دل کی سچی تڑپ سے چاہتے ہیں۔ کہ تمام ملکوں سے بت پرستی اور دہریت کو دور کر دے۔

ایک مشرقی رواج ایسا ہے جس کو اکثر سب باتوں سے بڑھا کر سامنے کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ عورتوں کے ڈرانے میں ایک ہوّے کا کام دے۔ میرا اشارہ تعدد ازدواج کی طرف ہے۔ یہ تو امر واقع ہے جس میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ بہت تھوڑے مسلمان ہیں۔ جن کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں۔ اور اس ملک میں کسی شخص کو یہ خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔ کہ اسلام کے اس ملک میں ایک مسلّم مذہب ہو جانے سے ایک مغربی قوم کے قوانین بدل جائیں گے۔ میرا ارادہ اس بات پر بحث کرنے کا نہیں ہے۔ کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ بعض حالات میں مفید ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ یہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس کے مروّج ہو جانے سے اس ملک میں بعض قسم کی تکالیف اور مشکلات بہت زیادہ پیدا ہو سکتی ہیں۔

تعداد ازدواج کے مسئلہ کو جس پر مشرقی ممالک میں بہت قدیم ایام سے عمل رہا ہے بعض حزم و احتیاط سے کام نہ لینے والے جوشیلے جن کا کام اسلام کو بدنام کرنا ہے "اسلامی رواج" کہہ دیتے ہیں۔ مگر ہم بھی مانتے ہیں۔ اور عیسائی مذہب کے پادری لوگ بھی خوب جانتے ہیں کہ یہ سچ نہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو توڑا۔

دختر کشی کو موقوف کیا۔ اور ایک ایسے ملک کے اندر جو ذلیل قسم کی بُت پرستی کی ہر قسم کی تاریکیوں میں غرق تھا۔ انہی مشرکانہ حالات کے اندر ایک انقلاب عظیم ترقی کی طرف پیدا کر دیا۔ اور اسی کے نوع انسان کے لیے مفید کاموں میں سے ایک یہ کام ہے۔ کہ اس نے موجودہ رواج تعدد ازدواج میں یوں اصلاح کی کہ ان عورتوں کی تعداد کی جو ایک مرد اپنے نکاح میں لا سکتا ہے حد بندی کر دی۔ میں خیال کرتا ہوں ہمیں اس بات کو صفائی سے [illegible] ہونا چاہیے کہ ان نکاح کے رواجات کو جو اس وقت موجود تھے ایک قاعدہ کے ماتحت لا کر [illegible] خدا کی کے اعلیٰ تصورات کا رستہ تیار [illegible] ایک قدیم الایام مشرقی رواج [illegible] کر دیا جائے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ایک بڑی بیداری [illegible]

اس بارہ میں قرآن کریم [illegible] آگے قدم اٹھا کر ایک ترقی کی حالت کی طرف [illegible] کیونکہ ان دونوں [illegible] ناموں میں جہاں [illegible] سمجھا [illegible] ہے۔ عورتوں کی تعداد کی جو ایک شخص نکاح میں لا سکتا ہے کوئی حد بندی نہیں کی گئی۔ سوائے ایک بشپ کے جس سے یہ امید ظاہر کی گئی ہے کہ "وہ ایک ہی بی بی کا خاوند ہو"۔

اب میں ٹمپرنس یعنی شراب سے پرہیز کے سوال کو لیتا ہوں۔ جب ہم اس امر پر غور کریں۔ کہ مغربی ممالک میں بہت سے جرائم اور تکالیف کی ذمہ وار الکوہال (شراب) کی بد استعمالی ہے ہم بالضرور اس مذہب کو خیر مقدم کہیں گے۔ جو ہر قسم کی منشیات و مسکرات سے روکتا اور پرہیزگاری کا سبق دیتا ہے۔ انگلستان اور دیگر یورپین ممالک

کے شراب کے بل پر ہی نگاہ ڈالی جاوے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ کروڑوں کی
رقم شراب پر خرچ ہوتی ہے۔ اور اس عظیم خرچ کے مقابل بہت ہی کم فایدہ
ہوتا ہے۔ اگر ہم شراب کے بغیر رہ سکتے۔ تو ہماری صحت نہایت ہی اعلیٰ
ہوتی۔ ہمارے ہاتھ میں ضروریات زندگی کے لئے کم نہ رہتا۔ اور سب سے
بڑھ کر ہمارے لئے یہ برکت ہوتی۔ کہ ہم بہت سے جرایم سے نجات پا جاتے
ایک پکا مسلم شراب کو چھوٹے تک کا بھی نہیں۔ اور اس طرح
وہ کامل پرہیزگاری کا نمونہ قایم کرے گا۔ اور اس ملک کی ٹمپرنس پارٹی
اس کو تعریف کی نگاہ سے دیکھے گی۔ اعتدال سے شراب نوشی ایک
عام رواج اس ملک کا ہے۔ ان حالات میں اس ایک لخت انقلاب
کی توقع کرنا ایک بہت بڑی توقع ہے۔ لیکن اس ملک کے کثرت
سے باشندے ضرور اس مذہب کو تعریف کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ خواہ
وہ خود اس مذہب کے پیرو نہ ہوں۔ جو سوفیصدی پرہیزگاری (ازشراب)
کو پڑھاتا ہے۔ اور اسراف کو روکتا ہے۔ بہرحال یہ خلاف مصلحت
ہوگا۔ کہ [illegible] بہت سخت قواعد کی پابندی کرائی جاوے۔
اگر ہم اس وقت چھوٹے چھوٹے امور پر زور دیں۔ تو ہم پر بھی رسم
پرستی کا الزام لگے گا۔ جو ہم عیسائیوں پر لگاتے ہیں۔ جو خیال کرتے ہیں
کہ بعض نامعقول امور پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری ہے۔ ایک
مصروف زندگی والے شہری کے لئے یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ پنجوقتہ اسلامی
طریق پر مقررہ اوقات میں نماز ادا کر سکے۔ یہ لوگ تو سجود و رکوع کے
لئے وقت بھی نہیں پا سکتے۔ اگرچہ وہ مقدس پیغمبر (صلعم) کے کامل پیرو
ہوں۔ ہاں وہ چپکے ہی چپکے دل میں دعا کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے روح القدس نازل ہو کر تمام حالات کے اندر اس کی ہدایت کرے
اور اس کے دل پر اس کا کامل تسلط ہو۔ . . . . میں کامل یقین

رکھتا ہوں کہ اسلام کی عظیم الشان صداقتیں ان کثیر التعداد مردوں اور خواتین کو اپنی طرف جھکا لیں گی۔ جو ایک حقیقی مذہب کی غذا کے لئے تڑپ رکھتے ہیں۔ اور ایک زندہ خدا اُن کا رہنما ہوگا . . . .

مَیں پھر شراب کے سوال پر آتا ہوں ہمیں سخت ضرورت اپنے آپ پر قابو پانے کی ہے۔ اُس شخص کی ہماری نگاہ میں کوئی عزت نہیں۔ جو ابتلا کے خوف سے کہ مبادا وہ کوئی مصیبت میں گر بیٹھے۔ دنیا سے بھاگ کر راہبانہ زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ میں اپنے خیال میں اُس شخص کی تعریف کرتا ہوں۔ جو آزمائش کا مقابلہ کرتا ہے۔ جو کہ ہزار بار زندگی میں گڑھوں میں گرتا ہے۔ لیکن ہمیشہ موقعہ پا کر اُٹھ کھڑا ہوتا۔ گو پسپا ہونا تسلیم کرتا ہے لیکن شکست کو تسلیم نہیں کرتا۔ اُس نیک نیت انسان کا رنج و غم بیشک بعید ہوتا ہے جو نہایت حسرت کے ساتھ اپنی غلط کاریوں پر نگاہ ڈالتا ہے۔ لیکن پھر بھی اُس کے پاس ایک تسلی ہے۔ کہ وہ دوسروں کو من نکردم شما حذر بکنید کہہ سکتا ہے۔ وہ تجربہ کار ہے اور حق رکھتا ہے۔ کہ لوگ اُس کی سنیں۔ اور جب دوزخ میں پڑ کر اُس نے شیطان سے جدوجہد کی ہے۔ اُس کے تجربہ سے وہ ہزاروں خلق خدا کو ہر قسم غلط کاری سے بچانے کا موجب ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ کسی انسان کو دوسروں کی غلطی سے نکالنے کے لئے خود غلطی کا ارتکاب کرنا چاہیئے۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں۔ مَیں صرف یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جہاں انسان کو ایک جدوجہد کرنی پڑتی ہو۔ اور ایک زبردست مقابلہ ہو۔ وہاں جنگ سے بچنا بھی کمزوری کی نشانی ہے۔ یہ بہتر ہے۔ کہ انسان بہرحال جنگ میں شامل ہو جائے۔ گو اس میں گرائے جانے کا خطرہ ہی ہو۔ کیونکہ اگر مقابلہ کے بعد تم صحیح سلامت نکل آؤ۔ تو تم بہت زیادہ مفید اور

اور زیادہ قابل اعتبار سپاہی ہو گئے۔ خواہ تمہارے جسم پر تلواروں کے نشان کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں۔ بشرطیکہ تم نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالےٰ کی ذات پر پورے توکل کو نہ چھوڑا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور تائید کی تمہارے اعتقاد میں کوئی جنبش نہ آئی ہو۔ ہاں بیشک اس جدوجہد میں تم کئی دفعہ صراط مستقیم سے ادھر اُدھر بھی ہوگئے ہوگے۔ مگر شیطان کا اثر دل پر کبھی ایسا مضبوط نہیں ہوا ہوگا۔ جیسے خدا کی محبت کی گرفت جس نے دل کو اپنے قابو میں کر رکھا ہو۔ ہاں جب کبھی تم توبہ کرکے پھر خدا کی طرف لوٹ کر آئے ہوگے تو صد بار اگر توبہ شکستی باز آ کے مطابق وہ رحمان اور رحیم خدا جو ہر حال میں تمہارا نگران اور محافظ ہے۔ اپنے رحم سے آگے بڑھ کر تم کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیگا۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا مزہ چکھا ہے وہی ایسی فتح کی خوشی کو محسوس کرسکتے ہیں میں خیال کرتا ہوں۔ کہ تم بھی اس بات کو تسلیم کروگے۔ کہ وہ روح جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ شیطان کے ایلچیوں کے خلاف جنگ پر جنگ کرسکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو اس کا بھروسہ ہے۔ وہ کبھی بھی ان جنگوں کے اندر جنبش میں نہ آنے دے۔ بہت بڑھ کر ضروری اور قابل عزت ہے۔ بہ نسبت اس تامل کرنے والی روح کے جو ہر حال میں حفاظت اور احتیاط کی پناہ میں رہنا چاہتی ہے۔ اور پوری تحقیق کرکے جہاں کوئی خطرہ نظر آتا ہو۔ اس سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتی۔ بلکہ بھاگ کر اور جنگ کو چھوڑ کر آرام کی پناہ چاہتی ہے۔ یقیناً یہ بہتر ہے۔ کہ انسان ایک مجاہد ہو۔ خواہ اس جہاد میں اس سے بعض کمزوریاں ہی سرزد نہ ہوجائیں نہ کہ ایک نکما آدمی جس کو سوائے اس کے کچھ غرض ہی نہیں کہ اسکی زندگی آرام میں گذر جائے اور جس کا مقصد سوائے اپنے لئے

حفاظت کی جگہ طلب کرنے کے اونچے تر ہو +

بہت سے لوگ ہیں [illegible] کرینگے۔ اور ایک
ویسل جو شراب کے مشابہ [illegible] اور یقیناً وہ ایک
نہایت مضبوط دلیل ہے [illegible] نہایت کمزور ہے۔ اور
آسانی سے غلطی کی راہ پڑ جا سکتی ہے۔ اور اس قدر نقصان اکثر
اوقات [illegible] کو ہو سکتا ہے
[illegible] کا میدان
ہر قسم کی مسکرات کے [illegible] ہونگا۔ اور اس طرح پر
ابتدا میں اس ملک کے اندر [illegible] دست تا ابد پہنچیگی
چونکہ اسلام کا اصل [illegible] اس لئے گو یہ
رفتار سست معلوم ہوتی ہے مگر [illegible] ضرور دنیا میں غالب ہو
کر رہے گا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ [illegible] ساری کوشش اس بات
پر صرف کر دینی چاہیئے کہ بنیادی [illegible] قائم کر دیئے
جائیں۔ اور پھر اس الہامی مذہب کی خوبصورتی [illegible] پر توقع کرنی
چاہیئے کہ وہ خود بخود ہمارے ہموطن مردوں اور [illegible] کو آہستہ آہستہ
اپنے فروعی فوائد کی طرف کھینچ لے گی +

عام طور پر یوں کہنا چاہیئے کہ ہم اسلامی تعلیم کو خود اس عظیم الشان
مذہب کو مؤثر طریق پر پیش کر کے پھیلائیں گے یعنی ہمیں زیادہ ضرورت
اس بات کی ہے کہ ہم اپنے مذہب کی خوبیاں بتائیں نہ یہ کہ دوسرے
مذاہب کے نقصوں اور کمزوریوں کو پیش کریں۔ کیونکہ ہم مانتے ہیں۔
کہ دوسرے مذاہب میں کئی چھپے کہ وہ ہیں۔ عمدہ باتیں ہیں۔ میں
پھر پہلی تحریر کا حوالہ دیتا ہوا کہتا ہوں میرا اصلی مقصد عیسائی مذہب
کی کسی شاخ پر حملہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مذہب اسلام کی خوبصورتی

اور سادگی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ان تمام اعتراضات سے پاک ہے۔ جو دوسرے مذاہب میں صاف طور پر دیکھے جاتے ہیں۔ دلیل کی خاطر اس بات کو تسلیم کر کے کہ اسلام ان پر وہتانہ طریقوں سے پاک ہے۔ جن کے ساتھ تنگ دلی کے خیالات اور طاقت حاصل کرنے کی حرص لازمی نتائج ہیں۔ ہم کو یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہیں۔ کہ ایک قوم کی گورنمنٹ زیادہ آسانی سے چل سکتی ہے۔ اگر ایک صلح کا مذہب اختیار کر لیا جائے بیشک یہ بہت افسوس کی بات ہے۔ کہ مذہب کا نام ہر ایک شخص کی دوسرے اسبابِ [illegible] ظلم اور خونریزی کا موجب ہوا ہے۔ [illegible] کوئی ایسا مذہب [illegible] سکتا ہے جو تمام نوع انسانی کو متفق کر کے ایک ہی خدا کی عبادت کی طرف لا سکتا ہے جو سب سے [illegible] کے سامنے ہے۔ ایک لمحہ کے لئے خیال کرو۔ کہ [illegible] اسپائر کے ماتحت ہے۔

صحیح معنی میں [illegible] سے کہیں۔ بیشک یہ ایک کامل درجہ کی [illegible] انسان کے ذہن میں آسکتی ہے۔ حکومت کا کام [illegible] کیونکہ ہر شخص کا ہر کام میں محرک ایک سچا مذہب ہوگا۔ [illegible] کے کوئی فرقے نہ ہونگے۔ نہ کوئی مروجہ دین کے مخالفین ہونگے۔ جن کو [illegible] کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور نہ ہی بہشت کے لئے کسی بڑے محصول کے ادا کرنے کی ضرورت ہوگی مذہب میں جیسے کہ حضرت موسیٰ۔ جیسے [illegible] محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا۔ ایک سادگی پائی جاتی ہے۔ مگر بعد میں جو لوگ آئے۔ انہوں نے خدا کی پاک [illegible] کوشش میں مذہب کو ایک بھول بھلیاں بنا دیا۔ جس میں پھنسے طالب حق کو صداقت کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔ وہ بھی مذہب کا ہی ایک رنگ تھا۔ جو صلیبی جنگوں کا

محرک ہوا جس میں ہمارے بڑوں نے لاکھوں جانیں تلف کرائیں۔ مگر کس لئے؟ ایک چھوٹے سے مگر نامناسب جھگڑے کیلئے ایک قبر کے متعلق جس میں یقین کیا جاتا ہے۔ کہ مسیح کی لاش کچھ وقت کے لئے رہی تھی۔ کیا یہ جھگڑا اس قدر گران قیمت پر خریدنے کے قابل تھا۔ پھر وہ بھی ایک مذہب کا ننگ تھا جس نے ہمیں یہ سکھایا۔ کہ ان لوگوں کو جو مذہب کی فروعی باتوں میں ہمارے ساتھ اتفاق نہ کریں ۔۔ زندہ جلایا جاوے۔ اور اُن کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جائیں۔ کیا یہ باتیں اس وقعت کے قابل تھیں۔ پھر یہ بھی ایک مذہب کا ننگ ہے۔ جو عام قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ مگر جس کی برداشت کی طاقت اس قدر گری ہوئی ہے۔ کہ اس میں ان تمام بنی نوع کے لئے ہمیشہ کے جہنم اور ہلاکت کا فتویٰ ہے۔ جو بعض خود تراشیدہ خیالات کو قبول کریں۔ کیا ان خیالات کا یہ مول ہو سکتا ہے؟ کیا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمیں اس سخت غضب کا اظہار کرنا چاہئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحم اور محبت کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ جس سے ایک [illegible] اُن خدا نفرت کرتا ہے جس پر مسیح یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) [illegible] الفاظ میں لعنت بھیجتے ہیں جنرل گارڈن کا قول ہے کہ مسلمانوں کے اندر میں فریسیوں کا فرقہ نہیں دیکھتا۔ وہ کبھی اس طرح نہیں کہتے جس طرح ہمارے فریسی کہتے ہیں۔ کہ زید یا بکر ہمیشہ کے لئے جلنے کی لعنت کی سزا کے نیچے ہیں۔ اور نہ وہ تم نفرت انگیز باتیں اُن میں دیکھتے ہو جن کا اظہار ہمارے فریسی کرتے ہیں"۔

وہ خطرناک جنگ جو اس وقت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ لفظ مذہب کے صحیح معنی "مذہبی جنگ" نہیں گو ہم یہ یقین کرتے ہیں۔ کہ ہم کو ظلم اور نا انصافی کے خلاف ہتھیار اٹھانے پڑے ہیں۔ اور لڑنے کے لئے ہم بھی مجبور کئے گئے ہیں جس طرح حضرت محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کی حفاظت کے لئے لڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور یہ خوشی کی بات ہے۔ کہ اس عظیم الشان جنگ میں جو درحقیقت حقوق کی جنگ زبردستی کے خلاف انصاف کی جنگ ناانصافی کے خلاف روشنی کی جنگ تاریکی کے خلاف ہے۔ مسلمان ہندو اور عیسائی یکساں متفق ہیں ✦

اب ہم نے دیکھنا ہے۔ کہ کونسا طریق ہمیں اپنا کام کرنے کے لئے اختیار کرنا چاہئے۔ ہمارے ہاتھ میں چند ذریع اپنی باتوں کو دوسروں تک پہنچانے کے ہیں۔ جو ہمیشہ میسر آسکتے ہیں۔ یعنی اخبارین اور رسالے علم جلسے اور لٹریچر کا پھیلانا۔ جیسے اسلامک ریویو یا اشتہارات جن میں غلط بیانیوں کی تردید ہو۔ ہمیں چاہئے۔ کہ ملک کے مختلف حصوں میں جلسوں کا انتظام کریں۔ اور سوسایٹی کا ہر ایک ممبر کوشش سے اپنے دوستوں اور واقفوں کو اس جلسہ میں لائے ✦

آپ کا پریزیڈنٹ ہونے کی حیثیت میں میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں۔ کہ زور سے اس امر کی سفارش کروں۔ کہ ہمیں پہلے مذہب کے اصل اصول کو پیش کرنا چاہئے۔ قبل اس کے کہ ہم تفصیلی امور کو چھوئیں ہم چاہتے ہیں۔ کہ لوگ خود اسلام کی سادگی اور خوبصورتی کو دیکھ لیں۔ اور وہ امور جو اصول کے رنگ میں نہیں ہیں۔ آیندہ کے لئے چھوڑے جائیں ✦

آخر میں میں یہ بھی کہونگا۔ کہ ہم دوسری اسلامی سوسائٹیوں کے ساتھ جو کہ اس وقت موجود ہیں۔ یک جہتی کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر ہم کو ان کی مدد اور نصیحت کی ضرورت ہو تو ہم خوشی سے لیں گے ✦

امن اور سلامتی کا مذہب

آج جبکہ ہوا جنگ کے شور اور ہنگامہ سے گونج رہی ہے اور حملہ آور افواج کچلتی ہوئی چلی جا رہی ہیں۔ جب توپوں کی صداؤں سے گھوڑوں کے ہنہنانے سے اور انسانوں کی چیخ پکار سے ایک شور محشر برپا ہے۔ جب انسان موذیانہ آلات حرب کے ذریعہ جنہیں اُس نے خود ہی ایجاد کر کے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے باعث اپنے ہاتھوں کو پھیلاتا اور پھر اوندھے منہ زمین پر جا پڑتا ہے۔ ہم سی ایسی چیز کے خواہشمند ہو رہے ہیں۔ جو انسانی قلب میں سے حیوانانہ جوش خون کو نکال کر باہر کرے۔ جو غصہ کو ٹھنڈا اور چیخ و پکار کو اس صلح اور امن اور برادرانہ اخوت کا وہ سبق دے جسکی تمام نیک انسانوں اور راست بازوں کو تلاش رہی ہے۔ کیا یہ ایک ڈراؤنا خیال نہیں ہے۔ کہ ایک انسان اپنی تمام کوشش محنت اور مشقت۔ تجربہ اور آزمایش اس لئے صرف کرتا ہے۔ اور ہزار ہا ناکامیوں کو پیچھے پھینکتا چلا جاتا ہے۔ کہ وہ بالآخر اپنے ہمسایہ سے ایک بالکل نرالا مردم کش آلہ ایجاد کر سکے۔ حیوانی خواہشات ہم میں جوش مار رہی ہیں۔ اور ہمیں اکثر اوقات ان خواہشات کو روک دینے والی چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن کریم نے اس بارہ میں کیا ہی سچ فرمایا ہے۔ ان النفس لامارۃ بالسوء۔ تحقیق نفس (انسانی) برائی کا حکم دینے والا ہے۔ یہ ایک لعنت ہے۔ جسنے یورپ کی ایک مہذب اور تربیت یافتہ قوم کو خون کی پیاسی بنا کر ایسی کارروائیوں کا مرتکب کیا ہے ایک کمزور ہمسایہ کو قبضہ میں لے آنے کے شوق میں اور امن پسند اور بے ضرر لوگوں کی تباہی اور ان پر حملہ کرنے کا ایک عمدہ موقع تاک کر لشکروں

کے لشکر اپنی ظالمانہ کارروائیوں کے سیاہ نشانات پیچھے چھوڑتے ہوئے بڑھتے چلے آتے ہیں ؛

مذہب کہاں ہے ؟ یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے - اور ابھی بہت تھوڑے ایسے ہیں جنکو اس کا تسلی بخش جواب ملا ہے - عیسائیت یورپ کو کرۂ ارض پر بہشت کی طرح بنا دینے اور یہاں کی تمام اقوام، اور حکمرانوں کو اس قدر اپنے تابع کرنے کے لئے کہ وہ ہر گھڑی اُسی کے احکام کی فرمانبرداری کریں - دو ہزار سال سے کوششوں میں مصروف ہے - اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کو بھلا نہیں دینا چاہئے - کہ عیسائیت کو پورا غلبہ اور طاقت حاصل رہی ہے - کسی شخص کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی - اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنا حکم چلاتی رہی ہے لیکن آخر کار نتیجہ کیا ہوا ؟ کیا یورپ ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن پسند - نیکو کار - با انصاف اور منصف ہو گیا ہے - کیا لوگ باہم محبت وآشتی اور اتفاق سے زندگی بسر کرتے ہیں - کیا کمزور زورآور کے ہاتھ سے محفوظ ہے ؟ نہیں بلکہ اس کے خلاف ہمارے سامنے یہ افسوسناک نظارہ موجود ہے - کہ موجودہ زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتیں ایک دوسرے کی گردن پر سوار ہونے کے لئے دوڑتی ہوئی چلی آتی ہیں - وہ میدان جنگ کے لئے ہزارہا انسانوں کی بھرتی کر رہی ہیں - تباہی اور ہلاکت پر کروڑہا پونڈ صرف کیا جاتا ہے - امن کی جگہوں کو زمین پر ہی دوزخ بنایا جا رہا ہے - اور پھر اس پر طرہ یہ کہ ہر فریق اپنی ہی فتح و نصرت کے لئے دست بدعا ہے - ان حالات میں اگر پڑھے لکھے آدمی یہ سوال کریں - کہ آج عیسائیت اپنے پیرووں کو ایک آواز سے اپنا مطیع کیوں نہیں کرتی - تو یہ کوئی تعجب انگیز امر نہیں - لیکن اس کا جواب دینے کے لئے بہت زیادہ تحقیق و تدقیق کی ضرورت نہیں - بلکہ یہ ایک ظاہر اور کھلا امر ہے - کہ عیسائیت کو بہت

بُری طرح سے ناکامی نصیب ہوئی ہے۔ یہ محض ایک قیاس اور فرضی بات ہے۔ کہ اس مذہب نے ان لوگوں کے دل اپنے قابو میں لئے ہوئے ہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ نام کو تو یہ لوگ عیسائیت کی تعلیمات کے پیرو ہیں لیکن در اصل وہ اپنی خودساختہ راہوں پر چلے جا رہے ہیں۔ ذرا ایک لمحہ کے لئے غریب بلجیم کی خوفناک تباہی کو ذہن میں لاؤ۔ یہ ملک اپنے زورآور ہمسایوں کے لئے فٹ بال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور اسے آج بھی اپنی حدود مملکت میں ہی نپولین اعظم کے زمانہ کی طرح اپنے بہادر فرزندوں کی بے خوف شجاعت کے باوجود حملہ آور ہمسایہ نے اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالا ہے۔ کیا کوئی شخص ان نقصانات کی جو اُسے برداشت کرنے پڑے ہیں۔ تلافی کر دے سکتا ہے؟ کیا کل دُنیا جہان کا سونا اس کے اس کام آسکتا ہے۔ کہ اس سے ایک ہی ایسی جان جو اُس کی مدافعت میں راہیٔ ملک عدم ہوئی ہو۔ دوبارہ واپس آجائے۔ وہ جوانمرد جو سب کے سب اپنی زاد بوم کو ایک زبردست دشمن سے بچانے کے مقدس فرض کو انجام دیتے ہوئے چل بسے۔ ان بہادر انسانوں کے کیسے مشابہ ہیں۔ جو بہت تھوڑا عرصہ ہوا۔ مراکش طرابلس اور ٹرکی میں اپنے ممالک کو اجنبی حملہ آوروں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لئے ایسی ہی جرأت اور بہادری کے ساتھ نبرد آزما ہوئے تھے۔ یورپ اس دُکھ اور تکلیف کا جو انہیں برداشت کرنی پڑی ہی ٹھیک اندازہ آج بلجیم کی حالت سے کر سکتا ہے۔ مگر کس قدر فرق ہے۔ کہ ایک ملک کے کشتگان کو "محبان وطن" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تو دوسری طرف جانبازان مشرق کو متعصب اور جاہل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آخر یہ تضاد خیالات کیوں؟ اس معمہ کو مہذب ممالک کی پیچیدہ منطق ہی حل کر سکتی ہے۔ ان تمام آدمیوں کی حالت کو ذہن میں لاؤ۔ جن کو جنگ

کی وجہ سے دُکھ برداشت کرنے پڑے۔ ان ممالک کا خیال کرو۔ جن کو لوٹا گیا۔ اور ان میں تاخت وتاراج کی گئی۔ پھر اُن گھروں پر نظر ڈالو۔ جن کو ویران کر دیا گیا۔ اور ان قیمتی جانوں کا اندازہ لگاؤ۔ جو خون کے اس کھولتے ہوئے برتن میں ضایع ہو گئیں۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ مگر چونکہ اس کا اثر زیادہ تر دوسرے لوگوں پر تھا۔ اس لئے یورپ کے داناؤں کو بھی کبھی یہ خیال نہ آیا۔ کہ یہ جنگ وجدال کی تیاریاں جو اس کوشش سے ہو رہی ہیں۔ آخر ان کا اثر کہاں پہنچیگا .... لیکن آخر کار نرسنگھا بجایا گیا۔ اور یورپ اس عظیم الشان جنگ میں کود پڑا۔ جو اس سے پہلے شاذ ونادر ہی دُنیا نے دیکھا ہوگا۔ اب عیسائیت کے لئے یہ ایک نادر موقع تھا۔ مگر اس نے کیوں اس بات میں دخل نہیں دیا۔ اور کیوں یہ دعویٰ نہ کیا۔ کہ جنگ کرنا اسکی تعلیم اور ہدایت کے بالکل برخلاف ہے۔ نہیں بلکہ اس نے خاموش ہی رہنا تھا۔ اور وہ رہی۔ اور اس طرح سے جناب مسیح کے وہ الفاظ جو متی میں یوں لکھے ہیں۔ کہ" یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" یہ ہماری آنکھوں کے سامنے پورے ہو رہے ہیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ کہ ان روزانہ دعاؤں کو پڑھ کر جو اپنی اپنی فتح ونصرت کے لئے ہر دو متخاصمین کرتے ہیں۔ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کہ اگر مسیح کی نجات دینے کے خون میں اتحاد پیدا کرنے کی طاقت تھی۔ تو وہ کہاں گئی۔ شاید یہ یورپ کی نجات کے لئے ایک کا خون گرنا کافی نہیں ہوا۔ اور ساری قوموں کا خون بہنا ضروری ہے۔ یقیناً یورپ کا اصطباغ خوفناک ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل کے اس حکم کو کہ" ان میں سے ہر ایک کو قتل کر دے اور ایک بھی زندہ باقی نہ چھوڑ" موجودہ گاتھ (جرمن قوم کا نام ہے) لوگوں نے اپنا پلول بنا لیا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود کوئی اس بات سے

انکار نہیں کر سکتا - کہ یہ تمام طاقتیں اپنی حرکات سے عیسائیت کے
کلی طور پر ناکام رہنے پر مہر لگا رہی ہیں - تمام خوبصورت سے خوبصورت
اصول - تمام مجالس دوستی وارتباط انسان کو جانثاری اور صلح و اتفاق
کی راہ پر چلانے میں قطعاً ناکام رہی ہیں - ان سب کی شکل ایک عظیم
الشان بظاہر پر از امن اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل غافل آتش فشاں
پہاڑ کی طرح بنادی گئی تھی - جو کہ بالکل خاموش اور مغالطہ دہ حالت
میں کھڑا ہوتا ہے - یہاں تک کہ یکایک آگ اس میں سے بھڑک اٹھتی
ہے - اور اسکی چنگاریاں اور لاوا تمام اطراف میں پھیل جاتا ہے - اور
اور آدمی اس میں جذب ہو کر برباد اور صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جاتے
ہیں - یورپ بھی ایسا ہی والکینو (آتش فشاں پہاڑ) کی طرح اونگھ میں
تھا - آگ نے دُور و دراز جگہوں پر اپنا دہانہ بنا رکھا تھا - مگر آخر کار یہ
خوفناک مصائب آ پہنچیں - آؤ ذرا بلجیم کے پر از امن میدانوں اور
شہروں کی حالت کو ذہن میں لائیں - تم میں سے کتنے ایسے ہیں جنہوں
نے ان تباہ شدہ جگہوں کی سیر کی ہے - ذرا لووین اور ریلنز کی عمارتی
شان و شوکت کا بھی خیال کرو - آہ یہ خوبصورت شہر آج راکھ کے ڈھیر
بن چکے ہیں - ذرہ میدانہائے جنگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو - یہ تمام
نہایت ہی خوبصورت اور پُر از شان و شوکت حالت میں تھے - اللہ
تعالیٰ نے انہیں تمام چیزیں عنایت کر رکھی ہیں - جو انسان کی خوشی اور
مسرت کا موجب تھیں - لیکن انسان اپنے غرور و نخوت میں اُٹھا -
اور ان طاقتوں اور جذبات کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے عنایت کئے تھے
اس نے بُری طرح استعمال کرنا شروع کیا - اور صرف فتح اور شان و
شوکت کا ہی خیال زیر نظر رکھا - اور اس بیوفایانہ دھوکا بازی کا کبھی
خیال نہ کیا جس کی قلعی ایک کمزور دشمن پر فتح حاصل کرنے سے کھل جاتی

ہے۔ نہ ہی کبھی ان قیمتی جانوں کا ہی لحاظ کیا جو اس کے ہاتھ سے ضائع ہوئیں
اور نہ انسان کی اس سالہا سال کی محنت و مشقت کو ہی مدنظر رکھا۔ جو کہ
برباد ہو گئی۔ کیتھولک مذہب گذشتہ ایام میں وقتی بادشاہوں پر بھی حکمرانی
کرنے کی پوری طاقت و قدرت رکھتا تھا۔ مگر آج اپنے عظیم الشان انتظامات
کے باوجود بھی بالکل کمزور اور ناکارہ محض ہے۔ پروٹسٹنٹزم اپنے ہی
اندرونی جھگڑوں میں اس قدر مبتلا ہے۔ کہ دنیا میں امن کی متفقہ تعلیم
دینے سے وہ بالکل قاصر ہے۔ باقی رہا آرتھوڈکس گریک چرچ۔ سو وہ بھی
ایک ایسا آلۂ بے حس و حرکت بن چکا ہے۔ کہ جو حکمران لوگوں کی قومی
بہبودی کے ہی کام آسکتا ہے۔ اور اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ عیسائیت
کے یہ بڑے بڑے فرقے آج ایسے وقت خاموش ہیں۔ جب انہیں نہایت
بلند آہنگی کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیئے تھی پس ایک شخص
"جان بل" کے جو کہ تمام یورپین اخبارات پر رائے زنی کرتا اور اُن کی
بناوٹی باتوں کا راز افشا کرتا ہے۔ اس مضمون کے جس میں ایک نئے
مذہب کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ لکھنے والے سے دل سے متحد اور متفق ہو
سکتا ہے۔ مراسلہ نگار مذکور نے موجودہ کلیسیاؤں کی ظاہرداری کی قلعی
نہایت باریک بینی کے ساتھ کھول دی ہے۔ اور اس نے دنیا سے
ایک ایسے مذہب کا مطالبہ کیا ہے۔ جو سچائی پر مبنی ہو۔ انسانی اخوت
کی تعلیم اُس کا بنیادی اصول ہو۔ اسکی تعلیم رازہائے سربستہ اور مذہبی
رنگ کی بے فایدہ دھوکا بازیوں سے پاک ہو۔ اور وہ انسان کو ہتھیار
دے کر اپنے ہمسائے سے جدا کر دینے کی بجائے آپس میں میل و ارتباط
پیدا کرنے کا موجب ہو۔ یہ مطالبہ اُس زمانہ کی لابدی ضروریات میں
سے ہے اور ہم تمام متلاشیانِ صداقت سے سفارش کرتے ہیں۔ کہ وہ
طرفداری کو چھوڑیں بغض و تعصب سے قطع تعلق کریں۔ تنگ خیالی اور

کوتاہ نظری کے اصول و ہدایات کی زیادہ پیروی سے پرہیز کریں۔ اور ہر ایک چیز کو ایک خاص رنگدار آئینہ کے ساتھ ہی جو بعض خاص خیالات کی اپنی ایجاد ہے۔ نہ پڑھا کریں۔ آؤ ہم بالکل صاف اور کشادہ دل بن جائیں۔ اور آپس میں اکٹھے ہو کر یہ معلوم کریں۔ کہ کن باتوں میں ہم متحد و متفق ہیں اپنا وقت اپنے ساتھی کی تذلیل و تخریب میں اس وجہ سے ضایع نہ کریں۔ کہ وہ ہمارے خیالات سے اختلاف رکھتا ہے۔ ہم سب اس ہستے علت الاولیٰ۔ دنیا جہاں کے خالق اکبر۔ اور ایک عظیم الشان ہستی پر راضی اور متفق ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں بنا کر اور سب چیزوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے اپنی وسیع اور طویل و عریض سرزمین پر یونہی نہیں چھوڑ دیا۔ اس نے ہماری ضروریات کے لئے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور ہمیں ہوا۔ پانی نباتات اور معدنیات غرض سب ہی کچھ عنایت کیا ہے۔ اس نے ہمیں سورج کی گرمی اور روشنی۔ اجرام فلکی کی چمک اور رات کے ذرا کم چمکیلے غلام دیئے ہیں۔ اس نے ہمیں قوت متفکرہ اور عقل۔ ایک موجد دماغ اور مناسب قابلیتوں سے بھی متمنع فرمایا ہے۔ اور ہر ایک چیز کو ہمارے قبضہ واقتدار میں دے دیا ہے۔ تاکہ ہم اسے اپنے فایدہ کے لئے استعمال کر سکیں کیا یہ قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ اس قدر عنایات کے بعد اب وہ گونگا ہو گیا ہے۔ اور انسانی خطاکاریوں کا نہایت خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھ رہا ہے۔ کیا منطقی طور پر یہ قابل غور بات نہیں۔ کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کر دیتا۔ اور اپنا الہام اُس پر نازل کرتا ہے۔ وحی والہام کے وقت یہ ضروری ہے کہ انسان سمجھ جائے۔ اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور دانائی کے ساتھ انسانوں میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے ان کو رضا آلہی کی راہیں بتائیں۔ جناب بُدھ۔

جناب کرشن - جناب کیفوشش - حضرت موسیٰ - جناب زرتشت اور حضرت مسیح یا حضرت سرور کائنات خاتم الانبیاء افضل المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم - کیا ان میں سے ہر ایک اسی زبان کے ساتھ بولتے نہ تھے جس سے دوسرے انسان بولتے ہیں - ان عظیم الشان انسانوں اور ان مرسلین باریتعالیٰ نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی ہے - کیا اگر ہم اُن کی تعلیمات کی پیروی کریں - تو ادھر اُدھر بھٹک سکتے ہیں - اگر ہم ان کے احکام پر عملدرآمد کریں - تو کیا ہم اپنے ہمسایہ کو کوئی دکھ اور تکلیف پہنچا سکتے - جرائم کا ارتکاب کر سکتے - اور نظام عالم کے امن و سکون میں جو ہر جگہ پر قایم ہے خلل انداز ہو سکتے ہیں - آؤ ہم اس عظیم الشان انسانوں کو اپنا نمونہ بنالیں - اُن کی شاندار زندگی کی تقلید کریں - اُن کے احکام میں سے حق و باطل کی تفریق کریں - ان کے مقدس پیغام کو گوش ہوش سے سنیں اور تمام وہ کام کریں - جو ہمارے امکان میں ہوں - اور اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق کے طلبگار رہوں - اور امن و سلامتی کے ساتھ اُن کا خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے دست بدعا ہوں - ہاں ہم کیوں پیغمبران حق میں تفریق کرتے اور ان میں سے کیوں بعض پر ایمان لاتے اور بعض کا انکار کرتے ہوں (یؤمنون ببعض و یکفرون ببعض) اللہ تعالیٰ کسی خاص قبیلہ یا خاندان یا قوم کا ہی خدا نہیں - وہ ہمارا بھی خالق اور قایم اور زندہ رکھنے والا ہے - اور آج بھی یقیناً اسی طرح بولتا ہے - جیسے کہ پہلے انسانوں سے بولتا تھا ہمیں اپنے ساتھیوں کو دکھ دینے سے پرہیز کرنا چاہئے - اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے - اخوت اور برادرانہ تعلقات کی زبانی ہی تعلیم نہ دو - بلکہ عملی طور پر بھائی بھائی بن جاؤ - کسی آدمی کے ساتھ اسکی ناکامی کے باعث نفرت کا برتاؤ مت

کرو۔ کیونکہ یہ امر بالمقابل خود ہم پر بھی واقع ہو سکتا ہے ہمیں مہمان نواز
اور فیاض دل بننا چاہیئے۔ اور لفظ مذہب کے شاندار اور صحیح مفہوم میں
مذہبی آدمی بن جانا چاہیئے۔ سرفرازی اور علو مرتبت کا خیال مت کرو
ایثار اور جانثاری کی عادت ڈالو۔ کسی کو براست کہو۔ اور کمزوروں اور
بوڑھوں کی حفاظت کرو۔ یہ ایک عالمگیر مذہب کا بنیادی اصول ہے
کوئی شخص سوال کرسکتا ہے۔ کہ کیا مذہب موجودہ میں سے کوئی ایسا
وسیع الخیال انصاف پسند۔ قابل عمل اور معقولیت پسند مذہب موجود
ہے۔ کیا کوئی ایسا دین بھی صفحہ ہستی پر ہے۔ اور کیا اس کے اصول
زیر عمل لائے گئے ہیں۔ اس کا جواب اثبات میں دیا جا سکتا ہے۔ اور
ہم بتا سکتے ہیں۔ کہ دنیا میں ایسا مذہب موجود ہے۔ اور وہ وہی پرانا
مذہب ہے۔ جو دنیا کے شروع ہوتے ہی صفحہ ہستی پر ظہور میں آیا۔ وہ وہی وہ
اعتقاد ہے۔ جو ہمیشہ سے لاتبدیل اور ہر قسم کے نقائص سے پاک رہا
ہے۔ اور جس کو مغربی ممالک میں بہت ہی کم مطالعہ کیا گیا ہے۔ ہاں
وہ وہ مذہب ہے۔ جس نے علم و معرفت کی روشنی کو اس وقت اپنے
اندر محفوظ رکھا۔ جب یورپ کلیتاً اندھیرے میں تھا جس نے غلاموں
کو یاس سے نکال کر امید اور آزادی کی راہ دکھائی۔ جس نے ظلمتوں
جوئے بازیوں اور فواحش کی لعنتوں کو ہٹایا۔ جس نے انسان کو تمام
مصائب اور آزمائشوں کے بالمقابل بہادر اور دلیر بننے کی تلقین کی۔
جس نے اسے اپنے ساتھیوں کے لئے خوشی سے جان دے دینے کی
ترغیب دلائی۔ ہاں وہ وہ دین ہے۔ جو کامل اخوت کی تعلیم دیتا ہے
جس کا خدا کسی خاص قوم کا خدا نہیں بلکہ وہ رب العلمین ہے۔ وہ وہ
مذہب ہے۔ جس نے تمام رنگ اور ذات وصفات کے تمام امتیازات کو
موقوف کر دیا۔ جس کے پیرو السلام علیکم کی دعائے خیر سے ایک دوسرے

کو خرسند کرتے ہیں۔ جسکی سطح زمین پر کی عمارت بہت کشادہ اور صبر و تحمل کا مجسمہ ہے۔ جس نے لا اکراہ فی الدین کا مبارک حکم دے کر یہ بتا دیا ہے کہ مذہب میں کوئی جبر اور سختی کسی پر نہیں ہو سکتی۔ جس نے مذہبی پابندیوں اور قیود کے تمام خیالات کو ایک مہلک ضرب لگا کر مردہ کر دیا ہے جس کے پیرو کل دنیا میں اتفاق و اتحاد کی رسی میں منسلک ہیں۔ جہاں کوئی متعصبانہ فرقہ بندی نہیں۔ بلکہ کامل آزادی خیالات پائی جاتی پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ کونسا ایسا مذہب ہے جس کی آج دُنیا کو اس قدر تلاش ہے۔ اور وہ آیندہ کی خونریزی اور قتل و غارت کے ان مناظر کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیگا۔ جو متفرق گروہوں کو آپس میں ملا کر ایک کر دیگا۔ اور جو قیاس اور وہم کو برے خواب و خیال کے بجائے حقیقت کا جامہ پہنا دیگا۔ اس مذہب کا نام اپنے مفہوم کے لحاظ سے "امن اور سلامتی کا مذہب" (یعنی اسلام) ہے *

خالد شیلڈرک

مغربی لوگوں کی خیالات اسلام کے متعلق

ماخوذ معارف دسمبر ۱۹۱۳ء

ممالک غربیہ میں ایک مسلمان کو سخت حیرت و استعجاب دامن گیر ہوتا ہے۔ جب وہ ان خیالات کو سنتا ہے۔ جو لوگوں کے دماغ میں اُس کے اعتقادات کی بابت نہایت پختگی کے ساتھ سمائے ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان کئی ایک افسانوں کو جو اس قدر مستعدی کے ساتھ عام طور پھیلائے جاتے ہیں۔ سُنے۔ تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ وہ لوگ

جنہوں نے اسلام اور اس کی تعلیم کا کبھی مطالعہ نہیں کیا۔ ان معاملات میں ان کی دسترس خود مسلمانوں سے کبھی بڑھ کر ہے۔ سب سے پہلے تو وہ ہمیں اس بات پر یقین دلاتے ہیں۔ کہ مسلمان سورج کے پرستار ہیں پھر وہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ نیز وہ بتوں کی بھی پوجا کرتے اور بہت سی بعید از فہم اور مخفی۔ سومات اور متکلفانہ رواجات پر کاربند رہتے ہیں ۔

ہم ذیل میں امور متذکرہ بالا کے متعلق صحیح اسلامی تعلیم پر روشنی ڈالیں گے۔ اور آیات قرآنی کے حوالہ سے ہر ایک امر کی مختصراً لیکن نہایت جامعیت کے ساتھ تردید کریں گے۔ و باللہ التوفیق

امر اول یعنی سورج کی پرستش کے متعلق صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے۔ کہ ہم ہرگز سورج یا اجرام سماوی میں سے کسی اور وجود کی خواہ کتنا ہی چمک دار اور روشن کیوں نہ ہو پرستش کرنے کے مجاز نہیں۔ اور اس بارہ میں قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے۔ کہ

وسخر لکم الیل والنہار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون۔

اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا۔ اور ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں۔ تحقیق ان میں عقل سے کام لینے والی قوم کے لئے نشانات ہیں (نحل رکوع ۲) پھر فرمایا۔

ومن آیاتہ الیل والنہار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن ان کنتم ایاہ تعبدون ٥ اور اس کے نشانات میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔ سورج کی پرستش نہ کرو۔ اور نہ ہی چاند کی

ہاں اُس اللہ کی پرستش کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اگر تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو ؎

قرآن کریم کی اس صریح اور واضح تعلیم کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم سورج کی پرستش کریں۔ بحالیکہ خداوند تعالےٰ خود ہمیں تبلا رہا ہے کہ وہ ہمارے مطیع اور ہمارا غلام ہے۔ اسے ہماری خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور کہ تمام اجرام سماوی ہماری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہماری خدمت میں مصروف ہیں۔ کیا ہم اپنے سے کسی ادنےٰ چیز کی بھی کبھی پرستش کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ایک بے جان چیز کو جو اس علت العلل کے ذریعہ پیدا ہوئی۔ کوئی وقعت دے سکتے۔ اور اس کی عزت وعظمت قایم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صاف طور پر بتا دیا ہے۔ کہ سورج چاند اور ستارے مسخرات بامرہ اس کے احکام کی تعمیل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ وہ قابلِ پرستش اور لایق عزت وعظمت نہیں۔ بلکہ وہ صرف قدرت کے مظہر ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ اِنّ فی ذالک لآیات لقوم یعقلون ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ کہ ان تمام قوائے فطریہ کو غور وتدبر کی نگاہ سے دیکھیں۔ اُن کی پورے طور پر چھان بین کریں۔ اُن کو اپنے استعمال میں لائیں۔ اور ان سے وہ تمام فایدہ حاصل کریں۔ جو ہمارے امکان میں ہو۔ اب جب کہ ہمیں ان اشیاء کی اپنے فایدہ کے لئے تحقیق وتدقیق کرنے کا حکم ہے۔ تو کیا ہم اس حالت میں کہ سورج۔ چاند یا ستاروں کو دیوتا مانتے ہوں۔ کبھی بھی اُن کی تشریح وتقسیم عناصر کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اگر ہم ان اجرام سماوی کو اپنا خالق مان لیں۔ اور ہمارا یہ اعتقاد ہو۔ کہ وہی ہمیں زندہ اور قایم رکھنے والے ہیں۔ تو کیا ایسی حالت میں ہم اُن کے خواص جسمانی کے سمجھنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ نہیں بلکہ ایسی حالت میں تو انہیں اپنے

استعمال میں لانا گویا اپنے خدا کو اپنی ذاتی خدمت اور نوکری میں لگانا ہے۔ لیکن قرآن کریم بالکل سچ فرماتا ہے۔ کہ انما الٰہکم الٰہ واحد تحقیق سوائے اس کے ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ تمہارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے ۔

ہمیں صرف ایک ہی خدا کی پرستش کرنی چاہئے۔ جس نے یہ تمام ستارے پیدا کئے۔ جو تمام نظام شمسی پر حکمران ہے۔ اور وہ الٰہی احکام کی پوری تعمیل کرتے ہیں۔ ہمیں خدا کے سوائے اور کسی چیز یا کسی شخص کی ہرگز پرستش کرنا نہیں چاہئیے ۔

پھر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کے بھی مجاز نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا بت پرستی میں داخل ہے۔ وہ ہمارے جیسا ایک انسان تھا۔ مگر اس کو بنی نوع انسان کے لئے خاتم النبیین ہونے کا مبارک مرتبہ عطا کیا گیا۔ پس آپ کی عبادت کرنا گناہ عظیم کا ارتکاب ہے۔ یہود اور نصاریٰ کو بھی ایک ہی ہمیشہ رہنے والے خدا کی جو کہ لم یلد ولم یولد کی پاک صفت سے متصف ہے عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اس طرح کل مخلوقات کو اس خالق کل شئے سے علیحدہ کر دیا گیا۔ ذیل میں اس بارہ میں بائیبل کے چند ایک حوالجات امید ہے کہ بہت دلچسپی کا موجب ہونگے

"سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" استثنا باب ۶ آیت ۴۔ "میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں" یسعیاہ باب ۴۵۔ آیت ۵ "یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ سب حکموں میں اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے" مرقس باب ۱۲ آیت ۲۹ "تب اس فقیہ نے اس سے کہا کیا خوب اے استاد تو نے سچ کہا کیونکہ خدا ایک ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں" مرقس باب ۱۲۔ آیت ۳۲ ۔

ان حوالجات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان انبیائے کرام نے بھی جو بائیبل کو لے کر آئے تھے۔ وہی کچھ سکھایا۔ جو تیرہ سو برس سے زیادہ

عرصہ ہوا۔ کہ حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں تعلیم دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایک بڑے عظیم الشان نبی ہوئے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے آپؐ کے پیرو ویسے ہی موحد ہیں۔ اور انہوں نے کبھی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدائے تعالٰی کی طرح پرستش نہیں کی۔ ہاں صرف عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو الوہیت کے تخت پر بٹھا کر اس بارہ میں غلطی کھائی۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے اسی بنیادی اصول کو دوبارہ دنیا میں ایا کیا۔ جس پر کل انبیائے کرام بشمول حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ بہت زور دیتے رہے۔ اور وہ خدائے تعالٰی کی وحدانیت کا ہی اصول تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے خدائے تعالٰی کے سوائے کسی اور پرستش نہ توکبھی کی ہے۔ اور نہ ہی آئندہ کریں گے۔ ان حالات میں یہ کیسی نکمی اور ناممکن بات ہے۔ کہ ہم اس چیز کی پرستش کریں جسے ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو۔ ہم کس طرح سے کسی ایسی چیز کے سامنے جھک کر اس کی عزت کو بجا لا سکتے ہیں۔ جس کو ہم نے خود تیار کیا ہو۔ اور اس لحاظ سے ہم ہی اس کے بنانیوالے ہوں۔ اگر ہم کم از کم کسی آدمی کو ہی پوجا کرتے۔ تو اس میں توہم کسی قدر معذور بھی گردانے جا سکتے تھے۔ کیونکہ اس سے پیشتر قوموں کی قومیں اور کئی ایک ممالک اپنے فرمانرواؤں کو تخت الوہیت پر بٹھا چکے ہیں۔ لیکن وہ لوگ ہرگز ہرگز قابل معافی نہیں۔ جو ان اشیا سے امداد طلب کریں۔ جن کو انہوں نے خود بنایا ہو۔ قرآن کریم نے اس بارہ میں کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے۔

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیأ وھم یخلقون ٭ جو لوگ پکارتے ہیں۔ اللہ کے سوائے اور چیزوں کو نہیں پیدا کی انہوں نے کوئی چیز اور وہ پیدا کئے گئے ہیں ٭

ایسا ہی سورۂ رعد میں بتوں سے مدد مانگنے کے بارہ میں ذیل کے الفاظ دلچسپ ہیں۔

والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیء کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکافرین الا فی ضلال

پس اس حی و قیوم اور خالق ارض سماوات کے سوائے کسی اور کو معبود بنانا نہایت سخت بیوقوفانہ کام ہے جس سے قرآن کریم نے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسے رذیل کام کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اہل مغرب کے خیالات محض ظنی اور قیاسی اور بالبداہت غلط ہیں۔ اور ان کی کوئی بھی اصلیت نہیں۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ بعض رسوات اور ارکان دین پوشیدہ طور پر ادا کی جاتی ہیں جو بہت ہی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ لیکن میں قریباً گیارہ برس سے مسلمان ہوں۔ مگر اب تک مجھے ان رسومات کا پتہ نہیں چلا۔ اسلام قدرتاً سادہ مذہب ہے۔ جس میں کوئی خفیہ اور پوشیدہ بات نہیں۔ ہاں ان باتوں کو رازہائے سربستہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو ان لوگوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی اسلامی تعلیم کا مطالعہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورت بینہ میں فرمایا ہے ؂

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذالک دین القیمہ

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ مذہب کس چیز کا نام ہے۔ مذہب کوئی پوشیدہ رسوم و رواجات کے مجموعہ کا نام نہیں نہ ہی وہ کوئی خفیہ اصول و قواعد کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی سورت البقرہ۔۲ میں ہمیں مذہب کی تہذیب یہ دکھائی دیتی ہے ؂

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملائکۃ والکتاب والنبیین ۵ واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی البأساء والضراء وحین الباس ۵ اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون ۵

ان آیات کریم میں ظاہرداری - رسم ورواج - پوشیدہ عقاید - تنگ دلی اور کمینگی وغیرہ سے منع کیا گیا ہے - اور ہمیں خیرات دینے بنی نوع انسان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرنے غلام آزاد کرنے دوسروں کی مدد کرنے اپنے عہد کو ہمیشہ وفا کرنے - اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کے آگے ڈال دینے اور اس کے قوانین کی پابندی کرنے کے لئے انبیائے کرام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے - اور یہی حقیقی اسلام ہے ✤

ووکنگ مشن کی رپورٹ بابت ماہ جنوری ۱۹۱۵ء

نومسلم - الحمد للہ کہ اس ماہ میں بھی نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے - اور حضرت قبلہ مولنا مولوی صدرالدین صاحب کی مساعی جمیلہ سے دو اور اشخاص حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں - جن میں سے ایک تو انگریز عورت ہے جس کا اسلامی نام سارہ رکھا گیا - اور ایک مرد - ان کا اسلامی نام بشیر احمد ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک - نومسلمین کے ساتھ ان کے اسلام قبول کرنے سے پیشتر عموماً کئی ایک مسائل پر حسب معمول تحریری یا تقریری بحث بھی کرنی پڑتی ہے - لیکن جیسا کہ پیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے - زبانی بات چیت خط وکتابت سے بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوئی ہے - چنانچہ مذکورہ بالا نومسلمین سے مسٹر بشیر کے ساتھ جن مسائل پر بحث ہوئی - اُن میں سے ایک اسلامی سُنت ختنہ بھی تھا - جس کا بیان مفصل طور پر درج کرنا تو باعث طوالت ہوگا -

لیکن خلاصہ مطلب یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ مولنا مولوی صدرالدین صاحب نے دلایل عقلیہ و نقلیہ سے یہ ثابت کیا۔ کہ اسلامی سُنت ختنہ ہماری صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ اور اس کے بغیر بہت سی بیماریوں کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ اگرچہ بچّوں کے سوائے عمر رسیدہ نومسلموں کا ختنہ اسلام نے ضروری نہیں ٹھیرایا۔ آپ کی تمام معقول دلایل کو سُن کر ہمارے اس مکرم بھائی کو بہت خوشی ہوئی۔ اور اُس نے کہا۔ کہ مَیں اگرچہ ترپنؔ سال کا ہوں لیکن ضرور ختنہ کراؤنگا۔ اور آپ کو اطلاع دونگا۔ اسلام کے ہر حکم میں برکت ہے +

لنگر خانہ۔ حسب دستور مہمانوں کی تعداد میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس لئے خرچ اخراجات بہُت بڑھ رہے ہیں۔ آنے والے مہمان اپنے دلوں میں جس محبت اور عشق اسلام کو لے کر آتے ہیں۔ وہ اس ایک مثال سے ظاہر ہے۔ کہ اس مہینہ جناب ڈاکٹر ایس وہائی ٹمنٹ صاحب جن کا تذکرہ گذشتہ اشاعت میں مفصّل طور پر کیا جا چکا ہے۔ آکسفورڈ سے تشریف لائے اور تین چار یوم تک ووکنگ میں رہے۔ نمازوں میں بڑے خلاص کے ساتھ برابر شامل ہوتے رہے۔ اور بار بار یہی کہتے رہے۔ کہ اس سے پیشتر میں ایک ملاقاتی کی حیثیت میں آتا تھا۔ مگر اب ایک ادنیٰ خادم اسلام ہونے کی حیثیت میں آیا ہوں۔ اور بڑی تڑپ اور بڑے تعشق سے آیا ہوں اس مسجد میں قلب کو اطمینان اور اس گھر میں انسان کو حقیقی راحت میسّر آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اب ایک اور ڈگری ملی ہے +

ایسا ہی دیگر اور نومسلین اور غیر مسلم مہمانوں کا حال ہے۔ جو اسلام سیکھنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اور دن بدن ان کی رفتار آمد رو بترقی ہے اور اس لئے ان کے خورو نوش کے انتظام کے لئے ایک لنگر خانہ کو تقویت دینا ہم سب مسلمانوں کا کام ہے۔ ہمیں امید ہے۔ کہ اس بڑی بھاری ضرورت کی طرف عامہ مسلمین کی توجہ بہت جلد مبذول ہوگی۔ اور جناب خواجہ صاحب کی آواز پر ہر طرف سے لبیک کی صدا آئے گی +

خط و کتابت کا سلسلہ بھی اکثر غیر مسلموں اور نومسلموں کے ساتھ بدستور جاری ہے۔ ان میں سے بعض خطوط میں ان سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو اسلام کے متعلق پوچھے جاتے ہیں۔ اور بعض خطوط مناسب اشخاص کو از خود بھیجے جاتے ہیں۔ جن میں انہیں اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے +

سلسلہ وعظ بھی مسجد ووکنگ میں جاری ہے۔ اور فرداً فرداً بحث مباحثہ کے علاوہ ہر اتوار کو بدستور عام جلسہ میں خاص خاص مضامین پر لیکچر دئے جاتے ہیں جنہیں سن کر سامعین میں سے اکثر کو اسلام کی طرف بہت رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس سے سلسلہ میل و ارتباط بڑھتے بڑھتے نتیجہ اسلام کی قبولیت کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے +

اسلامک ریویو کی مفت اشاعت سال نو کی وجہ سے تھوڑی رہ گئی ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے۔ کہ برادران اسلام توجہ اور سرگرمی کے ساتھ کوشش کریں خود خریدار بنیں۔ اور حسب توفیق زیادہ رسالوں کی قیمت دے کر دوسروں کے نام جاری کرائیں۔ اپنے احباب کو اس کی خریداری کے لئے مجبور کریں اور اُن سے بھی زاید قیمت لے کر غیر مسلموں کے نام جاری کرائیں۔ اور اس طرح سے ثواب عظیم کے مستحق ٹھیریں +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔ اے ایل ایل بی، و مولوی صدر الدین (بی۔ اے بی ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۵ء | نمبر (۳)

فہرست مضامین

ماخوذ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ فروری سنہ ۱۹۱۵ء

[illegible]

قیمت سالانہ تین روپے

اشتہار کتب خواجہ صاحب

مسلم پرئیر - مصنفہ خواجہ صاحب انگریزی ۴ر

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام - مصنفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی ۱۲ر

صحیفہ آصفیہ "تبلیغ بنام حضور نظام حیدرآباد دکن" مصنفہ خواجہ صاحب ۲ر

بنگال کی دلجوئی - انگریزی اردو ہر دو ایک ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت

مسلم اٹی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ - انگریزی ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت

کرشن اوتار - محصولڈاک آنے پر مفت - پیغام صلح محصولڈاک آنے پر مفت

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ - اردو انگریزی ہر دو اربرائے محصولڈاک مفت

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا - انگریزی ۱۹۱۳ء ۵ر ۱۹۱۴ء ۲ر

ملنے کا پتہ :- مینیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

اخبار پیغام صلح لاہور

وہ اخبار ہے جو فرنگستان میں اسلامی کوششوں کی صحیح خبریں خواجہ کمال الدین صاحب اوراُن کے ہمراہیوں کی کامیابیوں کے حالات سناتا اور جنگ یورپ کی تازہ خبریں لے کر ہفتہ میں تین بار شایع ہوتا ہے - علاوہ ازیں ہندوستان اور دیگر ممالک کے قابل تذکرہ واقعات دلچسپ تنقیدات اور دلکش ادائے بیان کے ساتھ اسلامی جذبات کو متحرک کرنے اور قایم رکھنے کا بیان بحسن وخوبی انجام دیتا ہے - اور اپنی دل ربا خصوصیات کے لحاظ سے ملک کا بے نظیر اخبار ہے - قیمت سالانہ چھ روپے (سے ر) ششماہی تین روپیہ (سے ر) سہ ماہی ایک روپیہ نو آنہ (عہ ر) ماہوار نو آنہ (۹ ر)

المشتہر :- مینیجر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اُز اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا بابت ماہ فروری ۱۹۱۵ء

شذرات

یہ خبر بڑی ہی مسرت انگیز ہے۔ کہ گذشتہ ہفتہ یعنی جب سے کہ ہم نے یہ اعلان کیا ہے۔ کہ دو طریقوں سے اسلام میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ بہت سی خواتین اور مردوں نے اپنے آپکو دونوں مین سے کسی ایک صورت مین حلقہ بگوش اسلام بنا لیا ہے۔ یا تو وہ خطوط کے ذریعہ سے اپنے قبول اسلام کا اعلان کرتے ہیں یا ذیل کے دو مقامات مین سے کسی ایک جگہ خود آ کر وہ اس بات کا اعلان کر دیتے ہیں یعنی یا مسجد ووکنگ مین جو اورینٹل روڈ ووکنگ شہر مین ہے یا لنڈسے ہال نوٹنگ ہل گیٹ لنڈن مغربی میں۔ لنڈسے ہال مین صرف جمعہ کے دن ہی اجتماع ہوتا ہے اور اس دن نماز جمعہ ٹھیک ۲ بجکر ۴۵ منٹ پر شروع ہو جاتی ہے ●

مسجد ووکنگ ہر وقت کھلی رہتی ہے اور زائرین اُسکی زیارت سے ہر وقت متمتع ہو سکتے ہیں۔ اتوار کو سہ پہر کے تین بجے جلسہ ہوتا ہے۔ ان لوگون کی اطلاع کے لئے جو یہ دریافت کرتے ہیں کہ لنڈسے ہال یا مسجد ووکنگ میں کس شخص سے ملاقات کی جائے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی امام مسجد ووکنگ ایڈیٹر اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا سے ملاقات کی جائے ●

ہم عموماً بقاعدہ طور پر ان لوگوں کے اسمائے گرامی کی عام اشاعت نہیں کرتے جو حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہین مگر بعض حالات مین اُنکی اشاعت ہمارے لیئے خاص طور پر موجب فرحت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس پرچہ مین ہم کسی دوسری جگہ ایک لیڈی کا اپنا اعلان درج کرتے ہیں۔ اس خاتون کے الفاظ نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہین۔ اور انسے اصل اسلام کی وسعت کا پتہ لگتا ہے جنکی رو سے تمام انبیاء علیہم السلام کو جو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ نہ صرف اُنہی کو ماننا پڑتا ہے بلکہ اُن پر ایمان لانا اور اُن کے راستباز اور صادق ہونے کو بھی تسلیم کرنا ضروری ہے +

علاوہ ازیں ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس قابل قدر بزرگوار کا تذکرہ بھی اس جگہ کر دینا چاہتے ہیں۔ جو اس غرض سے کہ اسلام قبول کرنے سے پیشتر ان نومسلمین کی حالت کو بچشم خود ملاحظہ کریں۔ جو پیشتر ازیں مسلمان ہو چکے ہیں۔ بہت لمبا سفر کرکے ہمارے پاس آئے۔ اس بزرگ کو پہلے بھی ہم جانتے تھے کیونکہ اسکی خط و کتابت ہمارے ساتھ رہتی تھی۔ لیکن ہم اس دن کے نہایت شوق کے ساتھ منتظر تھے جب ہمیں اسکی زیارت سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع میسر آیا۔ ہم نہایت خوشی کے ساتھ اُن سے مسجد میں ملاقی ہوئے۔ اور اُن کیساتھ بات چیت کرنے سے بہت ہی مسرت حاصل ہوئی۔ اس بزرگوار کی جو ایک نہایت مسرت اندوز اعلیٰ شخصیت کا انسان ہے سنجیدہ مزاجی اور متانت نے ہم پر بہت ہی اثر کیا۔ مغرب کے وقت ہمارے اس پرجوش بھائی نے مسجد میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اور وہ نہایت سرگرمی اور شوق کیساتھ نماز مغرب میں شریک ہوئے۔ امام مسجد نے اُن کا اسلامی نام "بشیر" رکھا۔ ہمیں امید ہے۔ کہ اس قادر و توانا اور رحیم و کریم باریتعالیٰ پر اُن کا پکا اور سچا ایمان بالضرور پھل لائیگا اور اسلام کی جو کہ انسانی جذبات کا پورا لحاظ رکھنے والا اور جو بالآخر دین فطرت ہے۔ ترقی و اشاعت کے لئے آپکی پُرجوش جد و جہد بالضرور کامیاب رہیگی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے مستحق ثواب ہونگے +

ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے تمام مرسلین برحق میں گل سرسبد اور آسمانی صداقتوں کے معلم۔ اے اس پرنور چہرۂ خداوندی کے مظہر تمام دُنیا جہان کی محبت تیرے ساتھ ہو +

اے اخوت، مساوات اور توحید الٰہی کے پیغامبر تو ملک عرب کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے دعا ہے کہ ہم بھی تیری مانند اوج کمال تک پہنچ جائیں +

تیرا دل بہت ہی پاکیزہ اور تیری شکل ایسی لطیف ہے۔ کہ اُس کا کوئی سایہ بھی زمین پر پڑتا نہیں

سکتا۔ بڑوں کو تو بڑا ہی نظر آتا ہے۔ اور چھوٹوں کے بھی تو ہمیشہ قریب تر رہتا ہے +
ہاں تو نے کس قدر بلندی نگاہ کیساتھ عیسائیوں، اور یہودیوں سے تحمل و برداشت کا سلوک فرمایا، اور نہایت بلند آہنگی سے یہ کہا کہ جب ان سب میں ایک جیسی روح ہے۔ تو خدائے تعالیٰ کی رحمت و برکات کو کیوں محدود اور کسی ایک قوم کیساتھ ہی خاص کیا جائے + (مشتری)

ایک لیڈی کا قبولِ اسلام !!

اُس کے اپنے الفاظ میں

ڈیر مسٹر صدرالدین - میں اپنے قبول اسلام کا اعلان ارسال خدمت کرتی ہوں۔ امید کہ آپ مجھے مذہب اسلام میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائینگے +

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کوئی دوسرا معبود۔ یا قابل پرستش یا لایق خدمت چیز نہیں۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر اور رسول تھے۔ میں یسوع مسیح کی الوہیت پر ایمان نہیں رکھتی۔ ہاں میں انہیں اللہ تعالیٰ کے دیگر پیغمبروں حضرت ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ سلیمانؑ اور داؤدؑ اور دیگر مرسلین برحق کی طرح ایک رسول مانتی ہوں۔ میں تمام انبیائے عالم کے ساتھ مکالمۂ الٰہیہ کے ہونے پر ایمان لاتی ہوں اور ان سب میں بحیثیت رسالت کوئی فرق نہیں جانتی۔ میں قرآن کریم کو مذہب کی تکمیل کرنے والی آخری کتاب مانتی ہوں اور اس کے احکام پر عملدرآمد کرنے اور ایک اسلامی زندگی بسر کرنے کا وعدہ کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اسکی توفیق عطا فرمائے آمین

(سارہ)

ایمان کی محک

ایک رحمٰن و رحیم خدا پر ایمان اس زمانہ میں سخت سے سخت آزمائشوں کے ماتحت ہے جن سے بڑھکر سخت آزمائشوں میں پہلے کسی زمانہ میں جب کا ہمیں علم ہے وہ نہیں آیا لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ اپنی زندگی کے تمام ابتلاؤں اور مراحل کو بغیر بڑبڑانے اور چون وچرا کئیکے برداشت کرنا ہمارا فرض منصبی ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اس لئے لازماً جس حالت کو وہ ہم پر وارد کرتا ہے۔ وہ بالضرور ہماری بھلائی کا ذریعہ ہوگی۔ کیونکہ وہ قادر وتوانا اور علیم خبیر ہستی کوئی غلط کام نہیں کر سکتی۔ گردش زمانہ کی بھاری مصایب میں ہم مبتلا ہیں اور خطرناک امتحان کے لئے ہم وجوہات تلاش کرتے ہیں۔ عیسائی ممالک ابتدائً ایک قتل عام کی کی آماجگاہ بنے اور اس کے بعد اسلامی ممالک بھی اسی میں مبتلا ہوگئے۔ مگر باوجود اس کے عیسائیت یا اسلام کو خوفناک نقصانات۔ ہولناک مظالم اور بظاہر قیمتی نفوس انسانی کے خونناک اتلافات کا ذمہ وار قرار دینا کس قدر نامناسب امر ہے۔ بس اس قتل وخونریزی کا باعث کیا ہے کیونکہ ایمان کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہونا چاہئے۔ کیا دنیا کی دماغی اور ذہنی ترقیات نے خدا تعالیٰ پر انسان کے سادہ ایمان کو برباد کر دیا ہے۔ کیا طاقت وحکومت کی پرستش نے روحانیت کو گرا دیا ہے۔ آفات اور بلاؤں کے نزول کے وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانے کا موقع ملتا ہے اور انسان ان مصایب کے برداشت کرنے کے لئے جن کو ادا کرنا ہمارے اقتدار میں نہیں اور جو ہم پر ہماری اپنی کسی ظاہرا یا خاص شرارت کے بغیر وارد ہوتی ہیں صابر ومتحمل مزاج بن جاتا ہے +

ایسے خطرناک حالات میں جن کے لئے کسی خاص مذہب کو ذمہ وار نہیں گردانا جا سکتا۔ مشرق اور مغرب کے دو مذاہب جن میں ایک حد تک اشتراک ہے یعنی اسلام اور عیسائیت کے درمیان اختلافی مسایل بھی ہیچ معلوم ہونے لگے ہیں۔ ہمیں بنی نوع انسان کے اس سخت ہولناک ہنگامہ میں چھوٹے چھوٹے مسایل پر لڑنا جھگڑنا اس وقت تک مناسب معلوم

نہیں ہوتا جبتک کہ ہم صداقت اور انصاف کیلئے ایک بہت بڑی [illegible] متحد اور متفق ہو گئے ہیں اور انصاف کی حمایت میں عملی اتحاد کے اظہار کے ساتھ مختلف کلیسیاؤں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات جو رسوم اور عقاید میں ہیں کالعدم ہو گئے ہیں ؎

اس وقت ان عیسائی اور مسلمان جانبازوں کا جو [illegible] ایک ہی طرف ہو کر لڑ رہے ہیں۔ کیا ہی عظیم الشان اور شاندار [illegible] نبرد آزمائی ہمارے مشرقی و مغربی برادران میں محبت و الفت [illegible] میں بڑے بڑے علما و فضلا کے براہین نیرہ سے بہت زیادہ [illegible] کیونکہ ہم ایک راستی کے لئے آپس میں متحد و متفق ہو چکے ہیں۔ اور اب جنگوں میں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہمدرد اور شریک رنج و راحت بن گئے ہیں۔ مجھے خیال نہیں کہ اس سے پیشتر کبھی مجھے ایسی خوشی نصیب ہوئی ہو جیسی اس خبر کے سننے سے ہوئی [illegible] مسلمانوں نے خود اپنی خوشی سے اس جنگ میں جو راستی کے لئے کی جا رہی ہے [illegible] اس خبر نے یہ بتا دیا کہ صداقت یا باطل کے بنیادی [illegible] ہم ایک [illegible] کیسے متحد ہیں۔ اور مجھے یہ فخر ہے کہ ذیل کے چند اشعار مشرق اور مغرب کے تعلقات پر میں نے اس سے بہت عرصہ پیشتر لکھے تھے۔ اور [illegible] یوروپین جنگ کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اور وہ یہ ہیں ؎

یہ کہا گیا تھا۔ کہ ہم کبھی مل نہیں سکتے۔ یا فضل الٰہی کو جذب کرنے کے لئے نمازوں میں یکجا نہیں ہو سکتے [illegible] بتایا گیا تھا [illegible] پہنچ سکتے۔ نیز ہمارا ایک ہی جگہ پر جمع ہونا [illegible] باپ! تو نے ہم کو جو تیرے محبت کرنیوالے فرزند ہیں [illegible] کے تعلقات سرعت کے ساتھ مستحکم ہو گئے ہیں۔ باوجودیکہ زمانہ [illegible] ؎

اے ہمارے پیارے خدا! تمام ازمنہ گذشتہ اور آئندہ میں صرف ایک [illegible] نام اتحاد و اتفاق کی رسی میں باندھنے کا موجب ہو سکتا ہے اور اس وقت ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ تیری مرضی اب پوری ہوئی ؎

اے ہمارے بزرگ و برتر اللہ الکریم! اے ہمارے آقا! اے ہمارے شہنشاہ! تو جو کہ جانتا ہے۔ کہ ہمارے لئے کیا کچھ بہتر اور بھلا ہے۔ یا ہمارے لئے کس چیز میں بھلائی ہے۔ ہم تیری حمد و ثنا کرتے اور نہایت بلند آہنگی کے ساتھ مشرق اور مغرب کے اتحاد کے گیت گاتے ہین +

شاید یہ بیجا نہ ہوگا۔ اگر میں اپنی ان چند سطور کے پیش کرنے پر عذرخواہی کروں۔ کیونکہ اس وقت جبکہ میں نے اُن کو لکھا مجھے خیال نہ تھا۔ کہ یہ اس قدر جلدی اپنا عملی رنگ دکھاویں گی۔ اب مشرقی اور مغربی مذاہب کے درمیان تنگ خیالی اور بغض و تعصب بہت کم ہمارے سننے میں آئیگا۔ اور ہمیں امید رکھنی چاہئے۔ کہ آیندہ تحمل و برداشت کا ایک وسیع جذبہ اس پر غالب رہیگا۔ اور اگر ہماری اس خوفناک نبرد آزمائی کے نتیجہ میں حق و باطل کے درمیان کوئی حد فاصل نہ وہ صفائی سے قایم کی جاسکے۔ تو ہم سمجھیں گے۔ کہ ہم نے بیقاعدہ جنگ نہین کیا۔ جب یہ سب کچھ ہوچکے گا۔ تو دنیا کی مختلف اقوام اس بات کو بھی محسوس کرلینگی۔ کہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی اور دماغی ترقی کا عدل و انصاف اور روحانیت کے ہم رکاب ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اور کہ اول الذکر باتیں بالکل نکمی اور ناکارہ محض ہین۔ جب تک کہ ان کے ساتھ خدائے تعالیٰ پر سادہ ایمان اور اسکی رضا کی اطاعت نہ ہو۔ اسلامی دنیا مین ہمیں یہ وہم بھی نہین۔ کہ کبھی محض دماغی اور علمی باتیں قلوب کے اندر سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت کے خیال کو نکال کر خود وہ جگہ حاصل کرسکیں۔ اور مجھے یقین کامل ہے۔ کہ اسلام کی ترقی و غلبہ اسی صراط مستقیم کے ذریعہ سے ہوگا جو ان مشکلات میں اسلام کے خادموں نے اختیار کیا ہے۔ دنیا میں کچھ عزت کا مقام حاصل کرنا حقارت سے دیکھنے کی چیز نہین اور مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم پر مضبوطی سے عمل کرکے اس عزت کو جو پہلے سے اُن کے لئے تھی اور بھی بڑھا دیا ہے +

حضرت محمد مصطفےٰ صلعم بحیثیت فاتح ۔ ۲

حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زندگی سے اُن لوگوں کیلئے سبق جو فتح وظفر کے مالک ہوں

آخر مکہ کے فتح ہونے پر وہ وقت آگیا کہ خدا کا رسولؐ اُس کام کو پورا کرے جو آپکے مذہب اور رسالت کا خاص مقصد تھا یعنی اُس مقدس مکان کو بتوں اور ہر ایک قسم کے شرک سے پاک کرے جو حضرت ابراہیم جیسے بزرگ نبی کے مذہب کی جو سرتاپا توحید تھا یادگار تھا۔ اُس بزرگ کی روح (جو قوموں کا باپ تھا) اُس وقت خوشی سے کیسی وجد کرتی ہوگی۔ جب کہ اُسکی نسل میں سے ہی محمد رسول اللہ صلعم نے پیدا ہو کر اُس مقدس گھر سے جو بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ تمام معبودان باطلہ کو نکال باہر کر کے اُسکی عزت کو اور خدائی توحید کو دوبارہ قایم کیا۔ تین سو ساٹھ بُت خدائی کے تخت سے نیچے اتار پھینکے گئے جنکی تعداد تین سو ساٹھ اس لئے تھی۔ کہ عربوں کے سال کے بھی اتنے ہی دن ہوا کرتے تھے۔ اور ہر دن کے لئے جدا جدا بت تھے۔ جو اپنے اپنے دن کے حکمران اور معبود سمجھے جاتے تھے۔ اُن میں سب سے بڑا بت ہبل تھا جو بارش کا دیوتا مانا جاتا تھا ظاہر ہے۔ کہ جھلسے ہوئے بے آب بیابان کے رہنے والوں میں بارش کے دیوتا کی جتنی بھی عزت اور پوجا ہو تھوڑی ہے ؎

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی مورتیں

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جیسے توحید کے معلم اور حامی بھی اُن بت پرستوں کے ہاتھ سے نہ بچ سکے تھے جنھوں نے اُس ساری جگہ کو شیطانی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ ان بزرگوں کی مورتیں بنا کر اُن کے ہاتھوں میں قسمت کے تیر بھی پکڑائے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلعم کو جن کو ابراہیمؑ کے خون سے ہونے کا فخر تھا۔ ان بزرگوں کی اس طرح توہین دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے تو کبھی خواب میں بھی نہ گذرا ہوگا۔ کہ اُن کے موحدانہ مسلک کے بالکل خلاف اُن کو اس شکل میں دکھایا جائیگا۔ لیکن اس بزرگ باپ کو اپنے لایق بیٹے پر کیسا فخر ہوگا جس نے اُس کے مقدس نام پر سے اس دھبے کو مٹایا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ " ان بزرگوں کی

تماثیل بنا کر انکی سخت توہین کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ آپ کی اس ناراضگی کی اسی وقت تعمیل ہوئی۔ اور اُن کے بتوں کو معدوم کر دیا گیا۔ آنحضرت صلعم سب سے بڑھکر باعمل تھے۔ اور آپنے استقامت کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ جو کچھ آپ کا مشن تھا۔ اسکو اپنے عمل سے خود پوری پوری طرح کر کے دکھایا۔ اگر آپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ آپ انبیائے سابقین کے مصدق ہیں۔ تو آپنے عملی طور پر بھی انکی تعلیم کو زندہ کیا۔ اور انکی عزت و وقعت قائم کی۔ اور اپنے پیشرو کے مقابلہ میں مسیح کے دعویٰ کی تصدیق کی اور مخالف الزامات سے جو ان پر لگائے گئے تھے بریت کی۔ اور بت پرستوں کے ناپاک ہاتھوں سے ابراہیم علیہ السلام کے مقدس نام پر جو دھبہ لگا تھا۔ اس سے نجات دلوائی ✤

فرشتے

وہاں فرشتوں کی تصویریں بھی تھیں۔ عورتوں کی شکل موجود تھیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا فرشتے ایسے نہیں ہوتے۔ وہ تو خدائے عزوجل کے انتظامی احکام کی فرمانبرداری کرنے والی ارواح لطیفہ ہیں۔ اور اس سے پاک ہیں۔ کہ مذکر ہوں یا مونث۔ یہ تصویریں بھی فوراً مٹادی گئیں ✤

ایک فاختہ کی عجیب و غریب تراشی ہوئی مورت

ایک فاختہ کی لکڑی کی تصویر تھی۔ جو عجیب و غریب طریق پر تراشی گئی تھی۔ اور جسے اس لئے توڑ دیا گیا۔ کہ وہ خدا کی روح کی فرضی اور جھوٹی تصویر تھی جس کو سمجھا جاتا تھا۔ کہ جیون پر [illegible] ہوا کرتی ہے ✤

اس کے بعد خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب فرمایا۔ اور اپنے عقاید کو کھول کر سنایا۔ اور اعلان فرمایا۔ کہ اسلام کی موجودہ فتح سے خدائے قادر مطلق کے فضل سے وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس کا وعدہ پہلے سے دیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں مومنین کی جماعت سے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا شور بلند ہوا ✤

مذہبی عبادات کے ختم ہونے کے بعد فاتح نبی نے الصفا پر قیام فرمایا اور مکہ کے لوگ مرد اور

عورت آپ کے سامنے سے گذرتے تھے۔اور وفاداری کا عہد اور بت پرستی سے توبہ کرتے جاتے تھے۔ آپکے طرز عمل میں ہر ایک آدمی کو صاف نظر آئیگا۔ کہ آپ کو خدائی توحید کا جہاں اس قدر خیال تھا۔ اور اس کے لئے اتنی غیرت تھی۔ وہاں باوجود اس تمام فتح وظفر اور لوگوں کی اظہار اطاعت کے اپنے متعلق آپ ہر ایک قسم کی تعظیم کو منع فرماتے اور حکومت پسندی سے قطعاً دور رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب ایک آدمی آپکے سامنے ڈرتا ڈرتا اور کانپتا کانپتا آیا۔ تو آپنے نہایت نرمی سے فرمایا۔ کہ " تو کیوں کانپتا ہے۔ اور تجھے کس چیز کا ڈر ہے میں بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ قریش میں سے ایک عورت کا بیٹا ہوں جو دھوپ کا سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی"۔ ہر طرف آپ کی نرمی اور عفو کا ظہور ہو رہا تھا۔ قریش کے متکبر سردار اور مدسا ندامت سے اترے ہوئے چہروں کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے اس شخص کے سامنے کھڑے تھے جس کو انہوں نے نہایت بے رحمی سے طرح طرح سے دکھ دیا تھا۔ اور جس پر انہوں نے محض اس بنا پر سخت سے سخت ظلم کئے تھے۔ کہ وہ ایک خدا کی پرستش کا وعظ کرتا تھا۔ اور توحید کا مبلغ تھا۔ حالانکہ وہ اُسے خوب جانتے تھے کہ وہ الامین یعنی پرلے درجہ کا امانت دار اور صادق اور راستباز ہے۔ الغرض اس موقع پر آپ نے ان لوگوں سے پوچھا۔ کہ تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا " رحم کی کیونکہ تو کریم ابن کریم ہے"۔ اس الرحمن خدا کے مقتدر مگر رؤف رحیم رسول نے فرمایا " لاتثریب علیکم الیوم جاؤ معاف آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں"۔ آپنے اپنے تئیں خدا کے اس کلام کا جو قرآن میں آپ کی شان میں آیا ہے۔ پورا مصداق ثابت کیا۔ اور وہ یہ ہے کہ ما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین۔ یعنی ہم نے تجھے تمام دنیا جہان کے لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ فوراً ایک منادی کرنیوالے کو تمام شہر میں دوڑا دیا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا۔ کہ لوگوں کی جان و مال کو امان ہے۔ اور انکے حقوق کی کامل حفاظت ہوگی۔ اور انکی عزت پر کوئی آنچ نہ آنے پائیگی۔ اب غور کرو کہ ان لوگوں کی خطائیں اور جرم حد سے گذر گئیں تھے لیکن محمد مصطفےٰ صلعم کے فیاض و کریم اور ماں باپ کی طرح شفیق قلب کے آگے ان تمام خطاؤں اور جرموں کو معاف کر دینا کچھ بڑی بات تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ تو حقیقی امن اور صلح کو دنیا میں لائے تھے۔ الغرض آپکی قوت نے جہاں عربوں کی تمام جسمانی ذخائر ہری

قوتوں پر غلبہ پایا۔ وہاں آپ کے قلب کی فیاضی اور آپکی عالی حوصلگی نے لوگوں کی روحوں اور قلوب کو فتح کر لیا کیسی کامل و اکمل فتح آپ کو نصیب ہوئی۔ کیونکہ ایک دُنیوی بادشاہ کو یہ کبھی میسر نہیں آسکتا۔ کہ اپنی رعایا کے دلوں پر بھی کامل فتح حاصل کرے +

معقولیّت

(از جمیلہ ماڈ ایسٹرج)

زمانہ حال میں جبکہ ہر ایک شخص کے قوائے دماغی بہتر سے بہتر طریق پر تربیت یافتہ ہو چکے ہیں اور مغربی مادی تہذیب کے اثر سے عقل میں تیزی اور جولانی پیدا ہو گئی ہے تو کیا یہ ضروری نہیں۔ کہ ہم اپنی تمام ضروریات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں۔ روزمرہ کے کاروبار میں ہمارا یہ حال ہے۔ کہ جس کام میں پڑتے ہیں اُس سے نفع اٹھانے کے لئے اُس پر اپنی تمام قوتوں کو لگا دیتے ہیں۔ اور اگرچہ ہمیں اپنے تجربوں میں بعض دفعہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ تو بھی ہم بیدل ہو کر اُس کام کو چھوڑ نہیں دیتے بلکہ اپنی غلطیوں سے نیا علم حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص ہمیں بتلاتا ہے کہ فلاں بات اسی طرح ہے۔ تو ہم فوراً ہی اُس کو قبول نہیں کر لیتے۔ بلکہ اپنے دل میں اس پر غور و فکر کر کے یا تو اُس سے اتفاق کرتے ہیں یا اختلاف کرتے ہیں اگر ہم ایک لیکچر کو سنتے ہیں۔ تو فوراً سوالات اور نکتہ چینیوں کے پل باندھ دیتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ جب ہم اپنی روحانی ترقیات پر غور کریں۔ تو اپنے مذہب پر بھی اس رنگ میں نظر نہ ڈالیں۔ جب ہم ایک علمی کتاب پڑھتے ہیں۔ تو ہم نہایت احتیاط سے اُن حصوں کو جو ہمیں پسند آتے ہیں۔ نوٹ کر لیتے ہیں۔ اور اپنی روزمرہ کی گفتگو میں کسی مسئلہ کو خوب صاف کرنے کیلئے اُن سے فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ تو پھر ہمیں محض تقلیدی طور پر ہر ایک چیز کو مانتے چلے جانا نہیں چاہئے۔ بلکہ ہر ایک چیز کو بجائے خود تحقیق کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نہایت فضل و کرم سے وہ نعمت عطا کی ہے جس کو ہم عقل اور فہم سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو پھر ان نعمتوں کو زمین میں دفن نہ کرو اور نہ بھلا دو۔ اور اندھوں کی طرح دوسروں کی رائے کی تقلید نہ کرتے چلے جاؤ۔ بلکہ خود سوچو اور غور کرو۔ مثال کیلئے اسی زمین کو لو جس پر ہم رہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے یہ خیال عام طور پر تھا۔ کہ زمین چپٹی ہے۔ اگر اسی خیال کی کورانہ تقلید کئے جاتے اور کوئی شخص بھی تحقیقات کے

کے لئے نہ اٹھتا تو ہم اسی ستارہ کی نسبت جس پر ہم خود رہتے ہیں (یعنی زمین) کچھ بھی صحیح علم نہ رکھتے اگر ہمارا علم یہیں تک محدود رہتا۔ کہ سورج اور چاند اور ستارے صرف آسمان میں ہمیں روشنی دینے کے لئے بطور چراغوں کے ہیں اور بس۔ تو ہم اپنے خالق کی ان نعمتوں کی پوری طرح قدردانی کرنے کے کسی طرح بھی قابل نہ ہوتے۔ انسان باوجود اس کے کہ اسکی بناوٹ قسما قسم کی ترکیبوں اور امتزاج کا مجموعہ ہے خود اپنے جسم کے متعلق بھی تحقیقات کرنے سے باز نہیں آیا۔ بلکہ اپنے نفس کا علم خوب طرح حاصل کیا۔ ہماری روزمرہ کی زندگی ہی ان باتوں سے مملو ہے۔ کہ ہم کسی نہ کسی رنگ مین علم حاصل کرتے رہتے ہین۔ جہاں جاتے ہیں۔ کچھ سیکھتے ہی ہیں۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ جو کچھ ہماری خدمت کیلئے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس سے رنگا رنگ کے فایدے اُٹھاتے ہیں +

یہ بالکل سچ ہے۔ کہ ہر روز ہم پر اس امر کی صداقت زیادہ ہی زیادہ کھلتی چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ "رحمٰن" ہے جس کے معنے یہین کہ اُس نے ہماری کل حاجتیں پوری کرنے کیلئے بغیر ہماری محنت کے پہلے سے ہی ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا ہے! اور نیز یہ بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ وہ "رحیم" ہے یعنی اُس نے ایسے قویٰ بخشے ہیں جن مین ہم اُسکی مخلوقات کی تحقیقات کرکے پورا پورا علم حاصل کریں اور اُسکی نعمتوں کو اپنے استعمال مین لاکر اُن سے نفع اُٹھائیں۔ اگر ہم جان بوجھ کر اُن قویٰ کا استعمال ۔ یا اپنی سہل انگاری سے اُن سے پورا پورا فایدہ نہ اٹھائیں۔ تو اس غلطی کی سزا جو ہمین ملیگی ری خود کردہ ہوگی۔ اور از ماست کہ بر ماست کا مصداق ہوگی دوسرے مذاہب مین خدا تصویر پیش کی جاتی ہے۔ کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے۔ جو کبھی تو پیار کرنے لگتی ہے۔ اور کبھی ۔ کرنے لگتی ہے۔ کبھی انسانوں پر اپنی بخششیں نازل کرنے لگتی ہے اور کبھی خطرناک مصیبا لگتی ہے۔ پھر یہ بھی خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ایسا خدا ہے جس نے انسان کو انصاف کے ساتھ رعایت نہیں پیدا کیا۔ بلکہ ایک قوم کو برگزیدہ کرکے باقی تمام دُنیا کو اُس کا غلام بنا دیا توہمات ہمارے ملکوں میں بھی بکھرے پڑے ہیں۔ اب ہے تو اُس سے شگون لیا جا رہا چاند سورج چاند ستارے سب سے خدا کی خوشی اور ناخوشی کی فالیں لی جاتی ہیں۔ ل یہ وہ چیزیں یقینی خدا کی قدرتکا صحیح علم حاصل کرنے کیلئے بطور ذرایع کے استعمال کی جاتی

چاہیے تھیں۔ اسی لئے محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کی دُنیا کو سخت ضرورت تھی۔ آپ سے پہلے جو بھی انبیا مبعوث ہوئے۔ سب نے اسی سچے خدا کی تبلیغ کی جس نے انسان کو پیدا کیا اور ربوبیت فرمائی۔ لیکن بعد میں قومی خیالات اور معتقدات بیچ میں مل جانے کی وجہ سے حالات گرد و پیش کے مطابق ہر ایک قوم اور ہر ایک فرقہ نے اپنی مرضی کے مطابق خدا کا تخیل قایم کر لیا۔ بڑے بڑے حکما کے حالات زندگی میں ہم قومی میلان طبع کی جھلک صاف طور پر دیکھتے ہیں جس کو وہ خود محسوس نہیں کر سکتے تھے چنانچہ حضرت عیسیٰ بوجہ یہودی ہونے کے دوسری قوموں کو کتوں کی مانند ہی سمجھا کرتے تھے جیسا کہ ایک غیر یہودی شامی عورت کے ساتھ اُن کے طرز عمل سے ظاہر ہے جو اُن کے قدموں پر گر کر اپنی بیٹی کو چنگا کرنے کے لئے منت کرتی رہی۔ پھر جب اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا۔ تو صرف "اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں" کی طرف بھیجا اور اگر عہد نامہ جدید یعنی انجیل کے الفاظ پر ہی انحصار رکھیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو عالمگیر تبلیغ کا کبھی خیال بھی نہیں گذرا۔ مرقس کی انجیل کے آخری حصہ میں جو یہ حکم مرقوم ہے۔ کہ تم تمام دنیا میں جاؤ۔ اور ساری مخلوق کو انجیل سناؤ۔ اس حکم کو تمام عیسائی پادریوں نے پوشیدہ طور پر وضعی اور مردود قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ یہ آیت بعد میں کسی نے گھڑ کر افترا کے طور پر لکھ دی ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "سولھویں باب کی آیت ۹ سے لیکر ۲۰ تک اصل انجیل کی عبارت نہیں۔ بلکہ یہ بعد میں بڑھائی گئی ہے۔ اگرچہ یہ ایزاد بعد میں جلدی ہی کیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اصل عبارت گم ہو گئی ہوگی جسکی جگہ یہ وضعی عبارت لکھ دی گئی ہے"۔ خدائی معرفت تامہ تو اس وقت ہرگز نہ تھی۔ پس یہ الفاظ ضرور حضرت مسیح کی طرف اُس وقت افترا کر کے منسوب کئے گئے ہیں جب عیسائی لوگ (جو کہ اُس وقت یہودیت کا صرف ایک فرقہ تھا) دوسرے ملکوں میں نکل گئے ہیں۔ جسکی وجہ ہر ایک آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ روم و یونان کی تعلیم و تہذیب کے ساتھ جب عیسائیوں کو سابقہ پڑا۔ تو اُن کو اپنے نقص اور کمی کا پتہ لگا۔ اور زیادہ وسیع القلب ہو جانے کی وجہ سے انکو سمجھ آ گیا کہ یہود تو تمام بنی نوع انسان کا ایک حصہ ہیں اور بس۔ پولوس نے بوجہ ایک فلسفی ہونے کے مسیح کی (جسے اُس نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا) خالص اخلاقی تعلیم کو بدل کر علوم نظری کا ایک گورکھ دھندا بنا دیا۔ اور مختلف مجالس میں اپنے تخیلات کا رنگ چڑھا کر عقاید کی شکل میں

بدل دیا۔ اور اتنا کچھ بڑھایا، اور ملایا گیا۔ کہ خود مسیح کے اقوال اس بھول بھلیاں میں گم ہو گئے
ابتدائی عیسائی لوگ ایک جگہ جمع ہو کر مختلف مسایل پر بحث کیا کرتے تھے۔ اور مختلف مجالس میں
اس قسم کی خوب گرما گرم بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ کہ "کیا عورت کے کوئی روح بھی ہے یا نہیں" "کیا
روح القدس صرف اکیلے باپ کی طرف سے آیا کرتی تھی یا بیٹے کی طرف سے بھی" "کیا مسیح
انسان تھا یا خدا" یہاں تک کہ آخر کار تثلیث کے عقیدہ نے فتح پائی۔ اور اس صاحب قدرت جماعت سے
جو اختلاف کرتا اُسکو سزائیں دی جاتیں جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ضمیر اور خیالات کی آزادی کا صدیوں
کے لئے گلا گھونٹ دیا گیا۔ کیا کسی کی مجال تھی۔ کہ وہ پادری کے سامنے کسی بات پر دلیل طلب کر
سکتا جبکہ اس فعل پر کفر کا فتویٰ اور زندہ جلا ڈالنے کی سزا اُس کیلئے ہر وقت طیار رکھی تھی۔

الغرض جہاں عیسویت کا قدم درمیان تھا۔ آگے ترقی ناممکن تھی۔ اور یہ خدا کی منشا کے خلاف تھا کیونکہ
ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ کوئی چیز ساکن نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز ترقی کی طرف چل رہی ہے جب فطرت
ترقی کرتی ہے۔ نئے تقاضے اور احتیاج رونما ہوتی ہیں۔ اور نئے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور تمام
کوششوں کے باوجود بھی عقل اور معقول پسندی کی مقدس شمع برابر اسی طرح روشن ہے۔ تو پھر کیا ہمیں اس
نبی کا ممنون احسان نہ ہونا چاہئے جس نے فرمایا کہ میں نوع انسان کے لئے رحمت ہو کر آیا ہوں اور
یہ بالکل سچ ہے۔ کہ وہ نوع انسان کے لئے رحمت تھا۔ اس نے ہمیں سکھایا کہ الخلق عیال اللہ
یعنی ہم سب خدا کا کنبہ ہیں۔ اور یہ کہ خدا نہ تو انسان سے نفرت کرتا ہے! اور نہ وہ اگلے باپ دادوں کے
اعمال کے بدلے ہمیں سزا دیتا ہے۔ اور یہ کہ ہم بطور ورثہ پدری گناہ سے ملوث پیدا نہیں ہوتے۔ اس
نے بتلایا۔ کہ "میں آدمی سے بڑھکر اور کوئی چیز نہیں جب میں دین کے بارے میں تم کو حکم دوں تو
اُس کو مانو۔ اور جب میں تم کو دنیوی امور کے متعلق کوئی حکم دوں تو پھر میں ایک انسان ہوں" مسیح
بھی یہی پیغام لایا تھا۔ لیکن اُن کے شاگردوں نے ٹھیک طرح سمجھا نہیں۔ نہ سمجھنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ
بہت تھوڑا وقت اُن کے ساتھ رہا۔ اور بوجہ سادہ اور گنوار ہونے کے انکی دماغی قابلیتیں ایسی نہ تھیں
کہ مسیح کے کلام کے استعارہ کی حقیقت کو وہ پہنچتے نتیجہ یہ ہوا کہ لفظ پرستی میں پڑ گئے۔ سب سے بڑھ کر
حضرت نبی کریم صلعم کا یہ احسان ہم بھلا نہیں سکتے کہ آپ نے عقل سے کام لینے اور فکر و تدبر کرنے پر بڑا
زور دیا۔ اس حالت میں تو آپ نے تشریف لا کر قعر جہالت میں گرتی ہوئی دنیا کو نہ صرف سنبھالا بلکہ اُسے

معراج کمال کی طرف اُبھارا۔ جہالت کے دریا میں غرق شدہ دنیا کے لئے ضرور تھا۔ کہ خدا کا رسول ہی آکر صور پھونکے اور اس مردہ کو زندہ کرے۔ ہاں وہ صور عرب سے پھونکا گیا جس سے نسل انسانی خواب غفلت سے بیدار ہوئی اور اُس میں نئے سرے سے جان پڑی۔ اُس وقت یورپ شدید تو ہمات وجہالت میں غرق تھا۔ سائنس کے پڑھنے پڑھانے سے سختی سے روکا جاتا تھا تحقیقات کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ محقق پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگ جاتا تھا۔ اور تجربات عملی کرنیوالا ساحر یا ساحرہ قرار دیا جا کر زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اور نسل انسانی نہایت ذلت کیساتھ پادریوں کے قدموں میں سربسجود تھی لیکن اسلام میں نقشہ ہی جدا تھا۔ بڑے بڑے کالج کھلے ہوئے تھے جن میں اعلیٰ سے اعلیٰ فلسفہ سکھایا جاتا تھا۔ بڑی بڑی علمی اور طبعیات کے متعلق تحقیقاتیں ہوتی تھیں۔ اور اسلامی دُنیا تمام عالم کے لئے مخزن علوم وفنون بنی ہوئی تھی پس آؤ۔ ہم اپنی قوت ممیزہ اور فہم و ادراک کو کام میں لائیں۔ کورانہ تقلید کو خیرباد کہیں اور بعض جاہلوں کی طرح دوسرے مذاہب کی خواہ مخواہ تردید نہ کریں۔ یاد رکھو مذہب علم کا حقیقی سرچشمہ ہوتا ہے۔ پس جو مذہب تحصیل علم سے روکتا ہے۔ ضرور ہے کہ وہ مذہب اس خدا کی منشا کے خلاف ہو جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اسلام ہمیشہ ترقی کے پروان چڑھاتا رہا ہے اور یورپ کے ذمہ اس کا ایسا قرضہ ہے۔ جو کسی صورت میں بھی ادا نہیں ہو سکتا جب ہمارے پاس تاریخ ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ تو پھر ہم واقعات سے آنکھیں بند کر کے اسلام پر جھوٹے الزام کیوں لگائیں جس نے یونان و روما کے فلسفہ کی اُس وقت حفاظت کی جبکہ مسیحی دُنیا ان تحریروں کو جلتے ہوئے شعلوں کی نذر کر دیا کرتی تھی۔ ہم اپنے نبی کریم صلعم کے اقوال کو کبھی نہیں بھلا سکتے جن میں سے کچھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؛

"حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں کہیں سے مل جائے وہیں سے لے لو" ؛

"علم سیکھو مہد سے لے کر لحد تک" ؛

"ایسا علم جس سے کسی کو نفع نہ پہنچے۔ اُس خزانہ کی مانند ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کوئی صدقہ وزکوٰۃ نہ دی جائے" ؛

"عالم وہی ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے" ؛

"رات کو ایک گھنٹہ علم سکھانا تمام رات عبادت کرنے سے بہتر ہے" ؛

"طلب علم ہر مسلمان پر خدا کی طرف سے فرض ہے" ؛

"عالم کی سیاہی شہید کے خون سے مقدس ہے"

"خالق کے کاموں پر ایک گھنٹہ تدبر کرنا ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے"

ان احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ کیوں نہ ایسے نبی کے متبعین (جس کے یہ فرمان ہوں) اپنی علمی تحقیقاتوں سے دنیا کو منور کردیں۔ اور علم کی مشعل کو اس وقت بلند رکھیں جبکہ تمام دیگر مذاہب کے پرستار اس کو کیچڑ میں دفن کر رہے ہوں پس ضرور تھا۔ کہ مسلمان اپنے اردگرد کی تمام قوتوں کی تحقیقات کرنا اپنا مذہبی فرض گردانتے۔ اور تنگ دل اور متعصب نہ بنتے اور تخیلات کو واقعات نہ سمجھنے لگتے کاشکہ وہ مشہور و معروف آدمی جس نے کتاب "عقل کا زمانہ" (دی ایج آف ریزن) لکھی ہے۔ اگر اسلام کا مطالعہ کرلیتا۔ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اسکو سمجھ آجاتی۔ کہ اسکے عقاید وہی ہیں۔ جو اسلام کے ہیں اس نے کہا ہے کہ "میں ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور بس۔ اور مجھے بعد الموت زندگی میں آیندہ کی خوشی کی توقع ہے" اس نے دینیات میں سے ہر چیز کو معقولیت کی نگاہ سے پرکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مغربی اصول کی اس کو تردید کرنی پڑی۔ اس کے قلب کی پرواز فضول کج بحثیوں اور بال کی کھال نکالنے والی لغویات اصیاکاریوں سے بہت بلند تھی۔ اور اس کو خدا کی معرفت ان لوگوں سے بہت بڑھ چڑھ کر نصیب ہوئی جو اسکو ناحق بدنام کرتے ہیں۔

اسلام ایک خدا پر ایمان سکھاتا ہے جو تمام بنی نوع انسان کا خالق۔ رب اور پالنے اور قایم رکھنے والا ہے۔ اور جو ایک ایسی ہستی ہے جسکی عطا و بخشش میں کسی کی رورعایت نہیں اور جو تمام قوموں کا یکساں باپ ہے اسلام اخلاقی ذمہ داری سکھاتا ہے یعنی یہ کہ ہمارے اپنے ہی اعمال ہمارے لئے اجر یا سزا کا باعث ہونگے۔ ہم کو اپنا بوجھ دوسروں پر نہیں ڈالنا چاہئے۔ کیونکہ اپنا اپنا حساب خود ہی دینا پڑیگا پس اس طرح ہم کو زندگی کی جدوجہد کے لئے خوب تیار کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے۔ کہ ہم اپنا مستقبل خود ہی خواہ سنوارلیں خواہ بگاڑلیں۔ مغرب کے ممالک میں جو یہ خیال رایج ہے۔ کہ نیک کام کرنے پر خدا کوئی انعام دیگا۔ اور بدی اس لئے نہ کرو۔ کہ بدی کے کرنے پر خدا تم کو سخت سزا دیگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ سزا کے خوف سے بدی نہ کرو۔ یہ خیال ٹھیک ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی کسی لڑکے کو تربیت کرنے کیلئے ایک طرف تو سیب دکھائے اور دوسری طرف ڈنڈا دکھلائے۔ تو وہ سیب کے لالچ اور ڈنڈے کے ڈر سے اپنے تئیں درست کرے۔ کیا یہ ایک غلط خیال نہیں ہے؟ کیا یہ خیال یہ بات سکھاتا ہے۔ کہ نیکی اور

لئے کرنی چاہیئے۔ کہ وہ عدل ہے۔ اور بدی اس لئے چھوڑنی چاہیئے۔ کہ وہ ظلم ہے ؛ کیا ایک انسان آگ اور گندھک کی جھیل کے خوف اور اُس میں ڈال دئے جانیکی دھمکیوں سے اعلیٰ اخلاق فاضلہ پر پہنچ سکتا ہے ؛ کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہے۔ کہ انسان کو ترغیب دی جائے۔ کہ وہ عقل سے کام لیکر صراط مستقیم کو پاوے۔ کیونکہ یہی وہ راہ ہے جس میں انجام کار اُسکی بہتری ہے اور کسی کو علم حاصل کرنے سے نہ روکا جائے۔ کیونکہ جو مذہب ایسا کرتا ہے وہ انسان کے خفیہ علم حاصل کر لینے پر ایک دن زوال پذیر ہوجاتا ہے پس جیسا کہ اسلام میں حکم ہے۔ انسان کو اپنی خدا داد عقل کو کام میں لانے سے نہ منع کرو۔ بلکہ اس راہ میں اُس کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاؤ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ ترقی کریگا۔ اور بتدریج کمال حاصل کریگا۔ اور اپنے ہمجنسوں کے لئے نفع رسان ثابت ہوگا۔ ہمارے نبی کریم صلعم فرماتے ہیں "خدا نے کوئی شے عقل سے بڑھکر بہتر اور کامل اور خوبصورت پیدا نہیں کی۔ اسی کی وجہ سے خدا کی بخششوں سے ہم فایدہ اُٹھاتے ہیں اسی سے ہمین سمجھ عطا ہوتی ہے اور خدا کا غضب بھی اسی کی وجہ سے بھڑکتا ہے۔ جزا و سزا بھی اُسی کی وجہ سے ہیں"۔ الغرض اسلام مین عقل کو سب سے بلند مقام دیا گیا ہے۔ اور دُنیا کو بڑی حد تک اس کرم رسولؐ کا جو عقل کا سب سے بڑا حامی تھا ممنون احسان رہنا پڑیگا جس نے اپنے تبعین کو ہر ایک پہلو سے ترقی کرنے کیلئے وصیت کی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ لوگ نوع انسان کے معلم بن گئے۔ اب آؤ ہم اپنے اپنے دینوں کی چھان بین کرین۔ اور اُن پر معقولیت سے نظر ڈالین اگر وہ عقل کی کسوٹی پر درست اُترتے ہین۔ تو وہ منجانب اللہ ہین۔ اور اگر وہ درست ثابت نہ ہون تو پھر اگر ہم اُن کو نہ چھوڑیں۔ تو ہم انسان ہی نہیں۔ مذہب ایسا ہونا چاہیئے۔ جو ہمیں اعمال صالحہ کی ترغیب دے۔ اور خدا کی معرفت کو ترقی دے۔ اور خدا نے جو نعمتیں ہمیں عطا کی ہیں اُن کا اور خود نفس انسانی کا صحیح علم عطا کرے۔ اگر ہم معقول پسندی اور صحیح منطق سے کام لین گے۔ تو ہمارے تعصبات اور میلان طبع کی دیواریں درمیان سے اُٹھ جائیں گی۔ اور ہمارے اس ستارہ یعنی زمین مین صلح و امن اور ترقی کا چاروں طرف دور دورہ ہو جائیگا ؂

اسلام

یہودی اور عیسائی مذہب کے درمیان ایک اعتدال کی راہ

مذہب اسلام کا دو بڑے مذاہب یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ برادرانہ تعلق ہے کیونکہ ان تینوں مذہبوں کی تاریخ میں اشتراک موجود۔ یا نیوں میں اشتراک موجود۔ کسے شک ہے۔ کہ یہودیت اور عیسویت کا آپس میں شدید رشتہ ہے۔ ہر ایک عیسائی حضرت موسیٰؑ کو اور توریت کو مانتا ہے۔ یہودی اور عیسائی دونوں حضرت ابراہیمؑ کو مانتے ہیں۔ اور یہاں اسلام بھی اُن کے ساتھ آملتا ہے۔ ابراہیمؑ کو سب سے پہلا مسلم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلعم اُسی قدیم اور سادہ موحدانہ ابراہیمی ملت کو زندہ و مکمل کرنے اور شریعت کی شکل میں بدلنے کیلئے تشریف لائے تھے۔ اسلام نے صرف اسی ایک مذہب کی ہی تکمیل نہیں کی۔ بلکہ جو بھی منجانب اللہ مذہب تھا۔ اُسکی تکمیل کی۔ اسلام ایک مشترکہ رسی ہے جس نے تمام مذاہب کو جکڑ کر ایک کر دیا۔ یہ یہودیت اور عیسویت کے درمیان ایک نہایت ہی عمدہ اعتدال کی راہ ہے۔ مسیح کیوں آیا تھا؟ یہودیت کو ظاہری رسومات اور پابندیوں کی قید سے نجات دلانے کیلئے۔ اور ظاہر پرستی سے باطن اور روحانیت کی طرف لیجانے کیلئے۔ کسی حد تک مسیح کو یہودیت سے وہی نسبت ہے جو گوتم بدھ کو برہمنوں کے مذہب سے ہے دونوں نے ذات پات اور رسم و رسومات کی زنجیروں کو کاٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ گو بدھ کے کام میں زیادہ مشکلات تھیں۔ اور اُس نے کارِ نمایاں بھی بڑھکر دکھایا لیکن ان مذاہب کی موجودہ حالت کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے۔ کہ بدھ اور مسیح دونوں زور رسی میں حد سے زیادہ گذر گئے۔ اور اُنھوں نے مقصودِ حقیقی کے پانیکی خاطر صراطِ مستقیم پر لوگوں کو چلانے کیلئے ایک زندہ ایمان اور قوتِ عملی پیدا کرنے کی بجائے مذہب کو محض ایک قسم کا ناقابلِ عمل فلسفہ بنا دیا۔ جو محض خوابِ خیال کی طرح اور ناقابلِ فہم تھا۔

بدھ نے اپنے شاہی تخت پر لات ماری اور تمام معاشرتی تعلقات کو قطع کر دیا۔ شاہی چھوڑکر جوگ قبول کیا صرف اس لیے کہ باوجود عقلِ کل ہونے کے مدعی ہونے کے اسکو یہ ناممکن معلوم ہوا کہ دنیوی تعلقات کے ساتھ اپنی روحانی اُمنگوں کو بھی نبھا سکے۔ مسیح کی نسبت بھی کہا جاتا ہے۔ کہ آپنے تمام دنیوی اور

معاشرتی تعلقات کو ذہن سے محو کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اپنی مقدس بیوی کو جھڑک دیا اور یوں گویا ہوئے۔ "اے عورت تو کون ہے؟ اور تیرا مجھ سے کیا کام؟" بدھ نے بھی اپنی ذات سے ایک ایسی مثال قایم کی جسکی دوسرے تقلید نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس نے اپنے نمونہ سے یہ دکھلانا چاہا۔ کہ انسان کس طرح ترقی کرتا کرتا بشریت سے اونچا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ خود مسیحیوں کے قول کے بموجب مسیح نے یہ کبھی نہیں چاہا۔ کہ وہ لوگوں کیلئے خود نمونہ بن کر دکھلائے۔ کیونکہ اسکا یہ دعویٰ تھا۔ کہ وہ بشر سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے یعنی خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ تو پھر اس مقام پر پہنچنے کی کون توقع کر سکتا ہے مسیح اور بدھ مشن کے خلاف موسیٰ علیہ السلام کا مشن بالکل ظاہر یہ اور عملی تھا۔ شریعت دے کر ایک مقنن تھے انہوں نے کثرت سے قوانین مقرر کئے۔ اگرچہ وہ کامل نہ تھے لیکن جو بھی قوانین بنائے انہوں نے چاہا کہ لفظ بہ لفظ انکی اتباع کی جائے۔ اُن کے نزدیک ظاہری شریعت پر عمل ہی مذہب سب کچھ تھا۔ اور جب تک اُن تمام قوانین اور رسومات پر جو انہوں نے دئے تھے عمل نہ ہو نجات ناممکن تھی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ قوانین معقول اور قابل عمل بھی تھے۔ اور حضرت موسیٰ کا منشا تھا۔ کہ نہایت سختی سے اُن کا التزام کیا جائے۔ اس طرح یہودیت اور عیسویت اصول کے لحاظ سے تو ایک دوسرے سے جدا تھے مگر ایک بات میں مشترک تھے۔ اور وہ یہ کہ دونوں نے انسان کو اپنی جگہ شخصی ذمہ داری سے آزاد کر دیا تھا۔ یہ دونوں اس بات سے بدھ مذہب سے بالکل مختلف تھے۔ بدھ مذہب نے انسان پر شخصی ذمہ داری کا بوجھ اس قدر ڈال دیا تھا۔ اور بتا دیا کہ انسان [illegible] تو ناممکن ہو گیا تھا۔ کہ مقصد حقیقی کو کبھی حاصل کر سکیں۔ اور اخوت انسانی کو بھی نبھا سکیں۔ کچھ شک نہیں کہ یہودیت نے بہت سخت قوانین باندھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مگر اُس نے نجات کو اسرائیلی قوم کیلئے مخصوص کر دیا تھا۔ اور یہ انسانی طاقت سے باہر تھا کہ اسرائیلی بن سکے اس لئے نجات کا دروازہ بنی نوع انسان کے کثیر حصے کے لئے بالکل بند ہو چکا تھا۔ اور اس طرح شخصی ذمہ داری کا خون ہو چکا تھا۔ عیسویت میں سرے سے قوانین اور رسومات تھے ہی نہیں۔ لے دے کے بپتسمہ کی ایک رسم باقی جاتی ہے۔ ایک عیسائی کے لئے مسیح پر ایمان لے آنا اور بپتسمہ لے لینا نجات کیلئے پروانہ راہداری ہے اور بس۔ ہر ایک ایمان لانیوالے کے تمام گناہوں کیلئے مسیح کفارہ ہو چکا ہے پس اگر میں بپتسمہ لے لوں۔ اور مسیح کے نجات دہندہ ہونے پر ایمان لے آؤں۔ تو پھر خطرناک سے خطرناک گناہوں کا بھی اگر میں مرتکب ہوں تو وہ میری نجات

میں ہرگز روک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسیح میرے تمام گناہوں کے بدلے میں مصلوب ہو چکا ہے۔ اس طرح تمام شخصی ذمہ واریاں خاک میں مل گئیں +

اب اسلام کو لو۔ اور اس کا دعویٰ کہ وُہ ایک ایسا مذہب ہے۔ جو اعتدال پر قایم ہے۔ روزروشن کی طرح صاف نظر آئیگا محمد رسول اللہ صلعم کا مقصد یہ تھا۔ کہ انسان کو خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ امیر ہو یا غریب۔ سپاہی ہو یا ملاح جب تک وہ دُنیا میں زندہ ہے۔ اُسے ایک کامل انسان بنایا جائے اور جب وہ اس دُنیا کو چھوڑے۔ تو خدا کی بادشاہت کا ایک قابل قدر فرد ثابت ہو۔ آپ نے اس خیال کو دور کیا۔ کہ کوئی قوم یا قوم نسل خدا کی برگزیدہ تھی۔ اور صرف اکیلی وُہی نجات کی مستحق تھی حضرت موسیٰ کی حدبندی کو دُور کر کے آپ نے نجات کو تمام بنی نوع انسان تک وسیع کیا لیکن حضرت موسیٰ سے آپ کو اس بات میں مماثلت بھی ضرور ہے۔ کہ آپ نے شریعت سکھا دی۔ مگر شریعت کے قوانین کل نوع انسان کی ہدایت کے لئے عالمگیر اصول پر پیش کئے۔ مسیح کی تعلیم کے خلاف آپ نے نجات کو صرف کسی خاص نبی پر ایمان لے آنے پر ہی منحصر نہیں رکھا۔ بلکہ اعمال پر بھی زور دیا۔ ہاں مسیح سے اس امر میں مماثلت بھی ہے۔ کہ آپ نے قوانین شریعت کے بارے میں لفظ پرستی کی بہ نسبت اُن قوانین کی حقیقت اور مغز کی طرف زیادہ توجہ دلائی +

آنحضرت صلعم نے نہایت دلیری سے اعلان کیا۔ کہ ہر ایک شخص کو اُس کے اعمال کے مطابق جزا سزا دی جائیگی۔ آپ نے صاف طور پر فرما دیا۔ کہ کوئی دوسرے کی نجات کا ذمہ نہیں لے سکتا۔ یہ عقیدہ کہ انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے۔ اُلٹا کر بالکل برعکس کر دیا۔ یعنی انسان بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ کفارہ کا مسئلہ اڑا دیا گیا۔ یہ صاف طور پر بتا دیا گیا۔ کہ ہر ایک انسان خواہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ سے ادنیٰ اپنے اعمال کا خود ذمہ وار ہے جیسا بوئیگا ویسا کاٹیگا۔ اسی اصول پر آنحضرت صلعم نے تمام بنی نوع انسان کے لئے خواہ کسی قوم۔ نسل۔ رنگ اور ملک کے ہوں عالمگیر اور وسیع قوانین قایم کئے تا اعمال صالحہ بجا لانے کیلئے شمع راہ ہوں۔ چنانچہ اسلامی قوانین کے مجموعہ کا نام شرع ہے جس کے معنے ہیں شارع عام۔ اور بیشک وہ ایسی شارع عام ہے۔ جو انسان کے مطلوب و مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لئے سب سے سہل۔ سب سے زیادہ وسیع۔ سب سے زیادہ صاف اور سب سے زیادہ نزدیک راہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ آنحضرت صلعم نے بدھ کی طرح شخصی ذمہ واری پر نہایت زور دیا ہے لیکن بدھ مذہب

صرف ایک فلسفہ ہی فلسفہ ہے۔ جو تارک الدنیا لوگوں کے لئے ہی موزون ہو سکتا ہے۔ اس کے خلاف اسلام ایک فطرت کے مطابق۔ عالمگیر اور حریت پسند مذہب ہے۔ جو مصنف "معجزہ محمدی" کی تحریر کے مطابق " جہاں ایک طرف مخلوق کا خالق سے کامل طور پر رشتہ جوڑتا ہے۔ وہاں دوسری طرف وہ سب باتیں سکھاتا ہے۔ جو ایک صلح پسند باشندہ ایک بہادر سپاہی۔ ایک عاشق زار شوہر۔ ایک باوفا بی بی۔ ایک فرمان بردار بیٹے۔ ایک شفیق ماں باپ۔ ایک راستباز انسان۔ ایک عادل حاکم۔ ایک محقق عالم۔ ایک ہوشیار تاجر میں ہونی ضروری ہیں" اور جو تمام بنی نوع انسان کو عالمگیر اخوت کی لڑی میں پروتا ہے یہودیت کی طرح اسلام نے ہر کوئی پہلو تو انہیں سے خالی نہیں چھوڑا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ کہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اسکی مقدرت سے بڑھکر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر اسلام نے جانور کی قربانی جائز رکھی ہے۔ تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے۔ کہ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم یعنی خدا کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن اس تک صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اگر اسلام نے نماز کو خاص شکلوں میں قائم کیا۔ اور اگر تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا۔ کہ نمازیں سب متفقہ طور پر ایک خاص سمت کی طرف کیا کریں۔ تو ساتھ ہی نہایت فصیح و بلیغ رنگ میں قرآن میں یہ بھی گوش گذار کر دیا۔ کہ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون ۝ ترجمہ نیکی یہ نہیں کہ اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔ بلکہ نیکی تو انکی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاویں۔ اور خدا کی محبت کے لئے رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں سوال کرنے والوں کو۔ اور (غلامی وغیرہ کی قید سے) گردن چھڑانے کے لئے مال دیتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جب عہد کرتے ہیں۔ تو عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور تنگی اور تکلیف میں اور ہلا چلی کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (دعویٰ اسلام میں) سچے نکلے۔ اور

یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں "۔
اسلام میں ایمان اور اعمال صالحہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قرآن جہاں نماز کے قایم کرنے پر بہت زور دیتا ہے۔ وہاں زکوٰۃ اور صدقات کیلئے بھی نہایت تاکید کرتا ہے۔ اسلام جسم اور روح۔ عالم دنیوی اور عالم اخروی دونوں کے لئے بہتری کا طلب گار ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان کو جو دعا سکھاتا ہے وہ یہ ہے کہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی +
اسلام انسانی روح کو اعلیٰ سے اعلیٰ معراج پر پہنچانا چاہتا ہے۔ کہ تکلیف اور مصیبت کے وقت صبر اور دعا سے کام لیا جائے۔ کہ اسی سے تسکین ملتی ہے۔ اور قرآن میں فرماتا ہے وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون ۵ اور البتہ یہ شاق ہے۔ مگر ان پر نہیں جو خاکسار ہیں۔ اور جو یہ خیال پیش نظر رکھتے ہیں۔ کہ وہ آخر کار اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں +
(قدوائی)

حیوانات کے متعلق ہمارے فرایض

گذشتہ جنوری کی ۲ تاریخ کے پال مال گزٹ میں چند سطور شایع ہوئی ہیں۔ جن میں مرقومۃ الذیل فقرہ بھی تھا: "آکسفورڈ کے لاٹ پادری صاحب نے جہاں جہاں تک کہ اُن کے مذہبی اختیارات کی پہنچ تھی حکماً روک دیا ہے۔ کہ اُن حیوانوں کے لئے جو جنگ موجودہ میں شامل ہیں دعا نہ کی جائے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ زمانہ سلف سے گرجوں میں یہ دستور کبھی بھی نہیں ہوا۔ کہ ذوی العقول کے سوا کسی اور مخلوق کے لئے دعا کی جاوے "۔
اس پر گزٹ مذکور کا نامہ نگار اپنے خیالات اس طرح ظاہر کرتا ہے "گھوڑے اور کتے جو جنگ میں شامل ہوئے ہیں۔ وہ بالکل سپاہیوں کی طرح بہادر۔ وفادار اور جاں نثار

ثابت ہوئے ہیں۔ تو پھر ایک عیسائی کو خدا سے جو تمام مخلوق کا باپ ہے۔ اُن کے لئے بھی حفاظت الٰہی کیواسطے دعا کرنے سے کیوں شرمانا چاہیئے ؟ خدا کی حفاظت کو صرف اپنی جنس کیلئے ہی مخصوص سمجھنا تنگ دلی اور تکبر کا نتیجہ ہے ؟

ہم نے کتنی مرتبہ اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ بہت سے عیسائی اپنے مذہب سے بہتر ہیں۔ اور اُن لوگوں کے خیالات اور ارادے اس مذہب کی تعلیم سے جو انساں کا ساختہ پرداختہ ہے بہت بلند ہیں۔ بھلا لاٹ پادری صاحب کے متعلق جو لوگوں کو حیوانوں کے لئے دعا کرنے سے روکتے ہیں۔ اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ لاٹ پادری ہوتا کون ہے ؟ اور مہربانی کرکے بتاؤ کہ اُسے کس نے اختیار دیا ہے کہ لوگوں کو انسانیت سے روکے ؟ تو کیا جواب دیا جائے۔ آہ کس قدر قابل افسوس ہے۔ کہ یسوع کو اپنی زندگی میں اتنا وقت ہی نہ ملا کہ اپنی کُل تعلیم جمع کر جاتے۔ بلکہ آپ نے تو نئے عہدنامہ کا ایک نقطہ بھی خود نہیں لکھا۔ اگر ہمارے پاس مسیح کی خاص تعلیم ہوتی۔ تو ہمیں اس پر بحث کرنے کا پورا موقعہ ملتا۔ کیونکہ حضرت عیسٰی خدا کے نبی تھے۔ اور یہ نہایت قلق کا مقام ہے۔ کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اُنکی اصلی تعلیم کیا تھی آج مذہب عیسویت میں جو اصول اور عقاید ہم پاتے ہیں۔ وہ جہاں دیکھو معمولی انسانی تخیلات سے بھی پیچھے گرے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے قلیب پادریوں کی معجون مرکب تنگ حدود سے بہت زیادہ وسیع ہیں اگر ہم عہدنامہ جدید کی شہادت کو باور کریں تو ہمیں ماننا پڑیگا۔ کہ مسیح کے وقت میں آگے بھی غلامی کا بڑا رواج تھا۔ مسیح نے آکر اُسے اور اکسایا۔ شراب خوری کی لعنت آگے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ مسیح نے آکر کیا تو یہ کیا۔ کہ پانی کو شراب بنا دیا۔ اور آپ کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ بیماریاں بھوتوں کے ذریعہ ہوا کرتی ہیں۔ الغرض یہ باتیں ہمارے پلّے پڑتی ہیں۔ اگر ہم عہدنامہ جدید کو آپ کی سچی سوانح عمری باور کرلیں۔ لیکن یہ ہماری بدذاتی ہوگی۔ اگر ہم ایسا کریں۔ اس سوانحعمری کو ماننے سے تو آپ کی تمام زندگی کا نچوڑ چند خیالی ناقابل عمل نصایح اور غیر معقول طریق عمل رہ جاتے ہیں۔ پس زندگی کے دستورالعمل کے لئے پُرانا اور نیا دونوں عہدنامے لاشئے محض ہیں ؟

میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اُن ناپاک الزامات کے قبول کرنے سے جو اس کتاب میں جسے مقدس بائیبل کہا جاتا ہے۔ خدا کے نبیوں پر لگائے گئے ہیں۔ انکار کرتا ہوں۔ کیا میں یہ مانوں کہ نوحؑ طوفان سے نجات پاکر شراب پی کر بدمست ہوگیا ؟ یا ابراہیم علیہ السلام نے

جھوٹ بولا۔ اور اپنی بی بی کو دوسرے لوگوں کی خوابگاہ میں دو دفعہ بھیجا ؟ یا موسیٰ قتل عمد کا مرتکب ہوا
یا داؤد نے زنا کیا ؟ یا مسیح جھوٹ بولتا رہا۔ لوگوں کو مارا پیٹا۔ اور بے گناہ جانوروں پر بھوت چڑھا کر
اُنکی جانیں ناحق ضایع کیں ؟ نہیں ہرگز نہیں میں مکرر سہ کرر کہتا ہوں۔ کہ میں ان باتوں کو ہرگز
نہیں مانتا۔ اور اسی سلئے میں موجودہ بائیبل کو بھی نہیں مان سکتا۔ کیونکہ اُس نے ہر ایک معصوم
نبی کی سیرت کو داغدار کیا ہوا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ داؤدؑ اور مسیحؑ خدا کے
نبی تھے اور پاکباز لوگ تھے۔ اور اس معاملہ میں قرآن کریم ہی ہے جس کی میں اتباع کرتا ہوں۔
میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ موجودہ بائیبل بعض گمنام پادریوں کی لکھی ہوئی ہے جنہوں نے خدا کے
پاک نبیوں کی طرف وہ اقوال اور افعال منسوب کر دئے جو انہوں نے نہ کبھی کہے اور نہ کئے بنابریں
آکسفورڈ کے لاٹ پادری صاحب کا جانوروں کے لئے دعا کرنے سے انکار کرنا میں اس مذہب کی
خطا سمجھتا ہوں جسکو عیسویت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ مقدس پادری
صاحب کو اس معاملہ میں بائیبل میں کوئی ہدایت نہیں ہے جس پر وہ چلیں۔ کیونکہ وہ ہمارے
ساتھ رہنے والے بے زبان جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ اور اس
لئے لازمی امر ہے۔ کہ پادری صاحب کلیسیا کے رواج کے مطابق عمل کریں۔ کیسا افسوس ہے۔ کاشکہ
عیسویت میں کچھ تو الٰہی اخلاق کی جھلک ہوتی۔ کچھ تو تنگدلی میں کمی ہوتی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے۔ کہ
عیسویت میں انسان تو ایک ایسا اہم وجود ہے۔ جسکی پرستش بھی کی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ مسیح کی
ہوتی ہے۔ تو پھر جب انسان خود تمام کائنات کا معبود ہے۔ تو اُسکی شان سے بعید ہے کہ کسی دوسری
مخلوق کی طرف توجہ بھی کرے۔ پھر میں کہتا ہوں افسوس ہے۔ کہ عیسویت میں کچھ تو انسانیت
اس سے بڑھ کر ہونی چاہئے تھی۔ پال مال گزٹ کے نامہ نگار کی تنقید لاٹ پادری صاحب کی
تعلیم کی نسبت بدرجہا عمدہ ہے لیکن یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ ایک عام آدمی ایک پادری کو راہ راست
دکھانے لگا ؟ اسکی یہی وجہ ہے۔ کہ عیسویت ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اور انسانی خیالات زیادہ بلند
پروازی کو چاہتے ہیں ؟

اب تک تو میں نے ایسے مذہب کا ذکر کیا ہے جس میں کوئی بھی ہدایت نہ تھی۔ کیا میں اب
ایسا مذہب بتلاؤں جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق قوانین موجود ہیں۔ آؤ میں پہلے تو قرآن کو

کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔ اور پھر لاٹ پادری صاحب اور تمام مسیحیوں اور تمام جانوروں پر شفقت رکھنے والوں کی توجہ کو اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ سورہ انعام میں آتا ہے۔ ومامن دآبۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ..... ثم الی ربھم یحشرون ۰ ترجمہ۔ اور زمین پر کوئی جانور نہیں اور نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں پر اڑتا ہے۔ مگر تمہاری طرح کے گروہ یعنی مخلوق ہیں۔ ..... اور اپنے رب کی طرف جمع کئے جائینگے‘‘ میرے دوستو اس آیت پر خوب غور کرو۔ بائیبل میں تو کوئی ہدایت موجود نہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم سمجھدار اور معقول پسند ہو۔ اور ہر ایک سچی بات کو ماننے کے لئے تیار ہو ذرا سوچو۔ کونسی کتاب صحیح معنوں میں رہبر ہو سکتی ہے۔ وہ جو خاموش ہے یا وہ جو بولتی ہے۔ میں باقی اپنے ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ قرآن کریم ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ عالم حیوانات بھی ویسی ہی جان رکھتا ہے جیسے ہم رکھتے ہیں۔ یہ کہ وہ بھی ہماری طرح مخلوق ہیں جس طرح ہماری جانیں قبض کی جاتی ہیں۔ اسی طرح انکی بھی کی جاتی ہیں۔ اور ہماری انکی دونوں کی جانوں کا منبع مشترک ہے۔ کیا اس کو مان کر اور جان کر کوئی حیوانوں سے برا سلوک روا رکھ سکتا ہے؟ کیا کوئی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ وہ یہ کہے۔ کہ وہ جانور جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔ اور جنکی لاشوں پر وہ آنسو بہا رہا ہے پھر زندہ نہ ہونگے؟ اگر ایک جانور خطرہ میں ہے۔ تو کیا اس میں ہماری شان گھٹتی ہے۔ کہ ہم اسکی سلامتی کے لئے دعا کریں؟ کیا ایسا کرنے سے ہم خدا کی نگاہ میں ذلیل ٹھیریں گے؟ کیا ایسی دعا کی وجہ سے خدا ہم کو برکت نہ دیگا؟ پس یہ وہ تعلیم ہے جو اسلام سکھاتا ہے لیکن عیسویت میں چونکہ کوئی خدائی حکم نہیں۔ اسلئے غریب جانوروں پر کوئی شفقت رکھنے والا یہ حکم سنتا ہے کہ خبردار ان جانوروں کے لئے جو انسان کے دوش بدوش جنگ کے خطرات برداشت کر رہے ہیں۔ اور لڑائی کے میدان میں اپنی جانیں دے رہے ہیں اور جو انسانوں کی طرح زخمی اور پارہ پارہ ہو رہے ہیں۔ اور مرتے دم تک وفادار ثابت ہو رہے ہیں۔ ہرگز دعا نہ کرو۔ اور کیوں دعا نہ کرو؟ صرف اس لئے کہ یہ کلیسیا کے رواج کے خلاف ہے۔ کلیسیا کی حالت بھی قابل رحم! اور انسان کے ساختہ پرداختہ تنگ خیال مذہب کے متبعین کی حالت بھی قابل رحم!!!

مسٹر لین صاحب جو مدتوں اسلامی ممالک میں رہے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ان ممالک میں کبھی گدھے تک کبھی بُرا سلوک ہوتے نہیں دیکھا۔ اور تمام وہ لوگ جو اسلامی ملکوں میں رہ آئے ہیں۔ حیوانوں کی غور و پرداخت کو دیکھ کر حیران ہو ہو گئے ہیں۔ عرب اور اُس کے وفادار گھوڑے کے حالات کس نے نہیں پڑھے۔ پھر لوگوں کیلئے محل تعجب ہی کیا ہے۔ کہنے کو یہ لوگ عیسویت ہی کو دنیا میں اکیلا سچا مذہب کہتے ہیں۔ اور اسلام کو رد کرتے ہیں۔ مگر اسلامی ممالک کی اخلاقی حالت کو عیسوی ممالک سے بدرجہا بہتر پاتے ہیں۔ اور بجائے اس کے جیسا کہ ظاہر ہے یہ کہا جائے کہ اسلام کی یہ خوبیاں ہیں۔ کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ لوگ "عیسوی" اخلاق اختیار کرتے جاتے ہیں۔ کسی مذہب میں جو خوبی نظر آتی ہے۔ اُسے عیسویت کا اثر بتلاتے ہیں۔ الغرض ان حکایات کو پڑھنے سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ لکھنے والوں کی یہ افترا پردازیاں اور جھوٹی شیخیاں اظہر من الشمس ہیں۔ قرآن کے علاوہ جانوروں کے متعلق ہمارے نبی کریم صلعم نے بھی بہت سی ہدایات دی ہیں۔ ایک دفعہ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا چوپایوں سے نیک سلوک کرنے اور اُن کے پانی پلانے کا بھی اجر ہمیں ملے گا۔ آپ نے فرمایا: "ہر ایک جانور کے ساتھ جس کے جگر میں نمی ہے یعنی جو زندہ ہے۔ نیک سلوک کرنے کا اجر ملے گا"۔ پس ہر ایک مسلم کا فرض ہو گیا۔ کہ وہ اُن کے ساتھ نیک سلوک کرے جنہیں اُسی کی طرح خدا نے پیدا کیا ہے۔ پھر ہمارے نبی کریم صلعم نے فرمایا: "ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ اور جب سواری کے قابل ہوں تب چڑھو۔ اور جب تھک جائیں تو اُتر پڑو"۔ دیکھو یہ وہ حکم ہے جسکی اتباع کرنا ہر ایک مسلم پر فرض ہے۔ اور لازمی طور پر وفادار جانوروں کی طرف تو اور بھی توجہ بڑھیگی۔ میں نبی کریم صلعم کی شفقت کی جو تمام مخلوق سے آپ کو تھی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک شخص رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس کے پاس ایک اونی کپڑا تھا۔ کہنے لگا: "یا رسول اللہ (صلعم) میں جنگل میں سے گذر رہا تھا۔ تو میں نے چڑیوں کے بچوں کی آواز سنی۔ اُن کو پکڑ کر اس اونی کپڑے میں رکھ لیا۔ اتنے میں اُن بچوں کی ماں میرے سر کے گرد اڑنے اور پھڑ پھڑانے لگی۔ میں نے بچوں پر سے کپڑا اُٹھایا۔ تو اُنکی ماں بیتابی سے اُن پر گر پڑی۔ پھر میں نے اُن سب کو اُسی کپڑے میں لپیٹ لیا۔ اور وہ بچے یہ موجود ہیں"۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا: "ان کو نیچے رکھ دو"۔ جب وہ نیچے رکھ چکا۔ تو اُنکی ماں اپنے بچوں کے ساتھ شامل ہو گئی تب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "کیا تمہیں ماں کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت پر تعجب ہوتا ہے؟ میں قسم کھاتا ہوں اُس ذات کی جس نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ بیشک خدا کی محبت اپنی مخلوق کے ساتھ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ جو کہ اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے"۔ پھر فرمایا۔ کہ "ان بچوں کو جہاں سے تو نے اُٹھایا ہے وہیں رکھ آ۔ اور اُن کی ماں کو بھی اُن کے ساتھ رہنے دے"۔ یہاں میری ناچیز قلم کی تشریح کی کوئی حاجت نہیں۔ اسلام بلا امتیاز خدا کی ہر ایک مخلوق پر شفقت کرنا سکھاتا ہے۔ اور اس لئے جانوروں کے لئے دُعا کرنے کے مسئلہ پر بحث کرنے کی ہمیں ضرورت ہی کوئی نہیں رہتی۔ اس کے مقابل نامکمل سے مذہب میں جسے عیسویت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لاٹ پادری کے فیصلہ کی ضرورت محسوس ہونی ہی صفائی سے بتلاتا ہے کہ یہ مذہب منجانب اللہ نہیں بلکہ انسانی ہے +

راقم ایک جانوروں پر شفقت رکھنے والا

یسوع مسیح کا معجزہ شراب

حضرت مسیح کی طرف عام طور پر ایک معجزہ منسوب کیا گیا ہے۔ اور لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ آپ نے گویا پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا تھا۔ اسی خیال سے شراب کو شربت کے طور پر استعمال کرنے کی رسم رائج ہوئی ہے۔ کیونکہ جب کسی رسم کی ابتدا کسی نبی کی طرف منسوب کی جائے۔ اور یہ ظاہر کیا جائے۔ کہ وہ اس کام کا بانی مبانی ہے۔ تو پھر وہ لوگوں کے دلوں میں بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند مضبوطی کے ساتھ قدم جما لیتی ہے۔ متقدمین مسیحی پادریوں نے اس رسم میں اچھی طرح حصہ لیا۔ جس کا جو کچھ نتیجہ ظہور پذیر ہوا۔ اُسے بیان کرنے کی بجائے یونہی فرض کر لینا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ سخت ہی ناپسندیدہ بات ہے۔ کہ ان گندے قصوں کو دُہرایا جائے۔ جو عیسائی مصنفین نے راہبانہ زندگی کی بابت لکھتے ہیں۔ جب روحانیت کا سرچشمہ ہی گندا ہو جائے۔ تو پھر اُس سے وابستہ کھیتوں میں کسی پھل کے پیدا ہونے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ عارضی سرور منشیات

کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کو حاصل کرنے کیلئے لوگ اپنے اعصابی اور دماغی قوائے کو بھی تباہ کر لیتے ہیں۔ اِس کو مقدس بزرگوں نے جو روحانی پیشوا کہلاتے تھے۔ شراب کے استعمال کو جایز قرار دے کر خوب تقویت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مذہبی رسم ایک قومی رواج بن گئی۔ عیسائی اقوام نے مسکرات یعنی شراب کے کارخانہ صنعت کے قیام میں حد درجہ کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح اس سم قاتل کے مہلک اثر کو بڑھانے میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔ اس کا اثر صرف مسیحی اقوام کے افراد ہی نہیں۔ بلکہ اس فیاضی کا دایرہ اِن بے گناہ اقوام تک بھی پھیل گیا ہے جنکی قسمت کی باگ اُن کے ہاتھ میں آچکی ہے۔ میں فرانس میں بالکل نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی شراب کا عادی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور میری حیرانی یہ سن کر اور بھی بڑھ گئی۔ کہ تمام مرد اور عورتیں۔ جوان اور بوڑھے۔ امیر اور غریب سب کے سب دن میں کئی بار شراب کا استعمال کرتے ہیں۔ انگریزی قہوہ خانوں کی چائے کی جگہ فرانس کے قہوہ خانہ میں شراب استعمال کی جاتی ہے۔ جو بہت ہی قابل رحم اور تاسف انگیز حالت ہے ؎

شراب نوشی کے اس رواج کا انجام لازمی طور پر ان خراب نتایج کی صورت میں نمایاں ہوا ہے۔ جنکی وجہ سے لوگوں کی اخلاقی اور جسمانی حالت نہایت ردی ہو گئی ہے۔ اور روپیہ محض برباد ہو رہا ہے لیکن اب لوگ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کہ ایل (ایک قسم کی شراب جو جَو سے بنتی ہے) کو جو کہ سخت بیوقوفانہ حرکات کا موجب ہوتی ہے۔ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ بہت سخت گہرے اور ناقابل برداشت نقصانات سے بعض اوقات ایسے ایسے مفید سبق حاصل ہوتے ہیں۔ جن کو دھواں دھار تقاریر اور فصیح و بلیغ مواعظ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بنی نوع انسان کے قوائے جسمانی کی اس جانی دشمن کے استعمال کو صرف مذہبی سوسائٹیاں اور افسران طبابت ہی بُرا نہیں جانتے۔ بلکہ فوجی افسروں نے بھی فوجوں میں اس بدعادت کو روک دینے کی ضرورت محسوس کی ہے جو لوگ شراب اور مسکرات کے استعمال سے بچتے ہیں۔ وہ درحقیقت اپنے اندر ایک ایسی طاقت کا ذخیرہ بنا لیتے ہیں جو بوقت ضرورت اُن کو کام دے سکتی ہے۔ مگر جن لوگوں کی قوت مقابلہ جو انسان کی گویا جان ہے محرکات سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے شراب نوشی وغیرہ سے مذہبی مصائب اور مشکلات کے ماتحت اُنکی قوتیں عاجز آجاتی ہیں۔ اور آخرکار بالکل جواب دے بیٹھتی ہیں ؎

لارڈ کچنر نے یہ بڑا دانائی کا کام کیا ہے۔ کہ اُس نے میدان جنگ میں جانے والی انگریزی فوج کو ایسی نقصان دہ چیزوں کے استعمال سے روک دیا ہے۔ انہوں نے اور معاملات میں بھی بڑی زیرکی دکھائی ہے۔ مثلاً بڑے بڑے شہروں میں شراب خانوں کو مقررہ اوقات پر بند کردینے کا حکم دیا ہے روسی گورنمنٹ نے بھی ان ناپاک جذبات کے شیطان کا خاتمہ کردینا چاہا ہے۔ انہوں نے ایسی وسیع تجاویز کی ہیں کہ جن سے بیشمار مصائب کے سرچشمہ یعنی شراب خوری کو جڑ سے اُکھیڑ دیا جائے۔ انہوں نے تجربہ سے معلوم کیا ہے کہ مسکرات شراب اگر تھوڑی سی مقررہ مقدار میں استعمال کی جائیں۔ تو اس سے ایک نشانہ باز کی تعداد نشانہ بازی کی اوسط گھٹ جاتی ہے۔ لوگوں نے نہایت درد کے ساتھ یہ معلوم کیا ہے کہ شراب نوشی اُنکی افواج کی روحانی و اخلاقی حالت اور ضابطہ و طاقت کی بربادی کا موجب ہوتی ہے اُنہوں نے اس بات کو خوب سمجھ لیا ہے۔ کہ اگر ہم فتحمندی کے خواہشمند ہیں۔ تو یہ لعنت ہماری فوج سے فوراً اُٹھ جانی چاہئے۔ چنانچہ اُنہوں نے روس میں اس نجات دلا دینے والے مفید کام کو رایج کردیا ہے۔ اور ملک کو شراب سے پاک کرنا چاہا ہے۔ روس کے شاہان سلف میں سے ایک نے اسلام کو اس لئے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ کہ اسلام اسے شراب نوشی سے روکتا ہے لیکن اب اسی کا فرزند اس سے لوگوں کو روک دینا ضروری سمجھتا ہے۔ یہ تغیر بہت ہی تعجب انگیز ہے۔ انسان کے اپنے بنائے ہوئے قانون پر اب نکتہ چینی ہو رہی ہے۔ اور یسوع مسیح کا نام اس مباحثہ کی جڑ بنیاد ہے بعض انگریز یسوع مسیح کے معجزۂ شراب پر جو کہ نہ صرف اس کے استعمال ہی کو جایز قرار دینے کا ذمہ وار ہے۔ بلکہ اسے مقدس بھی بنا دیتا ہے۔ بہت سخت نکتہ چینی کرتے ہیں۔ بہت سی مذہبی تقریبات مثلاً بادشاہ کا جام صحت پیتے وقت شراب کا استعمال مسلمہ ضروریات میں سے ہوگیا ہے +

عشائے ربانی کے موقعہ پر "مقدس روٹی" اور "مقدس شراب" کی رسم کا سرانجام پانا نہایت ضروری ہے۔ اور ہر اتوار کو اس پر خوب ہاتھ صاف کیا جاتا ہے۔ اور اگر کچھ بچ رہے۔ تو اُسے پورا کرنا پادری کے فرایض میں داخل ہے میں نے بعض انگریزوں کے منہ سے یسوع مسیح کے معجزۂ شراب پر یہ ریمارک سنے ہیں۔ کہ صاف شفاف اور بے ضرر پانی کو شراب جیسی خبیث چیز میں تبدیل کردینا اُن کے شایان شان نہ تھا لیکن ہم ان لوگوں کے ساتھ متفق نہیں جو اس خدائے تعالیٰ کے پاک رسول حضرت مسیح علیہ السلام کو ذلیل کرتے ہیں۔ آپ کے متعلق کبھی بھی یہ مانا نہیں جا

سکتا۔کہ آپنے کوئی ایسا معجزہ دکھایا جو نسل انسانی کو گناہوں میں غرق کر دینے کا باعث ہوا ہو۔آپنے خود کبھی عہد نامہ جدید کو تصنیف نہیں کیا۔بلکہ یہ کتاب آپ کے چند صدیاں بعد لکھی گئی۔ان تمام کتابوں میں سے جو یسوع مسیح کے نام سے لکھی گئیں۔صرف چار کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔اور باقی تمام کو ناقابل قبول کہہ کر رد کر دیا گیا ہے۔مگر اعلیٰ پایہ کے محققین نے ان چار کو بھی انہی دلایل پر رد کیا ہے جنکی وجہ سے پہلے بہت سی انجیلیں رد کی جا چکی ہیں۔خدائے تعالیٰ کے ایک برحق مرسل کے دامن عزت وعظمت پر بدنامی کا سیاہ داغ لگا کر کوئی شخص کس طرح صبر کر سکتا ہے۔اس سے تو یہی بہتر ہے۔کہ عہد نامہ جدید کو بالکل رد کر دیا جائے۔بجائے اس کے کہ یسوع مسیح کو ان ناقابل قبول تعلیمات کے ذریعہ جو اُنکی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ناواجب نکتہ چینی کا تختہ مشق بنایا جائے۔وہ کتاب جو ایک مرسل برحق کے دامن عزت کو داغدار کرنے والی ہو۔بہتر ہے کہ اس کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔یسوع مسیح جسکی بابت خیال ہے۔کہ وہ نسل انسانی کی نجات کے لئے دنیا میں آیا تھا۔کیا اسی نے انسانوں کو گناہ اور ظلمت کے تاریک گڑھے میں گاڑ دیا۔یہ دو متضاد باتیں ہیں۔کہ تمام نبی نوع انسان کے منجی کو اپنے پیروؤں کو فسق وفجور میں مبتلا کرنے کا مجرم قرار دیا جائے۔یہ امر ایک مسلمان کے لئے جو کہ تمام انبیائے کرام کی عزت وعظمت کو پورے طور پر ملحوظ رکھتا اور ان سب کی حمایت میں کھڑا ہو جانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔سخت دکھ دینے والا اور بہت ناپسندیدہ ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔کہ حضرت مسیح کا مرتبہ ان ذلت آفرین تعلیمات سے جو دینی حکمرانوں یعنی پادریوں نے خود غرضی کے لئے آپ کی طرف منسوب کی ہیں۔بہت بلند اور بالاتر ہے۔آپ انبیائے عہد عتیق اور قرآن کریم کے آخری عہد نامہ کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن سبنے مسکرات کے استعمال کو ناجایز قرار دیا ہے مشترک طور پر الہام آلہٰی کے مورد تھے۔پھر کس طرح سے یہ مان لیا گیا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی ایسے احکام بھی صادر کئے تھے جو کہ تجربہ اور مشاہدہ سے ضرر رساں اور جھوٹ ثابت ہوئے ہیں پس عیسائیوں کو چاہیے۔کہ یسوع مسیح کی عزت وعظمت کو بحال کرنے اور اسے اُن گناہ آلودہ باتوں سے نجات دلانے کی پوری کوشش کریں۔جیسے کہ اُس نے اُن کو نجات دلانے کی کوشش کی لیکن ایسا کرنے میں وہ مسلمانوں کی پیروی کر کے ہی عمدہ کام سرانجام دے سکیں گے۔اس کام کے لئے سب سے بہتر تجویز تو یہ ہے۔کہ ایسے معجزات کا جو نیک نیت مگر سادہ لوح انسانوں نے ہمارے ایک بزرگ نبی حضرت مسیح

علیہ السلام کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ قطعاً انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ اسی ایک بات پر قدم جمائے رکھنے سے بہت نقصان کا اندیشہ ہے۔ یہ امر فطرت کے عین مطابق ہے۔ کہ لوگوں کو وہ بات ترک کر دینی چاہئے جو نقصان دہ ہو۔ خواہ اُس کے ثبوت اور تائید میں کوئی آسمانی حکم ہی بطور سند کیوں نہ پیش کیا جائے۔ اور ایسے گناہ آلود مسایل کی وجہ سے عہدنامہ جدید کی ہر ایک بات کی وقعت کے گر جانے کے باعث یسوع مسیح کے مشن کا تمام سوال ہی کمزور اور بودا ہو جاتا ہے۔ ایسی باتیں قابل قبول نہیں ہو سکتیں جنکی کوئی قابل اعتماد سند ہمارے ہاتھ میں نہ ہو پس یہ لوگوں کی سریع الاعتقادی اور سادہ مزاجی کی کیسی تذلیل اور سخت دھوکہ دہی ہے۔ کہ انہیں ایسی باتوں کا یقین دلایا جائے جو ایک نبی متقدس کے دامن عزت کو بٹہ لگانے والی ہیں +

لیکن اس گھرے بادل اور جہالت کی دردانگیز تاریکی میں ایک جھلک نمودار ہو گئی ہے۔ روسی سلطنت کی تاریخ میں یہ سال بہت ہی قابل یادگار رہوگا۔ کیونکہ اس نے ان دنوں وہ قانون پاس کیا ہے۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے وضع اور رایج کیا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی اشارہ تھا جس نے عرب کے گلی کوچوں میں شراب کے مٹکے تڑوا دیئے۔ اور ایک مدت کی پرانی رسم فی الفور نیست و نابود ہو گئی۔ یہ امتناعی حکم جس نے ایسا حیرت افزا انقلاب پیدا کر دیا جس نے انسان کی روحانی حالت کو اسفل السافلین کے رذیل طبقہ سے اُٹھا کر اسکی روحانیت کے بلندترین مقام پر لے جا کر کھڑا کیا۔ قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے +

یسئلونک عن الخمر والمیسر۔ قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس۔ واثمھما اکبر من نفعھما (۲-۲۱۶)

تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہدے کہ ان میں نقصان بہت زیادہ ہے لوگوں کے لئے فایدے بھی ہیں۔ اور اُن کا نقصان اُن کے فایدہ سے بہت زیادہ ہے +

یاایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتی تغتسلوا وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جاء احد منکم من الغایط او لٰمستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا

طیباً فامسحوا بوجوھکم وایدیکم ان اللہ کان عفواً غفوراً ٭

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تم اس بات کو سمجھو جو کچھ منہ سے کہتے ہو۔ نہ ہی جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھو سوائے اس کے کہ تم سفر میں ہو۔ یہاں تک کہ غسل کر لو۔ اور اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر میں ہو۔ یا تم نے عورت سے چھوا ہو۔ تو اگر تم پانی نہ پاؤ۔ تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔ یعنی اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرو بیشک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے (۴۔ ۴۷)

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین ٭

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ یقیناً شراب اور جوا اور بت اور قرعہ اندازی کے تیر پلید ہیں شیطان کے کام سے۔ ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ ٭

یقیناً شیطان چاہتا ہے۔ کہ تم میں دشمنی بغض ڈال دے۔ شراب اور جوئے کی وجہ سے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا ان سے منہ نہیں پھیرو گے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور ہوشیار رہو۔ پس اگر تم پھر جاؤ۔ تو جان لو۔ کہ ہمارے رسولوں پر صرف پہنچا دینا ہی فرض تھا ٭ (۵۔ ۹۲۔ ۹۳)

اخلاق فاضلہ

(از اے۔ نیول جے۔ وہمینٹ پی ایچ ڈی لیڈی ڈاکٹر)

اخلاق ایک ایسا لفظ ہے جس کا خاصکر پچھلے چند سالوں میں بہت غلط استعمال ہوا ہے۔ اور بہت غلط معنے اسکی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اسے حد سے زیادہ وسیع معنوں میں

بھی استعمال کیا گیا اور اس کے مفہوم کو بہت تنگ بھی کیا گیا۔ اس لئے خاص اخلاق پر بحث کرنیوالے کیلئے آج کل یہ نہایت مشکل ہے کہ اخلاق کی صحیح تعریف بتا سکے جب تک کہ اس کے ساتھ اس طرح کے الفاظ نہ لگائے۔ مثلاً یہ عیسائیوں کے خیال کے مطابق اخلاق ہیں۔ یہ بدھ کے خیال کے مطابق ہیں۔ یہ آزاد خیالوں کی رائے کے مطابق اخلاق ہیں جنہوں نے اخلاق کا معیار بہت آزاد اور وسیع رکھا ہے۔ لیکن اخلاق کے متعلق جب ہم زیادہ چھان بین کرتے ہیں۔ تو ہم کو پتہ لگتا ہے۔ کہ اخلاق کا جو بھی مجموعہ بنا ہے وُہ انسان کا اپنا ہی ساختہ پرداختہ ہے ہم عیسویت کی ایک کتاب میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ کہ ملہم لوگ خدا کی باتیں اور خدا کے بتائے ہوئے اخلاق لکھتے رہے لیکن کون کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ اخلاق جو اُنہوں نے پیش کئے۔ اور جن کا اُنہوں نے اعلان کیا۔ وہ اُن کے اپنے ہی خیالات کا نتیجہ نہ تھے ۔

دراصل اخلاق اپنی پوری تفصیل کے ساتھ ہر ایک آدمی کے لئے جُداگانہ ہی تعریف رکھتا ہے یہ بات تو آسان ہے کہ اخلاق کے بارے مین ایسے قوانین بطور اصول اور جڑ کے مقرر کردئے جائیں جنکی تمام آدمی بغیر کسی قسم کی دقت کے پیروی کرسکیں یا اگر ترمیم کی کہین ضرورت ہو تو بہت تھوڑی سی ترمیم سے کام چل سکے۔ لیکن اخلاق کے تمام شعبون اور فروعات مین دُنیا کے تمام آدمیون کو ایک ہی رسی مین جکڑا نہیں جا سکتا۔ آج سے تھوڑا عرصہ قبل تو ہمیں یہ جواب ملا کرتا تھا۔ اور اب بھی شاید بہت سے آدمی کہہ اُٹھیں گے۔ کہ اخلاق کی باریک سے باریک شاخ کو بھی ایک ہی قانون کے ماتحت جکڑا جانا چاہئے۔ لیکن ایسا کہنے والوں کی یہ بات مان کر ہمیں یہ مشکل پڑتی ہے۔ کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ کہ جب یہ عقیدہ شایع ہوا۔ کہ ہر ایک آدمی کے ساتھ خدا کا تعلق جُداگانہ ہے"۔ اور یہ عقیدہ شایع بھی اُن لوگوں کی طرف سے ہوا جن کو کلیسا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور ایسا عقیدہ شایع ہونا بھی ایسے ہی لوگون سے چاہئے تھا۔ تو کثرت سے لوگوں نے اس عقیدہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا جسکی وجہ یہی تھی۔ کہ اخلاق کے اُن تنگ اصولوں کو جنہوں نے سر سے پاؤں تک انسان کو جکڑا ہوا تھا۔ اور جو سالہا سال قبل ایک ایسی قوم کے لئے وضع ہوئے تھے۔ جو ہم سے بالکل مختلف تھی۔ ماننے کے لئے کوئی یقینی اور معقول دلیل موجود نہ تھی جب سے علوم حقہ نے دُنیا مین ترقی کی ہے۔ اور اُس کا اثر ہماری

روز مرہ کی زندگی پر پڑتا ہے۔ اُس وقت یہ عقیدہ پیدا ہونا شروع ہوتا ہے کہ ہماری روز مرہ کی زندگی میں عقل کو ہمارا رہبر ہونا چاہیئے۔ کیا ضرورت ہے کہ وہ پُرانے عقاید یا اصول جو اپنے زمانہ کے لئے ہی مخصوص تھے۔ اور آج قوموں کے ظاہر یا باطن کے مناسب حال نہیں اُس پر خواہ مخواہ عمل کیا جائے +

پس یہ ایک سوال ہے۔ جو ایک ایسے شخص کی توجہ کے قابل ہے۔ جو مذہب کے متعلق تحقیقات کرتا ہو اور جس کا کام یہ ہو۔ کہ اگر انسان کی روح اور عقل میں تطبیق نہ ہو تو اُسکی اصلاح کرے۔ اس لئے کہ جب تک عقل اور روح میں تطابق نہ ہو یہ لازمی بات ہے کہ انسان کو کامل حریت اور نجات دلانے کے لئے ہماری ساری کوششیں رائگان چلی جائیں۔ کیونکہ سائنس سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ عقل کے تقاضے کو جو فطرتِ انسانی میں مرکوز ہے۔ پورا کرکے اسکی تسلی کی جانی چاہیئے۔ ورنہ عقل کی حدود کو توڑنے سے روح انسانی ہلاکت کے گڑھے میں گر جائیگی۔ کیا ان تمام مذاہب میں جو دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا مذہب بھی ہے۔ جو علیم وخبیر خدا کی طرف ہر زمانے کے مطابق رہنمائی کرتا رہا ہو۔ اور جو شبہ کی حالت میں اپنے متبع کو تقاضائے فطرت کے مطابق عقل کو اپنا رہبر بنانے کے لئے حکم دیتا رہا ہو۔ ہاں ہے۔ اور وہ بلا شک و شبہ اسلام ہے +

اب ناظرین کو پتہ لگ گیا ہوگا۔ کہ میں نے اس مضمون کا عنوان "اخلاق فاضلہ" کیوں قایم کیا جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ اخلاق سے اس قدر معنے اور مفہوم مراد لئے گئے ہیں۔ کہ وسیع معنوں میں اس کو استعمال کرنا ایک فعل عبث ہے۔ اور خاص معنوں میں اُس کا استعمال کرنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے میرا اخلاقی فرض تھا۔ کہ میں ایسے الفاظ استعمال کروں جن میں کوئی شک اور ابہام واقع نہ ہو۔ اور معنے اور مفہوم زیادہ صاف اور واضح طور پر ظاہر ہوں +

قدیم علم اخلاق پر بحث کرنا خواہ مقابلہ کرنے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ رسومات و خوش عقیدگیوں کی تاریخ کا ایک بے مزہ باب کھولنا ہے۔ ہاں اس سے صرف اتنا نظر آ سکتا ہے۔ کہ اُن لوگوں کیلئے جو ایسے اخلاق کی شب تار میں گھرے ہوئے تھے۔ کوئی صبح اُمید نہ تھی۔ پس میں اس باب کو بند ہی رکھتا ہوں۔ لیکن میں صرف ایک پُرانا عقیدہ بیان کر دیتا ہوں جس سے میرا مطلب

حل ہوجائیگا۔ اور وہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں معاشرتی اور تمدنی زندگی کے تمام افعال پر اس لغو عقیدہ کی حکمرانی تھی۔ کہ نیک کاموں کے لئے بخشش اور انعام کے لالچ دئے جائیں اور بُرے کاموں سے رُکنے کے لئے سزا کی دھمکی دی جائے۔ قوانین ایسے بنائے گئے جن میں صرف وعدہ یا وعید ہی تھا۔ اور یہ نہ کیا گیا کہ انسانی فطرت کو جو خود عدل کو چاہتی ہے۔ اُبھارا جاتا۔ تمام مذہبی دُنیا کو بھی حرص دامنگیر تھا۔ اگر کسی کو ضرورت ہو۔ تو قدیم کتب خانوں میں جاکر بڑی بڑی ضخیم کتابیں جو بڑے بڑے دینی مقتداؤں کی لکھی ہوئی ہیں پڑھ لے جنہوں نے انسانی علم اور انسانی قلب کے محدود ہونے کو ملحوظ رکھ کے خوب کھول کھول کر اس علم کے حالات لکھے ہیں۔ جو خدائی قوانین کے نافرمانوں اور اپنی خواہشات نفسانی کے پیروؤں کیلئے مقدر ہے میں اتنا بتلا دینا چاہتا ہوں کہ آج کل سرکاری قانون کی کتابوں میں ایک دفعہ اُن لوگوں کے خلاف بن گئی ہے جو اپنے زیر اثر لوگوں کو ڈرایا کرتے ہیں۔ اور جس سے ایسے لوگ جن کو ڈرایا جاتا ہے۔ فایدہ اُٹھا سکتے ہیں اگرچہ مذہب کے متعلق ایسا فقرہ ناگوار معلوم ہوگا لیکن سچی بات کہنی ہی پڑتی ہے۔ اُس زمانہ میں گرجے میں بھی وعظ ہوا کرتے تھے۔ کہ "ایسا کروگے تو بڑا انعام ملیگا" اور جو ایمان نہیں رکھتے۔ اُن کے لئے ابدی عذاب اور بھڑکتے ہوئے شعلے تیار ہیں۔

لیکن اخلاق فاضلہ اس عقیدہ کو رد کرتے ہیں۔ اور اسباب ونتائج کے فطرتی قانون کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہم سورۃ دھر میں پاتے ہیں۔ "انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً۔ ترجمہ:۔ ہم تمہیں کھلاتے پلاتے ہیں محض خدا کی محبت کے لئے اور ہم تم سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہیں" دیکھو یہاں کوئی انعام کا لالچ یا سزا کی دھمکی نہیں۔ نہ کسی بدلہ کی طلب ہے نہ شکریہ کی تمنا ہے۔ بلکہ محض اللہ کی رضا ہی مقصود خاطر ہے۔ پھر قرآن کریم میں اُسکی اکثر آیتوں کی طرح علیٰ حبہٖ بھی دو دوسرے معنی رکھتا ہے۔ اسکی اوّل معنی تو یہ ہے۔ کہ "خدا کی محبت کو مدنظر رکھ کے" اور دوسری معنی یہ ہے کہ "تا وجود کھانے کی خود بھی سخت ضرورت ہونے کے وہ خدا کے نام پر دوسروں کو دیتے ہیں"۔ اس پاک عقیدہ کے سامنے یہ عقیدہ کہ بڑے بڑے انعاموں کے لالچ سے نیکی کیا کرو کیسا فضول معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی عقیدہ میں کسی بدلہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خدا کی محبت کو مقصود حقیقی بنا یا گیا ہے

پھر اسی سورت میں ہم پڑھتے ہیں۔ جعلنٰہ سمیعاً بصیراً ۝ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً ۝ ترجمہ۔ ہم نے اُسے آنکھ اور کان (جو علوم کے دروازے ہیں) دیئے (اور نہ صرف علوم کے دروازے ہی دیئے بلکہ) ہم نے اُسے سیدھی راہ بھی بتلادی (کہ کیا چیز درست ہے اور کیا غلط ہے) اب چاہے اُن نعمتوں کی قدردانی کرے۔ یا ناشکری کرے"۔ اس آیت میں تمام اخلاق فاضلہ کی روح موجود ہے۔ اس آیت کا منشا تمثیلی طور پر یوں ہو سکتا ہے۔ کہ انسانی عقل ایک معبد ہے جس میں اخلاق کی سکونت ہے لیکن وہ اخلاق جو فطرت انسانی کے صحیح تقاضے کے مطابق ہیں۔ اور انسان کی رہبری کے لئے اُسکی فطرت میں مرکوز ہیں۔ ان اخلاق کی کنجی کو پا لینا کچھ مشکل نہیں کیونکہ یہ ہر ایک انسان میں موجود ہے۔ اُسکی روح کے اندر بقا کے چشمے موجود ہیں۔ اگر وہ خود اُن کو دبا دے۔ تو اس سے خالق پر الزام نہیں آ سکتا۔

اب اس بحث میں ایک بات باقی رہتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اخلاق فاضلہ کی یہ خوشنما اور راحت بخش تصویر دیکھ کر بہت سے لوگ ممکن ہے متاثر ہونگے۔ اور اسکی طرف کھنچیں گے لیکن انہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ اخلاق نہ تو سطحی قسم کے ہیں اور نہ روغنی مٹی کے بت ہیں کہ اپنی خواہشات کے مطابق جیسے چاہے بنا لئے۔

اخلاق کے جانچنے کے لئے پیمانہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ اپنی خواہشات کے مطابق اُنکی جیسی شکل چاہیں بدلتے چلے جائیں۔ بلکہ اس میں پایداری اتنی کافی ہونی چاہیئے۔ کہ اپنی حالت پر قائم رہے پس اخلاق کے جانچنے کے لئے عقل سلیم کا پیمانہ ہونا چاہیئے۔ نہ کہ خواہشات نفسانی کا۔ اگر خواہشات نفسانی کی اتباع کر کے کوئی شخص خود اپنے ساتھ دغا کرے۔ تو اس کا انجام پرلے درجہ کی پشیمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنے نفس کو دھوکا دینا آسان راہ ہے مگر انجام نہایت خطرناک ہے پس جو شخص ایمانداری اور دیانت داری سے اپنے اعمال کا محاسبہ عقل سلیم کے پیمانہ سے کریگا۔ وہ ایک محفوظ قلعہ میں اپنے تئیں پائیگا جس کو تسخیر ہونے کا کوئی خطرہ نہیں اور جس کے گرد گلاب کے پھولوں کی باڑ ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلعم سے آپکے آخری وقت میں جب دریافت کیا گیا کہ آپکے بعد آپ کے تبعین کو کس چیز کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ تو آپنے فرمایا۔ کہ تمہارے پاس قرآن مجید

ہے صحابہ نے عرض کیا کہ درست ہے۔اگر ایسی باتیں پیش آجائیں۔جو اس میں مذکور نہ ہوں تو پھر ہم کیا کریں۔اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسکرا کر عقل سلیم کی پیروی کیلئے ارشاد کیا جسکی آواز ہر ایک بشر اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔اور جو القائے ربانی کے قریب قریب ہے ✦

پس ہمیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کا رستہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے بعض حالتوں میں ہم رستہ کا کچھ حصہ مل کر طے کرتے ہیں۔یا کسی چوراہے پر آپس میں مل جاتے ہیں جس سے زندگی انسانی پُر ہے لیکن رستہ کا زیادہ حصہ اکیلے ہی طے کرنا پڑتا ہے۔اور بھٹک جانے کا اندیشہ ساتھ ہوتا ہے۔کیونکہ زندگی کی مثال ایک بڑے بازار کی ہے جسکی شاہ راہ کے دونو طرف دوکانیں اور ولربا سائبان بنے ہوئے ہیں۔اُن کی دلکشی ہمیں ایک گھڑی اُن کے نیچے دل بہلانے کی طرف مایل کرلیتی اور منزل مقصود کو بھلا دیتی ہے ہمیں دیکھنا چاہئے۔کہ جب ہم اکیلے چلتے ہیں۔تو کیا ہم میں ایسی طاقت ہوتی ہے۔جو ہمیں دلیری سے آگے بڑھنے کے قابل بنادے۔یا ہم اندھیرے میں اندھوں کی طرح ٹاک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں۔اگر ہم اُس پیمانہ کو زیر نظر رکھیں گے۔جو میں نے اوپر بیان کیا تو نہ صرف آپ ہی آگے بڑھیں گے۔بلکہ دوسروں کی بھی مدد کرسکیں گے۔جیسا کہ رات کی تاریکی میں مشرق کی عجوبہ روزگار سرزمین میں یہ ضروری ہوتا ہے۔کہ راستہ دیکھنے کے لئے چراغ ہاتھ میں ہو۔اور اس چراغ کا یہ فایدہ ہوتا ہے۔کہ نہ صرف چراغ والا ہی رستہ دیکھتا ہے۔بلکہ دوسروں کو بھی پتہ لگ جاتا ہے۔کہ کوئی آرہا ہے۔اور اس طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر گرنے سے بچ جاتے ہیں اسی طرح ہماری روزانہ زندگی میں عقل سلیم کا روشن چراغ ہمارے ساتھ ہونا چاہئے۔تاجب چاند تاریک بادلوں میں مخفی ہو تو ہم زندگی کی تیرہ و تار راہ پر سے صحیح و سالم گذر جائیں یہاں تک کہ بقائے جاودانی کی صبح صادق میں ہمیں وہ فراموش شدہ خزانے نظر آنے لگیں۔جو اس وقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں ✦

عرب فاتح

ترجمۂ نظم

(از بیومانٹ ہل)

شہرت کے پروں پر خالد کے ساتھ ساتھ ایک اور سردار بھی اُڑ رہا تھا جسکی رگوں میں عرب کا خون دوڑ رہا تھا۔ اور قابل فخر قوم قریش کی نسل سے تھا۔ وہ شاعر ہو کر بھی ماں کے پیٹ سے سپاہی پیدا ہوا تھا فلسطین کے جنگی معرکوں میں وہ سب سے آگے نظر آتا تھا۔ اور بیت المقدس کی فتح میں جو عمرو بن العاص نے کام کئے۔ اس کے گیت ہمیشہ گائے جائیں گے۔ اس فولادی پنجہ والے سردار کا سب سے بڑا کارنامہ فراعنہ کی زمین کو فتح کرنا تھا جہاں وہ اپنے نیزہ باز نعل کو لے گیا جو اپنی وحشیانہ اور عجیب وغریب وضع کے خون کے اعتبار سے سب پر فائق تھے اور گھمسان کے معرکوں میں اپنے بہادر سردار کی اتباع کرنا اُن کا کام تھا۔ اس سردار کی ظاہر شکل سے درشتی اور خودداری نظر آتی تھی۔ ایسی کہ کسی کی چین جبین کی بھی متحمل نہ تھی لیکن ان شوریدہ جذبات کے اندر ابنائے بادیہ کے حریت پسند فرزند کا فیاض قلب مخفی تھا (تکلم فرزندان اسلام)

حضرت نبی کریم صلعم کے وعظ وتبلیغ کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ہر ایک شخص آپ کی مخالفت پر تُلا ہوا تھا۔ اور کفر و الحاد کے عقاید اور رسومات کے ساتھ اسلام کی سخت جدوجہد ہو رہی تھی۔ اُس وقت قریش کے ایک نوجوان شاعر نے اس نئے مذہب اور اس کے مبلغ کی ہجو لکھی۔ اور وہی شاعر پھر اُحد اور بدر کی جنگوں میں جن میں کامیابی اور ناکامی کا توازن برابر رہا۔ فوج کفار کی کمان کرتا ہوا پایا گیا۔ یہ شاعر عمرو بن العاص تھا جو خالد کا نہایت قابل ساتھی اور ہمسر تھا۔ ابتدا میں وہ خالد کے ساتھ ساتھ اسلام کے مقابلہ پر لڑتا رہا۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد وہ خالد کے ساتھ اسلام لایا۔ اور بعد ازاں خود جناب رسالتمآب صلعم کے ماتحت

اُس نے کفار کے مقابلہ پر لڑائیوں میں نہایت امتیاز حاصل کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں جب جنوب کی مہمات اُس کے سپرد کی گئیں۔ تو نہایت کامیاب جنرل ثابت ہوا ممالک غیر میں اعدائے اسلام اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ اس سپہ سالار کا نقشہ بٹلر نے اس طرح کھینچا ہے۔

"عمرو بن العاص کی عمر حملۂ مصر کے وقت قریباً پینتالیس برس کی تھی۔ قد چھوٹا تھا۔ مگر نہایت مضبوط۔ اس کا ورزشی بدن اور قوی جثہ شہسواری اور اُن تمام سپاہیانہ اعلیٰ صفات سے بھرپور تھا جن کا اصلی منبع مغرب کے بہادر مشرقی لوگوں کو سمجھتے ہیں۔ قوی بازو اور فراخ سینہ رکھتا تھا۔ آنکھیں سیاہ تھیں اور حقیقت کو فوراً تاڑ جاتی تھیں۔ اور اُن میں غصہ یا خوش طبعی کا اثر فوراً نظر آنے لگتا تھا چہرہ اگرچہ قوت کو ظاہر کرتا تھا مگر سختی نہ تھی۔ بلکہ لطف و خوشی کا آئینہ دار تھا۔ ڈاڑھی خضاب سے سیاہ ہوا کرتی تھی"۔

یہ تھا حلیہ اور شکل اُس سپہ سالار کی جو اسلامی فتوحات کے پھریرے فلسطین کی زمین میں اڑاتا پھرتا تھا۔ اور بازنطینی سلطنت کے مانگے تانگے کے سپاہیوں اور کرایہ کے ٹٹوؤں کو ملک سے نکال رہا تھا۔ چنانچہ اجنادین میں ایک خطرناک جنگ ہوئی جس کی زیادہ تفصیل تو نہ معلوم ہو سکی مگر اتنا پتہ لگا کہ وسکورہ کی لڑائی کی طرح نہایت سخت اور خونریز تھی۔ ایزہ۔ ملدہ۔ جفوا اور دوسرے مقامات تمام فتح ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۶۳۶ء کے آخر میں خاص بیت المقدس کا اسلامی فوج نے محاصرہ کیا۔ اس مقدس شہر کی نسبت جو عبرانی اور عربی روایتیں مشہور تھیں اُنکی وجہ سے عیسائی اور مسلمان دونوں اس شہر کی دل سے عزت کرتے تھے۔ قدیم زمانہ میں جب مصر شرق کی ملکہ گنی جاتی تھی۔ اُس وقت یروشلیم یعنی بیت المقدس بھی سلاطین تھوتھمیس رامیس کو خراج دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد عبریوں کا حملہ ہوا۔ اور اسرائیلی لوگوں میں قاضیوں کی حکومت قائم ہوئی سلطنت قائم ہو جانے پر حضرت داؤدؑ نے اس شہر کو جیبوسائیٹس لوگوں سے چھین کر اپنا دارالخلافہ بنایا۔ ان واقعات کے بعد باوجود اس کے کہ یہوداہ میں یہ سب سے بڑا شہر تھا۔ مگر عموماً ہمسایہ طاقتوں کے ماتحت رہا چنانچہ نینوہ کے جنگجو بادشاہوں نے اُسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ پھر اسیریا کے زوال پر بابلی آنازل ہوئے اور فتح کے دوران میں بیت المقدس کے فرزندوں کو قید کر کے لے گئے

جب بابل کو زوال ہوا تو ایرانیوں کی فتح کا جھنڈا اُس پر لہرانے لگا۔ اسکے بعد یونانی آئے۔ اُن کے بعد رومن لوگوں کا شاہی پرچم اُس پر اُڑنے لگا۔ اور ٹائبر پر واقع شدہ شہر یعنی روما کے آہنی شکنجہ میں ساری اسرائیلی قوم پھنس گئی۔ اور طیطوس کے ہاتھوں تلوار کے گھاٹ اتاری گئی۔ بیت المقدس یعنی ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور یہود تباہ و خانماں برباد ہو کر دنیا میں سرگردان و آوارہ ہو گئے۔ ان تمام انقلابات کے بعد اب وہ زمانہ آتا ہے۔ کہ یرون یار کے خون آلود میدانوں کو طے کرتے ہوئے اور موت کے منہ میں سے گذرتے ہوئے فتح و ظفر کے نشہ میں چور عرب اس شہر پر چڑھ کر آتے ہیں۔ جو دیکھنے میں تو دُبلے پتلے نظر آتے ہیں۔ مگر ہر مصیبت کے جھونکے کو جھک کر جھیل جاتے ہیں۔ اور جنکی دلیری کے آگے کوئی چیز سدراہ نہیں ہو سکتی ہے +

مسلمانوں کے آتے ہی رومی جنرل تو اپنی سپاہ کے ساتھ مصر کی طرف بھاگ گیا۔ اور شہر کی حفاظت شہر والوں پر چھوڑ گیا۔ کچھ عرصہ محاصرہ کے بعد (عرصہ کے تعین میں مورخین میں اختلاف ہے) شہر کے بطریق اعظم سفرونیس نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفۃ المسلمین کو یہ پیغام بھیجا گیا۔ کہ خود بنفس نفیس تشریف لاکر بیت المقدس کی کنجیاں سنبھال لیں +

حضرت عمرؓ اُس وقت دُنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ تھے لیکن بجائے اس کے کہ بحیثیت ایک فاتح کے انکی سواری بیت المقدس کو اس شان سے آتی۔ کہ ہزارہا سوار زرق و برق کی وردی میں جلو میں ہوتے۔ اور تمام عیش و عشرت کے شاہانہ سامان ہمراہ ہوتے مگر وہ آئے۔ تو اس شان سے آئے کہ ہمراہی میں سوائے ایک دو خادم کے اور کوئی نہ تھا۔ سادہ لباس تھا۔ اور ایک سرخ اونٹ پر سوار تھے جس پر کچھ تھیلوں میں پھل اور آٹا تھا۔ اور ایک پانی کا مشکیزہ تھا جس میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ رات کو ایک معمولی عربی وضع کے خیمہ میں سویا کرتے تھے۔ اور اگر ابر نہ ہوتا۔ تو آپ کا بستر بیابان کی ریت ہوا کرتی تھی۔ اور سائبان تاروں بھرا آسمان ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ نے بطریق اور اہالیان شہر کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا۔ اور ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جسکی رو سے تمام گرجے عیسائیوں کی ملکیت قرار پائے۔ اور بہت تھوڑا سا خراج اُن پر لگایا گیا۔ الغرض اس طرح شہر کے اندر بغیر کسی قسم کی خونریزی ہونے کے بیت المقدس یونانیوں کے ہاتھوں سے نکل عربوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ جیسا کہ سلطنتوں کے عروج و زوال در

قوموں کے مدوجزر میں ہوا کرتا ہے۔ اس شہر پر نئے آقاؤں کا قبضہ ہوگیا۔ ۶۳۹ء کے اختتام کے قریب عمرو بن العاص نے وادیٔ نیل کی طرف اپنا رُخ کیا تا مصر کو فتح کرلیا جائے۔

فتح مصر

عمرو بن العاص نے جو سپاہ ساتھ لی۔ وہ چار اور پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ لیکن بعد میں مدد کے لئے وقتاً فوقتاً اور فوج بھی اُن کو بھیجی جاتی تھی۔ مگر کبھی بھی اُن کے پاس بہت بڑی جمعیت نہیں ہوئی۔ ۶۴۰ء کے آغاز میں ہی پلوسیم جو مصر کی کنجی تھا فتح کرلیا۔ اور چھ ماہ بعد ہیلیوپولیس پر ایک جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ اب مصر اور بابل تک راہ صاف تھی۔ چنانچہ اول الذکر تو فوراً فتح ہوگیا۔ اور مؤخر الذکر بوجہ اپنی مضبوط قلعہ بندی کے سات ماہ تک اڑا رہا۔ مگر آخر کار شرائط صلح طے ہوکر مسخر ہوگیا۔ اسکے بعد عمرو نے شمال کی طرف اسکندریہ پر چڑھائی کرنے کیلئے کوچ کیا۔ ۱۳ مئی ۶۴۱ء کو نیکیون پر قبضہ ہوگیا۔ اور جون کے ختم ہونے سے پہلے عربوں کی فوج نے اس متمول اور زرخیز بندرگاہ کے سامنے ڈیرے ڈال دئے۔ اس اثنا میں مسلمانوں کے ممتاز اور بہادر جنگجو معززین بطور کمک آن پہنچے چنانچہ صحابہ میں سے حضرت زبیر۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن سعد۔ نافع ابن عبدقیس الفہری۔ اور انصار میں سے حضرت عبادہ ابن صامت۔ محمد ابن مسلمہ اور ابودردا عوام ابن عامر اور دیگر مشاہیر سرداران قوم اور شرفا آشامل ہوئے۔ نومبر کے شروع میں شہر پر قبضہ ہوگیا۔ اُس وقت سے لیکر اب تک اسلام کی تاریخ کے ساتھ اس ملک کی ایسی یک جہتی رہی ہے کہ اسلام کی شان وشوکت اور ترقی وتہذیب کے زمانہ میں اگر یہ ترقیات سے بہرہ یاب ہوتا رہا۔ تو اب علمی وتمدنی جمود کی حالت سے بھی یکساں حصہ لیا۔ اس جمود کی کیا وجہ ہوئی۔ یہ اس جگہ ہمارے معرض بحث میں نہیں۔ فتح مصر کے زمانہ میں جہاں عمرو بن العاص نے اپنی چھاؤنی ڈالی تھی۔ وہاں ایک شہر بن گیا جس کا نام قاہرہ پڑگیا۔ اور جس کو ہم کیرو کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں اسکندریہ کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اس لئے بیجا نہ ہوگا۔ اگر کچھ الفاظ اسکندریہ کے اُس عظیم الشان کتبخانہ کی نسبت حوالۂ قلم کردئے جائیں جس میں یونانی علوم وفنون تاریخ۔ پُرانی مذہبی روایات فلسفہ اور سائنس کی کتابوں کا بڑا بھاری ذخیرہ موجود تھا۔

۱۹۰۵ء میں اے۔ این وولسٹن صاحب لکھتے ہیں:۔

" اسکندریہ کی تمام لوٹ میں سے شاہی کتب خانہ کے ساتھ فاتح نے اس کے لایق سلوک نہ کیا۔ اگر اس کتب خانہ کو ضایع نہ کیا جاتا۔ تو یہ ایک ایسی عنایت اور مہربانی ہوتی جس کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا اس بیش بہا خزانہ کتب کے فاضل مہتمم فلوپونس نے نہایت منت اور الحاح سے گذارش بھی کی۔ کہ اس کو ضایع نہ کیا جائے۔ اور عمرو کسی حد تک اس فاضل و عالم کی درخواست قبول کرنے کیلئے مایل بھی تھا۔ مگر اپنے آقا خلیفۃ المسلمین کے حکم کے خلاف کچھ نہ کرنا چاہتا تھا۔ عمرؓ یعنے خلیفہ نے جو کچھ جواب دیا۔ وہ اس قابل ہے کہ تاریخ میں یادگار رہے اور جس نے فاتح کی سپر کو ہمیشہ کے لئے بدنامی کے زنگ سے داغدار کر دیا یعنی یہ جتلا دیا کہ فتح کو ایسی بیش بہا یادگار فتح کی قدر و قیمت شناخت کرنے کا سلیقہ ہی نہ تھا۔ یا وہ چاہتا ہی نہ تھا۔ اور اگر وہ اُسکو ضایع نہ کرتا۔ تو اس سے اُسکی سلطنت کی شان دوبالا سمجھی جاتی۔ اور اُسکی میانہ روی اور اعتدال پسندی کو حیات جاوید کا تاج پہنایا جاتا۔ خلیفہ کا جواب یہ تھا۔ اگر یونانیوں کی تحریریں خدا کی کتاب کے مطابق ہیں۔ تو پھر وہ لغو اور بیفائدہ ہیں اور اُن کو سنبھالنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر مطابق نہیں تو پھر سخت مضر ہیں۔ اس لئے انہیں ضایع کر دینا چاہئے چنانچہ یہ بے نظیر ذخیرہ جس میں قدیم زمانہ کے جغرافیہ اور علم ہیئت کا جلال چمکتا تھا شہر کے حماموں کی آگ سلگانے کیلئے استعمال کیا جانے لگا۔ اور چھ ماہ تک سات لاکھ کتابوں کی راکھ تعصب اور مذہبی خبط کے تباہ کن اثر پر گواہی دیتی رہی "

مذکورہ بالا بیان میں مجملاً اس کہانی کا خاکہ کھینچا ہوا ہے۔ جو کئی صدیوں سے اسلام کی تحقیر کے درپئے رہنے والوں نے ساری دنیا میں پھیلا رکھی ہے حالانکہ یہ کہانی سراسر غلط ہے۔ یہ اس قسم کی تاریخ نویسی کا ایک نمونہ ہے جنکو تحقیقات سے کوئی سروکار نہیں اور جن پر مذہبی میلان طبع کا رنگ چڑھا ہوا ہے مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ مذکورہ بالا بیان کا لکھنے والا اپنے ہم مذہبوں کی طرف اس قسم کا واقعہ کبھی منسوب کرکے نہیں لکھتا۔ حالانکہ بہت سے اسی قسم کے واقعات عیسائیوں کے متعلق بھی موجود ہیں۔

گبن کے زمانہ کے بعد پھر کسی لایق اور قابل مؤرخ نے اس کہانی کو معتبر نہیں مانا۔ اور اسے

جے بٹلر ڈی۔ لٹ ایف۔ ایس۔ اے کی وسیع تصنیفات نے تو اس معاملہ کا کامل طور پر تصفیہ کر دیا جسے انہوں نے اپنی کتاب "عربوں کی فتوحات مصر کی تاریخ" میں شایع کیا ہے۔ اس کتاب کے ہوتے ہوئے مجھے اس مضمون پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ صرف مجھے وہ نتایج مختصر طور پر لکھ دینے چاہئیں جن پر بٹلر صاحب پہنچے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں +

"(۱) اول ہی اوّل اصلی واقعہ کے پانچسو برس بعد یہ کہانی معرض وجود میں آتی ہے +

(۲) اس کہانی میں جو تفصیلی واقعات ہیں۔ وہ سب لغو اور بیہودہ ہیں +

(۳) جان فلوپس جو اس کہانی میں روح رواں ہے۔ عربوں کے حملہ سے بہت پہلے فوت ہو چکا ہوا تھا +

(۴) دو یونانی کتب خانے تھے۔ ایک میوزیم جو عربوں کے حملہ سے چار سو برس پہلے جولیس سیزر کے آتش بار آلات حرب سے آگ کی نذر ہو چکا تھا۔ دوسرا سیرا پیم جو ۳۹۱ء سے قبل ضایع ہو چکا تھا۔ اور عربوں کی فتوحات سے ڈھائی سو برس پہلے صفحہ ہستی سے معدوم ہو چکا تھا۔ میرا اپنا قیاس یہی ہے۔ کہ تھیوڈوسیس اوّل کے عہد سے لیکر تھیوڈوسیس ثانی کے عہد تک کے زمانہ میں جب عیسائی لوگ کافروں اور مشرکوں کو طرح طرح کے عذاب دے رہے تھے۔ انہی دنوں میں خود عیسائیوں نے اس کتب خانہ کو جلا دیا۔ جیسا کہ ملنی صاحب فرماتے ہیں "کہ سارا پیش کا مندر ہی وہ خاص مقام تھا جس کے چاروں طرف یہ کشمکش زوروں پر تھی"۔ اس کے چند سال بعد انہوں نے ہائی پیشیا کو قتل کر دیا۔ اور تمام کفار کو مٹا دینا چاہا +

(۵) نہ پانچویں اور چھٹی صدی کی کتابوں میں اور نہ ساتویں صدی سے لے کر عربوں کی فتوحات تک کی لکھی ہوئی کتاب میں اسکندریہ کے کسی کتب خانہ کے موجود ہونے کا کوئی تذکرہ ہے +

(۶) چونکہ اکثر کتب چمڑے پر لکھی ہوئی ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے نہ صرف عمر رضی اللہ عنہ بلکہ دنیا کا کوئی بھی بادشاہ اُن کو حمام میں ایندھن کی طرح جلا نہیں سکتا تھا +

الغرض وولسٹن کی کہانی کے جھوٹا ہونے پر اور بھی بہت سے دلایل ہیں۔ اور جنکو ان سے دلچسپی ہو وہ بٹلر صاحب کی تصنیف مذکورہ پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ ہے۔ کہ اس بات کا سہرا عربوں ہی کے سر ہے۔ کہ اُس زمانہ میں جب بُت پرستی کے زوال کے بعد یورپ میں علم و فضل کا نام و نشان

تک نہ تھا۔ اور چاروں طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اُس وقت اگر عرب یونانی فلسفہ اور سائینس کی حفاظت نہ کرتے تو وہ کبھی کا معدوم ہوگیا ہوتا۔ گویا یورپ میں علم وفضل کا ازسرنو زندہ ہونا عربوں ہی کے طفیل ہے ۔

حضرت عمر خلیفہ دوئم نے اپنی خلافت کے گیارہویں سال مسجد میں نماز کی حالت میں ایک قاتل (فارسی غلام ابو لولو نام) کے خنجر سے شہادت کا جام پیا۔ آپ خلیفوں میں سب سے عظیم الشان اور سب سے زیادہ طاقتور خلیفہ تھے۔ آپ نے تمام قبایل کو باہم شیر وشکر رکھا۔ لیکن آپ کی قدیم باہمی خانہ جنگی پھر ایک نئی شکل میں نمودار ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جلدی ہی خلافت دو ٹوک ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے چاہا تھا۔ کہ اپنے بعد حضرت عبدالرحمٰن کو اپنا جانشین مقرر کر جائیں۔ مگر اُنہوں نے اس بوجھ کے اُٹھانے سے انکار کیا۔ تب آپ نے پانچ آدمی مقرر کئے۔ جو خلیفہ کا انتخاب کریں۔ وفات کے وقت اپنے جانشین کے لئے یہ نصایح کیں: "جو میرا جانشین ہو اُسکو یہ میری وصیت پہنچا دو۔ کہ اس شہر یعنی مدینہ والوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ کیونکہ اُنہوں نے ہم کو اور ہمارے مذہب کو پناہ دی۔ اور کہ وہ اُنکی خوبیوں کی بہت قدر کرے اور اُنکی کمزوریوں پر چشم پوشی اور عفو سے کام لے۔ پھر تمام عرب اقوام سے نیک سلوک کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اسلام کی پشت وپناہ ہیں۔ عشر وہ جو اُن سے لے۔ اُس کو اُن کے ہی غریبوں کی پرورش میں صرف کرے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے جو معاہدہ یہود اور عیسائیوں سے کیا ہوا ہے۔ اُس کو پوری طرح نبھائے۔ اے اللہ میں اپنا زمانہ ختم کر چکا۔ اور اپنے جانشین کو سلطنت نہایت مستحکم اور پُرامن حالت میں سپرد کرتا ہوں"۔

حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں تمام وہ قومیں جو باہر سے آکر عرب میں آباد ہوگئی تھیں۔ شام اور ایرانی سرحدوں کی طرف منتقل کردی گئیں۔ نیز آپ نے عرب کے تمام قبایل کا ایک رجسٹر تیار کیا۔ اور آپ نے رسول کریم صلعم کی احادیث کے مجموعہ کو مکمل کیا جسے حضرت ابوبکرؓ نے شروع کیا تھا۔ آپ نے لوگوں کے لئے سنہ ہجری مقرر کیا۔ اور ہجرت کے سال کے ماہ محرم کی پہلی رات کے چاند سے اس سنہ کا ابتدا کیا۔ آپ نے مفتوحہ ممالک کے مختلف اضلاع پر گورنر مقرر کئے۔ چنانچہ شام کا جو گورنر مقرر کیا گیا اُس کا دارالحکومت دمشق تھا۔ یہ فعل اسلامی تاریخ میں ایک اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ جس آدمی کو حضرت عمرؓ نے اس ڈیوٹی کے لئے منتخب کیا تھا۔ وہ بنی اُمیہ میں سے معاویہ ابن ابی سفیان تھا

جس سے اُن خلیفوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہوں نے دمشق کو مغرب کی ملکہ بنا دیا۔ اور اسپین میں ایسے بادشاہوں کا سلسلہ پیدا کر دیا جنہوں نے اُندلس کو اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی شجاعت اور شہامت کا دنگل بنا دیا۔ اور قرطبہ نہ صرف علم و فضل کے لحاظ سے یوُرپ کا دماغ کہلانے کا مستحق تھا۔ بلکہ شان و شوکت اور حسن و خوبی کے لحاظ سے بھی دُنیا میں سب پر فوق رکھتا تھا۔

سیر ووکنگ

(از مسٹر مشیر حسین صاحب قدوائی)

آؤ زاہد تمہیں بھی دکھلادیں
سیر بت خانہ میں خدائی کی

ایک دن جمعہ کو معلوم ہُوا۔ کہ آیندہ اتوار کو ووکنگ میں لارڈ ہیڈلے کا لیکچر ہوگا۔ اور کچھ اور ضروری امور پیش ہونگے۔ کچھ دوستوں نے مجھ سے بھی کہا کہ میں بھی اپنا گوشۂ عزلت ایک دن کے لئے چھوڑ کر پہنچ جاؤں۔ یہاں ایک زمانہ سے یہ حال ہے کہ اکثر یہ آوازہ نکلا کرتا ہے

کے آہوانِ صحرا مجھ کو بھی ساتھ لینا ✤ صحرا سے بھی تو بُوئے حریت آرہی ہے

انگلستان کی بابت مشہور ہے (کہنا چاہئے کہ تھا) کہ یہاں اگر غلام پابہ زنجیر آوے۔ تو اُسکی بیڑیاں خود بخود کٹ کر گر جاتی ہیں۔ ہم یہاں آئے۔ تب بھی لنڈن کے جھگڑوں میں سکون قلب حاصل نہ ہُوا۔ اس دُنیا کے سب سے بڑے شہر میں بھی جس میں ہر قسم کی دلچسپی کا ہر طرح کا سامان ہے دلِ بیمار مطمئن نہ ہُوا اور آکر اپنگ کے جنگل میں مقیم ہوگئے۔ جہاں نہ کوئی ہم نفس نہ کوئی ہمنوا کوئی بات کرنیوالا بھی نہیں بس آہوان وحشی ہیں۔ اور اُن کی ہم صحبت۔ اگر خود حافظ شیرازی نہیں تو اُن کا دیوان اور ما بتو کچھ طائرانِ خوش الحان بھی ہیں جو اپنی سریلی آواز سے موسم بہار کی آمد کے گیت گاتے ہیں۔ اور ہم نے جنکی بابت یہ خیال ظاہر بھی کیا ہے ؎ ایک ہے وہ ذات جسکی حمد میں مصروف ہیں ✤ نغمۂ دلگیر سے یہ طائران خوش نوا کبھی دل میں تڑپ کہا دینگے۔ اور کبھی یہ کہ کہیں اس گوشۂ تنہائی کی لذت کو ایک دن کے لئے بھی کھو دیا یہ بھی خیال ہُوا۔ کہ مولوی صدر الدین صاحب نے کوئی خاص دعوت بھی نہیں دی۔ اور میاں ایک شہرت

کی اپنی بڑ ہے۔ جس نے یہاں تک کہلا دیا ہے ؎

میں ہوں آزادہ۔ وہ دنیا تنگ ہے میری نظروں میں
گراں سر تاج سے جو ہو وہ مجھ سے سر گراں کیوں ہو

لیکن اسکی روک تو کام ہے مذہبی ہونے نے کر دی۔ مسجد خدا کا گھر ہے نہ کہ مولوی صدر الدین کا یا کسی اور صاحب کا۔ وہاں تو بے طلب ہی جانا چاہیئے۔ اور ہمارے پاس جواب بھی موجود تھا ؎

نہ پوچھو اہلِ محشر ہم سے دیوانوں کی بیتابی
یہاں مجمع سنا تھا۔ ہم تلاش یار میں آئے

خیر سنیچر کی رات کو گھر کی بڑی بی سے کہا۔ کہ ہم کل ووکنگ جاوینگے اور یہ بھی ممکن ہے بجائے کل ہی لوٹ آنے کے دوشنبہ کی شام کو آویں۔ ابھی کچھ ٹھیک نہیں موسم کا رنگ بھی دیکھیں گے۔ نماز عشاء کی رات گذری۔ صبح چڑیوں نے حمد سنائی۔ اس طرف موسم بہت ہی خراب رہتا تھا لیکن اتوار کی صبح کو دیکھا۔ تو آفتاب بھی بر آمد اور سفید پالے نے زمین پر چاندنی بچھا رکھی تھی۔ ناشتہ کھایا پھر بھی ابھی عزلت نشینی کا مزہ چھوڑنے پر دل آمادہ نہ ہوا۔ حافظ کی فال نکالی ؎

باآنکہ از خود غائبم دانہ می چو حافظ تائبم   در مجلس روحانیاں گہ گاہ جامے می زنم

جب جاتے میزتم کی لالچ ہو تو مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال "قاضی قوۃ الدین کی اولاد کو بھی۔ اور پھر جب "بزم روحانیاں" ہو تو لالچ اور بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ملک آنریورپ میں ہے۔ مادیت کا زور تھوڑی سی روحانیت بھی بہت۔ چلئے صاحب چلدئے۔ اخبار دیکھ کر توحش ہوا۔ مگر علاج دعا۔ اور کیا۔ لورپول اسٹریٹ پہنچکر معلوم ہوا کہ جو ریل براہ راست واٹرلو جاتی تھی۔ آج بند ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ یہ ملک عیسائی اور عیسائیوں کا خدا اسلامی خدا تو ہے نہیں کہ حی القیوم ہو اور لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ کی توصیف سے متصف ہو۔ ہفتہ میں راحت پسند خدا نے بھی ایک دن (کہتے ہیں تھکن مٹانے کے لئے) آرام لیا تھا۔ پھر اسکی پرستش کرنیوالے غریب انسان بندہ کیوں نہ لیں۔ یہاں اتوار کو انتظامات درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ پھیر کے راستہ سے جانا پڑا۔ اور میں دم کی دم اگر اور نہ پہنچتا۔ تو ووکنگ شریف کی ریل نہ ملتی۔ ریل ملی اور تیز ریل ووکنگ میں چل کر رکی۔ وہاں دروازہ پر ہمارے منشی نور احمد صاحب عمامہ باندھے ہر مسلمان

آنے والے کے لئے کھڑے تھے معلوم ہوا۔ کہ لارڈ ھیڈلے صاحب پہنچ گئے ہیں۔ گھر آئے اب مسجد کی طرف ایک نئی سڑک خوب چوڑی اور لمبی بن گئی ہے۔ اور اُس کا نام بھی اورینٹل روڈ (مشرقی سڑک) رکھا گیا ہے۔ مسجد کا گنبد نظر آیا۔ چھوٹی سی مسجد ہے۔ مگر ہے خوبصورت کلس چمک رہا تھا۔ اُس پر ہلال بہار دکھاتا ہے۔ بعد کو معلوم ہوا۔ کہ ایک ووکنگ کے نومسلم نے ابھی حال میں ازراہِ محبت چلا کر دی ہے۔ اندر مسجد کے جو سورہ فاتحہ لکھی ہوئی ہے۔ اُسکو بھی اُسی بندہ محبت نے ازسرِنو پھر روشنائی بخشی ہے۔ مکان کے کوٹھے کے اوپر برٹش مسلم سوسایٹی کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ہم اُس کے ممبر نہیں۔ اس لئے شریک نہیں ہوئے۔ گو معلوم ہوا کہ بحیثیت مسلمان شریک ہر شخص ہو سکتا ہے جلسہ دیر تک رہا۔ دوپہر کے کھانے کا وقت آگیا ؎

بس یہ نظارہ کھانے کا دل میں تھرتھری پیدا کرنیوالا تھا۔ مولوی صدرالدین صاحب نے یورپ میں بھی دسترخوان عام بچھا رکھا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ شاید یہی حضرت ابراہیم ادھم کی طرح تنہا یہاں نہیں کھاتے۔ ہندوستان کے لئے نہیں مگر یہاں کے لئے یہ دسترخوان عام بھی نوادرات میں ہے۔ اور اگر اُس کا بھی اچھا اثر یہاں کی مخلوق پر پڑتا ہو۔ تو تعجب نہیں۔ بلکہ مولوی صدرالدین صاحب تو پچھلی عید کی ضیافت کی بابت کہتے ہیں۔ کہ اُس کا بڑا اچھا اثر خلقت پر پڑا تھا۔ اور لوگوں نے بھی ثبوت اسلامی یکجہتی اور اخوت کا سمجھا تھا۔ خیر کھانا افراط سے اور اچھا تو تھا ہی بڑا لطف تو یہ دیکھ کر آیا۔ کہ اس صنم خانہ میں بھی جہاں ذات پات کے جھگڑے قریب قریب ایسے ہی سخت ہیں جیسے ہمارے ہندو بھائیوں کے ہندوستان میں۔ خدائی نور کی یہ جھلک دکھائی دی کہ

بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

یورپ میں بڑے طبقہ کے لوگ کبھی چھوٹے طبقہ والے کے ساتھ ایک میز پر کھانا نہ کھائینگے مگر ہماری آنکھوں نے کیا دیکھا یہ کہ روسی پرنس (نام میں بھولتا ہوں۔ گو ڈاکٹر لیون نے اس کے معنے جو بتائے تھے۔ وہ یاد ہیں یعنی یعقوب کا لڑکا) مصری شہزادی صالحہ اسی میز پر سب کے شریک طعام تھیں۔ ان دونوں کا نام آگیا ہے۔ تو ذرا اس قدر اور لکھ دینا چاہئے۔ کہ خواجہ کمال الدین کے منجملہ اور کمالوں کے جو اُنہوں نے یہاں دکھلائے ایک یہ بھی تھا۔ کہ ان روسی پرنس صاحب کو مسلمان کیا۔ اور ازسرِنو شہزادی کا عقد اُن سے کرا دیا۔ اس سے پہلے تو شاید شہزادی میری

ہم زبان ہوئیں ۔ اپنی حالت سے مسرت ہے مشیر + چاہے اک عالم کرے بدنام عشق

اچھا تو یہ شہزادے اور شہزادی - لارڈ ہیڈلے اور ووکنگ یا لنڈن کے معمولی لوگ جن کا فخر دنیا دین میں بس یہی ہے - کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں - سب بلا کسی امتیاز کے ایک ہی کھانا ایک ہی ساتھ کھا رہے تھے اور میں نے یہ غور سے دیکھا - کہ مولوی صدر الدین صاحب ایک سچے مسلمان کی طرح غریب بھائیوں کی زیادہ تواضع کا خیال کرتے تھے - الغرض اسلام کی مساوات و اخوت کا ایک بینظیر نظارہ تھا - پھر مصطفٰے اتیچ - ایم - لیون - ایم - اے - پی - ایچ - ڈی - ایل - ایل - ڈی - ایس ایس - پی - ہم آفریجی آپ حضرات کو یہ سبق دے رہے تھے - کہ خود بھی ننگے سر نہ تھے - بلکہ ایک گول کالی ٹوپی کھانے کی تعظیم کے باعث پہنے تھے +

اوّل طعام کا فرض ادا ہوا - اور "بعدہٗ کلام" کے لئے سب مسجد پہنچے - مسجد کے سامنے فوارہ چل رہا تھا - حوض میں سرخ مچھلیاں تیر رہی تھیں - فوارہ کے آگے سنگ مرمر پر راجہ تصدق رسول خاں صاحب بہادر کا نام روشن حروف میں نمایاں تھا جس طرح مکان سر سالار جنگ کے نام سے ہے مسجد میں بیگم صاحبہ مرحومہ بھوپال کا روپیہ لگا ہے - اسی طرح راجہ صاحب بہادر جہانگیر آباد نے بھی اور نہیں تو چھوٹا سا فوارہ بنوا کر اپنا نام روشن کر دیا ہے - خدا اوروں کو بھی توفیق دے - ہمارے اودھ کے ایک ہی بھائی کا نام ہے - ابھی اور بھی ہونے چاہئیں - کم سے کم ایک تو اور ہو اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مشہور و محبوب و مقبول سرغنہ راجہ محمد علی خاں والئے محمود آباد کا ...... انشاء اللہ ہوگا - دن مزے کا تھا مسجد پر نور ہو رہی تھی - اندر داخل ہوئے - اندر داخل ہوتے ہی سامنے کی دیوار پر اللہ اور اس کے نیچے قل هو الله احد کی پوری صورت دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا - وہ شعر جو سرنامہ تحریر ہے کیا موزوں تھا ۔

آؤ زاہد تمہیں بھی دکھلادیں سیر بت خانہ میں خدائی کی

اس ملک میں جس میں تین خدا پوجے جاتے تھے جس کو قدرت نے سمندر سے گھیر رکھا تھا اور بادیہ پیمائے طریق وحدت جو کشمیر کی دشوار گذار راہوں - افریقہ کے ریگستانوں چین کی دیوار کے پار پہنچ کر نعرہ اللہ اکبر لگاتے رہے تھے - اور اسپین - آسٹریا ہنگری اور فرانس کے ایک حصہ تک خدائے واحد کی منادی کر چکے تھے - یہاں کے سمندروں سے مجبور ہو کر یہاں پہنچنے سے

معذور سب تھے۔ سمندر کے علاوہ یہاں کے پادریوں نے وہ تمام امکانی کوششیں کر چھوڑی تھیں۔ کہ خدائے واحد کا نام یہاں نہ پہنچنے دیں۔ اور تین خداؤں کی حکومت برقرار رہے۔ کوئی دقیقہ انہوں نے اسلام کو بدنام کرنے مسلمانوں کو ہوّا بنانے کا اٹھا نہ رکھا تھا جس طرح اب یورپ نے اونچے مادی اختراعات کے کرشمے دکھائے ہیں۔ اُسی طرح پادریوں نے نفسانیت سے وہ وہ خیالی ہیبت ناک بھوت تیار کر دئے تھے۔ کہ اسلام کا نام لیتے ہی وہ تمام اہلِ ملک کو خوف میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اور اس طرح شیطان یہاں ایک خدا کی منادی نہیں ہونے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ﴿۱۴﴾ کم سے کم ایک عمارت تو نبی جو قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد کا دن رات ہر لمحہ ساعت زبانِ حال سے اعلان کرتی رہے ۔

اور اب خدا کے فضل سے یہ خدائے واحد کی منادی کی خدمت اینٹ اور چونے کی عمارت ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ ہمارے کانوں نے وہ دل ہلا دینے والی آوازیں بھی سُنیں جس کو اذان کہتے ہیں موذن نے اس اذان کے متعلق ایک قصہ بیان کیا۔ جو عبرتناک ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولوی حاجی محبوب عالم صاحب مصر و قسطنطنیہ کی سیاحت کرتے اسلامی کشش سے ووکنگ بھی تشریف لائے۔ اور ادائے نماز کے لئے ان تین خدائیاں مذہب کے ساتھ جو تبلیغ اسلام کے جنون میں یہاں پڑے ہوئے تھے مسجد میں آئے قبل نماز کے موذن نے اذان دی۔ تو انہوں نے طنز سے فرمایا کہ یہاں تم تین کے سوا کوئی نہیں ہے تو اور کسے بلاتے ہو۔ غریب موذن نے جواب میں کہا۔ کہ اُن کو حکم ہُوا ہے کہ وہ اذان دیں۔ اور پھر خدا کے کرشمے دیکھیں اور اُنہوں نے دعا بھی اُسی وقت کی۔ کہ خدایا اس اذان کی حرمت رکھ آمین۔ مولوی محبوب عالم صاحب نے تو خدا کے کرشمہ کو اب تک نہیں دیکھا . . . .

. . اذان کی حرمت خدا نے رکھی۔ آج جس کا دل چاہے۔ اُسے ووکنگ آکر دیکھ لے اور میں مولوی صاحب کو صلاح دونگا۔ کہ اس قہرِ ربانی کے زمانہ میں تو نہیں جس میں خدائے علیم و دانا نے یورپ کو مبتلا کر دیا ہے لیکن بعد کو جب وہ پھر سیاستِ مصر و قسطنطنیہ کو نکلیں تو یہاں ضرور تشریف لاویں۔ اور اپنی آنکھ سے اذان کی برکت اور اثر کو ضرور ملاحظہ فرما دیں۔ مجھے اس واقعہ

کو سُن کر تعجب تو نہیں ہُوا۔ مگر افسوس حسبِ معمول بہت ہُوا تعجب تو اس وجہ سے نہیں کہ بارہا خود اپنے پر یہی کیفیت گذر چکی ہے لوگوں نے اپنی دور اندیشی کے زعم میں یا اپنے زیادہ عملی ہونے کے غرور میں اکثر تجاویز پر مضحکہ اڑا دیا ہے۔ پھر تعجب کا ہےکا ہوتا۔ مگر دل افسوس سے کبھی نہیں بچا اب بھی نہیں بچا۔ کاش ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی اور نہیں تو اسلام کی قوت کو اس حق کی قوت کو جو القیوم میں پنہاں ہے حقیر نہ سمجھ لیا کریں۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور منشی نور احمد صاحب قابلِ حقارت سہی۔ مجنون سہی لیکن جس کا وہ نام بلند کرنا چاہتے تھے جس کا جنون وہ رکھتے تھے۔ وہ تو کسی طرح حقارت سے دیکھے جانے کے قابل نہ تھا۔ مسلمان تو خود کسی قابل نہیں لیکن وہ جس کے وہ نام لیوا ہیں۔ بڑا قدرت والا ہے۔ اور جو مسلمان اُس پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور اُس کے کام کو صداقت اور بے نفسی سے اُٹھاتے ہیں۔ وہ اگر یہ چیخ اُٹھیں تو بیجا نہیں ؎

ابھی پھر ہم ہلا دیں گے کسی دن ربع مسکوں کو
بھروسہ اپنی قوت پر ہے اور حق کی حمایت ہو

ہم مسلمانوں نے اپنی حالت بدقسمتی سے اس قدر پست کر لی ہے۔ کہ ہم کو اب عروج کا خیال بھی نہیں آتا۔ بلکہ ہم اُسے ایک محال چیز سمجھنے لگے ہیں۔ یا عنقا صفت ہونا اُسے باور کرنے لگے ہیں۔ مجھے کچھ شک نہیں۔ کہ ہندوستان میں اب بھی اس کام کا اندازہ نہ ہوتا جو اس تھوڑی مُدت میں یہاں ہو گیا ہے۔ ان کا ذہن یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ کاش وہ جانتے کہ "اُسکی اُمت میں ہیں ہم جس پر تھا عیسیٰ کو بھی فخر" اور یہ جان کر اغیار سے للکار کر کہتے ع "ہم کو مردہ مت سمجھ تو جسم بے سر دیکھ کر"

جس وقت امام صاحب آگے کھڑے ہوئے ہیں تو پیچھے صفوں میں لارڈ ھیڈلے اور ڈاکٹر لیون وغیرہ نہایت ہی خضوع اور خشوع سے مقتدی تھے۔ نماز کے بعد لارڈ ھیڈلے کا ٹالیریشن (بے تعصبی) پر لیکچر تھا۔ ممدوح کی ایک عزیزہ نے لکھا تھا۔ کہ تم مجھے اسلامک ریویو نہ بھیجا کرو۔ اس لئے کہ میں نہیں چاہتی کہ تم میرے عیسیٰ کو مجھ سے چھین لو۔ اور یہ کہ میں عیسیٰ کی الوہیت میں کسی طرح کا شک کرنے لگوں۔ لارڈ نے بہت خوبصورتی سے اس تعصب کی قلعی کھولی تھی۔ اور یہ دکھایا تھا۔ کہ خود یہ ڈر کہ اسلامی ریویو کے دیکھنے سے ممکن ہے کہ عیسیٰ کی الوہیت

میں شک آجاوے ظاہر کرتا ہے کہ الوہیت کی بنیاد کے غیر مستحکم ہونے کا خیال خود اس اعتقاد کے رکھنے والوں کو ہے۔ لارڈ ممدوح نے آخر میں یہ بھی دکھایا تھا۔ کہ اس نازک وقت میں جو اس جنگ عظیم نے پیدا کر دیا ہے۔ اور بھی بے تعصبی اور رواداری کی ضرورت ہے۔ اُن کے لیکچر کے بعد ڈاکٹر لیون کھڑے ہوئے۔ اور اُس وقت کا عجب سماں تھا۔ خدا نے عجب قوت تقریر عطا کی ہے عجب لہجہ ہے عجب ادا ہے۔ اور چونکہ سچے دل سے وہ مسلمان ہیں۔ جو کچھ اُنہوں نے کہا وہ دل میں اُتر گیا۔ اور جب اُنہوں نے رسول اللہ صلعم کے خدا پر بھروسہ پر غار ثور کے واقعہ کو بیان کیا۔ اور ان اللہ معنا کی ہوا جب کانوں میں گونجی۔ اُس وقت دل کا عجب حال تھا۔ کہ مسلمان اس حالت میں اکیلے ہیں۔ اگر وہ "ان اللہ معنا" کی صدا کو نہ بھولیں۔ اب سے زیادہ اور کب اُس کے یاد رہنے کی ضرورت ہوگی۔ ڈاکٹر لیون ہفت زبان شخص ہیں۔ عربی۔ عبرانی۔ ترکی فارسی اور یورپی زبانوں کے علاوہ خوب جانتے ہیں۔ بڑے پایہ کے عالم اور زبان دان ہیں۔ خدا روپیہ دیدیتا۔ اور لنڈن کی مسجد بن جاتی اور اُس میں ایسے پایہ کے واعظ ہوتے۔ تو پھر پانچ سال کے اندر بچھ دار حصہ انگلستان کا مسلمان ہوجاتا۔ صادق پرجوش قابل مسلمان کا یہ بہترین نمونہ ہیں۔ اُن کے لکچر کے بعد مولوی صدرالدین صاحب نے تقریر کی۔ مجمع اس قدر تھا کہ مسجد کے اندر اور جگہ باقی نہ رہی تھی مجھے مسجد کا یہ مجمع دیکھ کر ایک ہال کی ضرورت اور بھی محسوس ہوئی بیگم صاحبہ بھوپال نے اپنی تمولی اور جبلی سیر چشمی سے وہ کل روپیہ ہال کیلئے بھجوا دیا ہے جو اُن سے مانگا گیا تھا۔ مگر اُس کے اندازہ ہی میں غلطی ہونے پر مجھے کچھ شک نہیں کہ اگر بیگم صاحبہ سے تحریک مزید کی جاوے۔ تو موصوفہ اور رقم دے کر ہال تیار کرا دینگی۔ ہال مسجد کی شان کے موافق ہونا ضروری ہے اگر کسی وجہ سے بیگم صاحبہ عالیہ اور رقم نہ مرحمت فرماویں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اور وہ سے حاصل ہوجاویگی۔ گو اچھا یہی ہے۔ کہ مسجد بھوپال کی بنائی ہوئی ہے۔ تو اُس کا ہال بھی وہیں کا ہو مشکل کیا ہے ✤

سامعین میں لنڈن سے خاص ایسے ایسے قابل اشخاص جیسے ڈاکٹر ڈلا بو آئے ہوئے تھے مجھے خیال آیا اور میں نے مولوی صدرالدین صاحب اور ڈاکٹر لیون سے بھی کہا کہ کاش یہ مجمع اور یہ جلسہ لنڈن میں ہوتا۔ میرے خیالات اکثر مالیخولیائی ہوتے ہیں چنانچہ میرا خیال ہے

کہ ہم کو یورپ میں اسلام کو قابلیتین کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ اور اپنا منتہی خیال اُنہیں کو بتانا چاہئے دو سو گنوار جاہلوں کے مسلمان ہو جانے سے بہتر یہ ہوگا کہ ایک عالم مسلمان ہو جاوے۔ جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو سائنس کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے۔ بلکہ سائنس کا ہادی بن سکتا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اُسے سائنس والوں کے سامنے پیش کریں۔ ڈاکٹر لیون کی بھی یہی رائے ہے

مولوی صدر الدین صاحب ہر طرح کی کوشش کو تیار ہیں مگر لنڈن میں کام چلانے کے لئے اور ڈاکٹر لیون کیسے واعظ رکھنے کے لئے زر کثیر چاہئے۔ وُہ بھی خدا ہی دینے والا ہے۔ رفتہ رفتہ مجمع برخاست ہوا۔ ڈاکٹر لیون معہ اپنی بی بی کے رات کے کھانے کے بعد زردہ پلاؤ اُڑا کر گئے۔ اس دن بھر کے جلسہ میں ایک کسر رہ گئی تھی یعنی جلسہ میں تصوف کی چاشنی نہ تھی جب جلسہ چھوٹا رہ گیا۔ تو خدا بھلا کرے شاہ مصطفیٰ احمد صاحب کا کہ اُنہوں نے ایک درد انگیز فارسی غزل خوش الحانی سے سُنا کر اس کسر کو بھی پورا کر دیا۔ بیگم صاحبہ بھوپال کے یہ وظیفہ خوار ہیں۔ یہ بھی بیگم صاحبہ کی خوش نیتی کہ اُن کا انتخاب اچھا رہا۔ یہ بزرگ (سن کے اعتبار سے تو بزرگ کہنا نا روا ہوگا۔ ڈاڑھی بھی خود خدا ہی نے مختصر عطا کی ہے) صوم وصلوٰۃ کے سختی کیساتھ زاہد خشک کی طرح پابند ہیں۔ مگر ہیں اولاد سے عاری جو اودھ کے اُسی مشہور صوفی شاہ عبدالحق صاحب ردولوی کی تصوف کی چاشنی رکھتے ہیں۔ اور جلسہ کا اختتام اُن کی غزل پر خوب ہی رہا ✤

مجھے یہ معلوم کر کے بہت ہی خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب صدر الدین کو خود بھی اس کا مذاق ہے۔ اسلام کی یہ امتیازی شان بمقابلہ دوسرے اُن مذہبوں کے جو یہاں رائج ہیں برقرار رکھنا ضروری ہے۔ یہودیوں سے زیادہ سختی و تشدد میں کوئی ظاہر پرست نہیں ہو سکتا۔ اُن کے یہاں مذہبی رسم و سلوک ایک فرض ہے جو بالکل حرف بحرف اُسی طرح ادا ہونا چاہئے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کے وقت میں اُن کے رسم و رواج مسلمانوں سے تقریباً سب ملتے ہیں۔ اسلام نے اپنے ارکان و رواج مذہبی اُنہیں سے زیادہ تر لئے ہیں۔ حضرت موسیٰ سے بہتر مذہبی قانون مرتب کرنیوالا کون تھا۔ مگر بس اُن کے پیرؤں نے محض قانون کے الفاظ کو دیکھا۔ اُن کے اصلی معنی پر غور و لحاظ نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰ نے تو یہ حالت دیکھ کر انہوں نے توڑنے کی کوشش کی۔ اور وُہ اُن کے پیروؤں نے اب یہاں تک پہنچا دی کہ کوئی مذہبی قانون منضبط رہا ہی نہیں۔ اپنے نزدیک اِن لوگوں نے مذہب کو روحانیت

سے متعلق کر دیا ہے جسم بالکل غیر متعلق۔ روحانیت میں اُس درجہ پر نہ پہنچ سکے جس پر ہندوستان کے رشی یا گوتم بدھ پہنچے تھے۔ اور اس طرح عام خلقت مادیت کی اس قدر جلد شکار ہو گئی x x x

x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x

x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x ۔ اور بالکل اُسی کے دام میں گرفتار ہے۔

اسلام نے موسویت اور عیسویت بلکہ عیسویت سے چونکہ بالاتر بدھ کی روحانیت ہے۔ اس لئے یہ کہنا چاہیے۔ کہ اس قوم نے موسویت اور بدھ مذہب کے بین بین ایک شاہراہ نکالی جسم اور روح دونوں کی فکر کی۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ کی دعا مانگنے کو کہا۔ یہ اسلام کا امتیاز زہد میں صوفیت کی چاشنی برقرار رکھنے میں قایم رہتا ہے۔ میرے دل پر سانپ لوٹ گیا جب مَیں نے دیکھا۔ کہ یہاں کے اور سائنس دان سرالیور لاج کے اس کہنے کو مضحکہ سمجھے۔ کہ روح کا وجود ہے۔ اور دل کو دل سے بلا وسیلہ واسطہ تار کے ہو سکتی ہے۔ انکشافات روحانی ممکن ہیں مَیں نے کہا کاش آج اور نہیں تو ہند میں صوفیت کے عالم کا وہ آخری آفتاب حاجی سید وارث علی شاہ صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ آج اس عالم ظاہری میں ہوتے۔ تو جس طرح بن پڑتا۔ اُن کو یہاں تشریف لانے کو عرض کرتے۔

ممکن ہے آج بھی ہندوستان میں یا اور اسلامی مقامات پر ایسے لوگ ہوں۔ مَیں نہیں جانتا اگر ہیں۔ تو وہ اسلام کی خاطر ان لوگوں کو روحی کشف و کمالات دکھا کر قائل کر دیتے۔ تو ایک انقلاب عظیم عالم میں ہو جاتا۔ یہ کہنا کہ "آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد" بالکل صحیح نہیں ہے۔ ایسے بھی بزرگ اسلام میں گذرے ہیں۔ جنہوں نے روحانی صفائی ہونے کو اپنی ہی ذات تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ فیض عام پہنچایا۔ اور بنی نوع انسان کے ہادی بن گئے۔ ہندوستان کے لوگ خواجہ معین الدین چشتی کے ہندو رشیوں سے روحی مقابلہ کے اخبارات سے واقف ہیں۔

مجھے ایک بات سے اور بھی بہت خوشی ہوئی۔ اور مَیں اُس کو از حد امید افزا سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ مولوی صدر الدین صاحب تحریری و تقریری پر تبلیغ اسلام کے لئے بھروسہ نہیں کرتے۔ مَیں تو یہاں تک کہنے کی دلیری کرونگا۔ کہ اُن کی بحث اُس قدر مؤثر طریقہ سے ابھی ہوئی ہی نہیں جس

قدر خواجہ کمال الدین صاحب کی ہوتی تھی۔ وہ اب یہاں کے خیالات اور حالات سے واقف ہوتے جاتے ہیں لیکن جو طریقہ اُنہوں نے تبلیغ اسلام کا رکھا ہے۔ وہ مؤثر ترین ہے یعنی اپنے عمل سے وہ اسلام کا وعظ دینا۔ اخلاق محمدی کا نمونہ دکھا دینا اس کوشش میں وہ بہت کچھ کامیاب ہوئے ہیں۔ اور اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہاں جس گلی کوچہ سے وہ اپنا عمامہ باندھے ہوئے نکلتے ہیں۔ اُن کی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ غربا کی دستگیری کرتے رہتے ہیں بچوں کے اسکولوں میں بچوں کی دعوت وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اور ہر طرح اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک ایسے مکمل انسان اُمت میں سے ہیں جس کا اعلیٰ ترین وصف انک لعلی خلق عظیم تھا اور جس کا بہترین لقب رحمۃ للعلمین تھا۔

اخلاق عجیب جادو کا اثر رکھتا ہے۔ بقول حافظؒ

بحسن خلق تواں کرد صید اہل ہنر
بہ بند دام نہ گیرند مرغ دانا را

مَیں جب اُن کے ساتھ دوسرے دن اسٹیشن پر آنے لگا۔ تو مَیں نے لوگوں کا برتاؤ اُن سے بہت اچھا دیکھا۔ انگلستان کے لوگ شدید متعصب واقعہ ہوئے ہیں۔ ان کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ یہ قدامت پرست ہیں۔ اور ہر چیز اپنی کو بہترین سمجھتے ہیں۔ مذہب تو اُن کے نزدیک صرف ایک مذہب ہے۔ باقی سب ہیدن (بت پرست) ہیں۔ اسلام سے تو پادریوں نے شدید دشمنی پیدا کر دی تھی۔ لیکن تبلیغ اسلام کا اوّل ترین زینہ شیخ عبد اللہ کوئلم نے طے کیا۔ دس برس پیشتر خود مجھ پر لنڈن کی گلیوں میں پتھر پھینکے گئے تھے۔ عبد اللہ کوئلم یا مصطفیٰ لیون وغیرہ کے ساتھ تو قریب قریب وہی برتاؤ ہوا تھا۔ جیسا کہ کفار عرب نے رسول اللہؐ کے صحابیوں بلکہ خود رسول اللہؐ کے ساتھ کیا تھا چنانچہ شیخ عبد اللہ کوئلم کے لڑکے کے ماتھے پر اب تک پتھر کے زخم کا نشان موجود ہے خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب کی یہ خوش قسمتی ہے۔ کہ اوّل مدارج شیخ عبد اللہ کوئلم اور ڈاکٹر لیون وغیرہ طے کر چکے تھے۔ اور اس طرح ان بزرگوں کو جواب اس کام پر آئے ہیں۔ مقابلۃً وہ دشواریاں اُٹھانی نہیں پڑیں۔

مولوی صدر الدین صاحب نے اُس پانچ چھ ماہ میں بہت کچھ کر لیا ہے۔ اتفاقات کہئے۔

یا خدا کی مہربانیاں بھی اُن کے موافق رہیں۔ گورنمنٹ نے فیاضی سے ایک رقبہ ووکنگ ہی میں مسلمانوں کے قبرستان کے لئے بخش دیا ہے۔ اور جو مسلمان زخم خوردہ جنگ انگلستان میں انتقال کرتا ہے اُس کی تجہیز و تکفین مولوی صدرالدین صاحب کرتے ہیں۔ یہ بڑی عقلمندی مولوی صاحب نے کی۔ کہ ووکنگ کے پاس ہی قبرستان حاصل کیا۔ اب جب کوئی فوجی لاش آتی ہے۔ تو وہ فوجی شان سے قبرستان تک جاتی ہے۔ اور شہر کی خلقت میں سے بھی کچھ لوگ ساتھ جاتے ہیں۔ کئی خود ہی نماز جنازہ میں بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اب تو مولوی صاحب کو یہ فکر بھی لگی ہوئی ہے۔ کہ برائٹن میں ایک مسجد بن جاوے۔ فوجی گورنمنٹ کو بھی کچھ خیال ہوا ہے مسلمان فوج کے بہت سے زخمی برائٹن میں رکھے گئے ہیں۔ مسجد اُن کی بہت اچھی یادگار رہیگی۔

خلاصہ یہ کہ خدا کے فضل سے مشنری کام بہت اچھا چل رہا ہے۔ اگر ہندوستان میں اس کا پورا اندازہ ہو جاتا۔ تو اب سے اور بھی زیادہ کامیابی سے چلتا۔ یورپ میں ہر کام کے لئے زرکثیر عیسائی مشنری کروڑوں روپیہ ہر سال خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں صرف کر دیتے ہیں۔ اور صرف روپیہ ہی نہیں۔ بلکہ اُن کے مرد اور عورتیں ہر طرح کی ذاتی و جسمانی تکلیف اٹھا کر کام کرتی ہیں۔ خدا مسلمانوں کو بھی توفیق دے۔ ہمت دے اور اُنکی مدد کرے۔ آمین

تازہ ولایتی ڈاک

جناب حضرت مولنا مولوی صدرالدین صاحب کا تازہ خط

موصولہ ۱۱ر اپریل ۱۹۱۵ء عیسوی

رسالہ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی دو سالہ عمر اور قبولیت

برادران۔ السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ'

رسالہ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے امریکہ و افریقہ و ہندوستان چین ملایا وغیرہ میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً قبولیت عطا کی ہے۔ اس نے نہ صرف انگریزی نژاد رجال و خواتین کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ پرنور دکھایا ہے۔ بلکہ دُنیا بھر کے مسلمانوں میں

ایک تازہ روح پھونکی ہے۔ افریقہ کے مسلمانوں میں اُس نے خاص تحریک پیدا کی ہے۔ سب سے بڑا کام جو حضرت نے اپنے فضل وکرم سے اس رسالہ کے ذریعہ کیا ہے۔ وُہ انگلستان کے پادریوں اور علم دوست طبقہ میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ یہ تو شاید بزرگانِ قت کو معلوم ہوگا۔ کہ یہ رسالہ کم وبیش دو ہزار کے قریب مفت تقسیم ہوتا ہے۔ اور یہ تعداد انگلستان کی آبادی کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کی حقیقت تک بھی نہیں پہنچتی۔ تاہم جب کسی چیز کی قبولیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ دشمنوں کے منہ میں اپنی زبان دیدیتا ہے۔ مجھے تو بہت ہی کم موقعہ ملتا ہے۔ کہ مَیں اپنے کام کو چھوڑ کر گرجاؤں مَیں جا کر وعظ کروں لیکن فراخ دل اور معقول پادریوں نے خود بخود اسلام پر وعظ وخطبے پڑھنے شروع کئے ہیں۔ اور اسلام کے حقیقی چہرہ کو دکھایا ہے۔ اور زور دیا ہے کہ اسلام کے متعلق جو غلط بیانی سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ اُس کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ اور افسوس کیا ہے۔ کہ آجتک ہمارے پادریوں نے ہمیں اسلام کی قابل قدر و معقول تعلیمات سے محروم رکھا۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کے پیلے ہم اہلِ انگلستان ہیں اسلام نے وہ سب کچھ عملاً کر دکھایا جس کی خواب بھی نصرانت کو نہیں آئی۔ اور اس کفارہ پرستی نے اور یورپی تہذیب نے بڑے مظالم جایز رکھے ہیں۔ اور دُنیا کو گمراہ کیا ہے۔ غرضیکہ ازیں قبیل سرمن و وعظ ہو رہے ہیں۔ اخباروں میں چرچا ہوتا ہے۔ وعظوں کو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور اکثر ان میں اسلامک ریویو کی عبارات درج کی جاتی ہیں۔ اور اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اور اسلام پر جس قدر بھی وہ بیان کرتے ہیں۔ وُہ اسلامک ریویو ہی بیان کیا جاتا ہے۔ مَیں نے دو خطبے مارچ اور اپریل کے نمبروں میں درج کئے ہیں بڑی مبارک ہو یہ کامیابی ہمارے مکرم ومعظم جناب حاجی خواجہ کمال الدین صاحب کو جنہوں نے اس کام کو شروع کیا۔ اور اپنا زرکثیر صرف کر کے شروع کیا۔ ایثار وجوانمردی سے شروع کیا۔ اپنوں اور بیگانوں کے طعن وتشنیع کو اپنے اوپر لیا۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے اُن کے دل کی تڑپ کو قبول کر لیا۔ مَیں اپنے ذاتی تعلقات اور علم کی وجہ سے علی البصیرۃ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اُن کو سالوں سے اسلامی مبلغ بننے کی تڑپ تھی۔ اور وہ چاہتے تھے۔ کہ شمس ہدیٰ مغرب سے طلوع کرے۔ خدا نے اُن کو بارآور کیا۔ لیکن اب سوال یہ ہے۔ کہ ہم ہندوستان کے مسلمان خواجہ صاحب کی خدمات کا کس قدر شکریہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میرے خیال میں اُن کا شکریہ اسی رنگ میں ہوسکتا

ہے کہ ان کے کام کو جسے خدائے تعالیٰ نے بار کرکے قبولیت کا شرف بخشا ہے۔ جاری رکھیں۔ وہ خود بھی کسی خطاب یا تمغہ کے خواہاں نہیں ہیں۔ اُن کو بھی اسی میں راحت ہے۔ کہ مسلمان بھی تیزی سے اسلام کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوجاویں۔ اُن کو آدمی دیں۔ جو اُن کی مدد کریں۔ اُن کو روپے دیں۔ جس سے کام چلے۔ یہ ہم مسلمانوں کے لئے بہت شرم کی بات ہے۔ کہ خواجہ کمال الدین صاحب کا قیمتی وقت چندہ کی فراہمی میں صرف کرائیں +

اَے خدائے اسلام کے پرستارو۔ اَے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق یہ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کا وقت ہے۔ یہ موقع اُس نے خود پیدا کیا ہے۔ اسکی ناقدردانی و ناشکری نہ کرو۔ اور بیرونی تحریکات سے غنی ہوکر اس کام کے سنبھالنے کے لئے اُٹھو۔ موت کچھ اعتبار نہیں ساری لیاقت سارے تعلقات سارے مال و متاع ایک دم میں بیکار ہوجاتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو فراست سے کام لیویں۔ اور خدائے قدوس کی رضامندی حاصل کریں۔ حکم آلہی بھی اسی طرف توجہ دلاتا ہے +

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخاسرون۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیراً لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون + والسلام

خاکسار صدر الدین امام مسجد ووکنگ۔ بقلم بلال نور احمد ۱۰ مارچ ۱۹۱۵ء

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام ٭ ووکنگ مشن کی رپورٹ بابت ماہ مارچ ۱۵ء

نومسلمین اس ماہ میں دو مرد اور ایک خاتون حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام مسٹر گریوس تھا۔ انکی عمر ۸۰ سال ہے اور تمام عمر عیسائی مشنری کا کام کرتے رہے ہیں۔ خدا کی قدرت تمام عمر یسوع مسیح کی خدائی کا وعظ کرتے کرتے اب خود اُس سے منحرف ہونا پڑا۔ ایک مدت سے اُنکی خط وکتابت مولوی صدرالدین صاحب کیساتھ تھی آخری چٹھی میں مولوی صاحب نے پرزور الفاظ میں اُن کو نصرانیت کو چھوڑنے اور حلقہ بگوش اسلام ہونیکی تحریک کی جس کے جواب میں انہوں نے تصویر اور تصنیف بھیجی اور عقاید باطلہ سے بیزاری اور اسلام کی صداقت کا اقرار کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ٭

وعظ وتبلیغ اس ماہ میں مسرت انگیز خبر یہ موصول ہوئی ہے کہ انگلستان کے کانگریگیشنل چرچ نے جو چرچ آف انگلینڈ کی شاخ ہے حضرت مولنا مولوی صدرالدین صاحب کو اسلام پر ایک سرمن دینے کے لئے دعوت دی۔ چنانچہ حضرت موصوف نے "اسلام ہی عالمگیر مذہب ہے" کے عنوان سے نہایت مدلل اور زبردست لکچر دیا۔ لیکچر سے پہلے آپ نے نہایت خوش الحانی سے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی۔ اور تثلیث پرستی کی سرزمین میں خدائے واحد کا نام بلند کیا۔ لیکچر کے بعد کچھ سوالات ہوئے جنکے آپنے اسی وقت جواب دئے۔ اور بہت کامیابی اور فتح ونصرت سے واپس آئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

متفرقات علاوہ ازیں آپکو برائیٹن میں بھی جانے کا اتفاق ہوا جہاں ہندوستانی مجروحین زیر علاج ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے اس مقام کے جو حالات تحریر فرمائے ہیں۔ وہ بہت ہی مسرت اندوز اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کیلئے باعث صد افتخار ہیں۔ ہم گورنمنٹ برطانیہ کے از حد ممنون احسان ہیں کہ اس نے اپنی نوازش خسروانہ سے اپنے فدائیان ملک کے دکھ درد کا علاج کرنے کے ساتھ انکی آسایش وآرام اور مذہبی باتوں کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اور فریضہ نماز کی ادائیگی کے لئے عارضی انتظام کرنے کیواسطے مولوی صدرالدین صاحب کو بلوایا۔ اور ان سے مشورہ لیکر مسلمانوں کے حسب دستور کافی انتظام کر دیا۔ ایک خاص بات جو مولوی صاحب نے تحریر فرمائی ہے وہ اسلامی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ جس مکان میں ہسپتال ہے۔ وہ ایک شاہی محل ہے جسمیں دو بلند ستونوں پر جن کا رنگ نہایت سرخ ہے۔ نہایت سفید ہوئے حروف میں لا غالب الا اللہ لکھا ہوا ہے۔ جو اس اسلامی شان وشوکت کا پتہ دیتا ہے۔ جو ہسپانیہ کی عظیم الشان اسلامی سلطنت کیوقت مسلمانوں کو حاصل تھی۔ یہ محل نہایت عظیم الشان ہے جس پر برائیٹن

کو بجا فخر ہے۔ اس میں بیشمار ستون ہیں۔ جن پر ایک نہایت شاندار بلند قبہ کھڑا ہے۔ اس کے نیچے کا رقبہ سات ہزار مربع فٹ ہے ٭

اسوۂ حسنہ

الموسوم بہ

زندہ اور کامل نبی

وہ لیکچر جو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڈھ میں خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب نے دیا۔

یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی ہے کہ اسکی مانگ اب تک لگاتار جاری ہے چونکہ اس کتاب کی فروخت سے کوئی ذاتی مفاد مد نظر نہیں بلکہ یہی غرض ہے کہ اس تصنیف سے ہر ایک اہل اسلام کو فایدہ پہنچے اسلئے اسکی قیمت نصف کردی گئی ہے۔ پانچ آنہ کے ٹکٹ بھیجکر یا بذریعہ وی پی طلب کریں جس میں ایک آنہ محصول ڈاک ہے ضخامت ۳۲۶ صفحہ اور اعلیٰ درجے کے ولایتی چکنے کاغذ پر نہایت خوشخط چھپی ہے۔ مینیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولٰئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے بی ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۵ء | نمبر (۴)

فہرست مضامین ماخوذ از اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۵ء

قیمت سالانہ تین روپے (۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

شذرات

حصول مقصد میں کامیابی

اس رسالے کے اجرا کی اغراض میں سے ایک غرض یہ تھی - کہ اُن غلط بیانیوں کی اصلاح کی جائے جو متعصب مصنفین نے اسلام کے متعلق کی ہیں - یہ غرض اُس خاص دائرہ کے اندر حاصل ہو چکی ہے جس میں یہ رسالہ کام کرتا رہا ہے - اور نہ صرف اسے اس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے - کہ اس نے غلط خیالات کو دور کر دیا ہے - بلکہ اس کی کوششوں کو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے بہت بڑھ کر بار آور بنایا ہے اور ان اصولوں نے - جو اس رسالے نے تھوڑے عرصے کے اندر پھیلائے ہیں بہت سے دلوں میں گھر کر کے ایک نمایاں کامیابی حاصل کی ہے - مدنی حیثیت کے لحاظ سے یہاں پبلک کو تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے - یعنی اُمرا - متوسط الحال اور مزدوری پیشہ لوگ - ان میں سے آخری طبقہ کی حالت عموماً بُری ہے اور اُن کی عاجزانہ نگاہیں اُن کا لباس ان کی زندگی کی ساری طرز رحم اور ہمدردی پیدا کرنے والی ہیں - وہ اس قدر مشکلات میں ہیں اور اُمرا اور متوسط درجے کے لوگ ان سے عموماً ایسا سلوک کرتے ہیں کہ ان کی حالت اس حد

ہیں اور اس قوم کے اندر قریباً قریباً وہی ہے جو شودروں کی ہندوؤں میں۔ اسلام کی جمہوری تعلیم کسی جماعت کو بھی علیحدہ نہیں کرتی بلکہ سب پر یکساں حاوی ہے اور جس طرح وہ اپنا اثر ایک امیر پر ڈالتی ہے اُسی طرح ایک غریب مزدور بھی اس سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے۔ مگر اب تک یہ خوش نصیبی ہمارے حصہ میں نہیں آئی۔ کہ اس طبقہ کے لوگوں میں سے بھی کوئی ہمارے ساتھ شامل ہو کہ جن کو افلاس نے اس درجہ تنگ کر رکھا ہے۔ کہ اُن کی حالت عملاً فاقہ کشی تک پہنچی ہوئی ہے اور جن کی گذر اوقات انہی چند پیسوں پر ہوتی ہے جو انہیں مل جاتے ہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ کے فضل سے دوسرے انتہا پر یعنی اعلےٰ طبقے کے لوگوں میں سے مختلف اقوام یورپ میں سے بعض ایسے لوگ جن کی رگوں میں شاہی خون بہتا ہے۔ ایک نواب ایک اعلےٰ طبقہ کی خاتون اور درمیانی طبقہ کے بہت سے لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے آگئے ہیں۔ اللھم صل وسلم وبارك علے نبیك ورسولك +

پھر ایک اور تقسیم سوسائٹی کی اُن کے ذہنی قوےٰ کے نشوونما کے لحاظ سے ہوسکتی ہے۔ اور اس کے اندر پھر ایک تقسیم مذہبی گروہ اور عوام کی ہے۔ ان دونو قسم کے علمی طبقہ کے لوگوں کو اسلام کی دلکش اور مفید تعلیم نے اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور وہ نہ صرف اس عالمگیر اخوت کے اندر شامل ہی ہوئے ہیں بلکہ اُس کے اعلےٰ درجے کے علمی مضامین اکثر اس رسالہ کے صفحات کو زینت دیتے اور ناظرین کے لئے باعث دلچسپی ہوتے ہیں +

مذہبی طبقہ کے لوگوں پر اسلام کی پاک تعلیم نے ایک اور رنگ کا اثر پیدا کیا ہے۔ اُن کے جو کچھ خیالات اسلام کے متعلق پہلے تھے اُن کے اندر بڑی بھاری تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ وہ علےٰ الاعلان جلسوں تک بھی اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے اور اُس کے پاکیزہ اصول کی تعریف کرتے ہیں اور اُن لوگوں کو جنہوں نے اسلامی تعلیم کے متعلق غلط بیانیاں کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کھلے طور پر ملامت کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت مبارک فال ہے اور اس رسالہ کی کامیابی کا اس سے خوب اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جو قوم کے مذہبی خیالات پر حکمران ہونے کی وجہ سے قومی خیالات کی رو کو ایک یا دوسری طرف لے جاسکتا ہے۔ اگر ہم کو خیالات کے اس سرچشمہ کو پاک کرنے کا موقعہ مل جائے بالخصوص مذہبی جذبات اور خیالات

کو تو تم اپنے آپ کو اس عظیم الشان کامیابی پر مبارک باد دے سکتے ہو تم نے ایک نہایت بڑے اور پاک مقصد کو حاصل کر لیا ہے۔ ہمارے پاس تحریریں۔ شہادتیں پہنچتی رہتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہماری عاجزانہ کوششوں نے انسانیت اور اسلام کی کس قدر خدمت اس پہلو سے انجام دی ہے۔ اسی رسالہ میں دوسری جگہ ایک نہایت فاضلانہ اور واضح خطبہ پادری میکسویل کنگ کا درج ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی قوم کو ایک نہایت مفید نصیحت کی ہے اور بار بار اسلامک ریویو (یعنی اس رسالہ) کے صفحات کا حوالہ دیا ہے۔ یہ ایک نہایت خوشی کی بات ہے۔ کہ وہ اس رسالہ سے اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے خیالات کی ایسی قدر کرتے ہیں کہ اپنے خطبہ کا مضمون ہی گویا انہوں نے ان خیالات کو تجویز کیا ہے۔ ان کے اس طرز عمل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہب۔ آزادی خیال۔ اپنے اعتقادات کے اظہار کی اخلاقی جرأت اور تربیت کے لحاظ سے وہ اس اعلےٰ مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ کہ جہاں تعصب اور تنگ خیالی کا ناپاک اثر نہیں پہنچتا۔ جو اکثر مذہبی کام کرنے والے لوگوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ علم الہیات کے بعض دیگر فضلا نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے اور غالباً ان میں سے ایک کی تقریر اگلے مہینے کے رسالے میں درج ہوگی +

اجتماع

وہ اجتماع جن میں پبلک شامل ہو سکتی ہے۔ باقاعدہ طور پر مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے بی ٹی کی امامت میں مسجد ووکنگ میں ہر اتوار کو تین بجے شام کے اور لنڈ سے ہال ناٹنگ ہل گیٹ میں ہر جمعہ کو ۱۲ بج کر ۲۵ منٹ پر ہوتے ہیں +

تبدیلی مذہب

اسلام میں برابر لوگ داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جو لوگ تبدیلی مذہب کا اعلان

کرنا چاہتے ہیں یا تو وہ خود مذکورہ بالا دو نو مقامات میں سے کسی مقام میں آجاتے ہیں یا اپنی تجویز بھیج دیتے ہیں۔ انگریزی قوم کی ذہانت اخلاقی جرأت اور آزادی خیال کا یہ بڑا بھاری ثبوت ہے۔ کہ وہ جب اسلام کی معقولیت کو سمجھ لیتے ہیں اور اس کی پاک اور مفید تعلیم جو ہر قسم کی تمدنی ملکی اخلاقی اور روحانی پیچیدہ سوالات کا سیدھا سادہ جواب اپنے اندر رکھتی ہے۔ ان کے دلوں پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ تو وہ تبدیلی مذہب کا اعلان کر دیتے ہیں +

مسجد ووکنگ میں اتوار

مسجد ووکنگ میں اتوار نے اپنے لئے ایک علیحدہ خصوصیت قائم کر لی ہے۔ اس دن ایک اچھا خاصہ مجمع غور و فکر کرنے والے اور مذہبی خیالات کے لوگوں کا وہاں ہو جاتا ہے جو نہ صرف قصبہ ووکنگ سے آتے ہیں بلکہ دور مقامات سے بھی ان لیکچروں کو سننے کی خاطر اس اجتماع میں شامل ہوتے ہیں۔ گذشتہ اتوار غیر معمولی طور پر ایک کامیاب دن تھا۔ برٹش مسلم سوسائٹی کا ایک منتخب جلسہ تھا۔ جس میں لارڈ ہیڈلے صدارت کی کرسی پر متمکن تھے۔ اور اس کے بعد مہمانوں کی دعوت اسلامی اخوت اور اسلامی تمدن کی جمہوریت کا اعلان کر رہی تھی۔ مولوی صدرالدین امام مسجد ووکنگ فیاض میزبان کا کام کر رہے تھے جیسا کہ وہ ہر اتوار کو کرتے ہیں۔ اور کھانے کی میز کے گرد گرد نہ صرف دنیا کے مختلف حصص سے آئے ہوئے لوگ تھے بلکہ دنیوی طور پر مختلف حیثیتوں اور مختلف طبقات کے لوگ بھی تھے مشرق اور مغرب۔ بڑے اور چھوٹے کا امتیاز اسلام کے جھنڈے اور اس کی طاقت اور اثر کے نیچے زائل ہو گیا تھا۔ روسی شہزادہ عطاء الرحمن شیخ جلال الدین مجیور کے وریچ اور مصری شہزادی صالحہ اور لارڈ ہیڈلے بغیر کسی امتیاز کے اسی میز پر کھانا کھا رہے تھے جس پر ان کے کم درجے کے بھائی بھی بیٹھے ہوئے تھے +

نماز ظہر۔ خاصی تعداد نمازیوں کی تھی اور لارڈ ہیڈلے کا لیکچر جس کا مضمون "بے تعصبی"

تھا سُننے کے لئے مسجد حاضرین سے بھری ہوئی تھی - بہت سے فاضل اور قابل غیر مسلم جیسے ڈاکٹر ڈلانبو اور مسٹر لوگرو حاضرین میں ممتاز طور پر نظر آتے تھے - لارڈ موصوف کا لکچر نہایت موثر تھا - کیونکہ وہ عملی تجربے پر مبنی تھا - اس میں عیسائی عقاید کے کمزور پن کے پہلو کو کھول کر بیان کیا گیا اور اس تعصب اور طرفداری کا ذکر تھا جو عموماً عیسائیوں کو دوسرے معقول مذاہب کے مطالعہ سے اس لئے روکتے ہیں - کہ ایسا نہ ہو کہ کسی دوسرے مذہب کی معقولیت کے حقے سے مسیح کی خدائی کا عقیدہ جس کی بنیاد بڑے توہم پر تھی متزلزل نہ ہو جائے +

لارڈ ہیڈلے کے بعد ایک پُرجوش تقریر اسی مضمون پر ڈاکٹر یبون مصطفےٰ ایم اے ڈاکٹر اف فلاسفی ایل - ایل ڈی - ایف - ایس جی نے کی - اُنھوں نے کہا کہ یہ سلمان نہیں جو مسیح کو کسی تخت سے نیچے اُتار رہے ہوں - بلکہ یہ عیسائیوں کا قصور ہے جنھوں نے مسیح کو اُس جگہ پر جا بٹھایا - جو صرف ایک ذات واحد کے لئے مخصوص ہے اور مخصوص رہنی چاہئے - جو قادر علیم رحمان اور رحیم ہے - جو غنی حی اور قیوم ہے جو نہ خود پیدا ہوا نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا - اُنھوں نے کہا - کہ عیسائیوں میں متعصبانہ جوش بہت ہے - مسلمان حضرت موسےٰ اور مسیح اور تمام انبیا علیھم الصلوٰۃ والسلام کی اُسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتے ہیں اُنھوں نے لارڈ ہیڈلے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس نازک وقت میں بہت زیادہ ضرورت اِس بات کی ہے - کہ بے تعصبی دکھائی جائے اور صرف ایک قادر ذوالجلال پر بھروسہ کیا جائے - اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ کو جب آپ صرف ایک ساتھی کے ساتھ ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ رہے تھے پُردرد الفاظ میں بیان کیا اور بتایا کہ دونوں نے ایک غار میں پناہ لی - ان کے پیچھے ہی اُن کے دشمن بھی آپہنچے - اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُن کے پاؤں کی آہٹ کو سنا تو آپ نے کہا کہ ہم صرف دو ہیں اور دشمن بہت ہیں - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - دو نہیں ہم تین ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے اور یہی سچ نکلا +

لارڈ ہیڈلے کی درخواست پر مولوی صدرالدین صاحب نے بھی تقریر کی اُنھوں نے

کہاکہ مسلمانوں کی بے تعصبی نہ صرف نسل اور رنگ کی حدود کی پروا نہیں کرتی بلکہ خود قومیت کی قید سے بھی آزاد ہے۔ یورپ قومیت کے تعصبات کا شکار ہو رہا ہے۔ جرمن حیثیت ایک قوم کے اب انگریزی قوم کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ مگر اسلام کسی قسم کے قومی امتیاز کی قید کو جائز نہیں رکھتا۔ چین اور روم کے مسلمان۔ مراکش اور ہندوستان کے مسلمان سب ایک ہیں۔ اور اس طرح پر اسلام کی اخوت عالمگیر اخوت ہے۔ اُنہوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا۔ کہ عیسائی اس بات سے ڈرتے ہیں۔ کہ اُن کے عقاید پر معقولیت کی روشنی پڑے مگر اسلام ہر قسم کی تحقیق اور معقولیت کا حامی ہے۔ اُنہوں نے کہاکہ میں خود اگر قرآن کریم کو معقولیت کے پہلو سے سچا نہ پاؤں تو اسے مان نہیں سکتا۔ اُنہوں نے کہاکہ تمام نسل انسانی کی ایک عالمگیر اخوت قائم ہونی چاہئے۔ جس میں رنگ اور نسل۔ مذہب اور قوم کا کوئی امتیاز نہ ہو +

لارڈ ہیڈلے کی ایک پُرجوش دعا کے ساتھ جلسہ ختم ہُوا

قدوائی

بے تعصبی

یہ وہ ایڈریس ہے جو ۱۲- فروری سن رواں کو مسجد ووکنگ میں رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے (شیخ رحمۃ اللہ فاروق) نے دیا +

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شآء وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم ہ ترجمہ۔ اللہ۔ نہیں کوئی معبود سوائے اُس کے وہ خود زندہ زندگی کا سرچشمہ قائم

بالذات اور سب کے قیام کا موجب ہے۔ اُسے نہ تو اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور شفاعت کر سکے مگر اُسی کی اجازت کے ساتھ۔ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اُس کے علم میں کسی چیز کا بھی مگر جتنا وہ خود چاہے۔ اُس کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ اُن دونوں کی حفاظت سے تھکتا نہیں اور وہ بلند برتر اور بڑی عظمتوں والا ہے +

(قرآن کریم)

کچھ دن گذرے کہ میں اپنے خطوط کو کھول رہا تھا۔ تو اُن میں مجھے اپنی ایک رشتہ دار خاتون کا خط نظر پڑا۔ جس میں لکھتی ہیں۔ کہ آئندہ آپ مجھے اسلامک ریویو کا کوئی اور رسالہ نہ بھیجیں کیونکہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ میں اس بات پر موت کو ہزار درجہ ترجیح دیتی ہوں۔ کہ مسیح کو حقیقی خدا نہ مانوں۔ اُس وقت تو ان الفاظ کے صحیح مفہوم کو میں سمجھ نہ سکا۔ مگر اب میں سمجھ گیا ہوں۔ کہ دراصل اس ہمہ صفت موصوف اور مخلص عیسائی خاتون کا اصل مطلب یہ تھا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ اسلامی تعلیم کا کثرت سے مطالعہ کرنے کا یہ نتیجہ ہو۔ کہ مسیح کی الوہیت پر اُس کا ایمان کمزور پڑ جائے۔ جس حالت میں کہ یہی ایمان اُس کو سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اور یہ عین اُسی اصول کے مطابق ہے۔ جس کے رُو سے مسیح کی الوہیت پر ایمان لانا نجات کے لئے ازبس ضروری ہے اور جو دوسرے لفظوں میں یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ گرجے کے باہر کوئی نجات نہیں +

میں یہ ضرور کہونگا۔ کہ اگر یہ عقیدہ کو کوئی شخص محض اس وجہ سے قبول کرتا ہو۔ کہ وہ بچپن سے اُس کو سکھایا گیا ہے۔ اور پھر بعد میں جب وہ بالغ اور تجربہ کار ہو جائے۔ تو دوسرے عقائد کی تحقیقات سے احتراز کرے۔ تو اس شخص سے بڑھ کر اپنی کمزوری کا معترف اور اپنے عقائد کی بے اعتباری ثابت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ نہایت معقول اور انصاف کی بات ہے۔ کہ ہم دوسرے لوگوں کے خیالات بھی تو سنیں کہ وہ موجودہ دنیا کی نسبت

اور آئندہ عالم کی نسبت جہاں ہم سب نے جانا ہے اور جس کا بہت تھوڑا علم ہمیں دیا گیا ہے کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں اسلام بڑی وسیع نظر رکھتا ہے اسلئے مذہب عیسوی میں یا کسی دوسرے مذہب میں اگر کوئی خوبی ہے۔ تو ہم اُس پر غور کرنے کے لئے ہر وقت نہایت خوشی سے تیار رہتے ہیں اور ہمارے دل میں یہ کبھی بھی واہمہ نہیں گذرتا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ تحقیقات یا بحث سے اسلام پر جو ہمیں ایمان ہے متزلزل ہو جائے۔ چنانچہ اب جو میں مذکورہ بالا خط میں سے چند اقتباسات پڑھنے لگا ہوں۔ تو اسی بے تعصبی اور وسیع الخیالی سے پڑھنے لگا ہوں جو اسلام کا خاصہ ہے۔ اور جس میں سرد مہری اور بے مروتی کی ملونی ہرگز نہ ہوگی وھو ھذا +

" وہ (مسیح) ہمیشہ سے دُنیا میں سب سے بڑی طاقت رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اگر وہ مردوں میں سے نہیں جی اُٹھا۔ تو ہم پھر ہرگز ہرگز اپنے پیاروں کو دیکھ نہ سکینگے۔ لیکن نہیں۔ مسیح مردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور سونے والوں کا پہلا پھل وہی ہے کیونکہ آدم میں ہو کر ہم سب مرتے ہیں اور مسیح میں ہو کر ہم سب زندہ کئے جائینگے" +

پھر بائیبل کی نسبت وہی راقمہ کہتی ہیں +

" اگر تم ٹھنڈے دل سے بائیبل کو پڑھو گے تو تم پیدائش کے پہلے باب سے شروع کر کے مکاشفات کے اخیر تک ہر ایک چیز کو خواہ وہ قربانی ہے یا کچھ اور مسیح ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاؤ گے۔ مسیح اپنی نسبت کہتا ہے۔ کہ کوئی باپ تک نہیں پہنچ سکتا مگر میرے واسطے سے۔ اور پھر بائیبل کہتی ہے " کہ کسی اور میں نجات ہرگز نہیں کیونکہ آسمان کے نیچے مسیح کے سوا اور کوئی نام انسان کے لئے نہیں جس کے ذریعے سے ہم نجات پا سکیں"۔ پس یہ باتیں خدا کے کلام میں لکھی ہیں اور نہایت صفائی کے ساتھ +

راقمہ نے ان اقتباسات میں پولوس کی تعلیم کا ہی خلاصہ بیان کیا ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ آئندہ زندگی کی ساری اُمیدیں مسیح کے مردوں میں سے جی اُٹھنے کے ساتھ وابستہ ہیں اور نیز پطرس کی تعلیم کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ جو بیان کرتا ہے کہ مسیح کے نام کے ساتھ ہی ہماری نجات وابستہ ہے۔ یہ عیسویت کا اصولی تعلیم ہے۔ مگر میں اس تعلیم کو ہمیشہ مسیح کے اپنے کلام

سے مختلف پاتا ہوں۔ کیا وہ خیالات جو مسیح نے دنیا کو پہنچائے اور کیا وہ گفتگو جو مسیح کی شیطان سے بیابان میں ہوئی۔ سب کے سب اُس تعلیم سے جو پولوس و پطرس نے پیش کی مختلف ہے۔ جب شیطان مسیح کو بیابان میں لے گیا۔ تو ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو بہکانے کے لئے شیطان نے بہت سے لالچ دئے اب سب سے اوّل تو یہ سوچنا چاہئے۔ کہ مسیح اگر خدا تھا۔ تو شیطان کا اُس کو آزمانا کیا معنی؟ کیونکہ اس سے بڑھکر قابل شرم اور کفر کیا ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے مالک الملک اور علےٰ کل شئے قدیر کی نسبت یہ گمان کیا جائے۔ کہ وہ آزمائش سے متاثر ہو سکتا ہے اور بحیثیت خدا ہونے کے مسیح کا شیطان کی آزمائش اور تحریکوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا کیسا لغو ہے۔ کیونکہ خدا ایسی کمزوریوں سے پاک اور برتر و بالا ہے۔ لیکن اگر یہ مانا جائے۔ کہ مسیح ملہم ربانی تھا۔ اور انسان کے لئے ایک اعلےٰ نمونہ تھا۔ تو پھر ہمیں مسیح کی پر شوکت کلام کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ "انسان صرف روٹی سے نہیں۔ بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے جیتا ہے" "تو اپنے خداوند خدا کو مت آزما" "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر" ان تمام فقروں میں مسیح نے بتلایا ہے کہ وہ اُس خدا کو جو آسمان پر ہے اپنا مالک اور آقا سمجھتا تھا۔ ان فقروں کی کچھ بھی تاویلیں کی جاویں لیکن اُن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں کو کہاں لے جائینگے جو مسیح نے اس نوجوان کے جواب میں کہے تھے جب اُس نے مسیح سے دریافت کیا تھا کہ وہ کیا کرے تا ابدی زندگی کا وارث ہو۔ نوجوان نے جب اس طرح خطاب کیا کہ "اے نیک اُستاد" تو مسیح نے فوراً کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں سوا اُس ایک کے جو خدا ہے +

کچھ شک نہیں۔ کہ عیسائی لوگ نہایت اخلاص اور جوش سے اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بپتسمہ۔ عشائے ربانی۔ الوہیت مسیح نہایت ضروری چیزیں ہیں اور ان کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اور ان اصولوں میں اس قدر تعصب برتا جاتا ہے۔ جس کا نام ونشان تک اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے اور صرف ایک ہے اور اُسی کی فرمانبرداری اور عبادت شفقت علےٰ خلق اللہ۔ نجات کے لئے کافی ہیں لیکن

مجھے کم سے کم ایسا مسلمان کوئی نہیں ملا۔ کہ وہ اس بات پر زور دے۔ کہ اگر کوئی اس سے اختلاف رکھے تو نجات ناممکن ہے۔ میں اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دیتا ہوں وہ یہ کہ ایک متعصب عیسائی ایک خدا پر بھی ایمان رکھتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ایمان رکھتا ہے۔ کہ مسیح خدا تھا اور زور دیتا ہے کہ اس عقیدہ کے بغیر جہنم سے کبھی نجات نہ ہوگی۔ لیکن برعکس اس کے سچا مسلمان ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ یہ نہیں مانتا۔ کہ دوسرے لوگ ایک غیر منقطع عذاب میں رہینگے۔ اور اس سے ان کو کبھی بھی نجات حاصل نہ ہوگی۔ یہ کیسی قابل افسوس بات ہے کہ مشرق و مغرب کے یہ دو تو مذہب جو دراصل ایک ہی جڑ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک ایسے مسئلہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں جس کا دراصل اُن کی اپنی تعلیموں اور خوبیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے جیسا کہ پہلے بھی کہا ہے۔ کہ سب سے زیادہ ضروری سوال یہ ہے۔ کہ کیا مسیح نے خدا کا پیغام دنیا کو پہنچایا؟ اگر اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہاں۔ تو پھر دنیا کے لئے اگر کوئی چیز قابل قبول ہے۔ تو وہ مسیح کے اپنے الہامات اور انکشافات ہیں نہ کسی اور کے اپنے دماغ کی نکلی ہوئی باتیں +

اس بات پر بحثیں کرنا۔ کہ مسیح خود خدا تھا۔ یا خدا کی طرف سے ملہم تھا۔ بالکل فضول و لغو ہے۔ کیونکہ یہ ایک صاف بات ہے۔ کہ جو انسان بھی دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ خدا کی مخلوق ہی ہوتا ہے۔ ہاں اسے ایک رنگ میں خدا کا بیٹا بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ خدا کے اخلاق میں کم و بیش رنگین ہوتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ انسانوں میں سے ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو موسٰے و عیسٰے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح ملہم ربانی ہوں۔ یہ لوگ خدا کے برگزیدہ ہوتے ہیں جن کی تعظیم و عزت ہر وقت ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے +

قرآن کریم میں آتا ہے۔ قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔ ترجمہ۔ کہدے اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے یعنی خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔

اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ پکڑے پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں تو کہدو کہ گواہ رہو کہ ہم تو اُسی کے فرمانبردار مسلم ہیں"۔

پھر قرآن کریم فرماتا ہے۔ قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسٰے و عیسٰے وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون ۝ **ترجمہ**۔ کہدو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس پر جو اُتارا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اور جو دیا گیا موسٰے اور عیسٰے اور تمام نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے۔ ہم اُن میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اُسی (ایک خدا) کے فرمانبردار مسلم ہیں"۔

دنیا کی تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا جس میں ہمارے زمانہ سے بڑھ کر تسلیم ورضا اور بے تعصبی کی اشد ضرورت ہو۔ ہم کو اپنے عزیز سے عزیز اور قریب سے قریبی کی موت پر اپنے ملک کے شریف فرزندوں اور لاکھوں پونڈوں کے نقصان پر سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور رضا بالقضا کے کوئی چارہ نہیں۔ اور ہر موقعہ پر ہمیں اپنی بے تعصبی کا نمونہ دکھانا ضرور ہے۔ رُوح کے لئے یہ ایک بڑی تربیت کا وقت ہے گو اس کا برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ صرف وہی لوگ ان غموم وہموم کو نہایت طمانیت خاطر سے جھیل سکتے ہیں جو کہ اللہ تعالےٰ کی مشیت کے آگے کامل طور پر اپنی گردن رکھ دی ہے اور ترکیب نے اُنہیں اُس کی ہر ایک تقدیر سے جو اُن پر وارد ہوتی ہے خوشی خوشی سچی فرمانبرداری کے ساتھ راضی رہتے ہیں۔

قرآن کریم اور عقل

تمام اسلامی اصول اور عقائد خدا کی آخری کتاب قرآن کریم میں جو مسلمانوں کی ہادی

کتاب میں موجود ہیں اور اُن پر کافی بحث کی گئی ہے۔ اس خدائی کتاب میں انسان کی زندگی کے جو اصول باندھے گئے ہیں وہ نہایت سخت سے سخت تنقید کے مقابلہ میں بھی اعلیٰ اور اکمل ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ اُس کتاب نے انسانی زندگی کے ہر ایک پہلو پر نہایت خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ قرآن میں ہے لا اکراہ فی الدین۔ یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ایک ایسا اصول ہے جو صرف اسی کتاب ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور جس نے انسان کو اپنے خیالات میں کامل آزادی دی ہے۔ چنانچہ ایک اور جگہ بھی قرآن کریم فرماتا ہے وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ **ترجمہ** کہدے یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔ یہاں بھی مذہب اور الٰہیات میں خیالات کو کامل آزادی بخشی ہے۔ اور ہمیں اُن قیدیوں کی طرح نہیں بنایا گیا جن کا کام ہی یہ ہے کہ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔ کشتی چلانے کے لئے ہاتھ اور پاؤں مارنے چاہئیں ۔

انسانی عقل اور فطرت اس بات سے سخت نفرت کرتی ہے۔ کہ مذہب کے بارے میں اُسے مجبور کیا جائے۔ اور اس طرح صرف یہی نہیں۔ کہ حریت انسانی کی سخت ذلت متصور ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ پر بھی حرف آتا ہے۔ جس نے ایسے تنگ اصول مرتب کئے۔ کہ انسانی عقل کو جسے خود ہی اُس نے انسان کے اندر ودیعت کیا تھا کام کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ لیکن ہم کو قرآن کریم پر فخر ہے۔ ہاں وہ قرآن جس کو ہم خدا کی کتاب اس لئے نہیں مانتے کہ ہمارا صرف ایسا ایمان ہے۔ بلکہ اُسے خدا کی کتاب اس لئے مانتے ہیں کہ وہ اپنے اندر کھلے کھلے ثبوت منجانب اللہ ہونے کی رکھتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے اور اُسے جو کچھ اخلاق اور قوتیں خدا نے عطا فرمائی ہیں۔ وہ سب نہایت اعلیٰ مقصد کے لئے ودیعت کی ہیں۔ پس عقل بھی ایک قوت ہے۔ اور یہ ہمیں اس لئے بخشی گئی ہے کہ ہم اُس سے کام لیں اور سیدھے رستے پر اُس کے ذریعے سے چلیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے۔ کہ جو بھی خدا کی کتاب ہو۔ اور اُس میں جو بھی ہدایتیں ہوں وہ انسانی فطرت کے تمام قوے اور اخلاق کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی ہوں۔

اگر ایسا نہیں ہے۔ تو ہم اس کتاب کو خدا کی کتاب نہیں مان سکتے ورنہ اس کی کوئی وقعت ہمارے دل میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خدا کی مخلوق کے بہترین حصہ یعنی عقل کو جو کتاب ملحوظ نہیں رکھتی اور لوگوں کی خوش اعتقادی سے فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے وہ اپنے مقصد کو خود ہی برباد کر دیتی ہے +

پس ایسی کتابیں جو الہامی ہونے کا دعوےٰ کرتی ہوں اور عقل کو جواب دیتی ہوں اگر اُن کا ہم انکار کر دیں۔ تو ہمیں معذور سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ایک ایسی مخلوق میں جو اپنے سر میں عقل بھی رکھتی ہے کس طرح اس بات کا میلان طبع پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مذکورہ بالا قسم کی کتابوں کو محض کورانہ تقلید سے خدا کی کتاب تسلیم کرلے ہم انہیں تب ہی خدا کی کتاب مان سکتے ہیں جب اُن کے اصول خدا کے پیدا کردہ قوانین فطرت کے مطابق ہوں۔ کیونکہ خدا کے قول اور فعل میں مغائرت نہیں ہو سکتی۔ صحیفۂ قدرت اگر خدا کا فعل ہے۔ تو الہامی کتاب خدا کا قول ہے۔ پس خدا کے قول اور فعل میں مطابقت ہونی ضرور ہے۔ خدا کی کتاب کا یہ کام ہونا چاہئے۔ کہ ان قوتوں اور اخلاق کو جو خدا نے ہمارے اندر رکھے ہوتے ہیں کام پر لگا دے اور ترقی اور کمال پر پہنچا وے۔ اور یہی طریق ہے جس سے خدا کا قول خدا کے فعل سے تطبیق کھا سکتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ خدا نے اپنی منشا اور اپنے نہایت فضل سے ہمیں نور عقل عنایت فرمایا ہے۔ تو اگر کوئی کتاب اس بیش بہا خدا کی عطا کردہ نعمت کا ہی قلع قمع کرنا چاہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ خدا کی منشا کے خلاف چلتی ہے اور جب وہ خدا کی منشا کے خلاف چلتی ہے تو پھر خدا کی کتاب کس طرح ہو سکتی ہے اور اس کتاب کا انجام ضرور ہے کہ فنا ہو کیونکہ جو کتاب خدا کی منشا اور فعل کے مطابق نہ ہو ضرور ہے۔ کہ وہ رفتہ رفتہ معدوم اور فنا ہو جائے۔ اب آؤ اسی معیار پر قرآن کو پرکھیں۔ قرآن بار بار انسان کو صحیفۂ قدرت کی طرف جو خدا کا فعل ہے توجہ دلاتا ہے۔ اور جس کی طرف توجہ کا ہی نتیجہ مختلف علوم طبعیات اور سائنس کا پیدا ہونا ہے۔ قرآن کریم ہمیں بتلاتا ہے کہ جو اصول وہ پیش کرتا ہے وہ صحیفۂ فطرت کے قوانین اور قوتوں کے عین مطابق ہیں۔ دونو کو ملا کر دیکھ لو۔

اور تسلی کر لو اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان اصولوں پر چل کر انسان ہمیشہ سکھ پاتا اور امن میں رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم صاف لفظوں میں فرماتا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم۔ ترجمہ۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے یہی دین پھر قرآن کریم اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس کی تعلیم کو خوب تحقیق اور تدبر کی نگاہ سے مطالعہ کرو اور پھر خدا کے بنائے ہوئے صحیفۂ قدرت سے مطابق کر کے دیکھ لو باطنی تو ایمن کو ظاہر قحجی ایمن سے اور خدا کے قول کو اس کے فعل سے تطبیق کر لو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اولم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اذان یسمعون بھا۔ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ہ (الحج) افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا ہ (محمدؐ) ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون (بقرہ) ترجمہ" کیا انہوں نے زمین پر سفر نہیں کیا ہیں اگر ان کے دل ہوتے تو یہ اُن سے سمجھتے اور کان ہوتے تو اُن سے سنتے۔ یہ بات نہیں ہے۔ کہ اُن کی آنکھیں اندھی ہیں۔ بلکہ اُن کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہیں تو پھر کیا قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے، اور اُن میں فرق پڑنے میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں انسان کے لئے نفع بخش چیزیں لے کر چلتی ہیں اور بارش میں جو خدا بادلوں سے اُتارتا ہے اور اُس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے۔ اور زمین میں ہر قسم کا جانور پھیلاتے ہیں اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں۔ اور اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں نشانات ہیں"۔

مذکورہ بالا آخری آیت کے آخری حصہ میں انسان کو اپنی خداداد عقل اور فکر سے

کام لینے کے لئے خاص توجہ دلائی گئی ہے - اور صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے - جن میں کورانہ تقلید کی سخت مذمت کی گئی ہے اور عقل فکر سے کام لینے کی بار بار تاکید ہے - مثلاً

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا اولو کان اٰباؤھم لا یعقلون شیئًا ولا یھتدون ۝ ترجمہ - اور جب کہا جاتا ہے ان کو کہ اُس کی پیروی کرو جو اللہ نے اُتارا ہے تو کہتے ہیں نہیں جی ہم تو اُسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے ہوئے پایا - بھلا ان کے باپ دادا کچھ بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہوں تو بھی (وہ ان کی ہی پیروی کئے چلے جائینگے) +

ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ۝ ترجمہ - خدا کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے +

افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدی امن یمشی سویًا علی صراط مستقیم قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلاً ما تشکرون ترجمہ - تو کیا جو شخص اپنا منہ اوندھائے ہوئے چلتا ہے وہ زیادہ روبراہ ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھا (تنا ہوا) راہ راست پر چل رہا ہے - کہدو کہ وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا - اور تمہارے لئے سُننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دل بنائے لیکن تم لوگ بہت ہی کم (ان چیزوں کی) قدر اور شکر کرتے ہو +

مختصر یہ کہ اسلام کی الہامی کتاب ناقابل فہم عقائد اور خلاف عقل اصولوں سے بیزار ہے - وہ تمام ایسی راہوں کی سخت مخالف ہے جو انسان کو عقل سے کام لینے سے معطل کردے اور چوپاؤں کی طرح بنادے - ایک اور جگہ قرآن کریم فرماتا ہے - لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغفلون ۝ ترجمہ - اُن کے دل تو ہیں - مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے - اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے - اُن کے کان تو ہیں مگر اُن سے سُننے کا کام نہیں

یقینے۔ یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غافل اور بے پروا ہیں +

اب آؤ ہم ذرا اسلام کے سب سے بڑے مفسر کی طرف توجہ کریں یعنی محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے مقدس اقوال پر نظر ڈالیں۔ تا اس مسئلہ پر زیادہ روشنی پڑے۔ قرآن کریم کے علاوہ آپ کے وہ تمام اقوال اور احکام بھی جو آپ نے وقتاً فوقتاً فرمائے۔ ہمیشہ نہایت معقولیت پر مبنی اور رازہائے باطنی کے عقدہ کشا اور یقین اور معرفت پیدا کرنے والے ثابت ہوئے۔ چنانچہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق میں آنحضرت کے چند اقوال پیش کرتا ہوں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں +

(۱) سب سے پہلی چیز جو پیدا کی گئی عقل تھی +

(۲) اللہ تعالےٰ نے عقل سے بڑھ کر عمدہ با کمال اور مجلّا یا خوبصورت اور کوئی چیز پیدا نہیں کی منافع جو اللہ تعالےٰ دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے سمجھ بوجھ ہے۔ خدا تعالےٰ کی ناراضگی بھی اسی کی وجہ ہے اور اسی کی وجہ سے اعمال پر جزا اور سزا ہے +

(۳) ایک شخص نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ۔ حج اور تمام عمدہ کام کر لیتا ہے لیکن اب جو اُس کو ثواب ملیگا۔ تو اُس نیت اور سمجھ پر ملیگا۔ جس سے وہ یہ اعمال بجا لایا ہے +

مذہب اسلام

(منقول از اخبار کرانیکل)

فسٹ پریسبیٹیرین چرچ دیوٹون روڈ میں سبت کی شام کو پادری آرمیکسول کنگ صاحب نے آج کل لیکچروں کا ایک سلسلہ "ہمارے غیر مسیحی اتحادیوں کا مذہب" کے عنوان سے جاری کر رکھا ہے۔ اسی سلسلہ میں ۱۷ جنوری کو مذہب اسلام کی باری آگئی۔ پادری صاحب نے جو کچھ مذہب اسلام کے متعلق فرمایا اُسے ہم یہاں اس خیال سے درج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے

ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوگا اور بالخصوص آج کل جبکہ ہمارے سپاہی ہمارے اتحادیوں کے غیر مسیحی سپاہیوں کے دوش بدوش دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ پادری صاحب نے فرمایا:-

"مذہب اسلام جسے عام طور پر محمدی مذہب کہا جاتا ہے۔ روئے زمین کے تئیس کروڑ انسانوں کا مذہب ہے۔ مسلمان لوگ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اُن کے مذہب کو بجائے محمدی مذہب کہنے کے یعنی اُن کے رسُول کی طرف مذہب کو منسوب کرنے کے اسلام کے نام سے پکارا جائے۔ اسلام کے معنی ہیں" خدا کی کامل فرمانبرداری کا مذہب"۔ جب ایک مسلمان اپنے خدا یا اللہ کا نام لیتا ہے۔ تو اُس سے اُس کا مقصد وہی عظیم الشان ہستی یا خدا ہوتا ہے جو یہود اور عیسائیوں کا بھی معبود ہے۔ تو پس مسلمانوں کو ہمارا کافر یا ملحد کہنا نہ صرف سخت غلطی ہے۔ بلکہ مجرمانہ غلطی ہے۔ مسلمان یہود اور عیسائی سب اُسی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جب چھٹی صدی عیسوی میں عیسویت مسیح کی اصلی موحدانہ تعلیم سے دور جا پڑی تو پہلے پہل اسلام اس غلطی کی تردید کے لئے اُٹھا۔ تثلیث کے عقیدے نے خدا کی توحید کو معدوم کر دیا تھا۔ اور ایک فرقہ نے تو یہاں تک نوبت پہنچائی۔ کہ مسیح کی ماں مریم کو الوہیت میں شامل کر کے چار خدا بنا دئے۔ آخر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی آواز کو سنا کہ وہ اُٹھیں اور ابراہیم کے مذہب کی جو توحید تھی پھر زندہ کریں۔ جب آپ کو وحی ہوئی اُس وقت آپ کا اپنے تئیں کمزور اور اس بھاری بوجھ کے ناقابل سمجھ کر ہچکچانا بالکل وہی نقشہ سامنے پیش کر دیتا ہے جو یرمیاہ کے ابتدائی باب میں ہم پڑھتے ہیں۔ درحقیقت آپ کے یہ ابتدائی حالات نہ صرف انبیائے بنی اسرائیل کے حالات زندگی سے مشابہ ہیں بلکہ ہر ایک زمانہ کے انبیا اور اولیا میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ جو کچھ آپ کو واقعات پیش آئے۔ وہ بالکل اُسی قسم کے ہیں جو دوسرے نبیوں کو پیش آئے۔ اور وحی کا طرز بھی اُنہی کی مانند تھی۔ آپ کا پیغام گو آج ہمارے دل کو کلّی طور پر نہ لگے۔ لیکن اگر ہم انصاف کو کام میں لائیں اور اُسی کے مطابق حکم لگائیں تو یہ سچ ہے کہ ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ آپ نبی تھے اور خدا نے اپنی مشیت کے پورا کرنے کے لئے آپ کو مبعوث کیا تھا۔

اسلام کی الہامی کتاب قرآن ہے۔ اور اُس میں وہ تمام احکامات اور الہامات جمع ہیں۔

جو (حضرت) محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانۂ نبوت میں وحی ہوئے۔ اس کتاب میں نہ صرف مذہب اسلام کے عقائد و ارکان ہی درج ہیں بلکہ مومنوں کے روزمرہ کے عمل درآمد کے لیئے معاشرت و تمدن اور اخلاق کے قوانین بھی مذکور ہیں۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے۔ کیونکہ اُن کے ہاں الہامی کتاب اور قانون یعنی شریعت ایک ہی چیز ہے۔ مگر عیسائیوں کے ہاں اُن کی مذہبی کتاب الگ ہے اور قوانین کے لیئے اصول الگ بنانے پڑے ہیں *

اسلام میں قانون کی ناواقفیت عذر نہیں سمجھی جا سکتی۔ جو ایک عیسائی اپنے ہاں بطور عذر کے پیش کر سکتا ہے۔ عبادات اسلامی میں ایک تو کلمہ پڑھنا ہے۔ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرے مفروضہ نماز ہے۔ تیسرے رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا ہے۔ چوتھے زکوٰۃ ہے۔ پانچویں مکہ جا کر حج کرنا ہے۔ اسلام کی الہیات نہایت سادہ ہے۔ اور اُس کا سارا مضمون اللہ ہی اللہ ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً احد۔ **ترجمہ**۔ کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ازلی ابدی ہے۔ نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں"۔ پھر قرآن میں ہے۔ الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين۔ اياك نعبد واياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم۔ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين + **ترجمہ**۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے رستہ کی ہدایت فرما۔ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ نہ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ اُن لوگوں کا جو گمراہ ہو گئے *

ہر ایک مسلمان مقررہ وقتوں پر پانچ دفعہ دن رات میں نماز پڑھتا ہے۔ اور جو سچے مومن ہیں وہ کبھی نماز قضا نہیں کرتے۔ علاوہ زکوٰۃ کے روزانہ صدقات کے لیئے بھی بہت تاکید ہے۔ اور نیکی اور شفقت علے خلق اللہ اور خوف و اتحاد خدا کو راضی کرنے

والے افعال سمجھے جاتے ہیں +

دنیا خدا نے چھ ایام میں بنائی۔ ہر ایک زندہ مخلوق جو پیدا ہوتی ہے وہ خدا ہی پیدا کرتا اور اُس میں جان ڈالتا ہے۔ جسم اور رُوح دو الگ الگ چیزیں مانی جاتی ہیں۔ موت کے وقت جسم خاک میں مل جاتا ہے اور رُوح پر نیند یا غشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن ایک فرشتہ صور پھونکیگا۔ جس سے زمین ریزہ ریزہ ہو جائیگی اور رُوح جسم سے مل جائیگی۔ اور خدا اپنے عرش پر فرشتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا۔ اعمالنامے کھولے جائینگے۔ اور ہر ایک شخص اپنے اعمال کو جو وہ کر چکا ہے پڑھیگا۔ ہر ایک شخص کو اپنے اعمال کی فہرست دیجائیگی۔ نیک اعمال کی داہنیں ہاتھ میں اور بد اعمال کی بائیں ہاتھ میں اور اعمال کو وزن کرنے کے لئے میزان قائم ہوگی۔ نیک لوگ جنت میں ابدی سُکھ پائینگے اور بد لوگ آگ کے گڑھے میں پھینکے جائینگے۔ جہاں روح اور جسم یکساں دکھ پائینگے بدی جو انسان میں ہے اُس کا محرک شیطان سمجھا جاتا ہے۔ آدم نے اپنی لغزش سے خدا کی نعمت کو کھو دیا تھا۔ لیکن خدا نے اپنے خاص فضل سے اُس پر رجوع برحمت فرماکر وہ نعمت پھر واپس دیدی۔ قرآن میں صاف طور پر یہود۔ عیسائیوں اور زرتشتیوں کے خیالات اور مذہب کا رنگ جھلکتا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ سے پہلے جتنے آئے سب چور اور بٹ مار آئے۔ بلکہ اس کے خلاف آپ نے اس بات کو تسلیم کیا۔ کہ خدا اپنے آپ کو ہمیشہ نبیوں اور کتابوں کے ذریعے سے دنیا پر ظاہر کرتا رہا ہے۔ جس طرح یہود کو شریعت دی اور عیسائیوں کو انجیل دی اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم یعنی مجھ کو قرآن دیا۔ اور اپنی وحی سے مشرف کرکے مجھے بطور رسول کے لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ قرآن میں کئی ایک رسولوں کا ذکر ہے۔ آدم۔ موسےٰ۔ عیسےٰ (یسوع) محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف مسلمانوں کے لئے نبی ہیں۔ بلکہ خاتم النبیین ہیں یعنی نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ تمام انبیا ورسل مسلمانوں میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور جب کسی کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً اُن کے ساتھ "علیہ السلام" کہا جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسیح کو مسلمان

نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُن کے عقیدے میں جو اصلی انجیل مسیح پر وحی ہوئی تھی وہ نہایت قابل عزت کتاب تھی۔ مسلمانوں کے نزدیک اُسی طرح جس طرح خود مسیح کے حواری سمجھتے تھے۔ مسیح یوسف اور مریم کا بیٹا تھا اور خدا کا نبی و رسول تھا۔ قرآن میں ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علٰی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجٰت ط و اٰتینا عیسی ابن مریم البینٰت و ایدنٰہ بروح القدس

ترجمہ۔ یہ رسول ہم نے ان میں بعض کو بعض پر برتری دی۔ ان میں کوئی تو ایسے ہیں جن سے خدا نے کلام کیا اور بعض کے درجے (اور طرح پر) بلند کئے اور عیسٰی ابن مریم کو کھلے کھلے نشان دئے اور رُوح القدس سے اُن کی تائید کی"۔ پھر ایک کا یہ مقولہ ہے۔

"ہم مسلمان مسیح علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور اُن کی عزت کرتے ہیں اور انہیں اپنے نبیوں میں سے ایک گنتے ہیں تو پھر ہم کیوں لڑیں۔ کیا ہم اور عیسائی دونو مسیح کو ماننے کی وجہ سے اتحاد کی ایک مضبوط زنجیر میں جکڑے ہوئے نہیں ہیں۔ ایک سچے مسلمان کا سچا عیسائی ہونا بھی ضروری ہے"۔

الغرض میں نے مسلمانوں کی کتابیں پڑھی ہیں اور میں نے اُن میں مسیح کی نسبت اس قدر عزت اور تعظیم کے کلمات پائے کہ اُس وقت مجھے یہ پتہ نہ لگتا تھا۔ کہ میں ایک مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب پڑھ رہا ہوں یا ایک عیسائی کی۔ پس کتنے افسوس کی بات ہے کہ عیسائیوں نے جو کچھ حضرت محمدؐ صلے اللہ کی نسبت کہا اور لکھا ہے وہ مسلمانوں کے مذکورہ بالا طریق سے کس قدر مختلف ہے۔ لیکن اس کا اصلی باعث کیا ہے بجز اس! اپنی زندگی میں ایک مسلم با اخلاق اور متقی ہوا کرتا ہے۔ وہ خدا اور یوم آخر سے عمل کرتے وقت ڈرتا ہے۔ خدا کی منشا کی کامل فرمانبرداری جس کا دوسرا نام اسلام ہے ایک مسلم کی مذہبی زندگی کے لئے لازمی امر ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی زبان پر "انشاءاللہ" کا لفظ عام طور پر رہتا ہے۔ جس کے معنی ہیں "اگر خدا چاہے"۔ اسلام میں یہ بھی مانا جاتا ہے۔ کہ خدا توبہ سے گناہوں کو مغفرت کر دیتا ہے۔

خدا گناہوں کو معاف کر دینے کا اختیار رکھتا ہے مگر کافروں کو خواہ کتنے ہی عمدہ کام

کریں کوئی اجر نہیں مل سکتا[1]*

پس اس اصول میں اسلام مسیح کے اُس اصول سے جو اُس نے خدا کی محبت کے متعلق تعلیم دی ہے۔ کم رہتا ہے۔ جس طرح کہ اکثر عیسائی مانتے ہیں۔ کہ بائیبل اپنے لفظوں کے ساتھ الہامی ہے اور اس میں کوئی غلط نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمان قرآن کو خدا کی منشا اور ارادہ اور احکام کا مکمل مظہر اور بالکل محفوظ مانتے ہیں اگرچہ جائے تعجب ہے۔ مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ باوجود اصول کی پابندی میں اس قدر سختی ہونے کے فروعات میں معقول طور پر اختلاف رائے ہو جانا کوئی ہرج نہیں سمجھا جاتا۔ میں اسلامک ریویو جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۹۲ سے حوالہ دیتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ "اسلام افعال میں آزادی روا رکھتا ہے اور ذاتی اجتہاد کو اچھا سمجھتا ہے اور معقول اختلاف رائے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے محمد رسول اللہ صلعم انسانی عقل کی مختلف حالتوں اور بناوٹوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اسی لئے فرماتے ہیں اختلاف امتی رحمۃ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے معقول اختلاف کو خدا کی رحمت قرار دیا۔ کیا عقل اور فکر کی قوت خدا کی عطا کردہ نہیں۔ اگر ہے تو پھر یہ ضروری ہے۔ کہ جب انسان اپنی اپنی جگہ عقل اور فکر سے کام لیگا۔ تو اختلاف بھی پیدا ہوگا اور اگر مذہب بھی خدا کا عطیہ ہے تو پھر یہ خدا کے دوسرے عطیوں کو تباہ نہیں کر سکتا۔ پس جو مذہب اپنے ماننے والے کی عقل کو ذبح کر دیتا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنی تحقیق کے لئے کوئی راہ نہیں دیتا وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صرف انسانی دماغ کا اختراع ہے۔" قرآن کے الفاظ یہ ہیں لا اکراہ فی الدین

---

[1] یہ غلط ہے قرآن میں ہے۔ یومئذ یصدر الناس اشتاتاً ۵ لیروا اعمالهم ۵ فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره ۵ ومن یعمل مثقال ذرة شراً یره ۵۔ سورہ زلزال ترجمہ۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں اپنے اعمال دیکھنے کے لئے جمع ہونگے اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ بھی دیکھ لیگا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بدی کی ہے وہ بھی دیکھ لیگا ۵ ان الذین آمنوا والذین هادوا والنصاریٰ والصابئین من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۵ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہود اور عیسائی اور صابی ہیں۔ جو کوئی ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یوم آخر پر اور نیک عمل کرتا ہے پس ان کے لئے اُن کا اجر اُن کے رب کے حضور میں ہے اور اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ ایڈیٹر

قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا واللہ سمیع علیم ۔ **ترجمہ** - دین میں کوئی زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے۔ تو جو جھوٹ کا انکار کرتا ہے۔ اور خدا پر ایمان لاتا ہے وہ مضبوط رسی کو پکڑتا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اور خدا سننے اور جاننے والا ہے +

اسلام ایک حریت کا مذہب ہے۔ یہ تمام بنی نوع انسان کو یکساں حقوق دیتا ہے اور تمام جہان کے ایک ہی حاکم اور بادشاہ یعنی صرف خدا کا سب کو محکوم بنانا چاہتا ہے۔ اور بس۔ اور یہ بار بار تاکید کرتا ہے کہ انسانی رُوح کو اُس ہستی سے جو اس کا رب ہے گہرا تعلق پیدا کرنا چاہئے +

اگرچہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ خدا نے ہر ایک آدمی کی قسمت اُس کی پیشانی پر لکھ دی ہے اور ہم میں عام طور پر یہی یقین پھیلا ہُوا تھا۔ کہ اسلام بالکل کورانہ طور پر جبریہ مذہب کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر مسلم ریویو ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ اسلام جبریہ مذہب نہیں۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے۔ کہ" ایک ایسا مذہب جو کہ محنت اور جفاکشی کی عزت کرتا ہے اور انسان کو اپنے عمل کا خود ذمہ وار ٹھیراتا ہے۔ اور بتاتا ہے۔ کہ خدا کی طرف سے ہمیشہ خیر اور بھلائی ہی آتی ہے۔ وہ نہایت بودے اور انسان کے لئے زہر قاتل۔ جبریہ عقیدہ کی کب تائید کر سکتا ہے جس کے رو سے بدی ایک پہلے سے مقدر چیز ٹھہر جاتی ہے اور پھر اُس سے بچنے کی کوشش کرنا انسان کے لئے ایک عبث اور بلا نتیجہ فعل ہو جاتا ہے۔ اسلام تو نہایت صاف لفظوں میں جبریہ عقیدہ کی تردید کرتا ہے"۔ اس کے علاوہ لارڈ ہیڈلے لکھتے ہیں "ہم تمام بنی نوع انسان کے آخر کار نجات پا جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں"۔ اسلام میں حریت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کے متعلق بھی احکام موجود ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی عورتوں کا ذکر آیا ہے۔ وہاں اُن کے لئے نہایت عزت اور تعظیم کی تاکید کی گئی ہے۔ ماں کے ساتھ محبت کرنا ایک مسلمہ اصول ہے۔ اور بیوی کے ساتھ مہربانی اور شفقت کے سلوک کی سخت تاکید ہے۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منہا زوجہا و بث منہما رجالاً

کثیرًا ونساء ج واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ط ان اللہ کان علیکم رقیبا ہ

ترجمہ۔ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونو سے کثرت سے مرد و عورت (دنیا میں) پھیلائے اور اللہ سے ڈرو جس کا تم واسطہ دیکر اپنے کتنے کام نکالتے ہو۔ اور رحموں کا لحاظ رکھو۔ بیشک اللہ تمہارا نگران حال ہے۔

پھر احادیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میری اُمت میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو اپنی بی بی سے سب سے زیادہ نیک اور مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہے۔ فردوس ماں کے قدموں کے تلے ہے۔ عورتوں کے حقوق محترم ہیں۔ پس خبردار جو حقوق عورتوں کو دئے گئے ہیں اُن میں خلل نہ واقع ہو۔ مسجد میں آنے سے اپنی عورتوں کو نہ روکو خدا اور اُس کی مخلوق کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے خاندان کے لوگوں اور اپنی بی بی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہے۔ نیک اور باعصمت عورت شوہر کا بہترین خزانہ ہے۔ اپنی بیبیوں کے ساتھ جو سلوک کرو اُس میں خدا کا خوف مدنظر رکھو۔ وہ تمہاری مددگار ہیں۔ تم نے خدا کی ضمانت پر اُن کو لیا ہے۔ اور خدا کے کلمات سے اُن کو اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہے۔ دُنیا خوشی اور مسرت کی چیزوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن سب سے بہتر خوشی کا منبع نیک اور باعصمت عورت ہے"۔

اِس بات کے کہنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کہ ایک مذہب جس کا مفہوم وہی خدا کے ارادوں کی کامل فرمانبرداری ہو۔ وہ اپنے متبع سے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ راستباز ہو۔ اپنے معاملات میں نہایت صاف اور سچا ہو اپنے لفظوں اور معاہدوں کا پورا پابند ہو۔ قرآن سے ان باتوں کو ثابت کرنے کی طوالت کا یہ مضمون متحمل نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے خلاف کوئی اشارہ کرنا ہمیں گویا اپنی عقل اور سمجھ کو جواب دینا ہے جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ وہی ہے جو عام طور پر اسلام میں پایا جاتا ہے۔ البتہ مختصر ہے اور وقت کی تنگی کی وجہ سے میں نے صرف مجمل سا خاکہ کھینچا ہے۔ اس مختصر مضمون سے میں نے آپ لوگوں کو تحریک کرنی چاہی ہے۔ کہ آپ اسلام پر غور کریں یہ کہ اپنی سابقہ راتوں کو بدلیں

اور یہ کہ آپ لوگ جانیں - کہ تمام مذاہب میں سچائی ہے اور ہر ایک مذہب قابل عزت ہے - اگر میری اس تحریک پر آپ لوگوں نے توجہ کی تو میں سمجھ لونگا - کہ میری یہ ساری تقریر ضائع نہیں گئی - اسلام میں بہت سی سچائی اور خیر و برکت ہے - اسلام کی بعض سچائیاں اور ارکان اگر عیسائی لوگ اختیار کریں - تو عیسائی نقصان نہیں اٹھائینگے - آؤ ہم ایک دوسرے کے مذہب میں جو عمدہ باتیں ہیں اختیار کر لیں - عمدہ باتوں کی تلاش کریں - اور جو کسی دوسرے کے پاس عمدہ بات ہو اُس سے سیکھ لیں اور جسے ہم سچے سمجھتے ہیں اُسے قائم رکھ کے دنیا جہاں اور خدا کے متعلق نظر ذرا زیادہ وسیع کریں اور سمجھیں کہ تمام انسان اُسی خدا سے نکلے ہوئے ہیں اور نیز ہم سمجھیں کہ انسان پر جھوٹ کبھی حکومت نہیں کر سکتا - پس تمام مذاہب خدا کی آواز اور انسان کی اُس آواز کی فرمانبرداری سے قائم ہوئے ہیں - کسی مذہب کی قدر و عزت اس بات پر منحصر نہیں - کہ اس میں قطعاً کوئی غلطی نہ ہو بلکہ اس پر منحصر ہے - کہ اُس میں سچائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ ہو اور اُس کے اخلاقی اصول اُس کے متبعین پر اپنا اثر ڈال سکیں +

اِسلام نے کیوں ظاہر شریعت کی پابندی کو قائم رکھا

(از سید مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا)

یہودیت اور عیسویت اور اسلام تینوں ایک ہی جڑ کی شاخیں ہیں - ان میں سے یہودیت میں عیسویت کی بہ نسبت ظاہر شریعت کی پابندی بہت زیادہ ہے - قرآن کے پڑھنے والے جانتے ہیں - کہ اسلام کی تعلیم میں یہودیت کی بہ نسبت عیسویت کا رنگ زیادہ ہے اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے - اور یہودیت کی طرح کسی خاص قوم یا فرقہ کے لئے محدود نہیں اسلام کا خدا رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا رب ہے - اور اسلام کا نبی رحمۃ اللعالمین یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے - اسلام کا دعوےٰ ہے کہ وہ ایک رُوحانی مذہب ہے اور یہی

وجہ ہے کہ اس میں لاکھوں صوفی پیدا ہوئے جو عیسائیوں کے بڑے بڑے سینٹوں یعنی مقدس لوگوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہندوؤں کے رشیوں اور مہاتماؤں کی مانند ہیں بعض مسلمان صوفیوں نے رُوحانی ترقیات میں ہندو رشیوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور بازی لے گئے۔ ہندوستان میں کثرت سے ہندو مسلمان ولیوں کی خانقاہوں پر اُسی طرح زیارت کے لئے آتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے دیگر مقدس مقامات پر جاتے ہیں۔ چندسال کا عرصہ گذرا ہے۔ کہ اودھ میں حاجی وارث علی شاہ صاحب ایک ولی گذرے ہیں جن کی ہر ایک مذہب وملت کا آدمی عزت اور تعظیم کرتا تھا۔ اکثر صوفی ظاہری شریعت کی پابندی کی عیسائیوں کی طرح پروا نہیں کرتے۔ عیسائی راہبوں یا ہندو جوگیوں کی طرح بہت سے صوفیوں نے روحانی ترقی کے لئے اپنے تئیں وقف کر دیا۔ اور اپنے جسمانی عیش وآرام کو بھلا دیا۔ پس باطنی رنگ میں اسلام نے اپنے خیالات الگ ہی پیدا کئے جو بدھ اور ویدک خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔ باایں ہمہ اسلام بحیثیت مذہب کے یہودیت کی طرح ظاہر شریعت کو قائم رکھتا ہے بلکہ تفصیل میں تو یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور زندگی کے ہر ایک شعبہ اور ہر ایک ضرورت کے لئے توانین مہیا کر دئے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس نے ہر ایک شخص کو اپنے اعمال وافعال کا خود ذمہ وار قرار دیا ہے۔ اور کفارہ کے خیالات کو یک قلم اُٹھا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمتہ فلا ممسک لہ ج وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ ط وھو العزیز الحکیم (فاطر) ترجمہ۔ اللہ رحمت جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اُس کا بند کرنے والا نہیں۔ اور اگر بند کر دے تو اس کے پیچھے کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب اور حکمتوں والا ہے"۔

پھر فرمایا۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ط وان تدع مثقلۃ الی حملھا لا یحمل منہ شیئ ولو کان ذا قربیٰ ط انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوۃ ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہٖ والی اللہ المصیر (فاطر) ترجمہ۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہیں لیگا۔ اگر کسی پر (گناہوں کا) بڑا بھاری بوجھ ہوگا اور وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے (کسی کو) بلائیگا تو اس کا ذرا سا بوجھ نہیں اٹھایا جائیگا۔ اگرچہ وہ (جس کو اُس نے

بلایا ہے اُس کا) رشتہ دار (ہی کیوں نہ) ہو۔ (اے پیغمبر) تم تو بس اُنہیں لوگوں کو ڈرا سکتے ہو۔ جو بے دیکھے نہانی ہیں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور جو شخص اپنا تزکیہ کرتا ہے تو اپنی جان کے فائدے کے لئے تزکیہ کرتا ہے۔ اور (سب کو آخر کار) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ قرآن صاف صاف کفارہ کے مسئلہ کو رد کرتا ہے۔ اور نہایت دلیری سے انسان کو مطلع کرتا ہے۔ کہ واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعة (بقرہ) ترجمہ۔ اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ اور کوئی شفاعت قبول نہ کی جائیگی +

اسلام کا مدار اعمال صالحہ پر ہے۔ ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وهو مومن فاولئك یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیرا (نساء) ترجمہ۔ اور جو نیک عمل کرینگے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت اور وہ ایمان والے ہونگے۔ وہی جنت میں داخل ہونگے اور ذرا بھی اُن کی حق تلفی نہ ہونگی +

الغرض جب ہر ایک شخص کو خود ذمہ وار گردانا گیا۔ تو ضرور تھا۔ کہ لوگوں کو سیدھا رستہ بھی بتایا جاتا۔ اسلام کا خدا نہایت عادل اور ارحم الراحمین ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ اُس نے ہر ایک قوم کی طرف نبی بھیجے اور ہادی بھیجیں اور وہ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا۔ جب تک اُس کی طرف کسی ہادی کو نہ بھیج لے۔ یہ کیسا پر از انصاف و رحم اعلان ہے! جب خدا نے ہر ایک شخص کے کندھوں پر ذمہ واری کا بوجھ رکھا۔ تو یہ اُس کا فرض ہے کہ انسانوں کو سیدھا رستہ بھی دکھاوے اور انسان کی ہر ایک حالت کے لئے زندگی کا ایک ... ایک رستہ مقرر کرے۔ پس اسلام کا یہ فرض تھا کہ عملدرآمد کے لئے وہ ایک شریعت پیش کرتا۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ تھے تمام لوگوں کے لئے خود ایک عملی نمونہ تھے۔ لیکن آپ کا فرض تھا۔ کہ آیندہ نسلوں کے لئے آپ ایک مکمل شریعت چھوڑ جاتے۔ اسلئے ضروری تھا کہ تمام عبادات اور روزمرہ کے معاملات کے قوانین کے ماتحت منضبط کئے جاتے +

(قرآن) ہے یہ تو خدا کا کلام ہے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہر بات

ہیں وحی الٰہی کی پیروی کرنے والے تھے۔ لیکن اگر عقلی پہلو سے دیکھا جائے تو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کی نبوت کو تسلیم کیا۔ ان میں سے حضرت موسےٰ کو آپ نے صاحب شریعت مانا۔ آپ کو کوئی نفسانی بڑائی کا تو خیال تھا ہی نہیں اسلئے آپ نے حضرت موسےٰ کے بہت سے قوانین کو جو اُن کی قوم کیلئے تھے قبول کر لیا۔ لیکن آپ نے اُن کی سختی کو کم کر کے اُنہیں عالمگیر بنا دیا۔ ان قوانین کی تفہیم میں آپ نے حضرت عیسےٰ کی پیروی کی اور لفظ پرستی کو چھوڑ کر اُن کی حقیقت کو لیا۔ لیکن ساتھ ہی الفاظ کے ظاہر کی طرف سے بے پروائی بھی نہیں کی۔ پس ظاہر شریعت کی پابندی یہودیت کی طرح اسلام میں بھی آئی۔ بلکہ زیادہ تفصیل اور لطافت کے ساتھ آئی۔ لیکن اسلامی شریعت اور یہودیوں کی شریعت میں ایک بیّن فرق ہے۔ اسلام میں شریعت حقیقت نہیں ہے۔ اس کا مدعا قوم میں وحدت پیدا کرنا۔ لوگوں کو مہذب بنانا اور زندگی کو تقاضا اور اخلاق فاضلہ کے ماتحت چلانا ہے۔ دن میں دو ہزار دفعہ وضو کرو۔ لیکن اس سے تمہاری رُوح پاک نہ ہوگی۔ جب تک کہ تمہارے ارادے نیک اور تمہارے اعمال صالح نہ ہوں۔ اسلام میں کوئی بھی ایسا قاعدہ نہیں ہے جو بعض حالتوں کے ماتحت چھوڑا نہ جا سکتا ہو۔ ہاں وہ اصول جس پر وہ قاعدہ قائم ہُوا تھا۔ انسانی زندگی کی ہر حالت میں ویسا ہی قائم رہتا ہے اسلام میں اصولوں کی پابندی کے متعلق نہایت سختی سے تاکید ہے۔ لیکن قواعد مختلف حالتوں کے ماتحت بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کو حکم ہے کہ رمضان میں روزے رکھیں۔ لیکن جب یہ ناقابل عمل ہو جائے۔ مثلاً مرض یا سفر کی حالت میں تو اُس وقت روزہ تو معاف ہو جاتا ہے لیکن اس حکم کی اصلی حقیقت کو ہاتھ سے جانے نہ دینے کے لیئے مساکین کو کھانا کھلانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسلام نے کبھی نہیں کہا کہ ظاہر شریعت کا نام ہی مذہب ہے۔ بلکہ اس نے یہود اور نصاریٰ کو اپنی اپنی جگہ جنت کے ٹھیکہ دار بن جانے کے دعوے پر ملامت کی چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان هوداً او نصٰریٰ ط تلک امانیهم قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین ۰ بلیٰ من اسلم وجهه للّٰه وهو محسن فله اجره عند ربه ص ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۰ (بقرہ)

ترجمہ اور (یہود) کہتے ہیں کہ یہود کے سوا اور (نصاریٰ کہتے ہیں) کہ نصاریٰ کے سوا جنت میں کوئی نہیں جانے پائیگا۔ یہ ان کے (اپنے) خیالی پلاؤ ہیں۔ (اے پیغمبر) کہدو کہ اگر سچے ہو تو کوئی دلیل اور برہان پیش کرو۔ بلکہ واقعی بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے خدا کے آگے (کامل فرمانبرداری سے) اپنا منہ رکھدیا۔ اور وہ نیکوکار بھی ہے۔ پس اُس کا اجر اُس کے رب ہاں (مقرر) ہوچکا اور ایسے لوگوں پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے +

اسلامی قوانین اور شریعت کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر خود محمد مصطفےٰ صلعم اور آپ کے صحابہ نے عمل کرکے دکھایا آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا۔ کہ ان قوانین اور شریعت میں کوئی حکم ایسا نہیں جو قابل عمل نہ ہو۔ پھر یہ بھی ثابت ہوچکا ہے۔ کہ یہ احکام ہر ایک قوم اور تہذیب اور سوسائٹی کے ہر ایک مرتبہ اور طبقہ کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی کثرت سے مختلف حالات کے ماتحت گذارنی پڑی ہے آپ میں ایک کاروباری آدمی۔ ایک سپاہی۔ ایک شہری۔ ایک بادشاہ۔ ایک فلسفی۔ ایک درویش۔ ایک خلوت نشین عابد۔ ایک صاحب ریاضت زاہد سب ہی کے تو رنگ نظر آتے ہیں اور سب کا اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ آپ میں پایا جاتا ہے۔ وہ صوفیا جو ظاہری شریعت کی پابندی کی زیادہ پرواہ کرتے تھے وہ بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ اور تعلیم سے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے۔ وہ بھی قرآن سے ہی رموز باطنی حاصل کرتے ہیں۔ جو ویدانت فلاسفی سے بہت اوپر نہایت اعلےٰ مذہبی فلاسفی ہے۔ وہ بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی سے نمونہ لیتے ہیں۔ ایسے وقت بھی تھے جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ویدک مہاتماؤں کی طرح تنہا غاروں میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے بیٹھے رہے۔ ایسے بھی موقعے ہوتے رہے۔ کہ آپ تمام دنیوی تعلقات کی زنجیروں کو کاٹ کر اپنے گھر میں ہی بند ہوکر سب سے علیحدہ تشریف رکھتے رہے۔ جہاں آپ کی بی بیاں بھی آپ سے مل نہ سکتی تھیں۔ آپ نہ صرف کثرت سے روزے ہی رکھا کرتے تھے۔ بلکہ راتوں کو نماز میں اتنا قیام فرماتے تھے۔ کہ آپ کے

پاؤں سوج جاتے تھے۔ لوگوں کے سامنے آپؐ نے انتہائی مقصد بہشت کو نہیں رکھا بلکہ اس مقام کو رکھا جو دیدار الٰہی کا مقام ہے۔ اسی لئے قرآن کی آیت انا للہ وانا الیہ راجعون کا مسلمانوں میں کثرت سے رواج ہے۔ یعنی ہم اللہ کے لئے اور اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ تاکہ مقصد اصلی خدا اور اُس کا وصال مدنظر رہے +

لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ریاضتیں اور خاص واقعات اور قرآن کریم کی تصوّف کی تعلیم ہر ایک کے لئے نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ خاص لوگوں کے لئے قابل عمل ہیں۔ اگر سب کے سب دنیا میں زاہد مرتاض بن جائیں تو بنی نوع انسان کا خاتمہ ہوجائے۔ اس طرح ہم فرشتے تو بن سکتے ہیں۔ لیکن انسان نہیں رہ سکتے۔ روحانیت کی طرف ساری توجہ مبذول کردینے اور جسم کی طرف سے لاپرواہی اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ ہم درندوں کا شکار ہوجائینگے۔ نہ صرف شیر اور چیتوں کا بلکہ چیونٹیاں اور کیڑے تک ہمیں کھاجائینگے۔ اور اس طرح خدا کی بہترین مخلوق بنی نوع انسان کا خاتمہ ہوجائیگا۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ کہ روحانیت کی طرف کامل توجہ کرنے والے بھی صرف محدودے چند ہی ہوسکتے ہیں۔ نہ کہ سب کے سب +

پس جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا مشن چند کے لئے نہ تھا۔ بلکہ کل دنیا کے لئے تھا۔ آپ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے خواہ وہ عقلمند ہوں یا ناداں۔ اعلےٰ ہوں یا ادنےٰ معلم ہوکر آئے تھے۔ تمام دنیا کے خدا نے آپ کو تمام دنیا کے لئے صراط مستقیم دکھانے پر مامور کیا تھا۔ اسلئے آپ کو ایسی شریعت دی گئی۔ جو ہر ایک انسان کے لئے قابل عمل ہے۔ اور ایسا اس لئے کیا گیا تا ہر ایک آدمی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حسنات سے متمتع ہو۔ وہ اصول جس پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کام کرنے کے لئے وحی ہوئی یہ تھا۔ کہ اوپر ایک خدا ہو اور نیچے ایک قوم ہو۔ اسلام کی بنیاد وحدت الٰہی اور وحدت انسانی ہے۔ اسلام رُوح اور مادہ یعنی جسم و رُوح دونوں کی طرف توجہ دلاتا ہے قرآن کریم جہاں جناب الٰہی کی اعلےٰ سے اعلےٰ معرفت سکھاتا ہے۔ وہاں شفقت علےٰ خلق اللہ کے بہترین اصول بتاتا ہے۔ ایک سچا مسلمان نہ صرف ایک بہتر سے بہتر مذہبی آدمی ہوتا ہے

بلکہ اس قابل ہوتا ہے۔ کہ سوسائٹی کا زیور سمجھا جائے۔ جب مسلمان اپنے مذہب کے پوری طرح پابند تھے اُن کی ہر ایک قوم عزت کرتی تھی۔ اُن کے نمونہ کو دیکھکر دنیا جہان کے لوگ اُن کے مذہب کو قبول کرتے تھے۔ اور اسلام کے سرعت سے پھیلنے کا یہی راز تھا جس قدر مضبوطی سے مسلمان قوانین شریعت کے پابند رہے اُسی قدر اُن کی قوم ترقی کرتی رہی اور اقبال یاوری کرتا رہا۔ کبھی کسی قوم نے اپنی زندگی اور قوت و استحکام کے آثار ایسے نمایاں طور پر ظاہر نہیں کئے جیسے کہ مسلمانوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر کے زمانے میں کئے۔ اور کبھی ساری قوم کی قوم نے اخلاق فاضلہ کا ایسا اعلےٰ نمونہ نہیں دکھایا جیسا کہ اس زمانے کے عربوں نے دکھایا۔ چنانچہ ہر قسم کے گناہ اور جرائم معدوم ہو گئے تھے۔ اور ایسی قوم کی ترقی کا سیلاب کو روکنا ناممکن تھا۔ یہ سب کچھ اسلام کی شریعت کے احکام پر عملدرآمد کا نتیجہ تھا۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک۔ ایک معمولی کسان سے لیکر بادشاہ وقت تک سب کے سب زندگی کے ایک ہی قسم کے مقرر کردہ اصولوں پر جو اسلام نے فرض کر دئے تھے عمل کرنے کے لئے پابند تھے جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ ساری قوم کی قوم ایک رنگ میں رنگی جا کر دنیا کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بن گئی۔ یہ اسلامی شریعت کی ظاہری خوبی کی پابندی کی ہی خوبی تھی جو ساری قوم کی قوم بے نظیر وحدت و یکتائی کے معراج پر پہنچ گئی اور یہ بھی شریعت کی پابندی کا ہی نیک ثمرہ تھا جو قوم کی قوم تمدن و معاشرت اور روحانی ترقی کے کمال پر پہنچ گئی۔ آنحضرت صلعم اور حضرت عمر کے زمانہ کے مسلمانوں نے نہ صرف دنیوی سلطنتوں میں ہی عجیب و غریب فتوحات کیں۔ بلکہ اخلاق فاضلہ اور روحانیت کے بھی بادشاہ بن گئے۔ دنیا و دین دونو سلطنتوں کے وارث بن گئے۔ ایسے قلیل عرصہ میں یہ انقلاب کیوں واقع ہو گیا۔ اسلئے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبے کو ایک قاعدہ اور اندازہ کے اندر مقید کر دیا تھا۔ اس صنعت و حرفت کے زمانہ میں قاعدہ و اندازہ کی خوبی کو سمجھنا کچھ بھی مشکل بات نہیں جبکہ مشین کا ایک ایک پرزہ ایک خاص مقررشدہ اندازہ پر بنایا اور رکھا جاتا ہے +

پس ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ اپنی فرضی تہذیب اور روشنی کے نشہ میں بدمست ہوکر اپنے مذہب کے قوانین شریعت کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ اگر وہ سلف صالحین کی

طرح مستعدی اور اخلاص کے ساتھ اُن پر عمل کرنے لگیں تو آج دُنیا میں پھر معزز اور ممتاز بن سکتے ہیں +

عقلی فلسفہ
اور
طبعیات کے ماتحت علوم باطنی

(از ڈاکٹر اے نیول جے وہینٹ پی ایچ ۔ ڈی ۔ لٹ ڈی ۔ ایف ایس ۔ پی)

یہ ایسٹر کی تقریب پر میری طرف سے پیغام ہے ۔ اگرچہ کوئی اور مذہب اس سے متاثر ہو یا نہ ہو ۔ مگر عیسائیوں کی نگاہ میں تو ایسٹر ایک نہایت با وقعت تیوہار ہے اور اُس زمانہ کی یادگار جب ہر ایک چیز کی یادگار کا قائم کرنا دستور تھا ۔ جو اب اس زمانہ میں قریباً معدوم ہوتا چلا جاتا ہے آج جب موسم اپنی بہار پر ہے اور نیلگوں آسمان اور چمکتے ہوئے سُورج اور پرندوں کے کلول کرنے سے یہ پتہ لگنے لگا ہے کہ صحیفۂ قدرت پھر دوبارہ زندہ ہو گئی ہے آؤ میرے ساتھ ملکر اُن باتوں کی تحقیقات کرو ۔ جو بنی نوع انسان میں خود ساختہ تفرقہ کی بنا ہیں ۔ اور جو عامہ اخوت و محبت کو حقیقت کا جام پینے سے روک رہی ہیں +

ایک زمانہ تھا ۔ کہ دُنیا میں بولیوں کا وجود ہی نہ تھا ۔ اور انسان بول نہ سکتا تھا ! اور ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھانے کے لئے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں سے اشارے کیا کرتے تھے ۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو ۔ کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے صرف اپنے ہی حواس کو کام میں لاتا تھا ۔ اور کسی دوسرے کے خیالات الفاظ کے ذریعے اُس کی فہم و عقل تک نہ پہنچ سکتے تھے ۔ جنہوں نے صحیفۂ قدرت کا مطالعہ کیا ہے اُن کا بیان ہے ۔ کہ دیگر حیوانات کا اب تک یہی حال ہے ۔ اب دیکھو اس سے نتیجہ کیا نکلا ۔ فطرت صحیحہ اور حواس یہ دو قوتیں تھیں جس پر انسان کے تمام کاموں کا دار و مدار تھا ۔ اور اسی لئے بہت کم کبھی جھگڑا ہؤا کرتا تھا ۔ اور جھگڑا اُسی وقت ہؤا کرتا تھا ۔ جب کوئی معقول وجہ جھگڑنے

کی ہوتی تھی۔ مثلاً کسی دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا۔ اب سوچو کہ آج ہمیں کیا تماشا نظر آتا ہے۔ فرقے اور جماعت بندیاں۔ تفرقہ اور تقسیم۔ صرف اس لئے کہ انسان میں قوت ناطقہ جیسی بے بہا نعمت اپنے کمال تک پہنچ گئی ہے۔ انسان اپنے بھائی کی بات کو اچھی طرح خود تو سمجھتا نہیں اور لفظ پرستی میں پڑکر اور اپنی پسند کے خاص لفظوں پر زور دے کر باقی سب باتوں کو ناجائز اور غلط بتاتا چلا جاتا ہے۔ جس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے خوب سوچو اور غور کرو۔ کہ الفاظ کی مثال چھلکے کی ہے اور جو اُس کے اندر مفہوم و معنی ہوتے ہیں اُس کی مثال مغز کی ہے۔ پس الفاظ کے ان بہت سی قسم کے چھلکوں کے اندر مغز یعنی معنی و مطلب وہی ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک ہی قسم کے خیالات کو مختلف لوگ جب مختلف لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں تو ایک ظاہر پرست انسان لفظوں کے اختلاف کو حقیقی اختلاف سمجھ کر لڑنے جھگڑنے لگتا ہے۔ پس ایسٹر کی تقریب پر میں اپنا یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ صلح و امن کے زمانہ کی یادگار میں ہمیں یہ چاہیئے۔ کہ اپنی عالمانہ تصنیفات ظاہری و باطنی کو تہ کر کے ذرا سی دیر کے لئے طاق پر رکھ کے سچائی کی سونے کی چڑیا کو پکڑنے کی کوشش کریں +

اول۔ اس تمام کائنات کے متعلق چونکہ ساری دنیا میں ایک ہی قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں +

دوم۔ خدا کے متعلق جو خیالات تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ بھی ایک ہی قسم کے ہیں۔ اس کو میں ذرا تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ اس بارے میں عجیب و غریب افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ سب سے پہلی یہ غلطی یوں پیدا ہوئی ہے۔ کہ مختلف زبانوں کی وجہ سے خدا کے مختلف نام ہیں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے نام مختلف ہونے چاہئیں تھے۔ مگر لفظ پرستوں نے اس سے مغائرت پیدا کر لی مثلاً عربی میں خدا کو اللہ کہتے ہیں۔ چینی میں شانگ ٹی یا ٹین چو۔ فارسی میں خدا۔ روسی میں بوش۔ انگریزی میں گاڈ +

پس اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ایک قوم کا جو خدا ہے۔ وہ دوسری قوم کا نہیں کس قدر نادانی ہے۔ اگر عرب خدا کو اللہ کہتے ہیں اور ہم گاڈ۔ تو ہم تو گاڈ کو مانینگے اللہ کو نہیں

مانینگے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے۔ دنیا میں بے شمار قومیں ہیں جو خدا کو مختلف ناموں سے پکارتی ہیں۔ لیکن خدا وہی ایک ہے جو سب قوموں کا خدا ہے۔ اس بات میں تعصب سے کام لینا خطرناک غلطی ہے۔ پس جب ہم عرب کے بیابان سے ایک نبی کی آواز سنتے ہیں۔ کہ لا الٰہ الا اللہ۔ کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے۔ تو ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔ ہم سے تو وہ دیوانہ فقیر ہی اچھا تھا جو ایک تثلیثی مذہب ہندوستی سے جب اسلام میں داخل ہؤا۔ تو خدا کی توحید کو یاد رکھنے کے لئے اپنی ران پہ بار بار سونٹی مارتا رہتا تھا۔ اور ہر ضرب کے لگنے پر زبان سے "ایک" کہا کرتا تھا +

الغرض اگر ہم اسی طرح تعصب سے کام لیتے رہینگے۔ تو بہت مشکل پڑیگی۔ کیونکہ ہم کو اس بات کا علم ہے کہ چینی۔ ہندی۔ ایرانی۔ عربی وغیرہ ہماری طرح ہوا سے تنفس لیتے ہیں۔ تو پھر ہم کیوں ہوا کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً پانی وغیرہ سے تنفس نہ لیا کریں +

جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہمیں اُن سے مماثلت ہے تو مذہب کے بارے میں اگر کسی خاص حصہ میں مماثلت پیدا ہو جائے۔ تو ہمیں کیوں دکھ ہوتا ہے +

میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں وہ سب ایک ہی ہیں۔ کوئی نہیں کہ سکتا۔ کہ زرتشتیوں کا فلسفیانہ مذہب بدھ کا معقول مذہب۔ مسلمانوں کا عملی دین۔ ہندوؤں کا رسموں سے بھرا ہؤا مذہب۔ عیسائیوں کا سادہ دین۔ یہودیوں کا قدیم مذہب۔ سب کے سب ہر پہلو سے ایک ہی ہیں۔ کچھ شک نہیں۔ کہ ان میں مماثلت بھی ہے۔ مگر بہت سی باتوں میں اختلاف بھی ہے میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ مذاہب مختلف ہیں مگر جس خدا کو یہ تمام مذاہب پیش کرتے ہیں وہ وہی ایک خدا ہے۔ جو سب کا خدا ہے۔ اس امر کو صاف کرنے کے لئے میں حسب ذیل مثال پیش کرتا ہوں +

خلیفہ ہارون رشید علیہ الرحمتہ اپنی نفاست طبع اور عیش پسندی کے لئے مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے اسی مسئلہ کی مشکلات کو مدنظر رکھ کر اپنے باغ میں گرمی کے لئے ایک نہایت عالیشان اور خوشنما بارہ دری بنوائی۔ جب وہ تعمیر ہو چکی تو حکم دیا کہ ایک کمرہ میں جہاں سے دریا نظر آتا تھا۔ ایک ہی رُخ پر کئی ایک کھڑکیاں بنوائی جائیں۔ اور

ہر ایک کھڑکی کے شیشے علیحدہ علیحدہ رنگ کے ہوں۔

اگر ایک کھڑکی کے شیشے سُرخ ہوں تو دوسری کے سبز۔ تیسری کے زرد۔ تو چوتھی کے نیلگوں وغیرہ وغیرہ۔ ایک دن اُس بارہ دری میں ایک بڑے فاضل شیخ زمانہ کو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ایک کھڑکی کے پاس کھڑا کر کے اُس سے کہا کہ اس کھڑکی میں سے دیکھو اور بتلاؤ کہ دریا کا رنگ کیا ہے؟ شیخ نے کہا کہ امیر المومنین نیلا ہے۔ پھر اسی طرح خلیفہ ہارون رشید نے دوسری کھڑکیوں کو پردے میں چھپا چھپا کر اور صرف ایک کو کھلی رکھ رکھ کر ہر ایک کھڑکی پر شیخ کو لے جا کر دریا کا رنگ دریافت کیا۔ اور شیخ نے کھڑکی کے رنگ کے مطابق ہر ایک کھڑکی پر دریا کا نیا رنگ ہی بتلایا۔ جب اُس کمرہ سے باہر نکلے تو خلیفہ نے شیخ سے کہا "کہ دنیا کے لوگ مختلف کھڑکیوں پر کھڑے ہیں۔ اور ایک ہی چیز کو مختلف رنگ کے شیشوں کی وجہ سے مختلف رنگ میں دیکھتے ہیں"۔ یہ حقیقت آج بھی نظر آسکتی ہے۔ ایک فاضل جو ایک مشرقی اُستاد کا شاگرد ہے اپنے اُستاد کی کھڑکی میں سے ہی دیکھتا اور مشرقی کہلاتا اور خود بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس کے خلاف ایک مشرق کا رہنے والا۔ جو مغرب میں تعلیم پاتا ہے۔ وہ اپنے وطن کی حسن نگاری اور مضمون آفرینی کو خیرباد کہہ کر مغربی بن جاتا ہے۔

عقلی فلسفہ مشرق کی کنجی ہے اور طبیعیات کے ماتحت علوم مغرب کی کنجی ہے۔ اور یہ کنجیاں بدل کر مختلف تالوں میں لگائی جائیں تو وہ نہ لگیں گی۔ لیکن کیا ہم اسی دھات کی جس کی کہ ایک تالے کی کنجی بنی ہوئی ہے دوسرے تالے کے لئے کنجی نہیں بنو سکتے ضرور بنوا سکتے ہیں۔ بڑے بڑے جلسوں اور مجمعوں میں تقریر کے دوران جب میں یہ سنتا ہوں کہ جو مشرق کے لئے موزوں ہے وہ مغرب کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا۔ تو میری حیرت اور تعجب کی حد نہیں رہتی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ہر روز یہ بات غلط ثابت ہوتی چلی جاتی ہے۔ انگریز اور یورپین لوگ کثرت سے مشرقی مذاہب قبول کر رہے ہیں۔ دو مذہب بالخصوص جو مقبول ہوئے ہیں۔ وہ اسلام اور بدھ مذہب ہیں۔ لیکن اسلام میں داخل ہونے والے زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ اس کے اصول عالمگیر ہیں اور ہر ایک حالت زندگی کے مطابق ہیں۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ہدایت کی راہ بتلاتا ہے لیکن بدھ

مذہب کے دقیق غوامض ایسے ہیں جن کو سوا ایک فاضل کے دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ پھر اگر ایک فاضل بدھ مذہب قبول بھی کرتا ہے۔ تو وہ بحقیقت اسلام کے لئے راہ صاف کرتا ہے۔ کیونکہ اول تو اصولوں میں بہت کچھ مماثلت ہے۔ دوسرے جب ایک شخص بدھ مذہب قبول کرتا ہے تو اُس کو اپنی عقل سے کام لینے کی عادت پڑتی ہے۔ اور جہاں آدمی عقل سے کام لینے لگا۔ تو پھر وہ ایک دن اسلام کا حلقہ بگوش ہو کر رہیگا۔ پس انگریزوں اور یورپین لوگوں کے مشرقی مذاہب قبول کرنے سے یہ بات تو بالبداہت غلط ہو گئی کہ جو مشرق کے لئے موزون ہے وہ مغرب کے لئے نہیں۔ بلکہ علم و ادب کا تقاضا ہے۔ کہ مشرق و مغرب مل جائیں۔ اور اس ملنے کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ انسان کی ترقیات خیالات کا دائرہ وسیع ہو جائیگا۔ اور اُس کا تجربہ بڑھیگا۔ یہاں تک کہ وہ دیکھ لیگا کہ اکثر مختلف مذاہب مختلف رنگوں کے شیشے ہیں جن میں سے تمام دنیا کا خالق رب العالمین نظر آتا ہے ✦

پس لوگوں میں مخالفت اور عناد اس بات پر ہونا کیسا غلط ہے کہ دوسرا فریق ہماری نگاہوں سے کیوں نہیں دیکھتا اور ہمارے قلب کی طرح اُس کا قلب بھی کیوں نہیں سمجھتا۔ بلکہ بجائے اس کے یوں ہونا چاہئے۔ کہ دنیا کے مذاہب کے متعلق جو کچھ متعصب نکتہ چینیوں نے لکھا ہے اُن سب سے قطع نظر کرکے خود اُن مذاہب کی تحقیق کریں اور یہ بلکہ ممکن ہے کہ ہمیں مذاہب کے مختلف شیشوں میں سے کسی شیشے سے خدا کی معرفت کا منظر کچھ ایسا خوبصورت نظر آوے کہ اپنے پہلے شیشے کو ترک کرکے یہ نیا شیشہ اختیار کرلیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے طریق نظر کو بدل دیں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر تنگ دلی کیا ہوگی۔ کہ تحقیقات کے وقت تعصب کو مدنظر رکھ کے اپنے پُرانے عقیدہ کو ہی چمٹے رہیں اور حق کو قبول نہ کریں ✦

کچھ سالوں سے بہت سے انگریز فضلا نے اپنی توجہ کو مشرقی علم ادب کے وسیع مناظر کی طرف پھیرا ہے۔ اور اس کے تراجم کرنے اور مغرب میں اُن کو رواج دینے کے لئے اپنی زندگیاں اور قابلیتوں کو وقف کر دیا ہے۔ لیکن کیا اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ وہ لوگ انگریز شعرا مثلاً بائرن۔

ملٹن۔ ڈرائیڈن۔ ٹینی سن۔ شیکسپیئر۔ ورڈسورتھ وغیرہ ہم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان فصحا و بلغا کی عزت اُن کے قلب میں زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کی نگاہ زیادہ وسعت سے ان لوگوں پر پڑتی ہے بہ نسبت اُن کے جو اپنی تنگ نظری سے یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ ان کے سوا دنیا میں اور کوئی ہے ہی نہیں۔ حالانکہ یہ لوگ کل کا جزو ہیں۔ جس طرح سیاحت کرنے سے انسان دوسرے ملکوں کی خوبیاں اور اوصاف کو دیکھ کر اپنے ملک کی خوبیوں کو ایک نئے رنگ میں بہتر اور زیادہ صاف طریق پر جانچ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک مخلص اور سرگرم سچا محقق دوسری قوموں کے علم و ادب اور مذہب کو مطالعہ کر کے اپنی نگاہ کو زیادہ وسیع اور اپنی رائے کو زیادہ وزندار بنا سکتا ہے۔ جب کوئی شخص علم کی کسی خاص شاخ میں فاضل منتہی بننا چاہتا ہے۔ تو اس کا کام نہیں ہوتا کہ وہ صرف اسی شاخ کو پڑھا کرے اور بس۔ نہیں بلکہ وہ بنیادی اصول کے طور پر بہت سے علوم مطالعہ کرتا ہے۔ تاکہ جب وہ اخیر میں اُس خاص شاخ کی طرف توجہ کرے جس میں وہ منتہی بننا چاہتا ہے تو اُس وقت اپنی شاخ کو علم کی دوسری شاخوں سے صحیح نسبت اور رشتہ پر قائم رکھ سکے اور علوم حقہ کی دوسری شاخوں سے اُس کو تعصب اور لاعلمی نہ ہو۔

الغرض میرا مطلب یہ ہے۔ کہ آئندہ موسم میں غور اور توجہ کے لئے یہ مضمون میں آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ نظروں کو وسیع کرو۔ اور خاص رو رعایت کسی کی نہ کرو اور یہ حسد اور رقابت چھوڑ دو کہ ساری کی ساری سچائی صرف تمہارے پاس ہے اور کسی کے پاس کوئی سچائی نہیں۔ کچھ عرصے کے لئے سب جھگڑے برطرف کر کے کسی دوسری قوم کی روح اور نظام کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور علوی زندگی کی راہ کو دوسروں کے ساتھ بھی طے کر کے دیکھیں کہ کیا واقعی اس راہ میں ابھی ہمیں دوسروں سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس سے زیادہ بہتر چیزیں ہمیں نظر آویں اور طبیعیات کے علوم باطنی کو عقلی فلسفہ سے تبادلہ کر لیں۔ علم طبیعیات کا سارا زور خشک بیانات پر رہ جاتا ہے اور انسان کو اعلیٰ باطنی قوتوں سے کام لینے سے جن کا تعلق ملاء اعلیٰ سے ہے۔ اور جہاں کی ہوا ابدی جنت کی خوشبو سے معطر ہے روک دیتا ہے عقلی فلسفہ پھولوں کی ایک کتاب کی طرح یا اُس روش کی طرح ہے۔ جس کے دونوں طرف گلاب کے پھولوں کی

تختہ بندیاں ہوں۔لیکن روحانی امور کی تعلیم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون دے سکتا ہے تعلیمی دنیا کی فضیلت علمی کے جبہ پوش ان معاملات میں خاموش ہیں سوائے اس کے کہ اُس ذات کی طرف اشارہ کر دیں جس سے زندگی پیدا ہوئی اور جس میں ہو کر زندگی قائم ہے - ہر ایک آدمی کو بطور خود ہی اللہ تعالیٰ کو پانے کی کوشش کرنی ہے -کوئی پادری وسیلہ نہیں بن سکتا- کیونکہ آدمی رُوح ہے - اور رُوح کا کمال یہی ہے -کہ وہ خود خدا تک پہنچ جائے اپنے لئے سچائی کی کتاب کے صفحات کو تلاش کرو- اور جس جگہ اللہ تعالیٰ کو انسانی رُوح سے نہایت صفائی سے ہم کلام ہوتا ہُوا پاؤ- اُسی راہ کو اختیار کر لو +

شام ہو چلی ہے اور پرندوں کا چہچہانا بھی ختم ہونے پر ہے -میں تم سے دیر سے باتیں کر رہا ہوں - آخر جسم کو آرام کی اور رُوح کو تسکین کی ضرورت ہے -میں نے کوشش کی ہے -کہ یہ دن تمہارے لئے با برکت ہو اور تم کو ایک سچے نور کی شناخت نصیب ہو- ایک عربی مثل ہے - کہ جس دن کوئی علم حاصل نہ ہو- وہ دن ضائع گیا -کیا تم تمام علوم حاصل کر چکے-یا یہ چاہتے ہو کہ تمہارا کوئی دن ضائع نہ ہو- اور روز بروز نیا علم حاصل کرو اور جو روز نیا علم حاصل کرتا ہے - وہ ہر روز اللہ تعالیٰ کے باغ میں سے ایک نیا پھول توڑتا ہے اور خدائی دار السلام میں زندگی بسر کرتا ہے +

خطبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سورت نمبر ۱۰۷ دین یعنی مذہب

(از پروفیسر پارکنسن صاحب)

ارءیت الذی یکذب بالدین ۰ فذلک الذی یدع الیتیم ۰ ولا یحض علیٰ طعام المسکین ۰ فویل للمصلین ۰ الذین ھم عن صلاتھم ساھون ۰ الذین ھم یراءون ۰

ترجمہ:"(۱) کیا تو نے دیکھا اُس شخص کو جو مذہب کی تکذیب کرتا ہے (۲) یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۳) اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لیئے (دوسروں کو) ترغیب نہیں دیتا (۴) افسوس ایسے نمازیوں پر (۵) جو اپنی نمازوں (کی حقیقت) سے غافل ہیں (۶) (اپنی عبادتوں کو) ریاکاری کے طور پر ظاہر کرتے ہیں (۷) اور محتاج کی مدد سے انکار کرتے ہیں"

ہمیں ماننا پڑیگا۔ کہ مذہب ایک عالمگیر چیز ہے۔ یعنی یہ تمام بنی نوع انسان میں خواہ وہ کسی قوم فرقہ قبیلہ میں سے ہوں پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی بول اُٹھے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کا کوئی بھی مذہب نہیں۔ لیکن یہ قلت تدبر اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے مذہبی رنگ جس جس شکل میں اپنی جلوہ نمائی کرتا رہتا ہے۔ بہت اور مختلف ہیں چنانچہ جادو' دد بھوت اور پریت کے عقیدوں اور بُت پرستی و توہم پرستی سے لیکر توحید کے اعلےٰ منازل تک سینکڑوں مذہب ہیں۔ جو جاری و ساری ہیں +

مذہب کیا ہے؟

اِس سوال کا جواب دینے کے لئے بہتوں نے کوشش کی ہے اور اس کی بہت سی تعریفیں بنائی گئیں۔ لیکن کوئی تعریف ایسی نہ بن سکی جو قبولیت عامہ کا شرف رکھتی۔ سب پر اعتراض پڑتے ہیں اور اس کی وجہ خاص یہ ہے۔ کہ جس بات کو کوئی شخص یا فرقہ مذہب سمجھتا ہے۔ دوسرے اُسے مذہب کے مخالف سمجھتے ہیں یا کم سے کم یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا سائنس اور فلسفہ کے رو سے جو تعریف کی جائیگی وہی ہر ایک پہلو سے جامع ہوگی۔ جن لوگوں نے مختلف تعریفیں کی ہیں۔ اُن میں بعض نے تو پُرانے مذہبی قصوں کو درمیان سے نکال دیا ہے۔ اور بعض نے رسم پرستی کو جواب دے دیا ہے اور بعض نے معرفت الہٰی کو اور مذہب کو جدا کرنا چاہا ہے۔ میکس میولر اور دیگر یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مذہب دراصل فطری جذبات یا احساسات کا نام ہے۔ جنہوں نے مذاہب کا مطالعہ کثرت سے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ پُرانے قصے۔ رسم پرستی۔ اخلاق اور معرفت الہٰی یہ مذہبی رنگ کے ساتھ لازم ملزوم کی طرح رہے ہیں اور اُن کا تعلق فطری جذبات اور احساسات کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے۔ گو ماننے والا ان باتوں کو محسوس

کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ ناظرین میں سے کسی کو اس بارے میں شک ہو۔ تو میں اُن کی خدمت میں عرض کرونگا۔ کہ وہ اپنے نفس میں ہی غور کرتے رہیں اور وہ دیکھینگے۔ کہ اُن پر کبھی ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ وہ عادات اور اعتقادات جو بچپن میں سیکھے تھے اور جنہیں اب غلط یا توہمات سمجھا جاتا ہے۔ باوجود ترک کر دئے جانے کے بے اختیار پھوٹ پڑینگے۔ میں خود اسی کا تجربہ کار ہوں اور اکثر ہم میں سے اس کا تجربہ کر چکے ہونگے +

مذاہب کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ کسی مذہب کے رسومات۔ ارکان۔ خیالات کو ہم فوائد سمجھ کر رد نہیں کر سکتے۔ وہ مذہبی محسوسات کے اظہار کے ذرائع ہیں۔ جو شخص اُس مذہب کا پیرو ہے۔ وہ اُنہیں ویسا ہی فرض سمجھتا ہے جیسے ہمارے زمانہ کی تہذیب میں اعلےٰ درجے کا اخلاقی مذہب رکھنے والے کے لئے اخلاق فاضلہ ضروری ہیں پادری جے میکڈ انلڈ فرماتے ہیں" مذہب کی تعریف اپنے وسیع معنوں میں یہ ہوسکتی ہے۔ کہ مذہب غیب کے ساتھ انسانی تعلق اور رابطہ کا نام ہے۔ انسانی تخیل کی ابتدائی حالتوں سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ کس طرح بڑے بڑے مذاہب جن کے کثرت سے لوگ مختلف زمانوں میں پیرو رہے ہیں پیدا ہوگئے۔ مذہب کے عنوان کے نیچے نہ صرف غیب کی روحانی ہستیاں آئینگی بلکہ بے شمار رسومات۔ توہمات اور افسانہ جات بھی شامل ہیں جن کو راہ چلتے اور فضلا اب ہی تو زمانۂ موجودہ میں آکر ہیچ اور باعث ذلت سمجھنے لگے ہیں" +

کسی سائنٹیفک محقق مذہب کے لئے تو مذکور بالا تعریف ٹھیک ہے۔ مگر ایک فلسفی یہ اعتراض کریگا۔ کہ اس تعریف میں مذہب کی رُوح تو آئی ہی نہیں جو تمام مذاہب کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ ایک دن میں ایک عیسائی پادری سے بات کر رہا تھا۔ دوران گفتگو میں اُس نے مجھ سے مذہب کی تعریف پوچھی اور اُس وقت برجستہ جو کچھ میں نے جواب دیا وہ یہ تھا" ایک انسان کا مذہب اُس کا وہ اخلاص اور سرگرمی ہے جو وہ اپنے اعتقاد یا علم کو جنہیں وہ سچا سمجھتا ہے عمل میں لانے کے لئے دکھاتا ہے"۔ پادری صاحب نے کہا۔ "کہ آپ میری نسبت کیا کہینگے۔ جس حالت میں کہ مجھے ایسی کوئی سرگرمی نہیں"۔ اگر وہ میرا دوست اور نہ ہوتا اور اسی لئے میں اُسے خوب جانتا نہ ہوتا۔ تو اُس کے اس ال

مجھے یہ خیال ہوتا۔ کہ محض تنخواہ کی خاطر انجیل کی منادی کیا کرتا ہے۔ لیکن بوجہ ذاتی واقفیت کے میں اُسے خوب جانتا تھا۔ کہ اُس کو عیسائیت کی سچائی پر کامل یقین ہے۔ پس میں اپنی مذکورہ بالا تعریف کو فلسفہ کے رُو سے درست سمجھتا ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ مجھے اس کا یقین نہیں کہ سرگرمی کا لفظ اُس خیال یا قوت یا تحریک کا مفہوم ٹھیک بھی ادا کرتا ہے یا نہیں جو ایک شخص کو اُن سچائیوں پر جن کو وہ سچا سمجھتا ہے عمل کرنے کے لئے برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے تمام چال چلن کی بنیاد مذہب ہے مذہب ہمارے اعمال کا ہادی ہے۔ اور اسی کے ذریعے ہمیں تحریک ہوتی ہے۔ کہ اُس علم کو جو ہم رکھتے ہیں اور جسے ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جسے ہم حق اللہ اور حق العباد سمجھتے ہیں عمل میں لاویں۔ تمام وہ خیالات مذہبی کہلائینگے جو کشمکش ہستی میں ہمیں سنبھالتے رہتے ہیں یا کم سے کم ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں اور جو ہمارے اعمال کو سدھارتے اور انسانی توجہ کو اپنے سے اعلےٰ اور پاکیزہ مقاصد کی طرف پھیرتے ہیں۔ ایک صوفی کی یہ بات تو درست ہے۔ کہ وہ اپنی نفسانیت سے پاک اور بکلی آزاد ہونے کی کوشش کرے۔ مگر اُس کی یہ بات غلط ہے۔ کہ اپنے تئیں صرف خدا کے خیال میں ہی مستغرق رکھے۔ اُس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہم اس زمین کے بنے ہوئے ہیں اور دنیوی ہیں اور انسانی کنبہ کے ایک جزو ہیں۔ پس کچھ ہمارے فرائض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی ہیں۔ جن کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کے ارکانوں میں سے قرار دیا ہے۔ انسان اپنے کمال کو تب ہی پہنچتا ہے جب وہ دوسرے لوگوں کے حقوق کو بھی پوری طرح ادا کرتا ہے۔ زندگی خود کوئی قیمتی چیز نہیں۔ ہاں قیمتی چیزیں پیدا کرنے کے لئے یہ انسان کو ایک موقع دیا گیا ہے۔ اس کی قیمتی باتیں یہ ہیں۔ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ تخیلات و تصورات ہیں جن کی ذہن میں تصویر کھینچتے ہیں اور وہ پاکیزہ خیالات ہیں جو ہم دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ نمونے ہیں جو ہم پیش کرتے ہیں۔ وہ اعمال ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا مذہب عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ شکل میں یہ سورت جسے میں نے ابھی تلاوت کیا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے زمانے کے اوائل میں ہی نازل ہوئی تھی

جو دنوں باوجود ابتدائے زمانہ وحی و رسالت ہونے کے اور کفار کی نہایت سخت مخالفت اور ایذا رسانی اور تمسخر کے آپ نہایت فصیح و بلیغ رنگ میں خدا کا پیغام پہنچایا کرتے تھے اس سورت میں اسلام کے بعض اصولوں کو اپنے مخالفوں کے افعال کی تردید میں استفہام کی شکل میں پیش کیا ہے۔ تا کلام میں زیادہ زور اور طاقت پیدا ہو اس سورت میں جو اصول ہیں وہ صرف مکہ والوں کی بعض کرتوتوں کے رد کے لئے ہی نازل ہوئے تھے۔ بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ کے لئے ہیں مسلم ہو یا غیر مسلم ساتویں صدی عیسوی کے مکے والے ہوں یا آج کے مسلمان سب کے لئے یہ سورت دستور العمل پیش کرتی ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ ہی اعلےٰ اخلاق فاضلہ کو حرکت میں لاتے ہیں یعنی اُن لوگوں کی مدد کے لئے تحریک کرتے ہیں جن کا کوئی عزیز قریبی نہیں جو اُن کی مدد کر سکے یا اُن کا رہبر بن سکے۔ پھر یہیں تک نہیں بلکہ اس سورت کا منشاء ہے کہ اس نیکی کے نہ صرف تم مرتکب ہو بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تحریک کرو۔ جو ایسا نہیں کرتا اور یتیم کو دھکے دیتا ہے وہ مذہب کی تکذیب اور تحقیر کرتا ہے۔ کوئی سچا مسلمان ایسے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ لیکن یہیں تک بس نہیں بلکہ مزید براں یہ بھی فرمان ہوتا ہے۔ کہ محض ایک فرض کا ادا کر دینا کچھ قدر و منزلت نہیں رکھتا جب تک کہ اُس کے ساتھ اخلاص اور نیت خالص لوجہ اللہ نہ ہو۔ چنانچہ غفلت و بے پروائی اور ریاکاری کے خلاف یوں جتلایا جاتا ہے۔ کہ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الخ یعنی افسوس ہے اُن لوگوں پر جو نماز تو پڑھتے ہیں اور نماز کے مقصد سے غافل ہیں۔

نماز ایک رُوحانی چیز ہے۔ پس اس کا مقصد یہ تو ہے نہیں کہ اس کے پڑھنے سے کوئی دولت مل جاتی ہے یا ہمارے سروں پر دنیوی منافع یا اعزاز کی بارش ہونے لگتی ہے۔ بلکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ ہمیں نیکی کی تحریک ہوتی رہے۔ ہم میں خدا کی رحمت پر نئی سے نئی توقعات پیدا ہوں۔ ہم میں نئی قوت اور روحانی تر و تازگی پیدا ہو اور ہم میں ایک ایسی رُوح پھونکی جائے جس سے ہم اسلامی صراط مستقیم پر جو راستبازی اور انسانی کی ادائیگی فرائض کا صحیح رستہ ہے مضبوطی اور دلیری سے چل سکیں۔ خالص نماز سے نہ ظاہر نہیں بلکہ رُوح پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ ہاں جوں جوں ہم رُوحانی ترقی کرتے ہیں ظاہر

عادات و اخلاق پر بھی نہایت پاکیزہ اثر پڑتا چلا جاتا ہے۔

صرف روزانہ مسجد میں حاضر ہونا اور ایک خاص طریق پر عبادت کر لینا ہی کافی نہیں ہے ایک شخص جو کبھی بھی مسجد میں نہیں آیا ایک ایسے شخص سے جو روز مسجد میں آتا ہے بہتر ہو سکتا ہے۔ ریاکاری کے طور پر محض ظاہری باتوں کی پابندی اور درمیانی اوقات میں ہر ایک مذہبی فرض کو بھلا دینا اسلام نہیں ہے۔ خیر خواہ قوم بنتے پھرنا اور شہرت یا سرکار سے اعزاز طلبی کے لئے خیرات کرنا اور کچھ مادی نفع لوگوں کو پہنچا دینا۔ اسلام نہیں ہے کسی عمل کا ایک مذہبی فرض ہونے کی وجہ سے رسمی طور پر ادا کر دینا اسلام نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے تمام افعال نہایت خالص اور مضبوط مذہبی اور روحانی عقائد پر مبنی ہونے چاہئیں۔ محض ظاہری رسومات چھلکے کی طرح ہیں جو اسلام کا مغز نہیں ہیں۔ جب تک روح بھی نہایت خلوص کے ساتھ اعمال کے بجا لانے میں شریک نہ ہو۔ بہتر ہو کہ وہ کام کیا ہی نہ جائے۔ پاک دل اور راستباز روح اور خالص نیت نجات کا صحیح راستہ اور اسلام کا اصلی مقصد ہیں +

احادیث نبوی

اقوال و افعال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

(مترجمہ شیخ فیروز الدین مراد ایم۔ ایس۔ سی۔ بی۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر علوم طبعیات، ایم۔ اے۔ او۔ کالج علیگڈھ)

نمبر ۱۔ دنیا کی اور کسی قوم نے اپنی ابتدائی تاریخ کے بیان کرنے میں صحت اور صداقت کو ملحوظ رکھنے کے لئے اس قدر تکلیف نہیں اُٹھائی جیسا کہ مسلمانوں نے تمام قوموں کے مورخ سوائے مسلمانوں کے صرف اسی قدر پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ واقعات کو ایک مسلسل رنگ میں بیان کر دیں۔ اور شاذ و نادر اسبات کی پروا کرتے ہیں۔ کہ ان واقعات کی بنا

چشم دید شہادت پر رکھیں۔ نہ ہی پہلے راوی یا مورخ کی حالت یا حافظہ کی وہ چنداں پرواہ کرتے ہیں مگر مسلمانوں نے گذشتہ واقعات کی صداقت کو معلوم کرنے کے لئے دوسری قوموں کی نسبت ایک اعلےٰ معیار کو اختیار کیا ہے۔ وہ صرف سُنی سُنائی باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرتے اور ان کے نزدیک تاریخی واقعات کا راوی خود تاریخ میں ایک ضروری جزو ہے جس پر تاریخ کی صحت کا معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے حالات یعنی اس کی راست گوئی یا کذب بیانی کی عادات اور اس کے علم کے اصلی ذرائع خود اسی طرح مورخ کی تحقیقات کے نیچے آتے ہیں جیسکہ وہ واقعات جن کو وہ بیان کرتا ہے +

کسی بیان کو جو تاریخ کے کسی واقعہ سے تعلق رکھتا ہو۔ پایہ اعتبار تک پہنچانے کے لئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ کیا اصل راوی اس واقعہ یا اُن واقعات کا چشم دید گواہ بھی ہے جن کو وہ اپنی سند پر بیان کرتا ہے پھر اُس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہونا ضروری ہے کہ وہ صادق۔ دیانتدار۔ عادل اور عاقل ہے۔ پھر اس کا حافظہ بھی قابل اعتبار ہونا ضروری ہے۔ پھر اس وقت سے لیکر اس تاریخی واقعہ کے لکھا جانے کے وقت تک جس قدر راوی اُس واقعہ کے ہوں وہ سب اپنے بیان میں ویسے ہی صادق دیانتدار۔ عادل اور عاقل ہونے چاہئیں۔ پھر اگر وہ واقعہ جو بیان کیا گیا ہے۔ ایک عام رنگ کا ہے۔ یا ایسا واقعہ ہے۔ کہ عقل چاہتی ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ تو ابتدائی راوی صرف ایک ہی آدمی نہیں ہونا چاہئے مختصراً یہ وہ باتیں ضروری امور ہیں جن کا ثابت ہونا کسی گذشتہ واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ابتدائی زمانوں کے مسلمانوں نے صرف انہی احتیاطوں کو نہیں برتا بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا۔ واقعات کی صحت کو پرکھنے کے لئے اُنہوں نے پہلی اس اعلےٰ معیار کو بھی کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ اس سے بھی زبردست ایک معیار ایجاد کیا ہے۔ یعنی روایت کی صحت کے لئے اصول درایت کو بھی ضروری قرار دیا ہے جس کی رُو سے ان واقعات کو قطعی طور پر تسلیم کرنے سے پہلے ان کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا بھی ضروری ہے +

اصول درایت کے متعلق میں اگلے پرچہ میں مفصل بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جہاں احادیث میں اختلافات کے پہلو پر غور کرنا ہوگا۔ مگر راویوں کے حالات کی باریک تفتیش نے ایک علم پیدا کر دیا ہے جو اسماء الرجال کے نام سے موسوم ہے جو راویوں کی سوانح عمریوں پر صرف روایت کے پہلو سے بحث کرتا ہے جن باتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ احادیث نبوی اور ابتدائی زمانہ کی اسلامی تاریخ سے یکساں متعلق ہیں۔ بعد میں مسلمانوں نے صداقت کے پرکھنے کے اس نیک اصول کو ترک کر دیا اور اب تو انہوں نے اپنے آپ کو ایسا ذلیل کر دیا ہے۔ کہ ان کا نیا آقا یورپ خواہ کیسے بھی بیہودہ سے بیہودہ جھوٹ اُن کو بتائے وہ اسے آسمانی وحی کی طرح حق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں +

مسلمانوں نے جو کوشش کی وہ بے فائدہ نہ تھی۔ ان کے نزدیک اسلام کی گذشتہ تاریخ ہی ہر ایک چیز ہے۔ اور ان کے غیر مسلم باپ دادوں کی روایات ان کے نزدیک کچھ بھی نہیں ابھی کہ تم اسلام میں داخل ہوتے ہو تم ایک بڑی اخوت میں آ جاتے ہو۔ اسلام نے نسل نسانی کے عام اخوت کے اصول کو نہایت موثر طریق پر اور نہایت کامیابی سے سکھایا ہے سب مسلمان گویا ایک ہی خاندان کے اجزا ہیں ملک یا نسل کا امتیاز کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتے بلکہ ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی قوم ہیں۔ قومیت مذہب کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور مذہب کے ماتحت ہو کر چلتی ہے۔ پس ساری دنیا کے مسلمانوں میں صرف ایک اسلام کی تاریخ ہی مشترک امر ہے خواہ وہ اس بابرکت مذہب میں شامل ہونے سے پہلے کسی ملک کے باشندے اور کسی مذہب کے پیرو رہے ہوں +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور پہلی چار خلافتوں کے حالات اسلامی تاریخ کی اصلی بنیاد ہے۔ اسی پر اسلامی تاریخ کی ساری عمارت مبنی ہے۔ قرآن کریم ہمارے لئے کامل ہدایت نامہ ہے جو اصول اس کے اندر رکھے گئے ہیں اور جن کو ہماری رہنمائی کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں عملی رنگ میں دکھا دیا ہے وہ ہمارے مذہب کا اصل سرچشمہ ہیں۔ وہ روشنی کی شعاعیں ہیں جو ہماری دنیوی زندگی کی تاریکی کو دور کرتی ہیں۔ ہم خدا کی کلام کے اصل مفہوم کو اسی وقت سمجھ سکتے ہیں۔ جب غور اور تدبر سے خود قرآن کریم اور سیرت نبوی کا مطالعہ کریں اور آپ کے اقوال و افعال اور ان لوگوں کے اقوال و افعال

کو بھی جو آپ کے تقریب تر تھے یعنی آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس پاک سرچشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کیا اُن کے اقوال و افعال کو بھی اپنا رہنما بنایا ہیں +

لفظ حدیث کے مفہوم میں وہ تمام واقعات داخل ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہوئے اور جن پر آپ نے مطلع ہو کر انہیں پسند کیا اور ایسا ہی نبی کریم صلعم کے اپنے سارے اقوال و افعال بھی اسی مفہوم کے اندر داخل ہیں۔ مجھے انگریزی زبان میں کوئی ایسا موزون لفظ نہیں ملتا جس سے لفظ حدیث کا صحیح مفہوم اس زبان میں ادا ہو سکے اور اس زبان میں مختلف اشخاص نے تین مختلف الفاظ کا استعمال اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کیا ہے جو لفظاً نقل۔ بول چال۔ اقوال کے مرادف ہیں۔ حدیث کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بول چال کا لفظ میرے خیال میں ایک نہایت ہی ناقص اور بیہودہ لفظ ہے اور میں بات کو پسند کرتا ہوں کہ جس قدر جلد ہم اپنی مذہبی اصطلاحات کو یورپ کا لباس پہنا ئیں پس بول چال کے لفظ کو تو قطعاً ترک کرنا چاہئے۔ باقی رہا لفظ اقوال سو اس میں پورا مفہوم لفظ حدیث کا ہرگز نہیں آتا کیونکہ حدیث میں صرف نبی کریم صلعم کے اقوال ہی شامل نہیں بلکہ بہت سے اور امور بھی ہیں اور سب سے بڑھکر میں ٹریڈیشن (نقل) کے لفظ کو اس مفہوم کے ادا کرنے کے لئے ناپسند کرتا ہوں اس کا استعمال ایک نہایت مبہم طریق پر کیا جاتا ہے اور جو عظمت حدیث کی مسلمانوں کے دلوں میں ہے اس کا عشر عشیر بھی اس لفظ سے ظاہر نہیں ہوتا۔ پس یورپ کی زبانوں میں لفظ حدیث کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لئے بھی ہمیں کوئی لفظ تلاش کرنا ہے اور اس بارہ میں ہم یورپ کے مصنفین کا بلا سوچے سمجھے تتبع نہیں کر سکتے جو کبھی نقل ابھی اقوال کبھی بول چال کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ لفظ کے انتخاب میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری غرض اس پاک وجود کے اقوال و افعال کو ظاہر کرنا ہے جو بلا شبہ ساری مخلوق میں افضل اور یگانہ انسان ہے میرے اپنے خیال میں کم از کم مسلمان مصنفین کو بس لفظ احادیث کا استعمال ساری زبانوں میں کرنا چاہئے جس طرح کہ لفظ قرآن اپنی اصل صورت میں موجود ہے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے احادیث کے مفہوم میں سب واقعات آجاتے ہیں جو نبی کریم صلعم کی زندگی میں وقوع میں آئے اس سب واقعات سے مراد وہ واقعات ہیں جن کا تعلق آنحضرت صلعم کی ذات سے ہے مختصر طور پر ہم ان کی ذیل کی ۳ اقسام کر سکتے ہیں یعنی آپ کے اقوال۔ آپ کے افعال اور وہ واقعات جو آپ کے سامنے ہوئے یا وہ واقعات جن پر آپ کو اطلاع دی گئی بعد آپ نے انہیں رد نہیں کیا پس بلحاظ وقوع کے احادیث کی تین بڑی قسمیں ہیں اور ان تینوں کے نام علیحدہ علیحدہ احادیث قولی۔ احادیث فعلی اور

احادیث تقریری ہیں ان میں آخر الذکر قسم کے متعلق یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ وہ تمام امور جن پر نبی کریم صلعم کو اطلاع دی گئی اور آپ نے انہیں ناپسند کیا وہ بھی اس تقسیم کے تحت آجاتے ہیں اگرچہ حدیث ایک عام لفظ ہے مگر اس کا عام استعمال اب سب کے اتفاق سے صرف حدیث نبوی پر ہوتا ہے۔ روایت کے پہلو کے لحاظ سے احادیث کی تقسیم دو طرح پر ہوتی ہے ان میں سے قسم اول بلحاظ راویوں کی تعداد کے ہے۔ اور قسم دوم بلحاظ راویوں کے حالات اور ان کے حافظے کے۔ جب راویوں کی تعداد سارے زمانوں میں یعنی حدیث کی روایت کے سارے مراتب میں اس قدر زیادہ ہو کہ یہ ماننا پڑے کہ اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے تو ایسی حدیث کو حدیث متواتر کہتے ہیں اور ایسی حدیث کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ان تمام امور میں جن کا تعلق مذہب سے ہے سنت یعنی نبی کریم صلعم کے فعل کے مطابق اپنے عمل کو کریں لیکن اگر وہ احادیث جن پر سنت کا کوئی حصہ مبنی ہے ثابت نہ ہو سکتی ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکتا ہو کہ آیا نبی کریم صلعم کا یہی منشا تھا تو پھر ان پر عمل ضروری نہیں۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کریں جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر۔ (النساء - ۵۹) پھر ایسی جگہ یہ بھی فرمایا۔ کہ وہ ایمان نہیں لاتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں نبی کریم صلعم کو حاکم نہ بنائیں۔ اور آپ کے فیصلہ کو شرح صدر سے قبول نہ کریں اور کامل فرمانبرداری نہ کریں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۰ (النساء ۶۵) پس جب خود نبی کریم صلعم اب ہمارے درمیان موجود نہیں تو ہماری ہدایت کے لئے یا قرآن کریم کی پاک تعلیمات ہیں یا نبی کریم صلعم کے وہ اقوال یا افعال جن کے متعلق ہم یقین کر سکتے ہوں کہ واقعی وہ آپ کے اقوال و افعال ہیں۔ صحیح بخاری کے وہ نسخے جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس مجموعہ احادیث کی صحیح نقل تسلیم کئے جاتے ہیں جو امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے جو ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں وفات پا گئے۔ تیار کیا تھا۔ اور ان نسخوں کو اصل مجموعہ احادیث کے لکھے جانے کی تاریخ سے لیکر ہمارے زمانہ تک وہ تواتر کا مرتبہ حاصل ہے جس سے ان کے صحیح ہونے پر یقین ہو سکتا ہے۔ مگر اس تواتر کو اجماع کے ساتھ مخلوط نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اجماع کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شرعی

معاملہ کے متعلق کسی وقت ساری امت کا اتفاق ہو گیا ہو۔ لفظ اجماع اور اجماع شرعی کے مفہوم میں بھی بڑا اختلاف ہے کیونکہ اجماع شرعی وہ اجماع مذہبی ہے جس کے متعلق نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری اُمت کا اجماع کبھی کسی ایسے معاملہ پر نہ ہوگا جو خلاف اسلام ہے۔

تواتر کے قابل تسلیم ہونے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سارے زمانوں کے مسلمان کبھی جھوٹ پر جمع نہیں ہو سکتے اور یہ قیاس خود فطرت انسانی اور قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے صحیح معلوم ہوتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ستر ہزار مسلمانوں نے خود امام بخاری علیہ السلام سے ان کے مجموعہ احادیث کو سُنا ہے۔ اور یہ سب لوگ ان کے شاگرد تھے جنہوں نے آپ سے سند حاصل کی اس کے بعد اس کتاب کے پڑھنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی ہے۔ اور اس کے موجودہ نسخوں کے متعلق یہ سب کا اتفاق ہے کہ یہ اصل نسخوں کی صحیح نقلیں ہیں جو خود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں لوگوں کو پڑھایا۔ پس صحیح بخاری کے نسخوں کی صحت تواتر سے ثابت ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے چار ہزار احادیث کا انتخاب چھ لاکھ احادیث میں سے کیا جو آپ نے جمع کی تھیں اور پورے سولہ سال کی محنت کا نتیجہ یہ انتخاب تھا۔ صحیح بخاری میں کل تعداد احادیث کی ۷۲۷۵ ہے۔ مگر چونکہ بعض احادیث مکرر لائی گئی ہیں اسلئے مکررات کو نکال کر باقی کوئی چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں۔

امام بخاری نے نہایت ہی نیک ارادہ اور نیک نیت سے احادیث کے راویوں اور مضمون کے متعلق ٹھنڈے دل سے تنقید کی تاکہ ان احادیث کو الگ کر دیں جن میں یقین اور صحت کا مرتبہ کامل طور پر پایا جاتا ہے پس ہمارے لئے اور ہمارے پیچھے آنے والوں کے لئے احادیث کی صحت کو پرکھنے کا کام بہت سی مشکلات سے صاف ہو چکا ہے ہمارا یہ ایمان ہے کہ صحیح بخاری کو جو مرتبہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا حاصل ہے وہ بالکل درست ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سوائے انبیاء کے کوئی شخص غلطی سے پاک نہیں ہو سکتا۔ پس ہم ان تمام احادیث کو جن پر امام بخاری نے بڑی محنت سے تنقید کی ہے اس وقت تک درست مانینگے جب تک کہ ہمارے ہاتھوں میں امام صاحب کی تنقید پر جرح کے نہایت مضبوط وجوہات نہ ہوں۔ ہم کو یہ حق تو حاصل ہے کہ ہم راویوں اور اُن کے حالات پر جس طرح چاہیں تنقید کریں مگر یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے

کہ امام بخاری کو ایسی تنقید کا موقعہ ہم سے بہت بڑھ کر تھا۔

قرآن کریم کے جس قدر موجودہ نسخے ہیں اُن کی صحت ہر ایک قسم کے شک سے برتر ہے۔ کیونکہ ہر ایک زمانے میں جس قدر نسخے ملتے ہیں وہ سب ایک ہی ہیں دنیا کی کوئی دوسری کتاب صحت کا ایسا دعویٰ پیش نہیں کر سکتی یہ صرف اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اور اس کی خاص حفاظت ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر تبدل یا تحریف نہیں ہوئی۔

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے جو احادیث متواتر کے مرتبے کو نہیں پہنچتیں وہ احاد کہلاتی ہیں یہاں آکر مورخ کی تحقیقات کرنے والے کو ایک بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے اور یہ مضمون مشکل ہے کیونکہ اس میں بہت سے امور بحث طلب ہیں اور اسلئے یہ بحث بہت احتیاط اور فکر چاہتی ہے۔ احاد کی تین قسمیں کی گئی ہیں جن کے راوی تمام زمانوں میں تین یا تین سے زیادہ رہے ہوں وہ مشہور کہلاتی ہیں جن کے راوی دو ہوں وہ عزیز کہلاتی ہیں اور جن کا صرف ایک راوی ہے وہ غریب کہلاتی ہیں۔

جیساکہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے متواتر احادیث کو سب تسلیم کرتے ہیں مگر احاد کو قبول کرنا یا ان کا رد کرنا راویوں کے حالات پر منحصر ہے وہ احاد جن کو رد نہیں کیا گیا وہ **صحیح و حسن** کہلاتی ہیں اور اس کا انحصار راویوں کی قوت حافظہ پر ہے کہ انہوں نے حدیث کس قسم کی نقل کی ہے یا دونوں مگر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کیلئے یہ ضروری ہے کہ راوی صاحب ذوق دیانتدار عادل عاقل اور نیک شہرت رکھنے والے ہوں۔ اگر ان کی قوت حافظہ اعلےٰ درجے کی ہو تو احادیث جن کے وہ راوی ہیں بالکل صحیح تسلیم کی جاتی ہیں ورنہ حسن کہلاتی ہیں ان دونوں اقسام کی احادیث کو قابل تعمیل [illegible] گیا ہے۔ ہاں حسن کو کم درجہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ قوت حافظہ پر پختہ وثوق نہ ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر راوی کے علم اور اس کی دینداری کے پہلو اس امر کے مقتضی ہیں کہ ہم یقین کریں کہ اصل الفاظ کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہوگی۔ پس تقسیم یا تعداد۔ حالات اور حافظہ کے سب پہلوؤں پر اکٹھا غور کر کے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں یہ لکھنے میں غلطی نہیں کرتا کہ حسن غریب اور حسن عزیز کو احتیاط کے ساتھ صحیح تسلیم کرنا چاہیئے اکثر اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیحین کی احادیث یعنی وہ احادیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں

---

[1] میں نے یہ چند باتیں بعض مثال کے طور پر لکھی ہیں تاکہ مجموعہ ہائے احادیث کو ہم کس نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور کسی خاص مجموعہ احادیث کی تنقید کی غرض سے نہیں اور نہ ہی اس جگہ میں اس بحث میں داخل ہونا چاہتا ہوں ہاں تیسرے پرچے میں جو اس مضمون پر ہوگا۔ ان امور پر بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت ہوگی۔

بنائی جاتی ہیں۔ بالکل صحیح اور قابل وثوق ہیں۔ اور نبی کریم صلعم کے اقوال و افعال کو صحت کے ساتھ محفوظ رکھتی ہیں ان احادیث کو جن پر دونوں کا اتفاق ہو متفق علیہ کہا جاتا ہے اور جو دونوں میں علیحدہ علیحدہ ہوں اُن کو بھی صحیح مانا گیا ہے یہ سب صحیح احادیث کی مشروحہ تعریفیں ہیں ✦

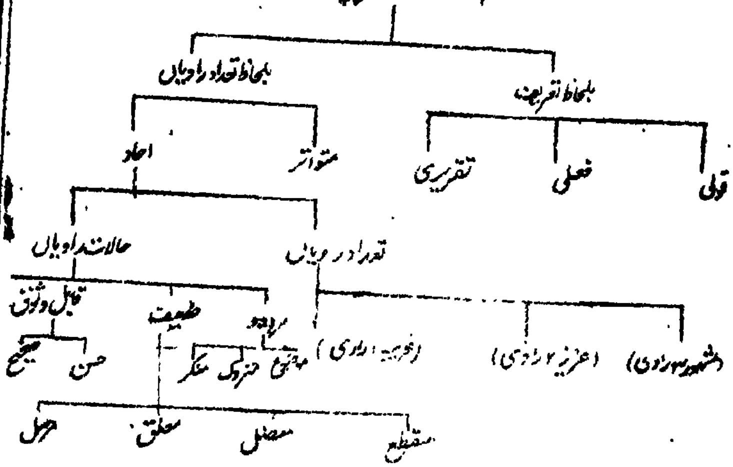
وہ احادیث جن کو بالکل رد کیا گیا یا جو شیعہ فرقہ سے ملتی ہیں ان پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ان کا ذکر یہاں ہم صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ صحیح احادیث پر روشنی ڈالتی ہیں جب ہم ایک دفعہ ٹھوکر کھا کے ان نمونوں سے واقف ہو جائیں تو ہم آسانی سے ان کو تمیز کر سکتے ہیں پھر بلحاظ تسلسل روایت راویوں کے حالات میں شک کے لحاظ سے کئی اقسام پر منقسم ہیں۔ اگر تسلسل روایت پہلے راوی کے ساتھ منقطع ہوتا ہو یعنی صحابی کا ذکر نہ ہو جس نے پہلے حدیث کو روایت کیا تو ایسی حدیث کو مرسل کہتے ہیں اگر آخری راوی کا پتہ نہ ہو تو اسے معلق کہتے ہیں اگر دو راویوں کا پتہ نہ ہو تو ایسی حدیث کو معضل کہا جاتا ہے جب اس سے بڑھ کر انقطاع سلسلہ روایت ہو تو اُسے منقطع کہا جاتا ہے پس صحیح حدیث کے لئے ضروری ہے کہ متصل مرفوع ہو یعنی اس کے سلسلہ روایت میں کوئی انقطاع نہ ہو اور یکے بعد دیگرے اس کا سلسلہ روایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو ✦

راوی کے حالات مشکوک ہونے کے لحاظ سے تقسیم حسب ذیل ہے۔ اگر وہ جھوٹ بولنے والا ہے تو حدیث موضوع کہلائیگی۔ اور اگر اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگ چکا ہے تو حدیث متروک کہلاتی ہے باقی سب حالات یہی ہیں جب یہ معلوم ہو کہ وہ محتاط نہیں یا اُس کی حدیث معتبر راویوں کی حدیث کے خلاف ہے۔ تو حدیث منکر کہلاتی ہے۔ نیچے میں نے ان اقسام کو ایک جدول کے رنگ میں دیدیا ہے جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں دوسرے پرچہ میں روایت احادیث میں اختلاف اور اس کے اسباب اور وجوہات پر بحث کرونگا اور تیسرے پرچہ میں اس بات پر کہ حدیث کے لئے ہمارے پاس کون کون سے ذرائع ہیں جن میں صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کا ذکر ہوگا۔ اور اس مضمون کا خاتمہ کسی اور طویل مضمون میں اس بحث کے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ان کی ضروریات اور ان کے فرائض پر بعض احادیث کا کیا اثر ہے ✦

اس جدول میں اختصار کے ساتھ وہ سب باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ایک مبتدی کو اس نقشہ سے نہایت سہولت کے ساتھ وہ سب باتیں سمجھ آ سکتی ہیں۔ جن کا جاننا احادیث نبوی کے متعلق ضروری ہے ✦

تقسیم

احادیث



بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام۔ ووکنگ مشن کی رپورٹ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۵ء

اس ماہ میں ولایت سے اور بہت سے گروہوں کے قبول اسلام کی خبر موصول ہوئی ہے جن میں سے ایک نام مسٹر ... ہے جو بہت دیر دل سے مسلمان ہو چکے ہوئے تھے لیکن علانیہ اظہار سے تامل تھا۔ اب یہ سوچ کر کہ موت کا کوئی پتہ نہیں۔ خدا جانے کس وقت دم نکل جائے تو ایسا نہ ہو کہ انہیں کفار میں ہی شامل سمجھا جائے حضرت مولوی صدر الدین صاحب کے ہاتھ پر علانیہ اسلام قبول کر لیا ہے ان کا نام عبد العزیز رکھا گیا۔ اللہ تعالےٰ انہیں استقامت بخشے اور اسلامی برکات کا وارث بنائے۔ طبقہ خواتین میں سے ایک شاعرہ عورت نے جنکی اکثر نظمیں مسلم انڈیا میں چھپتی رہتی ہیں بڑے تعشق اور تپاک سے اسلام قبول کیا اور ساتھ ہی اپنے ایک بیٹے کے بھی مسلمان ہونے کی خوشخبری سنائی۔ یہ بہت ہی قابل اور بہت پرجوش خاتون ہیں اور اسلام کے متعلق ان کی عاشقانہ نظمیں بہت ہی دلچسپ اور ان کی دلی کیفیت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں +

علاوہ ازیں اس ماہ میں امریکہ کا ایک معزز خاندان جس کے ممبروں میں بہت لائق اور قابل بزرگوار شامل ہیں مسلمان ہوا ہے اور تبلیغ اسلام کے لئے انہوں نے اپنے پرجوش ارادوں کا اظہار کیا ہے فالحمد للہ علےٰ ذالک +

اس مختصر رپورٹ سے ناظرین کرام اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مولینا مولوی صدر الدین صاحب کس جوانمردی خلوص دل ہمت و استقلال اور قابلیت کے ساتھ مقدس اسلام کے کام کو سرانجام دینے کی کوشش فرماتے ہیں ان کے ساتھ اس نہایت ہی قلیل عرصہ میں جو انہیں تبلیغ اسلام کے لئے آج تک میسر آیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی خاص تائید و نصرت شامل حال رہی ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی خوشگوار اطلاعات کی ہمیں امید رکھنی چاہئے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ؎

دین کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے　　　اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

اب بہار کے دن ہیں اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا میں ظاہر ہو اور ہر طرف اسلام ہی کا نام روشن ہو اس کی اس مشیت کو پورا کرنیکے لئے ضرور ہے ایسے پاک لوگوں کی جو اس میں اپنے مال و جان کی کوئی پرواہ نہ کر کے دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عملی ثبوت دیں دیکھو خواجہ صاحب نے جس وقت اپنے کاروبار کو چھوڑ کر ولایت کا عزم کیا تو کتنے لوگ تھے جو انکے اس جوش و اخلاص میں جو تبلیغ اسلام کیلئے انہوں نے عملی طور پر ظاہر کیا انہیں اگر اور کسی طرح کی امداد دینا چاہتے تھے تو زبان سے ہی جزاک اللہ و مرحبا انہوں نے کہا ہو اعتراض کرنیوالے تو آجتک بھی انکی معترضانہ کارروائیوں سے باز نہیں آئے لیکن مبارک ہیں وہ جنہوں نے اس پاک کام میں خواجہ صاحب کی نہیں بلکہ اپنے پیارے دین کی امداد کی اور کر رہے ہیں کیونکہ وہ مشیت ایزدی کو پورا کرنے میں منشاء الوسع کوشاں ہیں +

پس میں ان تمام لوگوں کو بھی جنہوں نے ابھی تک اس کام کی طرف توجہ نہیں کی یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ؎

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا　　　بہار و رونق اندر روضہ ملت شود پیدا

اشاعت اسلام کالج لاہور

اسلام کی بیکسی کی اس سے بڑھکر کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں اور بہت سے کاموں کا فکر کرنے والے پیدا ہو گئے۔ لیکن اگر نہیں ملتے تو وہ لوگ نہیں ملتے جو اشاعت اسلام کے مقدس کام کو سرانجام دے سکیں۔ ہندوستان میں مذاہب کا ایک زبردست دنگل قائم ہے اور اس دنگل میں ہر مذہب کے پہلوان اس وسیع جزیرہ نما کے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کام کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں ایسے واعظین جو صرف خدمت دین کے لئے وقف ہوں اور مقابلہ مذاہب میں ہر قسم کے ہتھیاروں سے پورے طور پر مسلح ہوں ابھی تک نادر ہیں اور نہ ہی آئندہ ایسے واعظین کے تیار کرنیکا کوئی سامان نظر آتا ہے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جس پر درحقیقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال موقوف ہے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ایک اشاعت اسلام کالج لاہور میں کھولا ہے جس میں اسلام کے لئے مبلغین تیار کئے جاتے ہیں اس کو کھلے ہوئے قریبًا پانچ ماہ ہو چکے ہیں اور قریبًا دس طالب علم اس کے اندر تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے اخراجات کی متکفل بھی انجمن ہے جیسے جیسے اس کالج سے مبلغین تیار ہو کر نکلینگے مختلف مقامات پر ان کے لئے مرکز مقرر کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام باقاعدہ ہاتھ میں لیا جائیگا۔ علاوہ اس کالج کے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مذاہب غیر کی تردید کے لئے ٹریکٹ اور رسالے بھی تیار کروا رہی ہے۔ اور پانچ۔ چھ نومسلم بھی اس وقت اس کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ؛

ان اخراجات کے لئے ہم جملہ اہل اسلام کو اور بالخصوص ان کو جو اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کیلئے درد رکھتے ہیں توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں کا ایک حصہ اس راہ میں خرچ کر کے عنداللہ ماجور ہوں عطایا کے علاوہ بالخصوص زکوٰۃ کے روپے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ اس وقت اشاعت اسلام سے بڑھ کر کوئی نیک مقصد نہیں جس پر ایسا روپیہ صرف ہو سکتا ہو۔ روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیجا جاوے ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید جاری ہوتی ہے اور انجمن ہذا رجسٹرد انجمن ہے ؛

المشتہر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۲

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی اے - ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین بی - اے بی ٹی

جلد ۱ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۵ء نمبر ۵

فہرست مضامین ماخوذ اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۵ء

جون ۱۹۱۵ء کو سید خلیفۃ الدین صاحب کے اہتمام سے احمدیہ اسٹیم پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ تین روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل ۱۹۱۵ء

شذرات

اسلام اور انگریزی اخبارات

اشاعت اسلام کے کام نے جو ووکنگ اور لنڈن میں شروع ہے۔ایک گہری اور حقیقی دلچسپی لوگوں کے لئے پیدا کر دی ہے۔ اور انگریزی اخبارات عموماً اس کا ذکر اچھے الفاظ میں کرتے ہیں۔اور روزانہ اخبارات کے نامہ نگار گذشتہ ایام میں لنڈسے ہال لنڈن میں اور ووکنگ کی مسجد میں آتے رہے ہیں۔پچھلے جمعہ میں دو رپورٹر موجود تھے۔جنہوں نے اہل اسلام کی نماز کی ادائیگی کی حالت میں اُن کی تصویریں اتاریں۔اور بالخصوص جماعت کی اُس حالت میں جب ساری جماعت امام کے ساتھ حالت رکوع میں یا حالت سجدہ میں تھی۔ جس کا اُن کی طبائع پر خاص اثر معلوم ہوتا تھا۔رکوع اور سجدہ کی حالت روح پر ایک خاص کیفیت طاری کرتی ہے۔اور عجز و انکساری کی کیفیت قلب میں پیدا کرنے کے لئے خاص مناسبت رکھتی ہے۔انسان کی روح اور اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کے سامنے غایت درجہ کی عاجزی اور انکساری کی کیفیت پیدا کرتا ہے عبادت الٰہی کا اصل مفہوم ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کی ربوبیت اور احسانات کی جس نے اس عالم

کے ہر ایک ذرّہ کو مسخر کر کے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ شکر گذاری اس کے حضور عاجزی کے اظہار سے ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسلامی عبادت عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے +

تبدیلئ مذہب

اللہ تعالیٰ کے احسان سے اسلام کے اندر داخل ہونے کا سلسلہ برابر جاری ہے لیکن گو بظاہر یہ ایک تبدیلئ مذہب ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو اس کا نام تبدیلی نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ اکثر حالات میں رسالہ کو پڑھ کر جن طبایع پر اثر ہوا ہے۔ انہوں نے مرد ہوں یا عورتیں یہ اقرار کیا ہے۔ کہ ان کے خیالات پہلے ہی اس رنگ میں رنگین تھے۔ اور حقیقت میں وہ مسلم تھے۔ گو انہیں اس بات کا احساس نہ تھا۔ کہ ان کے خیالات اور عقاید دین اسلام کے مطابق ہیں۔ اور یا یہ کہ کوئی ایسا مذہب بھی موجود ہے جس نے انہیں عقاید اور انہی خیالات کو پیش کیا ہے۔ جو درحقیقت ایک صحیح اور سلیم فطرت خود ہی قبول کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ عیسائیت ہمیشہ اس کے لئے ایک ناقابل عمل تعلیم تھی۔ اور رہی ہے۔ کیونکہ اس کے عقاید فطرت انسانی کو متنفر کرنیوالے ہیں۔ اور اس لئے وہ پھل نہیں لاتے۔ یہ عقاید نہ اجتک انسان کی سمجھ میں آئے ہیں۔ نہ ہی ان پر کوئی عمل کر سکا ہے۔ اور اس لئے سلیم فطرتوں پر وہ ایک بوجھ بنے رہے ہیں جس نے آہستہ آہستہ ایسی طبایع کو اندر ہی اندر پلٹا کر اور ان کے اندر ایک مدافعانہ رنگ پیدا کر کے خود اپنی تباہی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ پولوس کے جھنڈے کے گرد اگر ایک طرف غیر معقولیت اور ناقابل عمل خیالات کی افواج جمع ہوتی رہیں۔ تو دوسری طرف ان خیالات کا بھی ان کے ساتھ اتحاد بڑھتا گیا جو نہ صرف فطرت انسانی کی ہتک کرنے والے تھے۔ بلکہ خود ذات باری کی عظمت و جلال پر ایک داغ لگاتے

والے تھے۔ مگر آج یہ تمام افواج معقولیت کی مشعل کے سامنے جسے خود فطرت کے جوہر نے روشن کردیا۔ پاش پاش ہوگئی ہیں۔ ان عقاید کے ماتحت وہ بہت کچھ کھو چکے تھے۔ اور جب بیدار ہو کر انہوں نے کھوئی ہوئی جگہ کو واپس لینا چاہا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ درحقیقت وہ چیز جسکی وہ تلاش میں ہیں۔ اسلام ہے۔ جو انسان کی عقل اور فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اس لئے ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ ان انگریزی نژاد مردوں اور خواتین نے جواب اسلام کے جھنڈے تلے آ رہے ہیں۔ اپنے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ خیالات کی اس رو کو جو خود فطرت انسانی کے انداز سے ان کے اندر پیدا ہوچکی ہے۔ انہوں نے اسلام کے مطابق پایا ہے۔ اور اس لئے درحقیقت وہ اس مذہب کا اعلان کرتے ہیں۔ جو خود فطرت نے ان کے اندر رکھا ہوا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو ایک سلسلہ اخوت میں شامل کر رہے ہیں۔ جو ایک طرف صرف ایک ہی خالق اور مالک کو تسلیم کرتا ہے۔ جو عبادت کے لایق ہے۔ اور دوسری طرف تمام انسانوں میں مساوات اور یگانگت کا اعلان کرتا ہے۔ ہاں وہ درحقیقت خود حضرت مسیح علیہ السلام کی بریت کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ اس خدا کے راستباز بندہ نے کبھی حقیقت کے رنگ میں اپنے آپکو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو اس سلسلہ انبیاءؑ کا ایک فرد سمجھتا تھا۔ جو اس سے پہلے بھی گذر چکے تھے۔ اور جن میں سے اس کے بعد بھی ایک آنے والا تھا جسکی بشارت وہ خود لایا تھا۔ ہاں ہمارا دل بھی اس رنج کو محسوس کرتا ہے۔ کہ کیوں اسکی طرف ایک ایسا امر منسوب کیا گیا ہے۔ جو نہ صرف فی الواقع صحیح ہی نہیں بلکہ اس کے لئے بھی تحقیر اور ہتک کا موجب ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں۔ کہ اس کا نام اس الزام سے پاک ہو کر رہے گا +

برائی ٹن کا سفر

انڈیا آفس کی تحریک پر کرنیل سیٹن کمانڈنگ افسر نے مولوی صدر الدین صاحب

مام مسجد ووکنگ سے درخواست کی۔ کہ وہ برائی ٹن میں پچنسر انڈین ہسپتال کو دیکھیں۔ اور وہاں ہندوستانی سپاہیوں کی ضروریات کے لئے ایک مسجد کے بنا یا جانیکے سوال پر غور کریں۔ اگر یہ مجوزہ مسجد اسی صورت میں بن گئی جیساکہ موجودہ حالات کے ماتحت خیال کیا جاتا ہے۔ تو انگلستان کو یہ عزت اور یہ فخر حاصل ہوگا۔ کہ اسکی سرزمین پر ایک دوسری مسجد موجود ہے ملیکہ شوہ وکنگ کی خوبصورت مسجد ہی سرزمین انگلستان میں ایک ایکلی مسجد ہے۔ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ یہ دوسری مسجد جسکی تجویز ہے۔ اور مساجد کے لئے بطور ایک پیش خیمہ کے ہوگی۔ اور اس تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جائیگا ◆

ولا غالب الا اللہ

سنہ ۱۸۱۸ء سے برائی ٹن کے عظیم الشان محل کے دو ستونوں پر مندرجہ عنوان عربی کتبہ جو خدائے واحد کی توحید کی منادی کرنے والا ہے موجود ہے ◆

برائی ٹن شاہی خاندان کی بجائے تفریح ہے۔ وہاں کا سفر بہت مفید اور مبارک ہوا۔ یہاں بہت سی عالی شان عمارات ہیں۔ جن میں برائی ٹن کا محل کوئی معمولی نظارہ پیش نہیں کرتا۔ بلکہ سیاحوں اور سیر کرنے والے لوگوں کے لئے یہ عظیم الشان شاہی محل ایک خاص دلچسپی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے اس میں ایک دوسرے رنگ کی دل کشی کا سامان ہے۔ اسلامی طرز عمارت جس طرز پہ یہ شاندار محل بنا ہوا ہے۔ اسلامی تہذیب کا وہ اعلیٰ مقام اسکی آنکھوں کے سامنے لے آتی ہے۔ جہاں مسلمان کبھی پہنچے تھے۔ اور جس نے اپنا اثر بہت سی چیزوں پر ہمیشہ کے لئے باقی چھوڑا ہے۔ فن عمارت ان فنوں میں سے ایک فن ہے۔ جو کسی قوم کی سیاست مدنی کے سامانوں پر گواہی دیتا اور لوگوں کی ذہنی ترقی کی ایک جھلک دکھاتا ہے۔ یہ قابل قدر محل جو اس امر پر ایک کھلا کھلا شاہد ہے۔ کہ مسلمانوں کا مقام تہذیب انسانی

کی ترقی میں ایک نمایاں مقام رہا ہے۔ ۱۸۱۵ء میں پرنس ریجنٹ کے لئے تیار ہوا تھا خود شہزادہ کے خیالات اور فن تعمیر کے ماہرین کے ہنر کا یہ ایک بے نظیر شاہد ہے اسے الف لیلا کے خیالی محلات کا ایک نقشہ کہا جا سکتا ہے۔ اور اب ہمارے ہندوستانیوں کے لئے یہ ایک نہایت ہی عزیز مقام ہے۔ اس کے گذشتہ تعلقات اور اسکی ساری طرز خود ایشیائی طبائع پر ایک مقوی دوائی کا اثر پیدا کرنے والے ہیں۔ ہندوستانی اس گنبد کے نیچے آرام کرتے ہیں۔ جس پہ اس محل کا نام رکھا گیا ہے۔ اس گنبد کے نیچے سات ہزار مربع فیٹ کا فرش ہے۔ اور تین ہزار آدمیوں کے آرام کے لئے اس میں جگہ ہے۔ اس سے ان ماہرین تعمیر کے کمال کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ جنہوں نے ایسا عظیم الشان گنبد بنا کھڑا کیا۔ جو بہت سی عقلوں کو چکرا دینے والا ہے خوبصورت باغ اپنے خوشنما پھولوں اور عالیشان درختوں کے ساتھ اس عظیم الشان محل کے پیچھے اس کی عظمت کو اور بھی بڑھانے والے ہیں۔ اندر سے یہ محل خوب آراستہ ہے۔ اور گنبد مینار بڑے بڑے بلند ستونوں کے اوپر کھڑا ہے۔ جن میں سے ہر ایک پر ایک سنہری ہلال اور ستارہ بنا ہوا ہے۔ اور دو ستون جو قبلہ رخ ہیں۔ ان پر عربی کتبہ نمایاں الفاظ میں سرخ زمین پر لگا ہوا ہے۔ لا غالب الا اللہ۔ یہ پاک لفظ اس مکان کے سارے حالات میں ایک خاص کیفیت پیدا کر رہے ہیں۔ اور بالخصوص ان مسلمانوں کے لئے جنکی یہ آرام گاہ ہے۔ یہ بے حد خوشی کا موجب ہیں +

اسلام کی تصدیق و تائید

کچھ عرصہ سے اسلام کے متعلق انگلستان میں نہایت دلچسپی پیدا ہو چلی ہے۔ اور انگریز فضلاء وعلماء کی توجہ اس کی طرف مبذول ہونے لگی ہے۔ جنہوں نے آج کل اپنے لکچروں کا موضوع ہی اسلام بنا رکھا ہے۔ اور کوشش کر رہے ہیں۔ کہ اسلام کے

متعلق ہر قسم کی غلط فہمی دور ہو۔ یہاں تک کہ یورپ کے فرقہ میں سے بعض پادریوں نے نہایت اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت سے کام لے کر اسلام کی تائید و تصدیق میں اپنے گرجوں میں خطبے پڑھے ہیں۔ چنانچہ پادری ایل والٹر میسن ڈی ڈی نے تو اپنی ہمدردی کو اس کمال تک پہنچایا کہ اسلام کی تائید میں جو خطبہ انہوں نے گرجے میں پڑھا تھا اُسے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر کے لوگوں میں کثرت سے پھیلایا۔ اس خطبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ڈاکٹر میسن ایک نہایت وسیع القلب اور اعلیٰ قابلیتوں کے انسان ہیں۔ انہوں نے اس خطبہ میں خود اپنے ذہن سے کام لے کر نہایت قابلیت کے ساتھ بحث کی ہے۔ جو دراصل اُن کی اس نیک نیتی پر مبنی ہے۔ جو وہ اسلام کے متعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے نہایت مدلل طریقے سے اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ دنیا میں امن اور آشتی قایم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ تمام قومی اور مذہبی تعصبات کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اور اس بات پر اور بھی زور دیا ہے۔ کہ کم سے کم انگریزوں کے لئے تو یہ نہایت ہی ضروری ہے۔ کہ اسلام کے متعلق ان کی واقفیت اور ہمدردی زیادہ ہو۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ "اسی مذہب کے لوگوں سے عیسائیوں کو زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ اور عیسویت کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں۔ ان میں اسلام سب سے زیادہ مد مقابل ہے۔ اور قدیم زمانہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں جو جنگیں رہی ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی آپس میں تعصبات چلے آتے ہیں"۔ آگے چل کر ڈاکٹر میسن فرماتے ہیں "لیکن اسلام اور عیسائیت میں آپس میں ہمدردی ہونی چاہئے۔ کیونکہ دراصل یہ دونوں مذاہب ایک ہی عظیم الشان خاندان کی دو شاخیں ہیں"۔ پھر یوں فرماتے ہیں "ہم کو ایک دوسرے سے مل کر رہنا نہایت آسان ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنے اخلاقی اور روحانی اصول ایک ہی قدیم شارع اور نبی سے حاصل کئے ہیں" ﴿

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توریت اور انجیل کو خدا کا کلام تسلیم کیا۔ اور اپنی امت کو اُن کی عزت کرنے کا حکم دیا" لیکن آنحضرتؐ نے اُن خرابیوں اور غلطیوں کی تردید کی۔ جو عیسوی عقاید اور اعمال میں داخل ہو گئی تھیں۔ چنانچہ تصویروں کی عظمت

کو آپ نے بت پرستی قرار دیا۔ اور جیسے کہ آپ کی عادت تھی۔ آپ نے نہایت تحدی اور زور و شور سے خدا کی توحید کا وعظ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عرب کی تمام بت پرست قومیں جو رات دن ایک دوسرے کے دست و گریبان رہا کرتی تھیں۔ سب آپس میں متحد ہو کر ایک عظیم الشان موحد قوم بن گئی۔"

ہم پادری ڈاکٹر میسن صاحب کے خیالات کی قدر کرتے ہیں۔ اور اُن کی وسیع القلبی کی داد دیتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا۔ وہ ان اسلامی عقاید کے عین مطابق ہے جو کہ قرآن کریم اور محمد صلعم کی احادیث میں جو سب سے بڑے اسلام کے مفسر ہیں موجود ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دوسرے علما اور پیشوایان قوم پادری صاحب موصوف کی شریفانہ مثال کی پیروی کریں گے۔ اور اخلاص اور صداقت سے کوشش کریں گے۔ کہ ان اصولوں کی اشاعت ہو۔ جو حق پر مبنی ہوں۔ اور اس طرح دنیا میں خیر خواہی اور امن کا دور شروع ہو جائے گا۔

یہ بھی قابل تذکرہ امر ہے۔ کہ اسی قسم کی شریفانہ کوششیں جزائر برطانیہ کے مختلف حصوں میں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ لیورپول سے ہمارا ایک بھائی لکھتا ہے "کہ پروفیسر جی کری مارٹن ایم اے۔ بی ڈی نے جو انگلستان کے تعلیمی مرکزوں میں لیکچر دیتے پھرتے ہیں۔ حال ہی میں برکن ہیڈ میں اسلام پر ایک لیکچر دیا ہے۔ انہوں نے ہمارے مذہب کی نہایت دیانت داری اور صحت کے ساتھ لفظوں میں تصویر کھینچی جس نے نہایت عمدہ اثر سامعین پر کیا۔ لکچرار نے محمد صلعم کی زندگی کے دلچسپ واقعات صحیح صحیح بیان کئے۔ اور آپ کی عظیم الشان وحی اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ زندگی کا تذکرہ کر کے آپ کی پچھلے دنوں کی تبلیغی کوششوں اور سرگرمیوں کے بیان پر لکچر کو ختم کیا۔"

دنیا میں امن پیدا کرنے کی راہ

خطبہ (از پادری ایل والٹر بین ڈی۔ڈی)

کچھ شک نہیں کہ عیسائیت دنیا میں امن قایم کرنے کے متعلق ناکام ثابت ہوئی ہے۔ لیکن پھر بھی مذہب کو مدنظر رکھ کے بڑے زور سے اس امر کو پیش کروں گا۔ کہ تجارت۔ دولت اور محنت یہ بھی امن کی جھوٹی ضمانتیں ہیں۔ جب تک ہر شخص کو اپنے اپنے ذاتی فواید مدنظر رہینگے۔ ان سے کلی اور عالمگیر مفید نتیجہ پیدا ہونا معلوم۔ لڑائیوں کے اسباب میں سب سے زیادہ جس چیز نے حصہ لیا ہے۔ وہ تجارت ہے۔ پچھلے دنوں کا ہی واقعہ ہے۔ کہ صوبجات متحدہ امریکہ کی سینیٹ میں حب الوطنی کے بہانہ سے یہ منافقانہ اور بظاہر چمکدار مگر بہ باطن سیاہ کوشش ہوئی تھی۔ کہ میکسیکو کے خلاف ہمارے ملک کو اکسا کر لڑائی میں شامل کروا دیا جاتا۔ اگر یہ جنگ ہو جاتی۔ تو کچھ شک نہیں تو اس ملک کے تاجروں کو ذاتی منافع کثرت سے حاصل ہوتے۔ مگر ایسی صورت میں اگر ہو سکے۔ تو خیال کی نگاہ کو ہماری محبوب عظیم الشان قوم کی طرف دوڑاؤ۔ جس کے لئے ہم خواہاں ہیں۔ کہ تمام دنیا عزت کرے۔ وہ میکسیکو سے وہی کچھ کرتی۔ جو بلجیم سے آج کل کیا جارہا ہے۔ اب محنت کو لو۔ اس کے متعلق جتنی بھی سوسائٹیاں ہیں۔ ان سب کی بنیاد صرف اس اصول پر ہے۔ کہ ان کی اپنی برادری کو نفع پہنچے اور بس۔ پھر ان کی برادری تمام بنی نوع انسان نہیں۔ یہاں تک کہ تمام وہ آدمی بھی نہیں۔ جو اپنے ہاتھوں سے محنت کرتے ہیں۔ کیونکہ کسان ان میں شامل نہیں۔ پس وہ صرف ان لوگوں کی برادری ہے جو مزدور ہیں۔ اب برادری پرستی کا جوش اگر بڑھ جائے۔ تو پھر اس سے نفرت اور جنگ پیدا ہوگی نہ کہ امن +

لہذا امن جب بھی دنیا میں قایم ہوگا۔ تو وہ انسانوں کی مذہبی فطرت کے ماتحت قایم ہوگا۔ نہ کہ اس کی شخصی یا قومی یا برادری کے نفعوں کے ماتحت۔ اب تک مذہب جو

امن قایم نہ کرسکا - اسکی وجہ یہی تھی - کہ انسان کے لئے مشترکہ مذہبی بنیاد کوئی نہ تھی - جس پر تمام لوگ متفقہ طور پرجمع ہو کر کھڑے ہو سکتے - جب ہر ایک قوم کا نیا مذہب اور نیا خدا تھا - تو اُن کا آپس میں لڑنا کچھ بھی محل تعجب نہ تھا - موجودہ جنگ یورپ میں مذہبی رنگ جب ہوتا - جب مریخ اسٹورتھ اور جرمن مولینخ اور روسی اوسیرس اور برنش بعل کی پرستش کرتے ہوتے - ہر ایک قوم اپنی اپنی جگہ اپنے خدا کو نہایت اخلاص سے پکارتی اور یقین رکھتی کہ انکا خدا انکی مدد کریگا - اور اُن کی طرف سے لڑیگا - لیکن جب سب کا ایک ہی خدا ہے تو پھر اس سے دعا کرنا مخول یا کفر معلوم ہوتا ہے - موجودہ ترقی و تہذیب نے جبکہ تمام دُنیا کو توحید کی طرف مایل کر دیا ہے - اس لئے مذہب کسی ایک قوم یا فرقہ کا حق واحد نہیں ہو سکتا - بلکہ کل بنی نوع انسان کا حق ہے - اور اس کا مدعا تمام بنی نوع انسان کی خیر خواہی ہونا چاہیئے - اس دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - مذہب کا اصل الاصول بہتر سے بہتر جو ہو سکتا ہے - وہ یہی ہے - کہ خدا کے عظیم الشان کنبہ میں تمام بنی نوع انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں - مذہب کا اصل مطلب یہ نہیں - کہ وہ کسی خاص قسم کی سلطنت قایم کرے - جو شخصی ہو یا جمہوری - یا کسی خاص قسم کی تہذیب کو رواج دے - یا کسی خاص قوم یا قوموں کو خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی - بڑا بنانے کی کوشش کرے - نہیں بلکہ اصل مطلب یہ ہے - کہ ایک خدا کی جو سب جہان کا باپ ہے محبت اور سلطنت کو دُنیا میں قایم کرے ؂

مذہب ادنیٰ اور ناکمل حالت میں امن قایم نہیں کرسکتا - اول تو جو مذہب انسان کے خیالات کو رہبانیت کی طرح اس دنیا سے قطعاً پھیر دے - اور اس دنیا کو محض ایک دار الابتلا اور تمہیدی عالم بتا کر ساری توجہ عالم آخرت کی طرف منعطف کردے - اُس مذہب کا اثر اس دنیا کے معاملات پر کچھ بھی نہیں پڑ سکتا چنانچہ اسی لئے عیسائیت جو دعویٰ کرتی ہے کہ اُس کا بانی شہزادۂ امن تھا - کبھی کسی زمانہ تاریخ عالم میں ان ملکوں میں بھی جن میں سب کے سب عیسائی ہی آباد تھے - امن کی حالت قایم نہ کرسکی پس یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے - اور بالخصوص آج کل جبکہ جنگ موجودہ پر گفتگو کرتے

ہوئے لوگ سوال کر بیٹھتے ہیں۔ کہ عیسائیت امن قایم کرنے میں کیوں ناکام رہی۔ سویاد رکھو کہ جنگ کا گناہ دوسرے گناہوں کی طرح انسانوں کے دل ودماغ یعنی نیت میں موجود ہوتا ہے۔ اور اس گناہ کی نیت مسیحی دنیا سے کبھی بھی معدوم نہیں ہوئی۔ کیونکہ صلح اور امن کے زمانہ میں بھی مسیحی اقوام جنگ کی ہی تیاریاں کرتی رہیں۔ مسیحی مذہب پر جو جو الزام آج لگائے جاتے ہیں۔ وہ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے اس میں موجود ہیں۔ دوم۔ جو مذہب بحیثیت مذہب کے انسانوں میں تفریق کرتا ہے۔ وہ جنگ کا باعث تو خواہ مخواہ بنے گا۔ تجارت کے بعد جس میں دوسروں کو لوٹنا منظور ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر پر مذہب جنگ کا بڑا محرک رہا ہے۔ جن دنوں کلیسیا کو سلطنت میں دخل تھا۔ ان دنوں کلیسیا نے بھی دنیا پرست تاجداروں کی طرح جنگ کے خوب میدان گرم کئے۔ ہاں دنیا داروں سے بڑھ کر ان میں ایک اور خطرناک گناہ تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ ایسی جنگوں کا نام مذہبی مقدس جنگ رکھا جاتا تھا۔

تاحال مذہب میں توحید کے کامل طور پر معنی نہیں سمجھے گئے۔ مسیحت میں ابھی تک وہی ابتدائی خصوصیتیں جو ایک مختص بالقوم مذہب میں ہونی چاہئیں۔ اب تک موجود ہیں۔ اس کا مقصود وہی ایک خاص قوم کو خدا کی برگزیدہ قوم بنا کر باقی سب کو مردود ازلی اور ایک خاص الہام کو سچا قرار دے کر باقی سب قوموں کو اس سے محروم قرار دینا ہے۔ اس کا منشا یہ تو ہے۔ کہ ایک ضلالت میں گرفتار انسان کو ناپاک دنیا سے بچائے لیکن یہ نجات اس طریق سے نہیں پیش کی جاتی۔ کہ دنیا کی اصلاح اور تزکیہ کیا جائے بلکہ اس طریق سے کہ کلیسیا کے دامن سے وابستہ ہو کر دوسرے عالم میں نجات کا سارٹیفکیٹ حاصل کرے۔ مسیح کی تو تعلیم یہ تھی۔ انسان خدا کا فرزند ہے۔ اور اس لئے یہ انوار الہیہ کی تجلیات کا مظہر ہے۔ پس انسان کو ایسی کوشش کرنی چاہئے کہ دنیا آسمانی بادشاہت بن جاوے۔ مگر کتنا افسوس ہے۔ کہ کلیسیا نے بالکل اس کے برخلاف تعلیم دی یعنی یہ انسان فطرتاً گنہگار ہے۔ اور نجات صرف مرنے کے بعد میسر آسکتی ہے۔ چونکہ کلیسیا نے مسیح کے انکشاف اور منشاء کو چھوڑ کر انسانی فطرت

کو نہایت بھیانک شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور دنیا کے معاملات کو بوجہ انسان کے فطرتاً گنہگار اور بدکردار ہونے کے ناقابلِ اصلاح قرار دیا۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عالم آخرت میں نجات کے بھروسہ پر اس دنیا میں صلح اور امن اور راست بازی پھیلانے سے عاری رہا +

اگرچہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ کلیسیا اور مسیحیت لڑائی کو اس سے زیادہ نہ روک سکے جتنا تجارت یا مالی حالت یا مزدوروں کی انجمنیں روک سکیں لیکن تو بھی ہمیں یہ یقین ہے۔ کہ آخرکار یہ گوہر مقصود مذہب کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکیگا لیکن ایسا مذہب وہ ہوگا۔ جو خصوصیت۔ قومیت کی آلودگی سے پاک اور عالمگیر اخوت انسانی اور زیادہ وسعت نظر اور وسعت حوصلہ اپنے اندر رکھتا ہوگا +

مذہب اگر اپنے اندر تنگی رکھتا ہوگا۔ تو اس سے بجائے صلح و امن کے جنگ پیدا ہوگی۔ اسی شہر پٹسن برگ میں گذشتہ ہفتہ میں افریقہ سے ایک پادری صاحب تشریف لائے۔ اور انہوں نے مختلف مجمعوں میں تقریریں کیں۔ اور بتلایا کہ افریقہ میں تبلیغ عیسویت کا نہایت عمدہ موقع ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا۔ کہ یہ بڑا ضروری ہے۔ کہ افریقہ میں عیسویت کا اسلام کے طوفان کو جو امڈتا چلا آتا ہے۔ روکنا نہایت ضروری ہے" پادری صاحب تائیداً یہ کہیں گے۔ کہ ایسی فتح بغیر کسی جنگ کے امن و امان کے ساتھ حاصل کی جا سکے گی۔ لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کے خلاف جنکی نسبت لوگوں کو پورا علم نہیں۔ اور جنکی نسبت ہمیشہ غلط فہمیاں پھیلانے کی کوششیں کی گئیں۔ یہی مذہبی جنگ جو امن و صلح کی شکل میں دکھائی جا رہی ہے بڑی آسانی سے خونخوار شکل اختیار کر سکے گی +

بیرونیس وان سٹنر کی جنگ بلقان کے دنوں میں اسی ملک میں ایک صلح کی مجلس میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا۔ کہ یہ سچ ہے۔ کہ لڑائی بہت بری چیز ہے۔ لیکن موجودہ جنگ بلقان اس سے مستثنٰے ہے کیونکہ اس کا منشا مسلمانوں کو یورپ سے نکال باہر کرنا ہے"۔ پس ایک

تعلیم یافتہ شخص کے منہ سے اس قسم کی باتیں ظاہر کرتی ہیں۔ کہ مذہبی تعصب کیسی خطرناک شکل اختیار کر سکتا ہے ؏

گیارہویں صدی میں ایک رومی راہب نے مشرق سے آکر تمام یورپ میں آگ لگا دی تھی۔ اور کافر محمدیوں کے ہاتھوں سے مسیح کی مقدس قبر کو چھڑانے کیلئے سارے یورپ کو برانگیختہ اور مسلح کر دیا تھا۔ اب مسیح کی قبر تو نہیں لیکن ہیرے کی کانیں۔ بحری مقبوضات جنگلات۔ زرخیز و شاداب وادیاں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں جنکو بوجہ ان کے کافر ہونے کے مسیحیوں کا فرض ہے۔ کہ اپنے مذہب میں لاویں پس جب اس قدر دنیوی مفاد دینی تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہوں۔ تو قومی اور تجارتی خودغرضیاں تعصب مذہبی کے ساتھ شامل ہو کر جیسا کچھ بھی خطرناک رنگ اور ہولناک نتیجہ پیدا کریں تھوڑا ہے۔ اور پھر جبکہ یہ بھی خطرہ ہو۔ کہ اسلام وہاں ترقی کر رہا ہے۔ تو جو بھی وہاں ہو جائے تھوڑا ہے۔ کیونکہ جس وقت مسیحی دنیا کو یہ پتہ لگا۔ کہ اسلام جو بالمقابل ایک عالمگیر مذہب اور حریف ہے۔ مسیحی مذہب سے زیادہ جلد اور سرعت کے ساتھ افریقہ میں پھیل رہا ہے۔ تو یک دفعہ ہی شور بلند ہوگا ؏

مسیحی مذہب اگر یورپ کی روح رواں ہے۔ اور اس لئے یوروپین ماخذ کا سمجھا جانے لگا ہے۔ تو افریقہ و ایشائے کوچک۔ ہندوستان۔ چین اور جاپان میں اسلام کا وہاں کے لوگوں میں ہم وطن اور مانوس مذہب ہونے کی وجہ سے پھیلنا لازمی امر ہے۔ باوجود اس کے کہ کلیسائے مسیحیت نے پانی کی طرح روپیہ بہا دیا۔ مگر ان ملکوں میں مسیحیت نے جڑ نہیں پکڑی۔ مسیحی مذہب فلسطین میں یہودی مذہب سے پیدا ہوا تھا پولوس جو ایک یونانی زبان جاننے والا یہودی تھا۔ اُس نے اپنی تفسیر کے مطابق مسیحی مذہب کو یورپ میں پیش کیا۔ اور یورپ نے اس مذہب کو اس قدر ترمیم کر لیا۔ کہ یوروپین خیالات اور تعلیمات کے مطابق ہو گیا ؏

ساتویں صدی میں محمد (صلعم) نے عرب میں پیدا ہو کر عیسائی مذہب کی عرب میں اپنے رنگ میں تفسیر کی۔ آپ نے توریت اور انجیل کو منجانب اللہ تسلیم کیا۔ اور

اپنے پیروؤں کو اُن کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ لیکن عیسائی عقاید اور اعمال میں جو جو غلطیاں پڑ گئی تھیں۔ ان سب کی نہایت سختی سے تردید کی۔ تصویروں کی عزت کرنا آپ کے نزدیک بت پرستی تھی۔ اور آپ نے نہایت تحدی اور شدومد کے ساتھ خدا کی توحید کی منادی کی۔ یہاں تک کہ عرب کی سخت بت پرست اور جنگجو قومیں جو آپس میں لڑا کرتی تھیں پہلی ہی نسل میں ایک قوم علیم الشان موحد قوم بن گئی۔ آپ نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ آپ کی امت کو عیسیٰ کی امت کی طرح یہ مہلک غلطی ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ اپنے نبی کو خدائی رتبہ دے دو۔ اور یہ کہ آپ صرف اُن کے نبی اور پیشوا تھے۔ اور یہ صرف خدا ہی ہے جو عبادت کے لایق ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ موسوم نہیں کیا۔ اس لئے آپ کے متبعین اپنے آپ کو کبھی اپنے مذہب کو محمدی نہیں کہتے۔ اور نہ اپنے مذہب کو محمدی مذہب کہتے ہیں۔ اُن کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے ہمیشہ اسلام کہلاتا ہے۔ جس کے اصلی معنی ہیں "سلامتی اور صلح و امن"۔ اور جو اسلام کا پیرو ہوتا ہے۔ وہ مسلم کہلاتا ہے۔ جس کے معنے ہوئے "جو خدا سے صلح کرتا ہے۔ اور خدا کی تمام مخلوق سے صلح و سلامتی کے ساتھ پیش آتا ہے" مسلمان آپس میں ملنے کے وقت بھی اسلام علیکم کہتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں "تم پر سلامتی ہو"۔

ابراہیم کی یادگار میں جو توحید کا پہلا معلم تھا۔ اور یہودی۔ عیسائی اور مسلم سب کا یکساں باپ ہے۔ محمد صلعم نے اسلامی سال سب میں سے بڑی عید عید الضحیٰ قرار دی۔ اور اس دن مسجد میں یہود اور عیسائی بھی مدعو ہوتے ہیں۔ کہ آکر نماز میں شامل ہوں۔ ان ہی واقعات کی بنا پر بعض مورخین کہتے ہیں۔ کہ اسلام دراصل مشرق کی اصلاح شدہ عیسویت ہے۔

مذہب اسلام نے تمام اسلامی دنیا میں بوجہ اپنے اخلاقی قوانین کے جو فرایض مذہبی میں سے گنے جاتے ہیں۔ اور روحانی تاثرات کے شراب اور مسکرات اور تمام خبائث سے اپنے پیروؤں کو بچا لیا ہے۔ لیکن اس کے بالکل برعکس عیسائی مذہب کا مذہبی اثر انسان کی عادات و اخلاق پر اس قدر کم ہے۔ کہ ان باتوں کے لئے اسے سلطنت

کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ درمیان میں پڑ کر لوگوں کو ان گیون سے باز رکھے۔

دنیا میں جتنی قوتیں صلح اور امن کے لئے کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ ان سب میں مذہبی ہمدردی سے بڑھکر کوئی قوت نہیں ہوسکتی جس کا اثر بڑا وسیع اور بہت دور تک پہنچتا ہے ٹھیک ویسے ہی جیسے مذہبی مخالفت سے بڑھ کر کوئی چیز خطرناک نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ انسانی زندگی کے خاص جذبات سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ جب تمام وہ مرد اور عورتیں جنہیں قوم کی اخلاقی رہنمائی کی عزت حاصل ہے۔ سب مل کر علی الاعلان پادریوں کی تردید شروع کردیں۔ جن کی نیت بخیر ہے۔ مگر جو خود گم کردہ راہ ہیں۔ اس لئے کہ وہ باہر سے جب اس ملک کو واپس آتے ہیں۔ تو مذہبی تعصب کی آگ پر تیل ڈال کر اس کو برافروختہ کرتے ہیں۔ اور دوسرے مذاہب کی نسبت غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ اور خاص طور پر ہمارے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ ہمیں اسلام کے ساتھ خاص طور پر ہمدردی اور اس کا علم ہو۔ کیونکہ اس مذہب کے لوگوں کے ساتھ عیسائیوں کو سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ اور اسلام دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ مدمقابل ہے۔ اور قدیم زمانہ میں جو جنگیں عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہوئی ہیں۔ اُن کی وجہ سے بھی آپس میں تعصبات چلے آتے ہیں۔ برعکس اس کے عیسویت اور اسلام ایک ہی عظیم الشان مذہبی گھرانے کی دو شاخیں ہیں۔ پس ان میں ہمدردی لازمی طور پر ہونی چاہئے۔ ہم ایک دوسرے سے نہایت آسانی سے موافقت کرسکتے ہیں جب کہ ہمارے اخلاقی اور روحانی خیالات ایک ہی قدیم مقنن اور نبی سے لئے ہوئے ہیں جسکی ہمیں نہایت ضرورت ہے۔ وہ ہے آپس کا سمجھوتہ جس سے ایک دوسرے کی عزت اور ہمدردی ہم میں یقیناً پیدا ہوگی۔ اور جب عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہمدردی اور اتفاق پیدا ہوگیا۔ تو پھر برہمنوں اور بدھ مذہب والوں سے صلح کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا +

ذرا ایک عیسائی پادری کو کچھ ہوا۔ اور فوراً ایک جنگی جہاز جا دھمکا

چینیوں کی ایک بھیڑ میں جب دو جرمنی پادری خوش قسمتی سے مارے گئے۔ تو

جرمنی کو ایک معقول عذر کیوچیو پر قبضہ کرنے کا مل گیا۔ اگرچہ یہ دونو پادری ایک ایسے مذہبی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو جرمنی سے خارج شدہ تھا۔ مگر وہاں تو یہا نہ چاہئے تھا۔ انکی موت کا انتقام اگر کوئی ہو سکتا تھا۔ تو وہ یہی تھا۔ کہ چین کے اس حصہ ملک پر قبضہ کر لیا جائے +

پس اب وقت آگیا۔ کہ لوگ صلح و امن کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کی کوشش کریں۔ کہ پادریوں کو اُس ملک کی قوانین کی پابندی کرنی پڑے گی۔ جہاں وہ تبلیغ کے لئے جائیں گے۔ اور وہاں کے مذہبی سلسلوں کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کا برتاؤ رکھ کر اپنا کام کرنا ہوگا۔ جہاں کہیں ان ممالک میں اسکول کھول کر ملک کو فایدہ پہنچانا چاہیں۔ تو ضروری ہے۔ کہ عیسائی اساتذہ کے ساتھ ساتھ مسلمان۔ بُدھ۔ اور برہمن استاد بھی کام کریں۔ اس مذہبی رفاقت و ہمدردی کی دنیا کو ضرورت ہے۔ اور جس قدر بھی یہ حاصل ہو سکے بہتر ہے +

ہمارے زمانہ کو جس نجات اور مخلصی کی ضرورت اور انتظار ہے۔ وہ مذہب کو دوکانداری بنانے یا پرانے مذہبی رسومات میں قید رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ زندگی کے حالات دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔ اور دایرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہماری روحانی ترقی کی اگر ابتدا پر نظر ڈالو۔ تو شروع شروع میں ہمیں شامی بت پرستی عبرانیت میں تبدیل ہوتی نظر آئے گی۔ پھر عبرانیت یہودیت میں مبدل ہوئی۔ مگر یہودیت کی ایسی جمودی حالت تھی۔ کہ اس کے اندر رہ کر ترقی ناممکن تھی۔ تب روحانی زندگی نے عیسویت کی شکل اختیار کی۔ سات سو سال کے بعد عیسائیت کے ایک پہلو سے اسلام نکلتا ہے۔ اور مشرق کے لئے روحانی ترقی کا دروازہ کھولتا ہے۔ . . . . . .

انسان میں جو روحانی زندگی ہے۔ اور جو اُس کو پرانی حالتوں سے ترقی دے کر نئی ترقی یافتہ حالتوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ وہی نئے اور زیادہ وسیع روحانی طریقے بھی اس کے لئے پیدا کرتی چلی آتی ہے۔ موجودہ جنگ نے جو مسائل پیدا کر دئے ہیں اُن سے میری یہ باتیں بالکل علیحدہ معلوم ہونگی۔ اور نہ صرف علیحدہ بلکہ لغو بھی معلوم

ہوں گی۔ لیکن مجھے اور کوئی ایسی صاف سیدھی راہ نظر نہیں آتی۔ جو اس بدی کی جڑ بُد کاٹ دے۔ یہ سچ ہے کہ جب صلح ہوگی۔ اور اگر امریکہ کی آواز اور اثر صلح کی شرایط پر پڑ سکا۔ تو ہم سب اس بات پر پورا زور صرف کرینگے۔ کہ ایسی شرایط طے ہوں۔ جو ہمیشہ کے لئے صلح قایم کر دیں۔ مثلاً بین الاقوامی مجلس کی ہدایتوں کے ماتحت تمام سلطنتیں آلات حرب کو کم کر دیں۔ اور اس بات پر عہد کریں۔ کہ آپس کے تمام جھگڑے ایک بین الاقوامی عدالت کے سامنے پیش ہُوا کریں۔ اور یہ کہ یورپ میں کوئی زمین یا قطعۂ ملک بغیر اس ملک کے لوگوں کی رضامندی کے ایک سلطنت کے قبضہ سے دوسری سلطنت کے قبضہ میں نہ جانے پائے۔ اور یہ کہ انتقام اور حرص کی قوتوں کو روکا جائے۔ جس عہد نامۂ صلح کی یہ تفصیل ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ کہ نہایت سہل اور سادہ ہوگا۔ لیکن سب سے بڑی ضرورت جو ہے۔ تو وہ یہ ہے۔ کہ اس عہدنامہ پر عمل کرنے کی منشاء اور عمل کرانے کے لئے طاقت کہاں سے آئیگی۔ پس یہ طاقت اگر کوئی ہو سکتی ہے۔ تو وہ مذہب ہے جو نیا اور زیادہ وسیع ہو۔ ہاں ایک ایسا مذہب جو دنیا کی روز افزوں ترقی اور احساس کے مطابق وسیع ہو۔ اور لوگوں کو بجائے آپس کی مخالفت اور تفریق کے ایک دوسرے کی محبت اور ہمدردی میں مستغرق کرکے اس بات کے لئے محرک ہو۔ کہ وہ اس دنیا کو حسن واحسان اور راستبازی سے بھر دینے کے مبارک کام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ یہ مقصد اعلیٰ محض بین الاقوامی مباحث سے جن میں سوائے اپنی اپنی قوم کی خیر منانے کے اور کچھ نہیں ہُوا کرتا۔ حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہ تب ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ خود قوموں میں یہ جوش پیدا ہو۔ کہ تمام بنی نوع انسان کے فوائد کیلئے ذاتی نفع ونقصان کی پرواہ نہ کی جائے۔ اور یہ سوائے مذہبی جذبہ کے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف مذہبی جذبہ ہی ہے۔ جو تمام دنیا کی قوموں کو ایک خاندان کی حیثیت دے سکتا ہے اور بس۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل یہود ونصاریٰ کے ساتھ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ یہود و نصاریٰ کے ساتھ جس قسم کا تھا۔ وہ آپ کی بے نفسی سچائی اور من جانب اللہ رسول ہونے کا بین ثبوت ہے۔

جس زمانہ میں حضرت محمد صلعم پیدا ہوئے تھے۔ یہود و نصاریٰ دونو ایک نبی کے آنے کے منتظر تھے۔ مسیح آیا اور چلا بھی گیا۔ مگر یہود ابھی تک مسیح کی بعثت کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ نصاری ایک سچے نبی کے منتظر تھے۔ جو آ کے مسیح کے ادھورے کام کی تکمیل کرے۔ اور جسے وہ موعود اور تسلی دہندہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

جب آنحضرت صلعم نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو یہود و نصاریٰ دو تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہود نے یہ بات پیش کی۔ کہ "ہم آپ کو موعود مسیح ماننے کو تیار ہیں۔ اگر آپ عیسیٰ ابن مریم کو جھوٹا نبی قرار دیں"۔ نصاریٰ نے یہ پیش کیا۔ کہ "ہم آپ کو مسیح کا موعود جانشین یعنی تسلی دہندۂ اعظم ماننے کے لئے تیار ہیں اگر آپ مسیح کو خدا کا بیٹا تسلیم کریں"۔

اب آؤ دیکھیں۔ کہ آنحضرت صلعم کی اس گھڑی کیا حالت تھی۔ ایک طرف تو آپ نے نہایت تحدی اور بغیر کسی رو رعایت کے بت پرستی کی تردید شروع کر رکھی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ آپ کی اپنی قوم اور اکثر رشتہ دار (جو قریش کے طاقتور اور شریف فرزند اور کعبہ جیسے عظیم الشان معبد کے جو تین سو ساٹھ بتوں سے مزین تھا۔ متولی سمجھے جاتے تھے) آپکی جان کے لاگو اور دشمن بن رہے تھے۔ وہ آپ کو گالیاں دیتے اور ملامت کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپ ان کے آباؤ اجداد کے مذہب کی نہایت شدت و سختی کے ساتھ تردید کرتے تھے۔ عرب کے لوگ تو سینکڑوں بتوں کو پوجتے تھے۔ مگر

آپ خدا کی توحید کا اعلان کرتے تھے۔عرب تو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے مگر آپ یہ وعظ فرماتے تھے۔کہ پرندے اور جانور تک تمہاری طرح مخلوق ہیں۔اور ان کے ساتھ برا سلوک نہ کرو۔عرب لوگ تو مختلف قبایل میں منقسم تھے۔اور ان قبایل کے آگے شاخ در شاخ چلا کرتی تھی۔مگر آپ تمام بنی نوع انسان کی اخوت کی منادی کرتے تھے۔قصہ کوتاہ کفار کے ساتھ کسی بات میں بھی آپکی موافقت نہ تھی۔ انہوں نے آپ کو مال و دولت زمین اور سلطنت کا بھی لالچ دیا۔مگر آپ نے التفات بھی نہ کی پھر انہوں نے آپ کی جان لینے میں اپنے مقدور بھر پوری کوشش کی۔ اور کئی دفعہ تو کامیابی کے قریب پہنچ کر رہ گئے۔لیکن اسکی بھی آپ نے مطلق پروا نہ کی۔پھر انہوں نے آپ کو برادری سے خارج کر دیا۔وطن سے جلاوطن کر دیا۔ تو بھی جو مشن آپ کو عطا ہوا تھا۔اس پر آپ نہایت استقامت سے قایم رہے۔اور ڈنکے کی چوٹ پر اور اپنی پوری توجہ اور اخلاص سے آپ لا الہ الا اللہ کی منادی کئے گئے۔ آپ نے بت پرستوں سے کسی امر میں کبھی اپنے اصولوں سے الگ ہو کر متفق ہونا پسند نہ کیا۔اور نہ کبھی آپ متفق ہوئے۔آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا۔اور مجبوراً تلوار بھی کھینچنی پڑی۔ہر ایک چیز قربان کر دی۔مگر اپنے مشن کو نہ چھوڑا۔اور اپنے اصولوں میں ذرا سی کمی بیشی بھی بت پرستوں سے متفق ہونے کے لئے گوارا نہ کی ۔

لیکن دوسری طرف اپنی بعثت کے شروع دن سے ہی آپ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ انداز رکھا۔آپ نے صاف صاف فرما دیا۔کہ میں کوئی نیا دین تبلیغ کرنے نہیں آیا۔بلکہ وہی پرانی ملت ابراہیمی زندہ کرنے آیا ہوں۔آپ نے تمام انبیائے بنی اسرائیل کو نبی تسلیم کیا۔یہ حقیقت ہے۔کہ قرآن بار بار فرماتا ہے۔کہ ہر ایک امت میں رسول بھیجے گئے۔اور یہاں تک اس پر زور دیتا ہے۔کہ مسلمانوں کو تاکید کرتا ہے۔کہ رسولوں کے ماننے میں کوئی تفریق روا نہ رکھیں۔آنحضرت صلعم نے بجائے بائیبل کے رسولوں کی تردید کرنے کے ان پر سے ہر ایک الزام کو جو خود بائیبل نے ان کی طرف منسوب کئے تھے۔ہٹایا اور ان کی تطہیر کی۔اور باوجود ان تمام باتوں کے یہود و نصاریٰ

راضی نہ ہوتے ⁂

آپ کا ایمان تھا۔ کہ مسیح نبی تھا۔ اور آپ نے نہایت دلیری سے فرمایا تھا۔ کہ مسیح اور موسیٰ اور خود آپ میں کوئی فرق نہ کرنا چاہیئے۔ قرآن مسیح کی انجیل سے بڑھکر عزت کرتا ہے۔ اور یہی عزت کرتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے یہود کی درخواست کو کہ مسیح کو جھوٹا سمجھا جائے۔ قطعاً رد کر دیا گو اس طرح یہ آسان ہوتا۔ کہ آپ آسانی سے اس عزت کے مقام کو حاصل کر لیتے جو یہود آپ کو دینا چاہتے تھے۔ آپ نے نہ صرف موسیٰ کو نبی تسلیم کیا۔ بلکہ موسیٰ کے خدا کو اپنا خدا مانا۔ بلکہ یہاں تک کہ یہود کی بہت سی رسومات کو آپ نے کچھ مناسب اصلاح و ترمیم کے ساتھ اختیار کیا۔ پس اگر آپ کا مقصد اپنی بڑائی اور شہرت ہوتی۔ اور آپ ابن الوقت ہوتے۔ تو آپ اپنے اصولوں سے بغیر کچھ زیادہ ہٹنے کے یہود کا عقیدہ مسیح کی نسبت قبول کر کے یہودیوں کی حمایت اور مدد حاصل کر سکتے تھے۔ اور ان میں بڑی دھوم دھام سے خود مسیح بن سکتے تھے ⁂

یہود کی مدد سے نہ صرف آپ کمزور عیسائیوں کو معدوم کر دیتے۔ بلکہ فی الفور بت پرست عربوں کا بھی زور توڑ دیتے۔ اور آپ یقیناً ان تمام تکلیفوں اور اذیتوں سے بچ جاتے۔ جو آپ نے بمعہ اپنے معدودے چند رفقا کے ابتدائے زمانہ بعثت میں برداشت کیں۔ ایک ہی ضرب میں وہ یتیم جو طرح طرح سے ستایا جا رہا تھا۔ خود موسیٰ کی طرح ایک نہایت طاقتور بادشاہ بن گیا ہوتا۔ حجاز میں عیسائی عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور یہود کا زور تھا۔ ایسے موقعہ پر یہودیوں کی مدد نہایت مفید تھی۔ اگر آنحضرت صلعم یہود کے ساتھ مل کر مسیح کی تردید کرتے۔ تو وہاں کوئی نہ تھا۔ جو اس امر پر آپ کو ملزم ٹھیراتا۔ اور عیسائیوں کے نزدیک تو آنحضرت صلعم پر مسیح کی کلی طور پر تردید کرنے میں یا ان کو صرف خدائی کے تخت سے اتارنے میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ لیکن محمد صلعم خدا کا سچا نبی تھا۔ آپ کی نبوت کے اقوال و افعال پر آپ کے ذاتی نفع و نقصان کا سوال کوئی اثر نہ ڈال سکتا تھا ⁂

خدائے علیم وقدیر نے آنحضرت صلعم کو یہ وحی کے ذریعہ خبر دی تھی۔ کہ مسیح جھوٹا نہ تھا۔ جیسا کہ یہود خیال کرتے تھے۔ اور اس لئے آپ مسیح کی نبوت کا کسی صورت میں بھی انکار نہ کر سکتے تھے۔ اور نہ کیا۔ اور اس امر کے لئے بھی آپ نے اپنی تمام چیزوں یہاں تک کہ جان کو بھی معرض خطر میں ڈال دیا۔ کیونکہ مسیح کی تائید کرنے کی وجہ سے یہود آپ کے سخت دشمن ہوگئے۔ اور ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر بھی دے دیا۔ حضرت نبی کریم صلعم کو یہود کی یہ تمام دشمنی اس واسطے برداشت کرنی پڑی۔ کہ آپ نے مسیح کی تردید کرنے کے بجائے مسیح اور اسکی ماں کی حمایت کرنی شروع کردی۔ اور اُن پر جو بے جا الزامات اور بہتان لگائے جاتے تھے ان کی تردید کرنی شروع کردی۔ آپ نے مسیح کے رتبے کو اپنا دھڑا قرار دیا۔ اور مسیح کے حالات زندگی کو مسیحیوں کی نسبت زیادہ عمدہ پیرایہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ لیکن مسیح کی یہ رعایت آپ کی کسی خود غرضی پر مبنی نہ تھی۔ اس سے عیسائیوں کو رشوت دے کر ان کی مدد سے فایدہ اُٹھانا منظور نہ تھا۔ کیونکہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ اور آدم کو ایک درجہ میں رکھا عیسیٰ کی ماں کو صدیقہ قرار دیا۔ خود حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ مانا۔ لیکن آپ نے ہرگز ہرگز یہ تسلیم نہ کیا۔ کہ مسیح خدا کا بیٹا یا کسی رنگ میں بھی شریک تھا۔ آپ نے بار بار نہایت زور شور سے لوگوں کو بتایا۔ کہ مسیح دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھا۔ اور دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے کسی کو نجات دہندہ یا کفارہ ہو جانے والا تسلیم نہ کیا بلکہ یہ بتایا۔ کہ ہر ایک روح اپنے لئے خود ہی نجات کی ذمہ وار ہے۔ اسی طرح نہ صرف اُسی وقت کے عیسائی آپ کے دشمن ہوگئے۔ بلکہ آج بھی عیسائی آپ کے اسی طرح دشمن ہیں۔ اور اسلام کو اپنا مخالف مذہب سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو جو دنیا میں صرف ایک ہی موحد قوم ہے۔ کافر و مشرک مشہور کرتے ہیں۔ اور یہ افترا کرتے ہیں۔ کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر یا تابوت یا خدا جانے کس کس چیز کی پرستش کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے تو صاف طور پر اعلان کر

دیا تھا۔ کہ انما انا بشر مثلکم کہ بے شک میں تمہاری طرح صرف ایک انسان ہوں
پس جب خود آنحضرت صلعم نے اپنے ایک بھائی سے بڑھ کر عزت کی خواہش نہ کی۔
تو ظلم ہے۔ کہ آپ کی امت پر یہ الزام لگایا جاوے۔ کہ وہ آپ کو معبود بنا کر پرستش
کرتے ہیں۔ العجب ثم العجب۔ مسیح کے پرستار عیسائی تو موحد قرار دئے جائیں۔ اور
ایک واحد خدا کے پرستار مشرک قرار دئے جائیں!

محمد صلعم نہایت آسانی سے عیسایوں کی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ اگر آپ انسان
پرستی یعنی مسیح پرستی کی طرف جھک جاتے۔ لیکن ایسا آپ سے ہونا ناممکن تھا۔ اور آپ
نے یہ قطعاً نہ کیا۔ پس یہ آپ کی بے نفسی اور صداقت ہی تھی جس نے اس وقت حجاز
کے اندر اور اردگرد تمام لوگوں کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا۔

پس حضرت محمد صلعم نے تنہا سب کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ شروع شروع میں
بالکل یکہ و تنہا اور بعد میں معہ اپنی اہلیہ محترمہ۔ اپنے چچازاد بھائی اور چند گھرے رفقا کے
جو آپ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ تمام بت پرستوں۔ یہود اور نصاریٰ کا مقابلہ کرتے
رہے۔ اور آخر کار آپ مظفر و منصور اور کامیاب ہوئے۔ اور آپ کی کامیابی کا
سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اور اس دن تک جاری رہیگا جس دن کہ زمین ریزہ
ریزہ ہو جائیگی۔ اور آفتاب تیرہ و تار ہو جائیگا۔ محمد رسول اللہ صلعم نے خدا کی توحید کی
اشاعت کی یعنی آپ نے حق کی تبلیغ کی۔ اور حق ہمیشہ کامیاب ہی ہوگا۔

محمد رسول اللہ صلعم کی فتح اور کامیابی در اصل خدا کی فتح اور کامیابی ہے۔ اور
خدا ہمیشہ کامیاب ہے اور ہوگا۔ خدا کی ہمیشہ فتح ہوگی۔ قرآن فرماتا ہے "یریدون
لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون" یعنی یہ
لوگ ارادہ کرتے ہیں۔ کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے خدا کے نور کو بجھا دیں۔ اور اللہ
اپنے نور کو کامل اور کامیاب کر کے رہیگا۔ اگرچہ کافروں کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو" اسلام
کے نور کو کوئی بجھا نہیں سکتا۔ اور مسلمانوں کی قوم اگر محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت
اور اسلام کے نور کی اقتدا کرے۔ تو کبھی مر نہیں سکتی۔ انشاء اللہ (القدوائی)

عقبہ کی بیعت ثانی

(از پروفیسر ہارون مصطفیٰ لیون)

(ہمارے ناظرین یہ بات معلوم کرکے محظوظ ہوں گے۔ کہ برادرم پروفیسر ہارون مصطفیٰ لیون ایم اے پی ایچ ڈی - ایل ایل ڈی - ایف - ایس - پی عرصہ ۳۲ سال سے پکے مسلمان ہیں۔ آپ نے ۱۸۸۲ء میں اسلام قبول کیا تھا۔ ہمارے مکرم بھائی یورپ اور امریکہ کی بہت سی علمی سوسائٹیوں کے فیلو اور آنریری ممبر ہیں۔ آپ علم اللسان کے ایک نہایت ماہر اور فاضل عالم ہیں۔ ...حال میں رسالہ آئیل آف مان ایگزیمنر میں آپ نے جزیرہ مان کی زبان کے ماخذ پر مضامین کا ایک سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ سائنس کی اس شاخ میں آپ کی خدمات کا اعتراف بہت سی علمی مجلسوں نے کیا ہے۔ اور حال ہی میں صوبجات متحدہ امریکہ کی پولوٹک یونیورسٹی نے آپ کو ایم اے کی ڈگری عطا کی ہے۔ آپ علم اللسان کی بین الاقوامی سوسائٹی کے سکرٹری جنرل کے عظیم الشان عہدہ پر مامور ہیں۔ اور فیلو متحد جیسے سائنٹفک میگزین کے جو لنڈن سے نکلتا ہے آپ ایڈیٹر ہیں۔ ڈاکٹر لیون کو بہت سے تمغہ جات سلطان عبدالحمید خاں۔ شاہ ایران سابق اور شہنشاہ آسٹریا کی طرف سے عطا ہوئے۔ کئی سالوں کا عرصہ ہوا۔ آپ نے لیورپول کی مسجد میں بھی کئی بار لیکچر دئے ہیں۔ ایڈیٹر)

ہمارے نبی کریم صلعم کی زندگی کے نہایت دلربا اور اہم واقعات میں سے ایک واقعہ وہ بھی ہے۔ جب آپ کی جبل عقبہ کے دامن میں آدھی رات کی جادو بھری گھڑیوں میں انصار سے ملاقات ہوئی۔ اور اس جگہ مخلص مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت سے جو خون اور نسل کے اعتبار سے تو غیر تھے۔ مگر دین اور ایمان کے لحاظ سے قریش کی سب سے اونچی ذات کے بہترین قابل فخر فرزند کے عزیز و اقارب

تھے۔ ایک معاہدہ کیا گیا جس کے رو سے ان کی قسمت اور وفاداری ہمیشہ کے لئے خدا کے بزرگ ترین آخری نبی کے ساتھ متحد ہوگئی۔ آنحضرت صلعم کی مبارک زندگی کا باون سال تھا (۶۲۱ سنہ عیسوی) جو حج کے ایام آ گئے۔ اور یثرب (مدینہ) کے نومسلموں کو پھر موقعہ ملا۔ کہ امن اور سلامتی کے ساتھ مکہ کا سفر کریں اور الامین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ وخلفائہ وسلم کی زبان مبارک جو حق وحکمت کے موتی لٹاتی تھی۔ اُن سے اپنی روح کے دامن کو بھر کر مالامال ہو جائیں ؛

یہ موقع نہایت نازک تھا کیونکہ قریش آنحضرت صلعم کے ساتھ دشمنی کرنے میں حد سے گذر گئے تھے۔ اور بے طرح بپھرے ہوئے تھے۔ اور موقع ڈھونڈھتے تھے۔ کہ کوئی بہانہ ملے۔ تو ایذادہی کی تلوار کو نیام سے نکالیں۔ اور بابرکت احمد صلعم اور آپ کے صحابہؓ کے مقدس خون سے اُسے رنگیں ؛

اس سال کے بعد بہت سے واقعات گذر چکے تھے جس سال کہ حضرت مصطفیٰ صلعم نے پہلی دفعہ وادی منا میں مدینہ کے حجاج کے سامنے یقین ومعرفت سے بھری تقریر فرمائی تھی۔ اور جسے سن کر اور آپکی پرشوکت وعظمت شخصیت اور بینظیر فصاحت سے متاثر ہو کر آپ کے سامعین بے اختیار ایک دوسرے سے یوں بول پڑے تھے۔ کہ یقیناً "یہ وہی نبی ہے۔ جس کی یہود ہمیں دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ اور حق یہی ہے کہ ہمارا اب یہ فرض ہے۔ کہ دیر نہ کریں۔ اور سب سے پہلے آپ کے متبعین میں داخل ہونے کا فخر حاصل کریں" ؛

اس موقعہ پر آنحضرت کی تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بارہ اشخاص کی ایک جماعت نے آپ کو خدا کا نبی تسلیم کیا۔ اور اسلام کے مقدس دایرہ میں داخل ہوئے۔ جن میں سے دس تو قبیلہ خزرج میں سے اور باقی دو قبیلہ اوس میں سے تھے ؛

اس وقت وفاداری کا حلف جن الفاظ میں اٹھایا گیا تھا۔ وہ مفصلہ ذیل ہیں :-
"ہم خدائے واحد کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں گے۔ ہم چوری نہ کریں گے۔ نہ زنا کریں گے۔ اور نہ بچوں کو قتل کریں گے۔ اور ہم کسی رنگ میں بھی افترا اور بہتان

نہیں باندھینگے ۔ اور امر بالمعروف میں کبھی رسول کی نافرمانی نہ کریں گے "
جب یہ بارہ اشخاص یہ معاہدہ کرچلے ۔ تو نبی کریم صلعم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کو برکت دی اور فرمایا " جو بیعت یعنی معاہدہ ابھی تم نے کیا ہے ۔ اگر تم اس پر پوری طرح ثابت قدم رہے ۔ تو فردوس تمہارا اجر ہوگا ۔ اور جو کوئی اس معاہدہ کے کسی حصہ کو توڑیگا ۔ تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے ۔ خواہ سزا دے یا معاف کردے "
اسلام کی ناقابل زوال تاریخ میں یہ واقعہ جو ہمیشہ یادگار رہیگا " عقبہ کی بیعت اولین " کہلاتی ہے ۔ اور یہ نام اس ٹیلہ کی وجہ سے پڑا جس پر آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر بارہ نومسلموں سے بیعت وفاداری لی تھی ۔ اس تاریخی مقام پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے "
یہ بارہ نومسلم جب مدینہ واپس گئے ۔ تو نہایت سرگرمی سے وہاں تبلیغ شروع کردی و شاعت دین میں اُن کے جوش اور ان کی محنت نے ایسا عظیم الشان اثر دکھایا ۔ کہ خدا کی طرف سے جو سچائی نازل ہوئی تھی ۔ وہ گھر بہ گھر اور قبیلہ بہ قبیلہ پھیلنے لگی ۔ اُن کے اباؤاجداد کے بت پھینک دئے گئے ۔ اور چمگادڑوں اور چھچھوندروں کی طرح خارج اور ذلیل ہوگئے ۔ اور لوگ کثرت سے ایمان لانے لگے ۔ اور دعوت الٰہی کو قبول کر کر کے دارالامان میں داخل ہونے لگے ۔ یثرب میں یہ تحریک ایسی کامیاب ہوئی ۔ کہ مبلغین کی وسعت سے کام زیادہ بڑھ گیا جس پر اُن کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لکھنا پڑا ۔ کہ ایک معلم بھیجیں ۔ جو قرآن پڑھ سکتا ہو ۔ اور دین سکھا سکتا ہو ۔ ایک جوشیلا نوجوان صحابی مصعب نامی جو ہاشم کا پڑپوتا تھا ۔ اور ہجرت حبشہ سے ابھی واپس آیا تھا ۔ اس کام کے لئے منتخب ہوا ۔ اور بعد میں بھی بتدریج دوسرے آدمی امداد کے لئے روانہ کئے گئے ۔ جس میں وہ نابینا ولی بھی تھا جس کا نام عبداللہ ابن ام مکتوم ہے ۔ اور جس کا قرآن شریف کی سورۃ عبس میں تذکرہ ہے "
یثرب میں اسلام کی اس حیرت انگیز کامیابی کی رپورٹیں حضرت نبی کریم صلعم کو پہنچتی تھیں چونکہ آپ قریش کی خطرناک عداوت سے واقف تھے ۔ اور نہ چاہتے تھے ۔ کہ وہ بھڑک کر جنگ پر آمادہ ہوجائیں ۔ اس لئے خدا کے رسول نے یہ مناسب

سمجھا کہ احتیاطاً یہ خبر پوشیدہ رکھی جائے۔ یہاں تک کہ یثرب کے حاجیوں کی ایک بڑی جماعت نومسلموں کے ساتھ تھی۔ اور ان کے مقصد سے ناواقف تھی۔ حاجیوں کی نو مسلم جماعت کے ساتھ مصعب بھی ساتھ تھے۔ اور نبی کریم صلعم اور نومسلموں کے درمیان خبر رسانی کا وہی ذریعہ تھے ٭

دشمنان اسلام کو خبر پہنچ جانے اور اُن کے حملہ کر دینے کے اندیشہ سے حضرت نبی کریم صلعم اور نومسلموں کے درمیان نصف رات کو ملاقات کا وقت قرار پایا۔ اور اس خیال سے کہ اگر شبہ پڑجاوے۔ اور کفار دشمنی اور جنگ پر آمادہ ہو جاویں۔ تو یہ نووارد لوگ جلدی ہی ان کے دائرہ اقتدار سے باہر نکل جا سکیں۔ حج کے اختتام پر اس ملاقات کو رکھا گیا۔ کیونکہ بوجہ حج کے مراسم ختم ہو جانے کے اگلی صبح کو تمام مخلوق یوں بھی اپنے گھروں کو لوٹنے والی ہوتی ہے ٭

ملاقات کے لئے جو جگہ تجویز کی گئی۔ وہ وہی عقبہ کی سنسان گھاٹی تھی۔ جو بارہ ماہ پہلے بارہ آدمیوں کی بیعت سے مشرف ہو چکی تھی۔ اور اس ملاقات میں سب شامل ہونے والوں کو ہدایت کر دی گئی۔ کہ وہاں نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے پہنچ جائیں۔ "سوتے ہوئے کو نہ جگائیں۔ اور غیر حاضر اور سست کا انتظار نہ کریں"۔ آنحضرت صلعم اپنے چچا عباس کے ساتھ (جو ابھی تک کافر تھے لیکن بوجہ معتبر ہونے کے اس موقعہ پر وہ بھی موجود تھے) نصف شب سے ایک دو گھنٹہ پہلے ہی مقررہ ملاقات کی جگہ پر جا پہنچے۔ اور آنے والوں کا انتظار کرنے لگے ٭

ابھی زیادہ دیر نہ گذری تھی۔ کہ رات کی تاریکی میں لوگ ایک ایک۔ دو دو تین تین چپ چاپ برہنہ چٹانوں اور پتھریلی وادیوں پر سے اس مقدس مقام کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آنے لگے۔ یہاں تک تہتر مخلص شاگرد (جن میں سے باسٹھ بنی خزرج میں سے تھے۔ اور گیارہ بنی اوس میں سے تھے) بمعہ دو عورتوں کے جمع ہو گئے۔ ان میں وہ بارہ نومسلم بھی شامل تھے۔ جو کہ پچھلے سال اسی مقام پر رسول اللہ صلعم سے مل چکے تھے حضرت عباس نے ان سب کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ اور اپنے بھتیجے (یعنی نبی کریم)

کے پاس خود بیٹھ کر دھیمی آواز میں مجمع کو یوں مخاطب کیا۔
"اے اہل یثرب اور معاشر بنی خزاج۔ آپ لوگ میرے بھتیجے محمد (صلعم) کے اس معزز و ممتاز مقام سے خوب واقف ہیں۔ جو اُسے میرے اعزا و اقارب قبیلہ بنی ہاشم میں حاصل ہے۔ اگرچہ ہم اس کے نئے مذہب کے مخالف ہیں۔ مگر ہم برابر اسکی حمایت کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارا خون اور جگر ہے۔ اور اسی طرح اسکی حمایت کرتے رہیں گے لیکن یہ تم لوگوں کی آنکھوں میں اب مقبول و محبوب ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ اب تم میں سے ہی ایک بننے کو تیار ہے۔ مگر اے بنی خزرج میں تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ کہ اس معاملہ پر پہلے خوب غور کر لو۔ اگر تم اس قدر مضبوط ہو۔ کہ ان سب کے مقابلہ پر جو اس کو اور تم کو نقصان دینے کیلئے اٹھیں۔ اپنا اور اس کا بچاؤ کر سکتے ہو۔ اگر تم اتنے قوی اور بہادر ہو۔ کہ اگر ضرورت پڑے۔ تو اسکی حمایت کے لئے اپنی جانیں اور مال قربان کر سکتے ہو۔ تو پھر یہ تجویز احسن اور عمدہ ہے۔ لیکن اگر تم یہ نہیں کر سکتے۔ تو میں تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ کہ تم اسے ابھی چھوڑ دو۔ تا بعد میں اس کو دشمنوں کے حوالہ کر کے اپنی عزت و نیکنامی کی پیشانی پر ہمیشہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ نہ لگا لو۔ اے اہل یثرب اب بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟"

تب براء نے جو بنی خزرج میں ایک بوڑھا سردار تھا۔ جواب دیا کہ ہم نے ان باتوں کو سُنا۔ ہم سب ایک ہی رائے رکھتے ہیں۔ ہمارے عزم کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ ہماری خواہ جان چلی جائے۔ مگر ہم اپنے عہدوں پر اور محمد صلعم کے ساتھ وفادار رہیں گے ہم قطعی فیصلہ کر چکے۔ اب اے خدا کے رسول آپ اپنا فیصلہ ارشاد فرمائیں"۔

حضرت خیر البشر صلعم نے جواب میں پہلے تو چند آیات قرآنی تلاوت فرمائیں اور آخر میں آپ نے مذکورہ بالا تجویز پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ لیکن اس شرط پر کہ حاضرین عہد کریں۔ کہ وہ آپکی حمایت و حفاظت میں اسی طرح سعی کریں گے۔ جس طرح اپنی بیبیوں اور بچوں کی حفاظت و حمایت میں کرتے ہیں۔

جونہی کہ نبی کریم صلعم نے تقریر ختم کی۔ چاروں طرف سے ہر ایک شخص ولی

[illegible]

جوش وخروش سے چلا اٹھا۔ کہ ہم ایسے معاہدہ کے لئے تیار ہیں۔ اور رسول کے استقبال اور حمایت وحفاظت کے لئے نہ صرف اپنا مال ودولت بلکہ جانیں تک قربان کر دینے کے آمادہ ہیں۔ تب عباسؓ نے اپنے ایک ہاتھ میں آنحضرت صلعم کا ہاتھ پکڑا۔ اور دوسرا ہاتھ بلند کرکے زور سے کہا۔ کہ "خاموش! ممکن ہے کہ ارد گرد کوئی جاسوس لگا ہوا ہو۔ چاہیئے کہ تم میں سے دیرینہ سال لوگ اٹھیں۔ اور تمہاری طرف سے بولیں کیونکہ اگر ہماری قوم کو ہمارے یہاں جمع ہونے کا پتہ لگ گیا۔ تو تمہاری سلامتی معرض خطر میں پڑ جائے گی۔ پس جلدی اسی وقت اور اسی جگہ پکا عہد کرو۔ اور اس عہد کے بعد جس قدر جلد ہو سکے۔ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے ڈیروں کو رخصت ہو جاؤ"

تب ان میں سے قبائل کے خاص آدمی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور برأ نے سب کی طرف سے وکیل بن کر کہا "اے محمدؐ خدا کے سچے رسول اپنا ہاتھ پھیلایئے" آنحضرت صلعم نے ہاتھ پھیلایا۔ اور برأ نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ جیسا کہ وفاداری کی حلف اٹھاتے وقت عربوں میں دستور تھا۔ تب عورتوں کے سوا باقی کے تمام لوگوں نے باری باری سے اسی طرح بیعت کی۔ اس کے بعد عورتیں آگے آئیں اور عقبہ کی بیعت اول کے الفاظ دہرائے۔ مگر آنحضرت کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھا جب یہ ہو چکا۔ تو رسول اللہ صلعم نے خاص آدمیوں میں سے بارہ نقیب مقرر کئے۔ جن میں سے چار تو قبیلہ اوس میں سے تھے۔ اور باقی کے قبیلہ خزرج میں سے۔ اور فرمایا "موسیٰ نے اپنی امت میں سے بارہ نقیب منتخب کئے تھے۔ اسی طرح تم بھی نقیب ہو۔ اور باقیوں کے لئے شاہد ہو۔ جس طرح عیسیٰ کے رسول (حواری) شاہد تھے۔ اور میں اپنے لوگوں کے لئے شاہد ہوں"۔ اس پر سب نے عرض کیا کہ "حضور نے جو فرمایا ایسا ہی ہو۔ آمین"

تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ اور مجمع منتشر ہو گیا۔ اور ہر ایک شخص اپنے اپنے ڈیرے کو چلا گیا۔ اور اس طرح عقبہ کی بیعت ثانی کی ہمیشہ یادگار رہنے والی پرعظمت وتکریم شب کا خاتمہ ہوا ✤

عیسویت کی ناکامی

جنگ سے حاصل شدہ سبق پر آزاد پادریوں کی قیل و قال

گرجوں کے اتحاد و اتفاق کیلئے صدائے عالمگیر

اتحادی سوسائٹی کے سکرٹریوں کی آمد پر جو جلسہ ڈ لینڈ ہوٹل مانچسٹر میں ۱۱۔ مارچ کو ہوا ہے۔ اس پر آزاد پادریوں کی قومی کونسل کی کارروائیوں کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد پھر البرٹ ہال میں سرجے کاپٹن اکٹ ایم پی کے زیر صدارت ایک اور جلسہ ہوا۔ جن میں تمام نیابت کرنے والے اصحاب موجود تھے مضمون جو زیر بحث تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ سلطنت کو پھر متحد ہو کر نئی قوت حاصل کرنی چاہئے یعنی گرجوں کے آپس میں اتحاد کے لئے صدا بلند کیجائے نہ صرف براعظم یورپ میں بلکہ تمام دنیا میں پادری جے ایچ رش بروک نے کہا۔ کہ مسیحی دنیا پر ایک عظیم الشان مصیبت آن پڑی ہے۔ اور یہ کہ اس کا کام یہ نہیں۔ کہ یورپ کے مسیحی گرجوں کے آپس کے اتحاد کے لئے وہ کوئی پروگرام تجویز کرے۔ بلکہ اس کام کے لئے بہت سی روحانی عبادتوں اور توبہ و استغفار کی ضرورت ہے۔ ہماری تاریخ ایسی گندی نہیں جیسی کہ پرشیا کے معلمین ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ہماری دورخی چالوں اور سامان حرب کی تیاریوں اور گذشتہ ایام میں کمزوروں کے حقوق کی نگہداشت کی طرف سے ہماری حقارت آمیز لاپرواہی اور ہمارے نامہ نگاروں کی سطحی اور چھچھوری اور بعض دفعہ مجرمانہ غیر معتبر روائتیں یہ سب ایسی چیزیں ہیں۔ جن سے تائب ہونا ہمارا فرض ہے +

مسیحی مذہب اور اس کے تمام نظام اور تعلقات کی ناکامی پر موجودہ جنگ نے مہر لگا دی ہے۔ کیونکہ اس جنگ سے پتہ لگ گیا۔ کہ مسیحی اقوام کا آپس میں رشتہ مادی طاقتوں پر منحصر تھا۔ نہ کہ روحانی قوتوں پر۔ ینیمبٹر اور ہاؤٹزر توپیں مدنظر

تھیں نہ کہ مسیح کی صلیب۔ آخر دم تک جو وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔ وہ کرپ اور آرم اسٹرانگ کا ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی اور کا۔

ریت پر بنیاد

کلیسیا ہاں خدا کا متحدہ کلیسیا بجائے اس کے کہ اقوام کی سیاست پر حکومت کرتا دنیوی تدابیر اور چالبازیوں کے قدموں میں روندا گیا۔ اور کلیسیا والے صرف دنیوی بادشاہتوں کی غلط کاریوں کے جواز کا فتویٰ دینے والے بن گئے۔ جو کہ ہرگز نہ ہونا چاہئیے تھا۔

اس عظیم الشان جنگ نے مسیحیوں پر جبراً یہ بات ثابت کردی۔ کہ یوروپین تہذیب جس بنیاد پر نشوونما پا رہی تھی۔ وہ ریت کی تھی۔ پادری۔ اے۔ ٹی گڑی نے جنہوں نے مسیحی مشن پر جنگ کے اثر کے متعلق لیکچر دیا۔ فرمایا۔ کہ پراٹسٹنٹ اور کل مسیحی اقوام ایک دوسرے کو ذبح کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ مشرق کے بازاروں اور افریقہ کی بستیوں اور جنوبی سمندر کے جزائر میں جنگ کی ہولناک خبریں اُڑ رہی ہیں لیکن ہماری مشنری بائیبل کیوں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دی گئی۔ اس جنگ کا سبب بگڑا ہُوا فلسفہ۔ مسخ شدہ اخلاقی اصول اور تنزل یافتہ مذہب ہے۔ کیونکہ ہم تو ایسی قوم نہ تھے جس میں فوجی ملازمت ہر شخص پر فرض ہو۔ اور نہ ایسا ارادہ ہے۔ اگرچہ بعض ہفتہ وار مذہبی اخبار اس پر تحکمانہ لہجہ میں زور دے رہے ہیں۔ (قہقہہ) مگر جب لارڈ کچنر سیر ہو گئے ہیں۔ تو یہ ہفتہ وار مذہبی اخبار بھی چاہئیے کہ چُپ ہو جائیں۔ (قہقہہ اور چیرز) اب عذر خواہیوں کا خاتمہ ہونا چاہئیے۔ اور ہمیں اس ترمیم کے عظیم الشان کام کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا چاہئیے۔ جو کہ جنگ کے بعد شروع ہو گی جنگی بلند پروازیوں کو توڑنا چاہئیے ایسی ملک گیریاں جن سے قومی تنفر زیادہ بڑھے۔ اور خون کا سیلاب رواں ہو۔ انسانی تہذیب کے خلاف جرم ہے۔ صلح اور جنگ کا تصفیہ اکیلے خود مختار بادشاہوں اور پر اسرار مدبروں کے ہاتھوں سے چھین کر خود رعایا کے سپرد کرنا چاہئیے۔

ڈاکٹر اسکاٹ لجٹ نے ہمیشہ کے لئے صلح و امن کے اصولوں پر تقریر کی انہوں نے کانفرنس کو یاد دلایا۔ کہ گذشتہ ہفتہ میں جب بعض اشخاص نے ان شرائط

پر جن پر صلح ممکن ہوسکتی ہے۔ بحث کرنی شروع کی۔ تو وزیر اعظم نے نہایت حقارت ونفرت کا اظہار کیا۔ اور صلح کی بحث چھیڑنی نہایت قابل اعتراض بات قرار دی گئی۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا۔ کہ فتح ہو چکی ہے۔ حالانکہ ابھی نہیں ہوئی۔ اور اس طرح لوگوں کو دھوکہ لگ سکتا ہے۔ اور وہ اس سرتوڑ کوشش سے غافل ہو جائینگے جو کہ فتح کے لئے ضروری ہے۔ نیز اس سے اتحادیوں میں تفرقہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور دشمنوں کی چالبازیوں کو مدد ملے گی۔ اور غیر جانب دار طاقتوں میں غلط فہمی پیدا ہو گی +

پس ہم جو دائمی صلح کے اصولوں پر بحث کر رہے ہیں۔ وہ اور ہی رنگ میں ہے۔ اس میں یہ بحث نہیں۔ کہ برطانیہ کی مادی طاقت کو کس طرح بڑھایا جاوے اور خاص فوائد کس طرح حاصل کئے جاویں گے۔ ہمیں بالکل تسلی ہوگی۔ اگر عالم گیر آزادی اور ترقی کی شرایط کی خاطر خواہ تائید ہو جائے۔ اور سلطنت برطانیہ امن عامہ اور عالمگیر خیرخواہی سے اپنا حصّہ رسدی پالے +

بعض خاص سلطنتوں کی ناجایز بلند پروازیوں کے خلاف عہدناموں کے احترام قایم رکھنے کے لئے کوئی پختہ انتظام ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں رات دن فوجی قوت کو بڑھانے کے خبط سے جو دنیا کا امن عامہ ہر وقت معرض خطر میں ہے اور رعایا پر ناواجب بوجھ پڑ رہا ہے۔ اس سے دنیا کو نجات ملنی چاہئے۔ اور ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ قوانین بین الاقوام کو پختہ کرنے کے لئے کوئی ایسا مؤثر آلہ مہیا کیا جانا چاہئیے جو کہ ان قوانین کو سب طاقتوں سے منوا سکے۔ مذکورہ بالا امور وہ خاص باتیں ہیں۔ جن کو جرمنی نے معرض خطر میں ڈال دیا ہے +

(ماخوذ از ڈیلی کرانیکل)

پادری صاحبان کیلئے حل طلب معمے

۱

کتاب پیدایش باب ۳ آیت ۱۶ لغایت ۱۹ میں حسب ذیل لکھا ہے ۔ (۱۶) اور اس نے عورت سے کہا ۔ کہ میں تیری حمل میں تیری درد کو بہت بڑھاؤنگا ۔ اور درد سے تو لڑکے جنے گی ۔ اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا ۔ اور وہ تجھ پر حکومت کریگا (۱۷) اور آدم سے کہا ۔ اس واسطے کہ تو نے اپنی جورو کی بات سنی اور اس درخت سے کھایا ۔ جسکی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا ۔ کہ اس سے مت کھانا ۔ زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی ۔ اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر اس سے کھائیگا ۔ (۱۸) اور وہ تیرے لئے کانٹے اونٹکٹارے اگاویگی ۔ اور تو کھیت کی نبات کھائیگا (۱۹) تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائیگا ۔ جب تک کہ زمین میں پھر نہ جاوے ؛

عیسائی عقیدہ کے مطابق آدم نے گناہ کیا ۔ اور عیسائی عقاید رکھنے والوں کا اس بات پر یقین ہے ۔ کہ آدم کی لغزش (گناہ) سے ہم سب ملعون ہوئے ہیں ۔ اور جب ہم گنہگار ٹھیرے ہیں ۔ تو مسیح ہمارے لئے آیا اور مرا ۔ خدا نے ہم سے جس وقت کہ ہم دشمن ہیں ۔ اپنے بیٹے کی موت کے سبب میل کیا ۔ ہم اس کے ذریعے غضب سے بچائے گئے ۔ دیکھو رومیوں باب ۵

اب دیکھنا یہ ہے ۔ کہ آیا جو کچھ متذکرہ بالا آیتوں میں لکھا ہے ۔ صحیح ہے ۔ اور کیا نجات واقعات سے ثابت ہوتی ہے ۔ خدا کا حکم تو مسطورہ بالا الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے اور یہ الفاظ ایسے صاف و صریح ہیں ۔ کہ ان کا ظاہری معنوں کے سوا اور کوئی مطلب نہیں نکلتا ۔ ماسوا اس کے ہمارا تجربہ بھی اسکی تصدیق کرتا ہے ۔ جسم اور روح کو برابر سزا دی گئی ہے ۔ اب اگر جسم کو خدا کے غضب سے نجات مل گئی ہو ۔ تو روح

کی نجات پر انسان اعتقاد رکھ سکتا ہے لیکن عورت پر تا حال خدا کا غصہ جاری ہے۔ اس نے درد زہ کی وراثت جو حوا سے پائی ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور آدم کی اولاد کے لئے زمین سے اس وقت تک کانٹے اور اونٹ کٹارے پیدا ہو رہے ہیں۔ اور ہم کھیت کی نبات کھاتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ہمارا اعتقاد کمزور ہے۔ لیکن کیا کل عیسائی مذہب میں ایک آدمی بھی ایسا ہے۔ جو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی نہ کھاتا ہو۔ یا کوئی ایسی عورت ہمیں دکھائی جاسکتی ہے۔ جو باوجود اپنی پارسائی خوش اعتقادات اور عبادات کے باعث درد سے بچہ نہ جنتی ہو۔ پس اس بات سے ثابت ہے۔ کہ وہ فضل جو ایک آدمی یعنی یسوع کے ذریعہ ہوا ۔ وہ سب پر حاوی نہ ہوسکا۔ (رومیون باب ۵ آیت ۱۵) آدم نے گناہ کیا۔ نسل آدم کو سزا ملی۔ مسیح آیا۔ اور اس گناہ کی سزا کا کفارہ ہوا۔ لیکن سزا تو ابھی تک مرد اور عورت بھگت رہے ہیں۔ اگر اس جہان میں سزا سے نجات نہ ملے۔ تو آیندہ کا کیا اعتبار۔ خصوصاً عورتوں کے متعلق جس قدر احکام ہیں۔ وہ ابھی تک جاری ہیں۔ سوا ایک حکم کے اے عورت تیرا شوق خصم کی طرف ہوگا۔ سو اب اس سے بعض یورپین عورتوں نے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے والا باقی احکام برابر جاری ہیں۔ اور ہم کو یسوع کے خون کی حقیقت سے کچھ فایدہ نہیں ہوا۔ نہ سزائے گناہ سے نجات ملی (مسلم انڈیا) ہمیں افسوس سے ہی لکھنا پڑتا ہے۔ کہ مضمون بالا کو مدنظر رکھ کر حقوق طلب مستورات کا معاملہ چنداں امید افزا نہیں۔ کیونکہ خدائی حکم تو یہ ہے۔ کہ مرد عورت پر حکومت کریگا۔ اور اس سے عورت خاوند میں مساوات قایم نہیں رہتی بہتر ہے کہ یہ حقوق طلب عورتیں پہلے ان مقدس احکامات کو جواب دیں۔ اور بعد میں پارلیمنٹ سے آئین کے خلاف لڑائی کریں ﴿

ماخوذ از اسلامک ریویو بابت ماہ مئی ۱۹۱۳ء

بلقیس اور سلیمان

(ایک عالی نژاد خاتون جس نے سلیمان و بلقیس کا قصہ مندرجہ بائیبل کی بنا پر ایک کتاب لکھی تھی - اسکی ہدایت کے لئے یہ مضمون ۱۹۱۳ء میں لکھا گیا . جو اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۳ء میں درج تھا - ہم اپنے ناظرین کی دل چسپی کے لئے اس کا ترجمہ بیان کرتے ہیں - اس میں اس حقیقت کو کھولا گیا ہے . کہ کسی کے معجزات دیکھکر اس کو خدا سمجھ لینا . یا کسی میں کوئی خوبی دیکھکر اس کو اصل مقام سے بڑھانا نادانی ہے ؛

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس

حسب روایت قرآن سبا کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی - مذہباً گو نجوم پرست تھی - حضرت سلیمان کو اس کے جسم کے مقابلہ میں جیسے کہ بعض نادان خیال کرتے ہیں - اسکی روح کی زیادہ پرواہ تھی - آپ نے چاہا کہ آپ ملکہ کو راہ راست پر لائیں - اور اس کوشش میں کامیاب ہوئے - چنانچہ ملکہ اپنے وطن کو واپس گئی تو کل مشرکانہ خیالات سے الگ ہو کر موحد بن کر گئی - یہ تبدیلی ایک نہایت ہی دلچسپ طریق پر واقع ہوئی - حضرت سلیمان اسے یہ یقین دلانا چاہتے تھے - کہ اس نیر اعظم کے پیچھے جسکی خوبصورتی اور بناوٹ کی عمدگی کے آگے وہ سربسجود ہے - قادر مطلق کا ایک زبردست ہاتھ ہے - جو در اصل کام کر رہا ہے - اس غرض کے لئے جناب سلیمان نے ایک بلوری محل تیار کیا - جس کا فرش بھی شیشے سے لگایا - اور صاف و شفاف فرش کے نیچے تیز پانی چھوڑ دیا - ملکہ محل میں آئی - اور داخل ہوتے ہی اس نے فرش کو پانی سمجھا - اور گھبرا گئی - کہ اس سے کس طرح آگے گذرے - تو حضرت سلیمان فی الفور پکار اٹھے - انہ صرح ممرد من قواریر - یہ تو پانی نہیں جس سے آپ ڈرتی ہیں - یہ تو ایک محل ہے - جس کا فرش بلور سے

کیا گیا ہے۔ ملکہ بڑی ذہین تھی۔ اس اشارہ کو سمجھ گئی۔ کہ جس طرح جس چیز کو اس نے پانی سمجھا ہے۔ وہ دراصل پانی نہیں شیشہ ہے۔ اور پانی اس سے الگ ہے۔ اسی طرح اس کا حقیقی معبود سورج نہیں۔ بلکہ وہ طاقت بالا ہے جس کا ہاتھ سورج میں نور افشانی کر رہا ہے۔

کیا ہی خوبصورت اور برجستہ مثال قرآن کریم نے ایک حقیقت کے انشا کے لیئے دی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قرآن کوئی کہانیوں کی کتاب نہیں۔ جیسے کہ بعض مروجہ مقدس کتابیں ہیں۔ اسکی غرض تو بعض حقایق کو مستحقق کرنا ہوتا ہی اور ان کے انکشاف کے لیئے قرآن کریم بعض وقت ہماری آنکھوں کے سامنے صحیفہ قدرت کی کتاب کھول دیتا ہے۔ یا بعض وقت تشریح کے طور بعض مشاہیر کی زندگی کے واقعات لے لیتا ہے۔ عیسائی مذہب کے منادبعض وقت قرآن کریم پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کیوں خدا کی کتاب میں قصص کمل نہیں۔ لیکن ہم انکی نافہمی پر افسوس کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں۔ کہ کتاب اسلام بے فکروں کی دل لگی کے لیئے امیر حمزہ کا قصہ نہیں۔ یہ تو نور وھدایت ہے۔ اور حسب ضرورت بعض حقایق کی تشریح کے لیئے اس کو تاریخ عالم سے بعض واقعات لینے پڑتے ہیں۔ یہاں بھی جیسے کہ اوپر لکھا گیا ہی حضرت سلیمانؑ اور بلقیس کا قصہ بیان کرنے کی غرض نہ تھی۔ اصلی مقصد اس غلطی کو کھولنے کا تھا جس کے ماتحت توہم پرست اور جہالت میں پھنسی ہوئی فطرت عبادت خالق مخلوق کے سپرد کر دیتی ہے۔ یہاں دنیا کو ایک بلوری محل سے تشبیہہ دی گئی ہی جس کا فرش شیشے کا ہی۔ اور اس شفاف فرش کے نیچے ایک تیز لہر پانی کی چل رہی ہی سطح بین آنکھ اس منظر کو دیکھ کر شیشے پر پانی کا دہوکا کھاتی ہے۔ اور اس طرح حقیقت سے الگ ہو جاتی ہے جس میں سے پانی نظر آ رہا ہے۔ اسکو پانی کی جگہ سمجھ لیتی ہے یہی حالت ان نورانی کروں کی ہے۔ جو کائنات میں نظر آ رہے ہیں۔ جیسے سورج۔ چاند۔ دیگر ستارے یہ تو دراصل اس عظیم ہستی کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو ان کے پیچھے کام کر رہی ہے لیکن ناقص عقل انسانی ان کے آگے عبادت اسی طرح دہوکا کھا کر سجدہ کر

دیتی ہے۔ جیسے آنکھ مذکورہ بالا مثال میں شیشے کو پانی سمجھتی ہے۔ وہ ذات پاک جو ان شیشوں میں سے نظر آ رہی ہے۔ وہ ان سے وراء الورا ہے۔ لیکن مشرک فطرت خالق کے کام کو مخلوق کی طرف لگا دیتی ہے +

ملکہ سبا سے کوئی وقت خالی نہیں

لیکن بلقیس یعنی ملکہ سبا جو سلیمان کے وقت پیدا ہوئی۔ اپنی نوعیت کی خاص نہ تھی۔ بنی نوع کی ہر نسل میں بلقیس موجود ہوتی ہے۔ شرک پرستی کی تاریخ میں ہر جگہ بلقیس سامنے آجاتی ہے۔ خواہ ہمارا معبود وسط افریقہ کے باشندوں کی طرح انڈے کا چھلکا ہو۔ یا ابن آدم (یسوع مسیح) ہر جگہ بلقیس سربسجود ہے۔ جو امر اس کے لئے باعث بوالعجبی یا استعجاب ہو۔ یا اسکی حیرت و تعریف کا محرک ہو۔ وہی اس کا خداوند بن جاتا ہے۔ لیکن سلیمان بھی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ بھی ہر زمانہ میں آ کر کسی نہ کسی طرز سے اُس کو سمجھائے جاتا ہے۔ کہ جس چیز کو تو نے خدا سمجھ رکھا ہے۔ وہ تو زبردست ہاتھ کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ اور اسکی قدرت کا ایک معمولی مظہر ہے۔ بلقیس شرمندہ ہو جاتی ہے۔ اور اپنی غلطی کی اصلاح کر لیتی ہے۔ لیکن آنے والا زمانہ پہلے معبود سے بہتر ساخت کی چیز کسی نئی بلقیس کے سامنے لا کر اس کو خدا بنا دیتا ہے۔ شرک پرستی کی تاریخ کو اگر دیکھا جائے۔ تو ہمیں تاریخ کے ہزاروں صفحے پلٹنے پڑھنے ہیں۔ کہ کس طرح سے فطرت انسانی کی یہ بلقیس عناصر پرستی سے بچتی بچتی آخر کار یہ سمجھنے لگی۔ کہ انسان خلاصہ مخلوقات ہے۔ اور تمام مظاہر قدرت اس کے غلام ہیں۔ اس طرح مظاہر قدرت نے اپنی معبودیت کا جامہ آہستہ آہستہ کھو دیا۔ اور بلقیس کی نگاہ میں اس کے گذشتہ زمانہ کے معبود اسکے غلام ہو گئے۔ لیکن کریں تو کیا کریں۔ بلقیس آخر ایک عورت ہے۔ اور وہ خوش ہو نہیں سکتی۔ جب تک کہ اسکی پرستش کے لئے کوئی چیز اس کے محسوسات میں نہ آجائے محبت بھرا دل رکھتی ہے۔ جذبات بھی اس کے نرم ہیں۔ اس لئے جب کوئی انسان کوئی ایسا کام کر بیٹھے۔ جو اس کے نزدیک فوق العادت ہو۔ وہی اس کا معبود ہو جاتا

ہے جیوپیٹر ہرکیولیز۔ رامچندر۔ کرشن۔ عزیز۔ یسوع وغیرہ اس بلقیس زنطرت انسانی) کے اسی وجہ سے وقتاً فوقتاً معبود بنے رہے۔ لیکن سلیمان بھی اس عورت زا کے نقص عقل اور وقتوں سے واقف ہے۔ اسی کی دانائی سے بلقیس کو پتہ چلتا رہتا ہے۔ کہ زمانہ ماضی کی فوق الطاقت باتیں زمانہ حال کے معمولی واقعات ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح آج کے معجزات کل کے واقعات روزانہ ہوجائینگے۔ لیکن مزہ تو یہ ہے۔ کہ یہ بی بی پھر وہی غلطی کر جاتی ہے۔ آخر عورت ہی ہے۔ اور اسکی زنانہ فطرت ہی ان غلط کاریوں کی ذمہ وار ہے۔ ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بلقیس کو اپنی شرک پرستی سے الگ ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

بلقیس کے لئے ایک نصیحت

ملکہ سبا اس زمانہ میں بھی ایک سلیمان موجود ہے۔ تو کیوں اس کے پاس نہیں جاتی۔ وہ اب بھی تجھے دانائی کی باتیں سکھلا سکتا ہے۔ تو کیوں انسانی پرستش کرتی ہے۔ آخر ستاروں کو پوجنا تو نے چھوڑ ہی دیا ہے۔ یہ انسان جسے تو نے خدا بنا رکھا ہے۔ یہ تو تیرے رحم سے ہی نکلا ہے۔ ہاں کچھ معجزات اس سے سرزد ہوئے ہیں اور تو نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ اس کے بعض افعال میں ربانی رنگ ہے۔ لیکن اس سے بیسیوں انسانی کمزوریاں بھی تو سرزد ہوئی ہیں۔ پیاری ملکہ تو اس موقعہ پر یہی کہیگی کہ وہ خدا بھی ہے۔ انسان بھی ہے۔ اس لئے ایک طرف معجزے ہیں ایک طرف غلطیاں تھیں۔ ملکہ یہ نہیں۔ ہم تو صحیفہ قدرت میں یہ باتیں روز دیکھتے ہیں۔ لوہے کو آگ میں ڈال دو۔ تو آگ بن جاتا ہے۔ اس سے روشنی بھی نکلتی ہے۔ اور حرارت بھی۔ اور جو اس قلب ماہیت سے ناواقف ہو وہ اسے آگ سمجھے گا۔ لیکن جب آگ اس سے دور ہوگئی۔ تو وہ وہی سیاہ اور ٹھنڈا لوہا ہے ۔

اسی طرح ہر ایک انسان میں ایک ربانی جوہر ہوتا ہے۔ جو خدا کے توسل سے بعض وقت چمک اٹھتا ہے۔ حالت توسل میں اس میں اخلاق الہیہ بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اسکی زبان خدا کی زبان اس کے کام خدا

کے کام ہو جاتے ہیں۔ سبا کی ملکہ تو ایسے انسان کو اپنا خدا بنا لیکن سلیمان تو ایسا نادان نہیں۔ وہ خوب سمجھتا ہے۔ کہ اس انسان کی زندگی میں ایسے وقفے بہت تھوڑے ہوتے ہیں جس میں وہ خدا سے ایک ہو کر مظہر خدا ہو جایا کرتا ہے۔ اور ایسے وقفوں کے بعد اس میں زیادہ حصہ معمولی فطرت انسانی کا پیدا ہوتا ہے۔ جو نقائض سے خالی نہیں +

ملکہ بلقیس! جس کو تو نے آج خدا بنا رکھا ہے۔ اسکی کمزوریوں کا مقابلہ اس کے ان چند افعال سے کر جس میں ربانی قدرتوں کا ظہور ہوا ہے +

اگر کمزوریوں کی تعداد اسکی زندگی میں بہت بڑھ جائے۔ تو یاد رکھ۔ کہ تیرا خدا ایک لوہا ہے۔ جو کسی وقت آگ میں پڑ کر آگ ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی اصلیت نہیں ملتی

نظم

خدارا۔ قوم من برخیز از مستانہ خواب — تا بہ کے غفلت بہ بین بر بام آمد آفتاب
کن نگاہ! بر افق مغرب رو نمود آثار صبح — حیف باشد گر نہ این ایام بشناسی شتاب
در ملا یک غلغلہ شد نصرتِ اسلام را — غلبۂ توحید می خواہد خود احدیت مآب
آہ! میرستم اگر این وقت ہم از دست رفت — بالیقین بینی بروز چند خسران و تباب
رب عزت۔ قوم دیگر را دہد عز و شرف — گرد ما باور نداری۔ رو بخوان اُمّ الکتاب

له وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

وہ دن کب ہو گا۔ جب مسلمان بھی وقت و اشارہ شناس ہونگے۔ مدت سے ہمیں غفلت کے لحاف لپیٹے ہوئے ہیں۔ وقت پر ذرا سی کوشش سخت سے سخت مصیبت کو ٹال سکتی ہے۔ اور اہم سے اہم فواید کا مالک ایک وقت شناس کو کر سکتی ہے۔ لیکن ہم ہیں جو وقت شناسی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ مواقع ہاتھ سے نکلے جاتے ہیں۔ اور مصیبت اور تکلیف ہمیں چاروں طرف سے گھیر رہی۔ آہ ذاتی اغراض عظیم الشان قومی مفاد کو تباہ کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے مدعیان ہدایت ذاتی اغراض کے لئے عظیم الشان اصولوں کو قربان کر دیتے ہیں +

بےنظیری

ماخوذ از اسلامک ریویو بابت ماہ فروری ۱۹۱۳ء

ہمارا زمانہ ایک بے نظیر زمانہ ہے۔ اور اگر ہم میں بے مثل ہونے کی خواہش پیدا ہو جائے۔ تو کوئی اچنبا بات نہیں۔ زمانہ کا رنگ ہی ایسا ہے۔ بے مثل بننے کی خواہش کرنا ایک مستحسن امر ہے لیکن مشکل یہ آن پڑتی ہے۔ کہ اس شوق میں ہماری سرگرمی بعض اوقات ہمیں جادہ اعتدال سے دور پھینک دیتی ہے۔ اس شوق میں کہ جو ہمارے پاس ہے۔ وہ دوسروں کی نگاہ میں ہماری چیز ہی بے مثل نظر آئے۔ ہماری عقل پر ہمارا جوش غالب آجاتا ہے۔ پھر ہم معمولی عقل عامہ سے کبھی کام نہیں لیتے۔ ہمارا شوق جنون تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم واقعات متحققہ کا غلط اندازہ کر لیتے ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ جو چیز ہم میں نہیں ہوتی۔ اس کے وجود کا گمان کر لیتے ہیں۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ بعض چیزیں ہم میں ایسی ہوتی ہیں۔ جو شاید دوسروں کے پاس نہیں ہوتیں لیکن خواہ وہ قابل رشک ہوں یا نہ ہوں۔ ہم انہیں کے ہونے پر بے مثلی کا دعویٰ کر لیتے ہیں لیکن حبشی کو تو کسی نے یورپ میں بے مثل نہیں سمجھا۔ حالانکہ اپنے رنگ و خط و خال میں وہ اپنی مثال آپ ہی ہے لیکن اس پر کبھی کسی [illegible] رشک نہیں کھایا۔ لہذا حبشی بے مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ✱

ہر ایک چیز کے حالات خاصہ ہوتے ہیں۔ اور جب اسکی خوبیوں کا احتساب ہوگا تو اس کا اس کے نوع ہی میں مقابلہ کیا جائیگا۔ اسکی جنس کے دو یا کئی ہم جنس ہوں گے۔ اور ان ہم جنسوں میں بعض چیزیں مشترک بھی ہونگی۔ ان ہم جنسوں میں سے جو مابہ الامتیاز ہوگا۔ اسی سے اس کا بے مثل ہونا [illegible]

بائیبل کی بےنظیری

بائیبل خدا کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اور اگر اسے دعویٰ بے مثل ہونے کا ہے۔ تو اس کا ایسا دعویٰ بحیثیت کتاب خدا ہونا چاہیئے۔ لیکن حیرتناک بات تو یہ ہے۔ کہ جو کچھ آجتک

اس کے بے مثل ہونے کے دعووں سے دنیا میں پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے آج تک سمجھا ہی نہیں۔ کہ خدا کی کتاب کس رنگ میں بے مثل ہونی چاہیئے۔ مثلاً بائیبل کی بے نظیری کو ثابت کرنے کی دھن میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ کتاب چاروانگ عالم میں پھیلائی گئی ہے۔ یہ دعویٰ بھی درست ہے یا نہیں۔ اور کہاں تک اس کے ثبوت میں واقعات پیش ہو سکتے ہیں ہم اس بات کو بھی جانے دیتے ہیں۔ ہم مان لیتے ہیں۔ کہ بائیبل ایسی ہی کثیر الاشاعت والی ہے لیکن آیا اس کا کثیر اشاعت والی ہونا اس کے کلام خدا ہونے کا کافی ثبوت ہے۔ یہ امر البتہ مغربی علماً کے لئے قابل غور ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امر قابل فیصلہ ہے۔ کہ بائیبل کو جو یورپ نے اس قدر شائع کیا۔ تو آیا اسکی غرض [illegible] کو پھیلانا تھا۔ یا اس کے ذریعہ دنیا میں یورپ نے اپنا اقتدار پھیلانا چاہا۔ لیکن اگر بائیبل کی یہ کثرت اشاعت ہی اسے بطور کلام خدا بے مثل بنا سکتی ہے۔ تو پھر اور مروجہ کتب مقدسہ میں بھی بعض ایسی باتیں ہیں۔ جو دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً رگ وید کو لے لو جس کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ کہ دو کروڑ برس سے پہلے کی لکھی ہوئی کتاب ہے بہرحال یہ قدیم سے قدیم تحریری نسخہ ہے۔ اس میں ایک اور بھی عجیب وغریب خصوصیت ہے۔ جو شاید ہی کسی مقدس کتاب میں نظر آتی ہو۔ یہ قدیم سے ایک ایسی زبان میں چلی آئی ہے۔ جو دنیا میں سب سے پہلے مری تھی۔ پھر اسکی تعلیم ایسے الفاظ میں ہے جو اس کے پڑھنے والوں میں سے اکثروں کو سمجھ ہی نہیں آتے۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے شارحین اسکی تشریحات میں اس قدر ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ کہ دنیا میں ایسا عظیم اختلاف کسی اور مقدس کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ اب ان خصوصیات کی بنیاد پر جو بے نظیر تو ہیں لیکن شاید ہی قابل رشک ہوں۔ کیا وید کے بے مثل ہونے پر زور دیا جا سکتا ہے۔ بیشک خدا اپنے کام اور فعلوں میں بے مثل ہے۔ اور اس کا کلام بھی بے مثل ہونا چاہیئے۔ لیکن ان امور میں جن کے لئے وہ کلام انسان پر نازل ہوا ممکن ہے۔ کہ بائیبل کثیر الاشاعت

ہو لیکن کیا اسکی یہ اشاعت ہماری روحانی ترقی یا نجات کا موجب ہو سکتی ہے۔ کیا اسکی یہ اشاعت اسکی اصلی خوبیوں پر اگر کوئی اس میں ہوں کوئی اثر رکھتی ہے۔

قرآن بے مثل کلام الہی ہے

یوں تو اہل اسلام بھی قرآن کے بے مثل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جو دلایل وہ پیش کرتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ اطمینان بخش اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ان دلایل کو ہم کبھی لکھیں گے۔ یہاں ایک ہی بات لکھی جاتی ہے۔ جو ہمارے نزدیک کسی کتاب کے کلام خدا ہونے کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اگر خدا کی طرف سے کتاب کے آنے کی پہلی غرض یہ ہے۔ کہ خدا سے انسان کا تعلق ہو جائے۔ اور خدا انسان کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ تو پھر اس بات کو جس کو قرآن نے پورا کیا ہے۔ وہ اسی کا حق ہے۔ قرآن خدا کے نام سے ہی شروع ہوتا ہے۔ خدا کے نام پر ہی ختم ہوتا ہے اور اس کا کوئی صفحہ نہیں جس میں خدا کا ذکر نہ ہو۔ اگر الہام خداوندی کی یہ بھی غرض ہے۔ کہ وہ انسان کو صفات الہیہ کا پتہ دے۔ تو قرآن نے یہ کام پہلی ہی آیت میں کر دیا۔ جس کا افتتاحی فقرہ خدا کا ایک عظیم الشان نقشہ اجمالی حالت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اسکے آغاز میں ایسی چند صفات آلہیہ کا ذکر ہے۔ جو دراصل مجموعہ ہے ان ساری خداوندی صفات کا جن کا ذکر اس آخری کتاب کے مختلف حصوں میں پایا جاتا ہے۔ سچ پوچھو۔ تو اس رنگ میں قرآن اپنی آپ ہی مثل ہے۔ توریت کو کھول کر دیکھو۔ اسکی پہلی فصل کسی الہیات کی کتاب کے مقابل کسی علم الارض کی کتاب کے لئے زیادہ موزون ہوتی۔ انجیل نے بھی اس امر میں کچھ بہتر صورت اختیار نہیں کی۔ انجیل کی پہلی دو کتابوں میں پڑھنے والا بجائے اس کے کہ خداوند کے کسی اخلاق سے واقف ہو۔ اس کے سامنے نسب نامے اور پیشگوئیوں کی بحث شروع ہو جاتی ہے۔ لوقا نے اپنی کتاب کو معمولی مصنفوں کے عذر تصنیف سے شروع کیا۔ یوحنا نے اپنی کتاب کے شروع میں اسی پر لے یونانی فلسفہ کو دہرایا ہے۔ جو الگزنڈریا کے مدرسوں میں بشکل کلمہ چلا آ رہا تھا۔ دنیا کو شاید ہی کچھ فایدہ ہوا

ہو۔ اگر انہوں نے "کلہ" کی بجائے ابن کو لکھ دیا۔ زند اوستا کی بھی یہی حالت ہے۔ رگوید نے بھی اگنی کی ستایش میں عناصر پرستی کی بنیاد ڈال دی۔ لیکن خدا کا آخری کلام ہمیں پہلی ہی آیت میں اُس خدا کی بابت کچھ بتاتا ہے جسکی طرف سے نازل ہونے کا یہ دعویٰ کرتا ہے۔ چنانچہ اسکی پہلی آیت ہے۔ الحمد للہ رب العالمین ۝ الرحمن الرحیم ۝ مالک یوم الدین ۝ سب تعریف اس خدا کو جو کل مخلوقات کا مالک اور کل مخلوقات کا پیدا کرنے والا پالنے والا اور قایم رکھنے والا ہے۔ جس کا رحم بشکل رحمانیت ہر ایک شے پر بلا استحقاق حاوی ہے۔ اور جسکی رحیمیت اپنی مخلوق کو ہر ایک فعل کا کئی گنا بدلا دیتی ہے۔ وہی جزا اور سزا کے دن کا صاحب ہے +

کیسا ہی سچا صحیح اور عظیم الشان نقشہ خدا تعالیٰ کا ہے۔ کہ جسکی صحت پر کائنات کا ذرہ ذرہ شہادت دیتا ہے۔ یہ تو پہلی قرآن کی آیت ہے۔ اسی طرح قرآن کریم ایسی ہی ایک موزون آیت پر ختم ہوتا ہے + فرمایا

قل اعوذ برب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ کہ میں پناہ مانگتا ہوں اس خدا کے ساتھ جو انسانوں کے پیدا کرنے والا۔ پالنہار۔ اور قایم رکھنے والا جو ان پر حکمران اور ان کا معبود ہے +

اس بات میں کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آٹھوں پہر خدا رہے۔ قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے اسکی مثل دوسری مقدس کتاب نظر نہیں آتی۔ اس خوبی میں قرآن پھر اپنی آپ نظیر ہے۔ کسی ایڈیشن کا قرآن اٹھا لو۔ اور بالکل لا پروائی سے بلا کچھ ارادہ کئے قرآن کو کھول لو۔ جو صفحہ بھی سامنے آویگا۔ اس میں خدا کا ذکر ضرور ہوگا یہی نہیں بلکہ تین چار سطریں بشکل آپ قرآن میں پڑھیں گے۔ اور خدا کا ذکر خدا کی طرف اشارہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور ہوگا۔ گویا سارے کے سارے قرآن میں اور قریباً اسکی ہر ایک آیت میں خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ بالمقابل دنیا میں ایسی بھی کتابیں موجود ہیں۔ جن کو کروڑ در کروڑ انسان الہامی کتابیں مانتے ہیں۔ مثلاً توریت ہو جس کے اکثر صفحوں کے صفحے پڑھتے جاؤ۔ خدا کی طرف اشارہ تک بھی نہ پاؤ گے جیب

ایسی کتابیں کلام ربانی مانی جاتی ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم کو خدا کی کتاب نہ مانا جاوے

زکوٰۃ و صدقات کا بہترین مصرف

انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم ۝

سورہ توبہ۔ سیپارہ ۱۰ رکوع ۱۳

آیت مندرجہ بالا نے آٹھ طریق اور مصرف بتلائے ہیں۔ جن میں ہر قسم کے صدقات و خیرات خرچ ہونی چاہیئے۔ کاش مسلمان قرآن کے ان احکامات پر چلتے۔ اور اپنی خیرات و صدقات کو خدا کے بتائے ہوئے مصرف میں خرچ کرتے۔ تو آج بہت سے قومی کام ان زرصدقات سے ہی طے ہو جاتے۔ مسلمانوں کی قوم۔ ایثار اور خیرات و صدقات میں اب بھی کسی قوم سے پیچھے نہیں۔ صرف اگر مسلمانوں کی زکوٰۃ ہی باقاعدہ طریق پر جمع ہو کر قومی کاموں کیلئے وقف ہو جاوے۔ تو ہم آئے دن کے چندوں سے مطلقاً فارغ البال ہو جاویں۔ آیت مذکورہ بالا میں سب سے اول فقرا اور مساکین کا ذکر ہے۔ لیکن اس زمانہ میں اسلام سے زیادہ فقر اور مسکینی تو کسی اور چیز پر لاحق نہیں ہو رہی خود اسلام پر بحیثیت مجموعی وہ فقر اور مسکینی ہے۔ کہ اس کے مقابل فرداً فرداً کسی فقیر و مسکین کی تلاش ایک بے ضرورت امر ہے۔ نہ معلوم وہ زمانہ ہم پر کب آویگا جب ہم انفرادی مفاد اور ذاتی ضروریات کو قومی مفاد اور مذہبی ضروریات پر قربان کرنے کا سبق سیکھیں گے۔ مسلمان کاش اس راز کو سمجھیں۔ کہ فرداً فرداً محتاجوں کا تکفل کرنا قوم کو اور اپاہج اور بیکار بنانا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک زکوٰۃ دینے والے کے گردوپیش بعض لوگ واقعی محتاج بھی ہوتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ دینے والے کو ہمیشہ یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ آیا یہ رقم صدقہ و زکوٰۃ کہیں اس محتاج کو اور زیادہ محنت و مزدوری

کرنے سے بے فکر تو نہیں کر رہی۔ اور اس میں گداگری کی عادت تو پیدا نہیں کرتی۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ صاحب زکوٰۃ زیادہ تر قومی فقر اور قومی مسکینی کے دور کر دینے کا فکر کریں ٭

زکوٰۃ کا ¼ حصہ اشاعت اسلام پر خرچ ہونا چاہیئے

زکوٰۃ کی تقسیم مندرجہ آیت بالا میں قرآن کریم نے بالتفصیل آٹھ شاخیں قایم کی ہیں۔ انہیں دو شاخیں یہاں قابل تذکرہ ہیں۔ مولفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ یعنی تبلیغ و اشاعت اسلام اور نئے مسلمانوں کی تالیف قلوب میں زکوٰۃ اور صدقات کا خرچ ہونا۔ کون نہیں جانتا کہ اشاعت و تبلیغ اسلام قریب قریب ہر ایک مسلم پر بطور ایک فرض کفایہ کے ہے پھر کیوں اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کیا اس آیت مذکورہ بالا میں کھلے الفاظ میں ان دو امور کو زکوٰۃ و صدقات کا جائز اور ضروری مصرف نہیں بتلایا گیا۔ پھر کیوں صاحب زکوٰۃ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ چلو وہ جس طرح چاہیں۔ اپنی زکوٰۃ کو صرف کریں لیکن ان کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی رقم زکوٰۃ کا چوتھا حصہ اشاعت اسلام اور نومسلمین کے تالیف قلوب کے لئے الگ کریں۔ جو صاحب زکوٰۃ ہیں۔ اور اپنے مالوں سے ہر سال زکوٰۃ الگ کرتے ہیں۔ اور اس مال میں سے اشاعت اسلام اور مولفۃ القلوب پر کم از کم ¼ نہیں خرچتے وہ دراصل غلطی کرتے ہیں۔ اور قرآنی احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں ٭

اسلامک ریویو کا مفت تقسیم کرانا زکوٰۃ کا ایک عمدہ مصرف ہے

اس وقت انگلستان میں اشاعت اسلام کا کام بفضلہ تعالیٰ نہایت خیر و خوبی سے ہو رہا ہے۔ اس مشن کے نتائج محتاج بیان نہیں۔ نہ اسکی ترقی و کامیابی کسی مبالغہ آمیز تحریر کی محتاج ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ ان دو سالوں کے اندر اسی سے زیادہ سچاں کا دائرہ اسلام میں آجانا۔ ان نومسلموں میں تعلیم یافتہ اور یونیورسٹیوں کے اعلیٰ ڈگری یافتہ بھی ہیں۔ اعلیٰ سوشیل حیثیت کے لوگ بھی ہیں۔ ان میں صاحب قلم بھی ہیں۔ جو تحریر اور تقریر سے ابتغاءً لوجہ اللہ مبلغانہ کام بھی کرتے ہیں۔ یہ سوبات مسلمہ ہیں۔ تازہ خطوط آمدہ انگلستان سے پتہ چلتا ہے کہ خاص مقام ووکنگ میں جو ہمارا مرکز ہے۔ لوگوں میں ہماری طرف سے اجنبیت دور ہوتی جاتی ہیں۔ لوگ ہماری باتیں سنتے اور ہماری آواز پر کان

دھرنے کے مانوس ہو رہے ہیں۔ وہاں ایک خاندان سالم اور ایک تقریباً سالم مسلمان ہو چکا ہے۔ اور کئی خاندان بھی قریب آرہے ہیں۔ آگے فرداً فرداً لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ اب خاندانوں کی باری آئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تھوڑے عرصہ میں ہمیں چند خاندان عطا کردے۔ تو کیا ووکنگ میں ایک عمدہ اسلامی بستی پیدا نہ ہو جاویگی جس کا اثر بحیثیت مجموعی جو ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ میں نے حضرت قبلہ مولوی صدرالدین صاحب کی خدمت میں لکھا ہے۔ کہ وہ اب خاص طور پر آبادی ووکنگ کی طرف متوجہ ہوں۔ میں نے شاید کئی دفعہ تقریر و تحریر میں ذکر کیا ہے۔ کہ انگلستان میں زیادہ تر تصنیف و تحریر ہی کسی امر کی اشاعت کا مفید ذریعہ ہوتی ہے۔ یہی ہمارا تجربہ اشاعت اسلام میں بھی ہے۔ اور اس طریق سے اس وقت تک کامیابی ہوئی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ اسلامک ریویو ہزارہا کاپیوں کی تعداد میں مغربی دنیا میں تقسیم ہو۔ چنانچہ میں نے گذشتہ خط میں ووکنگ لکھ دیا ہے۔ کہ پانچ چھ صد کاپیاں اسلامک ریویو کی صرف ووکنگ میں تقسیم ہوا کریں۔ اگر اہل اسلام میں سے فرداً فرداً ہر ایک متنفس کا فرض ہے۔ کہ اشاعت اسلام میں وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ حصہ لے اور امداد کرے۔ تو پھر گھر بیٹھے ہی ہر ایک بھائی انگلستان میں اشاعت اسلام کا فرض نہایت آسانی سے ادا کر سکتا ہے۔ اگر اپنی زکوٰۃ اپنی خیرات اپنے صدقات ہی سے کچھ حصہ ہمیں دیا جاوے تو ہم ان کی طرف سے رسالہ اسلامک ریویو کو انگلستان یا دیگر بلاد غربیہ میں مفت تقسیم کریں۔ اسکی قیمت اگرچہ سات روپیہ سالانہ ہے +

اسلامک ریویو کی قیمت میں رعایت

لیکن ہم نے یہ تجویز کیا ہے۔ کہ جو شخص اپنی طرف سے یہ ریویو مفت تقسیم کرائے وہ ہمیں پانچ روپیہ سالانہ قیمت رسالہ بھی دے سکتا ہے۔ اگر برادران اسلام کچھ تھوڑی توجہ بھی اس طرف کریں۔ تو کئی ہزار رسالہ مفت تقسیم ہو جانا کون سا مشکل کام ہے۔ اس کے بعد وہ خدا کے فضلوں کے منتظر رہیں۔ اور دیکھیں کہ کس قدر تھوڑے سے عرصہ میں حیرت افزا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ سالے کزنکوست از بہارش پیداست

ہمارے گذشتہ نتائج ہمارے آیندہ نتائج کے ضامن ہو سکتے ہیں +

مولفۃ القلوب اور ہمارا لنگر خانہ

ہمارے انگلستانی نومسلموں میں وہ طبقہ تو نہیں۔ جو مفلس و محتاج ہو۔ یا ہمیں ان کی تالیفت قلوب کے لیئے ان کے مایحتاج کا انتظام کرنا ہو۔ اس امر کی نہ وہاں ضرورت ہے۔ اور نہ اس دروازے کو کھولنا ہمارے لیئے کسی خیر و برکت کا موجب ہوسکتا ہے۔ لیکن صرف کسی کو کلمہ طیبہ پڑھا دینا ہی تعلیم اسلام نہیں ہوسکتا۔ ضرورت ہی کہ یہ نومسلم بھائی کچھ وقت ہمارے پاس رہیں۔ اور اسلام سیکھیں۔ وہ لوگ جو اسلامک ریویو پڑھنا اور امور اسلامی کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے پاس آویں۔ اور کچھ عرصہ مہمان رہ کر اسلام کی خوبیوں سے واقف ہوں۔ اسی غرض سے سلف صالحین کے طریق پر ہم نے ووکنگ میں ایک لنگر خانہ کھول دیا ہے۔ جہاں ہر ہفتہ ایک وقتہ مہمان پچاس نفوس کے لگ بھگ ہو جاتے ہیں۔ یہ طریق از بس مفید ثابت ہُوا ہے۔ اس خلق محمدی کے اندر ایک جادو ہے۔ جو امیر غریب ہر ایک پر یکساں اثر رکھتا ہے فی زمانہ انگلستانی حالات کے ماتحت اور ہماری ضروریات کے لحاظ سے بھی وہ تالیف قلوب ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے۔ کہ زکوٰۃ کا ایک حصہ مولفۃ القلوب کے لیئے الگ کرنا چاہیئے۔ یہ مہینہ رجب شریف کا ہے مسلمان توجہ کریں۔ اور اپنی زکوٰۃ کو قرآن کے ماتحت خرچ کریں۔ جو اس مال زکوٰۃ میں کم از کم ⅛ کو اشاعت اسلام کے متعلق نہیں خرچتے۔ وہ درصل غلطی کرتے ہیں۔ اور قرآنی احکام کو پس پشت کرتے ہیں +

اسلامک ریویو اور ہمارا لنگر خانہ

اس وقت انگلستان میں جو اشاعت اسلام کا کام ہو رہا ہے۔ کیا اس سے زیادہ حقدار اس زکوٰۃ و صدقات کا کوئی اور مشن ہے۔ اگر ہے تو اس کا نام لو۔ پھر کیوں آپ اسکی طرف توجہ نہیں کرتے۔ مغربی ممالک میں اشاعت اسلام کا بہترین طریق تحریر و تصنیف ہے مبلغین اور واعظین کا مختلف جگہوں میں پھرنا چنداں مفید

نہیں۔ بلکہ سہل اور مفید طریق یہ ہے۔ کہ ان ممالک میں اسلامی تحریریں کثرت سے شایع کی جاویں۔ پھر جب ان تحریروں کو پڑھکر متوجہ ہوں۔ تو یہ متلاشیان حق مبلغین کے پاس آویں۔ اور ان کے پاس رہ کر اسلام سیکھیں ؛

خواجہ کمال الدین

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام

دوکنگ مشن کی رپورٹ بابت ماہ مئی ۱۹۱۵ء

الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ الحمدللہ رب العالمین۔ اس پرآشوب زمانہ میں جبکہ دہریت اور فلسفہ و مادیات نے نہایت شاندار اور دلربایانہ انداز میں کل دنیا میں اپنا تباہی خیز دامن پھیلا رکھا ہے۔ جبکہ باطل اپنے پورے زور اور کافی طاقت کے ساتھ حق و صداقت کو کچل دینے میں ساعی ہو۔ ہاں جبکہ دنیا کے تمام مذاہب نے متفقہ طور پر اسلام جیسے نور جہاں تاب کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھا دینے کی کوشش کی۔ اور بہت حد تک وہ اہل دنیا کی نظروں میں کامیاب بھی ہو گئے۔ آج جبکہ مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ کا دردانگیز نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے واللہ متم نورہ کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اپنا نصرت کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ اور الا ان نصر اللہ قریب کا عملی نقشہ ہمیں دکھا رہا ہے۔ آج سے دو یا تین برس پہلے کس کو علم تھا اور کون اس بات کو باور کر سکتا تھا۔ کہ وہ سرزمین انگلستان جو آج دہریت و تثلیث کا مرکز بن رہی ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ کا کامیاب ہونا تو کجا۔ اس پاک دین کی

طرف سے لوگوں کے دلوں میں اس قدر نفرت بیٹھ چکی ہے۔ کہ کوئی اسے خاطر میں لانا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے بعد حضرت مولوی صدرالدین صاحب کے وجود باجود کو ذریعہ اپنی نصرت کا ہاتھ بڑھایا۔ اور ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین کے مطابق ان محسنین حقیقی کو بہت بڑھ چڑھ کر اجر عظیم عطا فرمایا۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ علی ذالک +

یہ مہینہ بھی خدا کے فضل و کرم سے نومسلموں کے اضافہ سے خالی نہ گیا۔ اور محض بتائید و نصرت الہٰی آٹھ مرد و زن مسلمان ہوئے۔ ان میں سے ایک خاتون نے تو صرف اپنی فوتیدگی کے وقت اس بات کی وصیت کی۔ کہ میری لاش اہل مسجد کے سپرد کی جاوے اور وہی نماز جنازہ پڑھیں چنانچہ اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی ہوا۔ گویا وہ مسلمان ہو کر فوت ہوئی۔ اور اس لئے لا تموتن الا و انتم مسلمون کے قرآنی حکم پر اس کا عمل درآمد قابل رشک ہے۔ ایک خاتون برائیٹن کی رہنے والی ہے۔ وہ خود ووکنگ میں حضرت مولوی صدرالدین صاحب سے ملنے آئی۔ اور وہیں اسلام قبول کیا۔ اس کا اسلامی نام نورجہاں رکھا گیا۔ ایسا ہی ان مسلمان ہونے والوں میں ایک خاتون چھیاسٹھ سال کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور بھی لمبی عمر عطا فرمائے۔ اور دین متین کی اشاعت کا شرف بخشے۔ آمین۔ ایک ووکنگ کا رہنے والا خاندان بھی مسلمان ہوا۔ جو دو لڑکیوں۔ ایک لڑکا۔ ایک باپ۔ ایک ماں۔ کل پانچ آدمیوں پر مشتمل ہے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو استقامت عطا فرمائے۔ اپنی نیکی کی راہوں پر قایم کرے اور اور سعید روحیں بھی ان کے ساتھ ملاتے۔ آمین!

اسلامک ریویو کے تازہ نمبر بابت ماہ مئی میں حضرت مولٰنا مولوی صدرالدین صاحب کا ایک دلچسپ مضمون ڈاکٹر منگانا کے جواب میں شایع ہوا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ آیندہ اشاعت میں انشاء اللہ دیا جاوے گا +

اشاعت اسلام کالج لاہور

اسلام کی بیکسی کی اس سے بڑھکر اور کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں اور بہت سے کاموں کا فکر کرنیوالے پیدا ہو گئے لیکن اگر نہیں ملتے تو وہ لوگ نہیں ملتے جو اشاعت اسلام کے مقدس کام کو سرانجام دے سکیں ہندوستان میں مذاہب کا ایک زبردست دنگل قائم ہے اور اس دنگل میں ہر مذہب کے پہلوان اس وسیع جزیرہ نما کے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کام کرتے نظر آتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایسے واعظین جو صرف خدمت دین کیلئے وقف ہوں اور مقابلہ مذاہب میں ہر قسم کے ہتھیاروں سے پوری طور پر مسلح ہوں ابھی تک نادر ہیں اور نہ ہی آیندہ ایسے واعظین کے تیار کرنیکا کوئی سامان نظر آتا ہے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے جس پر درحقیقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال موقوف ہے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ایک اشاعت اسلام کالج لاہور میں کھولا ہے جس میں اسلام کیلئے مبلغین تیار کئے جاتے ہیں اسکو کھلے ہوئے قریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں اور قریباً دس طالب علم اس کے اندر تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے اخراجات کی متکفل بھی انجمن ہے جیسے جیسے اس کالج سے مبلغین تیار ہو کر نکلیں گے مختلف مقامات پر ان کے مرکز مقرر کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام باقاعدہ ہاتھ میں لیا جائیگا علاوہ اس کالج کے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مذاہب غیر کی تردید کیلئے ٹریکٹ اور رسالے بھی تیار کرا رہی ہے۔ اور پانچ چھ نومسلم بھی اس وقت اسکی زیر نگرانی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ٭

ان اخراجات کیلئے ہم جملہ اہل اسلام کو اور بالخصوص ان کو جو اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کیلئے درد رکھتے ہیں توجہ دلاتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مالوں کا ایک حصہ اس راہ میں خرچ کر کے عند اللہ ماجور ہوں عطیوں کے علاوہ بالخصوص زکوٰۃ کے روپے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ اس وقت اشاعت اسلام سے بڑھکر کوئی نیک مقصد نہیں جس پر ایسا روپیہ صرف ہو سکتا ہو۔ روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیجا جاوے ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید جاری ہوتی ہے انجمن ہذا رجسٹرڈ انجمن ہے ٭

نوٹ۔ اشاعت اسلام کی ضروریات پر مفصل بحث اسی نام کے ایک رسالہ میں کی گئی ہے جو دفتر سکرٹری میں درخواست کرنے پر مفت بھیجا جا سکتا ہے ٭

المشتہر:- ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

اُسوۂ حسنہ

الموسوم بہ

زندہ اور کامل نبی

وہ لیکچر جو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڈھ میں خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیفکورٹ پنجاب نے دیا۔ یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی ہے کہ اسکی مانگ ابتک لگاتار جاری ہے چونکہ اس کتاب کی فروخت سے کوئی ذاتی مفاد مدنظر نہیں بلکہ یہی غرض ہے کہ اس تصنیف سے ہر ایک اہل اسلام کو فایدہ پہنچے۔ اسلئے اسکی قیمت نصف کردی گئی ہے۔ پانچ آنے کے ٹکٹ بھیج کر بذریعہ وی پی طلب کریں جس میں ایک آنہ محصول ڈاک ہے ضخامت ۱۳۶ صفحہ اور اعلیٰ درجہ کے ولایتی چکنے کاغذ پر نہایت خوشخط چھپی ہے۔

مینجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ جون ۱۹۱۵ء | نمبر (۶)

فہرست مضامین

ماخوذ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ مئی ۱۹۱۵ء

ریورٹ ووکنگ مشن سرورق کے صفحہ ۳ پر لکھی گئی ہے

ماہ جون ۱۹۱۵ء کو خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام سے احمدیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپا

قیمت سالانہ تین روپے

اشتہار کتب خواجہ صاحب

مسلم پرئیر۔ مصنفہ خواجہ صاحب۔ انگریزی قیمت چار آنے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ (۴ر)
ویسٹرن اوکینگ اسلام۔ مصنفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ۔ انگریزی قیمت (۲ر)
صحیفہ آصفہ۔ تبلیغ بنام حضور نظام حیدر آباد دکن۔ مصنفہ خواجہ صاحب قیمت (۴ر)
بنگال کی دلجوئی۔ انگریزی اردو ہر دو ایک ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت ۔۔۔۔۔۔
مسلم اٹی چیوڈ ٹوارڈ گورنمنٹ۔ انگریزی ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت ۔۔۔۔۔۔
کرشن اوتار۔ محصولڈاک آنے پر مفت پیغام صلح۔ محصولڈاک آنے پر مفت ۔۔۔
مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ۔ اردو انگریزی ہر دو (ا ر) برائے محصولڈاک مفت
اسلامک ریویو و مسلم انڈیا۔ انگریزی ۱۹۱۳ء (۵ر) ۱۹۱۴ء (۸ر)

ملنے کا پتہ :۔ منیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

اخبار پیغام صلح لاہور

وُہ اخبار ہے جو فرنگستان میں اسلامی کوششوں کی صحیح خبریں خواجہ کمال الدین صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کی کامیابیوں کے حالات سناتا اور جنگ یورپ کی تازہ خبریں لیکر ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستان اور دیگر ممالک کے قابل تذکرہ واقعات دلچسپ تنقیدات اور دلکش ادائے بیان کے ساتھ اسلامی جذبات کو متحرک کرنے اور قائم رکھنے کا بیان بحسن وخوبی انجام دیتا ہے۔ اور اپنی دلربا خصوصیات کے لحاظ سے ملک کا بے نظیر اخبار ہے۔ قیمت سالانہ چھ روپے (۶ر) ششماہی تین روپیہ (۳ر) سہ ماہی ایک روپیہ نو آنہ (عہ) ماہوار نو آنہ (۹ر) +

المشتہر منیجر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن
جلد (۱) بابت ماہ جون ۱۹۱۵ء نمبر (۶)

شذرات

انگریزی اسلامی اخوت

کا سلسلہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اِس مہینہ میں بھی کئی لوگ اِس پاک سلسلۂ اخوت میں باقاعدہ داخل ہوئے۔ ان سب کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے دین کے لیے خاص جوش دیا ہے۔ ایک نوجوان لندن کا رہنے والا جس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا ہے انشاء اللہ تعالےٰ ایک نہائیت پرجوش اور سرگرم ممبر ثابت ہوگا۔ برائٹن کی رہنے والی۔ میڈم بلاک اس محبت اور اخلاص کے لیے جو اُنھوں نے مسجد میں تشریف آوری پر اپنے نئے مذہب اور ہم مذہبوں کے لیے دکھایا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اِنکا اسلامی نام نورجہان رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ وُہ اِس نور کو جو اُنھوں نے خود حاصل

کیا ہے۔ اور اِس صداقت کو جس سے وُہ خود بہرہ ور ہوئی ہیں ان لوگوں تک پہنچانے کی پوری کوشش کریں گی جن میں وہ بودو باش رکھتی ہیں۔

اسلام کا یہ سلسلۂ اخوت اِس طرح بھی ترقی کر رہا ہے۔کہ اِس کے ممبر اکثر ووکنگ کی مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور اس طرح اجتماع سے اور باہم تعلق اور رابطہ کے پیدا ہونے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں وُہ مساوات کی روح جو مسجد میں اور امام مسجد کی جائے قیام میں اپنا نمایاں اثر دکھاتی ہے۔ اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے۔ اور خصوصاً اِس مُلک کے رہنے والوں کے لیے بہُت دلکش ہے۔ مسلم اور غیر مسلم سب کو مسجد میں اور دستر خوان پر یکساں محبت سے خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ اِس بارہ میں رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے شیخ رحمت اللہ فاروق کا نمونہ جو بہُت دفعہ مسجد میں آتے ہیں خصوصیت سے ممتاز ہے لارڈ صاحب کی منکسرانہ خوش اخلاقی اور برادرانہ محبت جس کے ساتھ وُہ اپنے سب بھائیوں سے پیش آتے ہیں اور آپ کا ہر ایک کے ساتھ کشادہ پیشانی اور حسن سلوک کے ساتھ ملنا سب دلوں کو آپ کی طرف کھینچتے ہیں اور سب لوگ آپ کے ان اعلےٰ اخلاق کی تعریف اور قدر دانی کرتے ہیں۔

اِس مہینہ میں خصوصیت سے ہمارے فاضل بھائی پروفیسر ہارُون مصطفےٰ الیون پی ایچ ڈی ایل ایل ڈی اور یحییٰ پارکنسن ایف ایس جی۔ ایم بی اے اے کی تشریف آوری قابل ذکر ہے۔ دونوں نے مسجد میں اور لنڈسی ہال لنڈن میں دلچسپ اور فاضلانہ لیکچر دیے۔

اسلامک سوسائٹی کی تحریک پر ہمارے فاضل بھائی پروفیسر ہارون مصطفےٰ الیون نے اسلام میں شراب نوشی کی ممانعت پر لندن میں ایک لیکچر دیا۔ ڈاکٹر پالن اِس لیکچر کے پریزیڈنٹ تھے۔ یہ ایک نہایت فصیح اور عالمانہ لیکچر تھا۔ اور اثنائے لیکچر میں بار بار نعرہ ہائے آفرین بلند ہوتے تھے۔ اسلامی تعلیم کے متعلق اِس لیکچر کے سامعین پر نہائیت عمدہ اثر ہوُا۔ رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے اور آنریبل مرزا عباس علی بیگ ممبر انڈیا کونسل

اور بعض دیگر مقررین نے بحث میں حصہ لیا اور آخر پر پریزیڈنٹ نے ایک فصیح تقریر پر اُسکا خاتمہ کیا۔ اِس تقریر میں اُنھوں نے مذہب اسلام کی بہت تعریف کی۔ اور اصول اسلامی کو بنی نوع انسان کے لیے نہائیت مفید اور بابرکت اصول بیان کیا۔ جن میں ہر قسم کے منشیات سے پرہیز کے ساتھ اخلاقی اور تمدنی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اور کہا کہ یہ وہ مفید اصول ہیں جن کی قبولیت کا میلان اب خود انگریزی قوم اور انگریزی گورنمنٹ میں پیدا ہو گیا ہے۔ اِس لکچر کی مفصل رپورٹ اگلے مہینے شائع ہو گی +

یادِ رفتگان

۱۳- اپریل ۱۹۱۵ء کو منگل کے دِن مسز لوسیئس ہیرس نیو سوتھ گیٹ کے قبرستان میں دفن ہوئیں اور نماز جنازہ مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ نے پڑھائی مسز ہیرس اسلامی خیالات کی پیرو تھیں اور ایک سچی اسلامی زندگی بسر کرتی تھیں۔ اور ایک لمبی اور تکلیف دِہ بیماری میں جس سے وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ اُنھوں نے اعلیٰ درجہ کا صبر اور تسلیم کا نمونہ دکھایا۔ وُہ ایک وفادار بی بی اور ایک محبت کرنے والی ماں تھیں اور اپنی بے نفسی کی وجہ سے بہت ہر دلعزیز تھیں۔ آن کے بہت سے دوست اُن کی جُدائی کے صدمہ کو محسوس کرتے ہیں۔

آن کی تجہیز وتکفین اسلامی طریق پر اُن کی اپنی وصیت کے مطابق کی گئی +

ایل۔ای ہیرس

قرآن کریم کے تین قدیم نسخوں کے اوراق

مرقومہ مولوی صدر الدین صاحب

"تین قدیم قرآنوں کے اوراق" ایک کتاب کا نام ہے۔ جس کو شائع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اور جس کی اشاعت سے پہلے ہی بڑے زور شور سے اُس کی منادی کی گئی تھی جس نے غالباً اُن لوگوں کے درمیان جو قرآن کریم کی حفاظت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک سنسنی سی پیدا کر دی ہوگی۔ اس کتاب کے ترتیب دینے والے پادری الفانسے منگانا ڈی ڈی اور ایگنس سمتھ لیوس ڈی ڈی ہیں +

۱۸۹۵ء میں ڈاکٹر اگنیس لیوس نے سویز کے ایک اشیائے قدیم کے تاجر سے ایک ایسا نسخہ خریدا۔ جس کی پہلی تحریر کو دھو کر اُس پر کوئی دوسری تحریر لکھی گئی تھی۔ یہ پہلی تحریر عربی زبان میں تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس نسخہ کے تمام صفحات پر تین تحریریں ایکدوسرے کے اُوپر لکھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے دو عربی زبان میں ہیں۔ خریدکنندہ فاضل لیڈی کو تھوڑے غور سے یہ پتہ لگا۔ کہ ان میں سے ایک تحریر قرآن کریم ہے۔ اُس نے معلوم کیا کہ بیالیس لفظ اس تحریر میں ایسے ہیں جن کے متعلق اُسے خیال ہؤا۔ کہ وُہ غلط لکھے گئے ہیں۔ مگر چونکہ اسے پہلے سے یہ یقین کامل تھا کہ قرآن کریم کے تمام نسخہ جات بالکل یکساں ہوتے ہیں اس لیے اس نے "ایک دُوسرے کے اوپر لکھی ہوئی تحریروں کی پیچیدگی کے حل کرنے کی طرف" توجہ نہ کی +

مگر خدا نے چاہا یا یوں کہو کہ ایسا اتفاق ہؤا یا قسمت کی بات ہے کہ ایک اور فاضل ڈاکٹر کی نظر جس کی بصارت میں جوانی اور تیزی زیادہ تھی۔ اس نسخہ پر پڑی اور اُس نے معلوم کیا۔ کہ ڈاکٹر اگنیس لیوس نے جو بیالیس نشان غلط ہجا سمجھ کر کیے تھے۔ اُنمیں سے

ایک نشان والا لفظ ایسا ہے کہ اِس کے معنے قرآن کریم کی مستند عبارت میں جو لفظ ہے۔ اِس سے مختلف ہیں اور اِس بات نے اسے تحقیقات کے ایک نئے عالم کا سفر کرنے کے لیے تیار کر دیا اور کولمبس کی رُوح گویا اُس کے اندر حلول کر آئی

اِس نئی تحقیقات کا نتیجہ ڈاکٹر منگانا کی دوست لیڈی کے لیے ایسا ہی تعجب انگیز اور حیرت افزا ثابت ہُوا جیسا کولمبس کی تحقیقات کا نتیجہ دُنیا کے لیے حیرت انگیز ثابت ہُوا تھا۔ تیرہ سو سال سے دُنیا یہ یقین کر رہی تھی کہ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں کسی قسم کا فرق نہیں لیکن ڈاکٹر منگانا کی محنت نے تھوڑی سی ذہانت کے ساتھ بلکہ جس میں افسوس ہے کہ عالمانہ تحقیقات اور تنقید اور دُور اندیشی کا پہلو بالکل مفقود ہے۔ دو عیسائی علم الٰہیات کے فاضلوں کو بالکل مطمئن کر دیا۔ کہ نہ صرف قرآن کریم کے اندر اختلافات ہی ہیں بلکہ کچھ بیشی اور کمی بھی ہے۔

مگر دُنیا کے نزدیک اور بالخصوص اہل اسلام کے سامنے ڈاکٹر منگانا کی اُن بے اصل باتوں کا نام تحقیقات رکھنا خود لفظ تحقیق کی ہتک ہے۔ اور یہ محض ایک خیالی پلاؤ ہے۔ جس نے ڈاکٹر منگانا کے دونوں دوستوں کا تو شاید پیٹ بھر دیا ہو۔ مگر علمی دُنیا میں پادری صاحب کی یہ محنت گو کسی بڑی مقدس غرض کو سامنے رکھ کر کی گئی ہو۔ افسوس ہے کہ محض رائیگان سمجھی جائیگی اور اس کی داد دینے والے سوائے چند پادری صاحبان کے اور کوئی نہ ہونگے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اِس ساری محنت کا نتیجہ نہ صرف کوشش کا ضائع ہونا ہی ہو۔ بلکہ ڈاکٹر منگانا کی اپنی شہرت کے لیے سخت نقصان رساں ثابت ہو۔ اور پادری صاحب کی قوت فیصلہ بے باندانی کی تحقیق اور علمی تحقیقات کو ایسا صدمہ پہنچائے۔ کہ اُن کی سابقہ حاصل شدہ وقعت کو بھی گنوا دے۔ اور مزید برآں دُنیا پر یہ ثابت کر دے۔ کہ مذہبی تعصب اور جنون پادری صاحب کے خیالات پر غالب ہے۔

ڈاکٹر لیوس نے اِس کتاب کو بطور "تحفہ" مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اِس کو مسلمانوں کے لیے تحفہ قرار دینے میں لیڈی ڈاکٹر صاحب پر اس کو ژپشت والی مثال صادق آتی ہے جس سے لوگوں نے دریافت کیا تھا۔ کہ تو یہ چاہتی ہے کہ تو سیدھی ہو جائے۔ یا یہ کہ دُوسری عورتیں بھی کبڑی ہو جائیں تو اُس نے کہا کہ میرا دل تو یہی خوش ہوتا ہے۔ کہ دُوسری بھی کبڑی ہو جائیں

سو بائبل کے اختلافات اور تحریفات کے جواب سے عاجز آ کر اب ڈاکٹر لیوس کو یہ جواب سوجھا ہے۔ کہ مسلمانوں کی کتاب مقدس میں بھی اختلافات دکھائیں اور اس طرح سے اپنا پیچھا چھڑائیں مگر وہ یاد رکھیں کہ دوسروں کو بُرا ثابت کرنے کی کوشش میں اُن کی اپنی جھکی ہوئی پشت سیدھی ثابت نہیں ہو جائے گی۔ باقی رہا یہ امر کہ واقعی یہ مسلمانوں کے لیے تحفہ ہے۔ سو اسقدر محنت اور تکلیف اور اس قدر خرچ اٹھانے کے بغیر اور غالباً ڈاکٹر منگانا کے بار احسان کے نیچے آنیکے بغیر ڈاکٹر لیوس صاحب کا یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ اور بجائے کسی قدیم اشیاء کے تاجر سے چند مسلے ہوئے اور دھلے ہوئے اوراق خریدنے کے۔ وہ بازار سے اُن لاکھوں مطبوعہ نسخوں میں سے جن میں بے احتیاطی کی وجہ سے بہتیری غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ایک نسخہ چند پیسوں میں خرید کر ایسا ہی اعلان دنیا میں کر دیتیں۔ جیسا اب انھوں نے کیا ہے۔ اور مسلمانوں پر یہ احسان جتاتیں کہ یہ اختلافات جو اس نسخہ میں اور صحیح مطبوعہ نسخوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی رائے میں مسلمان قوم کے لئے ایک "برکت" ہے جس سے وہ اب تک محروم رہے ہیں۔ مگر جس برکت سے بائبل کے پیروؤں کو وافر حصہ ملتا رہا ہے۔ سو اگر وہ ایسا کرتیں تو گو یہ امر عاقلوں کے نزدیک مسخرہ پن سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ مگر اُن کی موجودہ کوشش اور اعلان میں اور اس اعلان میں کوئی مابہ الامتیاز محققین کے نزدیک نہیں ہے۔ کاش کہ ڈاکٹر منگانا یا اُن کی دوست لیڈی صاحبہ دنیا میں اس قدر شور مچانے سے پہلے اس بات پر غور کرتے۔ کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا۔ کہ وہ متفرق اوراق جن کے متعلق یقین سے چھوڑ کر ظن غالب سے بھی یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ کس مُلک میں لکھے گئے اور کس زمانہ میں کس شخص نے اُن کو لکھا۔ کس نے اُن کے صحیح ہونے کی تصدیق کی۔ کس کے پاس وہ حفاظت سے رہے اور کس طرح اُنمیں تغیر و تبدل کا راہ پانا ناممکن تھا۔ ان اوراق کو جو مسلسل بھی نہیں بلکہ چند ٹکڑے ہیں۔ جن پر سے قرآن کریم کے اصل الفاظ کو دھو کر ان پر ایک نہیں بلکہ دو نئی تحریریں لکھی گئی ہیں۔ یہ وقعت کہاں سے حاصل ہو گئی۔ کہ اُن کی بناء پر مصدقہ اور مسلمہ نسخوں کو غلط کہہ دیا جائے۔ مگر تعصب کا ستیاناس ہو یہ انسان کی آنکھ پر ایسی پٹی باندھ دیتا ہے۔ کہ وہ دیکھتا ہوا نہیں دیکھتا۔ اور تحقیقات کا مدعی بن کر ایسی بیہودہ گوئی کر بیٹھتا ہے جو عقلمندوں کے نزدیک اسے ذلیل کر دیتی ہے۔

کیا یہ خیالی پلاؤ نہیں کہ اس قسم کے چند اوراق کو لے کر اُن کی بناء پر ایک تیرہ سو برس کے یقینی اور مسلمہ مسئلہ کو اور تیرہ سو برس کے ساری دُنیا کے قرآنوں کو جن میں ایک حرف نہیں بلکہ ایک زیر زبر کا بھی فرق نہیں غلط ٹھہرایا جائے۔ یہ کسی عقلمند محقق کا کام نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کا کام ہے جس کو مذہبی تعصب نے اپنی عقل سے کام لینے کے قابل نہ رکھا ہو۔

پادری منگانا نے بیشک بہت محنت اٹھائی ہے۔ یعنی اوّل تو دُھلے ہوئے عربی الفاظ کو ایک نسخہ کی دو جیھر زبان کی تحریروں کے نیچے سے پڑھنا جس کو خود پادری صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ ایک بڑا مشکل کام ہے۔ پھر اس محنت کے علاوہ انھوں نے ایک تمہید لکھنے میں محنت شاقہ اُٹھائی ہے۔ یہ ۲۲ صفحوں کی تمہید گو بہت محنت سے لکھی گئی ہے مگر اس کا اکثر حصّہ اصل مضمون زیر بحث سے بالکل غیر متعلق اور زیادہ تر اپنی علمیت کی نمود کے لیے لکھا گیا ہے۔ اس تمہید میں اپنے اصل مضمون کو چھوڑ کر پادری صاحب نے اسلام اور قرآن کریم کے خلاف وہی چند اعتراض بھرتی کر دیے ہیں جو اکثر پیش ہو چکے ہیں۔ اور جن کا بار بار جواب دیا جا چکا ہے۔ اور اسی "فیاضی" اور "دشمنوں سے محبت" کا ثبوت دیا ہے جو اُن کے ہم مذہب ہمیشہ اسلام اور بانئے اسلام کے متعلق دیتے چلے آئے ہیں۔ جن کے نزدیک ایک مقدّس بلکہ سب مقدّسوں کے سردار پر گالیوں کا طومار باندھنا ہی عیسائی دین کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبت اور رحم مجسّم تھے۔ آپ نے عملاً دوستوں اور دشمنوں سے وُہ محبت اور رحم کا برتاؤ کر کے دکھایا جس کی نظیر دُنیا پیش کرنے سے عاجز ہے اور ہمیشہ عاجز رہے گی چھوٹے بچے آپ سے اور آپ چھوٹے بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ کمزور اور غریبوں کے آپ جائے پناہ تھے انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتعین علیٰ نوائب الحق آپ کے سب سے زیادہ رازدار کی شہادت ہے۔ دوسروں کو سلام کہنے میں آپ ہمیشہ سبقت کرتے تھے رحمۃ للعٰلمین اگر خدا نے آپ کا نام رکھا تو ملک اس سے پہلے آپ کے الامین ہونے پر متفق ہو چکا تھا۔ اور اس سارے ملک کے اندر ایک ہی انسان تھا۔ نہیں بلکہ ساری دُنیا کے اندر ایک ہی انسان ہے۔ جس کو خود دُنیا الامین پکارنے پر مجبور ہوئی ہو۔ ہاں آپ کا وُہ محبت بھرا

نام اب بھی چالیس کروڑ مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسا محبت کا ولولہ پیدا کرتا ہے جو خدا کے سوائے کسی دوسرے نام پر پیدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ ظالم پادری کس قدر دلیری سے تقدس کے دعویٰ کے ساتھ لکھتا ہے کہ "آج بیسویں صدی میں بھی تاریخ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے بڑھکر مہیب نام پیش نہیں کر سکتی"۔ کاش یہ دل کا اندھا محمدؐ کے معنوں پر ہی غور کرتا۔ کہ یہ نام خونخواری کی ہیبت کو ظاہر کرنے والا نہیں بلکہ محبوبیت کو ظاہر کرنیوالا ہے۔ ہاں پادری صاحب کے اس ناپاک جھوٹ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ کن خیالات کو دل میں لے کر اس نے یہ کتاب لکھی ہے جسکو دنیا میں ایک علمی تحقیقات کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ کیا ایسا انسان بھی علمی تحقیقات کر سکتا ہے جس کا دل غضب سے بھرا ہوا ہو اور جس کی آنکھیں تعصب سے اندھی ہو رہی ہوں۔

مگر اس کتاب پر میں اپنی بحث کو ڈاکٹر منگانا کے رنگ میں رنگین کر کے بے وقعت کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ زباندانی اور تاریخ کے پہلوؤں سے جو اس کی قدر و قیمت ہے اس پر غور کروں گا اس لیے میں ان تمام بے تعلق امور کو جن کا ذکر ڈاکٹر منگانا نے اپنی تمہید میں کیا ہے بالکل ترک کر کے اصل معاملہ پر غور کروں گا۔ اور اصل امر تنقیح طلب پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرونگا کہ آیا ڈاکٹر منگانا اور اس کی لیڈی دوستوں کی تحقیقات سے قرآن کریم کی مسلمہ حفاظت پر کوئی جرح عائد ہوتی ہے ؟

اس تحقیق میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصل نسخہ کی دُھلی ہوئی عربی عبارت کب لکھی گئی۔ ڈاکٹر اگنس لیوس کہتی ہیں کہ امکان یہ ہے کہ حضرت عثمان کے نسخہ سے پہلے کی یہ عبارت ہے۔ پادری منگانا اپنی لیڈی دوست سے زیادہ محتاط ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"ہم اس امر کو قدیم نسخہ جات پڑھنے کے ماہرین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ان مختلف مسودات کی اصل تاریخ کی تعیین اور تحقیق کریں ... کیا یہ ممکن ہوگا۔ کہ ان نسخوں کے بعض حصوں کو اس وقت سے پہلے کی طرف منسوب کیا جائے۔ جبکہ قرآن کریم کی سرکاری طور پر ایک مستند عبارت مقرر ہو گئی ؟ یا اگر ایسا نہیں تو کیا یہ نسخے بعض قدیم نسخوں کے ٹکڑوں کی جو عثمانؓ کی ایذارساں سرگرمی سے بچ گئے ہوں نقلیں ہیں ؟۔ ان سوالات کا صحیح جواب مثبت یا منفی ہماری طرف سے قبل از وقت ہوگا۔"

پس جب اصل نسخہ جات کی تاریخ کے متعلق ہی کوئی اطمینان نہیں اور ہم یہ کہہ نہیں سکتے کہ کس زمانہ میں یہ تحریریں لکھی گئیں تو قدیم تحریروں کی تحقیق کے اصول سے اُن کی قدر وقیمت کیا باقی رہجاتی ہے ؟ کیوں کہ کسی قدیم تحریر سے کوئی نتیجہ نکالنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں اُس کی تاریخ کا علم ہونا چاہیئے۔ اور یہ ایمانداری نہیں کہ تاریخ کے سوال کو حل کرنے سے پہلے ہی اتنے بڑے نتائج ان نسخہ جات سے نکال کر دُنیا کے سامنے اُن کو علمی تحقیقات کے رنگ میں پیش کیا جائے۔ مگر تاریخ کے سوال کو قطعًا نظر انداز کر دینا خود بتاتا ہے۔ کہ کس لئے اِس سوال پر غور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اگر اِن نسخہ جات کی تاریخ ٹھیک طور پر معلوم کی جاتی تو وہ نتائج جو اِن فاضل ڈاکٹروں نے دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں خود ایک تاریخ کے فیصلہ سے ہی ملیا میٹ ہو جاتے۔ تو چونکہ ان پادری صاحبان کی اصل غرض محض قرآن کریم کے خلاف ایک بات کو شہرت دینا تھا۔ اس لیے اُنھوں نے تحقیق کا رنگ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ایک خیالی بُنیاد پر ایک وہمی عمارت قائم کر کے دُنیا میں اُس کو شہرت دی ہے پس سب سے پہلے ایک اس سوال سے ان "قدیم قرآنوں کے اوراق" کی شہادت کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وُہ کہاں تک مسلّمہ اور مستند نسخوں کی تردید کے لیے یا اُن کو غلط ٹھیرانے کے لیے کافی ہے۔

یہ تو بالکل ناممکن ہے کہ کسی مسلمان نے قرآن کریم کے اوراق کسی غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کیئے ہوں۔ کیوں کہ اِن مقدس اوراق کو کسی کافر کے ناپاک ہاتھوں میں دینے کی کبھی کوئی مُسلمان جرأت نہ کر سکتا تھا۔ خود پادری منگانا نے بھی قرآن کریم کی اُس آئیت کو جس کے رُو سے کافر کے ناپاک ہاتھ اِس مقدس کتاب کو چھُو نہیں سکتے پیش کیا ہے۔ یعنی لا یمسہ الا المطھرون پس یہ خیال کرنا کہ کسی مسلمان یا مسلمانوں نے یہ اوراق کسی عیسائی کے ہاتھ فروخت کیے ہوں۔ بالکل دور از قیاس بات ہے۔ اسی طرح پر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت عثمان کے ہاتھ سے بچے ہوئے یہ نسخہ جات ہوں۔ کیوں کہ اس وقت مقامات مقدسہ میں کوئی غیر مسلم باقی نہ رہا تھا۔ اور یہ بعید از قیاس ہے کہ کسی مسلمان نے قرآن کے چند اوراق کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے کوئی دور دراز سفر اختیار کیا ہو۔ اگر یہ بھی خیال کیا جائے۔ کہ کوئی ایسا مُسلمان ہوگا جس نے اپنے نسخہ کو بہت قیمتی سمجھ کر حضرت عثمان کے ہاتھ سے بچانے کی کوشش کی ہو۔ تاہم یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آسکتی کہ ایسے قیمتی نسخہ کو کسی کافر کے ہاتھ

کوئی مسلمان فروخت کر گیا ہو۔ غرضکہ یہ دونوں خیال جو ڈاکٹر منگانا نے پیش کیے ہیں۔ بالکل وہمی باتیں ہیں ÷

پس ان اوراق کے متعلق صرف ایک ہی خیال درست ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت عثمان کے بعد کسی مسلمان نے اپنے حافظہ سے یہ اوراق لکھے ہوں اور ان کے لکھنے میں اس سے کچھ غلطیاں ہو گئی ہوں اور اسی وجہ سے یعنی اس تحریر کا کسی مستند نسخہ سے مقابلہ نہ ہونے کی وجہ سے چمڑے کو دھو دیا گیا ہو۔ یا جہاد میں یا سفر میں کسی طرح پر یہ اوراق گم ہو گئے ہوں۔ یا کسی عیسائی نے چرا لیئے ہوں اور انھیں دھو کر ان پر دوسری زبان کی عبارت لکھ لی ہو لیکن اگر یہ بھی فرض محال کے طور پر مان لیا جائے۔ کہ حضرت عثمان سے قبل کے یہ اوراق ہیں تو ان کی صحت کا ثبوت کیا ہے اور کون سی وہ دلائل ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مستند نسخہ قابل اعتبار نہیں اور غلط ہے اور یہ اوراق صحیح اور قابل اعتبار ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی لکھنے والے سے تحریر میں یا ہجا کرنے میں بعض غلطیاں ہو گئی ہوں۔ چند متفرق اوراق جنکے نہ لکھنے والا کا پتہ ہے۔ نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کب لکھے گئے۔ نہ ان کی صحت پر کوئی شہادت ہے اُن کو اس قدر وقعت نہیں دی جا سکتی کہ اس نسخہ کو وہ بے اعتبار ٹھیرائیں جس کی تیاری میں ہر ایک ممکن کوشش جو انسان کے حیطۂ قدرت میں ہے کی گئی اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے خلفائ نے۔ صحابہ نے اور سب مسلمانوں نے ہر طرح سے ممکن طور پر اسکی حفاظت کا سامان کیا۔ ایک آیت قرآن کریم کی جب ایک دفعہ نازل ہو جائے تو پھر کوئی شخص اسے تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے اندر کوئی تبدیلی نہ کر سکتے تھے۔ کیوں کہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کا کلام تھا۔ پھر یہ کلام نہ صرف چمڑے یا دیگر اشیا پر ہی لکھ لیا جاتا تھا۔ بلکہ سینکڑوں مسلمانوں کے حافظوں میں فی الفور محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی روزمرہ نمازوں میں قرآن کا اکثر حصہ بار بار دہرایا جاتا تھا۔ اور رمضان کے مہینہ میں آج تک سارا قرآن جماعت کے اندر سنایا جاتا ہے جس کو نماز تراویح کہتے ہیں۔ غلطیاں نسخوں کے اندر ہو جاتی ہیں۔ ہزارہا مطبوعہ کاپیاں کتابوں کی ایسی موجود ہیں۔ جن میں غلطیاں رہ گئی ہیں یا راہ پا گئی ہیں۔

مگر کسی عقلمند نے آج تک یہ نہیں کہا۔ کہ یہ ان کتابوں کے اصل نسخوں میں اختلاف ہے۔ خود قرآن کریم کے مطبوعہ نسخے ایسے ملیں گے جن میں کوئی نہ کوئی غلطی ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا۔ کہ یہ اختلافات قرآنی ہیں۔ اصل تو بہرحال ایسا محفوظ ہے کہ اس کی طرح دُنیا کی اور کوئی کتاب محفوظ نہیں یہاں تک کہ اگر آج تمام کتابوں کے تحریری نسخے کسی طرح دُنیا سے مفقود ہو جائیں تو دُنیا میں قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب رہ جائے گی جو بلا تغیر و تبدل ایک حرف اور حرکت کے ویسی کی ویسی حافظوں میں محفوظ ہوگی۔ پھر اگر بعض قلمی نسخوں میں کوئی اختلاف ہے تو کیوں اُس کو اس قسم کی غلطی پر محمول نہ کیا جائے۔ بلکہ دُنیا میں یہ منادی کی جائے۔ کہ یہ اختلافی نسخہ جات ہیں۔ اور ان اوراق کا جو پیش کئے گئے ہیں اصل نسخہ قرآنی سے اختلاف بالکل بے حقیقت ہے اور زباندانی کے ماہر ایسے اختلاف پر کوئی توجہ بھی نہیں کریں گے

پادری منگانا نے اِن اختلافات کو جن کو معلوم کرنے کے وُہ مدعی ہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول وہ اختلافات جو قرآن کریم کے مستند نسخہ سے لفظی اختلاف کی صورت رکھتے ہیں یعنی ایک لفظ کی بجائے دُوسرا لفظ ہے اور درحقیقت اختلاف کا مفہوم صرف اسی صورت میں پورے طور پر صادق آتا ہے۔ دُوسرے وُہ اختلاف جن میں ایک لفظ کے ایک یا دو حرفوں کا اختلاف ہے۔ اُن میں سے مؤخر الذکر کو خود پادری منگانا بڑی وقعت نہیں دیتے۔ وہ سب کے سب یا ہجا کی غلطیاں ہیں۔ یا جیسا کہ ڈاکٹر منگانا کہتا ہے ہجا کی پُرانی طرزیں ہیں اور اُن سے معنوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اِس کی چند مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں۔ اللہ اور واللہ۔ افلا اور اولا۔ ضلال اور ضل۔ واعرض اور واعرضن۔ اولیک اور اولائک وغیرہ پادری منگانا اِس بات کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ اصل نسخہ میں بعض الفاظ کے ہجا کرنے کی خاص طرز اختیار کی گئی ہے مثلاً شیئ کی جگہ شای۔ قرآن کی جگہ قرن۔ ینالوا کی جگہ ینللوا۔ اذانا کی جگہ اذنا۔ یوحی کی جگہ یوحا۔ اما کی جگہ ان ما۔ علم کی جگہ عیلم۔ مگر پھر تعجب ہے کہ اُنہی الفاظ میں سے بعض الفاظ جن کو ایک جگہ ہجا کرنے کی علیحدہ طرز بتایا گیا ہے دُوسری جگہ اُن کو اختلافات کی فہرست کی دُوسری قسم میں رکھا ہے۔ مثلاً ضلال اور ضل۔ خبتوا اور خبتوا۔ لا یھدی القوم اور لا یھد القوم۔ اانا اور انا۔ اراکم اور

اریکم - اثیم اور اثم - بلی اور بل - واذا اور واذ - بارکنا حوله اور برکنا حوله وغیرہ ان میں سے آخری اختلاف جو ظاہر کیا گیا ہے - قرآن کریم کے اکثر نسخوں میں یہ لفظ برکنا ہی لکھا جاتا ہے - مگر علم عربی کے جاننے والے جانتے ہیں کہ بارکنا اور برکنا میں کوئی فرق نہیں ہے - ایک ہی لفظ ہے - ایک ہی طرح پڑھا جاتا ہے - ایک ہی معنے ہیں - صرف رسم الخط کا ذرا سا فرق ہے -

اب ہم پہلے حصہ اختلافات کو لیتے ہیں جن پر بہت زور دیا گیا ہے - یہ تمام اختلاف تعداد میں صرف چار ہیں - اور وُہ اوراق جو پیش کیے گئے ہیں - اُن کے متعلق خود ڈاکٹر منگانا کہتے ہیں کہ وُہ تین مختلف نسخوں کے متفرق اوراق ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر نسخہ میں قریباً ایک ہی فرضی اختلاف ہے - ہم نہیں سمجھتے کہ ایسی ہلکی بات کو ہاتھ میں لے کر قرآن کریم کی مسلمہ حفاظت پر کس طرح حملہ کیا جا سکتا ہے - لیکن ذرا غور کی نظر سے اگر ہم دیکھیں تو یہ اختلاف بھی جو بجائے خود کچھ وقعت نہیں رکھتے - موہوم ثابت ہوتے ہیں -

مثلاً سب سے پہلے اختلاف کو لو - کہا جاتا ہے کہ ان اوراق میں بجائے لفظ الله کے اللك یا اللکم ہے - لیکن یہ لفظ حروف کا ایک بے معنی مجموعہ ہے - فاضل ڈاکٹر کو خود یہ مشکل پیش آئی ہے - پھر وہ لکھتا ہے کہ "اگر لفظ اللك یا اللکم کے معنے ضرب یا مُکا یا مُکا مارنے کے نہ ہوں تو یہ ایک بے معنی لفظ ہے۔" درحقیقت عربی زبان میں کوئی لفظ اللك یا اللکم نہیں ہے - علاوہ ازیں خود ہی ڈاکٹر منگانا نے یہ بھی لکھا ہے - کہ یہ لفظ اُن لفظوں میں سے ایک ہے جو اصل نسخہ میں صفائی کے ساتھ نہیں پڑھے جاتے - اور اس لیے اصل نسخہ کی عبارت میں جو اس کی کتاب کے صفحہ ۷۰ پر ہے - اور فولیو ۱۵ - اے کے نیچے ہے - اس نے خود اس لفظ کو اِس طرح پر لکھا ہے - الد دکم ؟ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لفظ الله کا پہلا حصہ صاف پڑھا جاتا ہے - اور دوسرا جس کو خواہ مخواہ پادری صاحب نے کم بنانے کی کوشش کی ہے صاف نہیں پڑھا جاتا اور اسی لیے خود ڈاکٹر مذکور نے اُس کے آگے استفہام کی علامت دیکر یہ بتایا ہے کہ یہ یقینی نہیں ہے - مگر باوجود اس کے قرآن شریف میں اختلاف ثابت کرنے کا شوق پادری صاحب کو اس قدر دامنگیر تھا - کہ اس لفظ کو بھی جسے وہ صحیح طور پر پڑھ نہیں سکے اختلافات

کی فہرست میں درج کردیا ہے۔ اور پھر اپنی طرف سے ایک لفظ قرار دے کر اسے ایسے معنے دیئے ہیں جو اسی شکل کے لفظ کے معنے ہیں۔

پھر حالانکہ اس فرضی اختلاف کی جو لفظ اللہ سے دکھایا گیا ہے ایک سیدھی توجیہ موجود بھی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ درحقیقت یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر ڈاکٹر منگانا ایسی توجیہ کی طرف کیوں توجہ کرتے۔ جب اُن کی اصل غرض ہی صرف اس قدر تھی۔ کہ قرآن کریم میں کوئی اختلاف مل جائے۔ سو اُن کے لیے ایک بہانہ بھی کافی ہوگیا۔ لفظ اللہ عربی زبان میں دو طرح پر لکھا جاتا ہے۔ ایک تو اللہ اور دوسرے الله اب اس دُوسری صورت میں اگر آخری شوشہ ذرا لمبا ہو جائے تو وہی لفظ اللک معلوم ہوتا ہے۔ اور بجائے ہ کے جبکا شوشہ چھوٹا چاہیئے بڑا شوشہ ہو جانے سے وہ حرف ک سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ پس ک کے اوپر کی کشش کی پرواہ نہ کرکے ڈاکٹر منگانا نے ہ کے لمبے شوشہ کو ک بنالیا اور لفظ اللہ کو اللک یا اللکم بنا کر اُس کے ایک معنے بھی تجویز کرلیئے۔ پادری صاحب نے اس میں ذہانت تو خوب دکھائی ہے۔ مگر ایک محقق کے نزدیک یہ ذہانت جس میں بدنیتی سے کچھ کا کچھ بنانے کا خیال ہو قابل نفرین ہے کس قدر سیدھی بات تھی کہ جب اصل عربی الفاظ کو پہلے اس چمڑے پر سے دھویا گیا اور ایک پتھر سے رگڑ کر دھویا گیا۔ پھر اس دُھلے ہوئے چمڑے پر ایک غیر زبان کی عبارت لکھی گئی۔ پھر دوسری عبارت لکھی گئی جن کے نیچے اصل بالکل مشتبہ ہوگیا۔ اور اس خاص لفظ کی صُورت میں وہ اشتباہ صاف طور پر نظر بھی آتا ہے۔ پھر جب ان حالات میں لفظ بھی بے معنے بنتا تھا۔ توکیا پادری صاحب کا فرض نہ تھا۔ کہ تھوڑی سی عقل کو کام میں لاکر سمجھ لیتے۔ کہ یہ کوئی الگ لفظ نہیں۔ بلکہ لفظ اللہ کی ہ کا شوشہ ہی بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ پس ایک نہائت خفیف نظر کے دھوکے نے جسے تعصب کی عینک نے کچھ اور کا اور رنگ دیدیا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں ایک اختلاف بنادیا گیا ممکن نہ تھا۔ کہ یہ شوشہ لکھنے والے کے قلم کی غلطی سے بڑھ گیا ہو۔ یا پتھر سے دھونے میں سبباہی ذراسی پھیل گئی ہو۔ یا اوپر دُوسری عبارت کے لکھنے سے شوشہ کا پھیلاؤ ذرا زیادہ ہو گیا ہو۔ اور پھر جب صاف طور پر پادری صاحب اِس کو پڑھ بھی نہیں سکے تو سوائے اِسکے کیا کہا جائے۔ کہ محض بے ایمانی سے دُنیا کو دھوکے دینے کے لیے پادری صاحب نے یہ کارروائی

کی ہے۔ ورنہ ایک محقق تعصب سے خالی ہو کر ایسی ٹھوکر کبھی نہ کھا سکتا تھا۔

اب پادری منگانا کے دوسرے اختلاف کو ہم لیتے ہیں۔ یہ اختلاف حسب ذیل ہے :۔

اصل لفظ	مسودہ منگانا
ننتایا	ھکما

اب ادنے غور سے بھی معلوم ہوگا۔ کہ دونوں لفظ لکھنے میں غائت درجہ کی مشابہت آپس میں رکھتے ہیں۔ اور مسودہ میں جو لفظ ہے وہ اصل لفظ کے نقطوں کی سیاہی پھیل کر بن گیا ہے۔ ننند کے تینوں نقطوں کی سیاہی اگر تھوڑی سی پھیل کر اسی حرف کی کششوں کے ساتھ مل جائے تو بجائے ننند کے ھ بن جاتی ہے جو ھ کے ساتھ بالکل مشابہ ہے اور جب ان تمام امور کو مدنظر رکھا جائے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ کہ اوّل لکھنے والے سے ممکن ہے کہ سیاہی پھیل گئی ہو۔ پھر پتھر سے حروف کے صاف کرنے میں ممکن ہے۔ بلکہ قرین قیاس ہے کہ سیاہی پھیل کر نقطوں کی سیاہی کششوں کے ساتھ جا ملی ہو۔ پھر اس کے بعد دو اور عبارتوں کا لکھے جانا۔ غرض یہ سب امور صاف طور پر اس امر کے موید ہیں۔ کہ بجائے ننند کے ھ محض اس طرح بن گئی ہے۔ کہ نقطوں کی سیاہی پھیل کر نش کی کششوں کے ساتھ مل گئی اور اس طرح پر اصل حرف مشتبہ ہو کر ایک دوسرے حرف سے مل گیا۔ پھر ننتایا میں جو الف کا اوپر کا شوشہ تھا اس نے ی کے دندانہ سے مل کر ٹ کی صورت اختیار کر لی۔ اور ی کے دو نیچے کے نقطے اس کے دندانہ سے مل کر م (میم) سے مشابہ ہو گئے۔ اور اس طرح پر مختلف تصرفات کے نیچے لفظ شنیتا ھکما بن گیا۔ ورنہ ھکما کا لفظ اس عبارت میں بالکل بے معنی ہے۔ اور صرف یہی بات اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ کہ اصل لفظ ھکما نہیں بلکہ شنیتا ہی ہے۔

یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ اصل مسودات کی فاضل مالکہ نے عارضی طور پر ان نسخوں کو اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اور اس لیے کوئی منتقد اب اصل نسخہ جات کو دیکھ نہیں سکتا۔ جب سارے معاملہ کا دارومدار ہی طرز تحریر اور حروف کی شکلوں پر ہے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ اس پر بحث کرنے کے لیے اصل کو سامنے رکھا جائے۔ یا کم از کم اس کا فوٹو ہی موجود ہو۔ مگر افسوس ہے

کہ ان دونوں صورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اب کوئی شخص اس قابل نہیں کہ جو کچھ ڈاکٹر منگانا نے پڑھا ہے یا جس طرح پر ان حروف کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس پر کوئی رائے دے سکے۔ ہاں ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا تبدیل شدہ ہیئت میں سیاق وسباق کو مد نظر رکھ کر صحیح معنے بھی بن سکتے ہیں یا نہیں۔ ڈاکٹر منگانا نے صرف آیت کا ایک حصہ دیا ہے۔ اصل الفاظ قرآنی یوں ہیں۔ انهم لن يغنوا عنك من الله شيئا جس کے معنے ڈاکٹر منگانا نے یوں کیے ہیں کہ "وہ کسی بات میں تیرے لیے اللہ کی جگہ نہیں لے سکتے" اور پھر قدیم نسخہ کی عبارت کو جس طرح ڈاکٹر منگانا نے پڑھا ہے۔ انهم لن يغنوا من اللكم هكما اس کے معنے پادری صاحب نے یوں کیے ہیں کہ "تمسخر کرتے ہوئے وہ تیرے لیے ایک ضرب (یعنی چوٹ) کی جگہ نہیں لے سکتے" کہا جاتا ہے۔ کہ ڈاکٹر منگانا کی مادری زبان عربی ہے۔ مگر جو معنے ڈاکٹر منگانا نے اس آیت کے کیے ہیں۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پادری صاحب کو قرآن کریم کی خالص اور اعلےٰ درجہ کی زبان سے کوئی واقفیت نہیں اگر پادری صاحب قرآن کریم کے مروجہ تراجم میں کسی ترجمہ کو ہی دیکھ لینے کی تکلیف اُٹھا لیتے۔ جیسے سیل یا راڈویل۔ تو اُن کو اپنی غلطی معلوم ہو جاتی اغنی عنه کذا کے معنے عربی زبان میں ہیں۔ فلاں چیز نے اس سے کفایت کی۔ یا اس کے کام آئی۔ قرآن کریم کی مشہور لغت مفردات راغب میں ہے اغناه کذا واغنی عنه کذا اذا کفاه۔ یہی معنے قاموس میں ہیں۔ فاضل ڈاکٹر منگانا نے لن يغنوا عنك کا ایک فرضی ترجمہ کر کے اس فقرہ کو جو اس نے غلط پڑھا ہے بامعنے بنانے کی کوشش کی ہے۔ مگر محاورہ زبان کی پروا نہ کر کے بھی پادری صاحب کو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اگر وہ زبان کے محاورہ کے مطابق لن يغنوا عنك کے معنے کرتے تو اس صورت میں ان کو یہ مشکل پیش آتی۔ کہ ان کا مجوزہ فقرہ بالکل بے معنے ہو جاتا۔ اس لیے انھوں نے اپنی فضیلت اور عالم ہونے کی شہرت کو خطرہ میں ڈال کر بھی ایک فقرہ بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ قرآن کریم کی حفاظت پر کسی طرح حملہ ہو۔ افسوس ہے کہ اس شوق نے واقعی ڈاکٹر منگانا کی علمی شہرت کو ایسا نقصان پہنچایا ہے جس کی تلافی کرنا اب اُن کے لیے مشکل ہے۔

مگر بدقسمتی سے اُن کی ذہانت بھی اُن کے لیے مفید نہیں ہوئی۔ اور گو انھوں نے نیا فقرہ

بنا کرنئے معنے تو تجویز کر لیے۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ اگر اس آیت کے ٹکڑے کو ماقبل و مابعد کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ڈاکٹر منگانا کا مجوزہ فقرہ اور اُس کے مجوزہ معنے ایک مجنون کی بڑسے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ ویسے اگر خود اتنے ٹکڑہ پر بھی غور کیا جائے کہ "تمسخر کرتے ہوئے وہ وُہ تیرے لیے ایک ضرب کی جگہ نہیں لے سکتے" تو یہ فقرہ بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایسے معنے کرنے والے کی حماقت اِس صورت میں اور بھی صاف ہو جاتی ہے جب اصل عبارت قرآنی کے اندر رکھ کر اُس کو پڑھا جائے۔ چنانچہ عبارت قرآنی حسب ذیل ہے:۔ ثم جعلناك علٰی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون ○ انهم لن یغنوا عنك من الله شیئا وان الظالمین بعضهم اولیاء بعض والله ولی المتقین ○ (الجاثیة ۱۸-۱۹) ترجمہ یُوں ہوگا" پھر ہم نے تم کو (اپنے) امر کی شریعت پر مقرر کر دیا سوتم اُسکی پیروی کرو۔ اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو کچھ علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں یہ لوگ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم تو ایک دُوسرے کے ولی ہی ہیں اور اللہ متقیوں کا ولی ہے" اب مقام غور ہے۔ کہ اِس عبارت کے اندر ان الفاظ کا مفہوم۔ کہ وہ خدا کے مقابل تمہارے کچُھ بھی کام نہیں آسکتے تو صاف ہے۔ یعنی حکم یہ ہے کہ تم خدا کے امر کی پیروی کرو۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ لوگ خدا کے مقابل میں کچھ کام نہیں آسکتے۔ لیکن ضرب یا چوٹ کے مقابل پر تمسخر کرتے ہوئے کام نہ آنا۔ یا تمسخر کرتے ہوئے ضرب یا چوٹ کی جگہ نہ لے سکنا۔ یہ کیسا لغو اور بے معنی فقرہ ان الفاظ کے اندر ہوگا۔ اور سوائے اِس کے کہ انسان تعصب سے اندھا ہو جائے۔ وہ سیاق وسباق عبارت پر ایسا ظلم نہیں کر سکتا۔ فاضل الٰہیات کے ڈاکٹر نے پادریانہ جوش اور تعصب میں اپنی شہرت کو بھی برباد کر دیا۔ اور اتنا بھی نہ سمجھا۔ کہ جس صورت میں یہ فقرہ واقع ہُوا ہے۔ وُہ لفظ شیئا کے آخر میں آنے کا محتاج ہے ہر ایک لغت کی کتاب میں یہ محاورہ اسے مل سکتا تھا ما اغنی فلان شیئا۔ اور اس کے معنے وہی ہیں جو ہم نے اوپر کیے ہیں۔ اگر لغت کی کتاب کو تلاش نہ کرتے تو پادری صاحب کو خود قرآن کریم کے اندر یہ محاورہ بار بار استعمال ہُوا ہُوا مل سکتا تھا۔ مثلاً ذیل کی چند مثالوں پر غور کرو۔ کہ جہاں جہاں نفی کو موکد کرنا ضروری ہے وہاں اغنی یا یغنی یا تغنی

کے بعد لفظ شیئاً ضرور لایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا (آل عمران-۸) اور پھر بعینہٖ یہی لفظ آل عمران ۱۱۲ میں آتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں کہ اُن کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں اُن کو کچھ کام نہ دیں گے۔ اسی طرح الانفال-۱۹ میں ہے لن تغنی عنکم فئتکم شیئا یعنی تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا اسی طرح پر فلم تغنی عنکم شیئا (التوبہ-۲۵)۔ لا یغنی عنک شیئا (مریم-۵۱) لا تغن عنی شفاعتھم شیئا۔ (یس-۲۲)۔ یوم لا یغنی مولی عن مولی شیئا (الدخان ۴۱) لا یغنی عنھم کیدھم شیئا

اب اس کثرت سے اس محاورہ کا استعمال قرآن کریم کے اندر پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص آنکھیں بند کرلے تو الگ بات ہے۔ ورنہ کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ انھم لن یغنوا عنک من اللہ کے بعد شیئا کے سوا اور کوئی لفظ بھی موزوں ہو سکتا ہے مگر تعجب ہے کہ پادری منگانا نہ صرف اصل محاورہ زبان اور محاورہ قرآنی کو چھوڑتا ہے بلکہ اپنے دیباچہ میں یوں رقمطراز ہے " علمی تحقیقات کے وسیع دائرہ میں ایک شخص جو اسلام کی مقدس کتاب کی ان تفسیروں سے واقف ہے جو تاریخ اور زباندانی کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہیں۔ وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ بجائے لفظ شیئا (جو اصل قرآن کے اندر ہے) تسخر کرتے ہوئے کا لفظ جو مسودہ زیر بحث میں ہے بہت زیادہ عزت کے قابل ہے"۔ یہ بات اگر ایک بچے کے مونھ سے نکلتی تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ اُس نے نادانی کی وجہ سے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ مگر ایک فاضل پادری کا اپنی علمیت اور زبان دانی پر فخر کرتے ہوئے۔ اور قرآن کریم کی زبان دانی اور تاریخ سے واقفیت کا اعلان کرتے ہوئے وثوق کے ساتھ یہ کہنا کہ یغنوا عنک کے بعد تسخر کرتے ہوئے کا لفظ بجائے شیئا کے زیادہ عزت کے قابل ہے۔ ایک ایسا قابل نفرت فقرہ ہے کہ جس پر عربی زبان کے واقف اور عربی محاورہ کے آشنا ہمیشہ اظہار تنفر کریں گے۔ کاش کہ اس کے استعمال کی ایک ہی مثال پادری صاحب پیش کر دیتے۔ تو بھی وُہ عقلمندوں کے نزدیک بری الذمہ ہو جاتے۔ گو ایک غلطی کے مرتکب ضرور ہوتے۔ پادری صاحب کے اِس محاورہ پر اس قدر زور

دینے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُہ ان تمام مفروضہ اختلافات میں جس قدر وقعت اِس اختلاف کو دیتے ہیں۔ دوسروں کو نہیں دیتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ صاف طور پر پادری صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ لفظ بھی اپنی ایجاد اور محاورہ بھی اپنی ایجاد اور محض اسی شوق نے۔ کہ قرآن شریف پر کوئی حملہ ہو جائے جس سے علمی دائرہ میں نہیں تو پادریوں کے حلقہ میں پادری صاحب کی کچھ شہرت ہو جائے یہ سب کچھ پادری صاحب سے کرایا ہے۔ ورنہ جو بات اُنھوں نے پیش کی ہے اُس کی بیہودگی کو ایک مبتدی بھی بتا سکتا ہے۔ اور اِس لیے جسقدر محنت پادری صاحب کو اِس اختلاف کے بنانے میں اُٹھانی پڑی وہ سب نہ صرف رائیگاں گئی۔ بلکہ اُلٹا پادری صاحب کو بدنامی اُٹھانی پڑی یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے۔ کہ جہاں مخالف سب سے زیادہ زور اعتراض کے رنگ میں دینا چاہتا ہے۔ وہیں اُس کو ایسی زک اُٹھانی پڑتی ہے۔ جو اس کی ناجائز کوششوں کی قلعی کھول دیتی ہے۔ ہمیں بھی افسوس ہے کہ پادری صاحب نے اس قدر محنت کی تھی تو کم از کم کوئی ایسا اختلاف ایجاد کیا ہوتا جس کی حقیقت آشکارا کرنے میں کسی خادم قرآن کو کوئی مشکل پیش آتی۔ مگر جس بات کا پادری صاحب نے اِس قدر زور و شور کے ساتھ اعلان کیا۔ اُس پر عربی جاننے والا ایک بچہ بھی ہنسے گا۔ اور سب سے عجیب تر یہ کہ پادری صاحب کا جواب تو درحقیقت قرآن کریم کی اسی آیت کے اندر موجود ہے جس کو اُنھوں نے بگاڑنا چاہا۔ اُنھوں نے اللّٰہ کو بگاڑ کر ایک مہمل لفظ اللک بنایا شیئًا کو بگاڑ کر ھکما بنایا۔ مگر ان دونوں نے فاضل پادری کو کچھ فائدہ نہیں دیا۔ اور ان کی یہ ذہانت اور ایجاد کی قابلیت کسی کام نہ آئی۔ یہی تو خود قرآن نے فرمایا تھا۔ انھم لن یغنوا عنك من اللہ شیئًا۔ اللہ کے مقابل میں یہ چیزیں تمہارے کسی کام نہیں آئیں گی۔ کیسی بھی تم حق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرو۔ کیسا ہی حق کو باطل کے ساتھ ملانے پر زور لگاؤ۔ یہ چیزیں اس اللہ کے مقابل جس نے اپنی کلام کی حفاظت کی ذمہ واری اپنے اوپر لی ہے۔ اُس کو لوگوں پر نہیں چھوڑا۔ تمہیں کچھ کام نہیں دے سکتیں۔ آہ! اگر پادری صاحب کے سینہ میں وُہ دل ہو جو حق کی قدر کرنیوالا

اور تصرفات الٰہیہ کا قایل ہو یا ایک لمحہ کے لیے وہ پادریانہ تعصب سے الگ ہو کر اس نکتہ پر غور کریں تو ایسا ذوق اُٹھائیں کہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی ایک یہی دلیل اُن کے لیے کافی ہو جائے۔ مگر تعصب انسان کو حق پر غور کرنے کے قابل نہیں چھوڑتا۔ بہر حال پادری صاحب کو یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جس آیت پر اُنھوں نے سب سے زیادہ زور لگایا ہے۔ وہی ہمیشہ اُن کی اور اُن کے ہم پیشہ لوگوں کی کوششوں کا جواب ہے۔ انھم لن یغنوا عنك من اللہ شیئا۔

اب ہم ڈاکٹر منگانا کے باقی اختلافات پر غور کرتے ہیں۔ تیسرا اختلاف یہ ہے کہ ذیل کی آیت قرآنی میں عفا اللہ عنك لم اذنت لھم حتی یتبین لك الذین صدقوا وتعلم الکٰذبین۔ بجائے وتعلم کے دمنھم ہے۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ یہ بھی ڈاکٹر منگانا کو دھوکا لگا ہے۔ وتعلمَ کو اگر لکھنے میں دتعلم لکھا جائے۔ اور اسمیں ت کا شوشہ اِس کے نقطوں سے ملجائے اور ل کا شوشہ اوپر سے قدرے اڑ جائے۔ اور پتھر کے ساتھ حروف کو چمڑے کے اوپر سے رگڑتے ہیں ایسا ہو جانا بالکل قرین قیاس ہے خصوصاً اگر ہم ان عکسی تصویروں کو جو وہ تین ورق کے ڈاکٹر منگانا نے فوٹو دیے ہیں دیکھیں۔ اور انمیں عربی حروف کی مدھم اور بگڑی ہوئی شکلوں کو مدنظر رکھیں۔ تو یہ کچھ بھی بعید معلوم نہیں ہوتا کہ وتعلم بگڑ کر منھم بن جائے۔ مگر یہاں بھی ڈاکٹر منگانا کو کچھ تحریف کرنی پڑی ہے ورنہ اس کا مجوزہ اختلاف قرآنی عبارت میں بالکل غلط ٹھہرتا۔ قرآن کریم کے الفاظ جو اوپر نقل کیے گئے ہیں اُن میں وتعلم الکاذبین آتا ہے جس کے معنے ہیں تو جھوٹوں کو جان لیتا۔ تو چونکہ الکاذبین تعلم کا مفعول ہے۔ اِس لیے الکاذبون نہیں بلکہ الکاذبین آیا ہے اب ڈاکٹر منگانا جہاں نسخہ کی عبارت نقل کرتا ہے۔ دیکھو اُس کی کتاب کا صفحہ ۱۲۔ وہاں اس نے صاف بتادیا ہے کہ الکذ کے بعد کے حروف اِس سے نہیں پڑھے گئے۔ اِس لیے اسے کوئی حق نہ تھا۔ کہ اِن حروف کو جو اس سے پڑھے نہیں گئے اصل قرآنی الفاظ میں تحریف کر کے وہاں رکھ دیتا۔ اور بجائے الکذبین کے جو قرآن میں ہے الکذبون لکھدیتا۔ حالانکہ ساتھ ہی استفہام کی علامت ؟ دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے۔ کہ اس کے درست ہونے میں شبہ ہے تو جب

اصل حروف جو موجود تھے یا پڑھے نہ جا سکتے تھے تو اس کا فرض تھا۔ کہ اصل قرآنی حروف کو اُن کی جگہ رکھتا۔ لیکن اگر وُہ ایسا کرتا تو منهم الكاذبين کوئی صحیح ترکیب نہ تھی۔ اِس لیے اپنے مجوزہ اختلاف کو قائم رکھنے کے لیے ڈاکٹر منگانا نے یہ تحریف کی کہ بجائے الکذبین کے اصل مسودہ میں الکذ (بون ؟) لکھا اور بتا دیا۔ کہ مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ لیکن جہاں اختلاف بتائے وہاں صاف الکذبون لکھ دیا۔ گویا کہ اُس نے نہائت صفائی سے اسے پڑھ لیا تھا ہم جانتے ہیں کہ پادری صاحبان کو تحریف کا بڑا شوق ہے۔ اور جب اپنی کتب مقدسہ میں تحریف کرنے سے باز نہ آئے تو قرآن کی پرواکیوں کرنے لگے تھے۔ مگر اس روشنی کے زمانہ میں ایسی تحریف پر جرأت کرنا بڑی دلیری کا کام ہے۔ اور ہمیں حیرت پر حیرت ہوتی ہے کہ محض اختلافات بنانے کے لیے کس طرح پادری منگانا نے اپنی شہرت کی پروا بھی نہیں کی۔ اور ہمیشہ کے لیے اپنے نام کو علمی دُنیا میں محققین کے سامنے ذلیل کر لیا۔

آخری اختلاف جو ڈاکٹر منگانا نے لکھا ہے وُہ سورہ الاعراف کی اس آیت میں۔ وفی نسختها هدى ورحمة للذين هم لربهم يرهبون (الاعراف ۱۵۴) بجائے رحمة کے لفظ سلم ہے۔ اِس اختلاف کو ڈاکٹر منگانا نے بھی خود کوئی زیادہ وقعت نہیں دی کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ لفظ سلم اور رحمة قریباً قریباً ہم معنی لفظ ہیں۔ پس ممکن ہے کہ کسی لکھنے والے کو ہی غلطی لگ گئی ہو۔ یا ممکن ہے کہ ڈاکٹر منگانا کی آنکھ کو دھوکا لگا ہو۔

اب ڈاکٹر منگانا کے پیش کردہ اختلافات تو ہم نے دیکھ لیے۔ مگر پادری صاحب کا کام نہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وُہ تین لفظ ایسے پیش کرتا ہے جو ان مسودوں میں جو اُس کو ملے ہیں موجود نہیں۔ مگر قرآن کریم میں موجود ہیں۔ تو گو اس کی سیدھی توجیہ یہ تھی۔ کہ مسودات مذکورہ میں وُہ لفظ غلطی سے رہ گئے ہیں۔ کیونکہ مسودات کی صحت کا تو کوئی ذمہ دار نہیں۔ مگر پادری صاحبان کی منطق بھی ہمیشہ اِس راہ چلتی ہے جس راہ پر چلنے سے قرآن پر زد پڑتی ہو پادری صاحب کہتے ہیں۔ کہ چونکہ ان مسودات میں یہ الفاظ نہیں۔ اور قرآن کریم میں ہیں۔ پس معلوم ہؤا۔ کہ قرآن کریم میں یہ لفظ بعد میں کسی نے بڑھا دیے۔ اِسی طرح پر اگر کوئی حرف یا لفظ مسودہ میں موجود ہے تو بجائے یہ کہنے کے کہ یہ لفظ بے احتیاطی سے

مسودہ میں بڑھ گیا ہوگا۔ پادری صاحب دعوے سے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے فلاں لفظ چھوڑ دیا ہے۔ گویا اُن کو پورا یقین ہے کہ مسودے بالکل درست۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا کسی عظیم الشان صحابی کے تصدیق کردہ ہیں۔ اور گویا یہ بات یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ مسودے قرآن کریم کا اصل نسخہ جمع ہونے سے جو حضرت ابو بکر نے درحقیقت جمع کیا اور جس کی عثمانی صحیفہ محض نقل تھا پہلے کے ہیں۔ حالانکہ خود پادری صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ اُن کو ان نسخوں کے متعلق کچھ بھی علم نہیں کہ کب کے ہیں کس نے لکھے۔ کہاں رہے۔ کس طرح ہم تک پہونچے اور وہ نسخہ جس کے متعلق نہ صرف ان چاروں باتوں کا علم ہے بلکہ چاروں کے متعلق صحت اور ذمہ داری کا پورا اطمینان بھی ہے۔ اسکو پایۂ اعتبار سے ساقط بنایا جاتا ہے۔ کیا تعصب انسان کو اس سے بڑھ کر بھی اندھا کر سکتا ہے۔ بہرحال اس سے یہ تو معلوم ہو گیا۔ کہ پادری منگانا نے کس غرض سے یہ باتیں لکھی ہیں اور اس طرح جھوٹ کو سچ کر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ پھر اگر وہ جھوٹ سچ ہو کر دنیا میں قائم نہیں رہ سکا تو اس میں پادری صاحب کی کوشش پر کوئی حرف نہیں۔ اُنھوں نے تو اپنا پورا زور لگایا مگر خدا تعالے اپنے کلام کا خود حافظ ہے۔ یہاں ہم قرآن کریم کی حفاظت اور موجودہ الفاظ کی صحت کے متعلق جو جو انتظام کیا گیا تھا۔ اِس پر بحث نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بجائے خود ایک بہت طویل مضمون ہے۔ لیکن اس میں کچھ بھی شبہہ نہیں ہو سکتا۔ کہ دُنیا کی اور کسی کتاب کو وہ سامان حفاظت کا بھی میسّر نہیں آیا جو قرآن کریم کو میسّر آیا اور پہلے نسخے کے جمع کرنے میں ان سارے سامانوں کو جس قدر انسانی کوشش محنت کر کے جمع کر سکتی تھی اور جس قدر احتیاط ایمانداری سے ہو سکتی تھی وہ سب کام میں لائی گئی۔ پس ایسے نسخہ کے مقابل چند گمنام منتشر غیر محفوظ دھلے ہوئے اوراق کو پیش کرنا اور مؤخر الذکر کو زیادہ قابل اعتبار ٹھیرانا کسی محقق کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ ہاں یاوہ گوئی جو کوئی چاہے کرے

ان الفاظ میں جنہیں ڈاکٹر منگانا قرآن کریم میں بڑھائے ہوئے قرار دیتا ہے سب سے پہلے لفظ ھو ہے۔ جو سورۂ توبہ کی ذیل کی آیت میں آتا ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ٥ ڈاکٹر منگانا

کہتا ہے کہ ہمارے نسخہ میں ھو کا لفظ شروع میں نہیں بلکہ آیت یوں شروع ہوتی ہے۔ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق۔ مگر ساتھ ہی لکھتا ہے کہ یہ لفظ حاشیہ میں کسی دوسرے شخص نے لکھدیا ہے۔ اور پھر اس سے نتیجہ یہ نکالتا ہے۔ کہ اصل آیت میں لفظ نہ تھا۔ قرآن میں بھی کسی دوسرے نے بڑھا دیا۔ افسوس کہ پادری صاحب کو تعصب نے کسی کام کا نہ چھوڑا۔ اور ان کی رائے منصفین کے نزدیک ایک بچہ کے برابر بھی قابل وقعت نہیں رہی جب وہ لفظ ھو بڑھا دیا گیا ہے تو صاف معلوم ہوا کہ لکھنے والے نے یا کسی دوسرے نے غلطی کو محسوس کیا اور اسے درست کر دیا۔ اور اس طرح پر قرآن کے مطابق بھی نسخہ ہو گیا جس سے معلوم ہوا کہ اگر حاشیہ میں یہ لفظ بڑھایا گیا ہے۔ تو کاتب نے اپنی غلطی کو محسوس کر کے ہی بڑھایا ہے۔ پس اس سے تو صاف یہ نتیجہ نکلا کہ نسخہ کا لکھنے والا کاتب ہی غلطی کا مرتکب تھا۔ اس صورت کو قرآن میں تحریف بنا کر پیش کرنا اُس شخص کا کام ہو سکتا ہے۔ جو اپنی کتاب میں تحریف کی وجہ سے پریشان ہو اور اس میں تحریف کا جواب بات کوئی نہ سوجھتا ہو سوائے اسکے کہ دوسری کتابوں میں بھی تحریف کا کچھ ثبوت مل جائے تو کسی قدر قلب مضطرب کو ایک عارضی تسکین حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ اگر غور کیا جاوے اور اصل مسودہ کو دیکھا جائے دیکھو ڈاکٹر منگانا کی کتاب کا صفحہ ۱ تو معلوم ہوگا۔ کہ ھو کا لفظ گو حاشیہ میں ہے۔ مگر سطر کے شروع میں ہی واقع ہوا ہے۔ ہاں سطر کی سیدھ سے ذرا پیچھے ہٹ کر لکھا ہوا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کاتب کو لکھتے لکھتے ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اور اس نے اسے درست کر دیا اور علاوہ ازیں یہی آیت انہی الفاظ میں دوسری جگہ سورۃ الصف میں آئی ہے اور وہاں بھی وہی لفظ ہیں جو سورۂ توبہ میں ہیں۔ یعنی ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ○

اب ہم کہتے ہیں کہ جب ان مسودات کے کاتب کی ایک غلطی ایسی ظاہر ہے کہ اُس نے خود ہی اس کو محسوس کیا یا زیادہ سے زیادہ کسی دوسرے نے محسوس کر کے اسے درست کر دیا جیسا کہ ڈاکٹر منگانا کہتا ہے تو کیوں تسلیم نہ کیا جائے کہ باقی دو لفظ جو مسودات میں رہ گئے ہیں وہ بھی کاتب کی غلطی سے ہی رہ گئے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ قرآن کریم میں کسی نے بڑھا دیئے ہیں

ان میں سے اوّل لفظ کافة ہے جو کہ ذیل کی آیت قرآنی میں ہے۔ وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة اب یہ ترکیب تو اعلےٰ درجہ کی فصیح اور بلیغ اور نہایت محکم ہے یعنی تم سارے کے سارے مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ سارے کے سارے تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر منگانا کے مسودہ میں یوں ہے وقاتلوا المشرکین کما یقاتلونکم کافة یعنی تم مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ سارے کے سارے تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں تو یہ ترکیب بالکل لغو ہو جاتی ہے کما کا لفظ تو چاہتا ہے کہ پچھلے کافة کی طرح پہلے بھی کافة ہو۔ اور یہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ چونکہ ساتھ ساتھ ہی دو جگہ لفظ کافة آگیا اس لیے کاتب سے سہو ہو کر ایک جگہ کافة کا لفظ چھُٹ گیا۔ پھر اصل مسودے کو جو ڈاکٹر منگانا نے پیش کیا ہے دیکھا جائے تو فاقتلوا المشرکین پر (دیکھو صفحہ ۱۲۔ سطر ۴) سطر ختم ہوتی ہے اور وہاں کچھ جگہ چھپٹی ہوئی ہے جہاں ممکن ہے۔ لکھنے والے نے لفظ کافة لکھا ہو۔ مگر وہ اُڑ گیا ہو۔ اس طرح بہت سے الفاظ ان مسودات میں سے اڑے ہوئے ہیں۔ پس ایسے حالات میں دُھلے ہوئے مسودے کو صحیح قرار دینا اور صحیح لفظ کو بڑھایا ہوا قرار دینا عقل کے اندھوں کا کام ہے۔ اور اگر یہی اصول درست ہے تو ڈاکٹر منگانا کو ہم ایک اور راہ بتاتے ہیں جس سے وہ سارے قرآن کو ہی فرضی ثابت کر سکتا ہے۔ وُہ کروڑ در کروڑ نسخے قرآن کریم کے جو آج تک لکھے جا چکے یا چھپ چکے ہیں محنت کرنے سے اُن میں سے کئی ایک میں کوئی حرف یا لفظ چھٹا ہوا مل جائے گا۔ ایسے سب الفاظ کو اکٹھا کر کے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں بہت سے الفاظ بڑھائے ہوئے ہیں۔

تیسری مثال تحریف یا بڑھے ہوئے لفظ کی جو پادری صاحب نے پیش کی ہے۔ لفظ مالکم ہے۔ سورہ توبہ میں ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض۔ مگر ڈاکٹر منگانا کے مسودہ میں لفظ مالکم درمیان میں نہیں پادری صاحب کہتے ہیں کہ مالکم کا حذف کرنا ہی عبارت کو ٹھیک بناتا ہے۔ اور کہ "سیاق وسباق کے لحاظ سے یہ لفظ موزون نہیں"۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ صحیح ہے۔ کہ یہاں لفظ مالکم موزون نہیں تو ایک قرآن کی عزت کرنیوالے کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ وہ ایک غیر موزون لفظ

خواہ مخواہ ڈال کر قرآن کو بگاڑتا۔ یہ لوگ تو صحابی اور اہل زبان تھے۔ مگر یہ بھی پادری صاحب کا نکتہ اسی قسم کا ہے۔ جیسے ان کے دوسرے نکات ہیں۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا موزونیت اور غیر موزونیت اس لحاظ سے نہیں کہ فی الواقع کیا درست ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ کس کو غیر موزون کہنے سے قرآن کریم کی حفاظت پر زد پڑتی ہے۔ جس شخص کو اللہ کی بجائے الملک کا مہمل لفظ زیادہ پسند ہو۔ جو شیٹا کے بامحاورہ لفظ کو بگاڑ کر اسے ھکما بنانا چاہے۔ جس کے معنے عبارت میں کچھ بھی نہیں بنتے۔ اس کے قول پر اعتبار کرنا کہ یہاں مالکم کا لفظ موزون نہیں۔ کسی دانشمند کا کام نہیں۔ شاید اگر دوسرے مقامات میں فاش ٹھوکریں کھاکر پادری منگانا نے اپنی رائے کو بے وقعت نہ کر لیا ہوتا تو یہاں کوئی دھوکا کھا جاتا۔ مگر ان ساری مثالوں کے ہوتے ہوئے جو اوپر بیان ہوئیں کوئی شخص ایسا دھوکا نہیں کھا سکتا۔ اور ہر ایک شخص جو زبان عربی سے واقف ہے دیکھ سکتا ہے کہ لفظ مالکم ہی اس فقرہ کی جان ہے۔ جس کو حذف کرنے سے اصل عبارت کی موزونیت کچھ بھی باقی نہیں رہتی۔

اس کے بعد ڈاکٹر منگانا نے قرآن کریم میں ایک لفظ کا ترک ہو جانا پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر منگانا کی کتاب پر تنقید کرتے ہوئے ایک شخص یہ کہنے کے لیے مجبور ہے۔ کہ دیانتداری اور نیک نیتی کا پہلو ڈاکٹر صاحب کی کتاب میں از سرتاپا مفقود ہے۔ اپنے دیباچہ میں وہ لکھتا ہے۔ کہ قرآن میں بعض محذوفات کا بھی اسے پتہ لگا ہے۔ لیکن باوجود صیغہ جمع استعمال کرنے کے جب مثال کی ضرورت پیش آئی تو ایک سے زیادہ مثال نہیں دے سکا۔ اور یہ مثال کیا ہے؟ یہ کہ النحل میں لفظ اللہ قرآن شریف میں حذف کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر منگانا کے نسخہ میں وہ موجود ہے۔ قرآن شریف میں ہے ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء و یھدی من یشاء ولتسئلن عما کنتم تعملون۔ (النحل۔ ۹۳) ڈاکٹر منگانا کے حاصل کردہ نسخہ میں ولکن یضل من یشاء کی جگہ ولکن یضل اللہ من یشاء ہے۔ پس پس اس سے ڈاکٹر منگانا ثابت کرتا ہے کہ قرآن نے لفظ اللہ کو یہاں چھوڑ دیا ہے جو اسکے نزدیک اصل نسخہ میں تھا۔ جو خوش قسمتی سے ڈاکٹر منگانا کی لیڈی دوست کے ہاتھ لگ گیا۔ ہمیں اس بات کا افسوس نہ ہوتا کہ ایک پادری نے کچھ غلط بیانی کی ہے۔ یا کچھ غلط نتائج

بتانے میں اگروہ ادنیٰ درجہ کی دیانتداری سے بھی کام لیتا اور ایک جگہ بھی یہ مان لیتا کہ ممکن ہے یہاں اِس کے مسودہ میں بھی غلطی ہو۔ مگر ہر جگہ اِس مسودہ کو اِس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرنا کہ گویا ابا عن جد یہ نسخہ اِس کے قبضہ میں چلا آیا ہے اور اِس کے کسی بڑے بزرگ نے خود اِن متفرق اوراق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ حالانکہ خود اعتراف بھی کیا ہے۔ کہ ہمیں اِس کے لکھے جانے کی تاریخ تک کا کچھ بھی علم نہیں یہ صریح بے ایمانی اور بد نیتی ہے۔ اور یہ کلنک کا ٹیکا اب جب تک دُنیا باقی ہے۔ پادری مذکور کے ماتھے سے دھویا نہیں جائے گا۔

آیت کے اِس ٹکڑے کو ولاکن یضل من یشاء کل سے الگ کر لو تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ولاکن یضل من یشاء میں فاعل کو حذف کر دیا ہے۔ اور اس کا ذکر کوئی نہیں۔ اور و لاکن یضل اللہ من یشاء میں فاعل کا ذکر موجود ہے۔ اِس لیے قرین قیاس ہے۔ کہ اصل اِسی طرح ہو جس طرح ڈاکٹر منگانا لکھتا ہے۔ اور کل آیت میں سے صرف اس ٹکڑے کو پیش کرنے سے بھی غرض ڈاکٹر منگانا کی ہے۔ لیکن جب ہم ساری آیت کو پڑھتے ہیں ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولاکن یضل من یشاء ویھدی من یشاء ولتسئلن عما کنتم تعملون۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی گروہ بنا دیتا۔ لیکن وُہ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھیراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو ضرور اس سے سوال کیے جاؤ گے۔ اب دیکھو اللہ کا لفظ جو آیت کے پہلے حصہ میں آگیا ہے۔ اس کا دوسرے حصہ میں حذف کرنا اور صرف ضمیر کے ذریعہ سے اِسے ظاہر کرنا ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اگر ولکن یضل من یشاء میں لفظ اللہ کو دُہرایا جائے۔ تو نہ صرف یہ بے ضرورت ہوگا۔ بلکہ ولکن یضل اللہ من یشاء کے ساتھ پھر اس کے مقابلہ کے فقرہ میں ویھدی اللہ من یشاء ہونا چاہیئے۔ پس یہ ڈاکٹر منگانا کی چالاکی ہے۔ کہ آیت کا ایک ٹکڑہ پیش کیا ہے تاکہ اِس کے اندر لفظ اللہ کا نہ ہونا ایک حذف معلوم ہو۔ حالانکہ اگر وُہ پوری آیت کو پیش کرتا تو اُس کی یہ چالاکی کام نہ دے سکتی۔ اور ہر ایک پڑھنے والا خود دیکھ لیتا۔ کہ اصل الفاظ قرآنی میں لفظ اللہ کو چھوڑا نہیں گیا۔ بلکہ اِس کا دوبارہ نہ لانا اور ضمیر کے ذریعہ سے

ظاہر کرنا ہی عین فصاحت ہے۔ پس درحقیقت یہ کاتب کی غلطی تھی۔ کہ اس سے لفظ اللہ دوبارہ سہواً لکھا گیا۔ اور غالباً اگر کسی صحیح نسخہ سے مقابلہ کرنے کا اسے موقعہ ملتا۔ تو وُہ اِس غلطی کو درست کر دیتا۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ ذرا بھی بے احتیاطی سے تحریر میں غلطیاں راہ پا جاتی ہیں اور کسی نسخہ کو غلطیوں سے صاف رکھنے کے لیے علاوہ اس کے لکھنے میں احتیاط برتنے کے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اِس لیے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع سے یہ احتیاط فرمائی۔ کہ اکیلی تحریر پر ہی سارا بھروسہ نہیں کیا بلکہ ہر ایک آیت نازل ہونے کے ساتھ اگر ایک طرف لکھی جاتی تھی۔ تو دوسری طرف بہت سے حافظوں میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ اور اس طرح پر ایک ایک لفظ ایک طرف کاغذوں میں دوسری طرف آدمیوں کے سینوں میں محفوظ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور جو احتیاط خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ برتی تھی۔ تاکہ یہ خدا کا آخری کلام ہر طرح کی غلطی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے وہی احتیاط حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس وقت برتی جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے اتفاق رائے سے قرآن کریم کے جمع کرنے کے کام پر آپ کو مامور فرمایا تو گو حضرت زید خود ایک دراز عرصہ سے وحی الٰہی کی کتابت کے کام پر مامور رہے تھے۔ مگر انھوں نے بڑی محنت سے تلاش کر کر کے اُن اصل تحریروں کو اکٹھا کیا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ اور دوسری طرف ان صدہا انسانوں کے حافظوں سے ان کا مقابلہ کیا جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موتھ سے الفاظ قرآنی کو سُنا تھا۔ اور آپ کے سامنے انھیں حفظ کر لیا تھا اور پھر ان پاک الفاظ کو اپنا سب سے بڑا خزانہ سمجھ کر اُن کو اپنے سینوں کے صندوقوں میں ایسا محفوظ کر لیا۔ کہ ایک زیر و زبر کا فرق اُن کے نزدیک ایک عالم کے زیر و زبر ہو جانے سے بڑھ کر تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے نہایت احتیاط کے ساتھ اسی حضرت ابو بکرؓ والے نسخے کی احتیاط سے نقلیں کرا کرا اسلامی دنیا کے بڑے بڑے مرکزوں میں بھیج دیا۔ اور اُن نسخوں کو جن کے لکھنے میں کافی احتیاط نہیں برتی گئی ہو گی جلا دیا تاکہ اُن کی غلطیاں آئندہ کے لیے سند نہ بن جاویں۔

پس ایسے حالات میں اگر قرآن کریم کو حفاظت کا اعجاز عطا ہوا ہے تو وہ اُسکا حقدار تھا اور تیرہ سو سال سے اِس کی پاکیزگی اور حفاظت دوست اور دشمن دونوں کے لیئے حیرت کا موجب رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ یہ اس کی حفاظت بیشک دُوسروں کے لیے رشک کا موجب ہونی چاہیئے۔ مگر اِس رشک کو ایسے خطرناک حسد کا رنگ دیدینا۔ کہ اِس میں انسان اپنے آپ کو بھی جلاوے عقلمند کا کام نہیں۔ اور علم تحقیق اور زبان دانی کے سوالات میں عمداً اہر بابت میں دھوکا دینے کی کوشش کرنا ایک ایسا جرم ہے۔ جس کو تاریخ انسانی کبھی عفو کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی

پادری صاحب اس خطرناک الزام کے ماتحت ہیں۔ کہ اُنھوں نے عمداً اِس جُرم کا ارتکاب کیا ہے۔ رائی کا پہاڑ بنایا ہے۔ کتابت کی غلطیوں کو بڑے زور و شور سے اختلافات کے رنگ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مبہم الفاظ کو صاف الفاظ کی بجائے رکھدیا ہے۔ معانی کو بگاڑا ہے۔ غرض جو نا کردنی کام تھا۔ اِس کو محض قرآن کریم پر حملہ کرنے کے لیے جائز قرار دے کر اس کا ارتکاب کیا ہے۔

بیشک اگر ان جرائم کا ارتکاب بدنیتی سے نہ کیا گیا ہوتا تو ہم ڈاکٹر منگانا کو بڑی بڑی غلطیوں کے لیے بھی قابل معافی سمجھتے۔ کیونکہ تحقیق کے کام میں غلطیاں بھی انسان سے ہو جاتی ہیں لیکن ڈاکٹر منگانا نے چند منتشر اوراق کو جن کی تاریخ کا کوئی پتہ نہیں۔ لکھنے والے کا پتہ نہیں۔ یہ علم نہیں کہ کب سے یہ اوراق کس کی حفاظت میں تھے۔ غرض چند محض مجہول اوراق کو جن کی صحت کا کوئی شخص ذمہ لینے والا بھی نہیں تھا۔ جن کے پڑھے جانے میں وقت پر دقت یہ ہے کہ اِن الفاظ کو پہلے پورے طور سے دھویا جاتا ہے۔ پھر ان کے اوپر ایک غیر زبان کی عبارت لکھی جاتی ہے۔ پھر اس عبارت کے اوپر ایک اور عبارت لکھی جاتی ہے۔ پس اِن مٹائے ہوئے حروف کو دوہری عبارتوں کے نیچے سے جن کے نیچے وُہ بالکل دُھندلے ہو رہے ہیں۔ پڑھ کر اِن پر ایسا وثوق کرنا کہ قرآن کریم کے مستند اور صحیح نسخوں کو بابت میں اِن کے سامنے بے اعتبار غلط محرّف مبدّل ٹھیرایا جائے۔ یہ کسی پہلے درجہ کے بے شرم انسان کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ جس شخص کو کچھ شرم و حیا ہو وہ ایسے فعل کا کبھی ارتکاب

نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹر لیوس نے اپنی دوربانہ فراست کے ساتھ اِن اوراق کی اصل قدر وقیمت کو بہتر طور پر سمجھ لیا۔ جب اُس نے ایسے چند اختلاف دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ یہ ہجا کی غلطیاں ہیں۔ مگر ڈاکٹر منگانا کو تعصب کی رنگ دار عینک نے مجبور کیا کہ اِن معمولی کاتب کی غلطیوں یا پچھلی تحریروں کی وجہ سے نقصوں کے پیدا ہوجانے پر ایک اور ہی رنگ چڑھاکر دُنیا میں اپنی شہرت کا ڈنکہ بجائیں۔ اور اِس شوق میں اِس قدر محو ہوئے کہ یہ بھی نہ سوچا کہ بجائے شہرت کے یہی اُن کی ذلت کا موجب نہ ہو۔ ڈاکٹر لیوس کے دوستوں نے جن میں مشرقی عالم اور عربی کے فاضل بھی تھے۔ گیارہ سال تک اِن اوراق کو دیکھا اور ان سے کوئی نتیجہ نہ نکالا۔ مگر ڈاکٹر منگانا نے محض چالاکی سے معمولی ہجوں کی غلطیاں اور پڑھنے کی مشکلات کو مُوتحریف کا ارتکاب کرکے تحریف کا جامہ پہناکر انھیں دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ لیکن محض اِس بدنیتی کی وجہ سے پادری صاحب کو ناکامی کا مُونہہ دیکھنا پڑا۔ اور سوائے جُہلاء کے کوئی شخص اِن اوراق کو وُہ وقعت نہیں دے سکتا جو ڈاکٹر منگانا نے دی ہے۔ خدا کا کلام ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ اِس کے اندر کوئی اختلاف راہ نہیں پاسکا اور نہ آئیندہ پاسکے گا۔ اور جن الفاظ پر ڈاکٹر منگانا نے حملہ کیا ہے وہی اُس کے حملے اور اِس جیسے دُوسرے حملوں کا ہمیشہ کے لیے جواب ہیں

انهم لن یغنوا عنك من الله شیئاً۔

اللہ کی حفاظت کے مقابل میں ایسی اختراعات کسی کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں ؎

قرآن کریم کا بول بالا

تحریف بائبل کا مسلّم ہونا

ڈاکٹر منگانا۔ اور قرآن کریم کو محرف ثابت کرنے کی ایک بیہودہ کوشش۔

آج یہ امر تحقیق میں آگیا۔ کہ بائبل محرّف و مبدّل ہے۔ جو بات تیرہ صد برس ہوئے قرآن نے کہی وہ ثابت ہو گئی۔ کیا عجب بات ہے۔ قرآن ایک وقت عیسائیوں کے نزدیک اس لیئے انسانی کتاب سمجھا گیا۔ کہ اُس نے انجیل و توریت پر تحریف کا حرف رکھا۔ کہا یہ گیا۔ کہ بائبل کا تو لفظ لفظ الہامی ہے۔ اور رُوح القدس کی تائید سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ممکن نہیں کہ اِس میں تحریف ہو۔ لہذا اگر قرآن خدا کی طرف سے ہوتا تو بائبل کو محرّف نہ کہتا۔ لیکن آج گذشتہ پچاس برس کے اندر بعض اکتشافات نے روشنی میں آکر یہ امر پایۂ ثبوت تک پُہنچا دیا۔ کہ جو کچھ قرآن نے انجیل و توریت کے متعلق کہا وُہ صحیح اور درست تھا۔ بائبل کی تحریف جو آج ثابت ہوئی وُہ لفظی تبدیلی تک ہی محدُود نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ ایک واقع کو اگر ایک جگہ ایک قسم کے الفاظ میں لکھا گیا۔ تو پھر اُس واقعہ کو دُوسرے الفاظ میں دوہرایا گیا اور اس کا مفہوم و معانی پر کوئی اثر نہ ہوُا در اصل یہ تو کوئی تحریف نہیں۔ بلکہ آج تو تحریف بائبل اپنے حقیقی معنوں میں ثابت ہو گئی اسمیں بعض [illegible] عبارتیں چند توں سے اناجیل میں درج ہو رہی تھیں۔ وہ بالکل جعلی اور الحاقی [illegible]بت ہوئیں اور انکا نام و نشان تک قدیم نسخوں میں پایا نہیں جاتا۔ انمیں ایسی آیات بھی ہیں

جو بعض عقائد اور اعمال کی بنیاد ہیں کیا یہ حیرت ناک امر نہیں ہے کہ اٹھارہ اُنیس سو برس سے یہ کتابیں چلی آئیں ان کے تراجم بھی متواتر ہوں اور کوئی مترجم یا کلیسیا کا افسر زمانہ کو اس جعل کی اطلاع نہ دے۔ زمانہ خود بخود ہی تحقیق پر اُتر آئے۔ اور جب تحقیق و تنقید کے بعد معترضین کا ایک شورِ عظیم اُٹھے۔ کہ مروجہ تراجم انجیل میں جو بعض آیات ہیں وُہ قدیم نسخوں میں نہیں اُس وقت چپکے سے ان آیات کو آخری اِصلاح شدہ ترجمہ سے نکال دیا جاوے۔

کیا یہ واقعہ قرآن کو منجانب اللہ ثابت نہیں کرتا۔ قرآن سے صدیوں پہلے انجیل اسی شکل میں ہو۔ قرآن کے نزول تک اِس کی صحت پر کوئی حملہ نہ ہو۔ آج اٹھارہ اُنیس صدیوں کے بعد یورپ کے فضلاء تمام قدیمی ذخائرِ علمی اور خزائن کتب کو چھان ماریں۔ پرانے سے پرانے صحیفے اور نسخے بہم پہنچا دیں۔ مقابلہ پر اُن میں اور موجودہ اناجیل میں نہ صرف یہی فرق ہو جیسے کہ ہمیشہ پادری صاحبان کہا کرتے ہیں۔ کہ واقعہ مندرجہ تو دراصل ایک ہی ہے۔ ہاں قدیمی نسخوں نے انکو جن الفاظ میں بیان کیا ہے اُسے اور لفظوں میں مروّجہ نسخوں نے ذکر کر دیا ہے۔ بلکہ آیات پر آیات کی تحریف ثابت ہو۔ اور غضب تو یہ کہ جن آیات پر موجودہ مسیحیت کی بُنیاد رکھی گئی ہے۔ اُن کا نام و نشان تک بھی قدیمی نسخجات میں نہ ہو۔ یہ ہے وہ خطرناک تحریف انجیل جو ابتدا سے چلی آئی اور جس پر آج تک مترجمین نے پردہ ڈالے رکھا کیا جن امور کی تحقیق تدقیق پر صدیاں خرچ ہوں۔ اور جن کے لیے صدہا سُلجھے ہوئے دماغ اور اعلےٰ سے اعلےٰ قابلیتیں خرچ ہوں۔ کیا اُس امر کی اطلاع اور وہ بھی حکمی طور پر دُنیا کو ایک امی لقب دے سکتا ہے۔ اگر علیم خبیر خدا اُس پر الہام نہ کرے۔ کیا آنحضرت صلعم کے وقت موجودہ تحقیق و تدقیق کے ذرائع موجود تھے۔ کیا وہ کبھی اِن تحقیقوں میں پڑے۔ کیا اُس وقت کا زمانہ انجیل کی صحت پر شک رکھتا تھا۔ کیا اُس وقت کی کوئی ایسی کتاب یا قول یا روایت دُنیا میں موجود ہے جس میں انجیل و توریت میں تحریف ہونے کے متعلق اشارہ کنایہ تک بھی ہو۔ اگر یہ واقعات اُس وقت نہ تھے تو کیوں ایک متدین اور شریف محقق اس بات پر یقین نہ کرے کہ آنحضرت صلعم نے محض عالم الغیب سے علم پاکر دُنیا کو اطلاع دی کہ انجیل اور توریت محرّف و مبدل ہیں۔

کاش یہ تحریفیں مسیح کے معمولی واقعاتِ زندگی	عقیدۂ تثلیث کی بنیادی آیت

کے متعلق ہوتیں تو چنداں مذائقہ نہ تھا۔ غضب تو یہ ہے کہ یہ تحریفیں اور یہ الحاقات ایسی آیات کے متعلق ہیں جن پر موجودہ عیسائی مذہب کی بنیاد ہے۔ کل اناجیل چھان مارو عقیدۂ تثلیث کی ذمہ دار صرف ایک ہی آیت ہے جو یوحنا کا پہلا خط۔ پانچویں باب کی ساتویں آیت میں بالفاظ ذیل ہے:۔

"کیونکہ صرف تین ہی ہیں جو آسمان پر لکھے گئے ہیں۔ باپ۔ کلمہ (بیٹا) اور روح القدس اور یہ تین ایک ہیں"

یہی ایک آیت کل انجیل میں ہے جس پر عقیدۂ تثلیث کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہی مقدس الفاظ اس نہ سمجھ آنے والے قول کے ذمہ دار ہیں۔ یعنے تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں یہی وہ صداقت ہے جس کا اعلان روح القدس کی مدد سے یوحنا کرتا ہے۔ انھیں الفاظ کو اٹھارہ اُنیس سو برس سے خدا کا الہام اور خدا کے وحی کردہ الفاظ تسلیم کیا گیا ہے۔ انھیں الفاظ کو ہم اُس انگریزی ترجمہ انجیل میں پاتے ہیں جو جیمس شاہ انگلستان کے وقت ایک کمیٹی نے کیا۔ اور جو آئندہ اردو انگریزی تراجم کا ذمہ دار ہے۔ لیکن آج جو بعد از اصلاح آخری ترجمہ ہمارے سامنے آیا ہے تو اس آیت کے ترجمہ پر ہم زبان کی اصلاح ہی نہیں دیکھتے بلکہ سرے سے اس آیت کو ہی ہم انجیل سے خارج پاتے ہیں۔ اور یہ تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ پرانے اور قدیمی نسخوں میں اس آیت کا نام و نشان تک نہ تھا۔

مسیح کا مشن کل دنیا کے لئے نہ تھا

اناجیل کے پڑھنے سے یہ امر صاف پایا جاتا ہے کہ مسیح نے اپنی زندگی میں اسرائیلیوں سے باہر کسی کو مخاطب نہیں کیا۔ وہ صرف یہود کی پراگندہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا تھا۔ اُس نے غیر مختونیوں یعنی رومی وغیرہ کو اپنی شاگردی میں لینے سے بڑی سختی کے ساتھ انکار کیا۔ جب کسی غیر اسرائیلی نے اُس کی اتباع چاہی یا اُس سے مستفید ہونا چاہا تو اُس نے (بالفاظ مسیح) "بچوں کی روٹی کتوں کے آگے" اور "سوروں کے آگے موتی پھینکنے" نہ چاہے۔ خود کتاب اعمال کے دیکھنے سے بھی یہی سمجھ آتا ہے کہ بعض حواریوں نے ہمیشہ اسرائیلیوں کے علاوہ کسی اور تک مسیح کا مشن پہنچانا صحیح نہ سمجھا۔ بلکہ جب اُن کو معلوم ہوا کہ پولوس غیر مختونیوں (یونانیوں) کو عیسائی بنا رہا ہے

تو دوسرے حواریوں نے اُس کا یہ طریق عمل غلط قرار دیا اور اُس کو ایسا کرنے سے روکا۔

یہ امور مسلمہ ہیں اور پادری صاحبان کو ماننا پڑتا ہے کہ بیشک مسیح کا مشن مدۃ العمر اسرائیلیوں تک ہی محدود رہا۔ اور اُس نے غیر اسرائیلی لوگوں کو اپنی جماعت میں داخل کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ لیکن انجیل مرقس کے آخری باب کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ مسیح نے صلیب کے واقعہ سے کچھ وقت پہلے اپنے حواریین کو کہا۔ کہ تم کل دنیا میں جاؤ۔ اور کل دنیا کی قوموں میں انجیل کی منادی کرو۔ یہی ایک آیت ہے جس کی بنا پر یہ عیسائی مشن کل دنیا میں پھیلائے گئے ہیں۔ یہ آیت اُن گیارہ آیات میں سے ہے جو انجیل مرقس کے آخری باب کی نویں آیت سے چل کر بیسویں آیت پر ختم ہوتی ہیں۔ اس میں مسیح کے حواریین کو وعدہ دیا ہے۔ کہ اُن میں معجزہ کرنے کی طاقت ہوگی اُن پر زہر اور سانپ اثر نہ کرے گا۔ وہ مختلف بولیاں بولیں گے۔ وہ مریضوں کو اچھا کرینگے انھیں گیارہ آیات میں ایک یہ بھی آیت ہے "وہ جو ایمان لائے گا اور بپتسمہ پاویگا وہی نجات پاوے گا۔ لیکن وہ جو ایمان نہ لائے گا۔ وہ ہمیشہ کے لیے ہلاک کیا جاوے گا"

اِن آیات کا عیسائی دنیا پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ وہ مذہب جو صرف یہودیوں کی اصلاح کے لیے دُنیا میں آیا۔ اُس کو کل دُنیا کے کونوں میں پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ وہ مذہب جو ایک منکسر المزاج انسان کا تعلیم کردہ تھا۔ جو دشمنوں سے محبت کرنا۔ اور دائیں گال پر مار کھا کر بائیں گال پیش کرنے کا سبق دیتا تھا۔ اُسی مذہب کے پیرو محض اسی آیت کی بنیاد پر کہ جو ایمان نہ لائے گا ہلاک کیا جاوے گا۔ دُنیا کشت و خون سے بھر دی گئی۔ کیا اِس عقیدہ نے کہ ایمان نہ لانے والا ہلاک ہوگا۔ یورپ میں عیسائیت کے نام پر وہ مظالم نہیں کرائے کہ جن کی نظیر دُنیا میں نہیں۔ قتل مقاتلہ ہلاکت۔ زندہ آگ میں جلانا۔ اور وہ مظالم کہ ذکر کرتے ہوئے انسان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک کلیسیا نے دوسرے کلیسیا کے مقابل کیے۔ ان سب کا ذمہ وار بھی ایک یقین تھا۔ کہ آخر خدا تعالےٰ نے بھی ان بے ایمانوں کو ابدی جہنم دینا ہے۔ کیوں خدا کا فعل یہاں ہمارے ہاتھ سے ہی نہ ہو جاوے۔ پھر یہی آیات اُن دروغ آمیز داستانوں اور کذب سے معمور روایات کی ذمہ دار ہیں۔ جن میں ابتدائی عیسائی راہبوں اور احبار کی کرامتیں اور معجزے مندرج کیے گئے۔ کیونکہ ان آیات میں

حواریوں سے معجزانہ طاقت کا وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ مریضوں کو اچھا کریں گے۔ سانپ اور زہر کا اُن پر اثر نہ ہوگا۔ وہ مختلف بولیاں بولیں گے۔ پھر ہم کتاب اعمال باب دوم میں حواریوں پر رُوح القدس کا نزول دیکھتے ہیں۔ جب کل حواری مختلف قسم کی بولیاں بولنے والے اور دیگر اعجازی طاقتوں کے مالک ہوگئے۔ یہ باتیں سب کی سب بے اصل سمجھی جاتیں۔ اگر کلیسیا کی آئندہ تاریخ میں ان اعجازی واقعات کا تکرار نہ ہوتا۔ چنانچہ ہزار در ہزار روایات ابتدائی تاریخ کلیسیا میں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ اکثر ابتدائی قسیسین اور راہبین سے وُہ تمام اعجازی باتیں ظاہر ہُوا کرتی تھیں جن کا وعدہ مسیح نے حواریوں سے کیا تھا۔ لیکن زمانہ دن بدن اپنی تحقیق میں بڑھتا گیا۔ اور جب مسیح کے خاص الخاص پیرو مخالف محققین کے مطالبہ پر ان طاقتوں کے دکھلانے سے عاجز اور عاری ثابت ہوئے۔ تو ان آیات کی اور تشریح ہونے لگی۔

آج سے بیس پچیس سال پہلے عام طور پر تشریحاً پادری صاحبان کہا کرتے تھے۔ کہ ان عدہ کردہ طاقتوں سے مراد یہ ہے۔ کہ پادری صاحبان مختلف زبانیں سیکھ لیں گے۔ چنانچہ پادری صاحبان کا ہی گروہ ایسا گروہ ہے جو اور قوموں کے مقابل غیر زبانیں زیادہ ترجانتا ہے۔ سانپوں اور زہروں کے اثر کے متعلق یہ تشریح کی گئی۔ کہ دُنیا میں عیسائی قومیں طبی تحقیقات میں اس قدر بڑھ جاویں گی۔ کہ وُہ زہروں اور سانپوں کے مقابل تریاق اور فادزہر ادویات دریافت کرلیں گے۔ یہ تشریحات جس قدر بیہودہ اور بے معنی تھیں وُہ تو ظاہر ہے۔ لیکن ان شارحین نے کبھی یہ غور نہ کیا کہ کلیسیا کی ابتدائی تاریخ میں تو جن بزرگ اور مقدس عیسائیوں کا ذکر ہے اُن کے متعلق وہاں لکھا ہے کہ وُہ تو معجزانہ طریق پر مختلف زبانیں بولتے اور سانپوں سے کھیلتے تھے۔ نہ کہ طالبعلمانہ طریق پر یونیورسٹیوں میں جاکر مختلف زبانیں سیکھتے اور فادزہرادویات کا علم حاصل کرکے سانپ اور زہر کی تاثیروں سے بچ جاتے تھے۔ اور پھر اس میں عیسائیوں کی خصوصیت کیا ہے۔ غیر عیسائی بھی زبانیں سیکھ سکتے اور حکیم اور ڈاکٹر بن سکتے ہیں اور بنتے ہیں۔ پھر انھیں آیات کی بناء پر چند سال ہوئے عیسائی دُنیا میں ایک اور جماعت موسُوم بہ ریوائی ولیسٹ (مجددین) پیدا ہوئی جو اس وقت بھی ویلز اور امریکہ اور یورپ میں بہ کثرت موجود ہے۔ انہیں اور تمیں کثرت سے ہیں۔ وُہ ایک وقت اکٹھے

ہوتے ہیں۔ پھر جوش اور جذبہ میں آکر مختلف حرکات کرتے ہیں اور اُن میں سے بعض اجنبی اور بے معنی الفاظ مُنہ سے نکالتے ہیں اور ان الفاظ کو دیگر زبانوں والا معجزہ قرار دیا جاتا ہے جسکا وعدہ ان آیات زیر بحث میں ہے۔

الغرض انجیل مرقس کی آخری فصل کی آیت نو سے لے کر آیت بیس تک یعنے گیارہ آیات اِن تمام تکلیف دہ امور کی ذمہ دار ہوئیں۔ اِسی سے عیسوی مشن کو یہودی قوموں سے باہر اور قوموں تک بھیجا گیا۔ اور دُنیا پر زبردستی مسیح کا مذہب پیش کیا گیا۔ یہی آیات یورپ میں خطرناک خونریزی کا ذمہ دار تیسری صدی سے لے کر آج تک ہوئیں۔ اور یہی آیات ان دروغ آمیز داستانوں اور روایات کو دُنیا میں لائیں جن میں ابتدائی عیسائی بزرگوں کے معجزات اور کرامتیں مندرج ہیں۔ کس قدر دردناک یہ امر ہے کہ آج یہ گیارہ کی گیارہ آیات قطعی جعلی اور الحاقی ثابت ہوئیں۔ صدیوں تک تو یہ آیات انجیل کے تراجم میں درج ہوتی رہیں۔ لیکن آج جو آخری اصلاح شدہ ترجمہ دُنیا کے آگے پیش ہوتا ہے تو اِس میں سے یہ گیارہ کی گیارہ آیات بڑی خاموشی کے ساتھ نکال دی جاتی ہیں اور حاشیہ پر ذیل کا نوٹ دیدیا جاتا ہے۔

"دو قدیمی یونانی نسخوں میں اور ایسا ہی دیگر مستند نسخوں میں یہ نو سے لے کر بیس کی اخیر تک آیات موجود نہیں۔ اور بعض دیگر نسخے اس انجیل کو کسی اور طریق پر ختم کرتے ہیں۔"

آہ کس قدر ظلم دُنیا پر ہوا۔ پھر یہ مترجم جو آئے دن ترجمے پر ترجمے شائع کرتے رہے۔ کیا اُنکی نگاہ تلے یُونانی نسخے نہ تھے۔ پھر حیرت آتی ہے۔ کہ جب انجیل مرقس کے دیگر نسخے اس کے آخری باب کو کسی اور بیان پر ختم کرتے ہیں تو کیا یہی خدا کا کلام اور رُوح القدس کے اثر سے لکھی ہوئی کتاب تسلیم کی جاتی تھی۔ جو انکشاف آج دنیا پر اِن آخری مصلحین ترجمہ کے طفیل ہُوا اُنکے متقدمین کے سامنے بھی تو یہ قدیمی یونانی نسخے موجود ہونگے پھر کیوں آج تک خاموشی اختیار کیگئی اور کیوں برسوں سے اِس جعل پر پردہ ڈالا گیا اور خلقِ خدا کو دھوکہ میں رکھا گیا۔ لیکن ہم کیا کریں۔ اور کس کس بات کو روئیں ابتدائی کلیسیا میں تو یہ عیب مُدت تک جاری رہا خدا کے جلال کو دُنیا میں قائم کرنے اور اُس کو پھیلانے کے لیے کذب و فریب سے کام لینا تو ان کے ہاں ایک ثواب کا کام صدیوں تک سمجھا گیا تھا۔

ان حالات کے باعث اگر ابتدائی کلیسیا کے پرستار مذہب کی عزت اور اُس کے استحکام کے لیے تقدس مآب کذب و افترا۔ کو استعمال کریں تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا۔ بدقسمتی سے بعض مقدس صحائف میں بھی اپنے کذب کو۔ خداوند کی سچائی کو جلال تک پہونچانے کا آلہ بنانے میں چنداں تامل نہیں کیا گیا۔

غلط واقعات کا لکھنا تو ابتدائی کلیسیا میں کچھ ایسا دائر اور سائر تھا۔ کہ آخر کار بشپ ایلی کاٹ کو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ ابتدائی عیسائیت میں "مقدس فریب" کا اصول برابر جاری تھا۔ سینٹ یوسی بس بڑے فخر سے لکھتا ہے کہ میں نے وہ تمام باتیں لکھیں جن سے عیسائیت کا جلال قائم ہو اور اُن تمام باتوں کو چھپایا جن سے اس مذہب کی ذلت ہو سکتی تھی۔ افسوس اس تقدس پر اور اس فخریہ اعلان پر!

وہ زمانہ جس میں عیسائیت نے یورپ میں آکر نشو و نما پایا۔ وہ زمانہ بالفاظ بشپ ایلی کاٹ ادبی اور علمی فریب کا ایک زمانہ تھا۔ کتابوں کی کتابیں اور مسودوں کے مسودے طیار ہوتے۔ اور دوسروں کے نام پر منسوب کر کے شہرت دیے جاتے۔ اور جب کبھی ان مقدس مصنفین پر ان تصنیفی جعلوں کا الزام دیا جاتا تو بقول جرمن ڈاکٹر گیسی لر یہ لوگ اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کر لیتے۔ کہ یہ جو کچھ کیا گیا نیک نیتی سے کیا گیا۔

یہ امر مسلم ہے کہ جب ان اناجیل اربعہ کو کلیسیا نے انتخاب کیا تو صدہا اور نسخہ جات بھی ان کے علاوہ موجود تھے جو ان چار انجیلوں سے مختلف تھے۔ کن وجوہ پر انکا انتخاب ہُوا۔ اور کن وجوہ پر دُوسرے نسخہ جات کو جعلی قرار دیا گیا۔ یہ امر خود ثبت سے امور پر روشنی ڈالتا ہے۔ کیا اگر باقی کی انجیلیں دروغ گو وقائع نگاروں نے لکھی ہوئی تھیں۔ تو ان چار انجیلوں کی صحت پر کونسی دلیل تھی۔ کم از کم یہ امر تو ظاہر ہے کہ صدہا انجیل نگار دروغگوئی سے کام لیتے تھے۔ جس مذہب کے ابتدائی بزرگ سینکڑوں نسخے جعلی طیار کر سکیں۔ اور پھر جو اُن میں سے چار انتخاب ہوں وہ بھی آخر کار جعل سے خالی ثابت نہوں۔ اُس مذہب کو دُنیا میں پیش کرنا۔ اور ایسی کتابوں پر اخلاق اور اعمال کا حصر رکھنا کس قدر غلطی ہے۔

مذہب عیسوی کے جلال کو قائم کرنیکے لئے بعض نے ایسی ایسی خطرناک جعلسازیوں سے کام

سے لیا۔ کہ جن کو سُن کر انسان حیرت میں چلا جاتا ہے۔ کتب خانہ جینوا میں اس وقت ایک چٹھی رکھی ہوئی ہے جو پیلاطوس کے قائم مقام لینطولوس کی لکھی ہوئی ظاہر کی جاتی ہے۔ اُس پر اُس رومی گورنر کے دستخط بھی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ چٹھی اُس نے رومی سینٹ کو لکھی تھی اِس میں ذیل کا فقرہ بھی موجود ہے۔

"یہودا میں ایک انسان پیدا ہؤا ہے جو بہت سی طاقتیں رکھتا ہے۔ اور اِس کا نام یسوع مسیح ہے۔"

آج یہ چٹھی جعل ثابت ہوتی ہے۔ اور اس پر رومی گورنر کے دستخط بھی جعلی۔ ایک چٹھی یا کتاب کا از سرِ نو لکھ لینا اور اُس کو کسی بڑے آدمی کے نام پر منسُوب کر دینا تو ایک معمولی کھیل تھا۔ غضب یہ ہے کہ دیگر اقوام کے مستند مصنفین کی کتابوں میں اس زمانہ کے بعض عیسائی مصنف عبارت کی عبارت الحاق کر دیتے تھے۔

جھودیوں میں ایک مشہور مصنف جوسی فس نام گذرا ہے اُس نے اپنے وقتوں کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں ذیل کا فقرہ بھی ہم پاتے ہیں۔

"اِس وقت یسوع۔ ایک دانا آدمی ظاہر ہؤا ہے۔ بشرطیکہ اُس کو آدمی کہنا صحیح سمجھا جاوے۔ کیونکہ اس سے معجز نما کام سرزد ہوتے تھے۔ اور وہ ایسے آدمیوں کا معلم تھا جو اس سے بخوشی صداقت قبول کرتے تھے۔ اُس کے متبع بہت سے جھودی اور رومی ہو گئے یہی آدمی مسیح تھا۔ اور اگرچہ ہماری قوم کے بڑے تعاینوں کے فیصلہ پر پیلاطوس نے اسے صلیب پر کھینچا۔ لیکن وہ تیسرے دن پھر جی اُٹھا۔"

یہ وُہ مشہور فقرہ ہے جو مدتوں دنیا کے ہر مشن حال میں گونجتا رہا کتابوں میں اقتباساً آتا رہا۔ مدتوں مشن کالجوں میں ہمیں سنایا گیا۔ اور اس سے مسیح کی صداقت کا استدلال کیا گیا۔ اِس میں جوسی فس جو ایک دشمن قوم یعنے جھودیوں میں سے ہے۔ وہ یسوع کے مسیح ہونے اور اُس کے صلیب پر چڑھنے اور تیسرے دن پھر جی اُٹھنے کی شہادت دیتا ہے اناجیل نویس تو آخر یسوع کے پیرو اور اُس کے حامی تھے۔ اُن پر تو طرفداری کا الزام بھی آسکتا تھا۔ لیکن جوسی فس جیسا مشہور مؤرخ جو جھودی الاصل تھا۔ وُہ صرف ایک فقرہ میں

کل انجیل نگاروں کی تحریروں کا خلاصہ دیدیتا ہے نہ صرف انجیلوں کا خلاصہ ہی بلکہ کل
مسیحی مذہب کے بنیادی اصولوں کی شہادت دیتا ہے۔ کوئی شخص مسیح نام تھا وہ معجزات
دکھاتا تھا وُہ صلیب پر کھینچا گیا۔ وُہ مرنے کے بعد تیسرے دن جی اٹھا۔ یہی چند امور ہیں جنکا
ذکر اناجیل اربعہ میں ہے اور جن پر عیسائی مذہب کی بُنیاد ہے۔ اب یہ سب اناجیل ایک طرف
اور جوسی فس کا یہ فقرہ ایک طرف۔ فی الواقعہ یہ جوسی فس کی شہادت ایک نہایت ہی زبردست
شہادت تھی جو ہمارے سامنے بسا اوقات پیش کی گئی۔ لیکن آج یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ
گیا۔ کہ یہ سارے کا سارا فقرہ جوسی فس کی کتاب میں مقدس عیسائی بزرگوں نے الحاق کردیا
جس کلیسیا کا اُٹھان اور آغاز ایسے مقدس ہاتھوں سے ہوں جو خداوند خدا کا جلال قائم کرنے
کے لیئے غلط بیانی۔ جعلسازی۔ الحاق کو جایز سمجھیں۔ جو کتابوں کی کتابیں فرضی لکھ ڈالیں
جو اوروں کی مستند کتابوں میں اپنے مطلب کے الحاق لگادیں۔ پھر کس قدر حیرت ناک بات
ہے کہ وُہ کمیٹی جو جمیس کے زمانہ میں بیٹھے اور اُس کے سامنے کل۔ قدیمی نسخے ہونگے جنمیں بُہت
سے قدیمی یونانی نسخوں میں ان آیات زیر بحث بالا کا نام تک بھی نہ ہوگا جو اس وقت بعض
امور مذہبی کی بنیاد ہیں۔ پھر یہ کمیٹی اُن قدیمی نسخوں کی تو پرواہ نہ کرے۔ اور بعد کے نسخوں کی
ان ملحقہ آیات کا ترجمہ کردے۔ پھر آئے دن ان تراجم کی اصلاح ہو اور ہر اصلاحی کمیٹی
قدیمی نسخوں کا معائنہ کرے۔ اور جمیس اوّل کے زمانہ سے لے کر آج تک کسی بھلے مانس کو خیال
نہ آیا۔ کہ دُنیا کو اِس غلطی سے بچایا جاوے۔ اور اطلاع دیجاوے۔ کہ جن آیات پر تثلیث اور
عیسائی مشن کو غیر قوموں تک پہنچانے۔ اور بے ایمان کو ابدی جہنم کا وارث قرار دینے کی بنیاد
ہے۔ وُہ بالکل جعلی اور الحاقی ہیں۔ ہاں جب خود منشکین کا ایک گروہ پیدا ہو کر ان تمام
اناجیل کی تنقید کرے اور ان جعلسازیوں اور الحاقوں کو زمانہ کے علم میں لائے۔ تو اُسوقت
نہایت خاموشی سے نئے اصلاح کردہ ترجمہ میں سے ان ایات کو نکال دیا جاوے اور تسلیم
کرلیا جاوے کہ یہ آیات قدیم نسخوں میں نہیں۔ کیا کسی مذہب کی بنیاد اُس کی الہامی کتاب
یا بانی مذہب کی تاریخ ہی نہیں ہوا کرتی۔ پھر جب الہامی کتاب یا اُس کی تاریخ کا یہ حال ہو
تو کیوں اُس کی بنیاد پر مذہب کی تبلیغ دُنیا میں ہو رہی ہے۔ کیا کسی عدالت میں وہ دستاویز

قابل عزت سمجھی جاتی ہے۔ جس کا ایک حصہ جعلی سمجھا جاوے۔ کیا یہ دلیل کسی ہوشمند کے سامنے قابل پذیرائی ہوتی ہے۔ کہ دستاویز کا جعلی حصہ چھوڑ دیا جاوے۔ اور باقی کا حصہ شہادت میں لیا جاوے۔ کوئی عقلمند اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر مذہب جیسے اہم معاملہ میں کیوں ایسی شہادت کو لیا جاتا ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ایسی ناقابل اعتبار کتاب میں اس کا وہی حصہ جعلی ثابت ہوتا ہے جو اُس دین اور مذہب کی بُنیاد ہے۔ عیسائی صاحبان اب کیوں دُنیا کو تثلیث کا غلط عقیدہ تعلیم کرتے ہیں۔ جب اُس کی بُنیادی آیت انجیل میں جعلی نکلی۔ بہرحال کیوں عیسائی مذہب غیر اقوام تک پہونچایا جاتا ہے۔ جب جناب مسیح کھُلے کھُلے الفاظ میں اپنی تمام مدۃ العمر غیر اسرائیلیوں کو اپنا مذہب سکھلانے سے پرہیز کرتے رہے اور اس امر سے نفرت کرتے رہے۔ اور جن آیات مندرجہ انجیل مرقس کی بنیاد پر پادری صاحبان نے یہ حق سمجھ رکھا تھا۔ کہ مسیح کی انجیل دُنیا کی کل قوموں تک پہنچا دیں وہ آج جعلی اور الحاقی ثابت ہوگئیں تو پھر کیا دیانت اور ایمانداری کا تقاضا نہیں۔ کہ کل عیسائی مشن بند کر دیے جاویں۔ اگر عیسائی مشن کے چلانیوالے جناب مسیح کے قول پر چلنا ایمانداری سمجھتے ہیں اور اُس کے کھُلے الفاظ کے خلاف کرنا بے ایمانی اور کور باطنی جانتے ہیں تو آؤ پھر اس معاملہ فارن مشن پر غور کریں۔ انجیل مرقس کے آخری باب کی ان گیارہ آیتوں کو انجیل سے نکال دو۔ پھر مسیح کا ایک قول بھی کل اناجیل میں ایسا نظر نہیں آتا۔ کہ جس میں دنیا کی غیر قوموں تک عیسائی مذہب پہونچانے کی اجازت دی گئی ہو۔ پھر تو وہی مسیح کے اقوال رہجاتے ہیں جن میں اُس نے غیر مختونیوں کو تبلیغ مذہب کے معاملہ میں کُتے اور سور قرار دے کر کہا کہ سؤروں کے آگے موتی اور کتّوں کے آگے بچّوں کی روٹی نہیں ڈالی جاتی۔ کیا کوئی ہے کہ جو اُستاد کے ان وصایا پر عمل کرے۔ آہ یہ کیا مذہب ہے۔ کہ جس نے صدیوں غلط راہ پر قدم مارا۔ اور آج جب صداقت کھُل گئی۔ تو اُن کے لیے اختیار کردہ قدموں سے واپس ہونا ایک مصیبت ہوگئی۔ آج خدا کی باتیں سچ ہوگئیں اور قرآن کا بول بالا ہوگیا۔ جو بات تیرہ سو برس ہوئے۔ اس خدا کی آخری کتاب نے کہی وُہ سچ ثابت ہوگئی جب یہ باتیں انگلستان میں مبلغین اسلام نے پیش کیں۔ اور انگریز نومسلموں نے پادریوں سے

جائز طور پر مطالبہ کیا۔ کہ جب خدا کا مذہب ہم نے خدا کی کتاب سے سیکھنا ہے نہ کہ ان علمان مذہب سے۔ اور خدا کی جو کتاب عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ وُہ اب جعلی ثابت ہو چکی ہے اور قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ امر محقق ہو گیا ہے۔ کہ مسیح سے دو تین صدیوں کے اندر اندر یہ کتابیں محرّف و مبدل ہو گئی تھیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ وُہ خدا جو انسانی ہدایت کے لیے ہمیشہ کتاب پر کتاب بھیجتا رہا۔ جب کوئی کتاب مفقود ہوئی اُس کی طرف سے دُوسری کتاب آئی۔ اور اس لیے آئندہ نسلاً بعد نسلاً آتی رہی۔ اب اگر جو تعلیم و تلقین جناب مسیح چھوڑ گئے وہ مخدوش و مشتبہ ہو گئی۔ تو کیوں خدا تعالےٰ از سر نو ایک اور کتاب نہ بھیجے۔ یہ ایک جائز مطالبہ تھا۔ جو مغربی نو مُسلموں نے پادری صاحباں سے کیا۔ اِس کا جواب کیا ہو سکتا تھا۔ صرف یہ کہ ان اعتراضوں کو تو تسلیم کیا جاتا اور قرآن پر من وجہٖ اِس قسم کے الزام لگانے کی کوشش کی جاتی۔ چنانچہ جو چند صفحات کیمبرج یونیورسٹی پریس میں ڈاکٹر منگانا اور ڈاکٹر اگنیس نے نکالے اور جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ کہ اُن کے قبضہ میں ایسے اوراق قرآن کے موجود ہیں جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت سے پہلے کے ہیں اور اِس میں اور مروجہ نسخہ جات قرآن میں اختلاف ہے اور اِس طرح قرآن کے محرّف ہونے کا من وجہٖ اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اسی بات کا نتیجہ ہے

جو اختلاف پیش کیے گئے ہیں اور جو دلائل اُس کے متعلق دیے گئے وہ اس قدر بودے اور بیہودہ ہیں کہ دراصل اُن کا جواب دینا بھی تضیع اوقات ہے۔ لیکن ہم نے یورپین مصنفین کا اِن معاملات میں یہ طریق عمل دیکھا ہے۔ کہ وہ پہلے نہایت ہی معمولی طریق پر کسی امر کا جو دراصل بے بُنیاد ہوتا ہے اپنی تحریر میں اشارہ کر دیتے ہیں۔ پھر اگر فریق مقابل خاموش رہے تو کچھ مدت بعد اُس پر کچھ ایزاد کر کے بعض نئے امور سجھاتے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد مختلف بیّنات اور قیاس پیش کرتے ہیں اور آخر کار اُس امر کو جو پہلے اشارہ اور کنایہ میں کہا گیا تھا۔ وہ بطور امر مثبتہ تسلیم کر لیتے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر منگانا کی کتاب قرآن کریم کے متعلق اس وقت ابتدائی حالت میں ہے۔ چند نہایت ہی بیہودہ باتیں پیش کر دی گئی ہیں جن لیکن اگر ہماری طرف سے آج خاموشی اختیار کی گئی۔ تو ایک دن کو قرآن کا محرّف ہونا خود بخود

ہی تسلیم کر لیا جاوے گا۔ راقم الحروف نے اس غرض سے مصر اور شام اور مدینہ میں جا کر اور ایسا ہی ہندوستان کے بعض مقامات سے ایسے نسخہ جات قرآن کا فوٹو لیا۔ جو پہلی اور دوسری صدی ہجری کے بتلائے جاتے ہیں۔ ارادہ یہ ہے کہ ڈاکٹر منگانا کی کتاب کا مکمل جواب کتاب کی صورت میں ہو۔ لیکن چونکہ اس غربی اسلامی مشن کی مالی حالت کو درست کرنا اور استحکام پر لانا۔ ایک فرض اولین تھا۔ اس لیے ڈاکٹر منگانا کی کتاب کا جواب لکھنا تعویق میں پڑ گیا۔ لیکن اسی رسالہ میں دوسری جگہ ایک مضمون مولینا مولوی صدرالدین صاحب کے قلم سے شائع کیا جاتا ہے۔ جو ڈاکٹر منگانا کی تحقیقات کے پول کو کھولنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ دو اور مضامین بھی اس کتاب کے جواب میں اسلامک ریویو میں نکلے ہیں جو اگلے نمبر میں ہدیہ ناظرین ہونگے۔ اور اس کے بعد جب جب اللہ تعالےٰ ہمیں فرصت اور سکون عطا فرمائے تو ایک مکمل جواب بھی دیا جاوے گا۔

میں جب سے انگلستان سے آیا ہوں مجھے ایک دن بھی چین اور سکون سے گھر بیٹھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ مشن کی مالی حالت کا استحکام مجھے ایک مقام پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن بہرحال اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہوا تو کچھ وقت نکال کر میں اپنی تحقیق کو برعایت اختصار اسلامک ریویو میں لکھ دونگا۔ ہاں ان تمام امور کی تفصیل ایک مستقل کتاب میں کر دی جاویگی جس کو بحولہ وقوتہ ایسے طریق پر لکھا جاویگا۔ کہ مخالفین کا یہ آخری حملہ جو اس رنگ میں محض ہمارے نومسلم انگلش نژاد بھائیوں کو دھوکہ دینے کے لیے کیا گیا ہے۔ ہمیشہ کے لیے مر جائے اور پھر مخالف سر نہ اٹھائے ؎۔

خواجہ کمال الدین

فٹ نوٹ۔ اس مضمون کے بعض حوالے امریکہ کے رسالہ ریشنلسٹ سے لیے گئے۔

لارڈ ہیڈلے کی تقریر کا جواب

پیارے جناب :-

میں وہ خاتون ہوں جس کی نسبت لارڈ ہیڈلے نے ۲۱- فروری کو مسجد میں بے تعصبی پر تقریر کرتے ہوئے اشارہ کیا تھا - اور میرے ہی خط کا ایک حصہ اُنھوں نے سنایا تھا - جب میں نے اُن کو خط لکھا تھا - تو میرے کبھی وہم میں بھی نہ تھا - کہ میرا خط اس طرح مشتہر ہوگا - لیکن مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کہ ایسا کیوں ہوُا - اور لارڈ ہیڈلے نے جو میرے الفاظ سنائے وہ ٹھیک وہی تھے جو مینے لکھے تھے - لیکن یہ میں ضرور کہوں گی - کہ میرے خط کا ایک حصہ غلط طور پر سمجھا گیا - اِس لیے میں اُسے ذرا کھول کر بیان کرنا ضروری سمجھتی ہوں - لارڈ ہیڈلے نے یہ مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ میرے خط کو اسلامک ریویو میں خوشی سے درج کردیں گے اور اگر ایسا آپ کریں گے تو میں آپ کی وسیع القلبی - مہربانی اور اخلاق کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں گی جب میں نے لارڈ ہیڈلے کو لکھا تھا - کہ آئندہ مجھے اسلامک - ریویو کی کوئی جلد نہ بھیجیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے یہ خیال کیا (اور ایسے موقع پر ایسا خیال پیدا ہونا لازمی امر ہے) کہ میں ڈرتی ہوں کہ اسلام کی سادہ تعلیم کے زیادہ مطالعے سے میرا ایمان مسیح کی الوہیت کی نسبت کمزور پڑ جائیگا لیکن میں نہایت زور سے کہتی ہوں کہ یہ خیال کبھی میرے دماغ میں نہیں گذرا - ہاں میں کہتی ہوں نہیں گذرا - نہیں گذرا - اور ہزار دفعہ کہتی ہوں نہیں گذرا - جس پر میرا ایمان ہے اسے میں خوب جانتی ہوں - بلکہ اِس مطالعہ نے تو میرا ایمان خدا کے بیٹے پر اور زیادہ بڑھایا ہے جس نے محض ہماری محبت کی خاطر اپنی جان قربان کی - میں نے لارڈ ہیڈلے کو یہ اس لیے لکھا تھا کہ اس میگزین میں ایک مضمون مَیں نے ایسا پڑھا تھا جس میں اُس کی توہین تھی جسے میری روح پیار کرتی ہے جس نے میری زندگی کے لیے اپنا قیمتی خون کلوری پر بہایا - اور جو خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہوُا ہے - اور جو کہ جلد آنے والا ہے - اور بڑی قوت اور جلال کے ساتھ

آنے والا ہے۔ لارڈ ہیڈلے نے اپنی تقریر کے دوران میں بعض آیات کی طرف جو مَیں نے ناسی بقصص اشارہ کرکے یہ بھی کہا تھا کہ یہ تعلیم اصولاً مسیح کی اصلی تعلیم سے جو انجیل میں موجود ہے بالکل مختلف ہے مجھے اس سے یہ سمجھ آیا ہے کہ لارڈ ہیڈلے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ خداوند یسوع مسیح نے خود خدا ہونے کا کبھی دعوے نہیں کیا۔ اگر ایسا ہے تو پھر اُس نے سامری عورت کے سوال کے جواب میں یہ کیوں کہا۔ کہ میں جانتا ہوں کہ "مسیح آتا ہے جو کرائیسٹ کہلاتا ہے" "میں جو تجھ سے بول رہا ہوں وہی ہوں" یوحنا کی انجیل باب ۸ آیت ۵۸ کے کیا معنی ہیں۔ وہاں "یہواہ" کا لفظ موجود ہے۔ وہاں مسیح نے صاف کہا ہے کہ "پیشتر اس سے کہ ابراہیم ہو میں ہوں" کم سے کم یہودیوں نے اسے خوب سمجھا۔ کیونکہ اُنھوں نے اس کو سنگسار کرنے کو جو پتھر اُٹھائے تو اپنے عقیدہ کے مطابق کفر و الحاد سمجھ کر اُٹھائے۔ یہ ٹھیک وہی الفاظ ہیں۔ جو یہوداہ نے خروج باب ۳ آیت ۱۴ میں استعمال کیے ہیں۔ نیز یوحنا کی انجیل کے باب ۱۰ آیت ۳۰ اور ۳۶ اور باب ۱۹ آیت ۵ ۔ ۷ میں بھی یہ حوالجات نہایت صفائی سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ اُسنے اپنے تئیں خدا باپ کے بالکل برابر ہونے اور اُس کے ساتھ متحد ہونے کا دعوے کیا متی کی انجیل باب ۲۸ آیت ۱۹ دیکھو۔ جہاں خداوند کہتا ہے "اس لیے تم جاکر سب قوموں کو شاگرد کرو اور انھیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو" دیکھو یہاں ناموں سے بپتسمہ دینے کو نہیں کہا۔ بلکہ "نام" سے۔ پس "نام" جو واحد کا صیغہ ہے۔ کس طرح بپتسمہ دے سکتے ہیں۔ جب تک باپ بیٹا اور روح القدس ایک ہی نہ ہوں۔ اسی طرح اور بے شمار حوالے ہیں۔ اگر لوگ انجیل کو وسیع القلبی سے مطالعہ کریں تو وہ مسیح کو ہر صفحہ پر پائیں گے۔ وہ کہتا ہے "انجیل میں تلاش کرو۔ کیوں وہ میری شہادت دیتی ہے"۔ کیوں عید فسح مقرر ہوئی کیوں لیلا ذبح کیا گیا۔ اور چوکھٹوں پر کیوں اُس کا خون چھڑکا گیا۔ کیوں خدا نے کہا جب میں خون دیکھوں گا۔ تو اُس پر سے گذر جاؤں گا۔ (خروج باب ۱۲ آیت ۱۳) کیا اس کا یہ مطلب نہ تھا۔ کہ بنیاد عالم سے جو لیلا ذبح ہوگا۔ یعنے مسیح کی قربانی کے لیے یہ ایک نشان ٹھہرے۔ اور وہ جو نوجوان آدمی کو یسوع نے کہا تھا۔ کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ یہ دراصل اُس کا اپنی الوہیت کی نسبت صاف اقرار تھا۔ ہمارے نجات دہندہ نے جس بات پر زور

دیا تھا وہ صاف ہے۔ یعنے اگر میں نیک ہوں تو ضرور ہے کہ میں خدا ہوں کیونکہ کوئی نیک نہیں مگر ایک۔ اور وُہ خدا ہے۔ اور اگر میں خدا نہیں تو میں نیک بھی نہیں۔ اب میں طوالت کے خوف سے لارڈ ہیڈلے کے تمام اعتراضات کا جواب نہیں دے سکتی۔ پہلے ہی میں نے آپ کی مہربانی کا حد سے زیادہ فائدہ اُٹھالیا ہے۔ بالآخر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ انجیل میں مجھے خدا تک پُہنچنے کے لیئے سوائے صلیب کے یعنے سوائے یسُوع مسیح کے۔ اور کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ جو کہتا ہے میں راہ ہوں۔ اور سچائی ہوں۔ اور زندگی ہوں۔ کوئی شخص باپ تک نہیں پہونچ سکتا۔ مگر مجھ میں ہو کر۔ یہ خدا ہے جو ایسا کہتا ہے۔ نہ کہ کلیسیا۔ اگر کوئی راہ بیچاری ہلاک شدہ دُنیا کی نجات کے لیے ہوتی۔ تو خدا وہ راہ کیوں نہ اختیار کرتا؟ کیا اپنے پیارے اکلوتے بیٹے کو ایسے دُکھ اور عذاب کی موت دینے سے اُس کو دُکھ نہیں ہوا؟ کیا خدا کے بیٹے کو اس سے تکلیف نہیں ہوئی۔ کہ وُہ اپنے نور اور محبت بھرے آسمان کو چھوڑ کر ستاروں کی بلندی سے نیچے اترا اور اپنی جان کو قربان کرنے کی خاروار راہ کو طے کر کے شرم اور ذلّت کی صلیب پر لٹک گیا۔ جہاں وہ ہمارے لئے لعنتی ہوا۔ اور جہاں ہماری بجائے خدا کا غضب اُن پر نازل ہوا۔ اور جس کی وجہ سے خدا کی لا انتہا مہربانی کا شکر ہے۔ کہ ہر ایک بیچاری رُوح خواہ وہ صراط مستقیم سے کتنی ہی دُور اُفتادہ کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ کی زندگی پا سکتی ہے +

میں ہوں پیارے جناب آپ کی وفادار
کانسٹنیا سرجنٹ مصنفۂ وہن دی سینٹس ہیو گان
اور ممبر آف سوسائٹی آف آتھرس (مصنفان)

مسلم انڈیا:۔ مندرجہ بالا خط ظاہر کرتا ہے۔ کہ راقمہ یسوُع کو خدا کا بیٹا یا خدا یقین کرتی ہیں۔ اور یہ کہ تمام بنی نوع انسان اپنی فطرت میں گناہگار ہیں۔ اور یہ کہ یسوع مسیح کا صلیب پانا ہی صرف ایک راہ نجات کی ہے۔ اور بس۔ اس خاتون نے اپنے ان مذہبی خیالات پر کوئی دلیل نہیں دی۔ بلکہ سارا انحصار اُن نتائج پر رکھا جو اُنھوں نے اپنے خیال کے مطابق انجیل کی بعض آیات سے اخذ کئے ہیں۔۔ یہ ہم رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے

سیف الرحمٰن شیخ رحمت اللہ فاروق پر چھوڑتے ہیں۔ کہ وہ اپنی تقریر کی اس تنقید پر بحث کریں۔ لیکن ہم مذکورہ بالا خاتون کی توجہ بائبل کی مرقومۃ الذیل آیات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ انجیل سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتی ہیں۔ تو انجیل کے مندرجہ ذیل حوالوں پر ہی ذرا غائر نظر ڈالیں +

(۱) امر اول۔ ایک بچہ جو انسان کا باپ ہوتا ہے۔ پیدائشی اور فطرتی طور پر گناہگار نہیں ہوتا۔

" اُس وقت شاگردوں نے یسوع پاس آکے اُس سے پوچھا۔ کہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کون ہے؟ یسوع نے ایک چھوٹا لڑکا بلا کے اُسے اُن کے بیچ میں کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ اگر تم لوگ توبہ نہ کرو۔ اور چھوٹے لڑکوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے۔" (متی کی انجیل باب ۱۸ آیت ۱-۳ تک)

(۲) امر دوم۔ احکام شریعت کی پابندی کی تاکید۔ آسمانی بادشاہت کی راہ :-

" اور دیکھو ایک نے آکے اُس سے کہا۔ اے نیک اُستاد میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اُس نے اُسے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے؟ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنے خدا۔ پر اگر تو زندگی میں داخل ہوا چاہے۔ تو حکموں پر عمل کر۔" (متی باب ۱۹ آیت ۱۶-۱۷)

" یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنیکو نہیں۔ بلکہ پوری کرنیکو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ پر جو کوئی عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تمھیں کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے۔" (متی باب ۵ آیت ۱۷-۲۰)

(۳) امر سوم۔ تمام راستباز لوگ مقدس نبی مسیح کے ساتھ خدا کے بیٹے کہلانیکا حق رکھتے ہیں :-" اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ اور جو تم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہیں

کینہ رکھیں اُن کا بھلا کرو۔ اور جو تمھیں دُکھ دیں اور ستاویں اُن کے لئے دُعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو" (متی باب ۵ آیت ۴۴-۴۵)

"مبارک وے جو صلح کرنیوالے ہیں۔ کیونکہ وے خدا کے فرزند کہلائیں گے" (متی باب ۵ آیت ۹)

"اِس لئے کہ جو کوئی خدا کی مرضی پر چلتا ہے۔ میرا بھائی اور میری بہن اور ماں وُہی ہے" (مرقس باب ۳ آیت ۳۵)

"اور زمین پر کسی کو اپنا باپ مت کہو کیونکہ تمہارا ایک ہی باپ ہے جو آسمان پر ہے" (متی باب ۲۳ آیت ۹)

"جو تمھیں قبول کرتا مجھے قبول کرتا ہے۔ اور جو مجھے قبول کرتا ہے اُسے جس نے مجھے بھیجا قبول کرتا ہے۔ جو نبی کے نام سے نبی (یسوع) کو قبول کرتا ہے نبی کا اجر پائیگا۔ اور جو راستباز کے نام سے راستباز (شاگرد) کو قبول کرتا راستباز کا اجر پائیگا" (متی باب ۱۰ آیت ۴۰-۴۱)

ہر ہائینس جناب بیگم صاحبہ بھوپال اور مسلم انڈیا

"ذیل میں ہم مسلم انڈیا کے رسالے سے حضور بیگم صاحبہ بھوپال کی اُس چٹھی کا ترجمہ دیتے ہیں جو حضور نے مس ڈی سلین کورٹ (ہیڈ مسٹرس زنانہ ہائی سکول الہ آباد حال مقیم انگلستان) کو روانہ کی تھی جسکے مطالعہ سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ اسلام کے خلاف کتنی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اور کن کن ذرائع سے اسکی نسبت بدگمانی پھیلانے کی کوشش کیجا رہی ہے۔ نہ صرف طبقہ ادنیٰ و متوسط میں بلکہ اعلےٰ طبقہ کے مسلمان مردوں اور عورتوں میں بھی اسلام کی نسبت بدگمانی پھیلانیکی کوشش برابر جاری ہے۔ کیا اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم لوگ اسکا کچھ تدارک کریں۔ اور ہر ایک طبقہ کے مسلمانوں میں حقیقی اسلام کی رُوح پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ بیگم صاحبہ بھوپال کا عملی نمونہ اس قابل ہے کہ ہمارے امراء و نواب صاحبان اسکی پوری پوری تقلید کریں۔ اور دُنیا کو دکھا دیں۔ کہ امارت کے باوجود وُہ اسلام کی نسبت اپنی غیرت رکھتے ہیں کہ کوئی لفظ اسکے خلاف سُننا پسند نہیں کرتے۔ بہرحال بیگم صاحبہ کا خط حسب ذیل ہے۔

"ڈیئر میڈم۔ میں آپکے خط مورخہ ۲۰ اگست اور نیز کاغذات ملفوفہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں نے ان تمام کاغذات کو نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اور ہم یورپ کی ان تمام شریف اور لائق خاتونوں کے بہت بہت مشکور ہیں۔ جو نہایت ہمدردی اور جوش کیساتھ اپنی مشرقی بہنوں کی حالت کو ترقی پر لانیکی تجاویز پر عمل پیرا رہتی ہیں۔ میں سچے دل سے اسبات کی متمنی ہوں

کہ یہ قابل تعریف کوششیں غیر معمولی طور پر کامیاب ثابت ہوں جسکی وہ واقعی مستحق ہیں مجھے افسوس ہے کہ اپنی ریاست کے کاروبار کی مشغولیت نے مجھے اتنی فرصت نہیں دی کہ میں گذشتہ ولایتی ڈاک میں آپکو مفصل خط لکھ سکتی آپکے مرسلہ کاغذات کا بغور مطالعہ کرنیکے بعد میں اس امید پر مسئلہ زیر بحث پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی جرأت کرتی ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر ان کو غور و خوض کے لئے کمیٹی کے ممبروں کے روبرو پیش کردیں گی۔

پیشتر اسکے کہ اس مسئلہ کے متعلق میں اپنی رائے کا اظہار کروں۔ میں آپسے اور نیز مجوزہ سکیم کے ترقی دینے والی حضرات سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مس رچرڈسن نے اسلام میں عورتوں کے درجہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے مذہب اور سوسائٹی کی پوری پوری واقفیت اور کامل علم پر بالکل مبنی نہیں ہیں۔ اسکے خیالات میں اسلام دیگر مذاہب کی نسبت اصولی طور پر عورتوں اور ساتھ ہی اسکے تمام سوسائٹی کو قعر مذلت میں پھینک دیتا ہے اور وہ اسبات پر متعجب نہیں کہ بکثرت مسلمان مستورات دھوکہ باز۔ بدباطن ذلیل۔ بدکار ہوتی ہیں۔ اس معاملہ میں میں سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہہ سکتی کہ بلا کسی خاص وجہ کے تمام مسلمان عورتوں کو بدنام کردینا سخت ناواجب ہے۔ میں مذہباً مسلمان ہوں۔ اور اس لئے میں مقابلتاً اپنے مذہب کے اصول سے واقف ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلام نے کوئی ایسا اصول یا حکم نہیں دیا جسکی رُو سے صنف نازک (عورت) کا مرتبہ کسی طریقہ سے ہتک آمیز قرار دیا جاسکے۔ برخلاف اسکے مذہب اسلام نے عورتوں کا ایسا اعلےٰ درجہ رکھا ہے جسکی وہ ہر طرح مستحق تھیں۔ اسلام نے عورت کو نہ صرف مذلت کے اس گڑھے سے نکالا جسمیں اسلام سے پہلے گری ہوئی تھی بلکہ اسنے اسکو خاص طور پر ایک ایسا قانونی درجہ دیا جو رسول اکرم صلی اللہ وسلم کے تشریف لانیسے پہلے عورتوں کیساتھ روا نہ رکھا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا کہ عورتوں کیساتھ نہایت ادب سے پیش آنا چاہیئے۔ کیا قرآن شریف کے یہ الفاظ نہیں ہیں ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔ حضرت نبی کریم کی مقدس تعلیم نے عورت اور مرد میں مساوات قائم کردی ہے۔ اور میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتی ہوں کہ اسلام نے عورتوں کی ذہنی اور معاشرتی ترقی کے لیے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے ممکن الوقوع قوانین تسلیم کیے ہیں۔ اسلام نے عورتوں کا بیحد لحاظ اور ادب رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور میری دلی خواہش ہے کہ یورپ کی عورتیں بھی جانتی ہوتیں تاکہ وہ سب سے پہلے قرآن شریف کا مطالعہ کرسکتیں جس سے انکی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں۔ اسلامی مصنفین اور نیز غیر طرفدار یورپین محققین نے اس مسئلہ کے ہر ایک پہلو پر نہایت قابلیت سے بحث کی ہے اور انکے دلچسپ مضامین پڑھنے سے ہر ایک شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ اسلام نے عورتوں کیساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ دنیا کے اور کسی دوسرے مذہب نے نہیں رکھا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف جسقدر بھی غلط اتہامات مشہور ہو گئے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نبی کریمؐ کی اصلی تعلیم اور احکامات کے متعلق سخت جہالت اور لاعلمی چھا رہی ہے تاریخ اسلام ایسی ہزارہا مثالوں سے بھری پڑی ہے جسمیں مسلمان عورتوں نے اپنے مقدس مذہب کی تحریک سے ہی اعلےٰ درجہ کی تربیت اور تعلیم حاصل کی ان عورتوں میں بڑی بڑی علامہ فقیہہ اہل علم اور فنون لطیفہ کی ماہر ہو گذری ہیں اور وہ اپنے بعد آنیوالی نسلوں کے لیے بہادری اور سچائی کی کامیاب کی ایسی شریفانہ مثالیں چھوڑ گئی ہیں جو کہ دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ منبروں پر کھڑی ہو کر خوشتر وعظ کیا کرتی تھیں دار العلوم کے کمروں میں فقہ پر لکچر دیا کرتی تھیں۔ ملک کے سیاسیات میں بھی وہ کافی حصہ لیا کرتی تھیں لڑائیوں میں جنگجو حقوق طلب عورتوں کی کارروائیوں کیطرح نہیں بلکہ عمدہ مشوروں سے وہ ملک کی پالیسی اور نظام کو بہتر بنایا کرتی تھیں میدان جنگ میں مسلمان عورتیں زخمیوں اور بیماروں کی خبرگیری کیا کرتی تھیں اور جیسا کہ آپکو معلوم ہے مردوں کے دوش بدوش لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں یہ وہ صفات ہیں جو مسلمان عورتوں نے اس شخص (حضرت نبی کریمؐ) کے ظہور کے تھوڑے عرصے کے بعد حاصل کر لی تھیں جس سے ہماری مغربی بہنیں بالکل لاعلم ہیں ہم سب آپکی سچی ہمدردی کی مشکور ہیں جسکا آپنے اظہار کیا ہے۔ مگر ہماری آپسے بمنت درخواست ہے کہ آپ ہمارے تنزل اور پستی کی موجودہ حالت کو جبکہ آپنے ہمارے پاک مذہب کے اخلاق کا ابھی تک مطالعہ ہی نہیں کیا اور پھر یہ کہ آپ ہمارے مذہب کے بنیادی اصولوں سے بھی بالکل ناواقف ہیں اسلام کیطرف منسوب نہ کریں۔ یہ ممکن ہے کہ بعض حصص میں مسلمان عورتیں بقول مس رچرڈسن پستی اور ذلت کے گڑھے میں گر گئی ہوں لیکن ہمیشہ کثرت کو دیکھکر فیصلہ کیا جاتا ہے اور مذہب بھی دراصل وہی مفید ہے جسکا انجام ہماری نجات ہو۔ نہ وہ مذہب جسکا اثر صرف بعض خاص حلقوں میں پایا جاتا ہو جسکا علم سوائے مس موصوفہ کے اور کسی کو نہیں۔ جو خراب عادات بقول مس رچرڈسن بعض مسلمان عورتوں میں پائی جاتی ہیں وہ ہمارے قومی تنزل اور پستی کا نتیجہ ہیں جب کوئی قوم گردش زمانہ کے نیچے آجاتی ہے۔ تو اسوقت کہیں کہیں ایسے ہو جاتے ہیں جسکا باعث مذہب سے غفلت کرنا ہوتا ہے لیکن تمام سچے مسلمانوں کے لیے انکا سچا مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جسکو خدا کی مقبولیت اور زندہ طاقت ہونیکا شرف حاصل ہے میں سوائے اسکے اور کچھ نہیں کر سکتی کہ اپنی مغربی بہنوں سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنیکی درخواست کروں جو ہمارے پاک مذہب کا سرچشمہ ہے۔ اور نیز ہمارے بزرگان سلف کی تصانیف کا۔

میرے اپنے خیال میں جوش مردانگی مشرق سے ہی یورپ میں آیا ہے۔ اور قرون اوسط کے تمام مؤرخ میرے ہی قول کے مؤید ہیں یہ امر کہ ہماری مغربی بہنیں نسائیت کے مشرقی خیال کو کس قدر قابل ہتک خیال کرتی ہیں میرے نزدیک شومئی قسمت ہے۔

میں اب اس خط کے لکھنے کے اصل مدعا کیطرف توجہ کرتی ہوں۔ ہندوستان میں تعلیم نسوان کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے مجھکو

سب سے پہلے ان چند کوششوں کا خیال رکھ لینا چاہیئے۔ جو ابتک اس معاملہ میں کیجا چکی ہیں ہمیں یہ لحاظ بھی رکھنا چاہیئے۔ کہ تعلیم کو ترقی دینے کا فرض اس ملک میں گورنمنٹ باحسن وجوہ ادا کرتی رہی ہے۔ اس نے ہند کے تمام اہم مرکزوں میں یونیورسٹیاں قائم کردی ہیں۔ جن سے بیشک مردوں ہی نے فائدہ حاصل کیا ہے۔ اور عورتیں بالکل جاہل رہگئی ہیں۔ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں علی خاندانوں کی لڑکیاں اپنے گھروں میں گھر کی بوڑھی عورتوں سے تعلیم و تربیت حاصل کیا کرتی تھیں۔ اور یہ انتظام اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق مناسب تھا۔ اسلئے اسکے نتائج بھی مفید نکلے تھے لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے اور اب ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کہ لڑکیوں کو کثرت تعداد میں تعلیم دیجائے تعلیم نسواں کا مسئلہ اس زمانہ میں نہایت اہم ہوگیا ہے۔ اسلئے اس غرض سے ہندوستان میں ایک وسیع نظام قائم کرنیکے لئے ہمدردانہ اور پرجوش کوششیں درکار ہیں میرے نزدیک درسگاہوں کی غلامانہ تقلید ہمارے اغراض اور مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی مشرقی عورتوں کی تعلیم و تربیت مغربی عورتوں کی تعلیم و تربیت سے مختلف اصولوں پر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ مشرقی ممالک میں پردہ کے رواج نے کچھ قیدیں لگادی ہیں۔

اس مسئلہ کے نہایت اعلیٰ تعلیمی نصب العین کے حصول کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے۔ کہ لڑکیوں کے مطالعہ کیلئے نہایت عمدہ کتب درسی مہیا کیجائیں۔ مرکزی مقامات پر زنانہ ٹریننگ کالج قائم کئے جائیں جہاں استانیاں تعلیم حاصل کرسکیں اس مدعا کے حصول کے لئے معزز اور شریف گھرانوں کی عورتوں کو وظائف دئیے جائیں۔ تاکہ وہ اس فن میں اپنے آپکو زیادہ ماہر بنا سکیں۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں کا موجودہ طریق امتحانات میری رائے میں عورتوں کیلئے عمدہ نتائج پیدا نہیں کرسکتا۔ جو زنانہ مدارس ہمنے بھوپال میں قائم کئے ہیں وہ نہایت خوش اسلوبی سے کام کر رہے ہیں اور وہاں شریف گھرانوں کی متعلمین کو تعلیم حاصل کرنیکے لئے کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ علیگڈھ میں بھی ایک زنانہ سکول عمدہ طریق سے کام کر رہا ہے۔ اسیطرح ہندوستان کے دیگر اقطاع میں مختلف زنانہ سکول و کالج ہیں۔ جو انتظام پردہ کیساتھ عمدہ تعلیم و تربیت دے رہے ہیں۔ پردہ کی جملہ ضروریات کا مہیا کرنا بھی اشد ضروری ہے اور میں امید کرتی ہوں کہ ہماری مغربی بہنیں اس ضرورت کو نظر انداز نہ کریں گی۔

میری پیاری میڈم۔ یقین رکھئے۔ کہ میں ہندوستان میں ترقی تعلیم کے لئے کسی سے کم دلچسپی نہیں رکھتی۔ اور جو ممکن امداد میں اس بارہ میں کرسکتی ہوں۔ بڑی خوشی سے دینے کو تیار ہوں۔

آخر میں میری دعا ہے۔ کہ خدا آپ کو اس اہم کام میں کامیابی دے۔ جو آپنے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

دستخط

(سلطان جہاں آف بھوپال)

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

ووکنگ مشن کی رپورٹ

گذشتہ اشاعت کے بعد ولایت سے دو اور انگریزوں کے مشرف باسلام ہونے کی خبر موصول ہوئی ہے۔ ان ہر دو کے متعلق ہمارے مکرم و معظم جناب مولانا مولوی صدر الدین صاحب نے جو تفصیلی حالات لکھکر بھیجے ہیں۔ وہ ذیل کی دو چٹھیوں سے ہویدا ہیں:-

ایک انگریز نوجوان کا مشرف باسلام ہونا

اس اتوار مسجد ووکنگ میں بڑا بارونق جلسہ ہوا۔ ایک زیرک نوجوان نے مسجد میں اپنے اسلام اختیار کرنیکا اعلان کیا۔ اُس نے توحید باریتعالی و رسالت جناب سید المرسلین محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کیا گیا کلمہ طیب پڑھا گیا۔ ازاں بعد انھوں نے ایک مختصر سی تقریر میں وجوہ بیان کئے کہ کیوں اسلام کو نصرانیت و یہودیت پر ترجیح دیتا ہوں۔ انکے بعد ہمارے مکرم معظم نو مسلم پروفیسر مصطفےٰ لیون کا وعظ ہوا جو بڑا مؤثر تھا۔ اسدن ظہر و عصر و مغرب و عشا کی نمازوں میں مسجد میں تین صفیں نمازیوں کی نظر آتی تھیں۔ یہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل کی بات ہے۔ اللھم زد فزد۔ فالحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ والسلام

دستخط خاکسار صدر الدین۔ بقلم بلال نور احمد۔ ۲۰ رمئی ۱۹۱۵ء

ایک قیمتی وجود کا برادری اسلام میں داخل ہونا

ایک ایسے شخص کے مسلمان ہونے کی خبر آپ کو دیتا ہوں جو یہ خیال لے کر لواءِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے آیا ہے۔ کہ امریکہ میں اخوت اسلامیہ کا دائرہ وسیع کرے اور اس فطری مذہب کی سچائی اور نور کو ریاستہائے متحدہ شمالی امریکہ میں پھیلائے۔ اللہ تعالےٰ یہ وجود ہمارے لیے مبارک کرے۔ اور اُن کو اسلامی فیوض سے متمتع کرے۔ ان کے اخلاص اور صواب کو بار آور فرمائے آمین ثم آمین۔ فالحمد للہ رب العلمین والسلام

دستخط خاکسار صدر الدین امام مسجد ووکنگ بقلم بلال نور احمد

۲۷ رمئی ۱۹۱۵ء

نوٹس۔ ڈاکٹر عبد المجید خانصاحب و خواجہ عبد الوحید صاحب عنقریب معاونین رسالہ اشاعت اسلام کی خدمت میں حاضر ہونگے تا رسالہ کے تازہ خریدار پیدا کریں۔ امید ہے ہمارے دوست انکی امداد فرمائینگے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولٰئک هم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ جولائی ۱۹۱۵ء | نمبر (۷)

قیمت سالانہ (عہ)

فہرست مضامین

قیمت سالانہ (۲)

ماخوذ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جون

(سنہ ۱۹۱۵ء)

باہتمام خلیفہ رشید الدین صاحب پرنٹر

وی پی وصول کنندگان اصحاب امور ذیل پر توجہ کریں

بعض وقت ہم کو وہ کوپن زر وصول شدہ وی پی کے ساتھ ڈاک خانہ سے محفوظ حالت میں نہیں ملتا۔ کہ جس پر وصول کنندہ کا نام اور پتہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ روپیہ تو ہمیں وصول ہو جاتا ہے لیکن کوپن کے مذکورہ بالا نقص کے باعث ہمیں شخص مذکور کا پتہ نہیں چلتا۔ اور وقت سے آئندہ رسالہ جاری نہیں ہو سکتا۔ ایسی شکایات کثرت سے آتی ہیں۔ اس میں ہمارا قصور نہیں۔ اس نقص کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی صاحب وی پی وصول کریں۔ یا تو اسی وقت ایک کارڈ سے ہمیں اطلاع بخشیں کہ انھوں نے وی پی وصول کر لیا۔ اور اپنا پتہ اور اسم گرامی خوشخط لکھدیں۔ یا جس وقت دوسرے ماہ رسالہ نہ پہونچے۔ تو فی الفور ہمیں اطلاع دیں۔ کہ وہ قیمت تو دے چکے ہیں لیکن رسالہ نہیں پہونچتا۔ عین عنایت ہوگی۔

منیجر

اشاعت اسلام (عزیز منزل) احمدیہ بلڈنگس نولکھا

(لاہور)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن
جلد (۱) ــــ بابت ماہ جولائی ۱۹۱۵ء ــــ نمبر (۷)

شذرات

اس ماہ میں انگریز نومسلین کی تعداد میں معقول اضافہ ہوا ہے۔ سب سے بڑھ کر خوشی کی بات ووکنگ کے ایک سارے کے سارے خاندان کا اسلام لانا ہے میاں بیوی دونوں کو بہت دنوں سے اسلام کے ساتھ خاص تعلق اور محبت تھی۔ قرآن کریم کے درس میں بلکہ نماز میں بھی کبھی کبھی شامل ہو جایا کرتے تھے مسجد کی خدمت کی بھی خاص محبت دل میں تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس اخلاص کا اجر یہ دیا کہ علی الاعلان سلسلۂ اخوت اسلامی میں منسلک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دین و دُنیا کے حسنات عطا فرمائے۔

ایک اور نوجوان خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جو لنڈن کا رہنے والا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کے لیئے خاص جوش ہے۔ اور قبولیت اسلام سے پہلے ایک مختصر سی تقریر

میں اس نے ان وجوہات کا ذکر کیا۔ جن کی بنا پر وہ اسلام کو یہودی اور عیسائی مذہب پر ترجیح دینے کے لیئے مجبور ہوا۔ اسلامی نام مسلمان رکھا گیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس نوجوان کا جوش اسلامی تحریک کے لیئے مفید اور بابرکت ہوگا +

گذشتہ ماہ میں ہمارے معزز بھائی پروفیسر ہارون مصطفےٰ لیون۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ نے مسجد ووکنگ اور لنڈسی ہال لنڈن میں دو قیمتی وعظوں سے سامعین کو محظوظ کیا +

ہندوستانی مسلمان سپاہیوں کی تجہیز وتکفین جو اپنے بادشاہ اور اپنی سلطنت کی حمایت میں جانیں دے رہے ہیں۔ ہمارے فرائض میں سے ہے۔ گو اس کی ادائیگی ایک غمناک دل سے کرنی پڑتی ہے۔ ایک ہندوستانی افسر کو جس کے جسم پر سات زخم تلوار اور بندوق کے تھے۔ ابھی قبرستان میں دفن کیا گیا ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے فوجی اعزاز کیا گیا +

موعود تسلی دھندہ

حیات فی الممات

اسلامک ریویو کی گذشتہ اشاعت میں کرو یچ اینڈ کے رہنے والی مسز ہیرس کے انتقال کی افسوسناک خبر درج ہو چکی ہے۔ لیکن اس واقعہ میں اس امر کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ہی وہ موعود تسلی دھندہ تھے۔ جن کے آنے کی خبر حضرت مسیح نے دی تھی۔ مسز ہیرس عیسائی تھیں۔ لیکن اُن کے مذہب نے انھیں وہ تسلی نہ دی۔ جس کے لیئے اُن کی رُوح تڑپتی تھی۔ عیسائیت کے اصول اُن کے دل کو نہ لگتے تھے۔ یعنی یہ کہ خاوند وستقدس خدا نے کوئی بیٹا جنا۔ اور وہ صلیب پر مقتول ہوا۔ اور

یہ کہ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے۔ اور یہ کہ آدم جو خدا کی تصویر ہے اُسکی رُوح مسخ شدہ اور گنہگار ہے۔ اور اِس طرح خدا کی پیدا کردہ مخلوق میں سے جو اشرف المخلوقات ہے۔ وہ گناہوں میں ملوث پیدا ہوتا ہے۔ اور اس فطرتی اور خلقی گناہ سے نجات پانے کے لیئے (جس کے لئے خود خدا ذمہ دار ہے کہ اُس نے فطرت میں گناہ کیوں پیدا کیا) ایک بے گناہ اور معصوم شخص کا قتل ہونا ضروری تھا۔ اور یہ کہ خون میں تزکیہ کرنے کی طاقت ہے۔ اور خدا سے قرب حاصل کرنے کے لئے شراب کا پینا بھی ضروری ہے۔ اور نجات کے لئے عمل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف ایمان درکار ہے وغیرہ وغیرہ۔

اُن کو اس عقیدہ سے بھی تسلی نہ ہوتی تھی۔ کہ باوجود اِس کے کہ یہود نے ہی مسیح کو مصلوب کرکے (جیساکہ عیسائی نقطۂ خیال سے نتیجہ نکلتا ہے) تمام دُنیا کی نجات کے لئے رستہ نکالا وہی جہنم کے سزاوار ٹھیرے۔ اور یہ کہ وُہ معقول آدمی جو اپنی ضمیر کے مطابق مسیحی کلیسیا کے غیر معقول اور کسی حد تک مخرب اخلاق اصولوں پر ایمان نہیں لا سکتے۔ وہ خواہ تمام عمر کتنے ہی عمدہ اور نیک عمل کریں۔ مگر وہ ابدی ہلاکت کے ہی مستوجب ہونگے۔

قصہ کوتاہ عیسویت جو آج کل پادری لوگ پیش کرتے ہیں اُن کی تسلی نہ کر سکی وہ کسی تسلی دھندہ کو ڈھونڈتی تھیں۔ اور ایسا تسلی دہندہ اُن کو محمد مصطفےٰ صلعم کے بابرکت وجود میں نظر آیا۔ اور جو بھی غور کرنے والا ہوگا۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور پادریوں کی غلامی سے آزاد ہوگا۔ اور تمام تعصبات اور خوش عقیدگیوں سے الگ ہوکر تحقیقات کرے گا۔ ضرور ہے کہ وُہ آنحضرت صلعم کے وجود باجود کو ایسا ہی پائے۔

اِس خاتون کو اپنی اولاد سے اسلام کا پتہ لگا۔ جو کھلم کھلا اسلام جیسے رُوح کے تسلی بخش اور اخلاق کے بڑھانے والے مذہب کو اختیار کر چکے ہیں۔ اِس مذہب میں اُن کو پتہ لگا۔ کہ خدا کی رحمت کو جس پر وُہ نازل کرنا چاہے۔ کوئی نہیں روک سکتا اور کسی مرد یا عورت کا نیک عمل خواہ وہ ایک ذرہ برابر بھی کیوں نہ ہو ضائع نہیں جائے گا اور راستباز لوگوں کو مرنے کے بعد نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ حزن۔ اور وُہ ہمیشہ ہمیشہ ایسے مقام پر رہیں گے۔ جہاں امن اور سلامتی اور خوشی اور برکتیں ہونگی۔ اور یہ کہ تمام

دُنیا اور اُس کے رہنے والوں کا ایک ہی خالق اور رب ہے۔ اور اُس کے آخری رسُول نے تمام بنی نوع انسان کے لیئے نجات کا دروازہ کھولا ہے۔ اور وہ تمام دنیا کے لئے رحمت ہے۔ الغرض جب اِس خاتون نے اسلام کی تعلیم کو سُنا۔ اور آنحضرت صلعم کی بابت واقفیت بہم پہونچائی۔ تو اُن کی رُوح کو اس سے تسلی ہوئی۔ اور موت کا خوف دل سے جاتا رہا۔ بلکہ دارالاسلام میں ابدی زندگی حاصل کرنے کے لیئے دل میں ایک تمنا پیدا ہو گئی۔ اپنی طویل علالت کے اثناء میں جب اُنکی رُوح کسی تسلی دہندہ کے لیئے تڑپتی تھی۔ آخر اُنھوں نے تسلی دہندہ اعظم کو پا لیا۔ اور وصیت کی کہ اُن کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین اسلامی طریق پر ہو۔ اُن کے شوہر نے گو ابھی تک اسلام کا اعلان نہیں کیا ہے۔ لیکن اپنی پیاری بی بی کی آخری وصیت کو نہایت تکریم و تحریم کے ساتھ پورا کیا۔ اور کون جانتا ہے کہ ان کو بھی جلد سمجھ آجائے۔ کہ رُوح کو اگر تسلی مل سکتی ہے تو اسی تسلی دہندۂ اعظم سے جس کا نام محمدؐ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ کہ راستباز اور خدا کے وفادار بندے مرتے نہیں۔ بلکہ مرنے کے بعد سلامتی اور راحت اور خوشی و برکت کے مقام میں اپنی جگہ بناتے ہیں جہاں اپنے خالق کے دیدار سے وہ ہر وقت مسرور رہتے ہیں ✽

الہامی تحریروں پر چند خیالات

(از لارڈ ہیڈلے بالقابہ)

عیسائیوں میں بہت ایسے ہیں جو پُرانے اور نئے عہدنامے کے لفظ لفظ کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ لوگ ہیں جو پُرانے عہدنامے کے بہت بڑے حصہ کو تو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر نئے عہدنامہ میں متی کے پہلے باب سے لے کر مکاشفات کے خاتمہ تک سارے کے سارے پر بغیر کسی شک و شبہ کے ایمان رکھتے ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو مذہبی لوگوں کی سب سے بڑی جماعت میں شامل ہیں۔ یہ لوگ ان دونوں مقدس کتابوں کے انہی معنی اور مطالب کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو وہ خود بیان کیا کرتے ہیں یا

اُن حصوں کو مانتے ہیں جو اُن کے اپنا خیالات کے مُطابق ہیں - ایسے بزرگ لوگوں میں سے بھی جن کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ اُن کو یہ کہا جائے کہ تم بائبل کی صحت یا صداقت میں کسی قسم کا شبہہ رکھتے ہو - بعض لوگ معجزوں کو مثلاً یونس کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے اور پانی پر چلنے وغیرہ وغیرہ کو نہیں مانتے - اور اُنہی میں سے بعض کنواری کے حاملہ ہونے یا کفارہ کو تسلیم نہیں کرتے - اِس لیئے یہ بُعت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے - کہ چونکہ مذہبی عقاید اور اصولوں کی بنیاد الہامی تحریروں کے ایک ہی ترجموں کی مختلف تفسیروں اور تاویلوں پر ہے - اِس لئے لازمی امر تھا - کہ ایسے مختلف فرقہ پیدا ہوتے جو اصولی اور اعتقادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوں - دُنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد روایات - مقدس تحریروں اور انسان کے نیکی اور بدی کے احساس پر رہی ہے - ہر زمانہ میں مذہب کا بہت کچھ انحصار اس بات پر رہا ہے - کہ ہم اپنی روایات کو کہاں تک مستند مانتے ہیں - اور اپنے مذہبی مکاشفات والہامات کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں - مجھے امید ہے - کہ اِس بات سے میرے ناظرین مجھے جھگڑالو اور کج بحث نہ گمان کریں گے - اگر میں مقدس کتاب کے اِس فقرہ کے معنی کو زیادہ وسعت دیدوں اور وُہ یہ ہے کہ جس مذہب میں شفقت علی خلق اللہ نہیں وہ لغو ہے - اب اِس اصول کو تسلیم کر کے - کہ جس مذہب میں شفقت علےٰ خلق اللہ نہیں وہ لغو ہے ہم آگے چلتے ہیں - واضح رہے کہ شفقت اور بے تعصبی یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں - ضرور ہے کہ جو شخص مخلوق پر کامل شفقت رکھتا ہو وہ اُن لوگوں سے جو اُس سے مختلف اصول یا مختلف مذہبی عقاید رکھتے ہیں کسی قسم کا تعصب اور عناد نہ رکھے - اور باوجود اختلاف خیالات کے اُن کو ملامت اور رد نہ کرے - میرا مطلب اس سے یہ نہیں - کہ ظلم - دھوکہ و فریب اور دغابازی سے چشم پوشی کی جائے - یا کسی قاتل یا خونخوار کمینہ کو بغیر سوچے سمجھے عفو کر دیا جائے - یہ تو بے وقوفی اور بے غیرتی ہے - اور بے تعصبی اور انصاف کا نام بدنام کرنا ہے میرا اشارہ اس ضروری اور حقیقی شفقت علےٰ خلق اللہ کی طرف ہے جس کے رُو سے انسان سمجھے کہ جو خدا پر ایمان رکھتا ہے - اور اپنے ہمسایہ کا حق ادا کرتا ہے - وہ آخر کار نجات حاصل کر لے گا +

یہ بات تو عقل میں آسکتی ہے۔ کہ اگلے زمانہ میں اسی ملک میں ایک بھیڑ کے چرانے پر
جو پھانسی کی وحشیانہ حد سے بڑھی ہوئی سزا دی جاتی تھی تو اس کا باعث یہ تھا کہ چوری
خدا اور انسان کے قوانین کی خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی۔ مگر اس بات کو انسانی عقل ہرگز
درست نہیں قرار دے سکتی۔ اور ان لوگوں کے دلوں کی بناوٹ سمجھ میں بھی نہیں آسکتی
جو اپنے ہی جیسی مخلوق کو بلا قصور بے خطا صرف مذہبی اختلاف کی بنا پر زندہ جلاتے اور
طرح طرح سے عذاب دیتے تھے۔ ممکن ہے کوئی کہہ اٹھے کہ" یہ ایذائیں اور زندہ جلانے
کے فعل اگلے زمانہ ہی میں تھے۔ اب تو ہم ایسا نہیں کرتے"۔ میں کہوں گا شاید نہ کرتے
ہوں گے۔ لیکن میں ایک چھوٹا سا سوال کروں گا۔ وہ یہ کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ
مخلوق پر شفقت رکھتا ہے۔ وُہ جو کہ اپنے جیسی مخلوق کے صرف جسم کو آگ میں جلاتا ہے
جیسا کہ کچھ عرصہ قبل مخلص عیسائی لوگ کرتے رہے ہیں۔ یا وہ جو کہ اس کے جسم۔ جان اور
روح سب کو جہنّم کی ابدی و دائمی آگ کے سپرد کئے جانے کا فتوے دیتا ہے۔ جیسا کہ حال
کے عیسائی دیتے ہیں"۔ ایک آدمی ہے جو کوئی قانون انسانی یا خدائی نہیں توڑتا۔ لیکن اسکی
عقل مسیح کی الوہیت۔ تثلیث۔ کفارہ یا عشائے ربانی کی صداقت اور ان چیزوں کی نجات
کے لیئے ضروری ہونے کو تسلیم نہیں کرسکتی۔ تو اب جس قدر سچّے اور مخلص عیسائی ہونگے وہ
بھی فتوے دیں گے۔ کہ یہ شخص کبھی نجات نہیں پاسکتا۔ اور یہ ہمیشہ کی سزا اور لعنت کا
مورد ہوچکا۔ اب سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ وہ شفقت علیٰ خلق اللہ کے دعوے کہاں گئے اور
اگر کوئی اس کا وجود ہے تو یہ وہ نہیں جس کے متعلق پولوس نے کہا تھا کہ" بڑھتی ہی
چلی جاتی ہے"۔ "مدتوں دُکھ اٹھانے کے بعد بھی مہربانی ہی سے کام لیتا ہے"۔ "کبھی بدی کا
خیال تک نہیں کرتا"۔ "سچائی میں مگن رہتا ہے"۔ ہر چیز کو صبر کے ساتھ برداشت کرتا ہے"
"کبھی نہیں پھسلتا"۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہی لوگ جو پولوس کی تعلیم کو نہ قبول کرنے کے
الزام پر کانپ اٹھیں گے۔ جب روح انسانی کی ابدی حالت۔ در انجام کا سوال آن پڑتا ہے
تو ان کے دل پتھر ہو جاتے ہیں اور ساری شفقتیں بالائے طاق ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے شفقت
علیٰ خلق اللہ کا معیار مختلف لوگوں کی نگاہوں میں مختلف ہو۔ مگر میں اپنی نسبت تو خوب

جانتا ہوں کہ مجھے بار بار یہ جتلایا گیا۔ کہ میں نجات نہیں پا سکتا اور اُس کی وجہ میرے گناہ نہیں۔ (کیونکہ اُن کے بدلہ میں سر المنا بالکل درست ہے) بلکہ نجات نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ میں ان اصولوں اور لغو عقاید کی کورانہ تقلید اور تصدیق نہیں کر سکتا۔ جو پادری صاحب کو زمانۂ سلف سے اُن کے آبا و اجداد سے بطور میراث کے ہاتھ آئے ہیں۔ ان ہی باتوں سے ظاہر ہے۔ کہ ان مذہبوں میں ضرور کچھ دال میں کالا اور گڑبڑ ہے جو انسانی عقل کے ہاتھ پاؤں باندھنا چاہتے ہیں اور خود دل پر اثر نہیں ڈال سکتے۔ عیسائی مذہب کے مختلف فرقوں کے علماء بائیبل کی تفسیر کرنے میں اس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ اُن کی تحریر و تقریر سے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ ایک ہی مذہب کے مختلف فرقے ہیں۔ مثلاً کلیسیائے رومی کلیسیائے یونانی۔ پراٹسٹنٹ۔ انجلیکن اور دیگر تمام مختلف فرقہ جات سب ایک ہی الہامی کتاب کے پیرو ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ قرآن جو بائبل کی تصدیق اور تفسیر کرتا ہے۔ اُسکی طرف سے سب نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ لیکن یہ تنگ دلی کیوں ہے؟ ایک ایسی کتاب کے مطالعہ سے انکار کیوں کیا جاتا ہے۔ جس کو نوع انسان میں لاکھوں کروڑوں آدمی مقدس اور الہامی مانتے ہیں۔ مفصلہ ذیل آیت قرآنی کو پڑھ کر کس کا دل متاثر نہ ہوگا۔ "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" ترجمہ۔ اللہ کوئی معبود نہیں سوائے اُسکے۔ زندہ اور ازلی و ابدی قائم اور قائم رکھنے والا۔ نہ اُونگھ پکڑتی ہے اُس کو اور نہ نیند۔ اُسی کے لئے ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اُس کے حضور میں شفاعت کر سکے۔ مگر اُسی کی اجازت کے ساتھ۔ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے۔ اور اس کے علم سے لوگ احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر اتنا جتنا وہ چاہے۔ اُس کا علم اس کی سلطنت آسمان و زمین میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ اُن دونوں کی حفاظت سے تھکتا نہیں اور وہ بلند و برتر اور عظمتوں والا ہے۔ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ جو ہر زمانہ

کے لئے نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ اُمید ہے جو لوگ بائبل پڑھا کرتے ہیں۔ وُہ عرب کی مقدس کتاب بھی پڑھیں گے۔ ہم مغرب میں اسلامی رُوح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہمیشہ بہادر۔ منصف اور متحمل و بے تعصب رہے۔ اور ہمارے لئے اِس سے اور کونسی راہ بہتر ہو سکتی ہے۔ کہ ہم آپ کے نمونہ کی تقلید کریں۔ بدقسمتی سے ہر ایک عظیم الشان معلّم انسانی کے متبعین میں یہ بات پائی گئی ہے کہ رفتہ رفتہ اصل تعلیم سے وہ دور جا پڑتے ہیں۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے اب سے تھوڑا ہی عرصہ قبل اپنے ہی عیسائی بھائیوں کو اسی مُلک میں باندھ کر جلا دیا تھا۔ صحیح معنوں میں مسیح کے متبعین کہے جا سکتے ہیں؟ بے تعصبی اور شفقت کی وہ رُوح اُن میں کہاں تھی جس کی نہایت زور سے اور بار بار نبی ناصری نے تاکید کی تھی! میں دل سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ میرے پیارے بھائی خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب اور دیگر مخلص اور سچے مسلمانوں کے ذریعہ اسلام کا پاک اور سادہ دین مغربی ممالک میں اِس طرح پیش ہو کہ تمام دُنیا مُسلمان ہو جائے ہم نے دیکھا۔ کہ عیسویت جو ایک مشرقی مذہب تھا۔ گذشتہ صدیوں میں مغربی دُنیا میں پھیل گیا تو کیا وجہ ہے کہ اسلام بھی جو ایک مشرقی مذہب ہے۔ اور جس میں فضول رسُومات اور پیچیدہ اصولوں کے گورکھ دھندے بھی نہیں۔ ان ملکوں میں جگہ نہ پکڑے۔ جہاں پہلے ہی مذہب کو خیرباد کہنے کا میلان طبع پایا جاتا ہے۔ یا جہاں پادریوں کی غیر معقول جابرانہ مذہبی حکومت نے لوگوں کے ہاتھ سے عنانِ صبر چھین لی ہے۔ اور عقل کے کان کتر دیئے ہیں۔ اسلام میں کوئی پیر پرستی اور پادری پرستی نہیں۔ اور نہ خوش عقیدگیوں پر اس کا مدار ہے۔ اِس لئے ضرور ہے کہ یہ جہاں علماء و سائنس دانوں میں مقبول ہو۔ وہاں امی اور سادہ لوگوں میں بھی محبوب ہو ✦

اسلام اور انسداد شراب نوشی

[یہ وہ لیکچر ہے۔ جو ہمارے معزز بھائی پروفیسر ہارون مصطفےٰ لیون ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی نے ۱۔ اپریل ۱۹۱۵ء کو لنڈن میں دیا۔ جس کی اطلاع گذشتہ رسالہ میں دیجا چکی ہے]

جس موقعہ پر آج ہم جمع ہوئے ہیں وہ کوئی معمولی موقعہ نہیں ہے۔ جنگ جس کو ورجل مشہور لاطینی شاعر خونخوار جنگ کا خطاب دیتا ہے پورے زور پر ہے۔ اور نہ صرف یہ آگ یورپ کے براعظم کے ہی بڑے حصہ میں لگی ہوئی ہے۔ بلکہ اس کی چنگاریاں ایشیا اور افریقہ کے میدانوں میں بھی اپنے کرشمے دکھا رہی ہیں۔ توپوں کی گرج۔ بندوقوں کا شور۔ آہنی ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ۔ زخمیوں کی چیخیں۔ مرنے والوں کی دردناک پکار ان کے متعلقین کا گریہ و بکا ہر طرف سُنے جاتے ہیں۔ جلتے ہوئے گھروں اور خوب صورت شہروں کے ویرانوں سے ایک خوفناک دھوئیں کا بادل اُٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جو خونخواری کے دیوتا کے سامنے ایک ناپاک بخور کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ سرسبز کھیتوں کی جگہ ویران جنگل ہیں۔ جن میں لاشوں کے ڈھیر مٹی تلے پڑے ہیں۔ اور خون کی ندیاں اُوپر بہہ رہی ہیں۔

اس تباہی نے جو جنگ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور میدان جنگ میں صحیح سالم۔ مضبوط اور توانا آدمیوں کی ضرورت نے جو اپنے اُن بھائیوں کی جگہ کو پورا کریں جو جنگ کے ناقابل ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ توپوں۔ بندوقوں۔ ہتھیاروں۔ گولوں۔ گولیوں اور دُوسری قسم کے جنگی سامانوں کی تیاری پر ایک کثیر گروہ کے کام کرنے کی مجبوری نے تین عظیم الشان طاقتوں کو جو اس وقت اِس جنگ میں حصہ لے رہی ہیں۔ اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ایک خطرناک دشمن کا جو گھروں کے اندر تباہی برپا کر رہا ہے۔ کچھ انسداد کیا جائے۔ اور

ےلہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ےلہ الیف۔ ایس۔ پی۔

ترغیبات یا ترغیب سے جیسی ضرورت ہو اُس کے زہریلے اثر کو روکا جائے۔ چنانچہ روس میں اور فرانس میں ایک قسم کی شراب کے بنانے کی قطعًا ممانعت ہو گئی ہے اور اپنے ملک انگلستان میں ہماری آنکھوں کے سامنے آج ایک ایسا نظارہ ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا یعنی خود شاہ انگلستان شہنشاہ جارج پنجم نے اس بات کا اعلان فرمایا ہے۔ کہ تا اختتام جنگ۔ اُن کے کھانے کی میز پر شراب ہرگز نہ آئے گی اور دوران جنگ میں وُہ بکلی اس سے مجتنب رہیں گے اور اس طرح یہ ایک بات قابل قدر اور قابل تقلید نمونہ اپنی رعایا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور اس بات کا ثبوت دیا ہے۔ کہ جو بات آپ کے چچا پرنس بیوپونڈ ڈیوک آف البنی نے پینتیس ۳۵ سال ہوئے کہی تھی۔ اس کی صداقت کو آج کم از کم شہنشاہ معظم تسلیم فرماتے ہیں کہ "شراب ہی ایک ایسا دشمن ہے جس سے انگلستان کو خوف ہے"

شراب نوشی کے مضرات کوئی نیا خیال نہیں جو آج ہی پیدا ہوا ہو۔ اور نہ اتھلو ہی پہلا آدمی تھا جس نے دردِ دل سے یہ پکارا ہو کہ "اے خدا یہ کیا عجیب بات ہے۔ کہ انسان خود ایک دشمن کو اپنے مُونھ میں رکھتے ہیں۔ جو اُن کی عقل کو چرا لے جاتا ہے" نہ ہی شہنشاہ جارج پہلا بادشاہ ہے جس نے شراب نوشی کی خطرناک تباہی کے انسداد کے لئے قدم اُٹھایا ہے۔ وہ شراب جس کے متعلق شیکسپیئر لکھتا ہے کہ "اے شراب کی بدروح جو تو دکھائی نہیں دیتی۔ اگر تیرا کوئی نام نہیں جس سے تجھے پکارا جائے تو آ تیرا نام ہم شیطان رکھتے ہیں"

گیارھویں صدی قبل مسیح میں ایک چینی بادشاہ نے شراب کے خطرناک نتائج کو محسوس کرکے یہ حکم دیا کہ اس کے ملک میں جس قدر انگور کی بیلیں ہیں وُہ جڑوں سے اکھیڑ دی جاویں۔ تمام انگوروں کے باغ تباہ کر دئے جائیں۔ اور نشی شرابوں کے بنانے والوں کو عام مجمعوں میں کوڑے لگائے جائیں۔ اسی بادشاہ کی طرف ذیل کا قول منسوب کیا جاتا ہے "اب تک یہ کہا جاتا رہا ہے کہ شراب ایک کام کو تکمیل تک بھی پُہنچا سکتی ہے اور تباہ بھی کر سکتی ہے۔ میں نے اسے کسی کام کو تکمیل تک پُہنچاتے تو نہیں دیکھا۔ لیکن بُہت کاموں کو تباہ کرتے دیکھا ہے"

کانفیوشس نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا "شراب ایک پاگل بنانے والی شے ہے" اور پھر کہا "شراب ایک ایسی زہر ہے جو انتڑیوں کو تباہ کرتی ہے وہ ایک

ایسی کلہاڑی ہے جو انسان کو کاٹ ڈالتی ہے۔"

منگ سو۔ ایک مشہور چینی دانا جو ان چار کتابوں میں سے ایک کا مصنّف ہے۔ جو چینیوں کی کتب مقدسہ کہلاتی ہیں۔ اور جو چوتھی صدی قبل مسیح کے ابتدائی حصہ میں گذرا ہے۔ کہتا ہے "شراب کا عادی ہونا۔ اور اُس کے ساتھ بدمستی اور زناکاری میں مبتلا ہونا شاذونادر ہی ہوتا ہے"

کارتھجینیا کے رہنے والوں نے فوجی کیمپ میں اور مجسٹریٹوں کے لئے جو اُن کے مقدمات فیصلہ کرتے تھے۔ شراب کی ممانعت کی ہوئی تھی۔ مشہور کارتھجین۔ میدان جنگ کے پہلوان ہنی بل کے متعلق جو ۲۴۷ قبل مسیح میں پیدا ہؤا اور ۱۸۳ قبل مسیح میں مرگیا۔ اور جس کے نام کے ساتھ قدیم زمانہ کی سب سے بڑی جنگ کا خاص تعلق ہے جس کے متعلق اس کے سخت ترین دشمن بھی شاہد ہیں۔ کہ میدان جنگ میں وُہ اس بات کا خاص ماہر تھا۔ کہ کس طرح پر حکم کیا جاتا ہے اور کس طرح پر اطاعت کرنی ضروری ہے۔ کس طرح فوجیں اکٹھی کی جاتی ہیں۔ اور کس طرح فوج کو حالت اجتماع میں رکھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ جب اس کی فوج کو موسم سرما کپوا میں (۲۱۶ قبل مسیح میں) بسر کرنا پڑا تو اُس نے ساری سردیوں میں شراب کو چھوا تک نہیں تا کہ اس کے نمونہ پر چل کر اس کے سپاہی شراب کے ان کمزور کردینے والے نتائج سے محفوظ رہیں۔ جو کہ کپوا کی عیش وعشرت کے سامانوں کا لازمی نتیجہ ہوتی۔

زمانہ قدیم اور آج کل کی غیر مہذب اقوام میں شراب نوشی کی بدمستی کا مذہبی خیالات سے بھی تعلق رہا ہے۔ اور بعض مذہبی خوشیوں میں شراب نوشی کی عادت کو تقویت ملی ہے۔

باکس (مئے پرستی کا دیوتا جس کا دوسرا نام ڈائونیس بھی ہے) کی پرستش قدیم یونانیوں، رومیوں اور بعض دوسری یورپین اقوام میں بکثرت پھیلی ہوئی تھی۔ سال کے ابتدائی حصہ میں اس کی آمد کو بڑی خوشیاں اور رنگ رلیاں مناکر خوش آمدید کہا جاتا تھا۔ اور موسم سرما میں اس کی موت یا اس کے چلے جانے کا بھی ایک تیوہار منایا جاتا تھا۔ اصل میں یہ دیوتا زراعت کے دیوتاؤں میں سے ایک تھا۔ اور گو اُس کا یہ ابتدائی تعلق پھلوں کی نشوونما سے کبھی بالکل ضائع نہیں ہؤا بلکہ انگور کی بیلوں سے۔ اور انگور کے تفریح اور مستی پیدا کرنے والے اثر سے اُس کا تعلق دن بدن بڑھتا گیا۔ تصویروں میں چوتھی صدی

قبل مسیح کے ا حت - سے یہ دیوتا عموماً ایک ننگے امرد نوجوان کی شکل میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اور اس کے خاص نشان ایک چھڑی کا ہونا۔ جس پر بیل چڑھی ہوئی ہو۔ اور ایک بڑا دو مٹھیوں والا شراب نوشی کا پیالہ رہا ہے۔ ڈرایڈن اور سیکسپیئر نے اس دیوتا کی تصویر اسی قسم کے الفاظ میں کھینچی ہے۔ مثلاً ڈرائڈن لکھتا ہے "مے پرستی کا دیوتا ہمیشہ خوبصورت اور ہمیشہ نوجوان" شیکسپیئر لکھتا ہے "آے انگور کے بادشاہ۔ فربہ مے پرستی کے دیوتا۔ مخمور آنکھوں والے"

اس دیوتا کی پرستش دو طریق پر ہوتی تھی۔ ایک طریق تو یہ تھا۔ کہ کھیلتے۔ ناچتے۔ کودتے عوام الناس کا ایک گروہ جس میں مرد ہوتے تھے۔ نہایت گندے ہنسی مخول کرتا ہوا نکلتا تھا۔ اور دوسرا طریق اس کی عبادت کا یہ تھا۔ کہ اس میں عورتیں ہوتی تھیں جو صرف ہرنوں کی چھوٹی کھالیں پہنے ہوئے اور چھڑیاں اور مشعلیں ہاتھوں میں لئے ہوئے سردیوں کے موسم میں رات کے وقت باہر پہاڑوں میں نکلتی تھیں۔ کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ دیوتا گم ہو گیا ہے۔ اور وحشیانہ چیخ پکار سے اسے تلاش کیا جاتا تھا۔ اور یہ بدمستی کے نظارے اپنے کمال کو اس طرح پہنچتے تھے۔ کہ ہرن کے بچوں۔ بیلوں اور دوسرے جانوروں کو زندہ پھاڑ کر ان کا کچا گوشت کھایا جاتا تھا۔ بلکہ بعض وقت انسان بھی اس طرح پر دیوتا کی عبادت کے لئے زندہ پھاڑ دیئے جاتے تھے۔ ان وحشیانہ رسوم کی غرض یہ بتائی جاتی تھی۔ کہ سوئے ہوئے دیوتا کو جگایا جائے۔ چنانچہ لارڈ بیکن بھی اپنی فیبل آف ڈایونیسس میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مے پرستی کے دیوتا کی عبادت یونان سے روما میں آئی۔ اور یہ دوسری صدی قبل مسیح کا واقعہ ہے۔ ابتدا میں صرف تین دن تک ہر سال میں یہ عبادت منائی جاتی تھی۔ اور صرف عورتیں ہی اس میں حصہ لیتی تھیں۔ بعد میں ایک عورت پروہت نے مردوں کو بھی اس راز میں داخل کرنا شروع کیا۔ اور یہ عیش و عشرت کی مجالس جو شام کے وقت ہوتی تھیں اُن کی خوب کثرت ہونے لگی۔ ان مجمعوں کے متعلق یہ جلدی پتہ لگ گیا۔ کہ ان میں نہایت بے حیائی کے اور فحش کاموں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور ۱۶۸ قبل مسیح میں سینٹ نے کانسلوں کو حکم دیا۔ کہ وہ پروہتوں کو گرفتار کریں۔ اور سارے ملک اٹلی میں ایسے مجمعوں کو قطعی طور پر روک دیں۔ اس عدالتی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کو جو گرفتار کیے گئے تھے سزائے موت دی گئی

اور بعض کو عمر قید کی سزا دی گئی اور سینٹ نے ایک قانون پاس کرایا۔ کہ اس قسم کا کوئی مجمع ملک اٹلی میں نہ ہوگا۔

اِن عیاشی کے مجمعوں کا جس رنگ میں وہ منائے جاتے تھے۔ خفیف سا اندازہ فرانس کے ان میلوں سے ہو سکتا ہے جو آج کل "مشعلوں کے دن" کے نام سے ہوتے ہیں جس میں کسان مشعلیں لے کر چلتے ہیں اور بڑے زور سے ہائے و ہو کا شور و غل بلند کرتے ہیں تاکہ انگورستانوں میں پھل زیادہ ہو۔ اور جرمنی کے جنوب میں وہ ناچتے اور کودتے اور ہر ایک قسم کی آوازیں لگاتے ہیں۔ تاکہ "غلہ کو اُٹھائیں۔ موسم بہار کو جگائیں" اور اُن کا یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ جس قدر دیوانہ وار انکا شور زیادہ ہوگا۔ اور جس قدر ناچ میں اور اُچھلنے کودنے میں اُن کی حرکات زیادہ نازیبا ہونگی جسقدر زیادہ زور سے وہ چیخیں ماریں گے۔ اُسی قدر اُن کا یہ پکارنا زیادہ مؤثر ہوگا۔

شراب نوشی کی خرابیوں نے ہندوستان اور ایران میں مذہبی پیشواؤں کی توجہ آج سے تین ہزار سال پہلے مبذول کی اور اُنھوں نے شراب میں حد اعتدال سے تجاوز کے متعلق بعض حد بندیاں کر دیں۔ پھر گوتم بدھ نے ہر ایک قسم کے مسکرات کو قطعی طور پر روک دیا۔

قدیم عبرانیوں میں مختلف فرقے اور مختلف جماعتیں تھیں۔ جو مسکرات کے استعمال سے بچتی تھیں۔ اِن میں سے ایک بہت مشہور جماعت ریکابیوں کی تھی۔ ان لوگوں کی کہانی کتاب یرمیاہ باب ۳۵۔ آیت ۱ سے ۱۹ میں مذکور ہے۔ جہاں یرمیاہ نبی کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے۔ کہ اُس کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا۔ کہ تو ریکابیوں کے گھر جا۔ اور اُنھیں خداوند کے گھر میں لاکر مے پلا۔ پھر یرمیاہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے ریکابیوں کو ساتھ لیا اور مے کے بھرے ہوئے قدح اور پیالے اُن کے سامنے رکھدیئے اور اُن سے کہا کہ مے پیئو۔ پر اُنھوں نے کہا۔ کہ ہم مے نہ پئیں گے۔ کیونکہ ہمارے باپ یونذب بن ریکاب نے ہمیں یہ حکم دیا۔ کہ تم مے نہ پینا۔ نہ تم نہ تمہارے بیٹے ہمیشہ تک۔ اور "نہ تاکستان لگانا نہ اُن کا مالک ہونا"۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ ہم نے آج تک اِس حکم کی تعمیل کی ہے۔ تب" یرمیاہ نے

ریکابیوں کے گھرانے سے کہا۔ کہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں کہتا ہے۔ ازبسکہ تم نے اپنے باپ یوندب کے حکم کو مانا ہے۔ اور اُس کی ساری وصیتوں پر عمل کیا ہے۔ اور جو کچھ اُس نے تمہیں فرمایا سو تم نے کیا ہے۔ اس لئے رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں کہتا ہے کہ یوندب بن ریکاب کے لئے آدمی کی کمی جو کہ میرے حضور میں کھڑا ہووے کبھی نہ ہوگی" (یرمیاہ۔ ۳۵: ۱۸ و ۱۹)۔

یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ ایک طرف تو اسرائیلی قوم کے تتر بتر ہونے۔ ان کے گھرانوں کے گھرانے تباہ ہونے۔ اُن کی سلطنتوں کے بننے اور بگڑنے کے واقعات ہیں تو دوسری طرف اس کے مقابل یوندب بن ریکاب کا گھرانہ کبھی نیست و نابود نہیں ہوا "خدا انسان نہیں کہ وہ جھوٹ بولے" جب خدا ایک وعدہ کرتا ہے تو وہ اُسے پورا بھی کرتا ہے اور اس قوم کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کس طرح ایک وعدہ جو خدا نے اپنے ایک نبی یرمیاہ کی زبان سے کیا تھا۔ ایک ایسی قوم کے ساتھ پورا کیا۔ جس قوم نے اپنے بزرگوں کے احکام کی وفاداری سے تعمیل کی۔

ٹوڈلا کا رہنے والا بن یامین ایک فاضل یہودی جس نے ۱۱۵۹ سے لے کر ۱۱۷۳ تک ہسپانیہ سے اٹلی۔ یونان۔ فلسطین اور ایران کی سیاحت کی اور مصر اور سسلی کے رستہ واپس آیا اور جس نے بعد ازاں عبرانی میں اپنی سیاحت کے حالات لکھے اور بالخصوص ان ایام میں جو یہودیوں کی حالت تھی اس کا ذکر کیا۔ لکھتا ہے کہ الجبے حا کے قریب اس نے ریکابیوں کو جن کی تعداد ایک لاکھ تھی اور وہ یہودی بنے پایا۔ وہ شراب سے بکلی پرہیز کرتے تھے اور اُن پر ایک شہزادہ جس کا نام سلیمان بن نسی تھا حکمران تھا۔ یہ شہزادہ اپنا نسب نامہ حضرت داؤد علیہ السلام سے ملاتا تھا۔

موجودہ زمانہ میں عربوں کا پتہ لگا ہے جو اپنے آپ کو یوندب کی نسل سے بتاتے ہیں۔ ۱۸۲۲ء کے قریب ڈاکٹر جوزف وولف ایک ماہر زباندان جو جرمن۔ انگریزی۔ عربی۔ عبرانی فارسی لاطینی اور یونانی زبانیں بولتا تھا۔ اور جس نے ایشیائے کوچک۔ شام اور فلسطین میں ۱۸۲۱ء سے لے کر ۱۸۳۲ء تک بڑی سیاحت کی ہے۔ لکھتا ہے کہ ۱۸۲۲ء میں جب وہ

عراق عرب میں سفر کر رہا تھا تو ایک بدوی اسے ملا۔ جس نے ڈاکٹر وولف کو عبرانی بائبل پڑھتے ہوئے دیکھ کر خود بھی اُس کے کاندھے کے اُوپر سے عبرانی عبارت کو پڑھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر وولف نے سخت متعجب ہو کر دریافت کیا۔ کہ تم کون ہو تو اس اجنبی شخص نے یوں جواب دیا۔ "میں موسئے ہوں حباب کی نسل سے۔ اور حضرت موسئے کا رشتہ کا بھائی ہوں۔ کیونکہ میں اس شاخ میں سے ہوں جو بنی ارہاب کہلاتی ہے۔ اور جو یمن کے بیابانوں میں رہتے ہیں۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کس طرح خداوند کا کلام جو اُس نے نبی یرمیاہ کو کہا تھا پورا ہؤا۔ کہ یونذب بن ریکاب کے لیے آدمی کی کمی جو کہ میرے حضور میں کھڑا ہووے کبھی نہ ہوگی" یہ کہکر وُہ بدوی اپنے گھوڑے پر سوار ہؤا اور چلا گیا۔

۱۸۳۶ء میں عرب میں سفر کرتے ہوئے وولف کو بتایا گیا۔ کہ قوم بنی ارہاب شہر صنعا کا محاصرہ کر رہے ہیں جو یمن کا دارالخلافہ ہے۔ جب وہ اِس قصبہ کی طرف گیا۔ تو یہ جنگل کے رہنے والے اُسکے گرد جمع ہو گئے اور جو کچھ واقعہ ہؤا۔ اُس کا ذکر ڈاکٹر وولف نے اپنے سفرنامہ میں یوں کیا ہے۔

"تب وہ بھی اور خود وولف بھی گھوڑوں سے اُترے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر اُس نے انھیں کہا۔ کہ اُن کی قوم میں سے ایک شخص موسئے نام بارہ سال کا عرصہ ہؤا۔ اسے عراق عرب میں ملا تھا۔ ایک ریکابی نے کہا۔ کیا تمہارا نام جوزف وولف ہے۔ وولف نے جواب دیا ہاں تب اُنھوں نے وولف سے معانقہ کیا۔ اور کہا کہ وُہ عبرانی بائبل جو اُس نے موسئے کو دی تھی وہ اب تک اُن کے پاس ہے۔ پھر وولف چھ دن تک ریکابیوں کے پاس رہا۔ وُہ شراب نہیں پیتے نہ تاکستان لگاتے ہیں۔ اور نہ بیج بوتے ہیں اور خیموں میں رہتے ہیں اور یونذب بن ریکاب کے بیٹے کا نام عزت سے لیتے ہیں اور وولف نے اُن کے ساتھ اسرائیلیوں کو بھی پایا جو دان کی قوم میں سے تھے اور حضرموت میں رہتے ہیں"

سگنر پائیروٹی نے ایک مضمون میں جو اُس نے برٹش ایسوسی ایشن کی ایک مجلس میں اکتوبر ۱۸۶۲ء میں پڑھا۔ بیان کیا کہ اُس نے بحیرہ لوط کے قریب ریکابیوں کی ایک قوم کو پایا اُنکے پاس ایک عبرانی بائبل بھی تھی۔ اور وُہ ایک یہودی ربی کی قبر پر نمازیں ادا کرتے تھے پائیروٹی کا یہ خیال تھا۔ کہ یہ غیر اغلب نہیں کہ ریکابیوں میں سے بعض فلسطین میں آباد ہو کر یہودیوں

کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ مگر ان کا ایک حصّہ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے اور وہی بہت بڑا حصّہ ہے جو جنگل میں ہی رہے۔ اور آج تک اُنھوں نے اپنی توحید کو اور اپنے اصل کی یاد کو تازہ رکھا ہے۔

اِس واقعہ میں اہل کتاب کے تینوں گروہوں کے لئے ایک بڑا بھاری سبق ہے (یہودیوں) کے واسطے اِس لئے کہ اُس کا ذکر خود اُن کی بائبل میں ہے۔ عیسائیوں کے لئے اس واسطے کہ وُہ پرانے عہدنامہ کو اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد خیال کرتے ہیں۔ اور مُسلمانوں کے واسطے اِسلئے کہ وُہ تمام انبیاء جن کی یہود عزت کرتے ہیں۔ اُن کو مُسلمانوں نے بھی اپنے نبی تسلیم کیا ہے اور وُہ سبق یہ ہے کہ مسکرات سے قطعی پرہیز جسمانی اور اخلاقی اغراض کے لئے کم سے کم جائز ضرور ہے۔ اور کوئی حماقت کا یا گناہ کا کام تو ہرگز نہیں۔ (باقی آئندہ)

لارڈ ہیڈلے کی انگریزی نظم کا

اردو ترجمہ

سُنا کرتے تھے وصلِ مشرق و مغرب نہیں ممکن
ہم ملکر نہیں ممکن حصولِ منزلِ رحمت
مگر اے خالقِ اکبر تیری رحمت کے میں صدقے
ہوئے ہم منسلک سلکِ اخوت میں ہیں کچھ ایسے
ترا ہی اسمِ اعظم ضامن عقیدِ اخوت ہے
یہی پیوستہ رکھے گا ابد تک تیرے بندوں کو
تو ہی ہے خالقِ اکبر۔ تو ہی ہے سرورِ برتر

نمازِ حق میں اُن کی شرکت باہم نہیں ہوگی
کہ وقتِ سجدہ کس معبد میں دونوں کی جبیں ہوگی
کہ تیرے طالبِ صادق کی مشکل ہو گئی آساں
نہیں جس کو مٹا سکتی فنا سامانیٔ دوراں۔
رہا ہے اِس سے ہی شیرازۂ ہستی بہم اب تک
رہے گا تیری مرضی پہ سرِ تسلیم خم جب تک
تجھی پہ خوب روشن ہے جو اپنے حق میں بہتر ہے

تیرے اسلام نے مشرق کو مغرب سے ملایا ہے
تری توحید کا نغمہ دلوں میں ہے زباں پہ ہے

خدا نے اُس کو اپنی شکل پر پیدا کیا

مِس سرجنٹ کی چٹھی کا جواب

لارڈ ہیڈلے کی طرف سے

اِن معنوں سے کہ خدا نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے۔ ہم سب انسان خدا کے بیٹے ہیں۔ ورنہ ہمارا مبارک آقا ناصرت کا مقدس نبی مسیح بھی ہماری طرح ایک انسان تھا۔ کیونکہ ہماری طرح وہ بھی اپنی زندگی کے لئے کھانے پینے کا محتاج تھا۔ اُس کی ماں مقدس مریم بھی انسانی زندگی کی تمام ضروریات اور لوازمات کی اُسی طرح محتاج تھی جس طرح ابراہیم موسےٰ اور محمد صلعم اور تمام خدا کے مقدس انبیاء ورسل تھے جن کو خدا تعالےٰ اپنے لاانتہاہی علم وحکمت کے ماتحت وقتاً فوقتاً انسان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرماتا رہا ہے۔ پس ہم کو سوائے اِس کے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ کہ خدا پر پورا ایمان اور بھروسہ رکھیں اور اُس کی ہدایات کی جو وُہ مختلف زمانون میں اپنے خاص برگزیدہ بندوں کی معرفت بھیجتا رہا ہی فرمانبرداری کریں

اِن عقاید کے ساتھ ہمارا مذہب نہایت سادہ اور خوبصورت رہ جاتا ہے۔ جو ہماری زندگی میں ہمارا رہبر ہوتا ہے۔ اور صریح ناممکن اور غیر معمُولی باتوں کے ماننے سے ہم بچ جاتے ہیں۔ ہر ایک غور وفکر کرنے والے انسان کے لئے زندگی کی ہر چیز حیرت وتعجب میں ڈالنے والی ہے خوشیاں۔ خوبصورتیاں اور بدصورتیاں۔ خطرناک ظلم اور مصائب جو بے گناہ او بے کس جانوروں اور انسانوں پر روا رکھا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ سب کی سب عجیب اور ناقابل حل ہیں۔ تو ہم اپنے تیز سے وہمی اور رواجی عقایہ کا حاشیہ چڑھا کر جن سے سوا گرما گرم بحث مباحثہ کے اور کوئی نتیجہ نہیں

پیدا ہوتا۔ اپنے دماغ کو کیوں پریشان کریں۔

اگر ایک بچہ کو بچپن سے یہ تربیت دی جاوے۔ اور یہ یقین اس کے دل میں بٹھایا جاوے کہ اسکی دُنیا کی اور آخرت کی خوشی اس عقیدہ پر منحصر ہے کہ چاند واقعی خدا ہے۔ اور چاند سے ہی نجات کی توقع رکھنی چاہیئے تو یہ آسانی سے اس کی بعد کی زندگی کا مذہب بن جائے گا اور اس کو اسی طرح اس عقیدہ سے تسلی ہوگی۔ جس طرح اور مذہب والوں کو اس بات میں تسلی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے اوپر اور بہت بلند ایک ذات کو مانتے ہیں۔ جو قادر مطلق اور پُر رُعب ہونے کے ساتھ ایسی ہے جس کے سمجھنے سے عقل کے ہاتھ میں سوا تحیر کے کچھ بھی نہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گرجے کے پُرانے پادری لوگوں نے مسیح کے زمانہ کے تین سو برس بعد منصوبہ کر کے ایک مذہب کی بُنیاد ڈالی۔ اور اس کو اس رنگ میں رنگا۔ کہ گرجے کو سلطنت میں بڑا اقتدار حاصل ہوگیا۔ اور بجائے خود ایک طاقت ہوگیا۔ اور اسی مقصد کے لئے یہ نیا مذہب گھڑا گیا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں جُہلا اور توہم پرست لوگوں میں نامعلوم اور غیر محسُوس چیزوں کا بہت رُعب پڑا کرتا تھا۔ اس لئے ایک ایسا مذہب دُنیا کے سامنے پیش کیا گیا جو مسیح کی تعلیم کے بالکل مُطابق نہ تھا۔ پس جو کچھ ہمیں لڑکپن میں سکھایا جاتا ہے۔ اگر بعد میں عمر کی تجربہ کاری کے ساتھ غور و فکر اور مشاہدہ سے پتہ لگ جائے۔ کہ یہ تعلیم ناقص یا لغو ہے۔ تو ہمیں اس کی کورانہ تقلید کرنی درست اور مناسب نہیں۔ جیسا کہ مَیں نے بار بار کہا ہے۔ عیسویت کے مختلف فرقوں کے متضاد اور ناقابل فہم عقاید نہایت تکلیف دہ ہیں اور جب اسلام کی سادہ اور راحت بخش تعلیم کا انسان کو تجربہ ہوتا ہے۔ تو نہایت آرام اور سُکھ محسُوس ہوتا ہے۔ اور اسلامی عقاید کو معقول اور وسیع ہونے کی وجہ سے قبول کرنے میں کوئی دقت معلوم نہیں ہوتی اور تعصب کا جوش اور غضب دوسرے مذاہب میں ہم پاتے ہیں اسلام اس سے پاک ہے۔

عیسائی مذہب مجھے سکھاتا ہے کہ میں پیدائشی گنہگار ہوں اور میری ولادت خدا کے غضب کا نتیجہ ہے۔ خواہ میرے والدین کیسے ہی نیک اور بھلے کیوں نہ ہوں۔ میں ہر حال میں مردود ہوں۔ اور جس سے مجھے خدا کے بیٹے کے مصلوب ہونے کے سوا نجات نہیں مل سکتی۔ میرا خیال ہے کہ میں اس بات کے ظاہر کرنے میں سچ ہوں کہ تمام سچے عیسائی یقین رکھتے ہیں۔ کہ قادر خدا

ہمارا باپ جو آسمان پر ہے ازلی و ابدی سب سے پہلے اور سب پر غالب ہے۔ اُس کی قدرت کا کوئی انتہا نہیں۔ جیسا کہ اُس کا ابتدا کوئی نہیں ویسا ہی اُس کا آخر کوئی نہیں۔ اور اُس کا تخت آسمان وزمین پر پھیلا ہوا ہے اور دونوں کا سنبھالنا اُس پر بار نہیں۔ وہ اپنی قدرت محبت اور تقدس میں کامل ہے۔ پھر کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں۔ اگر یہ خیال خدا سا بھی دل میں لایا جاوے کہ ایسی ہستی شیطان کے ہاتھ سے آزمائی جاتی رہی۔ اگر یسوع خدا تھا۔ تو جنگل میں خدا کی آزمائش کا مقابلہ کرنے میں اُسے کوئی وقت پیش آنی نہیں چاہیئے تھی۔ اور خدا کا شیطان کا آزمانا چہ معنی دارد۔ کیونکہ خدائے قادر مطلق کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ شیطان سے آزمایا گیا یا دُکھ اُٹھاتا۔ ہاسخت کفر ہے۔ برخلاف اس کے اگر یہ فرض کیا جاوے کہ وہ ایک ملہم انسان تھا۔ اور شیطان کی تحریکات کا مقابلہ کرتا رہا۔ تو پھر اُس کی شان کیسی بلند ہو جاتی ہے۔ اور شیطان کو جو اُس نے جواب دیئے ہیں وہ کیسے نفیس اور بہادرانہ معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ بلکہ خدا کے کلام سے جیتا ہے۔" "تجھے چاہیئے۔ کہ تو اپنے خداوند خدا کی پرستش کرے اور صرف اُسی کا بندہ بنے۔" "تو اپنے خداوند خدا کو نہ آزما۔" انسان کے مونہہ سے ایسے جوابات ہر زمانہ میں دوسرے انسانوں کے لئے نہایت بابرکت اور حوصلا افزا ہیں۔ لیکن ان کی کچھ وقعت نہیں رہتی۔ اگر یہ خود خدا کی طرف منسوب کر دئے جائیں۔ کیونکہ اس صورت میں جواب کا یہی ایک ہی پہلو ہو سکتا تھا جو دیا گیا۔ ہاں خدا سے الہام پانے والے انسان خدائی اخلاق کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے جنگل میں اُس نے صبر واستقامت اور ایمان کا قابل تقلید نمونہ دکھلایا۔ خدا کی پاک رُوح نے جو ہم سب کے ساتھ ہر وقت ہے۔ اُس کی مدد کی۔ اور شیطان پر فتح دلائی۔ یہی بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ اور اس صورت میں ہمیں اُن عقاید کے ماننے سے نجات مل جاتی ہے جو ایسے غیر معقول ہیں۔ کہ خدا کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ اُس نے ہم سب کو پیدائشی گنہگار پیدا کیا۔ اور ہماری ولادت اُس کے غضب کا نتیجہ ہے۔ اور اس لئے ہمیں نجات دینے کے لئے اُسے اپنا بیٹا مارنا پڑا۔ ایک بڑے نیک آدمی کی زبان سے جو بڑا مخلص اور مقدس تھا۔ میں نے مفصلہ ذیل سوال خود سُنا:۔ "کیا یہ ماننا سخت مشکل نہیں ہے کہ خالق کل نے باوجود اس بات کے جاننے کے۔ کہ

انسان کمزور ہے اور ایک مشت خاک ہے۔ پھر بھی اُسے زمین پر بسایا۔ لیکن جب نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔ تو پھر اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو ایک ظالمانہ موت کا پیالہ پلایا" میرے خیال میں کسی مذہب میں ایسا قابل اعتراض مسئلہ ہونا مذہب کی شان کے ہی منافی ہے۔ اسلام میں اس قسم کی چونکا دینے والی غیر معقول باتیں ہرگز نہیں جو اس قسم کے سوالات پیدا ہوسکیں ح

مس سرجنٹ کے نہایت قابل اور مخلص خط کا جواب دینے میں مجھے ایک مشکل کا سامنا ہے اور وُہ یہ ہے کہ ہم دونوں کے طریق استدلال کے بنیادی اصول متعارفہ ہی الگ الگ ہیں کیونکہ میں خدا کو صرف ایسا واحد و یگانہ خدا مانتا ہوں۔ اور اُس کی عظمت کو اس قدر لامتناہی یقین کرتا ہوں کہ کسی اور نام کو اس کے ساتھ شریک ٹھیرانا کفر سمجھتا ہوں۔ مگر بہرحال میں کچھ دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تاریخ کے نوشتوں کے متعلق ہم کو فیصلہ کرنے میں ایک دقت ہمیشہ پیش آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم کیا بالکل درست مان کر تسلیم کریں اور کیا رد کردیں ہم جانتے ہیں کہ اگلے پادریوں نے جو بڑے ہوشیار اور چالاک تھے۔ مذہب کی ایک خاص شکل گھڑنے میں یہ مصلحت سمجھی کہ اس طرح اُنھیں مذہب کے بارے میں کل سیاہ و سفید کا اختیار ملجائے گا۔ اور گرجا ایک قوت ہو جائے گا جس کے وُہ مالک ہونگے۔ وُہ جانتے تھے۔ کہ اگر ایک دفعہ لوگوں سے یہ منوا لیا جاوے۔ کہ بہشت و دوزخ کی کنجیاں اُن کے ہاتھ میں ہیں۔ تو گرجے کی حکومت دینوی و ظاہری بھی قائم ہوسکتی ہے۔ پس پاک نوشتوں میں جو اس مقصد کے لئے تحریف کی گئی۔ اُس کا نام تاریخ کے صفحوں پر" مقدس فریب بازی" ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ اب یہ پتہ لگ ہی نہیں سکتا۔ کہ مسیح کے اقوال میں کہاں تک تحریف کی گئی۔ شفاعت کا مسئلہ کیسا خوش نما ہے۔ اور ممکنات سے پُر ہے۔ ایک پادری ایک گنہگار سے کہہ سکتا ہے۔ میں مقدس ولیوں سے شفاعت کر کے کنواری مریم کی شفاعت تیرے لئے حاصل کروں گا۔ اور خدا کی ماں اپنے بیٹے سے شفاعت کرلیں گی۔ اور یسوع اپنے باپ سے شفاعت کرے گا۔ اور اس طرح آخرکار میری مدد کے ساتھ تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ لیکن اس سارے کاروبار کے لئے کچھ تمھیں صرف کرنا پڑے گا۔ اور جس طرح میں کہتا ہوں۔ اگر تم نہ کرو گے تو بہت بُرا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"

یہ تو عیسویت کی ابتدائی حالت کی تصویر ہے۔ لیکن پراٹسٹنٹ اور اصلاح شدہ گرجوں میں صرف مسیح ہی باپ کے حضور میں شفیع یا وکیل سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے یہ خیال بڑا راحت بخش اور دل کش ہے۔ کہ کسی ایسے شخص سے مدد کی توقع رکھی جائے۔ جو خدا کی معرفت ہم سے بہتر رکھتا ہے۔ ایک غریب ہلاک شدہ دنیا کی خاطر کسی نجات دھندہ کا آسمان سے آنا اور خود اپنے یا اپنے باپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے تئیں قربان کر دینا ایک دلربا تصویر ہے جس کا مقصد محض قلوب کو متاثر کرنا ہے اور اس کہانی کی دلربائی نے ہی اس کی لغویت پر بہت حد تک پردہ ڈال دیا ہے۔

مس سرجینٹ کے خط کے آخری حصہ کی نسبت میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میرے ذہن میں جو خدا کا تصور ہے اس کے لحاظ سے میں خدا کو ایسی عظیم الشان اور قادر مطلق ہستی سمجھتا ہوں کہ غریب ہلاک شدہ دنیا کو پیدا کر کے یہ اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ دنیا میں تشریف لے آوے لیکن چونکہ وہ خدا ہے۔ اس لئے "ذاتی قربانی"۔ "شرم"۔ "لعنت" جیسے الفاظ خدا کی طرف میں منسوب نہیں کر سکتا اور نہ ایسی صورت میں یہ کوئی معنے رکھ سکتے ہیں "غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے تئیں قربان کر دینا" یہ اتنا پرانا خیال ہے جتنی کہ دنیا کی عمر ہے۔ چنانچہ بہت قدیم زمانہ میں بتوں کے سامنے اس قسم کی قربانیوں کی وحشیانہ رسومات بجا لائی جاتی تھیں جن میں مذہبی پیشوا لوگ ایسی دل ہلا دینے والی حرکت کیا کرتے تھے۔ کہ زندہ آدمیوں میں سے ان کے دل چیر کر نکال لیا کرتے تھے۔ قربانی کو رشوت یا سربیرس (ایک یونانیوں کا دیوتا جس کی شکل تین سر کے کتے کی طرح ہے۔ جو عالم سفلی کا محافظ خیال کیا جاتا تھا) کے تر لقمہ کی طرح سمجھنا اور اس کے ذریعہ ملاء اعلیٰ والوں کی نگاہ رحم اور تلطف کو حاصل کرنا یہ یہودیت یا عیسویت کے ساتھ اتنی ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ جتنی کہ کثیر الازدواجی مشرق میں اسلام کے ساتھ۔

یہ نہایت ذلیل خیال اور کفر ہے۔ کہ خدا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے یا اس کی توجہ اپنی طرف قائم رکھنے کے لئے اس کو کچھ رشوت یا نذر کے طور پر کچھ دیا جائے۔ جو شخص خدا کی صحیح معرفت رکھتا ہے وہ ایسی ادنیٰ ادنیٰ ناانصافیوں اور کسی قسم کے ظلم کو بھی اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ایک ایسی بات جو دنیا دار ظالموں کے سزاوار بھی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یسوعؑ نے یہ کہا ہے کہ" میں راہ سچائی اور زندگی ہوں۔ اور کوئی آدمی باپ سے بغیر میری وساطت کے ملاقی نہیں ہو سکتا۔ اس کی آسانی سے یہ تفسیر ہو سکتی ہے کہ میرے اور میری تعلیم کے ذریعہ سے تم سچائی کو پاؤگے۔ اور ابدی زندگی کی راہ پر چلوگے۔ اور آخرت کی پوری پوری راحت اور لذّت سے کوئی شخص تمتع نہیں حاصل کر سکتا جب تک وہ اُن ہدایات پر نہ چلے۔ جن کو تمہاری خاطر میرے آسمانی باپ نے مجھ پر وحی کی ہیں" مسیح نے جو اس امیر نوجوان آدمی کو جواب دیا جس نے کہا تھا۔ کہ اے نیک اُستاد الخ۔ اس جواب میں کچھ ابہام ہے لیکن میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ جو کچھ مَیں نے اُس کا مطلب بیان کیا ہے وہی صحیح ہے اور ہمارے آقا کا مطلب یہی تھا۔ کہ وُہ الوہیت کا انکار کرنا چاہتے تھے۔

باقی رہے یہ فقرات کہ" ابراہیم سے پہلے میں تھا" یا میں اور باپ ایک ہیں۔ یا میں خدا کا بیٹا ہوں جن سے یہ گمان ہوتا ہے کہ الوہیت کا دعوےٰ کیا ہے۔ لیکن یہ آسانی سے حل ہو جاتے ہیں جبکہ ہم دوسری آیات کی طرف نظر کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ" میں اپنی ذات سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا میں سُنتا ہوں۔ اُسی کے مُطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ ہاں میرا فیصلہ عدل پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں ڈھونڈتا۔ بلکہ باپ کی مرضی ڈھونڈتا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے اگر میں اپنی شہادت پیش کروں تو یہ غلط ہے" اس فقرہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے خود اپنے آپ کو خدا نہیں قرار دیا۔ بلکہ وُہ ذریعہ قرار دیا۔ جس کے ذریعہ خدا کا پیغام بنی نوع انسان کو پہنچایا جاتا تھا۔ اُن کا یہ قول کہ" باپ جس نے مجھے بھیجا ہے" صاف ظاہر کرتا ہے کہ وُہ اپنے تئیں خدا نہ سمجھتے تھے۔ اس کے بعد مفصلہ ذیل فقرات کی تطبیق ذرا مشکل نظر آتی ہے۔ مثلاً" تم نے کبھی اُس کی آواز نہیں سُنی اور نہ اُس کی صورت دیکھی (یُوحنا باب ۵ آیت ۳۷) "یہ نہیں کہ کسی شخص نے باپ کو دیکھا ہے۔ مگر وُہ جو خدا کی طرف سے ہے۔ اُسی نے باپ کو دیکھا ہے (یُوحنا باب ۶ آیت ۴۶) ان فقرات سے تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا کو کبھی کسی انسان نے نہیں دیکھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی تصحیح مسیح نے سامریہ کی عورت سے بات کرتے ہوئے یوُں کر دی ہے کہ" میں جو تجھ سے بول رہا ہوں وہی ہوں" اِس طرح کے کثیر التعداد متضاد بیانات سے آدمی کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ اور اُن کی تفاسیر پر توجہ کرنے سے ایک آدمی

کو مجبورًا ماننا پڑتا ہے کہ اگر کچھ ایسی باتیں مسیح کی طرف منسوب کی جاتی ہیں جن سے اُن کی الوہیت کا دعوٰے نکلتا ہے۔ تو کثرت سے ایسی باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے تئیں صرف خدائے مقتدر کا ایک رسُول اور ملہم سمجھتے تھے۔ ممکن ہے میں غلطی پر ہوں۔ کچھ شک نہیں کہ ہم سب کے سب بے علم ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے سے بڑے دینی عالم و مقتدا اور دُنیوی فضلاء تک بھی بہت کم علم رکھتے ہیں۔ جیسا کہ سر اسحاق نیوٹن نے کہا۔ کہ "میں اپنے تئیں ایسا سمجھتا ہوں۔ کہ ایک لڑکا حقیقت کے بحرِ ذخار کے کنارے سے پتھر اُٹھا رہا ہے"۔ لیکن یہ یقین کر کے جانو۔ کہ ہم میں سے بعض ایسے ہیں جو مقدس نبی محمدؐ مصطفےٰ صلعم کی طرح اُمّی اور ناخواندہ محض ہیں۔ مگر من جانب اللہ الہامات اور کشوف کے ذریعہ اُنھیں وُہ علوم رُوحانی عطا ہوتے ہیں۔ جن سے وُہ لوگ جن کو علمیت و فضیلت پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ بکلی بے نصیب ہوتے ہیں۔

اِس مضمون میں میرے خیالات کو رسم و رواج کے اور صحیح عقاید کے خلاف سمجھا جائیگا۔ بلکہ وہ لوگ جو کسی کی صاف گوئی کو سُن نہیں سکتے۔ اُن کے کان ان باتوں کو شیطانی سمجھیں گے لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ دیانتداری کا تقاضا یہی ہے کہ جو میں اب سمجھتا ہوں اور گذشتہ کئی سالوں سے سمجھتا رہا ہوں۔ اُس کو صاف صاف کہدوں۔ بہت سے مجھے یہ سمجھیں گے کہ یہ گمراہ اور ہلاک شدہ رُوح ہے۔ لیکن میں عالم آخرت میں ایسے عقاید کے ماننے کا جھوٹا مُدعی ہو کر جانا نہیں چاہتا جو میرے دل کو نہیں لگتے اور جنھیں میری عقل اور ضمیر قبول نہیں کرتی اس عقیدہ سے جو بہت سے عیسائیوں کا ہے اور جس کی رُو سے خدا کی طرف بہت سی بے انصافیاں اور ظلم منسوب کئے جاتے ہیں۔ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ سرے سے اس خدا ہی کو نہ مانوں چالیس برس سے میں خدا کے عدل و انصاف۔ رحم اور قدرت پر کامل اور غیر متزلزل ایمان رکھتا ہوں۔ اور اگرچہ کثرت سے میں اُن گڑھوں میں گرا ہوں۔ جو شیطان نے انسان کے لئے بنا رکھے ہیں لیکن جب کبھی میں گرا ہوں میں نے ہمیشہ اُسے موجود پایا۔ اور اُسی کے قدرت کے ہاتھ نے مجھے بچا لیا شکوک اور شبہات بھی پیدا ہوئے ہیں۔ بالخصوص اُن قصّوں سے جو توریت میں موجود ہیں۔ کیونکہ انھیں سخت دھوکہ دہی اور خطرناک شرارتوں کے نمونے نظر آتے ہیں جن کے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ پڑھنے والا ان کو خود پڑھتے ہوئے سمجھ سکتا ہے۔ اور نیز ظلم اور مکر و فریب کی کثرت

سے جو آج کل دُنیا میں پھیل رہی ہیں۔ قاعدہ کلیہ کی یہ مستثنیات یا معمّے جو کائنات عالم میں پائے جاتے ہیں ناقابل حل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں شیاطین کے وجود کو مانتا ہوں کہ وہ ضرور ہیں۔ (خواہ بیلزبب تاریکی کے شہزادہ کی شکل میں مانا جائے یا شیطنت کا بادشاہ تسلیم کیا جائے) اِسی طرح میں یہ بھی پُوری طرح یقین رکھتا ہوں کہ خدا واقعی موجود ہے جو ہر ایک دُکھ میں مدد دینے کے لئے تیار ہے۔ اور جو اُس پر سچّا ایمان رکھتا ہے اُس کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اللہ اکبر۔ میں حقیقی عیسائیت کے کسی مذہبی عقیدے پر حملہ کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مسیح کی تعلیم ہمارے مذہب کا حصّہ ہے۔ صرف میں اِس خطرہ سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جو مسیح کی اصلی تعلیم کے علاوہ وہمی اور فرضی حواشی پر خوش عقیدگی کی وجہ سے یقین کر لینے کا نتیجہ ہے۔ یہ حواشی اور زوائد ایک خاص منصوبہ کے ماتحت گھڑے گئے ہیں اور اُن کا منشاء یہ ہے کہ ہمارے خیالات کی طرف لوگوں کی توجہ نہ ہو اور قوم کے بعض حصّوں پر ناجائز اثر اور دباؤ پڑا رہے۔ مسیح کے مذہب (یا زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہنا چاہیئے کہ میرے یقین کے مُطابق وُہ مذہب جو مسیح نے سکھلایا تھا) کی مثال ایک خوبصورت عمارت کی ہے جس کے تمام خط و خال کو مچانوں کے بانسوں اور ترپالوں نے ڈھانپ لیا ہؤا ہے۔

مَیں خوب جانتا ہوں کہ کیوں آج کل اِس قدر لوگ گرجے سے الگ رہتے ہیں۔ اِس لئے نہیں کہ اُن کو مذہب سے دلچسپی نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چپ چاپ بیٹھ کر ایسی باتیں سُننا نہیں چاہتے جس سے اُن کا صبر و استقلال معرض امتحان میں پڑ جائے اور معقولیّت کا خون ہو جائے۔ اُن کا قول ہے کہ باہر کھلی ہوا میں ٹینس یا گولف کھیلنا اور تازہ ہوا سونگھنا اس سے بُہت بہتر ہے کہ گرجے میں گھُس کر چپ چاپ بیٹھا ہؤا اندر ہی اندر غم و غصّہ میں کھلتا رہے یہ حالت کیسی قابل رحم ہے۔ مذہب میں کوئی چیز ایسی نہ ہونی چاہیئے جو وہمی اور مضحکہ خیز ہو۔ بلکہ متانت اور حقیقت ہونی چاہیئے جو ہم پر ہمیشہ نیک اثر ڈالے۔ میرے کانوں میں ہمیشہ یہ الفاظ پڑتے ہیں۔ کہ دیکھو عیسویت نے دُنیا کے لئے کیا کیا کچھ کیا ہے۔ ذرا شفاخانوں کی طرف نظر دوڑاؤ۔ سلطنت برطانیہ کو دیکھو اور ہماری اعلےٰ درجہ کی تہذیب پر غور کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب ٹھیک۔ لیکن کسی مذہب میں بھی اگر صرف توریت کے دس احکام اور خداوند کی دعا اور شیطان سے نفرت کے اصُول ہوں تو وہ بھی ٹھیک یہی کام کر سکتا ہے۔ پھر ہمارے موجودہ دشمنوں

نے تو عیسائیت سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیونکہ نہایت بیدردی کے ساتھ قتل و غارت اور شہوت پرستی سے کام لیا جا رہا ہے۔ سفید جھوٹ اور نہایت سنگدلی کی وحشیانہ حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں اور لوتھر جیسے عظیم الشان مصلح کی اصلاح کا یہ کوئی عمدہ پھل نہیں۔ اب اِن مستثنیات کو کہاں لیجایا جاوے۔ یہ کیا سبب ہے کہ خدا ترس لوتھر کے پیرو اپنی تعلیم بھول گئے۔ کیا یہ گروہ سے اپنی شامت اعمال کی وجہ سے خارج کر دئے گئے ہیں یا کوئی اور سبب ہے۔ اِن تمام واقعات سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وُہ یہ کہ تعلیم و تربیت خدا پرستی کے بغیر بالکل ناکام اور ناقص رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک عظیم الشان قوم اخلاقی طور پر قعر مذلت کے انتہائی تہ میں غرق ہو جاتی ہے +

عیسائیت اور توحید

رسالہ یونی ٹیرین منتھلی کا اخبار لکھتا ہے:۔

"ہمارے اسلامک ریویو اور ووکنگ کی مسجد کے مسلم احباب کو ذرا زیادہ احتیاط اور عیسویت کے مختلف فرقوں میں پورے پورے امتیاز کو کام میں لانا چاہیئے۔ مارچ کے اسلامک ریویو میں لارڈ ھیڈلی نے مسجد میں بحیثیت ایک مسلمان کے تقریر کرتے ہوئے مفصلہ ذیل تقریر کی۔ کہ مخلص عیسائی لوگ خدا کو مانتے ہیں اور نیز مسیح کو خدا مانتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نجات بغیر اس عقیدہ کے ناممکن ہے۔

یقیناً ہمارے مسلمان احباب خوب جانتے ہیں۔ کہ یہ بیان جو اوپر مذکور ہوا تمام عیسائیوں کے متعلق صحیح نہیں اور یہ کہ موحد عیسائی لوگ مسیح کو خدا نہیں مانتے۔ اور نہ اس عقیدہ کے بغیر نجات کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔ یہ باتیں ہمارے دوست خوب جانتے ہیں۔ اور موحدین کے موقعہ الشروع رسالوں سے بھی اچھی طرح واقف ہیں اور خود لنڈسے ہال لنڈن میں جسے موحدین نے ہی اُنکو کرایہ پر دیا ہوا ہے۔ وُہ اپنی نماز گذارتے ہیں اور وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ موحدین

اپنے تئیں عیسائی کہلواتے ہیں۔ اور اپنے فرقہ کو یسوع مسیح کی تعلیم کا سچا وارث قرار دیتے ہیں۔ پھر اسلامک ریویو کی اُسی اشاعت میں فرقہ موحدین کے ایک پادری مسمی ریورنڈ آر میکسول کنگ آف پریسبیٹیرین چرچ نیوٹو نارڈس کو ڈون آئرلینڈ کا خطبہ درج ہے۔ جس میں مذہب اسلام کی خوبیوں کو پسندیدگی و قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسلامک ریویو کے ایڈیٹران صاحبان جانتے ہیں۔ کہ مسٹر کنگ اور اُن کے احباب سب اسی فرقہ موحدین سے جو عیسائی کہلاتا ہے تعلق رکھتے ہیں اور جو عقیدہ کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وُہ ان کی نسبت صحیح نہیں۔ اور یہ پہلی بار ہی نہیں ہے جو ہم نے اسلامک ریویو میں مسلمانوں کی طرف سے اِس قسم کی غلط بیانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دانستہ ایسا کیا گیا ہے۔ بلکہ جو الزام وُہ لگاتے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے متعلق صحیح ہے جو پُرانی وضع کے عیسائی ہیں۔ پس جب اِس بات کا علم ہے تو اُن کو چاہیئے۔ کہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ایسے الفاظ استعمال کیا کریں۔ جن سے تمیز ہو جایا کرے۔

از اسلامک ریویو:۔ جو نوٹ اوپر بیان کیا گیا ہے اُسے پڑھ کر ہمیں حیرت ہوگئی۔ کیونکہ یہ ہم نہیں ہیں۔ بلکہ خود عیسائی یا پرانی وضع کے عیسائی ہیں جو موحدین کو عسائیت سے خارج سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک عیسائیت کا خلاصہ یہی ہے۔ کہ مسیح کی الوہیت اور نجات دہندگی پر ایمان لایا جاوے

یونی ٹیرین منتھلی کے ایڈیٹر کی یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ مُسلمان جانتے ہیں کہ موحدین مسیح کی الوہیت یا نجات دہندگی پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے اپنے سکوت اور خاموشی سے عیسویت سے خارج شدہ ہونے کے فتوے پر مُہر لگادی ہے۔ شاید موحدین یہ جانتے ہونگے۔ کہ مُسلمان بھی موحدین کی طرح مسیح کو ایک نبی مانتے ہیں۔ لیکن وُہ عیسائی کہلانا سخت ناگوار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی کا لفظ آجکل اپنے اندر ایک خاص مفہوم رکھتا ہے۔ ان موحدین کہلانے میں وُہ کوئی مضائقہ نہیں خیال کرتے۔ مُسلمان تو اپنے آپ کو محمدی کہلانا بھی پسند نہیں کرتے۔ اِسی طرح اُنھوں نے خیال کیا۔ کہ موحدین بھی اپنے تئیں عیسائی کہلانا پسند نہ کرتے ہونگے۔ باقی رہے ہمارے خیالات جو موحدین کی نسبت ہیں۔ سو ہم اس فقرہ کو سچا سمجھتے ہیں جو یونی ٹیرین منتھلی میں کسی مُسلمان بنگالی عالم کی طرف سے نکلا ہے اور وُہ یہ ہے "کہ میں بھی

انہی معنوں میں اپنے آپ کو موحد کہتا ہوں۔ جن معنوں میں آپ نے اِس کی تفسیر کی ہے۔ میں آپ لوگوں کو اسی ایک ہی موحد مذہب کا پیرو سمجھتا ہوں۔ ایک موحد اور ایک مسلمان میں کوئی فرق نہیں۔ پس عالمگیر موحد مذہب کے مشترکہ پلیٹ فارم پر مغربی و مشرقی موحدین کو جمع ہو جانا چاہیئے۔

براعظم امریکہ کے ایک دور دراز مقام سے ایک بشارت

مجھے کل کی ڈاک میں امریکہ کا ایک خط موصول ہوا جس کے بعض حصص کا ترجمہ بالفاظ ذیل یہاں دیتا ہوں۔ وھوھذا۔

سالٹ لیک۔ شہر یوٹا

صوبجات متحدہ امریکہ۔ مورخہ ۲۶۔ مئی ۱۹۱۵ء

میرے پیارے بھائی۔ اسقدر دور دراز مقام سے اِس چیٹھی کا آنا بالضرور آپ کے لئے موجب حیرت ہوگا۔ لیکن اب میں اِس خیال سے یہ خط لکھنے پر مجبور ہوں کہ آپ کو علم ہو جاوے کہ کن کن دور دراز مقامات تک آپ کا اثر پھیل رہا ہے۔۔۔۔ ایک برس ہؤا جب سے خالد شیلڈرک مقیم ووکنگ مسجد سے قرآن کریم کے کسی معتبر انگریزی ترجمہ کی بابت دریافت کیا۔ کئی سالوں سے مجھے اسلام سے دلچسپی رہی ہے۔ اور چونکہ مجھے حضرت محمد صلعم کی تاریخ کا بھی کچھ علم تھا۔ آہستہ آہستہ میں تعلیمات اسلام اور عقاید مسلمین سے زیادہ آگہی حاصل کرنے پر مائل ہو گیا۔ اب برابر ایک سال سے اپنی فارغ اوقات میں میں انھیں معاملات پر مطالعہ کرتا ہوں۔ اسلامک ریویو بھی لیتا ہوں اور اِس مضمون پر اور کتابیں بھی خریدی ہیں۔

بہرحال جس کتاب نے مجھے عظیم الشان فایدہ پہنچایا وہ آپ کی مختصر کتاب* "اسلام اور مسلمانی

*اس کتاب میں اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابل اور اسلام کے ارکان اور خصوصیات کا ذکر ہے۔ خلاصہ تعلیم اسلام بھی ہے۔ اسلامی نماز اور عیسائی نماز کا مقابلہ۔ نماز عربی حروف بمعہ انگریزی تلفظ بدرج کی گئی ہے۔ اور ترجمہ انگریزی میں ہیں۔ بلا و عرب میں مفت تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی قیمت یہاں ۱/۴ ہے۔ مینیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور سے طلب کریں۔

نماز تھی۔ اس کے ذریعہ میں نے نماز کو زبان انگریزی یاد کر لیا۔ اور دن میں اُس کے اکثر حصص اگر ممکن ہؤا تو بار بار پڑھتا رہتا ہوں اور اپنی آنکھیں اُسی حقیقی چشمۂ نور کی طرف لگائے رکھتا ہوں۔ اس سے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ کی یہ چھوٹی کتاب جو یہاں سے دور جگہ پر لکھی گئی اب شاید دُنیا کے ایک ایسے دور ترین حصے میں چلی گئی ہے۔ کہ جس کا کتاب کے لکھنے کے وقت آپ کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ میں نے چند کاپیاں اس کتاب کی اپنے ذیل کے احباب میں تقسیم کی ہیں۔ لفٹننٹ اے گمتری۔ مسٹر ولیم کوپر۔ مسٹر ایم سمتھ۔ اس سے آپ پر ظاہر ہوگا۔ کہ میں آہستہ آہستہ جگہ بجگہ جہاں ہمارے مذہب سے سخت نفرت ہے اسلام کی صداقت پھیلانے میں کوشش کر رہا ہوں۔ میں اُن اصحاب سے بھی خط و کتابت مستقل طور پر کرتا ہوں جنہوں نے اب اسلام کا اعلان کیا ہے۔ مثلاً مسٹر تھیوڈوس ڈیورینڈل ( ) کلیفورنیا۔ مسٹر الیف میکارتھی کلیفورنیا۔ مسز ای۔ این۔ ایم۔ وے۔ کرولے (یہ سب اسلامک ریویو کے ذریعہ مسلمان ہوئے) اس چٹھی میں اسی قدر کافی ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کی ہر ایک نصیحت اور مشورے پر عمل کروں گا۔ جس سے میں اسلام کے لئے مفید ہو سکوں۔ آپ ضرور مجھے اطلاع دیں۔ میں آپ کے نصائح پر چلوں گا۔ الغرض اس مختصر کہ فرض کے لئے ہر طرح کوشش کروں گا × × × کاش میں اسلام کے لئے کچھ کر سکوں۔ کاش مجھے بھی وہ نعمت نصیب ہو جو آپ کو ہوئی یعنی زیارت مکہ۔ ابتدا سے ایک خیال ہے کہ شاید مکہ۔ مدینہ کی مجھے زیارت ہو۔ بظاہر یہ بعید از عقل ہے۔ ایک دور دراز کا سفر۔ دوسرا میری مالی حالت ایسی اعلےٰ نہیں۔ لیکن ایک امریکہ میں مثل ہے جب تک زندگی تب تک امید۔ شاید ان مقدس مقامات کی زیارت نصیب ہو۔

آپ کا۔ نہایت ادب سے

ہومی کورنل۔ سٹیونز

میں نے اس خط کی ایک نقل دوکنگ بھیجدی ہے اور لکھ بھیجا ہے کہ اِن تین اصحاب مندرجہ چٹھی کے نام اسلامک ریویو جاری کر دیا جاوے۔ آخر اس گذشتہ دو سال کے متواتر ریویو بھیجنے نے امریکہ میں بلاد وہاں پہنچے تخم ریزی کی۔ چار مُسلمان ہو گئے اور تین اور سامنے ہیں۔ آؤ کوئی اہل دل ہو۔ کوئی ان واقعات اور نتائج پر غور کرے۔ کیا جس قدر روپیہ صرف ان امریکہ والوں

کے پاس ریویو بھیجنے میں خرچ ہؤا۔ اُن کو کچھ بھی نسبت اِن نتائج اعلےٰ سے ہے مجھے بار بار حیرت آتی ہے کہ مُسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ کیوں وُہ اس طرف متوجّہ نہیں ہوتے۔ ہمارے سب قومی تحریکات کے مقابل سب سے زیادہ یہ ضروری اہم اور مفید کام ہے اور اسوقت تک اس قدر لاپرواہی۔

اس کو ضرور پڑھو۔

اسلامک ریویو انگریزی کے مفت اشاعت تقسیم کی تجویز ملک کے آگے پیش کی اس تقسیم کے نتائج اعلےٰ سے اعلےٰ ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ جس کا ایک ثبوت مذکورہ بالا چٹھی ہے۔ لیکن اس وقت تک ملک کی توجہ اس طرف ہونے میں نہیں آتی۔ پھر میں نے ہندوستان آکر یہ تجویز کی کہ اردو کا رسالہ نکال دُوں۔ اُس کی قیمت بُہت تھوڑی رکھدوں۔ اگر اردو کا یہی رسالہ دس ہزار تک لگ جاوے تو میں خود ہی اُس کے منافع سے چند ہزار رسالہ انگریزی مفت تقسیم کردوں۔ اس طرف بھی بُہت کم توجہ ہوئی ہے۔ اس وقت کل ڈیڑھ ہزار یا اس سے زیادہ اس رسالہ کی خریداری ہوئی ہے۔ جو اس رسالہ کے اخراجات کے لئے بمشکل مکتفی ہوسکتی ہے خیال تو یہ تھا۔ کہ اس سے انگریزی رسالہ کو تقویت ہو۔ لیکن ابھی تک وُہ غرض پُوری نہیں ہوئی۔ مجھے یہ تو خدا تعالےٰ کا شکریہ کرنا ہے۔ اور ایسا ہی بعض قوم کے ایک حصّہ کا۔ یہ ڈیڑھ ہزار خریدار میرے چند شہروں میں پھرنے کا نتیجہ ہے۔ جہاں میں جاتا ہوں مجھ سے برادران اسلام محبّت سے پیش آتے ہیں۔ میری خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس کام کی اہمیّت اور ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہر شہر سے اوسطاً سو کے لگ بھگ خریدار ہی پیدا ہوجاتے ہیں۔ لیکن میں یہ کام کہاں تک اور کب تک کرسکوں گا۔ یہ تو میں یقین کرتا ہوں کہ اگر میں دو سال اِس کام پر یہاں رہوں تو شاید دس ہزار کیا بلکہ بیس ہزار خریدار پیدا کرلوں۔ لیکن کیا یہ کام اس قابل ہے کہ جس پر میں اپنے اوقات خرچ کردں۔ ووکنگ کے حالات اب بدل گئے۔ لوگوں کا رجحان یکلخت اس طرف ہو گیا۔ مسجد ووکنگ عید ۰ اور اتوار کو ایک میلہ کی جگہ ہوگئی۔ وہاں کے باشندوں میں ہم سے اجنبیت اور دُوری چلی گئی۔ محبّت اور اتحاد کے تعلقات قائم ہوگئے۔ وہاں بحمداللہ اسلام کو ایک معقول سادہ اور مکمل مذہب سمجھا گیا۔ یہ وقت تھا۔ کہ بُہت سے کارکن وہاں ہوتے۔

خصوصاً وہ جن کو کچھ تجربہ تھا۔ ذیل میں ایک رپورٹ درج کرتا ہوں جو مسٹر مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا نقیم لنڈن نے کسی گذشتہ اتوار کے جلسہ کی لکھی ہے۔ مجھے نہ موجودہ جنگ یہاں روک سکتا ہے۔ نہ کوئی اور تعلقات وطن و عیال۔ لیکن اگر کوئی روک میرے راہ میں ہے تو صرف مالی وقتیں۔ آہ ایک اسلامی مشن کل ہندوستان کی طرف سے۔ پھر ایسا مشن کہ اپنے نتائج میں کل مذاہب کی گذشتہ صدی کے مشنوں کے مقابل ارفع اور اعلیٰ ہو اور اس کی طرف یہ سرد مہری۔ اے خدا تو ہم پر رحم کر تو ہی ان غفلت کے لحافوں میں لپٹے ہوؤں کو جگا اور اُن میں اس ضرورت حقہ کا احساس پیدا کر۔

مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ اگر اردو رسالہ کی خریداری بڑھ جاوے تو یہ آسان سے آسان طریق ہے کہ جس سے اتنی عظیم الشان مہم طے ہو جاتی ہے۔ مینے بھی تجربہ سے جانتا ہوں کہ اگر مسلم بھائیوں کو تحریک کی جاوے تو اس طرف متوجہ ہو سکتے ہیں لیکن آمادہ کون کرے میں تو ہر جگہ جانے سے رہا۔ ہاں میرے ذہن میں ایک اور تجویز آئی ہے۔ اس رسالہ کے قارئین کرام میں اکثر ذی اثر ذی وجاہت احباب ہیں۔ اگر ہر ایک بزرگ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اُس کی اشاعت بڑہانے کی کوشش کریں۔ جیسے کہ بعض کرتے بھی ہیں۔ ہر ایک رسالہ کا پڑھنے والا اوسطاً دو دو خریدار بھی اپنی طرف سے دے تو چھ ہزار خریدار اردو کے آسانی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

انگریزی رسالہ کے بھی خریدار بڑھنے چاہئیں یا کم از کم ایسے اہل کرم پیدا ہونے چاہئیں جو اپنی طرف سے انگریزی رسالہ بلاد غرب میں مفت تقسیم کراویں۔ ایسے بزرگوں سے صرف پانچ روپیہ سال بجائے سات روپیہ کے لئے جاویں گے۔

امریکہ۔ انگلستان۔ یورپ۔ غرض ہر جگہ مذہب کی تلاش از سر نو پیدا ہو گئی ہے۔ لوگ اپنی مذہب سے بیزار اور متنفر ہو چکے ہیں۔ آئینہ بالکل صاف ہے۔ گذشتہ عقاید یا تعصبات کا کوئی زنگ اُن پر نہیں۔ پھر یہ قومیں تعلیم یافتہ ہیں۔ کسی مذہب کی وہمی یا حقیقی خوبیوں میں تمیز کر سکتے ہیں مینے جس نگاہ سے اسلام اور یورپ کے اندر مندرجہ خیالات کا متقابلہ مطالعہ کیا ہی میں دیکھتا ہوں کہ مغربی دل و دماغ صرف اسلام کے ہی قبول کرنے کے لیے طیار ہوا ہے۔ وہ لوگ خود بخود اوّل اصولوں کو دریافت کر چکے ہیں یا اُن کے قریب آرہے ہیں کہ جو اسلام نے ہی

بلوجہ احسن تسلیم کئے ہے +

یورپ میں اسلام کی راہ سے روکیں مٹتی جاتی ہیں

پھر خدا تعالیٰ نے خود ایسے سامان پیدا کئے ہیں۔ کہ جن سے وہ روکیں دور ہو گئی ہیں۔ جو اسلام کی راہ میں تھیں۔ وہ امور جو خطرناک طور پر یورپ میں اسلام کے سدّ راہ تھے۔ وہ شراب نوشی۔ مسئلہ کثیر الازدواجی اور مسئلہ اسلامی جنگ تھا۔ آج یہ تینوں امور تھوڑے عرصہ میں دور ہو گئے۔ اسلامی جنگوں کی حقیقت اور صداقت پر آج انگلستان اور فرانس نے مہر لگا دی۔ خود ہی ہماری سرکار دولت مدار پر وہی وقت آگیا۔ کہ جس کے دفعیہ کے لئے آنحضرت صلعم نے جنگ کئے۔ آج ایسے جنگ کی حمایت میں گرجاؤں میں وعظ ہو رہے ہیں۔ کثیر الازدواجی کی ضرورت خود بخود سامنے آرہی ہے۔ آخر اسلام نے یہ مسئلہ صرف خاص خاص ضرورتوں کے لئے ہی تعلیم کیا تھا۔ وہ ضروریات اس وقت نہایت خوفناک شکل میں سامنے کھڑی ہیں۔ شراب کے متعلق آج ہمارے شہنشاہ اعظم جارج خامس نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنے محل سے اس موذی چیز کو نکالکر۔ شراب سے نفرت کرنا ایک قسم کا فیشن ہونے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ شراب کا متوالا فرانس اس سے علی الاعلان متنفر ہو رہا ہے۔ روس نے کروڑہا روپیہ کا نقصان برداشت کرنا قبول کر لیا۔ لیکن اس پلید چیز کو جلاوطن کرنے کا اُسے فکر ہے۔

کیا ایک اہل بصیرت ان واقعات سے کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ کہ عین اُس وقت جب خدا تعالیٰ کے علم میں وہ وقت آگیا۔ کہ یہ روکیں خود بخود اسلام کے راہ سے دُور ہو جاویں۔ اِس وقت بعض کے دل میں تحریک ہوتی ہے کہ اسلام کی تبلیغ غربی ممالک میں شروع کریں۔ ربانی اشارات کے پڑھنے والی قوم۔ نظر عبرت سے واقعات عالم کا مطالعہ کرنے والی قوم اوٹھ اور جاگ۔ اور خدا کے پیدا کردہ سامانوں سے مستفید ہو۔ اور یاد رکھ کہ ؎

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

اِس رسالہ کا یہ نمبر بعض ایسے احباب کی خدمت میں بھی بھیجا جاتا ہے۔ جو اِس وقت تک اُس کے خریدار نہیں ہوئے۔ بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے خریداری کی رضامندی تو دی تھی لیکن کسی وجہ سے وی پی واپس آ گئے۔ یہ نہیں کہ انھوں نے انکار کیا۔ اور وجہ سے واپس آ گئے۔ وہ اس میری عرضداشت پر غور کریں۔ وہ اگر انگریزی رسالہ خریدنا پسند نہ کریں تو اُردو رسالہ خرید لیں۔

یہ معاملات تو اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ جو جو فضل اللہ تعالےٰ نے مجھ پر آج تک کئے اور جس جس طرح سے اُس نے مشکل کشائی کی ہے۔ وہی ان موجودہ دقتوں کا کفیل ہے۔ بہرحال میرا فرض ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو اس کارِ خیر میں شریک کرنے کے لئے صلائے عام دوں۔

خواجہ کمال الدین
عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور
۳۔ جولائی ۱۹۱۵ء

اسوہ حسنہ
الموسوم بہ زندہ اور کامل نبی

وُہ لیکچر جو محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڈھ میں **خواجہ کمال الدین** صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب نے دیا۔ یہ کتاب بفضلہ تعالےٰ کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی ہے کہ اس کی مانگ اب تک لگاتار جاری ہے۔ چونکہ اِس کتاب کی فروخت سے کوئی ذاتی مفاد مدِ نظر نہیں۔ بلکہ یہی غرض ہے کہ اِس تصنیف سے ہر ایک اہلِ اسلام کو فائدہ پہنچے۔ اِس لئے اِس کی قیمت نصف کر دی گئی ہے۔ پانچ آنے کے ٹکٹ بھیج کر بذریعہ وی پی طلب کریں جس میں ایک آنہ محصول ڈاک ہے۔ ضخامت ۱۳۶ صفحہ اور اعلےٰ درجہ کے ولایتی چکنے کاغذ پر نہایت خوش خط چھپی ہے +

المشتہر
مینجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

نے تو عیسائیت سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیونکہ نہایت بیدردی کے ساتھ قتل و غارت اور شہوت پرستی سے کام لیا جا رہا ہے۔ سفید جھوٹ اور نہایت سنگدلی کی وحشیانہ حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں اور لوتھر جیسے عظیم الشان مصلح کی اصلاح کا یہ کوئی عمدہ پھل نہیں۔ اب ان مستثنیات کو کہاں لیجایا جاوے۔ یہ کیا سبب ہے کہ خدا ترس لوتھر کے پیرو اپنی تعلیم بھول گئے۔ کیا یہ گرجے سے اپنی شامت اعمال کی وجہ سے خارج کر دئے گئے ہیں یا کوئی اور سبب ہے۔ ان تمام واقعات سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ تعلیم و تربیت خدا پرستی کے بغیر بالکل ناکام اور نامراد ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک عظیم الشان قوم اخلاقی طور پر قعر مذلت کے انتہائی تہ میں غرق ہو جاتی ہے +

عیسائیت اور توحید

رسالہ یونی ٹیرین منتھلی کا اخبار لکھتا ہے :-

" ہمارے اسلامک ریویو اور ووکنگ کی مسجد کے مسلم احباب کو ذرا زیادہ احتیاط اور عیسویت کے مختلف فرقوں میں پورے پورے امتیاز کو کام میں لانا چاہئیے۔ مارچ کے اسلامک ریویو میں لارڈ ہیڈلی نے مسجد میں بحیثیت ایک مسلمان کے تقریر کرتے ہوئے مفصلہ ذیل تقریر کی۔ کہ مخلص عیسائی لوگ خدا کو مانتے ہیں اور نیز مسیح کو خدا مانتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نجات بغیر اس عقیدہ کے ناممکن ہے۔

یقیناً ہمارے مسلمان احباب خوب جانتے ہیں۔ کہ یہ بیان جو اوپر مذکور ہوا تمام عیسائیوں کے متعلق صحیح نہیں اور یہ کہ موحد عیسائی لوگ مسیح کو خدا نہیں مانتے۔ اور نہ اس عقیدہ کے بغیر نجات کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔ یہ باتیں ہمارے دوست خوب جانتے ہیں۔ اور موحدین کے موقعہ اشتہار رسالوں سے بھی اچھی طرح واقف ہیں اسلامی ولڈنگسے ہال لنڈن میں جسے موحدین نے ہی انکو کرایہ پر دیا ہوا ہے۔ وہ اپنی نماز گذارتے ہیں اور وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ موحدین

اپنے تئیں عیسائی کہلواتے ہیں۔ اور اپنے فرقہ کو یسوع مسیح کی تعلیم کا سچا وارث قرار دیتے ہیں۔ پھر اسلامک ریویو کی اُسی اشاعت میں فرقہ موحدین کے ایک پادری مسمی ریورنڈ آرمیکسول کنگ آف پریسبیٹرین چرچ نیوٹو نارڈس کوڈون آئرلینڈ کا خطبہ درج ہے۔ جس میں مذہب اسلام کی خوبیوں کو پسندیدگی و قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسلامک ریویو کے ایڈیٹران صاحبان جانتے ہیں۔ کہ سٹرکنگ اور اُن کے احباب سب اسی فرقہ موحدین سے جو عیسائی کہلاتا ہے تعلق رکھتے ہیں اور جو عقیدہ کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وُہ ان کی نسبت صحیح نہیں۔ اور یہ پہلی بار ہی نہیں ہے جو ہم نے اسلامک ریویو میں مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کی غلط بیانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دانستہ ایسا کیا گیا ہے۔ بلکہ جو الزام وُہ لگاتے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے متعلق صحیح ہے جو پُرانی وضع کے عیسائی ہیں۔ پس جب اِس بات کا علم ہے تو اُن کو چاہیئے۔ کہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ایسے الفاظ استعمال کیا کریں۔ جن سے تمیز ہو جایا کرے۔

از اسلامک ریویو:- جو نوٹ اوپر بیان کیا گیا ہے اُسے پڑھ کر ہمیں حیرت ہوگئی۔ کیونکہ یہ ہم نہیں ہیں۔ بلکہ خود عیسائی یا پرانی وضع کے عیسائی ہیں جو موحدین کو عیسائیت سے خارج سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک عیسائیت کا خلاصہ یہی ہے۔ کہ مسیح کی الوہیت اور نجات دہندگی پر ایمان لایا جاوے

یونی ٹیرین منتھلی کے ایڈیٹر کی یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ مُسلمان جانتے ہیں کہ موحدین مسیح کی الوہیت یا نجات دہندگی پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے اپنے سکوت اور خاموشی سے عیسویت سے خارج شدہ ہونے کے فتوے پر مُہر لگا دی ہے۔ شاید موحدین یہ جانتے ہونگے۔ کہ مُسلمان بھی موحدین کی طرح مسیح کو ایک نبی مانتے ہیں۔ لیکن وُہ عیسائی کہلانا سخت ناگوار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی کا لفظ آجکل اپنے اندر ایک خاص مفہوم رکھتا ہے۔ ہاں موحدین کہلانے میں وُہ کوئی مضائقہ نہیں خیال کرتے۔ مُسلمان تو اپنے آپ کو محمدی کہلانا بھی پسند نہیں کرتے۔ اِسی طرح اُنھوں نے خیال کیا۔ کہ موحدین بھی اپنے تئیں عیسائی کہلانا پسند نہ کرتے ہونگے۔ باقی رہے ہمارے خیالات جو موحدین کی نسبت ہیں۔ سو ہم اس فقرہ کو سچا سمجھتے ہیں جو یونی ٹیرین منتھلی میں کسی مُسلمان بنگالی عالم کی طرف سے نکلا ہے اور وُہ یہ ہے ؎کہ میں بھی

انہی معنوں میں اپنے آپ کو موحد کہتا ہوں۔ جن معنوں میں آپ نے اس کی تفسیر کی ہے بیں آپ لوگوں کو اسی ایک ہی موحد مذہب کا پیرو سمجھتا ہوں۔ ایک موحد اور ایک مسلمان میں کوئی فرق نہیں پس عالمگیر موحد مذہب کے مشترکہ پلیٹ فارم پر مغربی و مشرقی موحدین کو جمع ہو جانا چاہیئے۔

بر اعظم امریکہ کے ایک دور دراز مقام سے ایک بشارت

مجھے کل کی ڈاک میں امریکہ کا ایک خط موصول ہؤا جس کے بعض حصص کا ترجمہ بالفاظ ذیل یہاں دیتا ہوں۔ وھوھذا۔

سالٹ لیک شہر یوٹا

صوبجات متحدہ امریکہ۔ مؤرخہ ۲۶۔ مئی ۱۹۱۵ء

میرے پیارے بھائی۔ اِسقدر دُور دراز مقام سے اِس چِٹھی کا آنا بالضرور آپکے لئے موجب حیرت ہوگا۔ لیکن اب میں اِس خیال سے یہ خط لکھنے پر مجبور ہوں کہ آپ کو علم ہو جاوے کہ کن کن دور دراز مقامات تک آپ کا اثر پھیل رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ایک برس ہؤا جب سے خالد شیلڈرک مقیم ووکنگ مسجد سے قرآن کریم کے کسی معتبر انگریزی ترجمہ کی بابت دریافت کیا۔ کئی سالوں سے مجھے اسلام سے دلچسپی رہی ہے۔ اور چونکہ مجھے حضرت محمد صلعم کی تاریخ کا بھی کچھ علم تھا۔ آہستہ آہستہ میں تعلیمات اسلام اور عقاید مسلمین سے زیادہ آگہی حاصل کرنے پر مائل ہو گیا۔ اب برابر ایک سال سے اپنی فارغ اوقات میں مَیں انھیں معاملات پر مطالعہ کرتا ہوں۔ اسلامک ریویو بھی لیتا ہوں اور اس مضمون پر اور کتابیں بھی خریدی ہیں۔

بہر حال جس کتاب نے مجھے عظیم الشان فایدہ پہنچایا وہ آپ کی مختصر کتاب* اسلام اور اسلامی

---

* اس کتاب میں اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابل اور اسلام کے ارکان اور خصوصیات کا ذکر ہے۔ خلاصہ تعلیم اسلام بھی اسی میں ہے۔ اسلامی نماز اور عیسائی نماز کا مقابلہ۔ نماز عربی حروف بمعہ اسکا تلفظ مع انگریزی ترجمہ کے ہے۔ بلاد غیر میں مفت تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی قیمت یہاں ۴؍ ہے۔ مینیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور سے طلب کرنی چاہئے +

نماز تھی۔ اس کے ذریعہ میں نے نماز کو بزبان انگریزی یاد کر لیا۔ اور دن میں اُس کے اکثر حصص اگر ممکن ہُوا تو بار بار پڑھتا رہتا ہوں اور اپنی آنکھیں اُسی حقیقی چشمۂ نور کی طرف لگائے رکھتا ہوں۔ اس سے آپ خیال کرسکتے ہیں کہ آپ کی یہ چھوٹی کتاب جو یہاں سے دور جگہ پر لکھی گئی اب شاید دُنیا کے ایک ایسے دور ترین حصّے میں چلی گئی ہے۔ کہ جس کا کتاب کے لکھنے کے وقت آپ کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ میں نے چند کاپیاں اس کتاب کی اپنے ذیل کے احباب میں تقسیم کی ہیں۔ لفٹننٹ اے گھتری۔ مسٹر ولیم کوپر۔ مسٹر ایم سمتھ۔ اس سے آپ پر ظاہر ہوگا کہ میں آہستہ آہستہ جگہ جہاں ہمارے مذہب سے سخت نفرت ہے اسلام کی صداقت پھیلانے میں کوشش کر رہا ہوں۔ میں اُن اصحاب سے بھی خط وکتابت مستقل طور پر کرتا ہوں جنہوں نے اب اسلام کا اعلان کیا ہے۔ مثلاً مسٹر تھیوڈوس ڈیورینٹ ( ) کلیفورنیا۔ مسٹر الیف میکارتھی کلیفورنیا۔ مسٹر ای۔ این۔ ایم۔ وے۔ کروے (یہ سب اسلامک ریویو کے ذریعہ مسلمان ہوئے) اس چٹھی میں اسی قدر کافی ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کی ہر ایک نصیحت اور مشورے پر عمل کروں گا۔ جس سے میں اسلام کے لئے مفید ہوسکوں۔ آپ ضرور مجھے اطلاع دیں۔ میں آپ کے نصائح پر چلوں گا۔ اور اس ختم کردہ فرض کے لئے ہر طرح کوشش کروں گا × × × × کاش میں اسلام کے لئے کچھ کرسکوں۔ کاش مجھے بھی وُہ نعمت نصیب ہو جو آپ کو ہوئی یعنی زیارت مکّہ۔ ابتداء سے ایک خیال ہے کہ شاید مکّہ۔ مدینہ کی مجھے زیارت ہو۔ بظاہر یہ بعید از عقل ہے۔ ایک دور دراز کا سفر۔ دوسرا میری مالی حالت ایسی اعلیٰ نہیں۔ لیکن ایک امریکہ میں مثل ہے جب تک زندگی تب تک امید۔ شاید ان مقدس مقامات کی زیارت نصیب ہو۔

آپ کا۔ نہایت ادب سے

ہومی کورنل۔ سٹیونز

میں نے اس خط کی ایک نقل ووکنگ بھیجدی ہے اور لکھ بھیجا ہے کہ ان تین اصحاب مندرجہ چٹھی کے نام اسلامک ریویو جاری کر دیا جاوے۔ آخر اس گذشتہ دو سال کے متواتر ریویو بھیجنے نے امریکہ میں بلا وہاں پہنچے تخم ریزی کی۔ چار مسلمان ہو گئے اور تین اور سامنے ہیں۔ آو کوئی اہل دل ہو۔ کوئی ان واقعات اور نتائج پر غور کرے۔ کیا جس قدر روپیہ صرف ان امریکہ والوں

کے پاس ریویو بھیجنے میں خرچ ہؤا۔ اُن کو کچھ بھی نسبت۔ اِن نتائج اعلےٰ سے ہے مجھے۔ بار بار حیرت آتی ہے کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ کیوں وُہ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ہمارے سب قومی تحریکات کے مقابل سب سے زیادہ یہ ضروری اہم اور مفید کام ہے اور اسوقت تک اس قدر لاپرواہی۔

اِس کو ضرور پڑھو۔

اسلامک ریویو انگریزی کے مفت اشاعت تقسیم کی تجویز ملک کے آگے پیش کی اس تقسیم کے نتائج اعلےٰ سے اعلےٰ ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ جس کا ایک ثبوت مذکورہ بالا چٹھی ہے۔ لیکن اس وقت تک ملک کی توجہ اس طرف ہونے میں نہیں آتی۔ پھر مینے ہندوستان آکر یہ تجویز کی کہ اردو کا رسالہ نکال دُوں۔ اُس کی قیمت بُہت تھوڑی رکھدوں۔ اگر اردو کا یہ رسالہ دس ہزار تک لگ جاوے تو میں خود ہی اُس کے منافع سے چند ہزار رسالہ انگریزی مفت تقسیم کردوں۔ اس طرف بھی بُہت کم توجہ ہوئی ہے۔ اس وقت کل ڈیڑھ ہزار یا اس سے زیادہ اس رسالہ کی خریداری ہوئی ہے۔ جو اس رسالہ کے اخراجات کے لئے بمشکل مکتفی ہوسکتی ہے خیال تو یہ تھا۔ کہ اس سے انگریزی رسالہ کو تقویت ہو۔ لیکن ابھی تک وُہ غرض پُوری نہیں ہوئی۔ مجھے یہ تو خدا تعالےٰ کا شکریہ کرنا ہے۔ اور ایسا ہی بعض قوم کے ایک حصّہ کا۔ یہ ڈیڑھ ہزار خریدار میرے چند شہروں میں پھرنے کا نتیجہ ہے۔ جہاں میں جاتا ہوں مجھ سے برادران اسلام محبّت سے پیش آتے ہیں۔ میری خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہر شہر سے اوسطاً سو کے لگ بھگ خریدار ہی پیدا ہوجاتے ہیں۔ لیکن میں یہ کام کہاں تک اور کب تک کرسکوں گا۔ یہ تو میں یقین کرتا ہوں کہ اگر میں دو سال اِس کام پر یہاں رہوں تو شاید دس ہزار کیا بلکہ بیس ہزار خریدار پیدا کرلوں۔ لیکن کیا یہ کام اس قابل ہے کہ جس پر میں اپنے اوقات خرچ کروں۔ ووکنگ کے حالات اب بدل گئے۔ لوگوں کا رجحان یکلخت اس طرف ہو گیا۔ مسجد ووکنگ عید اور اتوار کو ایک میلہ کی جگہ ہوگئی۔ وہاں کے باشندوں میں ہم سے اجنبیت اور دُوری چلی گئی۔ محبّت اور اتحاد کے تعلقات قائم ہوگئے۔ وہاں بحمداللہ اسلام کو ایک معقول سادہ اور مکمل مذہب سمجھا گیا۔ یہ وقت تھا۔ کہ بُہت سے کارکن وہاں ہوتے۔

خصوصًا وہ جن کو کچھ تجربہ تھا۔ ذیل میں ایک رپورٹ درج کرتا ہوں جو مسٹر مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا مقیم لنڈن نے کسی گذشتہ اتوار کے جلسہ کی لکھی ہے۔ مجھے نہ موجودہ جنگ یہاں روک سکتا ہے۔ نہ کوئی اور تعلقات وطن و عیال۔ لیکن اگر کوئی روک میرے راہ میں ہی تو صرف مالی دقتیں۔ آہ ایک اسلامی مشن کل ہندوستان کی طرف سے۔ پھر ایسا مشن کہ اپنے نتائج میں کل مذاہب کی گذشتہ صدی کے مشنوں کے مقابل ارفع اور اعلیٰ ہو اور اس کی طرف یہ سرد مہری۔ اے خدا تو ہم پر رحم کر۔ تو ہی ان غفلت کے لحافوں میں لپٹے ہوؤں کو جگا اور اُن میں اس ضرورت حقہ کا احساس پیدا کر۔

مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ اگر اردو رسالہ کی خریداری بڑھ جاوے تو یہ آسان سے آسان طریق ہے کہ جس سے اتنی عظیم الشان مہم طے ہو جاتی ہے۔ مینے بھی تجربہ سے جانتا ہوں کہ اگر مُسلم بھائیوں کو تحریک کی جاوے تو اس طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن آمادہ کون کرے۔ میں تو ہر جگہ جانے سے رہا۔ ہاں میرے ذہن میں ایک اور تجویز آئی ہے۔ اس رسالہ کے قارئین کرام میں اکثر ذی اثر ذی وجاہت احباب ہیں۔ اگر ہر ایک بزرگ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اُس کی اشاعت بڑھانے کی کوشش کریں۔ جیسے کہ بعض کرتے بھی ہیں۔ ہر ایک رسالہ کا پڑھنے والا اوسطًا دو دو خریدار بھی اپنی طرف سے دے تو چھ ہزار خریدار اردو کے آسانی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

انگریزی رسالہ کے بھی خریدار بڑھنے چاہئیں یا کم از کم ایسے اہل کرم پیدا ہونے چاہئیں جو اپنی طرف سے انگریزی رسالہ بلاد غرب میں مفت تقسیم کراویں۔ ایسے بزرگوں سے صرف پانچ روپیہ سال بجائے سات روپیہ کے لئے جاویں گے۔

امریکہ۔ انگلستان۔ یورپ۔ غرض ہر جگہ مذہب کی تلاش از سر نو پیدا ہو گئی ہے۔ لوگ اپنے مذہب سے بیزار اور متنفر ہو چکے ہیں۔ آئینہ بالکل صاف ہے۔ گذشتہ عقاید یا تعصبات کا کوئی زنگ اُن پر نہیں۔ پھر یہ قومیں تعلیم یافتہ ہیں۔ کسی مذہب کی وہمی یا حقیقی خوبیوں میں تمیز کر سکتے ہیں۔ مینے جس نگاہ سے اسلام اور یورپ کے اندر متداعہ خیالات کا مقابلہ مطالعہ کیا ہی میں دیکھتا ہوں کہ مغربی دل و دماغ صرف اسلام کے ہی قبول کرنے کے لیے طیار ہو رہا ہے۔ وہ لوگ خود بخود اول اصولوں کو دریافت کر چکے ہیں یا اُن کے قریب آ رہے ہیں کہ جو اسلام نے ہی

بوجہ احسن تعلیم کئے ہے ۔

یورپ میں اسلام کی راہ سے روکیں ہٹتی جاتی ہیں

پھر خدا تعالیٰ نے خود ایسے سامان پیدا کئے ہیں۔ کہ جن سے وہ روکیں دور ہوگئی ہیں۔ جو اسلام کی راہ میں تھیں۔ وہ امور جو خطرناک طور پر یورپ میں اسلام کے سدِ راہ تھے۔ وہ شراب نوشی۔ مسئلہ کثیر الازدواجی اور مسئلہ اسلامی جنگ تھا۔ آج یہ تینوں امور تھوڑے عرصہ میں دور ہوگئے۔ اسلامی جنگوں کی حقیقت اور صداقت پر آج انگلستان اور فرانس نے مُہر لگادی۔ خود ہی ہماری سرکار دولت مدار پر وہی وقت آگیا۔ کہ جس کے دفعیہ کے لئے آنحضرت صلعم نے جنگ کئے۔ آج ایسے جنگ کی حمایت میں گرجاؤں میں وعظ ہو رہے ہیں۔ کثیر الازدواجی کی ضرورت خود بخود سامنے آرہی ہے۔ آخر اسلام نے یہ مسئلہ صرف خاص خاص ضرورتوں کے لئے ہی تعلیم کیا تھا۔ وُہ ضروریات اس وقت نہایت خوفناک شکل میں سامنے کھڑی ہیں۔ شراب کے متعلق آج ہمارے شہنشاہ اعظم جارج خامس نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنے محل سے اس موذی چیز کو نکالکر شراب سے نفرت کرنا ایک قسم کا فیشن ہونے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ شراب کا متوالا فرانس اس سے علی الاعلان متنفر ہو رہا ہے۔ روس نے کروڑہا روپیہ کا نقصان برداشت کرنا قبول کرلیا۔ لیکن اس پلید چیز کو جلاوطن کرنے کا اُسے فکر ہے۔

کیا ایک اہل بصیرت ان واقعات سے کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ کہ عین اُس وقت جب خدا تعالیٰ کے علم میں وُہ وقت آگیا۔ کہ یہ روکیں خود بخود اِسلام کے راہ سے دُور ہو جاویں۔ اِس وقت بعض کے دل میں تحریک ہوتی ہے کہ اسلام کی تبلیغ غربی ممالک میں شرُوع کریں۔ ربانی اشارات کے پڑھنے والی قوم۔ نظر عبرت سے واقعات عالم کا مطالعہ کرنے والی قوم اوٹھ اور جاگ۔ اور خدا کے پیدا کردہ سامانوں سے مستفید ہو۔ اور یاد رکھ کہ سہ

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

اِس رسالہ کا یہ نمبر بعض ایسے احباب کی خدمت میں بھی بھیجا جاتا ہے۔ جو اس وقت تک اُس کے خریدار نہیں ہوئے۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے خریداری کی رضامندی تو دی تھی لیکن کسی وجہ سے وی۔پی۔ واپس آ گئے۔ یہ نہیں کہ اُنھوں نے انکار کیا۔ اور وجوہ سے واپس آ گئے۔ وُہ اس میری عرضداشت پر غور کریں۔ وہ اگر انگریزی رسالہ خرید نا پسند نہ کریں تو اُردو رسالہ خرید لیں۔

یہ معاملات تو اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ جو جو فضل اللہ تعالیٰ نے مجھ پر آج تک کئے اور جس جس طرح سے اُس نے مشکل کشائی کی ہے۔ وہی ان موجودہ دقتوں کا کفیل ہے۔ بہر حال میرا فرض ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو اس کار خیر میں شریک کرنے کے لئے صلائے عام دوں۔

خواجہ کمال الدین

عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

۲۔ جولائی ۱۹۱۵ء

اسوہ حسنہ
الموسوم بہ
زندہ اور کامل نبی

وُہ لیکچر جو محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علی گڑھ میں **خواجہ کمال الدین** صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب نے دیا۔ یہ کتاب بفضلہ تعالےٰ کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی ہے کہ اس کی مانگ اب تک لگاتار جاری ہے۔ چونکہ اس کتاب کی فروخت سے کوئی ذاتی مفاد مد نظر نہیں۔ بلکہ یہی غرض ہے کہ اس تصنیف سے ہر ایک اہل اسلام کو فائدہ پہنچے۔ اِس لئے اس کی قیمت نصف کر دی گئی ہے۔ پانچ آنے کے ٹکٹ بھیج کر بذریعہ وی۔پی طلب کریں جس میں ایک آنہ محصول ڈاک ہے۔ ضخامت ۱۳۶ صفحہ اور اعلےٰ درجہ کے ولائیتی چکنے کاغذ پر نہایت خوش خط چھپی ہے +

المشتـــــــهر

منیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

رپورٹ جلسہ ووکنگ منعقدہ ۲ مئی ۱۹۱۵ء

مرقومہ جناب مشیر حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لاء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (مقیم لنڈن) نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ماشاء اللہ ووکنگ میں اب تو ہفتہ وار جلسہ ایک مستقل رنگ اختیار کرتا جاتا ہے پچھلی اتوار کو بہت اچھا مجمع ہو گیا۔ یہاں کی خلقت پر اس قسم کے مجمعوں کا بہت ہی اچھا اثر ہوتا ہے

پچھلی اتوار کو جناب یوسف علی صاحب I. C. S. جناب مرزا عباس علی بیگ صاحب ممبر انڈیا کونسل معہ اپنی بیگم صاحبہ اور بچوں کے تشریف لائے۔ اور بیگم صاحبہ اپنی زرق برق پوشاک میں تھیں۔ بچے بھی خوبصورت مخملی پوشاک میں۔ سیٹھ لطیفی صاحب معہ اپنی اہل خانہ اور صاحبزادی کے تشریف لائے۔ وہ دونو ہی نفیس مشرقی پوشاک میں تھیں۔ تینوں خاتونیں انگریزی زبان نہایت شستگی اور صفائی سے بولتی تھیں۔ اور اُن کو دیکھ کر ہمارے انگریزی مسلمان بہنیں اور غیر مسلمان عورتیں دنگ رہ گئیں۔ اُن کے لئے یہ عملی ثبوت تھا۔ کہ جو بہتان عورتوں کے سلوک کا عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف مشتہر کر رکھا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اُنکی شائستگی اور تہذیب بھی یہاں کی عورتوں کے لئے ایک قسم کا سبق تھا۔ اور سب سے بہتر سبق اسلامی مساوات اور اخوت کا تھا جبکہ عیسائیوں میں گرجوں میں بھی بڑے بڑے لوگوں کے لئے خاص خاص جگہیں مقرر ہوتی ہیں۔ یہاں اسلام میں مذہب بڑے اور چھوٹے کی تمیز نہیں کراتا۔ خدا کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ ہمارے مولوی صدرالدین صاحب اب یہاں کے مذاق اور رنگ سے واقف ہو رہے ہیں۔ انھوں نے وعظ میں اس اسلامی رنگ کی طرف خاص کر اشارہ بھی کر دیا۔ شام کے قریب اصفہان صاحب معہ اپنی ایرانی خاتون کے تشریف لائے۔ اس طرح مجمع کی ہمہ گیری اور بڑھ گئی۔ البکتری صاحب مصر سے

اصفہان صاحب معہ اپنی خاتون اور ایک دوست کے ایران سے عباس علی بیگ صاحب وغیرہ ہندوستان سے اپنے انگریزی بھائی اور بہنوں سے کمال محبت اور شفقت اخوت و مساوات سے ملتے تھے۔

بیگم عباس علی بیگ صاحبہ کو اسلام کا سچا درد ہے۔ اُنھوں نے تو اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ہفتوں کے لئے یہاں آویں گی۔ اور جو خدمت کر سکیں کریں گی۔

اسلام نے پہلے بھی دنیا میں بہت سی پاکیزہ اور نمایاں عورتیں پیدا کی ہیں۔ اِس وقت بھی کم سے کم ہندوستان میں تو چند عورتیں اسلامی خدمت میں مردوں تک کو سبق دے رہی ہیں۔ کون ہے جو اُس جان نثار اسلام والیہ بھوپال کی خدمت اسلام سے واقف نہیں کون ہے جو اُس سچی دل سوزی سے جو ممدوحہ کو اسلام اور مسلمانوں کے ہر کام سے ہے سبقت لیجانے کا دعوٰے کر سکتا ہے۔

یہاں مرزا عباس علی بیگ صاحب نہ صرف مسجد ووکنگ میں تشریف لائے بلکہ جمعہ کی نماز میں لنڈن میں بھی تشریف لایا کرتے ہیں۔ مگر اُن سے زیادہ اُن کی خاتون صاحبہ محترمہ کی دلچسپی اسلامی کاموں میں ہے۔ خدا وہ دن لاوے کہ ہندوستان کے مرد رؤسا و اہل دول میں بھی اسلام کی بیغرض خدمت کا اسی طرح ولولہ پیدا ہو جاوے۔ جیسا چند ہندوستانی خاتونوں میں ہو گیا ہے۔ یہاں کے آثار بہت ہی امید افزا ہیں۔ اگر ہندوستان سے کافی مدد ہوتی رہی تو اس کا اطمینان کافی ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالے تثلیث کا جھنڈا گر جاوے گا۔ اور خدائے واحد لاشریک کی پرستش کے سوا اور کسی کی پرستش باقی نہ رہے گی۔ اتنے ہی دنوں کی کوشش نے تثلیث کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ جس کا ثبوت وہ خطوط ہیں جو آئے دن عیسائیوں کی طرف سے یہاں آتے رہتے ہیں +

دستخط

مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء لنڈن

مورخہ ۳۔ جون ۱۹۱۵ء

سیاسی اور مذہبی آزادی

(جو حضرت نبی کریم محمد مصطفےٰ صلعم نے اپنی عیسائی رعایا کو عطاء فرمائی)

اسلام کے نبی کا دعوے تھا۔ کہ وُہ اُس خدا کی طرف سے آیا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، لہذا آپ کی شفقت وہمدردی بھی خدا کی کل مخلوق کے ساتھ یکساں تھی۔ قومی اور ذاتی امتیاز آپ کی نگاہوں میں ہیچ تھا۔ آپ تمام جہانوں کے رب کی طرف کر مامور تھے اور اسی لئے آپ نے خدا کی ساری مخلوق کے ساتھ یکساں شفقت فرماکر اپنے رحمت اللعالمین ہونیکا ثبوت دیا۔ جس طرح تمام عالم کا خدا اپنے فضل اور انعامات اور ضروریات زندگی کے عطا فرمانے میں خواہ وہ جسمانی ہوں یا رُوحانی۔ کسی قوم کا خاص لحاظ نہیں کرتا۔ اسی طرح اُس کے رسول کی بھی یہی شان ہونی چاہیئے تھی۔ کہ مذہبی وسیاسی معاملات میں وسیع الخیالی اور عالی حوصلگی سے کام لیتا۔ اور لوگوں کو مختص بالقوم خداؤں اور خودمختار شخصی حکمرانوں کے پنجہ سے آزادی بخشتا ان مختص بالقوم خداؤں کی غلامی سے آزاد کرنے اور ایک مشترکہ خالق مالکِ دوجہاں کے آگے سر جھکادینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ تمام دُنیا ایک عالمگیر اخوت میں منسلک ہوجائے۔ مگر ایسے بلند خیال کو عمل میں لانے کے لئے محمدؐ رسُول اللہ صلعم کا ہی دِل گردہ ہونا چاہیئے تھا۔ جو کہ ایمان کی نسبت عمل کے زیادہ قائل تھے۔ آپ اس خاص اور اہم مقصد کو لے کر مبعوث ہوئے۔ اور خارق عادت استقامت سے کام کرتے رہے۔ بحیثیت نبی کے تو اُنھوں نے یہ وعظ کیا کہ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصٰرٰی والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر و عمل صالحًا فلہ اجرہ عند ربہٖ ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۝ یعنی بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابی ہیں۔ جو ایمان لاتا ہے اللہ اور یوم آخر پر اور نیک عمل کرتا ہے پس اُس کا اجر اُس کے رب کے حضور میں ہے اور اُن پر کوئی خوف اور حزن نہیں ہوگا۔ اس کے بعد جب آپ کل عرب کے شہنشاہ بن گئے۔ تو بھی آپ نے اپنے اُن

فیاضانہ خیالات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی جن کا آپ نے شروع بعثت میں اظہار فرمایا تھا آپ کے قلب میں کبھی حکومت پسندی کا خیال بھی نہیں گذرا۔ آپ نے کبھی اپنی عیسائی اور یہودی رعایا کو کچل ڈالنا نہ چاہا اور نہ کبھی ان کو غلام بنانے کی کوشش کی اور نہ کبھی اس طرف توجہ کی کہ ان کو تلوار کے ذریعہ مسلمان بنایا جائے۔ آپ نے ان کے اپنے حاکم بحال رکھے اور ان کو ایک ایسا عہدنامہ لکھ کر دیا۔ اور اس میں اس قدر مراعات ان کے ساتھ روا رکھیں کہ اس سے بڑھ کر عالی حوصلگی اور فیاضی کی نظیر تاریخ آج تک پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم نے یہ ایک ایسا عہدنامہ لکھا۔ اور اس میں اپنے شریف اور فیاض قلب کا ایسا نقشہ دکھایا کہ دنیا کی حکمران قوموں کے لئے ایک بے نظیر مثال ہے۔ ہم اس عہدنامہ کو کل کا کل نقل کرتے ہیں۔ جو امید ہے ہمارے ناظرین کے لئے دلچسپی کا موجب ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

از جانب محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) بنام راہبان کوہ سینا و عیسائیاں بالعموم۔

اللہ سب سے اعلےٰ و برتر اور بڑی عظمتوں والا ہے۔ اسی نے انبیاء و رسل کو بھیجا اور اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کی طرف ظلم منسوب کیا جائے۔ خدا کے فضلوں کے ماتحت جو بندوں پر ہوتے ہیں محمدؐ بن عبداللہ خدا کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے تمام قومی اور مذہبی لوگوں کے لئے یہ ہدایت نامہ تحریر کیا ہے جو عیسائیوں کے ساتھ ایک مضبوط و مستحکم عہد ہے۔ اور جس کا پورا کرنا ہم میں سے ہر ایک پر فرض ہے۔ خواہ وہ عیسائی امیر ہو یا غریب۔ معزز ہو یا اور کوئی۔ اور وہ ہدایتیں اور عہد یہ ہیں :-

(۱) میری اُمت میں سے جو کوئی میرے عہد یا میری قسم کو توڑنا چاہے گا جو اس عہدنامہ میں درج ہے وہ خدا کے عہد کو توڑنے والا ٹھیرے گا۔ اور اس طرح وہ قسم کو توڑ کر خدا کے دین کا مخالف قرار پائے گا (خدا نہ کرے کوئی ایسا ہو) اور اس قابل ہوگا کہ اس کی قطعاً عزت نہ کی جائے۔ خواہ وہ بادشاہ ہو یا کوئی بازاری آدمی یا جو کچھ بھی ہو۔

(۲) جب کوئی راہب اپنے سفر و سیاحت میں کسی پہاڑ یا ٹیلہ پر یا کسی گاؤں یا قابل سکونت مقام پر خواہ سمندر میں ہو یا جنگل میں یا کسی خانقاہ۔ گرجے یا عبادتگاہ میں قیام پذیر ہو تو

خود اُس کی اور اُس کے تمام مال و اسباب کی حفاظت اور اُس کی ہر قسم کی امداد مجھ پر اور میرے تمام لوگوں پر فرض ہے۔ کیونکہ وُہ میرے اپنے آدمی ہیں اور میرے لئے قابل فخر ہیں۔
(۳) میں حکم دیتا ہوں۔ کہ تمام حکام اُن سے کسی قسم کا جزیہ یا خراج وصول نہ کریں۔ کیونکہ وُہ اِن باتوں کے لئے مجبور نہیں کئے جاسکتے۔
(۴) اُن کے جج یا حکام کی تبدیلی کا سوا اُن کے اور کسی کو حق نہیں اور وہ اپنی جگہوں پر بدستور بحال رہیں گے۔
(۵) جب وہ سفر کر رہے ہوں تو اُن کا کوئی مزاحم نہ ہو اور ایذا نہ دے۔
(۶) کسی کا حق نہیں ہوگا۔ کہ اُن کے گرجے اُن سے چھینے۔
(۷) میری اُمت میں سے جو کوئی میرے اِن معاہدوں کو توڑے گا۔ وُہ خدا کے عہد کو توڑیگا۔
(۸) اُن کے جج۔ حاکم۔ راہب۔ ملازم۔ شاگرد یا جس کسی کی روزی کے وہ کفیل ہوں اُن سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور کسی قسم کی اُن کو تکلیف نہ دی جائے۔ کیونکہ یہ سب میرے اِس معاہدہ اور قسم میں شامل ہیں۔
(۹) اور اُن لوگوں سے جو امن کے ساتھ تنہائی میں پہاڑوں پر بستے ہیں مسلمان اُن سے نہ تو جزیہ لے سکتے ہیں اور نہ اُن کی آمدنی میں سے عشر لے سکتے ہیں اور کوئی مُسلمان اُن کے مال میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وُہ صرف اپنے گذارہ کے لئے محنت کرتے ہیں۔
(۱۰) بلکہ جب فصل عمدہ اور کثرت سے ہو تو باشندگان کے لئے ضروری ہے کہ من کے حساب ایک خاص مقدار اُن لوگوں کو بھی دیں۔
(۱۱) دوران جنگ میں اُن کو اپنے خلوت کے مقاموں سے نکالا نہیں جاسکتا اور نہ جنگ میں شامل ہونے کے لئے یہ مجبور کئے جاسکتے ہیں اور نہ اُن سے کوئی جزیہ لیا جاسکتا ہے۔
(۱۲) وہ عیسائی لوگ جو شہری باشندے ہیں اور دولت و تجارت سے اِس قدر بہرہ وافر رکھتے ہیں کہ جزیہ ادا کرسکتے ہیں اُن سے جزیہ صرف اِس قدر لیا جائیگا جو معقول اور انصاف پر مبنی ہو۔
(۱۳) سوا اِس رقم کے خدا کے صریح کلام کے مُطابق وہ اور کچھ ادا نہیں کریں گے۔
(۱۴) اگر کوئی عیسائی عورت کسی مُسلمان سے شادی کرے گی تو وُہ مسلمان اپنی بی بی کی مرضی

معافی کے لئے بہایا جاتا ہے۔

ان واقعات کی یادگار میں جن کا ذکر آیات مذکورہ بالا میں ہے۔ تمام عیسائی عشاء ربانی کی رسم مناتے ہیں۔ رومن کیتھولک مسئلہ قلب ماہیت کی رُو سے اِس امر پر یقین کیا جاتا ہے۔ کہ روٹی اور شراب کی تقدیس کرتے ہی اُن کی ماہیت بدل جاتی ہے۔ اور وُہ یسوُع مسیح کا جسم اور خون بنجاتی ہیں۔ خواہ اُن کی ظاہری صورت روٹی اور شراب ہی کی رہے۔ لیکن ایک پراٹسٹنٹ فرقہ کا عیسائی تو اسے ایک نکمی بدعت یا وہم کہتا ہے۔ لیکن کیا الوہیت مسیح کا مسئلہ بھی ایسا ہی وہم یا بدعت نہیں۔ یسوُع مسیح کو خدا خاص کر اِس لئے مانا جاتا ہے۔ کہ وُہ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتا ہے لیکن ان آیات میں وہ روٹی کو تو اپنا جسم اور شراب کو اپنا خون بتلاتا ہے۔ پس اگر رومن کیتھولک صاحبان اِس کے لفظی معنے نہیں لیتے اور اِس قسم کے معنے لینے ان کے نزدیک ایک غلطی ہے تو پھر کیا "خدا کا بیٹا" کے معنے کرنے میں عیسائیت کی بنیاد بھی اسی قسم کی غلطی پر نہیں رکھی گئی۔ اِس کی وجہ بتلائی جانی چاہیئے۔ کہ کیوں ایک قسم کی توجیہ کو تو رد کیا جاتا ہے۔ اور دُوسری کو بڑی وثوق کے ساتھ اپنے ایمان کی بنیاد بتلایا جاتا ہے۔ اگر روٹی خدا کا جسم اور شراب اُس کا خون نہیں بن سکتی افسوس سے کہا جا سکتا ہے۔ خدا انسان نہیں ہو سکتا اور انسان خدا نہیں بن سکتا۔

"یسوع مسیح گناہگاروں کے لئے مرا" کی تشریح

مسٹر بشیر نے مضمون بالا میں ٹھیک پتہ کی کہی ہے یسوُع مسیح کے اصل کام کا اندازہ کرنے میں اسی قسم کی عبارتیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ بہت لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوئی ہیں۔ استعارہ کو اصلیت کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اور حیلے کو مغز سمجھا گیا ہے۔ مغربی دنیا کے رہنے والے کا میلان تو بلاشک وشبہ مادہ کی طرف ہے۔ اور جو چیز حواس خمسہ سے دریافت نہیں ہو سکتی اُسکے متعلق تحقیق کرنے کی انھیں پرواہ نہیں۔ وُہ ہر ایک چیز کو اُس کی ظاہری صورت دیکھ کر رد یا قبول کرتا ہے یعنے ہر لفظ کے وُہ ظاہری معنے لیتا ہے۔ اس کے نزدیک یسوع مسیح اُس وقت تک خدا ہے جب تک کہ وُہ اُن الفاظ کے ظاہری معنوں پر ایمان رکھتا ہے جو یسوُع نے اپنی نسبت کہے

لیکن عقل کے اس اعتقاد کی سادگی پر حملہ کرنے کے ساتھ ہی وہ علم کے سکھلانیوالا نیک استاد اپنے پہلے پرستار کی نظروں میں ایک خوردبین دکھلائی دیتا ہے۔ لیکن یسوع مسیح بڑی آسانی کے ساتھ معقول پسند لوگوں میں سے ہی اپنا پیرو بنا لیتا۔ اگر اس کے الفاظ کے وہی معنے کئے جاتے جو اس نے بولتے وقت لئے۔ اس کی مقدس کلام کے معنے کرنے میں مغربی دُنیا کا رہنے والا یسوع کے اصل مُدعا کو دل میں نہیں رکھتا۔ مسیح تو مشرق ہی کی طرف سے آیا اور مشرقی طریق پر ہی اُس نے گفتگو کی۔ ایک مشرقی اپنے کلام کو پُرزور کرنے کے لئے استعارات ہی میں خیال کرتا ہے۔ اور تشبیہوں میں بولتا ہے۔ یسوع نے تمثیلات میں گفتگو کی اور اس امر کو بہت ناپسند کیا۔ کہ اس کے الفاظ کے ظاہری معنے لئے جاویں۔ موجودہ زمانہ کا ایک عیسائی ماہر الٰہیات مقدس ماہی گیروں کی اس مایوس کن نافہمی پر تاسف کر سکتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُنھوں نے اپنے آقا کے اصلی مطلب کو نہیں سمجھا۔ وہ اُنھیں بُرے نام سے یاد کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ خداوند یسوع کے داہنے ہاتھ داؤد کے تخت پر بیٹھنے کے آرزومند ہیں۔ لیکن ایک عیسائی پادری بھی اسی قسم کی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر وہ الوہیت مسیح کی بنیاد اس کے چند ایک ایسے بکھرے ہوئے اقوال پر رکھتا ہے۔ جن کے معنے اور بھی ہو سکتے ہیں۔ ان آیات سے جو مسٹر بشیر نے اپنی تحریر کے شروع میں دی ہیں۔ اس امر کی تشریح بخوبی ہوتی ہے۔ اگر لارڈ سپر (lord. Sepper) یسوع کی ان تعلیمات جدیدہ کا اظہار ہے۔ جو وہ گمراہ دُنیا کے لئے لایا۔ اور جس کی بنیاد رکھنے کے لئے اُس کا خون بہایا گیا۔ تو اُسنے صرف سچائی کا اظہار کیا۔ اُس نے کہا کہ یہ میرا لہو ہے۔ یعنے عہد نامہ جدید کا لہو جو کہ بہتوں کے گناہوں کی معافی کے لئے بہایا گیا ہے۔ کیونکہ یسوع ایک پست شدہ قوم کو سدھارنے کے لئے آیا جیسے کہ موسےٰ نے ایک دفعہ بچایا تھا۔ داؤد کی اولاد میں ایک منجی پیدا کیا گیا جسطرح کہ اور خدا کے بیٹے پیدا کئے گئے۔ تاکہ وہ انسان کو اس گناہ سے پاک و صاف کرے۔ جس میں کہ وہ پڑ گیا تھا۔ یہ تعلیم جدیدہ شریر النفس لوگوں کے نزدیک قابل نفرت اور کافروں کے لئے مژدہ تھی یسوع نے ربیوں کی قلعی کھولی۔ اور فریسیوں کی ریاکاری دکھلادی۔ اور اہل بیت یہودی اسکے دشمن ہو گئے۔ اور عام طور پر اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اور وہ اسکی موت کی تجویز

سوچنے لگے۔ اور صرف یہی ایک بات تھی جس کی وجہ سے وُہ صلیب پر چڑھایا گیا۔ کیا اس کی موت یا صحت اسی قسم کی نہیں جس قسم کی دیگر سچائی کے لئے شہید ہونے والوں کی اُس نے وہ تعلیم دی جس کے ذریعہ گنہگار لوگوں کا میل خدا سے ہو سکتا ہے۔ اس نے کوشش کی کہ اُسکے اردگرد دُنیا سے ریا اور ظلم کی بیخ کنی ہو جائے اور لوگوں کو وہ احکامات سکھلائے جس کے سواء اُس کے اعتقاد کے مطابق خدا کی بادشاہت میں بڑا بنانے کے لئے کوئی اور راہ نہ تھی اپنے پیروؤں کو اس قسم کا بنانا اس کا خاص مُدعا تھا۔ اور اس نے اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کر دی۔ اپنے خون سے اس نے راستی اور پاکیزگی کے اصول قائم کئے۔ اس لئے وُہ گنہگاروں کی خاطر مرا اور ان لوگوں کے گناہوں کی معافی اس کے خون کے ذریعہ ہوئی جنہوں نے اس کی تعلیم پر عمل کیا۔

ہمیں تعجب آتا ہے یہ دیکھ کر کہ نہایت سادہ اور صاف الفاظ کو نہایت معمے و پیچیدہ بنانے میں اپنی محنت و کوشش کو ضائع کیا جاتا ہے۔ یسُوع تو ہمارے روزمرہ کے محاورات میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ اور ہم بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ہم سچائی پر کسی شہید ہونے والے کا ذکر کرتے ہیں۔ کسی جگہ بھی اصلاح نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اصلاح کنندہ تکلیف نہ اُٹھاویں۔ اکثر حالات میں دیکھا گیا ہے۔ کہ بواہ کو کرنے کے لئے انسانی خون کی ضرورت پڑی۔ گناہ سے نجات اور اُس کے مُدعیان کی شہادت لازم و ملزوم ہے۔ ان لوگوں کی جو وقتاً فوقتاً اپنی قوم کی اصلاح کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ مخالفت ہوتی رہی ہے۔ اور وُہ ظلم کی حد تک پہنچی ہے۔ حتیٰ کہ وُہ مارے بھی گئے ہیں۔ وُہ اپنی کوششوں میں مرے۔ لیکن وُہ اپنے پیچھے ایک نیا دَور چھوڑ گئے۔ جس کا انجام آخرش آنے والی نسل کی نجات ہوئی۔ فقط ان اصولوں پر عمل کرنے میں نجات حاصل ہوتی ہے جو کہ سکھلائے جاتے ہیں۔ اور جنھیں اُستاد یا مصلح اپنی زندگی کھو کر قائم کرتے ہیں نہ کہ ان کی موت اور تکالیف سے۔

اُسی طرح انسان ہر زمانہ میں گناہوں سے نجات دلایا گیا۔ اور یہ نجات خدا کے مختلف نبیوں یا اپنے پیغمبروں کی تکالیف ... ملی جن میں سے مسیح بھی ایک تھا۔ ان اس

صاف صریح بات کو ایک ناقابل تشریح معمہ بنا لینا اور اسے مسئلہ کفارہ کا ایک ستون قرار دینا نہ صرف ایک غیر حقیقی امر ہے۔ بلکہ گناہ کرنے کے لئے ایک قسم کا انعام یا حملہ ہے۔ اس بات کے ثبوت کرنے کے لئے ہمیں زیادہ تر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے اس نتیجہ کی تائید پادریوں کے جرموں کی مقابلتاً روز افزوں ترقی سے ہوتی ہے +

پولوس رسول جس کی ذہانت کی وجہ سے مسئلہ زیر بحث وجود میں آیا۔ اس نقصان سے بے خبر نہ تھا جو اس نئے اصول سے پیدا ہونے والا تھا۔ جبکہ اس نے اپنی چٹھی بنام رومیوں کا چھٹا باب لکھا تو اُس نے اس سے بچنے کی کوشش کی۔ اس کے لئے علم الہیات کا لازمی نتیجہ یہ مسئلہ تھا۔ کہ گناہ کر دتا کہ فضل زیادہ ہو۔ لیکن یہ مسئلہ حل طلب تھا اُسنے کچھ تو منطق سے کام لے کر اور کچھ اپنی رسولی حیثیت سے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ لیکن اس کی ذات کو بھی اس کی وجہ سے اطمینان نہیں ہؤا۔ اسلئے اس لئے آخر ش مایوس ہو کر اس پر توجہ دینا چھوڑ دیا +

احادیث نبوی کا اقتباس

جناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے بہت سی چیدہ احادیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو انگریزی میں ترجمہ کر کے ایک چھوٹی سی خوبصورت کتاب کی شکل میں ووکنگ مشن کیطرف سے شائع کیا ہے۔ جو ۲ آنے قیمت پر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہیں۔ ناظرین کرام سے امید ہے۔ کہ اُسے بہت زیادہ تعداد میں خرید کر کے مفت تقسیم کریں گے + والسلام

المشتہر
مینجر اشاعت اسلام "عزیز منزل"۔ احمدیہ بلڈنگس نولکھا لاہور

ڈاکٹر منگانا کے اوراق قرآنی پر ایک نظر

از قدوائی

ڈاکٹر منگانا نے جو چند اوراق قرآنی کی عبارتوں کو پیش کیا ہے۔ انھیں بوجوہ ذیل کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی +

اوّل۔ اُن اوراق کے لکھے جانے کا زمانہ جو درحقیقت اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنے میں سب سے اہم سوال ہے۔ بلا فیصلہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور چونکہ کوئی عکس سارے اوراق کا نہیں دیا گیا۔ کوئی دُوسرا شخص بطور خود مُعائنہ کر کے اِن اوراق کی اصل تاریخ کا کوئی پتہ نہیں لگا سکتا۔ اور نہ یہ کوئی فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ اُن کے حضرت عثمانؓ سے پہلے کے ہونے کا بقول ڈاکٹر منگانا "امکان" بھی ہے یا نہیں +

دوئم۔ اندرونی شہادت جو ڈاکٹر منگانا کی اپنی تحریر سے اور ان تین اوراق کے فوٹو سے جو ڈاکٹر منگانا نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ پیدا ہوتی ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اوراق حضرت عثمان سے پہلے کے نہیں ہیں +

(الف) اعراب جو حضرت عثمانؓ کے وقت سے پیچھے لگائے گئے ہیں۔ وہ اُن میں موجود پائے جاتے ہیں +

(ب) طرز تحریر اور رسم الخط حضرت عثمانؓ سے پہلے کے نہیں ہیں اور طرز تحریر کو مدنظر رکھ کر ان اوراق کی تحریر آٹھویں صدی مسیحی سے پہلے کی نہیں ہو سکتی +

(ج) کوفی نسخی خط جس میں ڈاکٹر منگانا کے قول کے بموجب ان اوراق کا ایک حصہ لکھا ہوا ہے۔ حضرت عثمانؓ سے پیچھے مروّج ہوا +

سوئم۔ جو وجوہات ڈاکٹر لیوس نے اُن کو حضرت عثمانؓ سے پہلے کا یقین کرنے کے لئے دی ہیں وہ جہالت پر مبنی ہیں +

قرآن کریم کے ارشادات میں سے ایک ارشاد ہے لایمسه الا المطھرون۔ یعنی سوائے اس کے کہ انسان حالت طہارت میں ہو۔ اسے چھوئے نہیں۔ پس کوئی مسلمان کسی کافر کے ہاتھ ان اوراق کو فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ ڈاکٹر لیوس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قرآن کریم کا لکھنا ایک مقدس کام سمجھا جاتا تھا۔ اور بڑے بڑے عظیم الشان مسلمان بادشاہوں تک جیسے کہ عبدالملک اور اورنگ زیب قرآن کریم کی کتابت کو ایک مقدس کام سمجھ کر اس طرح اختیار کرتے تھے۔ جیسے ایک پیشہ ور کسی کام کو کرتا ہے چنانچہ ڈاکٹر لیوس کی ناواقفیت کا پتہ اس کے اس فقرہ سے لگتا ہے کہ "ہم خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔ کہ کسی شخص نے ایک ایسا بے فائدہ کام حضرت عثمانؓ کے وقت کے بعد کیا ہو کہ وہ ہمارے ان اوراق جیسے مسودہ کو لکھتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مقدس مقامات میں یعنی مکہ و مدینہ میں کوئی کافر باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے یہ لغو قیاس۔ کہ حضرت عثمانؓ کے وقت کسی مسلمان نے ان اوراق کو کسی عیسائی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہوگا۔ خود ہی اپنی بیہودگی پر شاہد ہے۔

چہارم۔ یہ اوراق مشتبہ ہاتھوں سے خریدے گئے ہیں۔ اور اس لئے اُن کی قانونی قیمت کچھ بھی نہیں۔ قدامت کے لحاظ سے بھی بہت بڑا امکان ہے۔ کہ یہ محض ایک جعل ہو۔

پنجم۔ اندرونی شہادت جو قرآن کریم کے الفاظ کو مٹانے اور اس کے اوپر بعض مسیحی پند و نصائح کے لکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اِسبات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ اوراق سخت متعصب غیر مسلم ہاتھوں میں تھے۔ اور اس لئے اگر اُن کے ناقابل وقعت ہونیکا اور کوئی ثبوت نہ بھی ہو تو صرف یہ امر ہی اس کی اصلیت کی ساری قدر و قیمت کو کالعدم کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ یہ اوراق سخت متعصب مسیحی ہاتھوں میں رہے۔ اور کتنا بھی ان اوراق کی قدر و قیمت کو بڑھا چڑھا کر اور مبالغہ کر کر کے پیش کیا جائے کیا یہ چند منتشر اوراق کسی عقلمند کے نزدیک قرآن کریم کی مسلّم تیرہ سو (۱۳۰۰) سال کی صحت اور صداقت پر حملہ کرنیکے لئے آلہ بنائے جاسکتے ہیں ہ ہرگز نہیں اس سے بڑھ کر لغو ادعا ہی کوئی نہیں ہوسکتا ایک طرف قرآن جیسی محفوظ کتاب جس کے لئے جو ممکن کوشش انسانی قدرت کے حیطہ میں

کی گئی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اور آپ کے بعد بھی۔ جس پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا۔ کہ اس ایک سے لے کر جس پر یہ کتاب نازل ہوئی۔ لاکھوں انسانوں تک اس کی حفاظت میں پوری کوشش صرف نہ کرتے رہے ہوں۔ اور دوسری طرف چند منتشر اوراق جن کے نہ لکھنے والے کا پتہ نہ اُن کی حفاظت کا کوئی ثبوت۔ بلکہ متعصب عیسائی ہاتھوں میں پڑ کر جن کی رہی سہی وقعت بھی کھوئی جا چکی ہے بھلا ان دونوں کا مقابلہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اور سوائے اس کے کہ تعصب سے انسان اندھا ہو جائے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مؤخر الذکر کو اول پر کوئی شخص ترجیح دے۔

ششم۔ ان اوراق کے لکھنے والے کے نہ نام کا پتہ ہے نہ زمانہ کا نہ اُس کی حیثیت کا اور اندرونی شہادت صاف بتاتی ہے۔ کہ اگر وہ کوئی مسلمان بھی تھا۔ تو فن تحریر میں بالکل نو آموز تھا۔ اور بہت سی کتابت کی غلطیاں اس نے کی ہیں۔ غالباً کسی شخص نے اپنے حافظہ سے چند اوراق حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے بہت بعد لکھے ہونگے۔ مگر وہ اسقدر پڑھا ہوا یقیناً نہ تھا۔ کہ کتابت کی غلطیوں سے بچ جاتا۔ چنانچہ تتلوا واحد اور جمع جو پڑھنے میں ایک ہی طرح پڑھا جاتا ہے۔ مگر لکھنے میں دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ ان اوراق کے لکھنے والے کو اس فرق کا علم بھی نہ تھا۔

ہفتم۔ ڈاکٹر منگانا جن کو اختلافات کہتا ہے۔ ان سب کے سب کی آسانی سے تشریح کی جا سکتی ہے کہ یا تو وہ تحریر کی غلطیاں ہیں یا پڑھنے میں اشتباہ واقع ہو گیا ہے یعنی یا لکھنے والے کو بعض موقع پر خود صحیح لفظ لکھنا نہیں آیا۔ اور اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ اور یا چمڑے پر سے تحریر قرآن کریم کو مٹانے کی کوشش میں بعض حروف یا الفاظ کی شکلیں بگڑ گئی ہیں۔ یا جو اُس کے اُوپر تحریر لکھی گئی ہے۔ اُس نے کچھ اشتباہ پیدا کر دیا ہے۔

ہشتم۔ اِن اوراق میں ایک حرف یا لفظ بھی ایسا نہیں جس کو ڈاکٹر منگانا کی "پختہ اور نو عمری کی بصارت" نے اختلاف قرار دیا ہو۔ اور اُس کی کوئی توجیہہ بھی نہ ہو سکے پھر موجودہ قرآن کے معانی میں کوئی قابل توجہ تغیر پیدا کرتا ہو۔ نہ ہی یہ اختلافات ان امور میں سے کسی امر کے متعلق ہیں۔ جن میں اوامر و نواہی ہیں یا جن پر دین کی بنیاد ہے

یا جو قرآن کی تاریخ یا اُس کے قوانین یا مسلمانوں کے طرز عمل میں کوئی تغیر پیدا کر سکتے ہوں یا جن میں قرآن کریم کے مقاصد میں سے کوئی مقصد زیر بحث ہو۔

نہم۔ ڈاکٹر لیوس نے یقیناً ان اوراق کے پڑھنے کے لئے غلط آدمی کا انتخاب کیا۔ ڈاکٹر منگانا پرجوش عیسائی تو ضرور ہیں۔ نہ صرف اُن کی بصارت میں ہی تیزی ہوگی۔ بلکہ وہ سر سے پاؤں تک تیز معلوم ہوتے ہیں۔ عربی اُن کی مادری زبان ہو تو ہو۔ اور عام بول چال کے شامی زبان میں وہ ماہر بھی ہونگے۔ وہ ایک چالاک اور طباع مصنف بھی ضرور ہو سکتے ہیں۔ مگر اُن کی تحریر صاف بتاتی ہے کہ وہ اسلامی تاریخ اور روایات سے محض ناآشنا ہیں اور وہ کھلی کھلی تشریحات کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اور وہ اعلے درجہ کی علمی اور ادبی زبان سے ناواقف ہیں۔ اور زباندانی اور طرز تحریر کی واقفیت اُن کی فضیلت میں بہت کمزور باتیں ہیں۔

دھم۔ جو دیباچہ ڈاکٹر منگانا نے لکھا ہے وہ اِس بات پر کھلی کھلی شہادت ہے کہ ڈاکٹر منگانا اگر اس راہب سے جس نے چمڑے پر سے قرآنی تحریر کو مٹا کر اُس پر عیسائی پند و نصائح لکھیں۔ بڑھ کر متعصب نہیں تو کم بھی نہیں۔ ڈاکٹر منگانا نے یہ دیباچہ لکھ کر ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ علمی تحقیقات کے ایک کام کے لئے جو ٹھنڈا دل اور منصفانہ رائے چاہتا ہے۔ موزون آدمی نہ تھا۔ کیونکہ اِس کی ساری تحریر سخت ترین تعصب میں رنگین ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے قرآنی اوراق کو تعصب کی رنگدار عینک لگا کر پڑھنا شروع کیا۔ اور جہاں کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہاں بھی اُن کو اختلاف نظر آیا۔ انھوں نے مشکوک الفاظ کے پڑھنے میں صرف آنکھوں سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اپنے واہمہ کو آنکھوں پر بھی ترجیح دی ہے۔

خطاب بہ قوم

از

خواجہ کمال الدینؒ

اے قومِ من بیا کہ زمین آسماں کنیم
از نور روحئی پاک منوّر جہاں کنیم

خیزید اے یلاں کہ نہ ایں وقت خفتن است
چوں اہل عزم ہمت خود را جواں کنیم

غفلت ہلاکت است کہ ایں وقت کار شد
تا کے بہ قیل و قال چنین و چناں کنیم

مردانہ وار در صفِ میداں قدم زنید
ایں جبن و کسل و بیم سپرد زناں کنیم

تثلیث را بہ تیغ براہیں فناء کنیم
از **نور دین** بسینۂ شیطاں سناں کنیم

موسیٰ صفت بہ قوت ایماں عصا زنیم
از سنگِ کفر چشمۂ صافی رواں کنیم

گوسالہ را کہ سامری تہذیب نام داشت
ایں را کشیم و اصل حقیقت عیاں کنیم

از آب چشم و آہ سحرگاہ چوں خلیل
ایں آتش فرنگ بہ شکل جناں کنیم

براہین نیّرہ

حصّہ اوّل المعروف بہ

قرآن ایک خاتم ناطق اور عالمگیر الہام

مصنّفہ خواجہ کمال الدین صاحب ایڈیٹر اسلامک ریویو لنڈن

زیر طبع قیمت (عہ) خریداران اشاعت اسلام سے ۱۲؍

یہ کتاب علی الخصوص مغربی تعلیم و تہذیب سے مستفیض اصحاب کی خاطر لکھی گئی ہے۔ اور ان مطالبات عقلیہ کے پورا کرنیکا اسمیں کافی مواد جمع کیا گیا ہے کہ جنکے سواء تعلیم یافتہ اصحاب کسی تعلیم مذہبی کو بطور صداقت ماننے کے لئے طیار نہیں ہوتے یہ کتاب انشاء اللہ ان احساسات مذہبی کو مضبوط کر کے کامل ایمانیات میں مدد دیگی۔ جو اس وقت مسلم تعلیمیافتہ اصحاب میں پیدا ہو رہے ہیں۔ یوں تو کل اہل مذاہب اپنی اپنی کتاب کو عالمگیر الہام قرار دیکر دوسری کتب کو مجموعہ اباطیل ظاہر کرتے ہیں لیکن مصنف براہین نیرہ نے کل کتب مقدسہ کو اپنے اپنے وقت کی الہامی کتاب تسلیم کر کے ان سب کے مقابل قرآن کو ایک ناطق اور عالمگیر ثابت کیا ہے چونکہ یہ کتاب یہاں کیلئے لکھی گئی ہے اسلئے تشریحاً دید مقدس کو مصنف نے علی العموم سامنے رکھا ہے۔ اس کتاب میں معتقدات ایمانیات یا منقولات کو دلیل نہیں بتایا گیا بلکہ ہر ایک امر کو دلائل عقلیہ سے جو قرآن سے لیگئی ہیں مبرہن کیا گیا ہے مثلاً جن تعلیمات اور صداقتوں کو دیگر کتب نے بطور دعویٰ یا حکم منوانا چاہا قرآن کا ان کے ثبوت میں دلائل عقلیہ پیش کرنا دکھلایا گیا ہے۔ اس کتاب میں یہ ایک خاص بات زیر بحث لائی گئی ہے کہ مذہب یا الہام کی اصلی غرض از روئے تعلیم صرف تہذیب و تمدن انسانی ہے اور ایک عالمگیر الہام کیلئے ضروری ہے۔ کہ اس کی تعلیمات مختلف طبقات انسانی کے مختلف مدارج تہذیب کے موزون حال ہو۔ اس امر کا لحاظ قرآن کریم کے سوا کسی اور کتاب نے نہیں کیا۔ خود تہذیب و تمدن انکی حقیقت و ماہیت ان کے بنیادی اصول ان کے حصول کے ذرائع اور قوانین پر ایک محقق اور حکیمانہ بحث کی گئی ہے۔ اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ موجودہ تہذیب و تمدن کے قواعد کس طرح اور کہاں تک قرآنی تعلیم کے زیر اثر ہیں۔ الغرض اس کتاب کی خوبی فہرست مضامین سے معلوم ہو سکتی ہے جو اگست کے رسالہ اشاعت اسلام میں درج ہوگی اس کتاب سے کوئی مسلم گھر خالی نہیں ہونا چاہیئے +

المشتہر

منیجر رسالہ اشاعت اسلام ہیڈ برانچ منزل احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون

رسالہ اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت
خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

جلد (۱) بابت اگست ۱۹۱۵ء نمبر (۸)

قیمت سالانہ [illegible]

فہرست مضامین

قیمت [illegible]

ماخوذ اسلامک ریویو مسلم انڈیا ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۵ء

ضمیمہ اشاعت اسلام لاہور

تصحیح:- ضمیمہ اشاعت اسلام صفحہ ۱ پر جو شعر مندرج ہیں۔ ان میں جو شعر کے پہلے مصرعہ میں ... کی جگہ میٹر سم اور آخری شعر میں گندما کی جگہ گزرما پڑھا جائے۔

وی پی وصول کنندگان اصحاب امور ذیل پر توجّہ کریں

بعض وقت ہم کو وہ کوپن زر وصول شدہ وی۔پی کیساتھ ڈاکخانہ سے محفوظ حالت میں نہیں ملتا۔ کہ جس پر وصول کنندہ کا نام اور پتہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ روپیہ تو ہمیں وصول ہو جاتا ہے۔ لیکن کوپن کے مذکورہ بالا نقص کے باعث ہمیں خریدار کا پتہ نہیں چلتا۔ اور دفتر سے آئندہ رسالہ جاری نہیں ہو سکتا۔ ایسی شکایات کثرت سے آتی ہیں۔ اسمیں ہمارا قصور نہیں۔ اس نقص کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی صاحب وی۔پی وصول کریں یا تو اسی وقت ایک کارڈ سے ہمیں اطلاع بخشیں کہ انھوں نے وی۔پی وصول کر لیا۔ اور اپنا پتہ اور اسم گرامی خوشخط لکھدیں۔ یا جس وقت دوسرے ماہ رسالہ نہ پہنچے تو فی الفور ہمیں اطلاع دیں۔ کہ وہ قیمت تو دے چکے ہیں۔ لیکن رسالہ نہیں پہونچتا۔ عین عنایت ہوگی +

منیجر

اشاعت اسلام (عزیز منزل) احمدیہ بلڈنگس۔

نولکھا۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) بابت ماہ اگست ۱۹۱۵ء نمبر (۸)

شذرات

ماہ جون میں تین شخصوں نے عقیدۂ تثلیث سے بیزاری کا اظہار کر کے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی اور اس طرح پر یہ سلسلہ باوجود چند در چند حالات کے جو قوم کے جنگ اور اُس کی ضروریات کی طرف متوجہ ہوجانے سے مذہبی تحریک میں روکاوٹ ہو گئے ہیں۔ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کوئی مہینہ ایسا نہیں گذرتا جس میں دو چار پانچ سات نئے ممبر اخوت اسلامی کے سلسلہ میں منسلک نہیں ہو جاتے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ یہ جنگ جو اس وقت ایک گونہ رکاوٹ نظر آتی ہے۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ یہی اسلام کے یورپین ممالک میں ترقی کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ مثلاً شراب نوشی جس کا استیصال اسلام کرتا ہے اور جو بعض وقت ایک خطرناک رکاوٹ قبول اسلام میں ہو جاتی ہے۔ اس جنگ نے

اس پر ایک ایسا اثر پیدا کیا ہے جس نے بہت سے یوروپین ممالک کے رہنے والوں کو اسلامی تعلیم کے بہت قریب کر دیا ہے۔ اسی طرح قوموں کی حد سے بڑھی ہوئی آسائش بھی حق کے قبول کرنے میں ایک سد راہ ہو جاتی ہے۔ مگر جنگ کے نتائج میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ جبر خواہان ملک و قوم اپنی قوم کی زندگی یا بہتری کے لئے ہر ایک قسم کی آسائش کو قربان کر رہے ہیں۔ یہی قانون الٰہی ہے جو اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالبأساء والضراء لعلھم یتضرعون۔ نبیوں کی بعثت کے وقت چونکہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ کہ کثرت سے لوگ حق کو قبول کرلیں۔ اس لئے قبولیت حق کے اسباب بھی وہ پیدا کر دیتا ہے اور انہی اسباب میں سے دفتوں اور مصیبتوں کا پہنچنا ہے۔ کیونکہ جب قومی آسائش بہت ترقی کر جاتی ہے۔ تو اس وقت اکثر لوگ قبول حق سے دور جا پڑتے ہیں۔ پس بعض قسم کے دکھ اور مصائب بھیجکر اللہ تعالےٰ انھیں بیدار کرتا اور اُن کی زندگی کا حقیقی مقصد انھیں سمجھا دیتا ہے اور اُن کے دلوں میں وہ تضرع پیدا کرتا ہے جو انھیں اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ کر دے پس جب ایسی مصائب دنیا پر آئیں تو اُس وقت سمجھ لینا چاہیئے کہ الٰہی ارادہ قبولیت حق کے اسباب پیدا کرنے کا ہو گیا ہے۔ اور اس قوم کو جو حق اپنے پاس رکھتی ہے۔ اس حق کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کمر ہمت باندھ لینی چاہیئے۔ کیونکہ کوشش بھی اسی وقت بارآور ہوتی اور عظیم الشان نتائج پیدا کرتی ہے۔ جب الٰہی ارادہ سے اس کا توارد ہو جائے۔ لوگو اس جنگ میں ہمارے ملک اور ہماری حکمران قوم کو بہت سی قربانیاں کرنی پڑی ہیں۔ بہت سے دکھ اور مصیبتیں بھی اٹھانی پڑی ہیں۔ مگر یہ سب نسل انسانی کی بہتری کا موجب ہو سکتی ہیں۔ اگر ہمارے بھائی توجہ کریں تو کچھ مشکل نہیں۔ کہ ووکنگ مشن کی مالی حالت اس قدر مضبوط ہو سکے۔ کہ مختلف ممالک یورپ میں اس کی شاخیں قائم ہو سکیں۔ ہم اس انتظام کے لئے تیار ہیں۔ مگر مالی مشکلات میں ہمارا ہاتھ بٹانا جملہ اہل اسلام کا فرض ہے۔ اگر وہ اپنے چندوں اور اپنی زکوٰۃ کے خرچ میں اشاعت اسلام کے عظیم الشان مقصد کو سامنے رکھیں تو بیسیوں شاخیں قائم ہو سکتی ہیں ✦

قرآن کریم کے تین قدیم نسخوں کے اوراق پر تنقیدی نظر

(از ہنری ایم لیون۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی وغیرہ)

مندرجہ عنوان نام کی ایک کتاب پادری الفانسے۔ منگانا اور ڈاکٹر اینگس سمتھ لوئیس نے شائع کی ہے۔ جس میں اُن کا دعوے ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے پہلے کے قرآنی مسودات کے کچھ اوراق اُن کو مل گئے ہیں۔ یہ تو ظاہر بات ہے۔ کہ اگر یہ کاغذات اسی زمانے کے ہیں جس زمانے کے مؤلفین کتاب اُن کو ظاہر کرتے ہیں۔ تو وُہ قدامت کے لحاظ سے قیمتی اور مفید ہیں۔ اور ماہران زبان دانی کے لئے ضرور اُن میں دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ چنانچہ ہم نے اُن کاغذات کی مالکہ ڈاکٹر اینگس سمتھ لوئس سے درخواست کی۔ کہ ہم کو ان کاغذات کے معائنہ کرنے کی اجازت دے۔ مگر اس درخواست کے جواب میں ہمیں لیڈی موصوفہ کی طرف سے یہ جواب ملا۔ کہ موجودہ حالات میں وُہ کاغذات متنازعہ کے پیش کرنے کے ناقابل ہیں۔ کیونکہ وہ کاغذات جرمنی میں رکھے گئے ہیں۔ جہاں وہ لیپزگ اگزیبیشن پر جنگ سے پہلے دکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ پس جب اصل کاغذات کا معائنہ نہیں ہو سکتا تو ہم مجبور ہیں۔ کہ جو کچھ کتاب مندرجہ عنوان میں اُن کی حالت بیان کی گئی ہے۔ ویسا ہی اُن کو سمجھ لیں۔

اس کتاب کے شائع کرنے والے عملی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اِسکے شائع کرنے میں اُن کی اصلی غرض اس قرآن کریم کی اصلیت پر حملہ کرنا ہے۔ جس نے اُن کے اپنے الفاظ میں" اپنی موجودہ صورت میں ساری اسلامی دُنیا میں ایک بے نظیر اور

ناقابل مقابلہ اعتبار جمالیا ہے"۔ پس اس کتاب کے مؤلفین کی حیثیت ایک مُدعی کی حیثیت ہے۔ جو ایک عدالت میں اس غرض کے لئے اپنا دعوے پیش کرتا ہے۔ کہ ان کاغذات کو جنھوں نے تیرہ سو سال سے ایک بے نظیر اور ناقابل مقابلہ اعتبار پیدا کر لیا ہے۔ بعض اور کاغذات کے ذریعہ سے غلط ثابت کرے۔ جن کے متعلق اسکا یہ دعوے ہے کہ وُہ سابقہ مسلمہ کاغذات سے پہلے کے اور زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ ایسے دعوے پر تحقیق کرنے کا سب سے زیادہ قابل اطمینان طریق وہی ہو سکتا ہے۔ جو ایک عدالت میں ایسے مقدمے کے چلانے میں اختیار کیا جاویگا۔ سو انگریزی قانون کے دو پہلے بڑے اصُول حسب ذیل ہیں :-

اوّل یہ کہ مُدعی جو دعوے کرتا ہے۔ اُسکا ثابت کرنا اُس کے ذمہ ہے۔ دُوسرا یہ کہ جبتک جرُم ثابت نہ ہو اس وقت تک ملزم کی بے گناہی ثابت رہے گی۔ ان کے بعد تیسرا اصل یہ ہے کہ شک کا فائدہ مُدعا علیہ یا ملزم کو دیا جاتا ہے۔ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اب ہم ڈاکٹر منگانا اور ڈاکٹر لوئس کے دعوے کو پرکھتے ہیں اور چونکہ وُہ مُدعی ہیں۔ اس لئے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرنا اُن کے ذمہ ہے۔

کسی ایسے کاغذ کو عدالت میں پیش کرتے وقت جس کے ذریعے سے اور جس کی بنا پر ان کاغذات کو ناقابل اعتبار ثابت کرنا ہو جو اب تک "بے نظیر اور ناقابل مقابلہ اعتبار والے" ملنے گئے ہیں۔ مُدعی کو ذیل کی باتوں کا کافی ثبوت بہم پُہنچانا چاہیئے۔

(۱) وُہ کاغذ کہاں سے دست یاب ہوُا ؟

(۲) اس کاغذ کا لکھنے والا کون ہے ؟

(۳) اس کاغذ کے لکھنے والے کو اُس کو اس طرح پر لکھنے کا حق کہاں تک حاصل ہے ؟

(۴) اپنے لکھے جانے کے وقت سے عدالت میں پیش ہونے کے وقت تک، وُہ کاغذ کس کے قبضہ میں رہا ؟ تاکہ اس بات کا کوئی امکان باقی نہ رہ جائے۔ کہ خود وہ کاغذ ہی بگڑ چکا ہو یا اُس میں کوئی تحریف یا تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔

اُن چاروں باتوں کا ثبوت اس مدعی پر ہے۔ جو اُس کاغذ کو پیش کرتا ہے۔ اور اگر

وہ ان چاروں میں سے ایک کا ثبوت بھی بہم نہ پہنچا سکے تو عدالت اس کے دعوے کو قابل اخراج قرار دے گی۔

اب سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اوراق ڈاکٹر لوئس کے ہاتھ میں کس طرح سے آئے۔ کتاب کی تمہید کے پانچویں صفحے پر اس کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"وہ مسوّدات جن سے یہ اوراق لیئے گئے ہیں۔ مَیں نے سویز میں ایک اشیاء قدیمہ کے تاجر سے ۱۸۹۵ء میں جبکہ وُہ سفر کر رہا تھا خریدے..... کس طرح پر یہ مسودات میرے ہاتھ میں آئے۔ اور کیوں مَیں نے اُن کو ڈاکٹر منگانا کے سامنے پیش کیا۔ ان باتوں کی تشریح میں دُوسروں کے لئے چھوڑتی ہوں۔ بعض لوگ اِس کو اس بات کی طرف منسُوب کریں گے جس کو مُسلمان قسمت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں"

اُن اوراق کی اصلیت کے متعلق یہی ہمارا منتہائے علم ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ہم کچھ نہیں جانتے۔ دُوسرے الفاظ میں ہم کو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہم ایسے اوراق کو توجہ کے قابل ٹھہرائیں۔ جن میں سے بعض کے متعلق ڈاکٹر لوئس خود تسلیم کرتی ہیں۔ کہ ایک دراز عرصہ گذر جانے کی وجہ سے اور اُن کی حفاظت کی پرواہ نہ کرنے کے باعث وُہ اِس قدر خراب ہوگئے ہیں۔ کہ پڑھنے کے قابل نہیں رہے۔ اور جو دس سال ہوئے سویز میں ایک گمنام تاجر سے جو حالت سفر میں تھا خریدے گئے۔ اس گمنام آوارہ گشت کے متعلق ہم کو کوئی علم نہیں دیا جاتا۔ کہ وُہ کہاں ہو آیا تھا۔ کہاں گیا اور اب کہاں ہے جیتا ہے یا مر گیا تاکہ ہم یہ غور کرسکیں کہ وُہ کس حد تک قابل اعتبار ہے۔ اور اس کی شہادت کیا وزن رکھتی ہے۔

کوئی شخص جو ایک معقول عرصے تک قسطنطنیہ۔ یروشلم۔ قاہرہ یا سویز میں رہا ہے اس کو ضرور اس پیشہ کے ایک یا زیادہ آدمیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا جنکو اشیائے قدیمہ کا تاجر کہا جاتا ہے۔ اور اس تعارف کا نتیجہ عموماً بلکہ بلا استثناء یہ مضبوط یقین ہوا ہے کہ گو ان لوگوں کا تاجر ہونا تو زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔ مگر وُہ اشیائے قدیمہ جنکی تجارت وُہ کرتے ہیں۔ اور اُن کی دیانتداری اور نیک نیتی ہرگز قابل اعتبار نہیں

بلکہ ایک معمولی سی ہے جس کو صحیح طور پر جاننے کا کوئی شخص دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ اس پیشے کے چھوٹے درجے کے لوگ وہ صلیبیں آپ کو دینے کا دعوےٰ کرتے ہیں جو گتسمین کے باغ کی خاردار جھاڑیوں کی بنی ہوئی ہیں۔ حالانکہ یہ بعینہٖ ویسی ہی ہوتی ہیں جیسے کہ عام طور پر سوئٹزرلینڈ یا جرمنی میں بنتی ہیں۔ اور اگر آپ کو مصر کے متعلق کچھ دلچسپی ہو تو یہ لوگ آپ کو فراعین مصر کی قبروں کے بھونرے جو ہزار ہا سال کے ہیں دے سکتے ہیں جن میں اور برمنگھم کی بنی ہوئی ایسی اشیاء میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا۔ پھر جو ان سے زیادہ جرأت والے ہیں۔ وہ آپ کو پرانے مسودات اور دوسری تحریریں دے سکتے ہیں جن کو وہ بہت قدیمی زمانے کی ظاہر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ چالاکی سے یہ تشریح کرتے ہیں کہ کس طرح پر ان کو سفر کرتے ہوئے یہ قیمتی کاغذات مل گئے۔ یہ تمام امور صفائی سے اس بات کو ثابت کر رہے ہیں۔ کہ جھوٹے قصے بنانے کا فن مشرق میں الف لیلہ کے مصنف کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔ کوئی ساٹھ سال یا اس کے قریب کا عرصہ گذرتا ہے۔ کہ ایسے پیشہ ور قدیمی اشیاء کے تاجروں کو فرضی جشر کی کتاب گم شدہ۔ شام کے کسی عبادت خانہ کی لائبریری میں چھپی ہوئی مل گئی۔ جو پرانے عبرانی حروف میں چمڑے پر لکھی ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ جھوٹ اور فرضی قصہ تھا پھر ابھی تازہ واقعہ ہے۔ کہ پطرس کی انجیل مل جانے کا بڑے زور شور سے اعلان ہوا۔ حالانکہ اس کی حقیقت بھی ایک جھوٹے قصے سے بڑھ کر کچھ نہ نکلی۔ کیا کوئی اشیائے قدیمہ یا زباندانی کا ماہر آج اس قسم کے کاغذات کو ذرہ بھی وقعت دینے کے لئے تیار ہے۔ پس جب خود ڈاکٹر لوئس کو اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ وہ کاغذات جن کو وہ اب پیش کرتے ہیں۔ اسی قسم کے کسی گمنام تاجر سے ملے تھے۔ تو ہم مجبور ہیں۔ کہ ان کاغذات کے متعلق وہی قیاس کریں۔ جو اس سے پہلے اسی قسم کے دوسرے کاغذات کے متعلق تحقیق کے بعد نتیجہ نکلا ہے۔ پس ان کاغذات کی اصلیت نہ صرف سخت مشتبہ ہے۔ بلکہ اغلب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فرضی اور بناوٹی ہیں۔ پھر ان اوراق کے لکھنے والے کا نام اور پتہ بالکل نامعلوم ہے۔ اور بظاہر کسی

طرح پر معلوم ہو بھی نہیں سکتا۔ اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کاغذات جب سے وجود میں آئے کہاں رہے۔ خواہ اُن کو وجود میں آئے تیرہ سو سال ہوئے ہوں یا گذشتہ تیس چالیس سال میں بن گئے ہوں۔ یہ ہے۔ اُن کاغذات کی اصلیت جن کو زبان دانی اور اشیائے قدیمہ کی ماہرین کی توجہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ اور جن کے ذریعے سے ایک ایسی کتاب کی عبارات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو تیرہ سو سال سے مسلم طور پر ایک ہی حالت میں چلی آئی ہے۔ اور جن کی صحت پر آج تک کسی کو شبہہ نہیں ہوا۔

ہم جانتے ہیں کہ اِس کتاب کی تمہید میں یہ بھی ذکر ہے۔ کہ اِن قیمتی مسودے کے اُوپر کی تحریر کے متعلق آکسفورڈ کے ڈاکٹر کوٹلے اور مسٹر ایلس نے جو اس وقت برٹش میوزیم میں تھا۔ یہ رائے ظاہر کی ہے۔ کہ یہ ایک ایسی طرز میں لکھی گئی ہے۔ جو نویں صدی کے اخیر یا دسویں صدی کی ابتداء کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور جو صرف تھوڑا ہی عرصہ استعمال میں رہی۔ گویا یہ طرز تحریر حضرت عثمانؓ کی وفات کے تین سو سال بعد کی ہے۔ مگر اس سے ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں ہ ڈاکٹر کوٹلے اور مسٹر ایلس کی رائے کا اظہار جن الفاظ میں ہے وہ بہت محتاط الفاظ ہیں کیونکہ وُہ یہ نہیں کہتے۔ کہ یہ نویں صدی کے اخیر یا دسویں صدی کے شروع کی تحریر ہے۔ بلکہ صرف اس قدر کہتے ہیں کہ اس زمانے کی طرز تحریر سے ملتی ہے۔ لیکن وُہ اس کی اصلیت کے متعلق کسی رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ ایک چالاک جعلساز کسی زمانے کی طرزِ تحریر کی نقل اُتار سکتا ہے۔ چنانچہ ٹامس چیٹرٹن نے جو مدرسۃ الغربا کا ایک طالب علم تھا۔ ۱۷۶۸ء میں ایسے کاغذات جعلسازی کے طور پر بنائے تھے۔ جو ظاہر ہوتا تھا۔ کہ پندرھویں صدی میں ٹامس راؤلے برسٹل کے ایک عالم نے لکھے ہیں اور اس قدر ہوشیاری سے اُس نے اِس کام کو سر انجام دیا۔ کہ اشیائے قدیم کے ایک ماہر نے بھی دھوکا کھا لیا۔ اور اُس کو اصلی سمجھ لیا۔ پس جو کام ایک غریب طالب علم تھوڑی سی استعداد کے ساتھ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کر سکتا تھا۔ وہ

آج کل کے ہوشیار اور تجربہ کار لکھنے والوں کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ اور ہم کو علم ہے کہ مشرق میں اشیائے قدیمہ کے تاجر ایسے لوگوں کو اس غرض کے لئے نوکر رکھتے ہیں وہ بتلائیں یہاں یہ کاغذات ملتے ہیں یعنی۔ وغیرہ وہ خود بھی اشیائے قدیمہ کے متعلق جو وہاں عموماً فروخت ہوتی ہیں اچھی شہرت نہیں رکھتی۔ سو ان کاغذات کے ناقابل اعتبار ہونے کی یہی وجوہ ہیں جو بیان کی گئیں اور ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس حد تک ہم ان پر اعتبار کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم ڈاکٹر لوئس کی پیش کردہ رائے پر غور کرتے ہیں۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنی کتاب کی تمہید میں کیا ہے۔ اور پہلے ہم ان کی اس رائے کو ان کے اپنے الفاظ میں ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ اوراق حضرت عثمانؓ کے زمانے سے پہلے کے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے (حضرت) محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جب یہ یقین ہوتا کہ ان پر کوئی آسمانی وحی نازل ہوئی ہے۔ تو وہ زید بن ثابت کو اسکے لکھوانے کے لئے بلاتے۔ اور زید اسے چمڑے پر کھجور کے پتوں پر یا اور کسی چیز پر جو دستیاب ہوتی لکھ لیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف سورتوں کی نقل بعد میں زید نے خود ہی کی جب کافی لکھنے کا سامان مل گیا۔ یہ تعجب کی بات نہیں اگر ان تحریروں میں کسی قسم کے ہجا کی غلطیاں رہ گئی ہوں۔ بالخصوص اس لئے کہ عربی گرامر کے قواعد اس وقت تک مکمل نہیں ہو چکے تھے۔ لیکن (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور عثمانؓ نے ان تحریرات کو ٹھیک طور پر نقل کر لیا۔ اور ان کو اس صورت میں ترتیب دی جو آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ اس کام میں انھوں نے زید سے بھی مدد حاصل کی۔ تب عثمانؓ نے حکم دیا۔ کہ تمام پہلے نسخے ضائع کیے جاویں اور قرآن کی عبارت نے جیسے کہ اب وہ ہے ساری اسلامی دنیا میں ایک بے نظیر اور ناقابل مقابلہ اعتبار حاصل کر لیا۔ اس لئے یہ بات ہمارے خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ کسی شخص نے عثمانؓ کے زمانے کے بعد ایسی عبارتیں لکھنے کی بے سود کوشش کی ہو۔ جیسے کہ ہمیں دستیاب ہوئیں *

"ان تمام واقعات کو اکٹھا کرکے جیسے کہ وہ ہم کو معلوم ہیں یا جیسے کہ وہ ایک معتبر حدیث کے ذریعے ہمیں پہنچائے گئے ہیں سچ خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ چمڑے کے اوراق جو اسوقت خوش قسمتی سے میری ملکیت ہیں ان نسخوں میں سے تھے۔ جن کے ضائع کرنے کا حکم عثمانؓ نے دیا اور جس کا ماننا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری تھا۔ مسودات کے ضائع کرنے کے دو ہی طریق ہیں۔ سب سے مؤثر طریق تو اُن کو جلا دینا ہے۔ مگر ان دنوں میں چمڑے کے کاغذات کم دستیاب ہو سکتے تھے۔ بالخصوص بیابان میں۔ کاغذ بنانے کی گھاس نابود ہو چکی تھی اور علمی لوگوں کی ضروریات کے لئے یہ دوسری چیز کو جگہ دے چکی تھی۔ اور کاغذ سوائے چین کے اور کہیں نہیں پایا جاتا تھا۔ اُن قرآنوں کا مالک جو قبل از وقت لکھے گئے تھے۔ یقیناً یہ خیال کرنے میں حق پر تھا۔ کہ اگر وہ اُس کی عبارت کو نرم پتھر سے یا دُوسری کسی چیز سے دھو کر صاف کر دے تو چمڑے کا کاغذ کسی قدر پتلا ہو کر باقی رہجائیگا اور اس کی قیمت سے وُہ اپنے لئے جہاد کا سامان مہیا کر سکے گا۔ پس فروخت کے ذریعے یا تبادلہ سے یہ مسودات عیسائی راہبوں کے ہاتھ آگئے۔ اور پھر نویں صدی کے اخیر میں اُن کے اوپر کلیسیا کے بزرگوں کے اچھے اچھے اقوال لکھدیئے گئے۔ اوراق کو دوہرا کر دیا گیا۔ اور اُن میں سے بعض کو کاٹ کر کسی قدر چھوٹا کر دیا گیا۔ تاکہ ایک اور کتاب کی تقطیع کے ساتھ منطبق ہو جاوے۔

"میں یہ بہت اغلب خیال کرتی ہوں کہ دوسری تحریر کے لکھنے والے کو کبھی شک بھی نہیں پڑا۔ کہ اس چمڑے پر کوئی پہلے عبارت لکھی ہوئی موجود ہے......
جہاں تک میں جانتی ہوں اس قسم کے کاغذات کی تاریخ کی کوئی یادداشت نہیں۔ کیونکہ اکثر حالات میں ان کے مالکوں نے یہ غور نہ کیا ہوگا۔ کہ اس کے مٹائے جانے اور اس کے دوبارہ ظاہر ہو جانے میں کس قدر وقفہ گذرا ہے"

پس ڈاکٹر لیوس نے یہ فرض کر لیا ہے۔ کہ کسی مسلمان نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خلیفہ کے احکام کی جو کہ قرآن کے مسودات کے ضایع کرنے کے متعلق تھے۔ نافرمانی کی حالانکہ خود ہی ڈاکٹر موصوف تسلیم کرتی ہیں۔ کہ خلیفہ کے احکام کی فرمانبرداری سارے

مسلمانوں کے لئے ضروری تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ڈاکٹر لیوس اسلامی ابتدائی تاریخ اور اسلامی احساسات اور رواجوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ نبی کریم صلعم اور آپ کے ابتدائی خلفاء اور اُن کے احکام کی اُس زمانے میں ایسی عزت کی جاتی تھی جو ڈاکٹر لیوس کے خیال کو سراسر باطل ٹھیراتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وعظ فرما رہے تھے۔ تو آپ نے اُن لوگوں کو جو موجود تھے۔ مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ بیٹھ جاؤ اور سب اِس حکم کی تعمیل میں بیٹھ گئے۔ اِتفاق سے ایک مسلمان جو اُس وقت قریب گلی میں سے گذر رہا تھا۔ اِس کے کان میں بھی آنحضرت صلعم کی آواز پہنچ گئی۔ اور وہ وہیں گلی میں بیٹھ گیا۔ اور جب کسی نے اُس کو کہا۔ کہ آپ کا حکم تو اُن لوگوں کے لئے تھا جو مسجد کے اندر خطبہ سُن رہے تھے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ مجھے تو اسی قدر حکم پہنچا۔ کہ بیٹھ جاؤ اور میں نے اُس کی تعمیل کو ضروری جانا۔ اگر میں یہ خیال کرتا کہ مسجد کے اندر جا کر اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ تو مجھے کیا علم تھا۔ کہ مسجد کے دروازہ تک پہنچنے سے پہلے ہی میری جان نکل جاتی۔ تو پھر میں کیا جواب دیتا۔ کہ کیوں میں نے اپنی وفات سے پیشتر آنحضرت صلعم کے ایک حکم کی تعمیل نہ کی۔ پس ایسے واقعات کے ہوتے ہوئے کیا کسی شخص کا واہمہ تجویز کر سکتا ہے کہ کسی سچے مسلمان نے ایک چمڑے کے ٹکڑے کی قیمت کے چند پیسوں کی خاطر حضرت عثمانؓ کے حکم کو اس طرح پر ٹال دیا ہو۔ جیسا کہ ڈاکٹر لیوس تجویز کرتی ہے۔ وہ لوگ جو ادنے اشارے پر اپنی جانیں تک قربان کرنے کو طیار تھے۔ چند پیسوں کے لئے ایسے ضروری احکام کو ٹال نہ سکتے تھے۔

علاوہ ازیں اِسلام کا یہ حکم ہے۔ کہ قرآن کو ناپاک ہاتھ نہ چھوئیں۔ پس کیا کوئی مسلمان ایسے چمڑے کے ٹکڑے کو جس پر کبھی قرآنی حروف لکھے گئے ہوں۔ کسی عیسائی راہب کے ہاتھ بیچ سکتا تھا ؟۔ جو لوگ اسلام سے واقف ہیں اور مسلمانوں کے اندر رہے ہیں اور اسلامی احساسات اور جذبات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسے خیال کو بالکل بیہودہ سمجھتے ہیں۔ گو اِس بات کے ماننے کے وجوہات ہیں۔ کہ یہ مسودات کم و بیش جعلی ہیں۔ تاہم اِس بات کو فرض کر کے کہ وہ جعلی نہیں یہ بات آسانی سے سمجھ آسکتی ہے۔ کہ یہ اوراق

حضرت عثمانؓ کی وفات کے مدت بعد لکھے گئے ہوں کسی مسلمان نے جس کی تعلیم ناقص ہو۔ یا رسم الخط سے پورا واقف نہ ہو۔ قرآن کے بعض حصص کو یادداشت سے۔ یا کسی دوسرے مسودے سے نقل کیا ہو۔ اور بوجہ ناتجربہ کاری یا ناواقفیت کے ہجے کرنے میں بعض غلطیاں کردی ہوں۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ انگلستان میں تعلیم یافتہ آدمی بلکہ علم الٰہیات کے ڈاکٹر بھی تقریریں بعض وقت ہجا یا گرامر کی غلطیاں کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ شیکسپیئر اپنے نام کا ہجا چھ مختلف طرزوں سے کیا کرتا تھا۔ پس اگر ان اوراق کے لکھنے والے سے ہجا یا گرامر کی بعض غلطیاں ہو گئی ہوں۔ تو ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر ایسے اوراق ممکن ہے لکھنے والے کی وفات کے بعد کسی طرح عیسائی راہبوں کے ہاتھ آگئے ہوں۔ اور انھوں نے اسلام کے خلاف اپنے جوش تعصب میں ان حروف کو چمڑے کے اوپر سے رگڑ کر صاف کر دیا ہو۔ کیونکہ وہ اس بات کی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کہ قرآن کے الفاظ اُن کے گھروں میں موجود رہیں۔ اور اس طرح پر چمڑے کو صاف کر کے اس پر کلیسیا کے بزرگوں کی نصائح کو لکھ لیا ہو۔ اُس زمانے کے عیسائی۔ راہبوں کے متعلق ایسا خیال بالکل قرین قیاس ہے۔ چنانچہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ ہسپانیہ میں ایک بڑے کلیسیا کے عہدہ دار نے یہ حکم دیا تھا۔ کہ جس قدر عربی مسودات اس ملک کے اندر ہیں۔ ان سب کو تباہ کر دیا جاوے۔ اور وجہ یہ تباہی تھی کہ یا وہ قرآن ہونگے یا قرآن کی تفسیریں ہونگی۔ پس جب اس طرح قرآن کو دُنیا سے نابود کرنا ایک عیسائی اپنا مقدس فرض مذہبی سمجھتا تھا۔ تو ہم آسانی سے قیاس کر سکتے ہیں کہ کسی ایسے پُرجوش عیسائی نے چمڑے پر حروف قرآنی کو پاکر اُن کو اس لئے مٹا دیا ہو کہ اُس کے نزدیک ثواب کا کام تھا۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں۔ کہ وہ امور جن کو اس کتاب کے مؤلف ان اوراق قرآنی اور اصل قرآن کے درمیان بطور اختلافات پیش کرتے ہیں۔ کیا حقیقت رکھتے ہیں اور کس قدر وزن اُن کو دیا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑا اختلاف جو ڈاکٹر منگانا نے پیش کیا ہے۔ سورۃ الغاشیہ میں بجائے لفظ شَيْئًا جو کہ اصل لفظ ہے۔ لفظ هكما

تجویز کیا گیا ہے۔ جس کے معنے تمسخر کے ہیں اسی آیت میں لفظ اللہ کی بجائے ڈاکٹر منگانا اپنے اوراق میں اللکم پڑھتا ہے جس کے معنے وہ ضرب یا چوٹ کے کرتا ہے۔ ڈاکٹر منگانا خود لکھتا ہے کہ اگر اللکم کے معنے مارنے یا مکا مارنے کے نہ لئے جاویں۔ تو یہ ایک مبہم لفظ ہے۔ مگر ہمیں تعجب ہے کہ ایک شخص جس کو زبان عربی میں فاضل ہونے کا دعوٰے ہے۔ اور کہتا ہے کہ میری مادری زبان عربی ہے وُہ کس طرح پر یہ بات مُونھ سے نکال سکتا ہے۔ کہ عربی زبان میں اللکم بھی کوئی لفظ ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی لفظ عربی زبان میں نہیں اس کو مبہم کہنا محض پردہ پوشی کے لئے ہے۔ تعجّب ہے کہ کیوں ڈاکٹر منگانا جس کو فاضل عربی دان ہونے کا دعوے ہے اس امر کا کھلے الفاظ میں اعتراف نہیں کرتا۔ اور ایک فرضی لفظ کو جس کا وجود ہی کوئی نہیں مُبہم قرار دینے کے لئے اللکم کو لکم کے ہم معنی سمجھتا ہے اور اس بیہودہ گوئی کی بناء پر ان اوراق کو جن کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ کہ کس نے لکھے اور کب لکھے۔ اور جو ایک گمنام تاجر کے ہاتھ سے دستیاب ہوئے اُس قرآن پر جس کا غیر مبدّل ہونا تیرہ سو سال سے مسلم چلا آیا ہے حکم ٹھیراتا اور اُن کے ذریعہ سے اس میں غلطی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بیہودگی کا ارتکاب کوئی حماقت نہیں کر سکتی۔

اِس کے بعد ہم اصل الفاظ قرآنی اور ان الفاظ کے ترجمہ کا مقابلہ کرتے ہیں جو ڈاکٹر منگانا پیش کرتے ہیں۔ اصل الفاظ قرآنی کا ترجمہ یُوں ہے۔ کہ ہم نے تجھے اپنے امر پر مقرر فرمایا سو اس کی پیروی کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جن کو کوئی علم نہیں۔ کیونکہ وُہ خدا کے مقابلہ میں تمہیں کچھ کام نہیں دے سکتے۔ اوّل تو ڈاکٹر منگانا اصل الفاظ کے ترجمہ کو یُوں بگاڑتا ہے۔ کہ وُہ اِن الفاظ انهم لن يغنوا عنك من الله شيئا کا ترجمہ اس طرح پر کرتا ہے۔ وہ تیرے لئے کسی بات میں اللہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ یہ ترجمہ تمام مروجہ تراجم کا مقابلہ کرنے سے بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور ڈاکٹر منگانا نے عمداً یہ غلط ترجمہ اس لئے اختیار کیا ہے۔ کہ تاجو الفاظ اسے اپنے اوراق میں پیش کرنے ہیں۔ ان کے کچھ معنے بن سکیں۔ چنانچہ الفاظ انهم لن يغنوا عنك من اللکم هكا کا ترجمہ پہلے ترجمہ کے تتبع میں بالفاظ ذیل کرتا ہے جو تمسخر کرتے ہوئے وُہ تیرے لئے ایک ضرب کے

قائم مقام نہیں ہو سکتے" اور اس ترجمہ کی بیہودگی کو چھپانے کے لئے وُہ آیت کے پہلے الفاظ کو پیش نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر اُن الفاظ کو مدِنظر رکھا جاوے۔ تو یہاں کسی ضرب یا چوٹ کا ذِکر بالکل لایعنی اور مہمل امر ہے۔

وُہ تمام امور جو ڈاکٹر منگانا نے پیش کئے ہیں۔ اُن میں سب سے بڑا اختلاف یہی ہے جس کا یہاں ذکر ہؤا۔ اور اس سے چھوٹے اختلافات کا قیاس اِسی سے ہو سکتا ہے۔ اِس تنقیدی نظر میں ہم اِن تمام اختلافات پر بحث نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایسی تفصیل سے یہ ایک بڑی کتاب بن جاوے گی۔

ڈاکٹر منگانا اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ کہ اس کتاب میں بعض دلچسپ اختلافات ہیں اور بعض الفاظ چھوڑے گئے ہیں جو ایک سے زیادہ علماء کو حیرت میں ڈالیں گے۔ ہمیں ڈاکٹر منگانا کی رائے سے اتفاق ہے۔ لیکن اگر فرق ہے تو یہ کہ ایک سے زیادہ علماء کو اس بات پر حیرت نہیں جبکا خیال ڈاکٹر منگانا جیسے فاضل شامی زبانوں کے ماہر اور موصل کے سابق پروفیسر نے کیا تھا۔ بلکہ اُن کو حیرت خود ڈاکٹر موصوف کی مضحکہ انگیز حماقت پر ہو گی جو ایک آفتاب صداقت کے سامنے جس کی تیز روشنی نے تیرہ سو سال سے اِس کی طرف کسی نظر کو اُٹھنے نہیں دیا۔ ایک سُلگتے ہوئے چیتھڑے کو پیش کر کے اس آفتاب کی روشنی کو تاریک ثابت کرنا چاہتا ہے۔ مگر جو خود ہی بُجھ کر سوائے تعفن کے اپنے پیچھے اور کوئی نشان نہیں چھوڑتا۔ یہ ہے ڈاکٹر منگانا کی کتاب کی اصل حقیقت۔ اور ہم افسوس کرتے ہیں کہ ہمیں ایک علم الٰہیات کے فاضل کے متعلق ایسے الفاظ لکھنے پڑے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک دُنیا میں اِس کی کتاب کا وجود باقی ہے تمام محقق ڈاکٹر منگانا کی کوشش کی داد دینے کی بجائے اُس پر نفرین بھیجیں گے۔ کہ اُس نے تعصب کے جوش میں اندھا ہو کر بغیر سوچے سمجھے چند گمنام اوراق کو جنکے اصلی ہونیکا بھی کوئی علم نہیں بغیر کسی دلیل کے اسقدر وقعت دی کہ وُہ اُنکے ذریعہ سے قرآن کریم جیسی مسلم مستند کتاب کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرنا چاہتا ہے۔ اور ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر منگانا نے نہ صرف اپنے وقت اور اپنی محنت کو ضائع کیا۔ بلکہ اپنی شہرت کو بھی اس طرح پر سخت نقصان پہونچایا ہے +

اسلام اور انسداد شراب نوشی

(نمبر ۲)

بائبل کے مختلف نسخوں اور تراجم میں تحریف و تبدیل

یعنی وُہ لکچر جو پروفیسر ارمان مصطفےٰ الیون ایم - اے پی - اچ - ڈی - ایل - ایل ڈی ایف - ایس - پی نے بمقام لنڈن ۱۰ - اپریل ۱۹۱۵ء کو دیا۔

(سلسلہ کے لئے دیکھو گذشتہ ماہ کا رسالہ۔)

توریت کی چوتھی کتاب میں جس کو گنتی یا اعداد کی کتاب کہتے ہیں۔ ایک اور یہودی فرقے کا ذکر ہے جن کو نذری یا نذیر کہتے ہیں۔ لفظ نذری۔ عبرانی لفظ نذر سے مشتق ہے۔ جسکے معنے ہیں الگ کرنا مخصوص کرنا۔ اور عربی لفظ نذر سے ملتا جلتا ہے۔ جس کے معنے اپنے کو پیش کرنے یا مخصوص کرنے کے ہیں۔ اسی مادہ سے لفظ نذیر نکلا ہے۔ جس کے معنے ایسے واعظ یا نبی کے ہیں جو شریروں کو متنبہ کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو۔ عبرانیوں میں نذری وہ شخص کہلاتا تھا۔ جو ایک خاص معنے میں اپنے آپ کو خدائے تعالےٰ کے لئے مخصوص کرتا تھا۔ اس اصطلاح کے نیچے دو قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی ساری زندگی وقف کر دیتے اور دُوسرے وُہ جو ایک معین وقت کے لئے نذری کہلاتے تھے۔ گنتی کے چھٹے باب میں جو قانون نذریوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ وُہ صرف مؤخرالذکر جماعت کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ وہ قواعد جن کا پابند ایک نذری یا نذیر کو ہونا چاہیئے۔ وہ ذیل کے تین نواہی میں اسی باب میں بیان کئے گئے ہیں۔ اول انگور کی پیداوار کو استعمال نہ کرنا دوئم بالوں کا نہ کاٹنا۔ سوئم کسی مردہ جسم کو نہ چھونا۔ اور ہر ایک قسم کی رسمی ناپاکیوں سے بچنا۔ ان ہدایات اور بالخصوص ان میں سے پہلی اور دُوسری ہدایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نذری کی زندگی ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ وہ ہر قسم کی آسائشوں کو ترک کرے اور سادہ طرز

زندگی اختیار کرے۔ نذری کے لئے ہر ایک قسم کی منشیات سے بچنے کا حکم صاف اور موکد ہے۔ جیسا کہ گنتی باب نمبر ۶ درس تیسری چوتھی میں مذکور ہے "وہ اپنے آپ کو شراب اور تیز نوشیدنی اشیاء سے الگ رکھے گا اور شراب کا یا نشہ دینے والی چیز کا کوئی مرکب استعمال نہیں کرے گا۔ نہ وہ انگوروں کا نچوڑ پیئے گا۔ نہ تر یا خشک انگور کھائے گا۔ اپنی تمام علیحدگی کے دنوں میں وہ کوئی ایسی چیز نہیں کھائے گا۔ جو انگور کی بیل کے چھلکے سے لے کر گودے تک سے بنائی گئی ہو" پرانے عہدنامے کا سب سے پرانا ترجمہ جو الگزنڈرین ورشن یا سپٹو ایجنٹ[۵] کے نام سے مشہور ہے۔ اِس کی اصلیت کی کہانی ایک چِٹھی میں جو سکندریہ کے ایک یونانی کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس طرح پر مذکور ہے۔ "شاہ طالمی فلاڈل فسٹ جو ۲۸۴ قبل مسیح سے ۲۴۷ قبل مسیح تک حکمران تھا۔ وہ تمام قوموں کے قوانین کا ایک مجموعہ سکندریہ کے عظیم الشان کتب خانہ کے لئے تیار کرا رہا تھا۔ اور اس کے محافظ کتب خانہ نے اِسے یہ مشورہ دیا۔ کہ یہودی کتب مقدسہ کا ترجمہ یونانی زبان میں کرائے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے ایلچی یروشلیم میں بھیجے۔ تاکہ وہ اسرائیلی علماء سے مدد کی درخواست کریں۔ جسکے جواب میں ۷۲ یہودی علماء یعنی ہر ایک قوم میں سے چھ سکندریہ میں آئے۔ اور جزیرہ فاروس میں تنہائی میں وہ اِس کام پہ لگے رہے۔ اور ۷۲ دنوں کے اندر اُنھوں نے ساری کتاب کا ترجمہ لائبریرین کو لکھوا دیا۔ جو اِس طرح پر یونانی بولنے والے یہودیوں کے لئے مستند کتاب بن گئی"

اس کہانی میں کچھ صداقت اور بہت کچھ جھوٹ ملا ہوا ہے۔ یہ تو یقینی امر ہے کہ الگزنڈرین ورشن یونانی یہودیوں کا کام تھا۔ یہ بھی اغلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ طالمی ثانی کے زمانے کی علمی تحقیقات کا یہ نتیجہ تھا۔ اور ممکن ہے خود اسی بادشاہ کی تحریک پر شروع کیا گیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ بادشاہ کا مقصد یہودی رعایا کی ضرورت کو پورا کرنا نہ تھا۔ بلکہ اپنے ذاتی شوق سے یہ کام اُس نے کیا۔ اور ان چار لاکھ قیمتی مسودات میں جو اس کی سلطنت کا علمی ذخیرہ تھا۔ اضافہ کرنا اس کی اصلی غرض تھی۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے۔ کہ شاعر فلسفی

---

[۵] لفظ سپٹو ایجنٹ کے معنے ہی ستروں کا ترجمہ ہے ✦

اور علماء اس کے دربار میں خوشی سے بلائے جاتے تھے۔ اور اس کی علمی محبت نے اس کے زمانہ حکومت کو خاص طور پر روشن کیا تھا۔ مگر اس کہانی کی یہ باریک تفصیلات یروشلیم میں ایلچیوں کا جانا۔ وہاں سے ۷۲ منتخب مترجموں کا آنا۔ ۷۲ دنوں میں اُن کا ترجمے کو ختم کرنا صاف طور پر فرضی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اندرونی شہادت اس بات کی مؤید ہے کہ وہ یہودی علماء جنھوں نے ترجمہ کیا فلسطین کے رہنے والے نہ تھے۔ بلکہ خود مصر کے یہودی تھے۔ اس ترجمے میں جو یونانی الفاظ مذکورہ بالا ہدایت کے متعلق ہیں۔ ان کے پہلے حصے کا لفظی ترجمہ یُوں ہے: "شراب اور سکر سے وہ اپنے آپ کو پاک کرے گا"
ولگیٹ بائیبل کا اس ایڈیشن کا نام ہے جو لاطینی زبان میں ہے جو اس وجہ سے کہ ایک مدت دراز تک عیسائی کلیسیا کی۔ لاطینی شلرخ میں استعمال رہی۔ ٹرینٹ کی کونسل میں جو عیسائی کلیسیا کی اٹھارویں عام کونسل تھی۔ اور جو وقفوں کے ساتھ ۱۳ر دسمبر ۱۵۴۵ء سے ۴ر دسمبر ۱۵۶۳ء تک کام کرتی رہی مستند قرار دی گئی۔ یہ نام ولگیٹ جو ابتداء میں یونانی بزرگوں نے سپٹواجینٹ کو دیا تھا۔ آخر کار اس مرکب مجموعے کو دیا گیا جس نے پرانی لاطینی کی جگہ رفتہ رفتہ لے لی تھی۔ یعنی اس ورشن کی جو پوپ ڈمسس کے زمانے میں چوتھی صدی کے اخیر سخت بے ترتیبی کی حالت میں پڑ گئی تھی۔ یہ یونانی کا بالکل لفظی ترجمہ تھا جو نہایت کرخت اور غیر فصیح الفاظ میں تھا۔ اور جس میں اکثر بازاری محاورے استعمال کئے گئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نقل کرنے والا یا پادری جس کو یونانی زبان کا ادنیٰ سا علم بھی ہوتا وہ اپنے کو اس بات کا اہل خیال کرتا تھا۔ کہ اس میں جس طرح سے چاہے تبدیلی اور اصلاح کرے۔ یا زاید عبارتیں بڑھا دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسقدر مختلف قرأتیں پیدا ہوگئیں کہ یہ امر ابھی تک مشکوک ہے۔ کہ آیا ان قرأتوں کی اصلی بنیاد علیحدہ علیحدہ ترجمے تھے یا ایک ہی ترجمہ جس میں بار بار اصلاح کی گئی ہو۔ اس نقص کی اصلاح کے لئے جرومی نے ڈمسس اوّل کی درخواست پر ۳۸۳ء میں نئے عہد نامے کا ایک اصلاح شدہ ترجمہ شروع کیا۔ اور اس کو یونانی مسودات کے ٹکڑوں کی مدد سے جو اس وقت قدیم اور قابل اعتبار مانے جاتے تھے پُورا کیا۔ اس کے بعد اس نے زبور کی طرف توجہ کی

اور پہلے صرف لاطینی میں یونانی کی عام ایڈیشن کی بناء پر اصلاح کی۔ اور اس اصلاح شدہ نسخہ کو جس کا نام رومن سالٹر رکھا گیا۔ اُس نے ۳۸۳ء میں پورا کیا۔ اور پوپ نے اسے رومی عبادتوں میں داخل کیا۔ اور اس وقت تک روم میں پطرس کے گرجا میں یہ استعمال ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جرومی نے ایک اور کتاب کی مدد سے ایک مکمل اصلاح شدہ نسخہ تیار کیا۔ اور یہی جس کا نام گیلی کن سالٹر ہے ولگیٹ میں شامل ہے۔

ڈمسس کی وفات کے بعد جو ۳۸۴ء میں واقع ہوئی۔ جرومی نے روما کی سکونت کو ترک کیا اور بیت اللحم میں جا کر آباد ہوا۔ اور وہاں ایک عبادت گاہ بنائی۔ وہیں اس نے پرانے عہدنامے کا ایک نیا ترجمہ عبرانی زبان سے کیا۔

اس کام میں اس کے پندرہ سال صرف ہوئے یعنے ۳۹۰ء سے ۴۰۵ء تک اس کتاب میں اس نے ایک بامحاورہ ترجمہ توبت اور جودت کی کتابوں کا بڑھا دیا۔ جو کہ کالڈی (کلدانی) نسخے سے جو اصل عبرانی سے تیار ہوا تھا۔ لکھا گیا تھا۔ اور جو اب گم ہے۔ یونانی مجموعے کی دوسری کتابیں جو بعد میں اس کی باقی تصنیف کے ساتھ شامل کی گئیں۔ یعنی حکمت اکلیزیاسٹیکس اور مکابیس انکو اس نے نہ چھوا۔ نئے ترجمے کی پہلے پہل تو سخت مخالفت ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ مقبول ہوتا گیا۔ اور جلدی پرانی لاطینی زبان متروک ہوگئی۔ یہاں تک کہ باوجود علماء کی سخت تحقیقات کے کوئی پورا نسخہ ہائیرونیمس نیچے ہوئے سکریچر سے اولڈ ٹسٹمنٹ سے پہلے کا تیار نہ ہو سکا۔ درمیانی زمانوں میں ولگیٹ میں اور بہت سی تحریفات ہوئیں۔

پوپ سکسٹس پنجم نے ۱۵۹۰ء میں ایک اصلاح شدہ نسخہ شائع کیا اور ایک اپنے فرمان کے ساتھ اس نے یہ حکم دیا کہ اس ایڈیشن کو صحیح جائز مستند اور ناقابل اعتراض مانا جائے۔ سکسٹس نے اپنی رائے سے قراتوں کے اندر بھاری تبدیلیاں کردی تھیں۔ مگر ان کو اس قدر کم قبولیت حاصل ہوئی۔ کہ سکسٹس کی موت کے بعد یہ ایڈیشن واپس لے لی گئی اور ساری کتاب اصلاح کے لئے پھر پوپ کی ایک مجلس کے سپرد کی گئی۔ اور آخرکار پوپ کلائمنٹ ہشتم نے ۱۵۹۲ء میں مستند نسخہ شائع کیا۔ کلائمنٹ کی بائبل اور سکسٹس

والے نسخے میں تین ہزار قراتوں میں اختلاف تھا۔ جیروم کی قابلیت بحیثیت ایک مترجم اور ایک مفسر کے اکثر زیر بحث رہی ہے۔ کیونکہ گو اس نے بہت سی چیزوں کا یونانی اور عبرانی سے ترجمہ کیا۔ مگر وہ ان دونوں زبانوں میں سے کسی میں بھی مہارت نہ رکھتا تھا اور وہ کسی مضمون پر صفائی سے اور بلا اختلاف بحث نہ کرسکتا تھا۔ وہ منطقی نہیں تھا۔ بلکہ واعظ تھا۔ جیروم کی یہ کمزوریاں ایک حد تک ایک کتاب میں جو سٹروم میں ۱۸۹۸ء میں چھپی ظاہر کی گئی ہیں۔ تاہم جیروم کی تصنیفات مفید ہیں اور اس قابل ہیں۔ کہ وہ لوگ انھیں پڑھیں۔ جو اس زمانے کے جس میں وہ رہتا تھا علوم رسوم اور عقائد سے واقف ہونا چاہیں۔ جیروم کی تصنیفات خاص طور پر ذیل کے امور میں مفید ہیں اول وہ بائبل کے پرانے یونانی ترجموں کے زیادہ ٹکڑے ہمیں دکھاتے ہیں۔ بہ نسبت اس کے جو کسی دوسرے عیسائی بزرگ کی تصنیفات میں پائی جاتی ہوں۔ دوئم وہ ہمیں ان معانی سے آگاہ کرتی ہیں۔ جو اس زمانے کے یہودی بہت سے عبرانی الفاظ کے کرتے تھے اور پرانے عہد نامے کے بہت سے فقرات کے مفہوم اور معنے ہم تک پہونچاتی ہے۔ سوم وہ جیروم کے اپنے خیالات کو ہم تک پہنچاتی ہے۔ گو اس میں شک نہیں۔ کہ اس کی رائے کو ہمیں احتیاط کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی طبیعت میں مبالغہ بہت تھا۔ تاہم اس کی تصنیفات میں بہ نسبت دوسرے عیسائی بزرگوں کے زیادہ مضبوط رائے اور زیادہ علمی واقفیت معلوم ہوتی ہے۔ جیروم کی قابلیت کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔

ایراسمس جس نے اس کی سوانح لکھی ہے لکھتا ہے "جیروم یقیناً سب سے بڑا فاضل سب سے بڑا فصیح اللسان اور سب سے بڑا عالم علوم الٰہیات ہے۔ جو کہ عیسائیت نے اس زمانے تک پیدا کیا۔" اس کے بالمقابل ولیم کیو جس پر کبھی یہ الزام نہیں لگایا گیا۔ کہ اس نے عیسائی بزرگوں کے متعلق ناانصافی سے کام لیا ہو۔ لکھتا ہے "جیروم ایک تیز اور جوشیلا آدمی تھا جس کو اپنے جذبات پر کوئی قابو نہ تھا۔ جب اس کو ذرا جوش دلا دیا جاتا تو وہ اپنے مخالفوں کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتا۔ اور گالیاں دینے اور برا کہنے سے بھی نہیں رکتا تھوڑا سا جوش آنے پر وہ سخت بدزبان ہو جاتا۔ اور جس قدر بدزبانی ممکن ہوتی اس شخص کے حق

یں کرتا۔ جس کا اِس سے مقابلہ ہوتا۔ بغیر اِس خیال کے کہ وُہ کِس مرتبے یا کِس فضیلت کا آدمی ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ وُہ خود پولوس کا ذکر بھی بڑے سخت اور گستاخانہ الفاظ میں کرتا ہے۔ اور اس پر طرح طرح کے الزام لگاتا ہے؟ یہ وُہ قابل اور دیندار عیسائی بزرگ ہے جس کی عیسائیت کتاب مقدس کے اِس نسخے کے لئے جس کو ولگیٹ کہا جاتا ہے ممنون ہے۔ جیروم اکانوے سال کی عمر میں ۴۲۲ء میں فوت ہؤا۔ کہا جاتا ہے کہ اخیر زندگی تک اس کی طاقت اور ہوش بجال رہا۔

ولگیٹ گنتی کی کتاب کے باب ۶ تیسری ورس کا ترجمہ ذیل کے الفاظ میں کرتی ہے:۔ "شراب سے اور ہر شئے سے جو نشہ دینے والی ہے وُہ پرہیز کریں گے۔ ولگیٹ بائبل کے اُس انگریزی ترجمے کی بُنیاد ہے۔ جو عیسائی کلیسیا کی رومن کیتھالک یا لاطینی شاخ کے انگریزی بولنے والے ممبر اِستعمال کرتے ہیں۔ اِس ترجمے کا نام ڈوائی بائبل مشہور ہے۔ اور اِس میں سے پُرانے عہدنامے کا ترجمہ ڈاکٹر گریگیری مارٹن نے کیا تھا۔ اور ڈوائی میں جو فرانس میں لیل کے بیس میل جنوب میں ایک قصبہ ہے ۱۶۱۰ء میں شائع ہؤا۔ مغربی یورپ کی زبان کی مذہبی اِصطلاحات زیادہ تر ولگیٹ سے لی گئی ہیں یا اُس کے اثر کے نیچے ہیں۔

پُرانے عہدنامے کی مختلف ایڈیشن حسب ذیل ہیں۔ سپٹواجنٹ۔ سریانی۔ ترگم یا کالدی اور لاطینی یعنی ولگیٹ۔ بابل کی قید کے زمانے میں یہودیوں کی زبان پر کالدی محاورہ کا جو بائبل میں بولا جاتا تھا۔ اِس قدر گہرا اثر ہؤا کہ جلاوطنی سے واپس آنے پر وُہ اس قابل نہ رہے کہ اپنی مقدس کتابوں کی خالص عبرانی کو سمجھ سکیں اور اس لئے جب عزرا اور لاوی جماعت کے سامنے شریعت کی کتابیں پڑھتے تو وہ مجبور ہوتے کہ دیسی زبان یعنی کالدی میں اُس کی تشریح کردیں۔ آہستہ آہستہ یہ تشریحات تحریر میں آگئیں اور اِس لئے کہ سادہ عبارتوں سے یہ تشریحی فقرے یا مشرح ترجمے بن گئے۔ اِن کا نام ترگم رکھا گیا۔ اور یہ کالدی لفظ ہے جس کے معنے تشریح یا تفسیر ہے (اور عربی لفظ ترجمہ سے ملتا ہے) جوں جوں زمانہ گذرتا گیا یہ مختلف تفاسیر۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں بن گئیں اور بعض ربیوں نے ان میں سے زیادہ معتبر تفاسیر کے مجموعے تیار کئے۔

یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ ان تمام ترگموں میں سے وُہ جس کا نام انکی لوث ہے قدیم زمانے سے زیادہ عزت کے قابل سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور اب تک بھی یہودی عالم اسے سب سے زیادہ مُعتبر قدیمی تفسیر کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے گنتی کی کتاب میں نذریوں کے متعلق جو فقرہ ہے اس کے معنے کرنے میں اس تفسیر کا حوالہ مفید ہوگا اور اس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ وُہ کس قسم کی شراب تھی جس سے نذری پرہیز کرنے کا اقرار کرتے تھے۔ چنانچہ اس فقرے کا ترجمہ وہاں یوں کیا گیا ہے " نئی اور پرانی شراب سے وُہ الگ رہے گا" آگے چل کر ہم دیکھیں گے۔ کہ مختلف عبرانی لفظ جن کا ترجمہ شراب اور تیز نشہ دینے والی چیز کئے گئے ہیں۔ وہ علے الترتیب یا ئین اور سکر ہیں۔ اور یہ فقرہ جو کہ اُوپر نقل کیا گیا دکھاتا ہے۔ کہ مترجموں نے اس ابتدائی زمانے میں ان الفاظ کے کیا معنے کئے۔ کیونکہ اس ترگم میں یائین کے معنے نئی شراب اور شکر کے معنے پرانی شراب کئے گئے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان الفاظ کے مفہوم میں نہ تو انگوروں کے نچوڑ کے مختلف قسموں میں سے ہونے کا فرق ہے۔ نہ یہ فرق ہے۔ کہ ایک قسم نشہ دینے والی اور دُوسری قسم نشہ نہ پیدا کرنے والی ہو۔ بلکہ دونوں لفظوں میں مفہوم کا اختلاف بلحاظ اس زمانے کے ہے جو کہ ایک ہی قسم کے انگور کے نچوڑ پر گذر گیا ہو۔

ربیوں کی ایک روائیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ کھجوروں یا ایسی اشیاء سے جو تیز شراب تیار ہو۔ وہ نذریوں کے لئے جائز تھی۔ اور جس شراب کی ممانعت کا یہاں ذکر ہے۔ وہ وہ تیز شراب تھی۔ جس کی تیاری میں سکر پیدا کرنے والی شراب کی ملاوٹ ہو۔

ایک اور روائیت میں یہاں تک ذکر موجود ہے۔ کہ اگر تھوڑی سی شراب کو شہد کے ساتھ ملا دیا جاوے۔ اور شراب کا مزہ باقی نہ رہے۔ تو نذری کے لئے اس کا پینا جائز ہے۔ ایسی رکیک تاویلیں۔ اور بے اصولی تشریحات کسی بڑے مذہب کے جو خدا کیطرف سے ہونے کا دعوے کرتا ہو معلموں کی حیثیت سے گری ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن شریف نے بار بار یہودیوں کو ان تحریفات کی وجہ سے ملزم کیا ہے۔ جو کہ وُہ

خدا کے کلام میں کہتے تھے۔ جیسا کہ ذیل کی آیات سے ظاہر ہے۔ افتطمعون ان یؤمنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ و ھم یعلمون۔ (کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم پر ایمان لے آویں۔ حالانکہ انہیں سے ایک فریق کے لوگ خدا کے کلام کو سنتے تھے۔ پھر اُس کو جان لینے کے بعد اُس کو بگاڑتے تھے۔ حالانکہ وُہ جانتے تھے۔)

نذریوں کے متعلق جو ہدایات گنتی کی کتاب باب ۶ آیت ۱۲ سے ۲۰ میں ہیں۔ ان میں ذیل کی تین نواہی ہیں:۔

(۱) انگوروں کی کسی پیداوار کا استعمال نہ کرنا۔

(۲) بالوں کا نہ کٹوانا۔

(۳) کسی مُردہ جسم کو نہ چھونا۔

اِن امور سے روکنے کی وجوہات پر بہت سی بحثیں ہوئی ہیں۔ یہ بات بلا شبہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کہ اِن سب کی سب روکاوٹوں کا ان کی نذر کے ساتھ کچھ تعلق ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سمجھ نہیں آتا۔ کہ بلا وجہ یُوں ہی چند چیزوں سے خدا کی کلام نے روک دیا ہو۔ ایک نذری اپنی قسم کی وجہ سے خدا کی خدمت کے لئے اِس طرح پر مخصوص کیا جاتا تھا۔ کہ لوگوں کے عام اشغال سے وُہ بالکل علٰحدہ رہتا تھا۔ یہ علٰحدگی قسم کے مُطابق ہوتی تھی۔ یعنی اگر ساری عمر کے لئے قسم لی جاوے۔ تو علٰحدگی بھی ساری عمر کے لئے ہوتی تھی۔ ایک روایت یہودیوں میں یہ بھی موجود ہے کہ تیس دن سے کم عرصے کے لئے قسم نہیں لی جا سکتی تھی۔ نذری کسی مُردہ جسم کو نہیں چھوتا تھا۔ اِس حد بندی کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام بگڑ جانے والی چیزوں سے وُہ علٰحدہ رہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے۔ کہ اسرائیلی قانون کے رو سے مُردہ جسم ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ پھر نذری کو اِس بات سے روکا گیا تھا۔ کہ بال کٹوائے کیونکہ بالوں کا کٹوانا۔ اس کے مطیع ہونے کی ایک نشانی تھی (قرنطیون باب ۱۱ آیات ۵) اور یہ ایک ظاہری علامت نذر کو پورا کرنے کی تھی اور طاقت کا نشان تھی چنانچہ سمسون کے متعلق جس کو دُنیا میں سب سے زیادہ طاقتور آدمی سمجھا جاتا تھا۔ قاضیوں کی کتاب میں لکھا

کہ اس کی پیدائش سے پہلے ایک فرشتہ اس کی ماں کے پاس آیا اور اُس کو کہا" خبردار ہو جاؤ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں۔ کہ شراب نہ پی نہ تیز شراب اور نہ کوئی ایسی چیز کھاؤ جو ناپاک ہو کیونکہ تو حاملہ ہوگی اور ایک بیٹا جنے گی اور اُسترہ اُس کے سر کو نہیں لگے گا۔ کیونکہ وہ بچہ رحم سے ہی خدا کے لئے نذری ہوگا" صرف سمسون ہی اکیلا مشہور جنگ جو نہیں جس کے شراب سے پرہیز کرنے کا ذکر تاریخ میں ہو۔ بلکہ ہومر نے اپنی ایلیڈ میں ہیکٹر کا ذکر کیا ہے۔ جس کی ماں اُسے لکھتی ہے۔ کہ شراب تھکے ہوئے آدمی کو طاقت دیتی ہے مگر وہ نوجوان جو اپنی ماں سے اس معاملہ میں زیادہ دانائی سے کام لیتا ہے۔ اِس کا جواب یوُں دیتا ہے۔ کہ" اے قابل عزت ماں میرے پاس شراب نہ لا۔ اگرچہ یہ شہد کی طرح میٹھی ہو اور گلاس میں چمکتی ہو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ میرے اعضاء کو کمزور کردے یا تباہ کردے۔ اور میں اپنی جرأت طاقت اور خوشی کھو بیٹھوں"

پوپ نے اِن سطروں پر ذیل کے الفاظ لکھے ہیں" ہیکٹر کا شراب کے متعلق یہ فتویٰ اپنے اندر بہت کچھ صداقت رکھتا ہے۔ اور یہ عوام الناس کی ایک غلطی ہے۔ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شراب طاقت کو بڑھاتی یا روح میں تازگی پیدا کرتی ہے۔ قابل ترین طبیب اِس بارے میں ہومر کے ساتھ متفق ہیں۔ گو آج کل کے سپاہی اس کو درست نہ سمجھتے ہوں"

اب پھر ہم نذریوں کی طرف واپس آتے ہیں۔ اب ہم اصل مضمون (یعنے نذریوں کے احکام) کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ صفائی سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس جماعت کا کوئی آدمی انگور کی پیداوار کو۔ رقیق حالت میں ہو یا غلیظ حالت میں استعمال نہیں کرسکتا۔ اور اِس سخت حکم کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ تا ہر ایک قسم کی سکر پیدا کرنے والے شرابوں سے پُورے طور پر وہ محفوظ رہیں۔ بلکہ غلطی سے بھی وُہ بعض چیزوں کو بے ضرر سمجھ کر کسی نشہ دینے والی چیز کو استعمال نہ کریں۔

یہاں پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی ابتدائی تاریخ میں تعلیم اور عمل وہی ہے۔ جو اسلام میں ہے۔۔۔ سب سے آخری اور سب سے بزرگ نبی احمد محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پرہیزگاری کے اصول کو نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا جیسا کہ

آپ نے فرمایا۔کہ حلال بھی بین ہے۔اور حرام بھی بین ہے۔مگر ان دونوں کے درمیان جو امور ہوں اور جن کے متعلق حلت یا حرمت کا شبہہ ہو۔ تو ایک مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسے امور سے بچے۔پھر ایک موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تمام امور کو ترک کر دو۔جو کہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہوں۔اور پھر فرمایا کہ بدی کی شکل سے بھی بچو تو بدی تم سے دُور رہے گی

نذریوں کا اصل اصول یعنی اپنے تئیں اللہ کے لئے مخصوص کرنا اس کی رضا کے اپنے آپکو فرمانبردار کر دینا اور ہر ایک قسم کی بدی سے بچنا۔اسلام کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔اسلام کے اس کمال کو حاصل کرنے کے لئے ہر ایک قسم کی سکر پیدا کرنے والی شراب سے پوری طرح بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔تاکہ یہ اخلاقی طور پر انسان کی حفاظت کا سامان ہو الکحل کا عادت کے طور پر استعمال کرنا خواہ کسی رنگ میں ہو۔حیوانی خواہشات کو اُبھارتا ہے۔قوت استدلال کو کمزور کرتا۔اور بعض حالتوں میں بالکل تباہ کر دیتا ہے۔اخلاقی احساسات کو کند کرتا ہے۔اور انسان کی اس طاقت کو جو اپنی مرضی کو کام میں لانے کی اس میں ہے۔کمزور کرتا ہے۔اسی لئے قرآن شریف فرماتا ہے فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔اس سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو +

(باقی آئندہ)

پادریصاحبان کیلئے حل طلب معمّے

۳

از بشیر

توریت کتاب استثناء آیت ۱-۵ میں لکھا ہے:-

(۱)- اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو- اور تمھیں کوئی نشان یا معجزہ دکھلاوے + (۲)- اور اُس نشان یا معجزے کے مطابق جو اُس نے تمھیں دکھایا- بات واقع ہو- اور وُہ تمھیں کہے- آؤ ہم غیر معبُودوں کی جنھیں تم نے نہیں جانا پیروی کریں- اور اُن کی بندگی کریں + (۳)- تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو- کہ خداوند تمہارا خدا تمھیں آزماتا ہے- تا دریافت کرے کہ تم خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے دوست رکھتے ہو کہ نہیں + (۴)- چاہیئے- کہ تم خداوند اپنے خدا کی پیروی کرو اور اس سے ڈرو اور اُسکے حکموں کو حفظ کرو- اور اُس کی بات مانو- تم اُس کی بندگی کرو اور اُس سے لپٹے رہو + (۵)- اور وُہ نبی یا وُہ خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا- کیونکہ اُس نے تمھیں خداوند تمہارے خدا سے جو تم کو مصر سے باہر نکال لایا- اور اس غلام خانے سے رہائی دی- پھر اُنکے کے لئے کہا تھا تاکہ تمھیں اس راہ سے جس پر خداوند تمہارے خدا نے تمھیں چلنے کا حکم دیا تھا- بہکا دے- اِسی طرح تو بدی کو اپنے درمیان سے جُدا کر دے گا +

عیسائی صاحبان آیات بالا کو خدا کا کلام مانتے ہیں- اور اُن کی تعمیل اُن پر فرض ہے- یہ آیات صاف اور بین ہیں- اور اُن کے معنے وہی کئے جا سکتے ہیں جو اُنکے صاف و صریح الفاظ ظاہر کرتے ہیں- تین امور اُن سے ثابت ہوتے ہیں- اول یہ کہ ایک جھوٹا نبی

بھی نشانات اور معجزات دکھلا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ وہ نبی جھوٹا ہے جو بنی اسرائیل کو اُن غیر معبودوں کی پرستش کے لئے کہے جنھیں وہ نہیں جانتے۔ سوم یہ کہ ایسا جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا۔

اب اگر ناصرت کے نبی (یسوع) نے وہی تعلیم عیسائیوں کو دی ہے۔ جس پر اُن کا ایمان آجکل ہے۔ اور جو تعلیم میرے خیال میں اصلی نہیں۔ تو اِن آیات سے ایک دیانتدار اہل الرائے کو مجبوراً یسوع مسیح کو جھوٹا نبی قرار دینا پڑتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اُسنے معجزات اور نشانات دکھلائے۔ اور اُس کے متعلق یہ بھی ایمان ہے۔ کہ وہ قتل کیا گیا۔ اور صلیب پر لٹکایا گیا۔ اُس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ وہ (خدا کے) بیٹے اور روح القدس کی عبادت کریں۔ یعنے ان معبودوں کی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔ اب پادری صاحبان سے سوال ہے۔ کہ آیا وہ کوئی کتاب انجیل ہو یا توریت دکھلا سکتے ہیں جس سے ظاہر ہو کہ بنی اسرائیل کو یسوع کی آمد سے پہلے بھی اُن غیر معبودوں کا علم تھا۔ اور کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ اسرائیلی یہ جانتے تھے۔ کہ خدا ایک ایسے فانی انسان کے وجود میں ظہور کرے گا جسے یہودیوں نے مارا۔ اور اُس نے صلیب پر جان دی۔ اس قسم کے معبودوں کا اُنھیں ہرگز کوئی علم نہ تھا۔ پس اگر یسوع نے اپنے وقت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ اُسے معبود مانیں اور اُس نے معجزات بھی دکھلائے اور قتل بھی کیا گیا۔ تو جو نتیجہ آیات بالا کو مدِنظر رکھ کر اس عقیدہ سے نکلتا ہے اُسے میں ناظرین کی سمجھ پر چھوڑتا ہوں۔

اسلامک ریویو:۔ مذکورہ بالا تحریر سے قرآن مجید کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس میں کہ یسوع مسیح کے متعلق حسب ذیل تعلیم دی گئی ہے:۔

وقال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار

ترجمہ

اور عیسےٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل۔ خدا کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا خدا ہے تحقیق جو اللہ کے سواء کوئی اور معبود بتلاتا ہے اُس پر جنت حرام ہے۔ اور دوزخ اسکا ٹھکانا۔ مسیح کی

موت کی نسبت خدا کا کلام یعنے قرآن مجید یُوں گویا ہے۔

وما قتلوہ وما صلبوہ ولاکن شبہ لھم

ترجمہ

اُنھوں نے (یہودیوں نے) نہ تو مسیح کو قتل کیا۔ اور نہ صلیب پر چڑھایا (یسوع انجیل کے مُطابق صلیب پر نہیں مرا) لیکن اُنھیں غلطی لگی ہے ✦

یہ آیات قرآنی اِس عقیدہ کے خلاف ہیں جو یسوُع کی نسبت رکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید تو بتلاتا ہے۔ کہ مسیح نے بھی اسرائیل کو ایک ہی خدا کی طرف بلایا یعنے اُس خدا کی طرف جو مسیح کا اور اسرائیلیوں کا خدا تھا اور جسے وہ جانتے تھے۔ قرآن مجید اس بات سے بھی انکار کرتا ہے کہ مسیح کو یہودیوں نے مار ڈالا۔ اور اِس طرح سے وہ تمام منصوبہ جس کی بناء پر یہُودی مسیح کو جھُوٹا نبی ہونے کا الزام دیتے ہیں۔ خاک میں ملجاتا ہے۔ اے کاش پادری صاحبان دیکھیں کہ حضرت مسیح پر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کس قدر احسان ہے ✦

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عہد نبوّت

قال ومن ذریتی قال لاینال عھدے الظلمین ؕ

عہد سے مراد عہد نبوّت و امامت ہے۔ اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ عہد اسحاق سے نہیں تھا۔ بلکہ اسمٰعیل سے بھی تھا۔ بلکہ اسمٰعیل اس میں مقدم ہے۔ کیونکہ اسمٰعیل کے متعلق بار بار یہ عہد پایا جاتا ہے۔ پس عہد ابراہیم کی رُو سے اگر نبوت کا ایک سلسلہ بنی اسرائیل میں رہا۔ تو ایسا ہی سِلسلہ بنی اسمٰعیل میں بھی چلنا چاہیئے۔ اور درحقیقت حضرت مُوسیٰ کی پیش گوئی جس میں اپنی مانند نبی کی خبر دی تھی۔ اس کی بناء بھی وہی عہدِ ابراہیمی ہے۔ کیونکہ جب ابراہیم کی اولاد کی ایک شاخ نے عہدِ ابراہیمی سے حصہ پایا

تو یہ ضروری تھا کہ دُوسری شاخ بھی اس سے حصّہ پاتی۔ سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ اسمٰعیل صراحتاً اِس عہد میں شامل ہیں۔ اوّل اسمٰعیل اور اسحاق دونوں کے پیدا ہونے سے پہلے فرمایا "میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کرونگا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دُونگا۔ (پیدائش ۱۲: ۲ و ۳) اب یہاں برکت دینے کے لفظ قابل غور ہیں۔ کیونکہ سوائے مسلمانوں کے کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی آل ابراھیم کہنے والی اور کوئی قوم نہیں۔ پس جو ابراہیم کو برکت دیتے ہیں۔ وہ ضرور خدا تعالٰے کی برکات سے حصّہ پاتے ہیں۔ پھر پیدائش ۱۵: ۴ میں حضرت اسمٰعیل کی پیدائش سے پہلے فرمایا "جو تیرے صُلب سے پیدا ہوُا وہی تیرا وارث ہوگا" کیا اسمٰعیل ابراہیمؑ کے صُلب سے تھا یا نہیں؟ پھر ہاجرہ کے ساتھ وہی وعدہ ہے۔ جو ابراہیمؑ کے ساتھ۔ یعنی ہاجرہ کو فرشتے نے کہا "میں تیری اولاد کو بہُت بڑھاؤں گا۔ کہ وُہ کثرت سے نہ گنی جائے" (پیدائش ۱۶: ۱۰) اور حضرت ابراہیم کو فرمایا "اب آسمان کی طرف نگاہ کر اور ستاروں کو گن۔ اگر تو اُنھیں گن سکے۔ اور اُسے کہا۔ کہ تیری اولاد ایسی ہی ہوگی" (پیدائش ۱۵: ۵) پھر اسمٰعیلؑ کا نام لے کر فرمایا "اور اسمٰعیل کے حق میں مَیں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اسے برکت دُونگا اور اسے برومند کرُوں گا۔ اور اسے بہُت بڑھاؤں گا۔ اور اِس سے بارہ ۱۲ سردار پیدا ہونگے۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤنگا" (پیدائش ۱۷: ۲۰) اب برکت دینا وہی لفظ ہے جو حضرت ابراہیم سے کہا تھا۔

دُوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کا عہد جو ابراہیم سے تھا۔ اور ابراہیم کا عہد جو اللہ تعالٰی سے تھا۔ وہ بھی بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل دونوں پر صادق آتا ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ کے عہد کو تو ان الفاظ میں بیان کیا "اور میرا عہد جو میرے اور تمھارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے۔ جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جاوے.... اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے" اب اِس عہد کو دیکھ لو کہ اوّل تو بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل نے

اسے یکساں پورا کیا۔ مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی ایک رُوحانی اولاد ایسی پیدا ہوئی۔ کہ اُس نے اس عہد کو پُورا کرکے دکھایا۔ مسلمانوں کے سوائے کونسی قوم ہے جو ختنہ کرتی ہے۔ اور اس عہد کو یاد رکھتی ہے۔ پس کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ اسی قوم کو عہد ابراہیمؑ سے خارج کیا جاوے جو عملی رنگ میں اس عہد کو پُورا کر رہی ہے +

دوسرا عہد اللہ تعالیٰ کا ابراہیم کے ساتھ ہے " اور میں اپنے اور تیرے درمیان۔ اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان اُن کے پُشت در پُشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتا ہوں۔ کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہونگا۔ اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام مُلک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں۔ کہ ہمیشہ کے لئے مِلک ہو" (پیدائش ۱۷: ۷، ۸) اب وہ کنعان کا مُلک جو از رُوئے عہد الٰہی ابراہیمؑ کو ملا ہے تیرہ سو سال سے جب سے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم دُنیا میں پیدا ہوئے کس کے پاس ہے۔ اس دوسرے عہد میں اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت پر ایک ایسی کھلی اور بیّن شہادت رکھی ہے۔ کہ کوئی عیسائی یا یہودی آپ کی صداقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ سوائے اسکے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اِن دونوں عہدوں کو جھوٹا قرار دے۔ صلیبی جنگوں کا منشا سوائے اسکے کیا تھا۔ مگر جو بات خدا بطور نشان قایم کرنا چاہتا ہے۔ اس کو کون مٹا سکتا ہے۔ ایکطرف اگر حضرت موسیٰ کے مثیل موسیٰ والی پیشگوئی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی صداقت پر ایک بیّن شہادت ہے۔ تو دُوسری طرف حضرت ابراہیمؑ کا یہ عہد ایک ایسا روشن ثبوت ہے۔ کہ جسکا جواب کسی یہودی یا عیسائی کے پاس کچھ نہیں۔ اسلیئے انہی دونوں امور کو اہل کتاب پر اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے شروع میں رکھا ہے۔ اور ان پر اس قدر زور دیا ہے کہ بار بار اُن کا ذکر فرمایا۔ یہ دو باتیں ایک مسلمان کے ہاتھ میں ایسے زبردست ہتھیار ہیں کہ انکے سامنے کوئی ڈھال کام نہیں دے سکتی۔ یہ اللہ تعالےٰ کے اسلام پر خاص احسانات ہیں۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

ضمیمہ اشاعت اسلام لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسکو خود بھی پڑھیں ۔ اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھاویں

مغرب میں اسلام کیلئے شاندار مستقبل

اور

اس وقت برادرانِ اسلام کا پہلا فرض

اس وقت ووکنگ مسلم مشن کی کامیاب رفتار کے متعلق جو مژدات حضرت قبلہ مولوی صدر الدین صاحب سلمہ اللہ کی طرف سے ہمیں ہفتہ وار ملتے ہیں ۔ اس سے جہاں ایک طرف ہمیں بے اندازہ خوشی ہوتی ہے ۔ وہاں دوسری طرف کسی قدر فکر بھی دامنگیر ہو جاتا ہے جس حیرت افزا طریق پر اسلام اور اسکی دلفریب تعلیمات مغربی دلوں پر تصرف کر رہی ہیں ۔ اس پر ہم جس قدر سجدات شکر ادا کریں ۔ تھوڑے ہیں لیکن اس ترقی کے ساتھ اخراجات کی ترقی بھی ایک لازمی امر ہے ۔ جس کا تہیہ بھی مشکلات کو پیدا کر دیتا ہے ۔ یوں تو آج تک جو کچھ ہوا ۔ وہ محض فضلِ ربی سے ہوا ہم کیا اور ہماری ہمت اور کوشش کیا جن جن راہوں سے اُس دست گیر بیکسان نے اس عاجز کی وقت بیوقت ہمارے کام پر دستگیری کی وہ ہر دم میرے ازدیاد ایمان کا موجب ہے ۔ اور مجھے توکل علی اللہ کی طرف رہنمونی کرتی ہے ۔ لیکن سید الکونین الف الف صلوٰۃ نے بر توکل زانوئے اشتر بند

کہ کہیں توکل کی اصل حقیقت سے آشنا کر دیا ہے۔ ہر ایک مسلم کا فرض ہے۔ کہ حصول مطالب میں ہر طرح جان توڑ کوشش کرے۔ اور پھر خدا کے فضلوں پر نگاہ ڈالے ؎

کل قومی تحریکات پر اشاعت اسلام کو فوقیت ہے۔

ہاں افسوس ہے تو اس بات کا کہ اشاعت اسلام ایسی بات نہ تھی جس کی طرف اس قدر عدم توجہی سے کام لیا جاتا ہیں یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہوں۔ کہ ہماری کل تحریکات قومی اہمیت کے لحاظ سے ہماری اس تحریک اشاعت اسلام کے مقابل کوئی حقیقت وحیثیت ہی نہیں رکھتی۔ خصوصاً جب ہم اُن بے نظیر نتائج پر غور کرتے ہیں۔ جو اس وقت محض فضل ربی سے پیدا ہو چکے ہیں۔ اور جو سالے کہ نکوست از بہارش پیداست کے مصداق ایک عظیم الشان مستقبل کو ہمارے سامنے لے آتے ہیں۔ کیا یہ امر غور طلب نہیں۔ کہ ایک طرف اس ملک ہندوستان میں عیسائی مشن پانی کی طرح روپیہ بہا رہا ہے۔ پھر ہندوستان ایک محتاج اور تنگ دست ملک ہے۔ پھر عیسویت کی اشاعت میں ہر قسم کے حیلے اور اسباب پیدا کئے جاتے ہیں لیکن ان سب امور کے مقابل جو ناکامی عیسائی مشن کو نصیب ہوئی۔ وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں۔ اگر اس ملک میں مہتر۔ چمار۔ ڈھیر۔ اور دیگر اچھوت قومیں نہ ہوتیں۔ تو یہ مشن کبھی کا ہندوستان سے رخصت ہو جاتا۔ بالمقابل ہم نے انگلستان میں نہ کوئی مدرسہ و کالج کھولا۔ نہ ہسپتال۔ نہ ہمارے پاس روپیہ اور نہ ہمارے کام کرنے والے کثرت سے مرد اور عورتیں محض خدا کا نام اور اس پر ایسی فوق العادۃ کامیابی۔ اسکی وجہ میرے نزدیک صرف دو ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام فطرت اللہ ہے۔ جس مذہب کو انسانی طبیعت فطرتاً چاہتی ہے۔ وہ اسلام ہے۔ دوسری طرف جو شریف قوم انگلستان میں ہماری مخاطب ہے۔ وہ مہذب آزاد خیال۔ وسیع قلب کی قوم ہے۔ جس کے افراد اس قدر اخلاقی جرأت رکھتے ہیں۔ کہ جس بات کو صحیح سمجھ لیں۔ اُسے قبول کرنے

میں اُنہیں کبھی گھبراہٹ یا ہچکچاہٹ نہیں ہوتی ؟

ہندو تعلیم یافتہ طبقے میں کیوں تبلیغ اسلام اس وقت بے سود ہے

آج بیس سال سے اوپر ہو چکے۔ جب میں نے مختلف مذاہب کا تقابل مطالعہ شروع کیا۔ مختلف الخیال اور متضاد عقاید کے اصحاب سے ملا۔ مذہبی گفتگوئیں ہوئیں بحثیں کیں۔ تقریریں کیں اور سنیں۔ کتابیں پڑھیں لیکن دن بدن میرا عقیدہ اس بات پر مضبوط ہوتا گیا۔ کہ جو شخص خلوص اور بے تعصبی کے ساتھ مذاہب کا مطالعہ کریگا۔ اور کل مذاہب کی تعلیمات و عقاید کو علم و عقل کی روشنی میں پرکھیگا۔ اسکو اسلام قبول کرنے کے سوا چارہ نہ ہوگا لیکن مشکل یہ ہوگئی ہے۔ کہ ہندؤں میں تعلیم یافتہ طبقہ جو ایسی تحقیقات کا اہل تھا۔ وہ سیاسی وجوہ سے اس امر کے قابل نہیں رہا۔ بڑا بھاری سہارا جو ہندو مذہب کی مختلف شاخوں کو اس وقت مل رہا ہے۔ وہ ان شاخوں کی علمی عقلی خوبیوں سے نہیں

ہندو اصحاب اور نیشنل ازم

بلکہ وہ **نیشنل ازم** ہے۔ جو ہندو مذہب کو قایم رکھے ہوئے ہے۔ یہ نیشنلزم نہایت طاقت کے ساتھ ہندو سوسائٹی میں پیدا ہوگیا ہے۔ اور یہی نیشنلزم آریہ سماج کو وجود میں لایا ہے۔ اس وقت ہندو اصحاب کا مذہب پرستش قوم ہے۔ قوم کا تحفظ۔ قوم کی اہمیت۔ قوم کی طاقت اور شمار کو قایم رکھنا اور بڑھانا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ غیر ہندو اقوام کو کمزور کرنا اس وقت تعلیم یافتوں کا علی العموم دھرم ہے۔ یہ وہ مذبح ہے جس پر حسب ضرورت ہر ایک قسم کے لحاظات قربان ہوسکتے ہیں۔ اسلام لاکھ اپنے اندر خوبی رکھے لیکن مسلمان ہوجانا چونکہ ہندو جات کی شماری طاقت کو کم کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک ہندو بھائی کے لئے تبدیلیٔ مذہب ایک گناہ کبیرہ ہے۔ مذہبی تحقیق۔ دھرم چرچا۔ مذہبی جلسے اور تقریریں ان کے لئے سب فضول ہیں۔ اگر آریہ سماج کی اصطلاح توجہ ہے۔ تو اسکی تہ میں بھی وہی نیشنلزم ہے۔ چنانچہ شدھی بھی اپنی شماری طاقت کا بڑھانا مقصود کر یہ روح اب تمام

تعلیم یافتہ ہندو اصحاب میں کام کر رہی ہے۔ یہی لوگ میرے علی العموم مخاطب تھے۔ جب
مَیں ہندوستان میں تبلیغ کا کام وکالت کے ساتھ ساتھ کرتا تھا۔ ان کی طرف سے مایوسی میرے

مسلمانو! ابھی وقت اشاعت یہاں ہے

انگلستان کی طرف جانے کا ایک حد تک موجب ہوئی لیکن تعلیم یافتہ ہندو اصحاب کے بعد ابھی کثرت سے ہندو جماعتیں ہیں جن میں اشاعت اسلام نہایت سرعت اور کامیابی کے ساتھ عمدہ نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ اگرچہ نیشنلزم کی روح دوسرے طبقات میں بھی پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش ہو رہی ہے۔ اب اگر مسلمان جلد نہ جاگے اور انہوں نے اپنی تبلیغی کوشش ہندوستان میں باقاعدہ طریق پر شروع نہ کردی۔ تو عنقریب مسلمانوں کو بہت ہی مشکلات کا سامنا ہے۔ یہ شدھی کی تحریکات۔ یہ غیر مذاہب کو گالی گلوچ سے یاد کرنا یہ بدتہذیب حملے۔ یہ اچھوت قوموں میں اصلاح۔ ان سب کا مقصد صرف یہ ہی۔ کہ ہندو کے نام کے ماتحت افراد کی تعداد بہت جلد بڑھا دی جاوے۔ واللہ کس کا مذہب اور کس کی سماج۔ اگر ذرا بھی دھرم اور پرم ایشور کا خیال ہوتا۔ تو کبھی کا فیصلہ ہو جاتا۔ مسلمانو! خوب یاد رکھو ابھی اشاعت اسلام کا وقت ہے۔ ابھی ہندو بھائیوں کے بہت سے طبقات میں مذہب کا احساس ہے۔ ابھی بھگتی اور آتما گنتی کا فکر ہے۔ ابھی پرم برہم کی تلاش ہے۔ اس لئے اسلام کے لئے ہر ایک موقع محل ہے۔ یہ امر یقیناً سمجھ لو۔ کہ جب مذہبی تفتیش و تحقیق عقل اور نور فراست سے ہوگی۔ دنیا کا مذہب اسلام ہوگا۔ مشکل یہ ہے کہ ہم نے کل کوشش ہی چھوڑ دی۔ ذرا ہاتھ ہلا کر تو دیکھو پھر دیکھ لینا۔ چاروں طرف اسلام ہی اسلام نظر آتا ہے یا نہیں لیکن یہ اس دن تک جبکہ نیشنلزم ان نیک خیالات مذہبی پر غالب نہیں آتا جس وقت مذہبی احساس کو نیشنلزم کھا گیا۔ اُس وقت کوئی صورت اشاعت اسلام کی یہاں نہ رہیگی۔ الا ماشاء اللہ

یورپ میں قبولیت اسلام کے لئے تیاری

یہ تو حال ہندوستان کا ہے۔ بالمقابل مغربی دُنیا اس کے

بالکل برعکس ہے۔ وہاں گذشتہ ڈیڑھ صد برس برابر میٹیریلیزم اور عیسائیت میں بالمقابل جنگ ہوتا رہا۔دونوں نے متواتر حملوں سے ایک دوسرے کے قلعوں کو کھوکھلا کر دیا۔ دونوں اس وقت کمزور ہو گئے۔ یہ کہنا غلط ہو گا۔کہ میٹیریلیزم اور عیسائیت دونو مغربی دنیا سے مفقود ہو گئے۔ ہاں ان دونوں مذاہب کے پرستاروں کی تعداد بہت کمزور ہو گئی اور ان کے بین بین وہاں ایک کثیر تعداد پیدا ہو گئی ہے۔جو عیسائیت کے جوئے سے آزاد ہو چکی ہے۔ لیکن خدا پرستی پر دل سے مایل ہے۔ وہ ایسے مذہب کو چاہتی ہے۔جس کے ایمانات اور عقاید عقل و ادراک کا خون نہ کریں جس کے شعار رسمیات سے پاک ہوں جس کے اصول فرقہ بندی کے تنازعات سے ارفع ہوں جو ہر معاملہ میں ذاتی رائے کی عزت کرے۔ اور معلمین و مقدسین کے ذاتی رعب سے انسان کو آزاد کر کے مذہب میں انسان کو اپنے لئے آپ غور و فکر کرنے کی ترغیب دے۔جو نجات کو کسی انسان کی خوشنودی پر نہیں بلکہ ذاتی اعمال پر منحصر کرے۔ اور اس طرح احبار (یعنی پیر پرستی) کو دنیا سے مٹا دے جسکی تعلیم بالکل صاف سادی ہو۔ اور تصنع سے پاک ہو۔جو کسی چار دیواری میں داخل ہو کر چند الفاظ کے دُہرا دینے پر اعتراض مذہب کو ختم نکر دے۔بلکہ مذہب کا اثر اور مذہب کے مطالبات صبح سے لے کر شام تک اور شام سے صبح تک ہماری زندگی کے ہر حصے اور شاخ پر ہوں۔جو جسم اخلاق اور روح کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر دے۔بلکہ ان ہر سہ اجزاء انسانیت کے تحفظ کے سامان پیدا کرے۔ اور ان کے بقاء اور ترقیات کے سامان اور طریق بہم پہنچا دے اور جو ان تینوں کو بطریق ہم آہنگی ایک دوسرے کے ساتھ چلائے۔خدا پرستی کے معاملات میں وہ مذہب ایسا خدا پیش کرے جس کے صفات پر ایمان انسانی تمدن و تہذیب کی روح رواں ہو۔ اور جسکی عبادت ہمارے اخلاق کی اصلاح کا موجب ہو۔یہ اور ہم قسم

دیگر اور خیالات آہستہ آہستہ یورپ میں مذہب کے متعلق پیدا ہو چکے ہیں۔ گذشتہ چوتھائی صدی سے علماء و فضلاء مغرب کی ایک قابل قدر جماعت اس قسم کے مذہب کی تلاش میں لگ گئی ہے۔ انہوں نے امور بالا پر ایسے آیندہ مذہب دنیا کی اور خصوصیات ایزاد کر دی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ آیندہ اب ہمارا وہ مذہب ہونا چاہئے۔ جو دنیا سے رنگ۔ قوم اور ملک کی تمیز کو مٹا دے۔ جو کل انسانوں میں اخوت اور وحدت کی روح پھونک کر کالے گورے کو بھائی بھائی بنا دے۔ جو فی الجملہ خدا کی محبت (تعظیم لامر اللہ) اور کل مخلوق الٰہی کی محبت (شفقت علی خلق اللہ) ہمارے دلوں میں بھا دے۔ کیا یہ مطالبات مغرب اسلام کے ہی مختلف خط و خال نہیں۔ کیا یہ وہی باتیں نہیں جو قرآن نے تعلیم کیں اور آنحضرت صلعم نے سکھلائیں۔ انہیں وجوہ پر میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسلام کے سوا کسی اور دنیا کے مذہب کے لیئے کامیابی کا کوئی موقعہ یورپ میں نہیں۔ جس کو مجھ سے اس معاملہ میں اختلاف ہو۔ وہ اپنی کتاب سے ان مطالبات کو پورا کر دے۔ امور بالا کی روشنی میں قرآن اور دیگر کتب مذہبی کو بیشک مطالعہ کر لیا جاوے پھر دیکھا جاوے۔ کہ قرآن کے سوا اور کونسی الہامی کتاب ایک ناطق کامل اور آخری الہام ثابت ہوتی ہے۔

یورپ کا مطالبہ مذہب اسلام ہے

ہمارے مشن کی کامیابی کا راز

یہی وہ راز ہے۔ کہ جس سے ووکنگ مشن نے اس قدر کامیابی حاصل کر لی۔ یہی وہ وجہ ہے۔ کہ جس سے اسلام مغربی نگاہ میں جب کبھی اپنی اصلی صورت میں دیکھا گیا۔ عزیز ہو گیا۔ اسلام آج تک غلط بیانی۔ غلط فہمی۔ افترا اور بہتان کے پردے میں محجوب رہا۔ آج تک ان حجابوں کے دور کرنے کے لئے کوئی باضابطہ کوشش ہماری طرف سے نہیں ہوئی۔ جب ہم نے ذرا کوشش کی۔ مغرب کی حق پسند

طبیعت فی الفور اسلامی اصولوں کی والا و شیدا ہو گئی۔ جب یہ حالات ہوں۔ تو پھر اسلام کے سامنے کیوں ایک عظیم الشان مستقبل نہ ہو۔ ہاں کوشش شرط ہے۔ دیکھ لو ایک دو سال کے اندر کس قدر خیالات میں وہاں انقلاب عظیم ہو گیا۔ وہی اسلام ہے جبکو نسل انسانی کے لئے لعنت سمجھا گیا تھا۔ آج گرجاؤں میں خود پادری صاحبان اعتراف کرتے ہیں۔ کہ اُن کو اسلام کے متعلق غلط علم دیا گیا تھا۔ وہ اسلام کے محامد پر گرجاؤں میں وعظ[له] اور منادی کرتے ہیں۔ مخالفین کی تحریریں ٹھنڈی پڑ گئی ہیں۔ اسلام پر افترا اور بہتان باندھنے والے اب پہلی سی جرأت نہیں کرتے۔ یہ صرف دو سالہ محنت کے نتائج ہیں۔ اگر خدانخواستہ عدم سرمایہ یا کافی امداد کے میسر نہ آنے پر یہ مشن (ووکنگ) بند کرنا پڑے۔ یا جن مختلف راہوں سے یہ اب تک کامیاب ہوا ہے ان میں سے کسی ایک کو ترک کرنا پڑے۔ تو یہ وہ قومی نقصان ہوگا۔ کہ جس کا بدل پیدا ہونا ناممکن ہوگا۔

اسلام کے برخلاف یورپ میں جو سخت روکیں تھیں وہ اُٹھ گئیں

پھر جب ہم ان نئے واقعات پر غور کرتے ہیں جنہوں نے آہستہ آہستہ پیدا ہو کر اسلام کی راہ سے مشکل سے مشکل روکوں کو ہٹانا شروع کر دیا ہے۔ جو مدت سے اسلام کے مقابل ایک ناقابل علاج سد راہ بن رہی تھیں۔ تو ہم وجدان اور حقیقت کی طرح اس بات پر ایمان لانے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔ کہ اب صرف ہمارے ہاتھ ہلانے کی ہی کمی ہے۔ واللہ عنقریب یورپ میں اسلام ہی اسلام نظر آنے والا ہے۔ اسلام میں بعض تعلیمات ایسی ہیں۔ جن کے عدم فہم نے اسلام کو مغرب میں ہوّا بنا رکھا تھا۔ مثلاً مسئلہ جہاد۔ مسئلہ غلامی۔ مسئلہ کثیر الازدواجی ممانعت شراب۔ آج وہ واقعات قضا و قدر نے پیدا کر دئے جس کے ماتحت ہماری

[له] دیکھو اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل ۱۹۱۵ء

سرکار دولتمدار نے خود اسلامی جہاد کے اصولوں کو صحیح سمجھا اور اختیار کیا۔ آج خود گرجاؤں میں عین کرسمس کے دن منبر سے یہ آواز آئی۔ کہ امن عامہ کے قایم رکھنے کے لئے تلوار اٹھانا ایک مذہبی اور انسانی فرض ہے۔ جان۔ مال۔ قوم اور ملک کی حفاظت کی خاطر ایک ایسے شخص کے مقابل جو ان چیزوں کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے جنگ کی پیش قدمی کرے۔ دفاعی جنگ کرنا قرآن کی تعلیم ہے۔ یہی اسلامی جہاد ہے۔ اور باقی جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ غلط فہمی یا بہتان۔ اس تعلیم پر ہماری سرکار اور اسکے معزز حلیف آج چلے اور جایز طور پر چلے مغربی دنیا نے آج خود آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ کی اس طرح پیروی کر کے عملاً اعلان کیا۔ کہ انجیل کی تعلیم مختص الوقت تھی۔ آج وہ ناقابل عمل ہے۔ اور ضروریات موجودہ کے مناسب حال نہیں۔ ایسا ہی یوروپین جنگوں نے مسئلہ غلامی کی حقیقت کو منکشف کر دیا۔ قرآن نے جن غلاموں کو جایز رکھا ہے۔ وہ اسیران جنگ ہیں۔ جیسے کہ آیت او ما ملکت ایمانکم سے ظاہر ہے۔ دنیا جب تک جنگوں سے خالی نہ ہو۔ اسیران جنگ کے تحفظ اور مراعات کے لئے قواعد کی ضرورت ہے۔ اور اسلام ایک ناکمل مذہب ہوتا۔ اگر آنحضرت صلعم ایسے غلاموں کے متعلق قواعد مرتب نہ کرتے۔ اب عنقریب دنیا دیکھ لے گی۔ کہ اسیران جنگ کے ساتھ جو سلوک آنحضرت صلعم نے تجویز کیا۔ وہ کس قدر ان کے لئے رحمت و برکت کا موجب ہے۔ اسی طرح اس وقت یورپ میں اس کثرت سے انسانی نفوس کے ہلاک ہونے نے کثیر الازدواجی کی اصلی ضرورت کو واضح کر دیا۔ شادی کی اگر اصلی غرض شہوت رانی نہیں۔ بلکہ بقاء نوع انسانی ہے۔ تو پھر بھی ضرورت دنیا میں بعض ایسے حالات پیدا کر دیتی ہے۔ جب مرد ایک ہی وقت ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔ اس وقت مردوں کی تعداد یورپین ملکوں میں کم ہوگئی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنا بذات خود کل سلطنتہائے یورپ کے سامنے

ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہر ایک سلطنت کا فرض ہے۔ کہ امن ہونے کے بعد افراد انسانی کی پیدایش بڑھانے کا انتظام احسن کرے خصوصاً جبکہ فرقہ اناث کی کثرت بڑھ گئی ہے۔ کیا اس ضرورت حقہ کو پورا کرنے کے لئے مرد عورت کو ناجائز طریق پر جمع ہونیکی اجازت دی جاوے یا ان کو جائز اور علی الاعلان طریق پر بحیثیت خاوند عورت جمع کرکے آیندہ پیدایش کو بڑھایا جاوے جنگ کے بعد یورپ محتاج ہوگا۔ کہ آدمیوں کی پیدایش بڑھائے۔ اور اگر اخلاق۔ غیرت انسانی۔ اور احساس صحیح کی عزت کی گئی۔ اور یقین ہے کہ کی جاویگی۔ تو سب سے اول اُس نامعقول قانون کو دور کرنا پڑیگا۔ جو کثیر الازدواجی کو مغرب میں جرم ٹھیراتا ہے۔ چنانچہ بعض معتبر انگریزی رسالوں میں اسوقت یہ بحث شروع ہوگئی ہے۔ ایسا ہی ان جنگوں نے یہ ثابت کردیا ہے۔ کہ شراب نے کس قدر قوموں کی قوموں کو لوازم وضروریات موجودہ کے پورا کرنے کے ناقابل کردیا ہے۔ انہیں باتوں کو دیکھ کر خدا بھلا کرے ہمارے شہنشاہ جارج خامس کا جنہوں نے کمال دوراندیشی سے شراب کو اپنے محل سے نکال کر شراب کی نفرت کو ایک فیشن بنا دینے کی بنیاد ڈال دی ہے۔ زار روس نے کروڑہا روپیہ کا نقصان برداشت کیا۔ لیکن محکمہ آبکاری کو موقوف کیا۔ فرانس میں شراب کو جلا وطن کرنے کے سامان ہورہے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں۔ جو عنقریب شراب کو مغرب میں حرام اور جرم بنا دینگی آہ! یورپ دیکھ کہ جن باتوں کو آج اس قدر ہلاکت اور تباہی کے بعد ضرورت حقہ ماننا پڑا۔ وہ ایک صبح اُٹھی لقب انسان نے مدتوں پہلے تعلیم کیں میرے نزدیک اس کے نبی ہونے کا یہ کافی ثبوت ہے ؛

مسلمانوں وقت شناسی کرو یہ تو یورپ کے حالات ہیں۔ یہ امور کیا زید اور بکر کے پیدا کردہ ہیں۔ یا خود خدا کے پیدا کردہ ہیں وہ دانا اور اولی الابصار جو واقعات عالم سے دوربینی کرکے

ہیں۔ وہ سوچیں کہ ہوا کا رخ کس طرف کو جا رہا ہے مسلمانوں کو جس بات نے سب سے پیچھے رکھا۔ وہ یہ ہے کہ وہ موقعے اور وقت شناسی نہیں جانتے۔ وقت پر تھوڑی سی کوشش وہ نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ جو بیوقت کی صدگنا محنت سے متصور نہیں ہو سکتا۔ اس وقت پیسوں سے روپوں کا نہیں بلکہ پونڈوں اور اشرفیوں کا کام نکل سکتا ہے۔ کیا جو کامیابی اس وقت تک بلحاظ وقت وکمی اسباب تبلیغی کوششوں میں ہمیں ہوئی ہے۔ وہ آیندہ کی کامیابی کی کافی ضمانت نہیں۔ نظم

خدارا۔ قوم من برخیز از مستانہ خواب
کن نگاہ! بر اُفق مغرب رو نمود آثار صبح
در ملائک غلغلہ شد نصرتِ اسلام را
آہ! میترسم اگر ایں وقت ہم از دست رفت

تا بکے غفلت ببیں بر بام آمد آفتاب
حیف باشد گر نہ ایں ایام بشناسی شتاب
غلبۂ توحید می خواہد خدا حدیث مآب
بالیقیں بینی بروز چند خسران و تباب

رب عزت قوم دیگر را دہد عز و شرف
گر ز ما یاد ر نداری۔ رو بخواں اُمّ الکتاب

۵۱ وان تتولو یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

دوستو۔ اُٹھو۔ جاگو۔ غفلت کو چھوڑو۔ میرے ساتھ ہو جاؤ۔ میں آپ کو اُس کام کی طرف بلاتا ہوں۔ جو آپ کا فرض اولین ہے۔ یہ وہ کام ہے۔ جس کے لئے قرآن دنیا میں آیا۔ یہ وہ کام ہے۔ جس کے لئے آنحضرت صلعم نے بعثت فرمائی۔ یہ وہ فرض ہے۔ جس کے لئے سید عرب و العجم نے ہر قسم کے مصائب اٹھائے۔ صحابہ کی عزیز جانیں اسی راہ میں قربان ہوئیں۔ یہ وہ درخت ہے۔ جسے آپ کے بزرگوں کے خون نے سینچا۔ دیکھو آپ کے کل قومی کام ایک طرف اور انگلستان میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام اپنی

اہمیت اور نتائج کے لحاظ سے ایک طرف۔ آہ مَیں کہاں سے وہ طاقت لاؤں۔ جو آپ کو آپ کے اس فرض اوّل کی طرف لے آوے۔ وہ کونسا منتر پڑھوں جس سے آپ ہمہ تن اس کام کی طرف متوجہ ہو جاویں۔ یاد رکھو۔ تمہاری قومی اہمیت تمہاری طاقت تمہاری فلاح وعزت صرف اسی ایک کام سے خاصکر وابستہ ہے جس طرف مَیں گیا ہوں۔ خواہ تم مانو یا نہ مانو۔

اشاعت اسلام کی آسان راہیں

دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اشاعت اسلام کے لئے آسان راہیں پیدا کر دی ہیں۔ خود تمہیں ایک ایسی سلطنت کے ماتحت رکھا ہے۔ کہ جو مذہبی تعصبات سے آزاد ہے۔ جو تبلیغ کے معاملہ میں کسی قسم کی روکاوٹیں اصولاً پیدا نہیں کرتی۔ تم اگر مذہبی تحریکات کو پالیٹکس سے الگ رکھو۔ جیسے کہ میرا طریق عمل ہے۔ تو کیوں خود گورنمنٹ ضرورت جائز کے پیدا ہونے پر باوجود اختلاف مذہب تمہاری مدد نہ کرے۔ تم کو خدا تعالیٰ نے ایسی قوم سے واسطہ ڈال دیا ہے۔ جنہوں نے اپنے ملک میں تمہارے مبلغین کی عزت کی۔ اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ اُن کی ہر طرح کی مراعات کی اپنے مذہب کے معلمین کی تمہارے برخلاف کوئی خاص حمایت نہ کی۔ بلکہ ایک آنکھ سے اپنے ملک میں سب ہم سب کو دیکھا۔ اس قوم کو خدا تعالیٰ نے وہ وسعت قلب عطا کی۔ کہ جو میں تم میں اس وقت نہیں دیکھتا۔ ان کے ذی وجاہت تم میں آ رہے ہیں۔ اور وہ پیشانی پر شکن نہیں ڈالتے۔ پھر کیوں نہ ہم ان لوگوں کی قدر و منزلت کریں۔ بہر حال یہ سب خدا کے منن اور فضل ہیں۔ اور یہ ان اسباب عجیبہ میں سے ہیں۔ کہ جن سے آخر کار خدا کا دین دنیا میں قایم ہونا ہے اور چاروں طرف لا الٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ کی آواز سنائی دینی ہے۔

خدا کی نصرت صرف کام کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے

لیکن یہ سب کچھ آپ کے ہاتھ پاؤں ہلانے

پر حصر رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بے اندازہ نصرتیں اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ جو غفلت کو چھوڑ کر کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین کی دعا میں استعانت سے پہلے عبادت کا ذکر ہے۔ خدا تعالیٰ سے اعانت اور نصرت پانے کا وہی مستحق ہے۔ جو پہلے خود کچھ کر کے دکھائے۔ بالفاظ حدیث خدا تمہاری طرف دس قدم آویگا لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے تم خدا کی طرف ایک قدم چلو۔ یہی رنگ ہمیں رات دن صحیفہ قدرت میں نظر آتا ہے مثلاً ایک دانے کا پیدا کرنا کل صحیفہ قدرت کے کام کرنے پر حصر رکھتا ہے۔ سورج چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ بادل پانی۔ زمین الغرض زمین آسمان کی کل چیزیں کام کریں۔ تو پھر ایک غلے کا دانہ پیدا ہو۔ لیکن کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یہ سب خدام انسان ہاتھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مفوضہ کام نہیں کرتے جب تک انسان ہاتھ نہیں ہلاتا۔ کسان نے زمین کھود کر بیج ڈالا۔ اور سب کے سب خادم کام کرنے لگ گئے۔ دیکھو ایک شخص تم سے خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ وہ درویشانہ طریق پر ایک جگہ جا بیٹھا۔ وہ مخالفانہ نکتہ چینیوں سے لاپرواہ ہو کر اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ ایک سال پر کچھ ماہ گذرے۔ کہ اسکی عاجزانہ کوشش وہ نتائج پیدا کر لائی۔ کہ جسکی نظیر گذشتہ دو صدی کی مذہبی تاریخ میں نہیں۔ یہ اسکی کوشش نہیں بلکہ کرشمہ یہی ہے۔ اور صرف اس لئے کہ آپ سب کا ایمان بڑھے۔ اور ہم سب کے سب کام کرنے پر تیار ہو جائیں جسکو آپ کل تک مشکل سمجھتے تھے۔ آج وہ آسان ہو گیا۔ جو کل محال تھا آج ممکن۔ جو کل قیاس تھا۔ وہ آج حقیقت ہو گیا۔ پھر آپ کس سوچ میں ہیں۔ کس دن کی انتظار کرتے ہو۔ کیا یہاں ہمیشہ رہنے کا اجارہ لے رکھا ہے موت کا کونسا وقت مقرر ہے۔ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔

میرے آواز پر لبیک کہنا اسلامی فرض ہے	تم از روئے قرآن میرے اس بلانے پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ تم از روئے حدیث میری اس آواز کو استخفاف یا استحقار سے نہیں دیکھ سکتے۔ قرآن

اور حدیث کی عزت کرو۔ اور میری آواز پر لبیک کہو۔ تمہارا خدا تمہارا رسول۔ تمہارا قرآن تمہارا اسلام اس معاملہ میں تم کو وہی تلقین کرتا ہے۔ جو میں کہتا ہوں۔ ہاں میرے الفاظ میں تاثیر ڈالنا اور جذب پیدا کر دینا فعل خداوندی ہے۔ آج آپ کو کوئی تکلیف نہیں۔ آج اللہ تعالیٰ نے وہ سباب پیدا کر دئے ہیں۔ کہ بیٹھے آپ گھر بیٹھے تبلیغ کے فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ آپکو وطن۔ اہل وعیال۔ روزگار۔ اقربا کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں صرف تھوڑے سے ایثار کے ساتھ وہ کام کر سکتے ہو۔ جس کے لئے آپ کے بزرگوں نے جانیں قربان کیں۔ آج کل تبلیغ کا کام زیادہ تر تحریر اور تصنیف سے ہو سکتا ہے۔ اسلامک ریویو ہم چاہتے ہیں۔ کہ گھر گھر میں پہنچے۔ آپ ہمیں اس قابل کر دیں۔ کہ ہم ہزار در ہزار کا پیاں مفت مغربی ممالک میں تقسیم کریں۔ آپ کے ایک پانچ روپیہ بھیجنے سے آپکی جگہ ایک رسالہ کسی کو مفت جا سکتا ہے۔ اگر آپ اسلامک ریویو یا اس کے ترجمہ کی خریداری بڑھانے میں کوشش کریں۔ تو اس اسلامی مشن کے بہت سے کام آسانی سے طے ہو سکتے ہیں۔ میں نے چند ماہ ہوئے۔ کہ دس ہزار اردو رسالہ کے اور چار ہزار انگریزی رسالہ کے خریدار طلب کئے۔ انگریزی رسالہ کی سالانہ قیمت سات روپیہ اور اردو کی صرف تین روپیہ ہے لیکن اس وقت تک اس مطالبہ کا بمشکل ⅕ حصہ پورا ہوا۔ اگر یہی تعداد پوری کر دو۔ تو یہ مشن آسانی سے چل نکلیگا۔ اس رسالہ کا منافع مشن پر ہی خرچ ہوگا۔ پھر ہم مختلف قسم کی تصانیف اسلامی مضامین پر شایع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب اخراجات چاہتے ہیں پھر ہمارا ووکنگ میں لنگر خانہ ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ نومسلم یا مستفسران اسلام ہمنے

ہیں۔ اور ہمارے ہاں مہمان ٹھہرتے ہیں۔ اس سے اُنکو اسلام کے متعلق دریافت کرنے اور عملی مسلم زندگی دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ آپ کسی بے غرض اور بے لگاؤ عالم دین سے دریافت کریں۔ وہ آپ کو یہی بتلا دیگا۔ کہ صدقات اور خیرات و زکوٰۃ کا اولین مصرف یہ کام ہیں جسکی طرف میں آپ کو بلاتا ہوں مجھے یہاں کوئی تعلق نہیں روک رہا اور نہ جنگ میرے مانع ہے۔ یہ کام کا وقت ہے۔ حضرت مولوی صدرالدین صاحب یکہ و تنہا ہیں۔ ان کی کوشش محتاج امداد ہے۔ اُن کی مدد کے لئے کسی کو جانا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ خود بھی جاؤں اور کسی کو بھی ہمراہ لے جاؤں۔ کم از کم ایک پانچ سال کے لئے اگر ہم مالی وقتوں سے آزاد ہو کر کام کریں۔ تو دیکھ لینا۔ کہ خدا کے فضل کس طرح اُمنڈ آتے ہیں۔ میں ذیل کے اشعار آج آپ کو وہ کہتا ہوں۔ جو اس صدی کے مجدد میرے آقا و مرشد نے مجھے اور میرے دوستوں کو چند برس پہلے فرمائے۔ نظم

بکوشید اے جوانان تا بدین قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

اگر یاراں کنون بر غربتِ اسلام رحم آرید
باصحاب نبی نزد خدا نسبت شود پیدا

بجنبید انپئے کوشش کہ از درگاہ ربانی
ز بہر ناصران دین حق نصرت شود پیدا

اگر امروز فکر عزت دین در شما جوشد
شما را نیز و اللہ رتبت و عزت شود پیدا

اگر دست عطا در نصرتِ اسلام بکشائید
ہم از بہر شما ناگہ ید قدرت شود پیدا

دو روز عمر خود در کار دیں کوشید اے یاراں
کہ آخر ساعت رحلت بصد حسرت شود پیدا

امید دین روان گردان ! امید تو روان گردد
ز صد نومیدی و یاس و الم رحمت شود پیدا

در انصار نبی بنگر کہ چوں شد کار تا دانی
کہ از تائید دین سرچشمہ دولت شود پیدا

ہمی بینم کہ داد ار و قدیر و پاک می خواہد
کہ باز آں قوتِ اسلام و آں شوکت شود پیدا

	بنفت این اجر نصرت راد ہندت ای اخی ورنہ قضای آسمان است این بہر حالت شود پیدا	
کریما! صد کرم کن بر کسی کو ناصر دین است چناں خوشدار اورا ای خدای قادر مطلق		بلای او بگردان گر گہ آفت شود پیدا کہ در ہر کار و بار و حال او جنت شود پیدا
	دریغ و درد! قوم من ندائے من ہمی شنوند ز ہر در می دہم پندش مگر عبرت شود پیدا	

مورخہ ۱۰- جولائی ۱۹۱۵ء

کوٹھی شہزادہ بخارا - ایبٹ آباد

خواجہ کمال الدین

اڈیٹر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام

لاہور - نولکھا

ہونے کی کتاب انشاء اللہ ان احساسات مذہبی کو حلیط کرکے کامل ایمانیات میں بدل دیگی جو اسوقت مسلم تعلیمیافتہ جماعت میں پیدا ہو رہے ہیں چونکہ کل اہل مذاہب اپنی اپنی کتاب کو عالمگیر الہام قرار دیکر دوسری کتب کو مجموعہ اباطیل ظاہر کرتے ہیں لیکن مصنف براہین نیرہ نے کل کتب مقدسہ کو جنہیں اپنے وقت کی الہامی کتاب تسلیم کرکے ان سب کے مقابل قرآن [illegible] کتاب [illegible] گئی ہے اسلئے تحت بحث وید مقدس کو [illegible] میں بتایا گیا [illegible] کتب سے جو [illegible] ثابت کیا گیا ہے [illegible] پر بحث کی گئی ہے کہ مذہب یا الہام کی اصلی غرض [illegible] قرآن صرف تہذیب تمدن انسانی ہے اور ایک عالمگیر الہام کیلئے ضروری ہے کہ اسکی تعلیمات مختلف طبقات انسانی کو مختلف مدارج تہذیب کے موزون حال ہو اس امر کا لحاظ قرآن کریم کے سوا کسی اور کتاب نے نہیں کیا جو تہذیب تمدن کی حقیقت ماہیت ان کے بنیادی اصول ان کے حصول کے ذرائع اور قوانین پر ایک محققانہ اور حکیمانہ بحث کیگئی ہے اور دکھلایا گیا ہے کہ موجودہ تہذیب وتمدن کے قواعد کس طرح اور کہاں تک قرآنی تعلیم کے زیر اثر ہیں الغرض اس کتاب کی خوبی فہرست مضامین سے معلوم ہو سکتی ہے جو ذیل میں دیجاتی ہیں اس کتاب سے کوئی مسلم گھر خالی نہیں ہونا چاہیے ؞

المشتہر۔ مینیجر رسالہ اشاعت اسلام۔ عزیز منزل لاہور

فہرست مضامین براہین نیرہ حصہ اوّل

عالمگیر نہیں کیا۔ قرآن کی عالمگیر اشاعت۔ نزول قرآن کا وقت اسکی عالمگیری پر دلیل ہے۔ قرآن کریم کل کتب قدیمہ کا قائمقام ہے۔ قدیمی کتاب اور نئی ضروریات مختلف طبقات عالم کے مطابق حال قرآن کی تعلیم۔ عالمگیر الہام میں عالمگیر تہذیب ہونی چاہئے۔ آریہ سماجیک لٹریچر کی طرز محتاج تبدیلی ہے۔ گذشتہ کتب کیوں عالمگیر نہیں۔ اعلیٰ تہذیب کے مدعی ابھی تک ادنیٰ منازل تہذیب تعلیم کردہ قرآن سے معرا ہیں۔ فرقہ پوزی ٹوانسم اور ضروریات الہام۔ ماکولات۔ مشروبات اور جسمانی طہارت کے صحیح اصول تک بھی انسان الہام کے سوا نہ سمجھ سکا۔ انسداد شراب اور ضرورت قرآن۔ ذبیحہ کی ضرورت۔ غیر ذبیحہ کیوں حرام کیا گیا۔ ذبیحہ کی تعریف۔ غسل جنابت۔ موچھوں کا اسلامی طرز پر کاٹنا۔ کسی قوم کی دعائیں اسکی تہذیب کا ایک عمدہ معیار ہیں۔ ویدکی دعائیں عقل اور مذہب دونو خداداد عطیہ ہیں۔ اس لئے ان میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ زمانہ حال کے مطابق ناطق الہام کی خصوصیات۔ وید یا دیگر کتب کن وجوہ پر عالمگیر الہام کہلا سکتے ہیں۔ انجیل مسلمۃً ناقص ہے۔ قرآن کے نزول کا وقت ہی کامل کتاب کے نزول کا وقت ہے۔ خاتم اور کامل کتاب کی ایک خاص شرط۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کل عقاید مذاہب باطلہ کی تردید موجود ہے۔ فطرت اسی خدا کا پتہ دیتی ہے جسکی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔ رحمانیت میں رد دہریت۔ خاصیت مادہ دفع ضرورت کا نام ہے۔ رحمانیت مادہ کی حادث ہونیکی طرف اشارہ کرتی ہے۔ رحمانیت اور رد تناسخ۔ رحمانیت اور رد کفارہ۔ برہمو رحمانیت پر غور کریں۔ رحیمیت میں قیامت کا ثبوت۔ لفظ رب میں تناسخ کا رد۔ ہماری نماز عربی کے سوا کسی اور زبان میں نہیں ہوسکتی۔ حشر اجساد کی ایک عمدہ دلیل قرآن سے۔ آریہ سماج کے ساتھ فیصلہ کی ایک آسان راہ

. . . بقیہ فہرست مضامین کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ دیگر

تہذیب اور قرآن کریم کی تعلیم

تہذیب انسانی کن امور سے وابستہ ہے۔ سب سے اوّل قرآن نے حقیقت تہذ
سے دُنیا کو اطلاع دی۔ قرآن کی ابتداء اور دیگر کتب مقدسہ کی ابتداء۔ تہذیب کے
بُنیادی اصول۔ تہذیب کی غرض۔ توحید کی غرض و غایت تہذیب ہے۔ عیسویت
کے اصول اور اصول تہذیب میں تضاد۔ عیسوی مذہب کی اصل گناہ ہے نہ کفا
نہ الوہیت مسیح۔ گورُوکل کانگڑی والے اصول تہذیب مبیّنہ وید بیان کریں اسلا
کلمہ توحید کی حقیقت۔ انسان بیں مساوات اور کائنات پر انسان کی حکومت۔ توح
اور جمہوریت۔ مُدعیانِ توحید یعنی مُسلمان عملاً مشرک اور عیسائی مشرک من وجہ موح
کامل توحید سے کامل امن دُنیا میں قائم ہوگا۔ کائنات پر انسان کی حکومت اور مسا
توحید کائنات پر حکومت انسان کا راز قرآن نے کھولا۔ قرآنی توحید علمی تحقیق کی
طرف متوجہ کرتی ہے۔ موجودہ مسلمان موحد بن کر حقیقت توحید سے ناآشنا ہوگئے۔ توحید ا
تہذیب۔ مسیحی دُعا والی آسمانی بادشاہت قرآن نے قائم کی۔ انسان کی استعداد پر قدا
اور جدید فلسفہ انسانی استعداد پر۔ قدما نے انسان کو ذلیل ترین مخلوق سمجھا۔ انسانی استعدا
کے متعلق قدیمی خیال نے شرک پیدا کیا۔ اس کی ترقی کی راہیں مسدود ہوئیں جد
رائے انسانی استعداد کے متعلق۔ انسان کی ترقیات لامحدود۔ جدید رائے کا لازمی نتیج
دہریت۔ قدیم اور جدید ہر دو خیالات ناقص۔ قرآن نے صحیح علم استعداد انسانی کا دو
قرآن نے استعداد انسانی کو کامل نشوونما دینے کی راہ بتلائی۔ تہذیب کی ایک
بھاری غرض استعداد انسانی کا نشوونما ہے۔

اشاعت اسلام کالج لاہور

اسلام کی بیکسی کی اس سے بڑھکر اور کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں اور بہت سے کاموں کا فکر کرنے والے پیدا ہو گئے لیکن اگر نہیں ملتے تو وہ لوگ نہیں ملتے جو اشاعت اسلام کے مقدس کام کو سر انجام دے سکیں۔ ہندوستان میں مذاہب کا ایک زبردست دنگل قایم ہے اور اس دنگل میں ہر مذہب کے پہلوان اس وسیع جزیرہ نما کے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کام کرتے نظر آتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایسے واعظین جو صرف خدمتِ دین کیلئے وقف ہوں اور مقابلہ مذاہب میں ہر قسم کے ہتھیاروں سے پورے طور پر مسلح ہوں ابھی تک نادر ہیں اور نہ ہی آئندہ ایسے واعظین کے تیار کرنیکا کوئی سامان نظر آتا ہے۔ اس اہم ضرورت کو پورا کرنیکے لئے جسپر درحقیقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال موقوف ہے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ایک اشاعت اسلام کالج لاہور میں کھولا ہے جسمیں اسلام کے لئے مبلغین تیار کیے جاتے ہیں۔ اسکو کھلے ہوئے قریباً دس ماہ ہو چکے ہیں اور قریباً دس طالبعلم اسکے اندر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن کے اخراجات کی متکفل بھی انجمن ہے۔ جیسے جیسے اس کالج سے مبلغین تیار ہو کر نکلیں گے مختلف مقامات پر انکے لئے مرکز مقرر کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام باقاعدہ ہاتھ میں لیا جائیگا علاوہ اس کالج کے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مذاہب غیر کی تردید کے لئے ٹریکٹ اور رسالے بھی تیار کروا رہی ہے۔ اور پانچ چھ نومسلم بھی اِس وقت اس کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔

ان اخراجات کیلئے ہم جملہ اہل اسلام کو اور بالخصوص ان کو جو اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کے لئے درد رکھتے ہیں۔ توجہ دلاتے ہیں کہ وُہ اپنے مالوں کا ایک حصہ اس راہ میں خرچ کر کے عنداللہ ماجور ہوں عطیوں کے علاوہ بالخصوص مستقل امداد کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ اسوقت اشاعت اسلام سے بڑھ کر کوئی نیک مقصد نہیں جسپر ایسا روپیہ صرف ہو سکتا ہو روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیجا جاوے۔ ہر ایک قسم کی باضابطہ رسید جاری ہوتی ہے۔ اور انجمن ہذا رجسٹرڈ انجمن ہے

المشتہر ڈاکٹر یعقوب بیگ آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ضروری اطلاع:۔ رسالہ نہیب چکا تھا تو ہمیں سے صفحہ ۳۶۵ سے لیکر ۳۷۶ تک ایک خاص وجہ پر انکا لدینا پڑا لہٰذا ناظرین صفحہ ۳۷۶ کو ۳۶۵ سمجھیں اور اس ترتیب سے باقی صفحے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدّین (بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی) و مولوی صدر الدّین (بی۔اے۔بی۔ٹی)

جلد (۱)	بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء	نمبر (۹)

فہرست مضامین

ماخوذ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اگست ۱۹۱۵ء

قیمت سالانہ تین روپے

وی پی وصول کنندگان احباب مور ذیل پر توجّہ فرمائیں

یوں تو وی پی ہمیشہ فرمائش پر ہی جاری ہوتا ہے۔ لیکن وصولی پر جو کوپن ہیں ڈاکخانہ سے واپس ملتا ہے۔ وہ بعض وقت محفوظ نہیں ہوتا۔ اس لیئے وی کنندہ کا پتہ ٹھیک نہ پڑھا جانے پر آیندہ رسالہ جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس پہلی فرمائش تو ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے وی پی میں سے خاص تعین مشکل ہوتی ہے۔ اس لیئے التماس ہے کہ ہر صاحب وی پی وصول کنندہ وی پی پیکٹ کی وصولی پر از سرنو ایک کارڈ پر اپنا پتہ خوشخط بھیجدیں۔ اور وصولی پیکٹ کا حوالہ دیں۔

پتہ ملنے کا

مینیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس۔ عزیز منزل۔ لاہور

ضروری اطلاع

(۱) اگست نمبر میں سے صفحات ۳۶۵ سے لیکر ۳۷۶ تک ایک خاص وجہ پر نکال دینے پڑے۔ لہذا ناظرین اگست نمبر میں صفحہ ۳۷۷ کو ۳۶۵ سمجھیں اور اسی ترتیب سے باقی صفحات درست فرمالیں۔

(۲) خط و کتابت کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ دیں۔

(۳) جن احباب کی جلد ۱۹۱۵ء میں کسی نمبر کی کمی ہو فوراً مینیجر سے طلب فرمائیں۔

(۴) بعض احباب کے پتوں کی صحت کی ضرورت ہے۔ اس لیئے ناظرین کرام اس ستمبر نمبر کے لفافہ پر اپنا اپنا پتہ ملاحظہ فرماکر حسب ضرورت پتہ کی اصلاح کرکے مینیجر کو فوراً اطلاع بخشیں۔ تاکہ آئندہ ان کے رسالے بوجہ عدم صحت پتہ رائیگان نہ ہوں۔

(۵) احباب جو نئے خریدار بہم پہنچاتے ہیں براہ نوازش نئے خریداران کے پتے خوشخط اور عمدہ تحریر فرمایا کریں۔

(۶) ہر کسی کی جائز شکایت سے مینیجر رسالہ کو مطلع فرمائیں +

مینیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء نمبر (۹)

شذرات

مبارک عید الفطر اور نئین اور اصحاب حلقہ بگوش اسلام

الحمد اللہ یہ عید بھی خالی نہ گئی۔ تین سعید روحیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ اُن میں ایک فوجی افسر لفٹنٹ گفورڈ ہیں۔ آپ کا نام شیخ اسد اللہ تجویز ہوا۔ دوسرے بھائی خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ مسٹر ڈڈلے رائٹ جو ایک مشہور اخبار نویس۔ اور کسی اخبار کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ اُن کا تفصیلی حال بعد میں درج ہو گا۔ آپکا اسلامی نام محمد صادق

تجویز ہوا۔ ایک خاتون عائشہ کے نام سے موسوم کی گئی۔ ایک اور مسلم خاندان لنڈن کا حال ناظرین کرام اسی رسالہ میں ایک اور جگہ ملاحظہ فرماویں گے*

گذشتہ عید کے حالات شاید حضرت قبلہ مولوی **صدرالدین** صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے ہمیں آئندہ میل میں پہنچیں۔ لیکن ہم نے پسند نہ کیا۔ کہ ہم اپنے قارئین کرام کو دیر تک انتظار میں رکھیں۔ جو کچھ ہمیں دیگر ذرائع سے۔ اور خصوصاً انگریزی اخبارات سے اطلاع ملی ہے۔ اُس کو ہم اپنے لفظوں میں ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اس عید نے بالخصوص ہماری اس اسلامی تحریک کو چار چاند لگا دے۔ اور اس کو چار دانگ میں مشہور کر دیا۔

رسالہ اشاعت اسلام میں تصاویر کا انتظام

انگریزی اسلامک ریویو کے قریبًا ہر ایک پرچے میں نومسلم بھائی بہنوں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ہمارے بعض دوستوں کی ہمیشہ فرمائش رہی ہے۔ کہ رسالہ اشاعت اسلام جو اسلامک ریویو کا ترجمہ ہے۔ کیوں ریویو مذکور کے اس ضروری حصّہ سے خالی رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کا خاص انتظام کر لیا ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ اوّل تو ماہ اکتوبر ورنہ ماہ نومبر سے بالالتزام ہر نمبر میں یہ تصویریں نکلا کریں گے۔

عید کے موقعہ پر جو انگلش پریس نے اپنے نمائندہ فوٹوگرافر مسجد ووکنگ میں بھیجے اُس کے فوٹو نہایت ہی دلچسپ ہیں۔ اُن کی بابت مولوی صاحب کو ووکنگ لکھ دیا ہے وہ اشاعت اسلام میں درج ہو جاویں گے۔ لیکن ایسا انتظام مستقل ہونا اور یہی اخراجات کو بڑھاتا ہے۔ ہاں اگر خریداران رسالہ کی تعداد بڑھ جاوے تو کوئی مشکل نہیں*

ووکنگ میں عید الفطر

خدا کے فضل کا نظارہ۔ خدا کے کاموں کا ایک بدیہہ ثبوت اگر کسی نے دیکھنا ہوتا تو وہ جا کر ووکنگ کی گذشتہ عید الفطر کو دیکھتا۔ ووکنگ کی مسجد جو آج سے تیس۳۰ سال پہلے تعمیر ہوئی ہے۔ وُہ آج خدا کی عنایات کا جلوہ گاہ ہو رہی ہے۔ کیا بانی مسجد کے وہم وگمان میں بھی تھا۔ کہ انگلستان کے ایک گوشہ میں یہ خانہ خدا جو قریباً پچیس۲۵ سال سے زاید مقفل رہا۔ ایک دن اُس کے اندر اور باہر صحن میں تین چار صد مُسلمان ایک وقت خدا قدوس کے آگے سربسجود ہونگے۔ اور اللہ اکبر کے نعروں سے یہ زمین گوُنج اُٹھے گی سے

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری ÷ تھمتا نہیں کسی سے سیل رواں ہمارا

۱۳۔ اگست کی صبح کو ووکنگ اسٹیشن پر یکے بعد دیگرے گاڑیوں نے مُسلمانوں کو ہر طرف سے لانا شروُع کیا۔ ہندی۔ مصری۔ ایرانی۔ افریقی اور انگریز مُسلمان جمع ہونے شروع ہو گئے مسلم طلباء لنڈن کے علاوہ دیگر یُونیورسٹی ہائے سے بھی عزیز طلباء آنے شروع ہوئے۔ ہمارے صحت یافتہ مسلم سپاہی جو آج انگلستان کی خاطر میدان جنگ میں خون بہانے گئے ہوئے ہیں کوئی چالیس پچاس کے درمیان فریضہ عید کو ادا کرنے کے لئے آگئے۔ اُن کی کمان پر سٹاف سرجنٹ۔ ڈبلیو شیپرڈ۔ موجود تھے۔ ایک زخمی سپاہی بھی لکڑی ٹیکتا ٹیکتا ساتھ تھا مسلمان عمائد میں سے ہمارے آنریبل جسٹس عبدالرحیم صاحب جج ہائیکورٹ مدراس۔ مسٹر یوسف علی خاں صاحب سابق ڈپٹی کمشنر (صوبجات متحدہ) نواب عبد الکریم خاں صاحب نواب ریاست سچین۔ سیٹھ لطیفی تاجر لنڈن۔ اور دیگر عمائد تھے۔ آنریبل امیر علی صاحب سکاٹ لینڈ میں تشریف رکھتے تھے۔ اُن کی چٹھی آئی۔ کہ وُہ بہت دُور ہونے کے باعث شامل نہیں ہو سکتے۔ آنریبل مرزا عباس علی بیگ صاحب بھی لنڈن میں نہ ہونے کے باعث شامل نہ ہو سکے۔ لارڈ ہیڈلے صاحب معہ فرزندگان بھی کسی قدر دیر کے بعد تشریف لے آئے۔ پہلی گاڑی اُنھیں مل نہ سکی تھی۔ مسلم حاضرین کی تعداد جیسے کہ انگریزی اخبارات نے لکھا ہے۔ تین اور چار صد آدمیوں کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ یک صد سے اوپر

زائرین تھے۔ مسجد میں اس قدر گنجائش نہ تھی۔ کہ نماز اندر ہو سکے۔ اس لئے مسجد کے صحن میں فرش کر دیا گیا۔ اور نماز ادا ہوئی۔ موذن مسجد عبد المجید عرب اپنے عربی لباس میں تھے حضرت قبلہ مولوی صدر الدین صاحب نے نماز پڑھائی۔ جماعت پانچ صفوں میں تھی جس کی آخر صف یورپین نو مسلم خواتین کی تھی۔ ووکنگ کی عید میں اس وقت انگلستان میں ایک خاص کشش کا موجب ہو گئی ہیں۔ اس لیئے بہت سے اخباروں کے نمائندے۔ اور مختلف گرافک پرچوں کے فوٹو گرافر نامہ نگار وہاں موجود تھے۔ ہمیں جو بعض انگریزی اخبارات میں فوٹو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ جو ہمیں اس میل میں آئے ہیں۔ اس میں نہایت ہی موثر اور دلکش آخری صف نماز ان خواتین کی ہے۔ ہم نے یہ انتظام کیا ہے کہ یہ سب فوٹو آجاویں جو انشاءاللہ ہم کسی قریب کے آیندہ پرچے میں شائع کریں گے۔ الغرض نماز کے بعد حضرت مولوی صاحب نے خطبہ عید پڑھا جو بزبان انگریزی وارد و تھا۔ اردو خطبہ ان ہندوستانی مسلمان جان نثاروں کے لئے تھا۔ جو انگریزی نہ جانتے تھے۔ اس میں مولویصاحب نے ان کی جان نثاری اور وفاداری کی تعریف کی۔ اور ان کے اس اسلامی فرض پر زور دیا۔ جو ان کو برٹش تاج سے وابستہ کرتا ہے۔ خطبہ چونکہ لمبا ہو گیا تھا۔ اور یہ جمعہ کا دن بھی تھا اس لیئے حسب حدیث نبوی اس کے بعد نماز جمعہ بھی ادا کرا دی گئی۔ ان فرائض سے فراغت پانے کے بعد مسلمانوں کا آپس میں بغلگیر ہونا بھی ایک خاص اثر ناظرین پر رکھتا تھا جنکی ایک کافی تعداد اہل ووکنگ اور باہر سے اس موقعہ پر آگئی تھی۔ جو فوٹو اس موقعہ کے ہم نے دیکھے ہیں۔ ان میں بہت معانقہ کی تصاویر ہیں۔ وہاں ایک مسلم سپاہی نواب صاحب چھتاری سے بغلگیر ہوتا نظر آتا ہے۔ مسلم کمیونٹی میں اور پھر خاص کر مسجد اور عید پر ایک والئی ملک کا ایک معمولی حیثیت کے سپاہی سے بغلگیر ہونا تو ایک معمولی سے معمولی بات ہے۔ لیکن یورپ میں یہ رنگ ناظرین پر ایک خاص اثر رکھتا تھا۔ کہ کس طرح اسلام نے اپنی مساوات کا عملی رنگ مسلمانوں میں پیدا کر رکھا ہے۔

نماز کے بعد کل مسلمانوں کو کھانے کے لئے دعوت بھی گئی۔ یہ کل انتظام مسجد ووکنگ کے لنگر خانہ کی طرف سے تھا۔ ڈھائی صد سے اوپر مسلم اور غیر مسلم احباب نے کھانا کھایا بعض کا

انتظام میز کرسی پر اور بعض کا انتظام فرش پر کیا گیا۔ کھانے سے فراغت ہونے پر مسلم
مسلم پروسیشن ووکنگ کے بازاروں میں گشت کے لئے نکلا۔ اس کی ترتیب بھی خاص
طور پر تھی۔ سب سے اوّل ہمارے بلال لنڈن شیخ نور احمد صاحب تھے۔ اُن کے پیچھے
ہندوستانی سپاہی اپنے افسروں کے ساتھ باقاعدہ فوجی لباس میں تھے۔ اُس کے بعد
باقی مُسلم بھائی جن میں کل قوموں کے آدمی موجود تھے۔ اس پروسیشن میں ہندوستانی
مُسلموں کے بھڑکیلے لباس۔ اُن کی پگڑیاں۔ اُن کے زرین چغے۔ مختلف قسم کی جوتیاں
الغرض یہ ایک خاص کیفیت ووکنگ کے ساکنین کے لئے پیدا کر رہی تھی۔ ہم اہل ووکنگ
کے ہر طرح اور ہمیشہ ہی ممنون رہے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اُن سے کبھی کوئی بھی اذیت
ہمیں پہنچے۔ وہ ہمیشہ ہمارے آرام کے معاون و مددگار رہے ہیں۔ یہ پروسیشن سب سے
پہلے مسلم قبرستان میں گیا۔ جہاں سب نے متوفیان کی رُوح کے لئے فاتحہ اور دعاءِ خیر کی
اُس کے بعد شہر کے مختلف بازاروں سے ہوتا ہوا ریلوے اسٹیشن کے پاس سے ہمارے دوست
مسجد میں پہنچے۔ یہ چار کا وقت تھا۔ چار کے اور نماز عصر کے بعد یہ جلسہ عید بخیر و خوبی ختم
ہُوا۔ اور مہمان خوشی خوشی گھر گئے۔ ان مہمانوں کی تواضع اور خاطر داری میں ہمارے نومسلم
انگریز بھائی بھنوں نے اور بعض مسلم طلباء نے خاص حصّہ لیا۔ کھانا ہندوستانی طرز کا
تھا۔ ذیل میں ہم لنڈن کے مشہور اخبار ڈیلی گرافک کے نوٹ کا لفظی ترجمہ دیتے ہیں
جو ۱۴۔ اگست کے پرچے میں چھپا +

عیدُ الفطر

مُسلمانوں کا تیوہار ووکنگ میں

ہندوستانی اور جنگ

(از ڈیلی گرافک لنڈن۔ مورخہ ۱۴۔ اگست ۱۹۱۵ء)

کل ووکنگ نے ایک خاص منظر دکھلایا۔ جو ہر رنگ میں مشرقی تھا۔ جبکہ مسلم باشندگان

... ستان عید الفطر کے منانے کے لیئے وہاں جمع ہوئے۔ عید الفطر ماہ رمضان کے خاتمہ پر ہوتی ہے۔ کوئی تین اور چار صد کے درمیان نو مسلم موجود تھے۔ اور ایک صد کے قریب غیر مسلم وزیٹر بھی موجود تھے۔ یہ دن دسویں اسلامی مہینے شوال کا پہلا اور رمضان کا آخر ہوتا ہے۔ رمضان میں مسلمان طلوع آفتاب سے غروب تک روزہ رکھتے ہیں جبکہ ہر قسم کی خورش نوش منع ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ تماکو پینے سے بھی پرہیز ہوتا ہے۔

اس نظارہ کے دیکھنے والوں کی زیادہ دلچسپی کا موجب پچاس کے قریب مسلم سپاہی تھے۔ جو اپنے خاکی فوجی لباس میں وہاں تھے۔ اُن کی کمان پر شاف سرجنٹ میجر ڈبلیو شیپرڈ اور دفعدار علاؤ الدین اور ایک جمعدار تھا۔ ایک زخمی ہندوستانی سپاہی بھی چھڑی کے سہارے وہاں آیا۔ جس پر حاضرین نے چیرز دیئے۔

چونکہ حاضرین کے لیئے مسجد مکتفی نہ تھی۔ اس لیئے مسجد کے مقابل کے میدان میں (جو مسجد کا ہی حصّہ ہے) نماز شروع ہوئی۔ مسلم سپاہیوں نے اپنی فوجی وردیاں اُتار دیں اور نہایت ہی خوبصورت سفید لباس پہنا۔ وردی اتارنے کا موجب یہ تھا۔ کہ وردیوں پر دھبے اور داغ تھے۔ اور نماز کے لیئے وہ کپڑے ناپاک تھے۔ امام مسجد مولوی صدرالدین صاحب نے امامت کرائی۔ اُس کے پیچھے ہر ایک نماز پڑھنے والا ہر سجدہ و رکوع میں اُن کی اقتدا کرتا تھا نمازیوں نے اپنے بوٹ اُتار دیئے تھے۔ اور فرش پر جو قالین وغیرہ تھا سر سجود ہو رہے تھے۔

ہندوستانیوں کی وفاداری

نماز کے خاتمہ پر مولوی صاحب نے سب سے پہلے انگریز نو مسلموں کو مخاطب کیا۔ اس میں اُنھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ عید کُل اسلامی دُنیا میں منائی جا رہی ہے۔ اس تقریر کے بعد مولویصاحب مذکور نے ہندوستانی سپاہیوں کو مخاطب کیا۔ یہ خطاب ہندوستانی زبان میں تھا۔ مولویصاحب مذکور نے اُن سپاہیوں کو بتلایا اور اس امر پر زور دیا۔ کہ جس جنگ میں وہ شریک ہیں وُہ صحیح اصُول پر جنگ ہے۔ اور اُن کا فرض ہے کہ وہ نازک

سے نازک وقت پر آگ میں بھی اس امر کا لحاظ کریں۔

عورتیں اور بچے۔ (جن میں سے اکثروں کے سروں پر رُومی ٹوپیاں تھیں) بھی نماز میں شریک ہوئے۔ جس سے فارغ ہو کر ہر ایک نے اپنے ساتھ والے سے نہایت محبت آمیز معانقہ کیا۔ اور ہر طرف سے السلام علیکم اور اُس کے جواب میں وعلیکم السلام سُنائی دے رہا تھا۔ لنچ اس کے بعد ہوا۔ جس میں سینوئیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور جو اس موقعہ پر لازمی طور سے کھائی جاتی ہیں +

ایک اور نومسلم اور ایک بلند طبقہ کا گھرانہ

اور ان کا اسلام

مبارک! مبارک!! مبارک!!!

پہلا جمعہ لنڈن کے نئے مکان میں جو پندرہ سو روپیہ سالانہ کرایہ پر لیا گیا ہے بڑا مبارک ہوا۔ ایک شخص نے عین خطبہ کے درمیان اعلان اسلام کیا۔ نماز کے بعد ایک خبر بذریعہ انڈیا آفس آئی۔ کہ سیجر لیگ کے ہاں ان کی بیوی کی دادی فوت ہو گئی ہیں۔ اور وہ مسلمان تھیں۔ ان کی پوتی بیتاب ہیں۔ کہ آیا انگلستان میں کوئی مسلمان میسر آسکتا ہے۔ جو جنازہ وغیرہ کا انتظام کر دے۔ ہم نے اُن کو امام انگلستان کی بابت اطلاع دے دی ہے۔ اور وہ آج آپ کی انتظار میں ہیں۔ بغیر کھانا کھائے میں خوشی کی وجہ سے اس طرف بعد از نماز چل دیا۔ وہاں جا کر عجب مسرت حاصل ہوئی۔ ایک نہایت ہی شان دار مکان کے اندر گیا۔ جہاں ایک نہایت ہی شان دار خاتون بیٹھی تھیں۔ میں نے

یہ فرض کر کے۔ کہ دادی کا رنگ پوتی پر بھی ضرور ہوگا۔ بجائے انگریزی سلام کے السلام علیکم کہا۔ اُنھوں نے اُسی لہجہ سے وعلیکم السلام کہا۔ گویا ان کے ہاں رواج ہی اس سلام کا ہے۔ اُن کو دادی صاحبہ کے فوت ہونے سے بڑا درد تھا۔ کہا کہ بے نظیر نیک مسلم خاتون تھیں۔ مجھے اُن سے عشق تھا۔ آؤ اُن کی زیارت کراؤں۔ دُوسرے کمرے میں لے گئیں وہاں اس پاک صورت کو آرام میں لیٹے ہوئے دیکھا۔ اُن کے لیے دُعا کی۔ وہاں جا کر اُن کے ایمان کی کیفیت نظر آئی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ اُن کی چھاتی پر قرآن کریم رکھا ہے اور قرآن کریم پر اُن کے ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ یہ عجب اخلاص و ایمان کا نقشہ دیکھا۔ ہاں! قرآن کریم کی خوبصورتی دیکھ کر بھی بڑی خوشی ہوئی۔ وُہ قرآن کریم اس قیمت کا ہے۔ کہ شاہان مغلیہ کے سوا نہیں مل سکتا۔ جلد اور صفحات سب کے سب نہایت ہی قیمتی ہیں۔ اور سُنہری اور دُوسرے طرز کے کام کی خوبصورتی بے نظیر ہے۔ یہ بھی اُن کے ایمان اور اُن کی حیثیت کی دلیل تھی۔

کہا۔ کہ یہ قرآن کریم اُن کے ساتھ دفن کروں گی۔ میں نے پسند نہ کیا۔ کہ ایسی خوبصورت اور ایسی قیمتی چیز مدفون ہو جائے۔ اس کے عوض میں نے اُن کو ایک قرآن کریم دیا ہے کہ ساتھ دفن کر دیں مجھے اس کاپی کے بچانے میں خود غرضی تو بالکل نہیں تھی۔ اس لیے میں نے اُن کو ساتھ یہ بھی کہہ دیا۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ کے خاندان میں یہ تحفہ بطور وراثت چلا جائے۔ اب اُنھوں نے اُسے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ تھی اُن کی محبت اپنی دادی صاحبہ کے لیے۔ اُن کی وفا۔ اُن کی محبت اور عشق پر بھی طبیعت قربان ہو گئی۔ ظاہری حسن بھی اُنکو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑا دیا ہے۔ لیکن باطنی خوبصورتی سے بھی بڑا حصہ پایا ہے۔ عورت ہو یا مرد ہو۔ اگر اُس میں اخلاص اور وفا ہو تو وہ وجود دُنیا کے لیے بڑا قیمتی وجود ثابت ہوتا ہے پھر اپنا شاندار مکان دکھایا۔ بڑا آراستہ پیراستہ تھا۔ پر مجھے خوش کرنے والی اور میرے دل میں انبساط کی لہریں اُٹھانے والی چیزیں۔ ان کے اعلےٰ درجے کے عربی قطعات تھے۔ جو مکان کی دیواروں کو مزین کر رہے تھے۔ اور اُن کے ایمان اور اخلاص پر شاہد تھے۔ اور آپ سمجھ سکتے ہیں یہ خوشی کتنی بڑھ جاتی ہے۔ جب کہ یہ خیال کیا جائے۔ کہ یہ اسلامی

مکان انگلستان میں موجود ہے۔ ایک قطعہ یہ تھا۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقت لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین یہ قطعہ لکڑی کے تختہ پر اس طرح سے کندہ کیا ہوا تھا۔ کہ لکڑی کے حرُوف بڑے نستعلیق خط میں بجائے گہرا ہونے کے اُبھرے ہوئے تھے۔

جہاں وہ خاتون بڑی ہمت اور مردانہ شوکت رکھتی ہیں۔ وہاں محبت سے بھرا ہوا دل اور اخلاق بھی اعلےٰ درجہ کے رکھتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں خاطر و تواضع سے مجھے گرویدہ کر لیا۔ اور بڑا اکرام اور عزت کی۔ پھر دیر تک بٹھا رکھا۔ اپنی اور اپنے کنبہ کے اسلام کی داستانیں سنائیں۔ کہا میرے دادا بھی مسلمان تھے۔ ان کا نام احمد فیرس تھا۔ اور میرے باپ مسلمان تھے۔ اور وہ فرانس میں کانسل تھے۔ اپنے خاوند کو مینے مسلمان کیا۔ پیشتر اسکے کہ اُن سے نکاح کرتی وہ اس وقت میجر ہیں۔ جزیرہ مالٹا میں ہیں۔ اُن کا نام بھی مینے خود رکھا۔ اُن کا نام نور جمال الدین ہے۔ میرے بچے سب مسلمان ہیں۔ مَیں نے کہا اُنھیں بلائیے۔ وُہ آئے اور مجھے آکر لپٹ گئے۔ ایک کا نام احمد ہے۔ لڑکی کا نام صفیہ ہے تیسرے بچے کا نام سلیم ہے اور چوتھے بچے کا نام ابھی نہیں رکھا۔ یہ تمام باتیں انتہا درجہ کی راحت افزا تھیں۔ اُن کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی۔ کہ اسلامی جنازے کا سامان ہو سکتا ہے۔ اور یہاں ایک کیا بہت مسلمان انگریز مرد اور خواتین موجود ہیں۔ اُنھوں نے اپنے خاوند میجر لیک نور جمال الدین صاحب کو تار دیا۔ وہ پرسوں پہنچے۔ کل قبر کی زمین دیکھنے کے لیئے مقام بروکوڈ جانا ہے تھے مجھے تار دیا۔ کہ ہم وہاں جارہے ہیں۔ آپ ملیں خیر میں نے اُن کو ووکنگ میں اُتار لیا۔ وہ مسجد میں آئے۔ خانہ خدا کو دیکھ کر ان کو بڑی خوشی ہوئی۔ گھر میں تشریف لائے۔ چا، وغیرہ نوش کی۔ یہ دوسری ملاقات تھی۔ لیکن اُن کے اخلاق ایسا ظاہر کرتے ہیں۔ کہ گویا مدتوں کا تعلق ہے۔ اب بڑے زور سے میاں اور بیوی کی درخواست ہے۔ کہ جب کبھی میں لنڈن جاؤں۔ کھانا اُن کے ہاں کھاؤں اُن کے ہاں آرام کروں۔ ان کو معلوم ہے پرسوں جمعہ کا دن ہے۔ پہلے سے دعوت دے رکھی ہے

چوتھا تاون فوت ہو چکی ہیں۔ اُنھوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ نامکمل چھوڑ کر فوت ہو گئیں اُن کے خاوند احمد فیری نے بھی لکھی تھی۔ یہ کتابیں غالباً مجھے مل جائیں گی۔ یا اُنھیں کو زور دُوں گا۔ کہ شائع کرو۔ والسلام (صدرالدین)

اشاعت اسلام

حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب کے منقولہ بالا خط کو پڑھ کر دل یک لخت تشکر و امتنان سے بھر گیا۔ اور حضرت خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار نے اِس قلبی کیفیت کا اظہار کرنے میں تھوڑی بہت مدد کی + منیجر

نظم

مے سزد گر جاں شود در راہ تو اے جاں نثار
این چہ افضال است این چہ احساں این چہ الطاف عمیم
للّٰہ الحمد آمدہ ابرِ کرم یک دم بہ جوش
وقت آمد در خیاباں خیمہ ہائے خود زند نسیم
مُدّتے شد خشک شد نخلے کہ تثلیث است نام
ہاں ہزبران عرب خیزید۔ از خواب گراں

این چہ یکجان است قربانت اگر باشد ہزار
حیرتم مارا چہ دیدی درمن اُفتادہ کار
مے وزد بادِ محبت از یمین و از یسار
نغمۂ توحید بسرائید شد وقت بہار
نخلِ بُستانِ حجازی آورد صد برگ و بار
بہر صیدِ ماغزالانِ فرنگی صد ہزار۔

نصرتِ ما منحصر بر اتفاقِ قومِ ما
تا بکے این خانہ جنگی این فساد و این نفار

یسوع

الوہیت اور انسانیت کا ایک نمونہ

(لا الہ الا اللہ)

از خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (لنڈن)*

"میرے حضور تیرے لئے دُوسرا خدا نہ ہووے" (خروج ۲۰/۳) یہ ارشاد خدا اسرائیل نے موسےٰ کو فرمایا۔ اور جس قدر حکم ربّی تاکیدی تھا۔ اِس کی تعظیم اس کی تعمیل کی بجائے اُس کی خلاف ورزی میں کی گئی۔ خدائے تعالےٰ کی طرف سے بُت پرستی کے خلاف بار بار تہدید ہوتی رہی۔ لیکن اسرائیل کے گھرانے نے "بیگانے الہوں کا پیچھا کیا اور اُن کی بندگی کی اور سجدہ کیا" وہ "غیور خدا" کے قہر وغضب کی تو برداشت رکھتے تھے۔ لیکن تراشی ہوئی مورت کا چھوڑنا۔ اُن کے لئے دشوار تھا۔ مگر اسرائیل ہی بنی نوع میں کا بدترین نہ تھا۔ دُنیا کے مختلف حصص میں جہاں کہیں انسان تھے اُنھیں اپنی آتما کنتی اور اپنی رُوحانی ترقی۔ اپنے ہاتھ کی بنائی مورتوں کے آگے سر جھکانے میں ہی نظر آئی۔ ہندی۔ مصری۔ ایرانی۔ سریانی۔ رومی۔ یونانی ان سب نے نوبت بنوبت مختلف علوم و فنوں میں ترقی کی۔ لیکن خدائے واحد کی پرستش کی۔ حقیقت جو چار ہزار برس ہوئے کوہ سینا پر تلقین کی گئی تھی۔ اور جس کی گونج پھر کوہ زیتون پر سنائی دی گئی۔ اُن کے فہم سے بالا ہی رہی۔ مسیحی کلیسیا بھی مُدت تک ابتدا میں اپنے گلہ کو قدیم عادت بُت پرستی سے بچا نہ سکا۔ رومی۔ یونانی افسانے کلیسیا میں آگھسے۔ اور پرانے دیوی دیوتاؤں نے رومن کیتھولک طریق تقدیس کے ذریعہ بہ تبدیلی نام و مقام کلیسیا میں مقدس جگہ

* حضرت خلیفۃ المسیح نے اس مضمون کو پڑھ کر یہ تحریر فرمایا "میں نے اسے غور سے پڑھا پسند کیا۔ خواجہ کیلئے دعا کی" والسلام

حاصل کر لی۔ شرک بہرحال ایک نہ ایک رنگ میں انسانی طبائع پر غالب رہا۔ حتیٰ کہ جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے۔ جن کے ہاتھ سے عرب میں شرک نے ہمیشہ کی موت دیکھی۔ ماسوا اللہ کی پرستش ایسی مری کہ پھر نہ اُٹھی۔ اور خدا کے آخری کلام نے توحید کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا۔ کہ آج مشرکانہ فطرت والے بھی توحید کے آگے مجبوراً سر جھکاتے ہیں۔ ہاں اس کی خلاف ورزی میں جو اُن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس کے لیئے انھیں ہر وقت ایک نہ ایک توجیہ کی ضرورت رہتی ہے۔

مضمون زیر قلم کے دائرہ سے میں نے اس سوال کو باہر رکھا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں الوہیت مسیح کا کیا مفہوم تھا اور پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ کس طرح وہ مفہوم بدلتا گیا۔ یہاں اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ موجودہ طبائع نے مسیحی دنیا میں پرانے مسائل سب ترک کر رکھے ہیں۔ اور آج کل کے دل و دماغ ایک سے زیادہ خدا ماننے سے اب بہت ارفع ہیں۔ بلکہ فی زمانا عیسائیوں کے متعلق یہ کہہ دینا۔ کہ وہ قدیمی عیسائیوں کی طرح تین خدا مانتے ہیں خود ایک قسم کی ناواقفیت اُس عقیدہ سے ظاہر کرنی ہے۔ جو انھوں نے موجودہ علم الٰہیات مغربی کے ماتحت قائم کر رکھا ہے۔ وہ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی ایک خدا اور صرف ایک ہی خدا کے قائل ہیں۔ ہاں خدا اور مسیح اُسی خدا واحد کے مظہر ہیں۔

بیشک یہ امر تو محالات سے ہے۔ کہ محدود احساس کا انسان۔ لامحدود ذات کو سمجھ سکے۔ انسان کی اپنی کوشش کا انتہا تو یہی ہے۔ کہ وہ ایک طاقت کا قائل ہو اور سمجھ لے کہ ایک لامحدود ابدی طاقت ان تمام اشیائے عالم کا ماخذ ہے۔ اور اس امر سے نہ تو سائنس کو اور نہ کسی متشکک طبع کو کبھی انکار رہا ہے۔ خود حکیم ہربرٹ سپنسر کا قول ہے کہ "ہم اسباب و علل کی تلاش میں جب تک مسئلہ علت اولےٰ کے قائل نہ ہوں۔ ہم کسی نکتہ پر قائم نہیں ہو سکتے۔ اور فی الحقیقت علت اولےٰ کے ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ لہٰذا ہم کو مجبوراً اُسے لامحدود اور ابدی ماننا پڑتا ہے" لیکن کیا اس علت اولیٰ کا علم ہونا محالات سے ہے؟ کیا اُس کے تمام کام میں حکمت، علم اور ترتیب نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کیا اس علت اولےٰ کے لیئے یہ امر غیر اغلب ہے۔ کہ وہ اپنے

بعض صفات وحالات کا علم اپنی مخلوقات کو دے۔ جو علم وہ مخلوق از خود حاصل نہیں کر سکتی۔ اور کیا ایسا ہونا محال ہے" اس کے برعکس قیاس کرنا" جیسے کہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے" نہ صرف حکمت سے ہی دور ہے بلکہ بیہودہ بھی ہے" وہ کہتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ٹھنڈے اور تعصب سے پاک دل کے ساتھ اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام اندرونی اطوار کو دیکھے کہ جن پر عیسائیوں کے اس عقیدہ کا مدار ہے۔ کہ اس عظیم علت العلل اور باعث اولے نے یسوع مسیح میں اپنے اخلاق کا اظہار کیا۔ اور اُس کے ذریعہ وہ بنی نوع کے ساتھ ہمکلام ہوا" اگر انسان صرف مادہ کا مادی مجموعہ نہیں بلکہ اس میں ذہنی اور اخلاقی قوتے بھی ہیں۔ اور اگر انسانی اخلاق اُسی خدا کے اخلاق ہیں۔ کہ جس کی وہ تصویر ہے۔ تو کیا یہ دل پسند امر نہیں۔ کہ انسان کی پیروی اور تقلید کے لیے بطور نمونہ خدا خود انسان میں ظاہر ہو۔ جس کی اتباع میں ہمارے کل اخلاقی قوتے اکمل طور نشوونما پالیں۔

جب مسیح کی ذات یکتا کو دیکھا جاوے۔ اُس کی معصوم اور گناہ سے پاک زندگی پر نگاہ ڈالی جاوے۔ اُس کا موت کے بعد جی اٹھنا۔ اُس کے معجزات وغیرہ وغیرہ۔ یہ مُو بقول عیسائی صاحبان ایسی صفات الٰہیہ ہیں۔ جو مقدس کنواری کے مبارک فرزند میں ظاہر ہوئے ہیں یہ چند باتیں۔ عیسائی صاحبان آج کل الوہیت مسیح کی توجیہ میں بیان کیا کرتے ہیں۔ نہ تو میں ان مذکورہ بالا مقدمات کی صحت پر کچھ کہنے کی ضرورت سمجھتا ہوں اور نہ اُن صحائف کی اصلیت کے متعلق کوئی جرح کرنی ضروری ہے۔ کہ جو امور بالا ماخذ ہیں ان تمام موجبات کو جس طرح پر پیش کیے گئے ہیں سر دست تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا اِن مسلمات سے وہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو نکالے گئے ہیں۔ یہ ایک سوال ہے کہ جس کا جواب اثبات میں دینے کے لیے مجھے تامل ہے اور میں طیار نہیں۔

پیغمبر ناصری کے معجزات یا اُس کی تعلیم یا اُس کی معصوم زندگی۔ یا اُس کے اپنے مُنھ بولے جلالی مقتدرانہ الفاظ۔ جو بناء الوہیت سمجھے گئے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق

مَیں بعد میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ علاوہ ازیں اِن وجُوہ کی بنیاد پر مسیح بے عدیل اور یکتا نہیں ہو سکتا۔ دُنیا کی تاریخ نے بہتیرے عظیم الشان انسان دیکھ چھوڑے ہیں جو ان وجوہ پر اگر یہ کافی ہوں تو مسیح کے ساتھ ساتھ مُدعی الوہیّت ہو سکتے ہیں۔ میں سردست سب سے پہلی دلیل پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور دلائل کے مقابل یہ دلیل مجھے زیادہ دل پسند ہے۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ بظاہر دیکھنے کو یہ یقین دلاتی نظر بھی آتی ہے۔

کیا مسیح صفات الٰہیہ کا مظہر ہے؟ اگر اپنے صفات کاملہ اور اپنے جلال کے ظہوُر کے لیٔے خدا کو یہی پسند ہو۔ کہ وُہ انسانی پیدائش لے۔ اور اِس قدر نیچے بھی اُتر آئے۔ کہ اور انسانوں کی طرح کھانے اور پیئے اور پھر اس اکل و نوش کے نتائج بھی بھگتے۔ تو پھر یہ امر بھی قابل توجیہہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُس میں معمُولی انسانوں کی سی معمُولی نقص اور کمزوریاں بھی ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس قدر تو غیر معقول پسند نہ ہونا چاہیئے۔ کہ میں عورت کے رحم سے نکلے ہوئے، خدا سے اُن صفات بے ہمتا۔ اور اُن فوق الانسان وراء الوراء اوصاف مثلاً علم کل۔ قدرت تامہ۔ صفت حاضر ناظر وغیرہ وغیرہ کی توقع رکھوں۔ جو دُنیا کے ہر حصہ میں ہر وقت درست طور پر خدا کے متعلق از قسم لازمات سمجھی گئی ہیں بقول عیسائی صاحبان یہ بات تو ہمیں ہمیشہ ہی نصب العین رکھنی چاہیئے۔ کہ ابن آدم اگر خدا تھا تو انسانی جامہ میں تھا۔ اور اگر خداوند کے جلال اور اُس کی صفات نے ظہوُر پایا تھا۔ تو احاطہ انسانیت کے اندر ہی ظہوُر پایا تھا۔ اور ساتھ ہی زمان و مکان کے ان بے رحمانہ اور پُر از ظلم قیود کے ماتحت رہ کر جن کا شکار انسان جیسا ہیچمکار اور بے کس مخلُوق ازل سے ہو چکا ہے۔ لہذا ان حالات کے ماتحت یہ امر کوئی حیرت بخش امر نہیں کہ خدا کو جامہ مظہریت میں بہُت سی باتوں کا علم نہ تھا۔ مثلاً خداوند نے اعتراف کیا ہے۔ کہ وُہ آخری گھڑی سے بالکل ناواقف ہے۔ اُس گھڑی کا علم خدا کو بحیثیت باپ تو ہے۔ لیکن جب وہ بیٹا بنا۔ تو نہ صرف اس کو وہ گھڑی معلوم ہی نہ رہی۔ بلکہ اُس آخری وقت کا علم اُس کے امکان سے بھی باہر ہو گیا۔ خدا کی ان دُو فطرتوں کی حقیقت سمجھنے کے لیئے شاید اُس کا واقعہ درخت انجیر بہترین تشریح ہے (مرقس ۱۱ باب ۱۲)۔ خداوند کو بھوک

لگی ایک انجیر کا درخت پاس تھا۔ اُس پر پتے بھی تھے۔ خداوند اُس کے پاس اس خیال سے گیا۔ کہ شاید اُسے کھانے کو کچھ پھل جاوے۔ اور جب وہ درخت کے نزدیک گیا۔ تو اُس میں پتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اِس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خداوند صرف علم کل سے ہی بے بہرہ نہ تھا۔ بلکہ معمولی مشاہدہ انسانی سے بھی معرّا تھا۔ کیونکہ وُہ وقت انجیر کے پھل دینے کا نہ تھا۔ لیکن خداوند تو انسان بھی تھا۔ اور اِس لیئے اُس سے وہی صادر ہوا جو کسی ہم جنس انسان سے بھوک سے تنگ آکر صادر ہوا کرتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ہم بھی بعض وقت کسی جذبہ یا خواہش سے مغلوب ہو کر معمولی عقل سے گری ہوئی باتیں کر دیا کرتے ہیں۔ ہوا کیا اگر خداوند نے درخت جیسی بیجان چیز پر اپنی ناراضگی اِسلیئے ظاہر کی۔ کہ وُہ اُس کی اشتہا کے دفعیہ کا سامان مہیا نہ کر سکا۔ یہ تو وہی بات ہے۔ جو ہم سے بھی جب ہم اپنی اُمید یا توقع میں ناکام ہوتے ہیں۔ بیجان چیزوں کے برخلاف صادر ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں عیسائی نکتہ خیال سے خداوندی جلال کے ظہور کے ضروری مقدمات تھے۔ جس نے خداوند کے اِس کلام میں ظہور پایا۔ کہ آج سے بعد کوئی انسان تجھ سے پھل نہ کھا سکے گا۔ اور وہ درخت ہمیشہ کے لیئے مرجھا گیا ہم یہ تو جانتے ہیں۔ کہ عہد جدید میں یسوع کے متعلق بہت سی ایسی باتیں لکھی موجود ہیں۔ جو کل دُنیا کے مفہوم الوہیت کے قطعاً قطعاً منافی ہیں۔ لیکن الوہیت مسیح کی تو شان ہی اور ہے۔ وُہ تو اِس لیئے اپنے باپ کے ساتھ ہم جلیس ہے۔ کہ اُس کی ذات میں خدا کے بعض اخلاق نے ظہور اور نشوو نماء پایا۔ واللہ اُن علو شان فوق الانسان صفات کو جو قادر مطلق خدا کی شان کے شایان ہیں۔ یسوع کو کوئی بھی تعلق نہیں۔

جب خدا میں شخصیت ہے۔ اور انسان اُس کی تصویر پر ہے۔ تو ربانی تصویر کے اخلاق و اوصاف کا ظہور بھی تو صرف اُسی خدا میں ہو سکتا ہے جو انسان بھی ہو اور خدا بھی ہو لیکن کیا یسوع اِن ربانی اخلاق کا مظہر تام تھا۔ ایسا ہی اگر انسان کا اصل جس پر اُسکی ساخت ہے۔ خود خدا ہے۔ تو پھر جو اخلاق اور اوصاف انسان میں پائے جاتے ہیں وُہ بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں۔ اور اگر انسان کے اخلاق۔ بذاتِ خود ایک حقیقت ہیں

جو با قاعدہ اصلاح پاکر کل دنیا کے حکمران ہو جاتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ تمام کے تمام انسانی اخلاق یسوع کے اندر تہذیب اور نمو حقیقی حاصل کر گئے۔ صبر تحمل حلم محبت۔ لاریب۔ انسان کے اعلےٰ اخلاق ہیں۔ اور اپنے اندر ربانی فطرت بھی رکھتے ہیں لیکن کیا یہ نرم بردبارانہ خلق کل کے کل انسانی اخلاق کی لمبی چوڑی فہرست پر حاوی ہیں۔ کیا انسانیت کے لوازمات میں بعض اور عاملانہ گرم اور تیز اخلاق شامل نہیں مثلاً شجاعت۔ عدالت۔ سخاوت۔ امانت وغیرہ وغیرہ۔ اور کیا یسوع کو وہ مواقع نصیب ہوئے۔ کہ جو ان اخلاق کے ظہور کے لیئے لازمات سے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی اخلاقی جوہر کے عمل میں لانے کا موقعہ کسی کو میسر نہ ہو۔ کسی میں کسی استعداد کا امکان اُس کی حقیقت کا کوئی ثبوت نہیں۔ خدا نہ کرے میں یسوع کی شان میں یہ کہوں کہ اُس سے وہ باتیں صادر ہوئیں جو صفات بالا کے خلاف ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ کسی میں منفی خلق کا ہونا۔ یعنی اُس کا کسی خاص خلق کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ خصوصاً جب وہ معلم اخلاق بھی ہو۔ کوئی حقیقی خلق نہیں۔ ایسے منفی خلق کے رکھنے میں کسی کا خرچ یا حرج ہی کیا ہوتا ہے۔ اور علاوہ ازیں یہ اُس شخص کے لیئے کیا سبق ہو سکتا ہے۔ جو عملی نمونہ کا محتاج ہے۔

کسی بزرگ کی زندگی کے اخلاقی پہلو پر محاکمہ کرتے ہوئے لوگوں سے عموماً ایک غلطی ہو جاتی ہے۔ اور یہ غلطی کچھ اِس قسم کی خطرناک غلطی ہے۔ کہ نا معلوم طریق پر یہ غلطی ان لوگوں کے محاکمہ پر بھی اثر ڈال دیتی ہے۔ جو اور طرح اپنے بے تعصبانہ طریق تنقید کے لیئے مشہور معروف ہیں بعض وقت بعض معلم اپنے خطبات اور وعظوں میں اپنے سامعین کو بعض محاسن کی تاکید کرتے ہیں اور سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ اُن معلمین میں وہ محاسن بھی تھے۔ لیکن یہ غلطی ہے اور بڑی فاش غلطی ہے۔ اور یوں تو کسی قوم کی ادبی کتابیں اخلاق کے سبق سے خالی نہیں۔ ان کتابوں میں اخلاق کے بعض ایسے زرّیں اصول ہوتے ہیں۔ کہ جو کسی پیغمبر یا خود خدا بجامہ انسان کے شایان ہو سکتے ہیں۔ ان کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے۔ اگر ان کے مصنفین کے اخلاق کی شہادت سمجھ لی جائے

یکتائی نہیں۔ بہر حال صفت عفو کا ظہور یسوع کی زندگی میں حقیقت کو نہ پہنچ سکا۔ اس خلق کے تین شرائط مذکورہ بالا میں صرف پہلی یسوع کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ لیکن باقی دو شرائط موجود نہیں۔ یہ صفت اور چھ سو برس تک پردہ کتم میں رہی۔ جب اس خلق نے اپنے ظہور کا حقیقی موقعہ اور محل نبی عرب صلعم کے زمانہ میں پایا۔ جبکہ خداوند دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ۔ بیت عتیق کے دروازوں پر محمدؐ کی شکل میں پہنچا۔ قدیمی نوشتے پورے ہوئے۔ اور مکہ فتح ہوا جس کے فتح کرنے میں ایک قطرہ خون سے بھی زمین مکہ ملوث نہ ہوئی اور یہ ایک واقعہ ہے۔ جو کل دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مکہ میں دشمنان پیغمبر اسے اور اسکے متبعین کو برابر تیرہ برس تک اس قسم کے وسیع سلسلہ مظالم کا زیر مشق کرتے رہے۔ کہ جو اپنی کیفیت اور کمیت میں دوسروں کی زندگی کے صعب ناک ابتلا سے بھی بڑھ گئے۔ آخر کار دشمنان پیغمبرؐ نے نیچا دیکھا۔ اور وہ سب کے سب اسی کے رحم پر چھوڑے گئے۔ جو مدتوں ان کے مظالم کا شکار رہا تھا۔ یہ ظالم ہر ایک ایسی سزا کے بھی مستحق تھے۔ جو انسانی وہم یا دماغ تصور میں لا سکتا ہو۔ اور ان کو اس قسم کی سزا دینا عین معدلت گستری اور نصفت شعاری تھی۔ محمدؐ بھی اگر اپنے دشمنوں کو رامچندر یا کرشن یا یوشع کی طرح سزا دیتا جیسے ان بزرگوں نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پا کر دی تو بالکل حق بجانب ہوتا۔ لیکن وہ خلق عفو جسکو ابن اللہ بھی اپنے وجود میں ظاہر نہ کر سکا (کیونکہ خداوند کا قابو بعض خاص حالات پر نہ رہا۔ جنھوں نے خداوند کے مشن کو جلد ختم کر دیا) اپنا ظہور چاہتا تھا اور اگر محمد صلعم کے ہاتھ سے اس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو ممکن ہے۔ کہ ہمیشہ کے لیے وہ پردہ کتمان میں رہتا۔ خدا کی طرف سے مختلف اوقات میں مختلف انبیاء آئے اور اس کے بعض اخلاق ان انبیاء کے ذریعہ ظہور میں آتے رہے۔ محمدؐ خاتم النبیین تھے اور ضرور تھا۔ کہ وہ تمام اخلاق الٰہیہ جنھوں نے انسان میں نشو و نما پایا تھا۔ اور جن کے ظہور کے مناسب اور ضروری مواقع انبیاء سابقہ میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ وہ آپ کی زندگی میں اپنا کامل ظہور دیکھیں۔ ان اخلاق میں ایک خلق۔ خلق عفو تھا۔ اس کا خاص موقعہ و محل تھا۔ وہ خاص محل و موقع یسوع کی زندگی میں تو پیدا نہ ہوا۔ اور اگر بعض اکابرین کی زندگی میں پیدا ہوا۔ تو انھوں نے

اِس موقعہ و محل کو استعمال نہ کیا۔ اور خلق عفو ظہور کے بغیر رہا۔ ہاں آنحضرت صلعم کی زندگی میں وہ کمیاب موقعہ پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اُسے بوجہ احسن استعمال کیا۔ آپ کے دشمن جو بالکل مغلوب و خوار ہو چکے تھے۔ آپ سے اُس سلوک کے ملتجی ہوئے۔ جو کریم النفس انسان اپنے دشمنوں سے کیا کرتے ہیں۔ یہ اپیل کچھ ایسی برمحل تھی۔ اور اس کا مخاطب بھی وہی تھا۔ جسکے یہ شایان تھی۔ کہ فوراً ہی منظور ہو گئی۔

یہاں تک تو مینے اُن نرم اور ملائم اخلاق کے متعلق کچھ کہا ہے۔ جس کے متعلق ادعا کیا جاتا ہے۔ کہ یسوع میں موجود تھے۔ لیکن ان کے علاوہ اور تیز اور مضبوط اخلاق بھی تو ہیں جو الٰہی اخلاق کا رنگ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن جنھوں نے مریم بتول کے بچہ میں اپنا ظہور نہ دیکھا۔ یہی وہ گرم اخلاق ہیں۔ کہ جو مہذب حالت میں انسانی سوسائٹی کی راحت کے لئے از بس ضروری ہیں۔ مثلاً غضب۔ نفرت۔ اور ان دو پر ہیں خلق انتقام بھی ایزاد کرتا ہوں۔ یہہ سب کے سب جان اور مال کی حفاظت اور امن کے لیئے ضروری ہیں۔ اور ان کو حیوانی یا ادنیٰ جذبات کے نام سے موسوم کرنا غلطی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا بھی محل و موقعہ۔ ہاں انکو بُرے طور سے جب استعمال کیا جاوے۔ تو پھر یہ ادنے جذبات ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ اخلاق اس گنگ زبان صحیفۂ قدرت میں نظر نہیں آتے۔ اور میرے نزدیک تو اخلاق الٰہیہ کی بہترین فہرست یہ صحیفۂ قدرت ہے۔ اِن مذکورہ بالا اخلاق کا بطور اخلاق الٰہیہ ذکر خود بائیبل میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان جذبات کو خود خدا نے انسان میں پیدا کر رکھا ہے۔ کیا غضب اور نفرت امور حقیقی نہیں۔ کیا ان دو جذبات کا اثر گہرا۔ انسانی معاملات و کاروبار پر نہیں پڑ رہا۔ اور اگر انسان خدا کی تصویر پہ پیدا کیا گیا ہے۔ تو ہم کو یہ قیاس کر لینے کا حق ہے۔ کہ جو اخلاق اور جذبات ہیں۔ لہذا یہ گرم اور تیز جذبات و اخلاق بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں۔ اور ایسے نہیں کہ ہم ان کو نظر انداز کریں۔ لاریب ان جذبات کی تعدیل اور تہذیب ضروری ہے اور ہم جو اُن اکابرین کی زندگی کی طرف جن میں کہا جاتا ہے۔ کہ خدا ظاہر ہوا۔ نگاہ اٹھاتے ہیں۔ اور انھیں اسوہ بنانا چاہتے ہیں۔ تو صرف اس لیئے۔ کہ ہم دیکھ لیں۔ کہ اُن اکابرین نے ان جذبات کو کس طرح اور کس محل و موقعہ پر استعمال کیا۔ اگر اُن اخلاق کو جن کا ہمیں

تو پھر مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہ ہمیں لارڈ بیکن کے اخلاق کے متعلق اپنے موجودہ محاکمہ کو بدلنا پڑے گا کسی معلم اخلاق کو خواہ اُس کے دعاوی کیسے ہی الوہیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اُن اخلاق کو رکھنے کی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ جو وہ اوروں کو تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ جب تک کہ وُہ خود اپنی مثال میں اپنے مواعظ کو عمل کا لباس نہ پہنا دے۔ اس صداقت کو شائد مصنّف انوار سہیلی کی طرح نہ کسی نے کم سمجھا ہوگا۔ اور نہ عملی رنگ میں دُنیا پر ظاہر کیا ہوگا انوار سہیلی فارسی علم ادب میں ایک اخلاق پر مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنّف نے جو اخلاق ناظرین کتاب کو تعلیم کرنے چاہے ہیں۔ اُن کو پرندوں اور جانوروں کے منہ میں ڈال دیا ہے۔ اور بات بھی سچ ہے۔ اگر کوئی معلّم اپنی تعلیم کو خود عمل میں نہیں لا سکتا۔ تو پند بر دیوار یا پند بر لب میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق تو عمل کے ذریعہ ہی عمدہ طور پر سکھائے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ضرب المثل کے طور پر مثال کو وعظ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اِس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک انسان کی کوئی استعداد بعض حالات کے پیدا ہونے پر ہی حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایک انسان بڑا اخلاق کے سبق دے اور یہ بھی ممکن ہو۔ کہ اُس میں اُن تعلیم دادہ اخلاق کی استعداد بھی ہو۔ لیکن وہ اُن اخلاق کا مدعی اسی وقت تک ہو سکتا ہے۔ کہ جب اُس کی زندگی میں کسی خاص خلق کے مناسب حال خاص حالات پیدا ہو گئے ہوں اور وُہ خلق عملاً اُس سے ظاہر ہوں۔ مثلاً یسوع کا ایک شاندار حلم کے ساتھ اسرائیلی ٹھٹھوں اور مذاقوں کو برداشت کرنا۔ اُس کا ایک عبرت بخش صبر کے ساتھ زندگی صعب ناک مصائب و ابتلا کو بطور ایک شہید صداقت اٹھانا۔ یہ واقعات ہیں جن سے یسوع۔ صبر۔ حلم اور تحمل کا قابل رشک مالک سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ واقعات اُس کی زندگی میں پیدا نہ ہوتے۔ تو وُہ ان نرم اخلاق کا ایک قصّہ گو سمجھا جاتا۔ واقعی یہ ایک بڑی بھاری بدقسمتی ہے۔ اور اس پر جس قدر رنج کیا جائے تھوڑا ہے۔ کہ بعض حالات نے جن پر افسوس ہے۔ کہ خداوند کو بھی قابو نہ تھا۔ خداوند کے ایام بعثت کو مختصر کر دیا۔ اور دُنیا کے ہاتھ سے ایک شاندار موقعہ جاتا رہا۔ ممکن ہے بہت سے اخلاق

الٰہیہ جو ممکن ہے کہ یسوع میں تھے۔ عملاً ظہور پا لیتے۔ اور تو اور وہ خاص صفت عفو۔ جس کا اس قدر چرچا۔ عیسائی علم ادب میں کیا جاتا ہے۔ وہ بھی یسوع کے ہاتھ سے کامل نمونہ کو نہ پہونچ سکا۔ بات یہ ہے کہ خلق عفو کا ظہور بھی اور خلقوں کی طرح خاص حالات کی موجودگی چاہتا ہے اور جب تک وہ حالات کسی میں موجود نہ ہوں انصاف اجازت نہیں دیتا۔ کہ کسی کو اس خلق کا مالک ظاہر کیا جاوے۔ اس شریف خلق کے حاصل کرنے کے لیئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل تو تمہارے بعض دشمن ہوں جنھوں نے بے رحمی اور ظلم سے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ حالات کے بدلنے پر تمہارے دشمن تو مغلوب ہو جاویں اور وہ دشمن تمہارے قابو میں آجاویں۔ اور سب سے آخر گو عظمت میں سب سے اوّل یہ کہ تمکو اپنے دشمن کو سزا دینے کی طاقت تو حاصل ہو۔ لیکن تمھاری شریف فطرت تمہیں اُن کو معاف کر دینے پر طیار کر دے۔ صفت عفو کی طرح صفت رحم کا ظہور بھی اُسی سے ہو سکتا ہے۔ اور وہی اس خلق کا بھی مالک ہے۔ جس کے آگے کوئی رحم کا ملتجی ہو کر آوے۔ اور جب تک کسی کو یہ مقدرت اور حیثیت حاصل نہ ہو جس کا جی چاہے رحم کے خطبے اور وعظ سنا لے یہ خالی الفاظ ہی ہیں جو بے حقیقت ہیں۔ علاوہ ازیں یہ تو ہمارا روزانہ تجربہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص صاحب طاقت ہو۔ اور اُسکا ظلم رسیدہ حالت مظلومیت اور ساتھ ہی بیچارگی میں ظاہر کرے۔ کہ میں نے اپنے ظلم رسان کو معاف کیا۔ تو یہ اظہار معافی صاحب طاقت اپنے لیئے مہربانی نہیں بلکہ بیعزتی سمجھا کرتا ہے۔ ایسا عفو تو ہمیشہ حقارت سے دیکھا گیا ہے اور اس کی کبھی بھی قدر نہیں کی گئی۔

اِس میں شک نہیں کہ یسوع نے عین صلیب پر اپنے تکلیف دینے والوں کے لیئے عفو کی دعا مانگی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر تو ہوتا ہے۔ کہ اس وقت اُس کے دل میں یہ کیفیت بھی تھی۔ لیکن جو خیالات اور کلمات یسوع کے مُنہ سے اپنے دشمنوں کے حق میں حالت صلیب میں نکلے۔ وہی خیالات اور اُس قسم کے کلمات دُنیا کے دیگر مشاہیر نے بھی اُسی قسم مصائب کے ماتحت کہے اور ظاہر کیے اور اِس معاملہ میں یسوع میں کوئی خاص

نکلتے ہی ذاتی جائیداد کے خیال کا احساس اپنے سینہ میں موجزن پاتا ہے۔ اور ساتھ اسکے اپنی جان اور جائداد کی حفاظت کے لئے ایک نہ ایک پولٹیکل ناظمانہ وجود کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ خواہ وہ کیسی ہی ابتدائی شکل میں ہو۔ اور اگر انگلستان کے تمدن کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ کہ قدیمی وٹن اِجوموٹ کو موجودہ پارلیمنٹ کی صورت دیجاوے۔ تو پھر ہم جیسے کہ رینان کہتا ہے۔ انسانیت کے کامل رہنما اور مظہر کے لئے کوہ زیتون کی طرف دیکھیں یا کوہ فاران کی طرف نگاہ کریں۔ جہاں ہمیں پیغمبر کے وجود میں ایک ہی وقت بادشاہ مُدبّر سلطنت۔ مقنن۔ جج اور فوج کا جرنیل نظر آتا ہے۔

اگر ان واقعات پر جو ان صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں۔ حکیم رینان کی تصنیف پڑھنے والا ٹھنڈے اور تعصب سے معرّا دل کے ساتھ غور کرے تو مجھے یقین ہے۔ کہ وہ یہ مان لے گا۔ کہ حکیم موصوف کا زیر بحث ریمارک وسعت نظر پر مبنی نہ تھا۔ یسوع اپنے اقرار کے مطابق انسانی زندگی کے اعلےٰ طبقات کے لئے نمونہ بن کر ہرگز نہیں آیا۔ لیکن کیا وہ معمولی طبقات زندگی کے رویہ میں ہماری مدد کرسکتا ہے؟ اگر ہم اپنی زندگی کے اشغال کی تقسیم کریں تو کیا معاملات خانہ داری زندگی کا بھاری اور ضروری حصہ نہیں۔ کیا ان ایام میں ہمارے بہت سے گھر بدمزگی۔ مصیبت۔ پریشانی اور اختلاف کا منظر نہیں۔ اور کیا قابل افسوس حالت اُن شیریں تعلقات کے نہ ہونے کے باعث نہیں جو عورت خاوند میں ہونے چاہئیں۔ اور جن شیریں تعلقات کے باعث عقد زوجیت ایک بہشتی گرہ ہو جاتی ہے۔ کیا لفظ "گھر" پیاری سے پیاری اور خوش کن سے خوش کن یادآوریوں کا خزانہ نہیں جو بد قسمتی سے ہمارے ایام میں مفقود ہو جاتی ہیں۔ کیا عورت۔ مرد کی معین و مددگار نہیں بنائی گئی۔ کیا مرد اور عورت۔ زن و شوہر بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور کیا ان کے باہمی تعلقات کے اچھے یا بُرے ہونے پر ایک گھر بہشت یا دوزخ نہیں بنجاتا۔ اب اگر یہ امور کچھ حقیقت رکھتے ہیں اور یہی بہت حد تک ہماری خوشحالی یا تکلیف کے ذمہ دار ہیں۔ تو کیا ہم کو ایسے رہنما کی ضرورت نہیں۔ جو ہمیں روزانہ معاملات خانہ داری میں رہنمائی کرے۔ واقعی یہ ایک بھاری بدقسمتی ہے۔ کہ یسوع کے عنصر الوہیت نے

اُسے اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اِس دُنیا میں کسی عورت کے ساتھ بطور زن وشوہر اُرضی تعلق قائم کرلیتا۔ اور ہم پھر مجبور ہو کر کسی اور سمت ہی نگاہ اُٹھاتے ہیں۔ جہاں ہمیں ان معاملات کے لئے کوئی "انسانیت کا کامل رہنما" ملے۔ بیشک یسوع کی ایک والدہ تو تھی۔ لیکن پھر ماں بیٹے کے تعلقات میں وہی عنصر الوہیت مصیبت ڈالتا ہے۔ اور ایک عیسائی گھر میں ایک بیٹے کو گھر میں کے اخلاق سیکھنے کے لیئے یسوع سے کچھ میسر نہیں آتا۔ مقدس کنواری تو اپنے سیانے بیٹے کو دیکھ کر۔ کہ وُہ جب اُسے مخاطب کرتا ہے تو عورت کہکر ہی خطاب کرتا ہے۔ شاید اس لیئے اطمینان قلب حاصل کرلیتی ہوگی۔ کہ وہ اپنے میں اور بیٹے میں فرق باقی ہوگی لیکن ایک معمولی انگلستان کی عورت تو شاید اپنے بیٹے کے لیئے یہ پسند نہ کرے اور یہی چاہے کہ اسکا بیٹا کسی اور طریق پر اُسے خطاب کیا کرے۔

الغرض جس قدر اس سوال پر غور کیا جاوے اُسی قدر رینان کا مقولہ زیر بحث مجھے صحیح نظر نہیں آتا۔ جس اخلاق کی تعلیم مسیح نے پہاڑی خطبہ میں کی اُس پر چلنا تو اُس کے پہلے شاگردوں نے بھی نہ چاہا اور اب بھی جہاں تک الفاظ کے اندر اندر اخلاقی کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ وہ تعلیم لفظاً تو ایک بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن دُنیا دو ہزار برس اور بوڑھی ہوگئی۔ مگر آج تک اس تعلیم کو عمل میں لانے کا راستہ دنیا کو نظر نہ آیا۔ اس وقت بھی کلیسیا کے سرگرم سے سرگرم ممبر اور دنیا کو عیسائی بنانے کی مہم کے زبردست ارکین اپنے آپ کو ان اخلاق پر چلانے کے ناقابل پاتے ہیں۔ اور صرف اُس وقت کو دیکھ رہے ہیں۔ جب آمد ثانی پر خداوند کی سلطنت قائم ہو جاوے گی۔ جب محبت۔ امن اور آشتی پھیل جاوے گی۔ اور انسان اس تمام مضبوط اور تیز مگر مردانہ اوصاف سے اخته ہو کر خود ہی اس قابل ہو جاوے گا۔ کہ اس تعلیم پر عمل کرے۔ مگر جب تک وہ وقت نہ آلے یہ تعلیم ایک مردہ قانون ہے۔ اگر اسے عالمگیر قانون بنایا جاوے اور خصوصاً عیسائی ممالک میں شاید ہمالہ کی برفانی چٹانوں میں کوئی قدیمی رشی اس تعلیم کا قدردان ملجاوے تو ملجاوے۔ لیکن مغرب میں تو ممکن نہیں کہ ایسا کوئی میسر آوے۔

اور وقت یہ ہے کہ یسوع کی اصلی مشن کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اور نہ کوئی اس مدعا پر غور کرتا ہے۔ جس کے لیے اُسے اخلاق کے یہ سخت اصول سکھانے پڑے۔ میرے نزدیک

خطبۂ کوہ زیتون میں سبق دیا گیا ہے۔ اختیار کر لیا جاوے۔ تو کیا وُہ اِن تیز اور گرم جذبات کی ہلاکت کے لیئے کافی نہیں۔ حالانکہ یہ وُہ جذبات ہیں۔ کہ جن کو میں ربّانی جذبات کہتا ہوں اور وہ فی الواقعہ اخلاق الٰہیہ میں سے ہیں۔ خطبہ مذکور پر چلنا گو یا جان اور مال کو غیر اموں کرنا ہے۔ مجھے کچھ تامل سا ہے۔ کہ شائد یہ تعلیم خطبہ کچھ ایسی علو شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہ اس کو عمل میں لانا اب محالات سے ہے۔ اور میں تو یقین کرتا ہوں۔ کہ قیامت کے دن تک یہ تعلیم ایسی ہی ناقابل عمل رہے گی۔ لیکن کیا ان حالات کے ماتحت پھر بھی معلم خطبہ مذکور ایک کامل اسوہ انسان۔ اور مکمل مظہر اخلاق الٰہیہ ہونے کا مُدعی ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی اُسے مُدعی سمجھتا ہے تو کیا اُس کا یہ دعوٰے۔ دعوٰے جائز ہے۔ مینے تو ارادتاً یہاں اِس لیئے ان دو جذبات مذکورہ بالا کا ذکر کیا ہے۔ کہ خطبۂ پیار کی تعلیم پر چلنے سے اِن جذبات کا تو عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اِس خطبہ کا معلّم خود بھی بعض مواقع پر ان دو جذبات کو استعمال کرنے سے رُک نہیں سکا۔ و اِلّا ان دو اخلاق کے علاوہ اور بے تعداد انسانی اور ربّانی اخلاق ہیں۔ جن کے متعلق اگر میں نہایت ہی نرم اور رعایت کا پہلو اختیار کروں تو یہ کہوں گا۔ کہ یہ اخلاق پیغمبر ناصری کی زندگی میں اندر کے اندر ہی رہے۔ اور اپنا ظہور نہ پا سکے۔ لہذا اِن حالات کے ماتحت۔ مَیں۔ الفاظ ذیل کی تائید میں حکیم رینان کا ہم آواز ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ مذہب نے اِس انسان (یسوُع) کو انسانیت کا کامل مظہر اور رہنما اگر چنا ہے۔ تو کوئی بُرا انتخاب نہیں کیا۔ حکیم رینان اپنی تمام معقول پسند اور آزاد طبیعت و تعلیم کے ساتھ اپنی ابتدائی خوکردہ عصبیت و میلان کا دراصل مقابلہ نہ کر سکا۔ و اِلّا یہ جو اُس نے کہا یہ کسی خوض و فکر کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔ اُسے یہ تو سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ انسانی سوسائٹی کی ساخت اور اُس کے ڈھانچ کو مضبوط کرنے کے لیئے اِنسانی زندگی کی بہت سی ضروری شاخیں اور بھی ہیں۔ اور یسوع اُن شاخوں میں کسی کا رہنما نہیں ہو سکتا مثلاً ایک بادشاہ جو تخت پر ہے ایک جج جو کرسی عدالت پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک مدبر سلطنت جو امور مُلک میں منہمک ہے۔ ایک جرنیل جو میدان جنگ میں موجود ہے۔ کیا جس طرح انسانی سوسائٹی کے لیئے ایک معلم اخلاق کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی اِن چار وجودوں کی ضرورت

نہیں اور خدا نے بھی آخر کوئی نادانی کا اور غیر ضروری فعل تو نہیں کیا۔ اگر اسرائیل کے خاندان میں داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اور یوشعؑ جیسے نبی پیدا کیئے۔ کیونکہ یہ بزرگ فرداً فرداً بادشاہ۔ جج۔ مدبر سلطنت اور فوجی جرنیل تھے۔ لیکن یہ تو آخر انسان تھے۔ اور بقول عیسائیان اُن سے صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ بعض گناہ بھی سرزد ہوئے۔ لیکن اگر خدائے تعالےٰ کو ضرورت ہی تھی۔ کہ انسان کی شکل میں انسانیت کا کامل مظہر و رہنما ہو کر آوے۔ تو وہ شائد انسانی سوسائٹی کے لئے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوتا۔ اگر وہ بادشاہ یا مدبر سلطنت ہو کر آتا۔ اور نہیں تو کم از کم یورپ کے عیسائی بادشاہوں اور عیسائی مدبران سلطنت کی ہدایت کے لیئے عملاً بعض قواعد ہی چھوڑ جاتا۔ اور دُنیا شائد جلدی ربانی سلطنت کے دن دیکھ لیتی کیونکہ دنیا کو یورپ کی اس آز و حرص اور اپنے اقتدار کے لیئے دوسروں کو تباہ کر دینے کی عادت سے نجات ہو جاتی۔ بشپ معظم پوپ روما کو اور ایسا ہی شاہ عمانونیل کو تو شہزادہ سلامتی کی بجائے کسی ایسے خدا کی ضرورت تھی۔ جو کسی جرنیل کے وجود میں آتا۔ تاکہ اِن بے ضرورت مہمات طرابلس میں وہ اُن کی رہنمائی کرتا۔ اُن کو وہ جنگ کے اخلاق سکھلاتا شاید اُس کا اپنا عملی نمونہ اور اُس کے حربی وصایا اٹلی کی ظالمانہ بے رحمیوں کے لیئے جو طرابلس میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ زیادہ تر روک کا باعث ہوتے کیونکہ ہیگ کی کانفرنس کے اصول تو آخر کوئی روک کا موجب نہ ہو سکے۔ ہم کو بالمقابل بتلایا جاتا ہے۔ کہ خداوند آخری ایام میں بادشاہ کے وجود میں ظاہر ہوگا۔ جب مظلوم اپنا انصاف پاویں گے۔ اور تمام ظلم دور کیئے جاویں گے۔ لیکن اگر اُس کی آمد ثانی دُنیا کے خاتمہ کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر انسانیت کے کامل رہنما و مظہر کی ضرورت بھی تو اُس وقت ختم ہو رہے گی۔ بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی سلطنت دُنیا کی سلطنت نہیں۔ اور نہ اس نے اپنے نوکروں کو اجازت دی کہ یہودیوں سے لڑیں اور اُن کو اُسے گرفتار نہ کرنے دیں (یوحنا ۱۸/۳۶) لیکن اگر دُنیا کا تمدن اور اُس کی مدنی مصالح کسی نہ کسی قسم کی سلطنت کے متقاضی ہیں۔ اگر انسانوں کے فیما بین ذمہ واریوں اور حقوق کا نفاذ جو بہبودی عامہ کی جڑھ ہے۔ حکومت کی کوئی نہ کوئی شکل چاہتا ہے۔ اور اگر انسان جونہی ابتدا سے ابتدائی نیچر کی حالت سے

اگر یسوع کو اُس کی اصلی حیثیت میں دیکھا جاوے۔ اور یہ وہ حیثیت ہے کہ جس کا وہ خود معترف اور مدعی ہے اور اُس کی ذات کو کلیسیائی عقاید کے جھلملاتے ہوئے پولوسی لباسوں سے معرّا کر دیا جاوے تو یسوع صاحب خود اپنی اس بے معنی متناقض حیثیت سے نجات پا جاتے ہیں۔ اور اُن کی تعلیم کی ناممکن التعمیل حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی اصلی حالت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

مسیح ایک نبی تھے۔ جو اسرائیلی گھرانے کی اصلاح کے لیئے آئے تھے۔ اُس گھر کی بکھری ہوئی بھیڑوں کو ایک جا جمع کرنا اُن کا اصلی منصب تھا۔ اسرائیلیوں کی تہذیب نفس۔ اور اُن فریسی علماء کے علم کی پردہ دری کرنا اُن کا مقصد تھا۔ جو موسوی شریعت کے سمجھنے اور بیان کرنے والے ہمہ دان اپنے آپ کو ظاہر کرتے تھے۔ موسوی شریعت ایک قسم کی شریعت انتقام تھی۔ جس کو اُنھوں نے بری طرح استعمال کر رکھا تھا۔ اور جناب مسیح اُس شریعت کا مغز بتلانے کے لیئے تشریف لائے تھے۔ آپ نے یہودیوں کو شریعت انتقام کا محل و موقعہ بتلایا۔ اور اس طرح شریعت کو توڑا نہیں بلکہ پورا کیا۔

پیغمبر مسیح کی حقیقی چہرہ نمائی کے لئے مجھے شاید زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے۔ اور اس وضاحت کے لئے مجھے اُن حالات کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو شریعت موسوی کو وجود میں لانے کا باعث ہوئے غلامی کے بچے (بنی اسرائیل) نہ صرف جسمانی بلکہ اخلاقی نجات کی بھی ضرورت رکھتے تھے۔ پشت ہا پشت کی غلامی نے اُن کے تمام اخلاق ہلاک کر چھوڑے تھے۔ وہ بالکل کمینہ صفت۔ مایوسی کا پُتلا اور بزدلی کی تصویر تھے۔ بحیرہ قلزم (یا رود نیل) کے عبور کرنے نے اُنھیں مصری فرعونوں کی غلامی سے تو آزاد کر دیا۔ لیکن اُن کا یہ فعل اُنھیں غلامانہ عادات کی غلامی سے آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کی اس نجات کے لیئے قانون انتقام کی ضرورت تھی۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ہی ایک طریق زندگی تھا۔ جو مردہ اور مرجھائے ہوئے جوش کے رُوح کی نجات کی موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قانون انھیں تعلیم کیا گیا اور مفید ثابت ہوا۔ اُس قانون کی طفیل غلامی کے فرزند ہی چند نسلوں میں فاتح اور حکمران بن گئے! پھر ایک وقت آیا اور اس قانون کی

بداستعمالی شروع ہوگئی - وُہ لوگ حقیقت شریعت سے الگ ہوکر الفاظ پرست بن گئے اُنھوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر زور دیا - وُہ قانون انتقام کی لفظی پابندی پر اس قدر مصر ہوئے - کہ ایک مدت کے بعد وُہ خود انتقام کا مجسمہ بن گئے - ایک وقت ان میں غلامانہ حلم تھا - اور اب وُہ مجسم غضب ہو گئے - جب اُن کی نفرت مشتعل ہوتی تو پھر اُس کا کوئی اندازہ اور پیمانہ نہ رہتا تھا - اس طرح وُہ اخلاقاً گر گئے - اور اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے دُنیوی زوال بھی دیکھ لیا اُن پر غیر اقوام حاکم ہو گئیں وہ پھر روئے اور دست بدعا ہوئے - اور غیروں کی حکومت سے نجات کے خواستگار ہوئے - اُن کو پھر ایک نجات دہندہ کی ضرورت محسوس ہوئی - یہوواہ کی جناب میں وُہ اپنے انبیاؑ کے ذریعہ ملتجی ہوئے اور ایک منجی کا انھیں وعدہ ملا - مسیح موعود آ گیا - اور اُن کی نجات کی کلید بھی لایا - لیکن اُنھوں نے اُس کے مشن کی حقیقت نہ سمجھی - اُن کی گذشتہ تاریخ انکے لیئے ایک عمدہ سبق تھی - لیکن وہ خود غرضی اور نفس پرستی میں کچھ ایسے منہمک تھے - کہ وُہ گذشتہ حالات سے سبق آموز نہ ہوئے - اُن کو سمجھنا چاہیئے تھا - کہ اگر اُن کی نجات اولے شریعت کی اطاعت پر ہی منحصر تھی - تو اُن کی نجات ثانی بھی شریعت کی پابندی پر ہی مبنی تھی اگر اُن کو غلامانہ عادت سے نکالنے کے لیئے شریعت انتقام کی ضرورت تھی - اور یہ حالت اُنکے فاتح اور حکمران ہونے کے لئے بطور مقدمہ تھی - تو اب وُہ چونکہ غضب و نفرت کی غلامی میں تھے - تو اس حالت سے نجات دینے کے لئے اُنھیں شریعت رحم کی ازبس حاجت تھی - اور یہ امر بھی ضروری تھا پیش ازیں کہ وُہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو پھر حاصل کرلیں اسرائیلی گھرانے کے منجی نے نہ صرف اُن کی نبض شناسی ہی کی - بلکہ اُن کی مرض کے لیئے اس نے صحیح دوائی بھی تجویز کی - جب اُس نے کہا - تم نے تو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے - کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت - لیکن میں تم کو کہتا ہوں - کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو - اور جو تمھاری داہنی گال پر طمانچہ مارے - اُس کے آگے بائیں گال بھی پھیر دو - اور اگر کوئی آدمی تمھیں عدالت میں کھینچے اور تمھارا کوٹ لے جاوے تو تم اپنا چغہ بھی اُس کو دیدو - اور جو تمھیں ایک میل لیجانا چاہے اُس ہمراہ دو میل چلے جاؤ - یہ تعلیم دنیا نے بیشک ناممکن التعمیل سمجھی - دُنیا کا تمدن اور اُس کی عامہ بہبودی خواہ اس تعلیم کے مناسب حال نہ ہو - لیکن یہی

نئی انجیل تھی۔ اور اسی میں ان کی نجات تھی جو نفرت اور غضب کے غلام تھے۔ یہی شریعت رحم جو کوہ زیتون سے آئی نئی بشارت اور نیا عہد تھا اور نہ کہ وہ مفروضہ عقاید جو پولوس نے بعد میں تلقین کیئے۔ اِس شریعت پر کامل ایمان اور اس پر عمل پراگندہ گھرانے کی نجات کا موجب ہو جاتا۔ نہ کہ اِس کے معلم کا خون جو اِس تعلیم کے لئے شہادت تک پہنچا۔ لیکن "اپنے دشمنوں سے نفرت کرو" جن کا شعار ہو۔ اُن کو جو یہ تعلیم دے کہ "اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اُن کے لیئے برکت ڈھونڈھو۔ اُن پر لعنت نہ کرو۔ اُن سے نیکی کرو جو تم سے نفرت کرتے ہیں" اُسے وہ کب قبول کرتے۔ کہ وہ تخت داؤد کا وارث ہو کر اُن کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لاوے گا۔

افسوس تو یہ ہے کہ یسوع۔ دوست دشمن دونوں کی طرف سے بدقسمت رہا۔ کسی نے بھی اس عہد کو نہ سمجھا جس کی تجدید اُس نے کی۔ دونوں ہی سلطنت کے خواہاں رہے۔ آخر الذکر جب مایوس ہو گئے تو اُس کے جانی دشمن بن گئے۔ اور اُنھوں نے اُس کا پیچھا اُسی وقت چھوڑا۔ جب اُسے صلیب پر دیکھا۔ اول الذکر کسی قدر زیادہ امیدیں رکھتے تھے۔ وہ آخری دم تک اُس وقت کو دیکھتے رہے۔ جب اُن کے بیٹے خداوند کے ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھینگے۔ لیکن نہ دوست نہ دشمن کسی نے اُس کی تعلیم کو نہ سمجھا۔ یسوع خود شریعت اور عمل شریعت پر مضبوط ایمان رکھتا تھا۔ وہ یہ یقین رکھتا تھا۔ کہ دنیا اور دنیا کی سلطنت اُن کے پیچھے جایا کرتی ہے۔ جو اعلےٰ اخلاق رکھتے اور جذبات پر قابو پایا جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ کوئی قوم جو دوسری قوم پر غالب آخر کار آجاتی ہے۔ تو حربی تعلیم اور حربی آلات کے رکھنے سے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخلاق پیدا کرنے اور اُن کی تربیت سے یہ امر حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ مطلوبہ اخلاق و کردار خاص شرائع پر ایمان رکھنے۔ اور اُس پر عمل کرنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ بالمقابل جن اسرائیلیوں کے اُبھارنے کے لئے وہ آیا تھا۔ اُن کی کمزوریوں اور نقصوں سے وہ آگاہ تھا۔ اور جو شریعت ان اغراض کے لئے اُس پر نازل ہوئی وہ وہ تھی جس کا انکشاف اُس کے خطبہ کوہ زیتون میں ہوا۔ یہی وہ نئی انجیل تھی۔ اور یہی وہ نیا عہد نامہ تھا جس میں کھوئے ہوئے گھرانے کی نجات تھی۔ اور جس کے قایم کرنے کے لئے وہ صلیب تک پہونچا نہ کہ اُس کے شہید ہونے پر جیسے کہ بعد میں یقین کیا گیا۔ اِس تجدید داد و شریعت پر اُس قوم

کی نجات تھی۔ لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اور ایسی گری کہ ہمیشہ کے لئے پھر اُبھر نہ سکی۔
بد قسمتی سے یسوع کی اصلی حیثیت اور اُس کی تعلیم کی حقیقت جو ایک ایسے دل کے لیئے جو ابتدائی تعصبات سے معرا ہے۔ تو بالکل صاف ہے۔ لیکن اس کے پیروؤں کے لیئے ہمیشہ ایک رازِ سربستہ رہی ہے۔ یسوع کو اگر آپ بطور ایک نبی یا معلم یا خدا کا مقدس رسول تسلیم کرلیں۔ جو پراگندہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا۔ اور اُس گھرانے کو اُس کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانے کے لیئے آیا جو مغضوب الٰہی تھا۔ اور اس غرض کے لئے اُس نے انھیں وُہ اخلاق تعلیم کیئے جو مکان و زمان کی موجودہ ضروریات کے مناسب حال تھے۔ تو یہ سارے کا سارا راز سربستہ کھل جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے دل میں اُس کی وہ عزت اور عظمت پیدا ہو جاتی ہے جو دُنیا کے ایک عظیم الشان معلم اور صداقت کے شہید کی ہونی چاہیئے۔ لیکن اُسے اگر خدا سمجھ کر دیکھا جاوے تو پھر لاینحل مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کی تعلیم کو آپ اُن واقعات کی روشنی میں پڑھیں جو میں نے اوپر بیان کیئے ہیں تو وُہ جو محال اور ناممکن التعمیل امر نظر آتا ہے۔ وہ ممکن اور ضرورت حقہ اور زمانی مکانی اور مخاطب قوم کی ضروریات کے مناسب حال امر ہو جاتا ہے لیکن یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ تعلیم عامۃ الناس کے لیئے ناممکن التعمیل ہے اور آج کل کے دل و دماغ اسے قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ الوہیت کے عنصر یہ اپنے اندر رکھتی ہوگی۔ ایسا خیال کر لینا تو صرف تدوین و وضع قوانین کے اصول۔ اُن کی ترقی اور ان کی ارتقائی حقیقت سے عدم واقفیت کا اظہار ہے۔

یسوع کے اخلاق کے دو پہلوؤں یعنی ربانی اور انسانی پہلوؤں میں سے انسانی پہلو پر ضروری حدود کے متقاضی۔ میں نے بحث کر دی ہے۔ لیکن دُوسرے عنوان پر ابھی مجھے بہت کچھ کہنا باقی ہے مسیح کی آمد سے پہلے بھی خدا اور خدا کی صفات کے مفہوم سے دنیا خالی نہ تھی اور یہ مفہوم دو طریق پر دُنیا کو حاصل ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام الٰہی۔ اور بذریعہ صحیفہ قدرت اور ان ہر دو شہادتوں سے دُنیا نے قادر مطلق خدا کو کل طاقتوں اور قدرتوں کا مالک خدا سمجھا ہوا تھا۔ دُنیا کا ایمان تھا۔ کہ خدا مغلوب و مفتوح نہیں بلکہ فاتح اور غالب ہوا کرتا ہے۔ وُہ اپنے دشمنوں سے ہلاک نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کا ہلاک کرنے والا ہوتا ہے لیکن

مشکل تو یہ پڑی ہے کہ ہمیں جو کچھ مریم کے بیٹے میں نظر آتا ہے۔ اُس سے ہمارے مدتوں سے دلوں میں جاگزین علو مرتبت والے اُس خیال کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو ہم نے خدا کی حیثیت کا قائم کر رکھا ہے۔ خدا خود انسان کی شکل میں آوے۔ اور یہودی اُسے گرفتار کریں اور باندھیں۔ کل کائنات کا مالک خدا۔ اور یہودیوں سے چھپتا پھرے۔ اور جب کبھی اپنی جان کے برخلاف یہودی منصوبہ سے واقف ہو۔ خائف اور ہراساں ہو جاوے حالانکہ یہ وُہ جان ہے جس کو وہ بخوشی خود قربان کرنے کے لیئے آیا تھا۔ اُس کو دھپڑ پڑیں اور گالیاں دیجاویں۔ غلیظ مذاق اور دلخراش ٹھٹھوں کا زیر مشق بنایا جاوے۔ اور گو اُسے انکار ہی ہو لیکن منشا رکے خلاف موت کا پیالہ پینے پر مجبور کیا جاوے۔ کیا وُہ یہودی منصوبہ سے واقف ہو کر جان چھپاتا نہ تھا۔ ہاں بیشک یسوع میں انسانی جو ہر تھا۔ شاید یہ خوف اس لیئے ہوگا۔ لیکن جب وہ پھر جی اٹھا تھا۔ اور جس موت کا خطرہ تھا اُس پر وُہ غالب آچکا تھا۔ اور آسمانی زندگی پاچکا تھا۔ تو پھر کیا وجہ رہی تھی۔ کہ وُہ جان چھپاتا پھرا اور ڈرتا رہا۔ یہ چند ایک باتیں ہیں جو ایک مشرقی دل و دماغ کو خدا کے متعلق نہیں سمجھ آسکتیں۔ پر تاہم اِن امور کی ایک توجیہ تو ہوسکتی ہے۔ خدا کے اخلاق میں سے ایک خلق صبر بھی ہے۔ اس کا اظہار ہونا ضروری تھا۔ اور خداوند میں اس خلق صبر نے کامل طور پر ظہور پایا۔ میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ خدا ضرور صبور ہے۔ ہمیں دُنیا میں الہی حلم ضرور نظر آتا ہے۔ جب بعض وقت شرارت غلبہ پاتی نظر آتی ہے۔ گناہ مستولی ہو جاتا ہے۔ اور بدی حکومت کرنے لگ جاتی ہے لیکن ہمیں ساتھ ہی خدا کا ہاتھ بھی نظر آجاتا ہے۔ جب آخر کار بدی اور شرارت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس آخری غلبہ الہیہ کی بنا پر ہے۔ کہ جس سے پہلے گناہ اور بدی کے مقابل کا سبق خاموشی ایک مدبرانہ صبر نظر آتی ہے۔ اور ربانی روشنی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے۔ والا اگر آخر پر غلبہ الہی نہ ہو تو پھر تو ہر ایک بیچارہ و بےکس مخلوق کو مصائب سہنے کے وقت خدا کا ہی مظہر ماننا پڑے گا۔ یہی وُہ بات ہے جو ہمیں ہر قوم کے مقدس لٹریچر میں نظر آتی ہے۔ یہی وُہ بات ہے۔ جو بعض وقت ہمیں بت پرستوں اور یہاں کے قدیمی مذہب ڈروڈازم میں بھی نظر آتی ہے۔ اور تو اور یہ بے زبان کائنات بھی اسی صداقت پر مہر شہادت لگاتی ہے

بعض وقت مضرِ صحت مواد کثرت کے ساتھ اس لیئے جمع ہو جاتا ہے۔ کہ آخر کار سب پر غالب آنے والی قوت نامیہ اس مواد کو قطعاً ہلاک کر دے۔ یہ تو مانا۔ کہ یسوع میں خدا نے اپنے صبر اور تحمل کو دکھلایا۔ لیکن اُس کی اوصاف میں جو نہ ہلاک ہونا موجود ہے۔ اُسکی قدرت میں جو دُوسروں کو ہلاک کرنا موجود ہے۔ کیا یہ صفات بھی یسُوع میں موجود ہیں۔ یسُوع کے ماسوا بھی دنیا میں بُہت سے صداقت کے جاں نثار پیدا ہوئے ہیں۔ جنھوں نے سچائی کے لئے مسیح کی طرح مصائب دیکھے اور مصایب کے وقت مسیح کی طرح صبر دکھلایا۔ کیا یہ سب کے سب خدا کا مظہر تھے۔ بہر حال کوئی ما بہ الامتیاز انسان بشکل انسان اور خدا بشکل انسان میں ہونا چاہیئے۔ خدا کا جلال تو خدا کے دشمنوں کی ہلاکت میں زیادہ ظاہر ہو سکتا ہی نہ کہ خود ہلاکت کے دیکھنے سے اور وُہ ہلاکت بھی بد قماش دشمنوں نے جلدی پیدا کر دی۔ اگر یسُوع کے دشمن یسُوع کے ہاتھ سے ہلاکت تک پُہنچ جاتے تو خدا کا جلال بھی نجات پا جاتا اور اگر مان لیا جاوے۔ کہ اُس کے دشمن بعد میں ہلاک ہوئے۔ تو اِس سے تو کچھ نہیں ثابت ہوتا۔ یسُوع کے علاوہ کون سا شہید صداقت ہوا جس کے دشمن ہلاک نہیں ہوئے۔ کسی صادق کے دشمن کبھی بھی مدتوں تک نہ رہے۔ اور آخر کار اُن کی ذلت ہوئی۔ اور صداقت ہر حالت میں غلبہ پا گئی۔ مغربی فاضل الٰہیات کے مقابل غالباً ہندو حکماء کا مفہوم الوہیت شاید بُہت بلند وارفع تھا۔ اگر خداوند نے چرنی (کھرلی) میں ایک دفعہ پیدائش لی تو نصف درجن سے زیادہ دفعہ خداوند برہمنوں کی سرزمین میں پیدا ہؤا۔ لیکن وہاں اُس کی پیدائش اُن عاو مرتبت والے حالات کے ماتحت تھی جو خدائے ذوالجلال کی شان کے شایاں تھی۔ یہ تو درست ہے کہ دونوں جگہ غلبۂ معصیت کے باعث خدا نے پیدائش لی۔ لیکن وہ ہندوستان میں تو شریروں اور ناراست بازوں کو ہلاک کرنے اور اُن کو ہلاک کر کے اپنی سلطنت کو قائم کرنے آیا۔ اور گلیل کے کوچوں میں وہ اُن کے مقابل ایک عاجز شکار بن کر آیا۔ فطرۃً اُسکی پہلی حالت زیادہ تر قابل ترجیح۔ اور اُس کی عزت وجلال کے مناسب شان ہے۔ لیکن اس سے بھی چشم پوشی نہیں ہو سکتی۔ کہ خدا میں نرم اخلاق بھی موجود ہیں۔ میرے نزدیک تو اُس کے دونوں ظہور کیا ہندوستان میں اور کیا بیت اللحم میں۔ ہر دو جگہ ناقص اور نا مکمل تھے

اُس کا کامل ظہور تو اُس وقت ہوگا جب اُس کے سارے اخلاق جمع ہو جاویں۔ مثلاً اُس کا ظہور ایسے وقت ہو جب معصیت اور گناہ بدرجہ اتم پہنچا ہو۔ وہ ایسے وقت مسیح کی طرح نہایت ہی عاجز اور مسکین حالت میں ظاہر ہو۔ وہ صداقت کی حمایت میں کرشن کی طرح جنگ کرے اور رامچندر کی طرح آخر کار مظفر و منصور ہو۔ اور اگر خدا نے انسان میں ظہور کرنا ہی ہو تو یہ وہ حالات ہیں جو اُس کے شامل حال ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ امر احاطہ امکان میں آسکتا ہے۔ کہ خدا انسان میں ظاہر ہو۔ تو پھر یہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور نہ کوئی اور معزز رکن انبیاء کی شریف اور مبارک جماعت کا جو ان تمام ضروریات کو اپنے ساتھ پورا کر دیتا ہے +

مسیح انسان اور مسیح خدا

ذیل کا مضمون ہم اسلامک ریویو ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء سے ترجمہ کرتے ہیں۔ جو رسالہ مذکور کے ایڈیٹوریل کالموں میں درج ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مسیح کو انسان سمجھ کر بائیبل کے پڑھنے والے کے دل پر کیا اثر ہوتا ہے اور اگر اسے خدا سمجھ کے بائبل کو دیکھا جاوے تو پھر پڑھنے والے کے ذہن میں مسیح کی کیا تصویر پیدا ہوتی ہے +

مسیح بحیثیت انسان۔ تاریخ عالم میں ایک نہایت ہی اعلےٰ کیرکٹر۔ شرافت نجابت۔ حلیمی۔ تحمل کا مجسمہ۔ انسانی ضروریات سے تنگ۔ لیکن نہایت جوانمردی سے تمام تحریکات بد کا مقابلہ کرنے والا۔ دنیوی حیثیت میں چھوٹا۔ لیکن اس اخلاقی جرأت کا مالک کہ جس سے وہ بڑی سے بڑی حیثیت کے منافقوں کی پردہ دری کر سکتا تھا۔ ہمیشہ اس بات کا مشتاق کہ کس دن آسمانی سلطنت کا وعدہ خداوندی پورا ہو۔ بدقماش بد وضع لوگوں کے حملوں اور طعنوں کا ہدف۔ لیکن ہمیشہ صبر و تحمل سے ان تمام ناملائم باتوں کو برداشت کرنیوالا۔ اپنے دوستوں کا سچا خادم اور دشمنوں پر رحیم اور مہربان معجزات دکھلانے والا۔ لیکن معجزات پر کسی قسم کا فخر نہ کرنیوالا۔ بلکہ اس بات کو بھی ملنے پر تیار کہ

دُوسرے بھی معجزات کرسکتے ہیں۔ اپنے وقت کا سچا اور حقیقی پیغمبر جس نے خوب سمجھ لیا کہ اس کی قوم کو کس قسم کی بداخلاقی کا کرم کھا گیا ہے۔ اور ہمہ تن اس اخلاقی بیماری کے علاج کے لیئے مستعد ہے +

مسیح کو بطور خداوند دیکھو۔ تو تمام شوکت تمام خوبصورتی اور تمام عزت ہیچ ہو جاتی ہے۔ صفات الٰہیہ کا کیسا بُرا مظہر ہے۔ خدا اور شیطان اسے پھسلائے۔ خدا اور شریروں کی شرارت کا ہدف۔ خدا اور اپنی ہی مخلوق کے ارزل ترین لوگوں سے ستایا جاوے۔ خدا اور اپنے دشمنوں کے مقابل بے یار و مددگار۔ گو موت پہ غالب آکر اپنے دشمنوں کی سازش کو خاک میں ملاتا ہے۔ لیکن اس بات کا بھی ڈر ہے۔ کہ پھر دشمن اسکو قتل کریں۔ مُعجزات تو دکھائے لیکن معجزات کو اُنہی سے چھپائے جنکو اُن معجزات کی سخت ضرورت تھی موت کے پیالے سے بچنے کی تو کوشش کرے۔ لیکن پینے پر مجبور کیا جاوے۔ خود ہی انسان کی نجات کی تجویز سوچھے۔ اور خود ہی اس تجویز سے پچھتائے۔ بھُوک کے وقت نہایت ہی معمولی سے معمولی انسان کی طرح بے موسم درخت کی طرف پھل کے لیئے دوڑے اور پھر جب وہاں پھل نہ ملے تو اس بے جان درخت پر اپنا غصہ ظاہر کرے۔ انسان کو ناممکن التعمیل اخلاق کا سبق دے۔ اور ان کو اُن جذبات اور قواء کے معدوم کرنیکی ہدایت دے۔ جو خود اس نے بطور خالق انسان کر دیئے۔ وغیرہ وغیرہ +

ستمبر نمبر

اس ماہ کے شروع میں اگرچہ اگست نمبر قارئین کرام کی خدمت میں پہنچا ہے لیکن ہم نے ستمبر نمبر کو اس ماہ میں اس لئے نکال دیا ہے۔ کہ آئندہ ہر ماہ کا پرچہ اُسی ماہ میں ختم ہو کر سال کے اخیر میں کامل جلد اس سال کی ختم ہو جاوے +

مینیجر

اُمّ الالسنہ یا زبانوں کی ماں

از

خواجہ کمال الدّین صاحب بی۔ اے (ایل۔ ایل۔ بی)

غالباً سال ۱۸۹۶ء میں حضرت مرشد و مجدّد وقت عالی حضرت جناب مرزا غلام احمد صاحب قدس اللہ سرّہٗ مسیح موعود نے ایک کتاب موسومہ بہ منن الرحمٰن تصنیف فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ جس میں یہ تحقیق کی جانی تھی۔ کہ عربی زبان سے دیگر زبانیں نکلی ہوئی ہیں۔ آپکا مشن اگرچہ مذہبی مشن تھا۔ لیکن خدمت قرآن نے ہی آپ کو اس نادر تحقیق کی طرف متوجہ کیا۔ آپ کے زمانہ میں قرآن کی حقانیت پر۔ ایک یہ حملہ بھی ہوا۔ کہ جب قرآن نے " وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ " (کسی قوم کا رسول اُس قوم کی زبان میں ہی آیا کرتا ہے) کا اصول باندھ کر اپنی تعلیم کو عرب تک ہی محدود و مختص کر دیا۔ تو پھر اس کتاب نے عرب کے ماسوا غیر عربی زبانیں بولنے والی اقوام کو کیوں اپنے دائرۂ اصلاح میں لے لیا۔ اور اپنا مخاطب کل اہل دُنیا کو بنایا۔ یہ ایک صریح تناقض تھا۔ جس پر کہا گیا۔ کہ قرآن اپنی ہی تعلیم کے مطابق منجانب اللہ نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ قرآن نے یہ امر بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں بہت اختلاف ہوتے (ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً) یہ حملہ ایسا نہ تھا۔ کہ جسے مجدّدِ وقت نظر انداز کرتا۔

قرآن کریم نے جہاں کل اقوام عالم کی طرف فرداً فرداً الہام کا آنا۔ اور ایسے الہام کے انسانی ہاتھ سے محرّف و مبتدل ہونے پر از سر نو الہام کا نزُول تسلیم کیا ہے۔ وہاں ان سب الہاموں کی موجودگی میں اپنے نزول کی دو خاص وجوہ بتلائی ہیں[۱]۔ ایک یہ کہ نزول

[۱] اس امر پر مفصّل بحث کے لئے دیکھو براہین نمبرہ حصہ اوّل۔ منہ مؤلف۔

قرآن کے وقت قریباً کل کی کل کتب الہیہ مسلمۃً محرّف و مبدّل ہو چکی تھیں۔ دُوسرا نزول قرآن پر دُنیا عنقریب اُن ایام کو دیکھنے والی تھی۔ جب مختلف اقوام عالم کے افراد ہر ملک میں جمع ہو جانے تھے۔ ایسے وقت وحدت عامہ اس بات کو چاہتی تھی کہ سب اقوام عالم کی ہدایت کے لیئے ازسرنو ایک ہی کتاب آوے جسمیں جہاں کل کتب سابقہ کی تعلیم کو اُنکی اصل شکل میں جمع کر دیا جاوے وہاں اُنپر اور امور ضروریہ بھی ایزاد کرکے شریعت کی تکمیل کر دیجائے۔ اِس سوال یہ ہا کہ یہ آخری اور خاتم نبوت الہام کس زبان میں ہوا۔ اصول مندرجہ بالا کے ماتحت کہ ہر رسول کا الہام اپنی قوم کی زبان میں ہی آیا کرتا ہے۔ آخری کتاب جو کل دُنیا کے لیئے ہو۔ اُسی زبان میں نازل ہونی چاہیئے تھی۔ کہ جو سب قوموں کی مشترک زبان ہو۔ اب اگر یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاوے۔ کہ عربی زبان کل زبانوں کی ماخذ ہے۔ تو پھر کل اقوام عالم کی زبانیں عربی یا عربی کی کوئی بگڑی ہوئی صورت ٹھیر جاتی ہیں۔ اور اس طرح قرآن کریم گویا اس زبان میں نازل ہُوا ہے۔ جو اپنی اصلی شکل وصورت میں کل انسانوں کی مشترک زبان ہے۔ اور اس طرح اعتراض بالا رفع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف خود قرآن نے "ولتنذر ام القریٰ ومن حولها" میں صریح اشارہ فرمایا یعنی قرآن ام القریٰ اور اس کے ارد گرد کل دُنیا کو خوف دلانے کے لیئے نازل ہُوا ہے۔ عرب لوگ مکہ کو قدیم سے ام القریٰ یعنے شہروں کی ماں پکارا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک مکہ ہی ابو البشر کی جگہ تھا۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔ کہ کل بنی نوع انسان ایک نہ ایک وقت کسی ایک ہی مقام پر آباد تھے۔ جب وہ تعداد میں بڑھے۔ اُنھوں نے مختلف اکناف عالم کی طرف رُخ کیا۔ ہاں ابو البشر کی جائے سکونت کہاں تھی؟ یہ سوال اُس وقت تک لاینحل رہا ہے۔ فزی آلوجی کی بنا پر ام القرےٰ کی تعیین کرنے کی کوشش اُس وقت تک بےسود ثابت ہوئی۔ بالمقابل زبان ہی ایک بہترین ذریعہ تسلیم کی گئی ہے۔ کہ جس سے یہ سوال آسانی کے ساتھ طے ہو سکتا ہے یعنی جس جگہ کی زبان کے متعلق یہ ثابت ہو جاوے۔ کہ کل دیگر السنہ اُس زبان سے مشتق ہیں۔ وہی جگہ ام القرےٰ کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ اب اگر عربی زبان ام الالسنہ ثابت ہو جائے۔ تو پھر مکہ ہی ام القرےٰ اور وہاں کی زبان میں قرآن کا نازل ہونا۔ گویا اس کا کل امصار و دیار دُنیا کی زبان میں نازل ہونا ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں

اس طرف اشارہ کیا گیا۔ الغرض ان وجوہ پر حضرت مرزا صاحب نے اس امر کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کی ہدایت کے ماتحت ہم چند مریدان حضرت نے بعض دیگر زبانوں کے الفاظ کے متعلق تحقیق شروع کی۔ دوسری طرف حضرت اعلیٰ نے اس کتاب کا لکھنا شروع کیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد نئے واقعات اور اس کام سے اہم تر نئی ضروریات نے پیدا ہو کر آپ کو اس ارادہ کی تکمیل کا موقعہ نہ دیا۔ اور یہ امر وہاں کا وہاں رہا۔ میں کیا اور میری بساط کیا۔ کہ اس امر کو اس کمال تک پہنچا سکوں۔ جہاں ایک مبعوث اور مامور کے ہاتھوں یہ کام پہونچتا۔ چنانچہ اس کتاب کی تمہید ہی جو آپ نے لکھی۔ اور وہ ساتھ ہی ساتھ چھپ بھی گئی۔ اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سلطان القلم کے دماغ نے اس تحقیق کے لئے کیسے کیسے نادر اصول تجویز فرمائے تھے۔ اور عربی زبان کے کیا کیا عجیب خصائص بیان کیئے۔ وہ اصول انشاء اللہ ہمیں اس راہ میں ایک حقیقی رہنما کا کام دینگے۔ اور در اصل جو کچھ بھی میں لکھونگا یہ اُس چشمۂ آب زلال میں سے ایک قطرہ ہوگا۔ جہاں وہ خضر حقیقت دُنیا کو اس کتاب کے ذریعہ پہنچا دیتا۔ میں تو اس اسلامی لشکر کا ایک سپاہی ہوں۔ جس کا وہ سپہ سالار تھا۔ اور ہم جو کچھ فتوحات بھی کریں۔ سب اس کے نام پر ہیں۔

حضرت اعلیٰ کے اس ارادہ کی تکمیل ہمیشہ میرے سامنے رہی۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں میں نے انگلستان میں اس کام کی طرف متوجہ ہونا چاہا۔ لیکن حضرت قبلہ حکیم نور الدین صاحب قدس اللہ سرہٗ نے میرے تبلیغی فرائض کی اہمیت کے مقابل اس کام کے لیئے میرا وقت موزوں نہ سمجھا۔ اب جو میں ہندوستان میں آیا تو میں نے چاہا۔ کہ اس کام کو شروع کروں لیکن آج سے دو ماہ پہلے مجھے اطمینان سے ایک جگہ بیٹھنے کا موقعہ نہ ملا۔ امسال موسم گرما کی سختی مجھے ابتدائے جولائی میں یہاں لے آئی۔ چنانچہ میں نے بھی پسند کیا۔ کہ یہاں کے موسم سے فائدہ اُٹھا کر اس عظیم الشان کام کو شروع کر دوں۔ جس کی تکمیل ہر احمدی کے ذمہ ہے۔ یہاں اتفاق سے میں نے ایک انگریزی کتاب موسومہ بہ "ہندوستان میں موجودہ مذہبی تحریکات" ایک پادری ڈاکٹر (Farquhar) فرقوہار کی لکھی ہوئی دیکھی۔ اس نے حضرت مرزا صاحب پر جہاں اور ناپاک حملے کیئے۔ وہاں حضرت مرزا صاحب کے اس

دعوے کے متعلق عربی زبان کی طرف اشارہ کرکے اس نے حضرت کے بلیغ علم پر بھی حملہ کیا۔ یہ حملے بالخصوص میرے اس کتاب کے جلد شائع کرنے کا موجب ہوا۔ اس امر کے لیے سب سے پہلا کام الفاظ کی تحقیق تھا۔ ہماری سابقہ تحقیق کے نتائج شاید اس وقت قادیان میں ہوں لیکن حالات موجودہ کے ماتحت میرا قادیان کی طرف دیکھنا کسی نتیجہ کو پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لیے مجھے از سرنو یہ تحقیق بھی یہاں کرنی پڑی۔ اور میں اس امر کے لیے جس قدر سجدات شکر ادا کروں تھوڑے ہیں کہ میں اپنی تحقیق میں حسب اطمینان خود کامیاب ہوگیا۔ اگرچہ میری تحقیق اس وقت صرف زبان انگریزی تک محدود رہی۔ اور وہ بھی پانصد الفاظ انگریزی[1] کے لگ بھگ لیکن جب میں اس اپنی تحقیق کا مغربی تحقیق سے مقابلہ کرتا ہوں۔ جہاں صرف چند الفاظ کی بعید از قیاس اور نہایت ہی رقیق مجانست پر مغربی فلولوجسٹ (ماہران علم الالسنہ) دو زبانوں کو ہم مخرج قرار دیدیتے ہیں۔ تو میں بلا تامل اس نتیجہ پر آجاتا ہوں۔ کہ ان فضلاء کو ہماری تحقیق سے کوئی بھی نسبت نہیں۔ جہاں ان کو ایک دُھندلی سی روشنی نظر آ رہی ہے۔ وہاں ہم اپنے آپ کو نصف النہار میں پاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک غلط راہ پر پڑ کر حقیقت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی اس ناکافی اور نا اطمینان بخش تحقیق پر سنسکرت۔ فارسی اور کل یورپین زبانوں کو قریب المخرج سمجھتے ہیں۔ اور عربی کو اپنے سے بہت دُور جانتے ہیں۔ اور اس دعوے کی تائید میں نہایت ہی بودے دلایل اور کمزور شہادت پیش کرتے ہیں۔ تو جو ثبوت بفضلہ تعالے ہم نے بہم پہنچا لیا ہے۔ وُہ ایک محقق کو اس نتیجہ پر مجبور کرے گا کہ ایک عربی زبان ہی ایسی جامع زبان واقع ہوئی ہے۔ جو ان سب زبانوں سے اقرب ہو۔ جس میں اس لسانی تحقیق کے لیے کافی اور صحیح اور محفوظ مصالحہ موجود ہے۔ اور یہ زبان ان زبانوں کے مقابل ایک اور خاندان سے نہیں۔ جیسے کہ یورپین تحقیق کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اُن میں سے ہے اور اُن کی ماں ہے۔ یہ میری تالیف دراصل اُس ضخیم کتاب کا دیباچہ ہے۔ جو میں ولایت واپس جاکر انگریزی زبان میں لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک بڑا بھاری کام ہے جو برسوں کی محنت شاقہ کا محتاج ہے۔ اور اس میں بہت سے مستعد ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں نے اپنی ارادہ

[1] اس تحقیق میں میں نے اُن الفاظ کو شامل نہیں کیا جو محققین فرنگ نے خود عربی الاصل قرار دیئے ہیں۔

کردہ کتاب کا خلاصہ اِس وقت اردو رسالہ[۱] میں لکھدیا ہے۔ کہ ہندوستان میں جو کثرت سے ایسے بزرگ موجود ہیں۔ جو عربی زبان سے تو واقف ہیں۔ لیکن انگریزی سے ناآشنا ہیں۔ وُہ اصحاب بھی میرے اُن طریقوں سے واقف ہو جاویں جن پر میں اِس تحقیق کی بُنیاد ڈالنا چاہتا ہوں اور جس کو خدا تعالےٰ توفیق دے وُہ مجھے امداد دے۔ ایسے اصحاب بھی۔ پنجابی۔ ہندی بنگالی کشمیری پشتو۔ مرہٹی۔ تلوگو۔ تامل۔ کناری اور دیگر ہندوستان کی زبانوں کے متعلق اپنے اپنے ہاں تحقیق شروع کر دیں۔ اور اس طرح اِس عظیم الشان کام میں محض عند اللہ میرے معین و مددگار بنجائیں۔ اِس سے نہ صرف یہ کام جو میرے ہاتھ میں ہے۔ جلد تکمیل کی صورت دیکھے گا۔ بلکہ اگر یہ ہماری تحقیق مکمل ہو جاوے۔ تو عربی زبان حاصل کرنے کا ایک آسان سے آسان طریق دُنیا میں پیدا ہو جائے گا۔ زبان کا سیکھنا بُہت حد تک لُغت سے واقفیت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ قواعد زبان سے واقف ہونا تو بُہت ہی تھوڑا وقت چاہتا ہے۔ واقفیت لغت ہی ایک مشکل کام ہے۔ اب انشاء اللہ لغت کا سیکھنا بھی اُس شخص پر نہایت ہی آسان ہو جائے گا۔ جس کے سامنے اُس کی اپنی زبان کے صدہا الفاظ عربی زبان سے ملے جُلتے رکھدیئے جاویں۔ مثلاً اگر دو ہزار پنجابی یا اردو کے الفاظ ہم عربی الفاظ سے شکل و معنی میں ملتے جُلتے ایک پنجابی یا ہندوستانی کے سامنے رکھدیں تو انھیں دو ہزار عربی الفاظ آسانی سے آجاویں گے۔ مثلاً اگر ہم ایک بچّہ کو اوّل یہ سکھلاویں۔ کہ زبانوں کی تبدیلی میں کون سے حروف کن حرفوں سے بدل جاتے ہیں۔ اُسے یہ بتلاویں۔ کہ اردو الفاظ۔ چاک۔ ہوا۔ آگ۔ دُہائی نچھاور کے مقابل عربی زبان میں شق۔ ہوآ۔ اجّ۔ دُعا۔ نثار موجود ہیں۔ ایسا ہی اُسے یہ بتلایا جاوے۔ کہ جسے تم اپنی زبان میں لقا لنگارا کہتے ہو عربی میں اُسے لکع یا لقع کہتے ہیں۔ یہاں جسے راب کہتے ہیں۔ عربی میں اُسے رُبّ کہتے ہیں۔ پنجابی لفظ ہاڑی (مددگار) اور چوہا کو عربی میں عانی۔ اور جب کہتے ہیں تو پھر ممکن نہیں۔ کہ آن واحد میں وہ بچّہ ان عربی لغات سے ویسا ہی واقف نہ ہو جائے۔ کہ جیسے وُہ اپنی مادری زبان کے الفاظ سے آشنا ہوتا ہے۔ آج ہم اپنے اسلاف کے بُہت سے نادر علوم سے اِس لیئے ناواقف ہیں کہ ہم عربی زبان سے ناآشنا ہیں۔ عربی زبان ہی ہماری مذہبی زبان ہے۔ عربی زبان کی ناواقفی

فٹ نوٹ [۱] ام الالسنہ جو سنو صفحہ سے اوپر ہے۔ قیمت ۱۲ار (منیجر رسالہ سے طلب فرمائیں)

نے نہیں اسلام اور قرآن سے ناآشنا رکھ کر ہمیں اس کی خدمت سے محروم کر رکھا ہے۔
ہماری سب تعلیمی انجمنوں کا اوّل فرض یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ عربی زبان کی ترویج اور تعلیم میں از حد کوشش کرتے اور یہ کوشش کرتے کہ ہم میں سے خواندہ مسلمان عربی دان ہو جاویں اور اس کا سہل طریق یہی ہے۔ جو میری سمجھ میں آیا ہے۔ اگر ہم اس قسم کی لغاتیں اور ڈکشنریاں تصنیف کرنے میں کامیاب ہو جاویں۔ تو ہم نے آنے والی پشتوں پر بڑا بھاری احسان کر دیا عزیزو! یہ کام کا وقت ہے۔ سونے کا وقت نہیں۔ یاد رکھو۔ عربی کی اشاعت اسلام کی اشاعت ہے۔ کیا خدمت عربیت بھی کسی خاص فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ میرے نزدیک اسلام کی پہلی خدمت اس کو سمجھو۔ کہ تم اپنے اپنے فرقہ کی خصوصیات کو تو بیشک قائم رکھو۔ لیکن ایسے امور میں مشترک ہو کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ میں نے مختلف امور میں آگے بھی آپ سب فرقہائے اسلام کو مخاطب کیا۔ اب اس علمی تحقیق میں بھی آپ سب کو ہاتھ بٹانے کی دعوت دیتا ہوں۔ محض عند اللہ اٹھو۔ اور میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ میری آئندہ کتاب کے اس دیباچہ[1] کو پڑھو اور دیکھو کہ مجھے عربی زبان کی تحقیق میں کن کن علمی خزانوں کا دستیاب ہونا نظر آتا ہے۔ میں عربی زبان کو نہ صرف ام الالسنہ یعنی کل زبانوں کی ماں ہی کہتا ہوں بلکہ اسے الہامی اور خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی زبان سمجھتا ہوں۔ میں نے اس مختصر اردو کتاب میں اُن وجوہ کو علمی وجہ الکمال نہیں لکھا۔ جن سے میں عربی زبان کا الہامی ہونا ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ذہن میں جو اصول ہیں۔ ان کے ماتحت میں نے نہائت مختصر سی تحقیق ان ایام رمضان شریف میں کی۔ اور اس تحقیق کا خلاصہ میں اس کتاب میں جو اسی ہفتہ پریس میں چلی جاوے گی۔ اس خیال سے درج کرتا ہوں۔ کہ ہمارے مسلم بھائی اُن پر تنقیدی نگاہ ڈالیں۔ اگر وہ اصول غلط ہوں تو مجھے اُن سے اطلاع دیں۔ تاکہ میں انگریزی کتاب لکھنے سے پہلے اُن کی اصلاح کر لوں۔ اور اگر وہ اصول صحیح نظر آویں۔ تو جن راہوں سے میں اس عظیم الشان نتیجہ پر آنا چاہتا ہوں وہ بھی اس پر قدم ماریں۔ اور یہ امر یاد رہے۔ کہ اگر عربی زبان علمی اصولوں پر نہ کہ مذہبی معتقدات کی رو سے الہامی زبان ثابت ہو جاوے۔ تو آج اگناسٹیزم (مذہب متشککین) کا دنیا سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ آج الہام کا وجود علمی رنگ میں

[1] یہ دیباچہ (موسومہ بہ ام الالسنہ) جو قریباً یکصد صفحات سے اوپر مشتمل ہے چھپ کر تیار ہو گیا ہے مفصل اشتہار کے لیئے سرورق [illegible]

ثابت ہوجاتا ہے۔ اور آج ناطق اور خاتم الہام کے لیئے موزون سے موزون زبان عربی ثابت ہوکر قرآن کی صداقت پر مہر لگ جاتی ہے۔ یاد رکھو آج الہامی مذہب کا اگر کوئی دشمن ہے تو دہریت نہیں بلکہ اگناسٹسیزم ہے۔ جس کے ماتحت منجانب اللہ الہام کا امکان مشتبہ ہوگیا ہے یہی عقیدہ یورپ کو نہیں بلکہ مغربی تعلیم کے زیر اثر کل مذاہب کے پیرووُں کو الہام کی حقیقت سے متزلزل اور متشکک کر رہا ہے۔ اس لیئے یہ خدمت ایک بھاری مذہبی خدمت ہے۔ اور اسلام کی صداقت منوانے کے لیئے مخالفین پر ایک کاری حملہ۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

(خواجہ کمال الدین)
از ایبٹ آباد۔ بنگلہ شاہ بخارا
۳۱۔ اگست ۱۹۱۵ء

عیسائی مذہب کی تعریف کیا ہے؟

اُس خط کے بعد جس میں بہت سے سوالات کیئے گئے تھے۔ اور جس کے جواب دینے کی میں نے کوشش کی تھی۔ پادری ایچ۔ سی۔ ویلیس صاحب پھر مندرجہ ذیل طریق پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

بخدمت لارڈ ہیڈلے صاحب

لنڈن ایزلے بورڈن روڈ

جناب من! ۱۵ مئی ۱۹۱۵ء

آپ کا ۱۳ تاریخ کا لکھا ہوا خط وصول ہوا۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا۔ کہ آپ نے اب بھی جو سوال میں نے کیا تھا اُس کے متقابل ہونے سے ارادۃً اعراض کیا ہے بلکہ میں افسوس کرتا ہوں۔ کہ اب کی دفعہ آپ ایک درجہ اور آگے نکل گئے۔ اور ایسی

بات کر بیٹھے کہ جس کی تردید نہایت شدومد سے کرنی میرا فرض ہے۔ پہلے تو آپ نے بھی بیان کیا ہے۔ کہ "عیسائی لوگ نہایت سچے دل سے یقین کرتے ہیں کہ بپتسمہ۔ عشائے ربانی۔ اور الوہیت مسیح تینوں وہ ضروری ارکان ہیں جن کے بغیر نجات ناممکن ہے" اس بیان سے صرف یہی ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے یہ بات بولی یا لکھی گئی ہے۔ تاکہ یہی بات لوگ سمجھیں کہ مذکورہ بالا تینوں باتیں عیسائی مذہب کے تین ضروری ارکان ہیں۔ جن کے ماننے کے بغیر کوئی شخص عیسائی نہیں کہلا سکتا۔ اس اپنی پیدا کردہ غلطی سے نکلنے کی راہ آپ نے یہ نکالی کہ میرا مطلب اس سے یہ نہ تھا۔ کہ سب عیسائی ایسا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن اس گریز میں آپ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ہاں اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ برٹش مسلم سوسائیٹی کے جلسہ میں آپ نے اپنی تقریر میں یہ واضح کر دیا۔ کہ "دراصل یہ خیال آپ کو بعد میں پیدا ہوا" مگر پھر صفحہ نمبر ۳ میں آپ کہتے ہیں "کہ مسلمانوں کو بھی ممکن ہے۔ یہ خوف ہو کہ مبادا وہی باتیں جن پر ہم عیسائیوں کو ملزم کرتے ہیں ہم میں تو نہیں ہیں۔ یعنے بپتسمہ۔ الوہیت مسیح۔ اور عشائے ربانی نجات کے لئے ضروری ہیں" پس یہ دورنگی آپ کی چل نہیں سکتی۔ میرے سوال کے جواب میں جو "آزاد کلیسیا" کے عقاید کے متعلق میں نے کئے تھے۔ آپ اب فرماتے ہیں کہ "مجھے تمام آزاد کلیسیا کے لوگوں کے خیالات کو پرکھنے کا موقع نہیں ملا" آپ کا یہ جواب کچا ہے۔ آزاد کلیسیا کے پیشواؤں نے اپنے خیالات کو بیشمار کتابوں میں ظاہر کیا ہے" اور ایک مذہبی معلم کا فرض ہے۔ کہ ان خیالات کے مقابلہ میں کھڑا ہونے سے قبل اُن کو ایک دفعہ غور سے پڑھ لے۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ اسلام کی اشاعت کے لیئے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ انگلستان کے بعض نہایت قابل عیسائی مصنّفین کی تحریروں کو نظر انداز کر دیں۔ آپکا طرزِ عمل میری نگاہ میں پسندیدہ نہیں۔ میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں کہ آپ کو خیال نہ آیا ہو کہ اسقدر آدمی جو عیسائی کہلاتے ہیں۔ آپ کی اس قسم کی عیسائیت کی تردید سے کیوں ناخوش ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ اُن کے خیالات کثرت سے شائع ہو چکے ہیں لیکن آپ ہیں۔ کہ اُن کی نسبت کچھ بھی نہیں جانتے۔

پھر میں کہوں گا۔ کہ آپ "الوہیت" کے لفظ کو ہمیشہ غلط پیرائیہ میں استعمال کرتے ہیں۔

الوہیت جدا امر ہے اور معبود ہونا جدا امر ہے۔

موحدین عیسائیوں کے متعلق آپ ایک بدیہی بات سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ بھی عیسائی ہونے کے مدعی ہیں۔ اور وہ اپنے فرقہ کا نام آزاد عیسائی رکھتے ہیں۔ اور اپنے کلیسیا کا نام آزاد کلیسیا رکھتے ہیں۔ اُن کے اخبار کا نام "عیسائی زندگی" ہے جب آپ مسٹر اسٹاپ فورڈ بروک کو موحد کہتے ہیں۔ تو یہ بات تو نہیں۔ کہ اُس وقت وہ عیسائیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیا جب آپ کو میں محمدی کہوں تو آپ مسلمان نہیں رہتے آپ اسے ہرگز پسند نہ کریں گے۔

آپ کے آخری فقروں سے یہ معلوم کر کے مجھے عجیب ہی معلوم ہوا۔ کہ اسلام میں وحدت اور خیالات کی آزادی ایک ہی وقت میں دونوں موجود ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں مختلف طبائع کے لوگ مثلاً اینڈریو۔ پطرس۔ جیمس۔ پولوس اور اگر آپ پسند کریں تو محمد (صلعم) کس طرح تمام چیزوں کو ایک ہی رنگ میں دیکھ سکتے ہیں۔ جب کوئی دو دِل یکسان نہیں تو پھر کوئی بھی دو آدمی خدا کی نسبت ایک ہی طرح کے خیالات نہیں رکھ سکتے۔ اِس لئے آپ کا وحدت کا دعوے ایک افترا اور خیالی چیز ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ کیونکہ آپ سائنس اور واقعات کے خلاف یہ بات پیش کر رہے ہیں۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ عیسائیت کے متعلق آپ وہی رویہ اب تک اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جو پہلے آپ کا تھا۔ یہ گندہ اور نہایت گندہ رویہ ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ آپ اسکو گندہ نہیں سمجھتے۔ اِس عقیدہ کو حل کرنا میری سمجھ سے تو باہر ہے۔ عیسائیت کی نسبت جب پر بڑی شدومد سے آپ نے نکتہ چینی شروع کی ہوئی ہے۔ آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ مثلاً پریسبٹیرین کلیسیا کی سادی حکومت کی نسبت آپ نے جو کچھ کہا۔ مَیں نے اُسی فرقہ کے ایک پادری کو دکھایا۔ وہ بڑا ہنسا۔ بات تو یہ معمولی ہے۔ مگر کلیسیا کی حکومت کجا اور سادگی کجا۔ چونکہ مَیں نے پریسبٹیرین میں تربیت پائی۔ اِس لیئے میں خوب جانتا ہوں۔

یاد رکھو۔ جب تک آپ عیسائیت کے متعلق غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کو کام

میں لائیں گے۔ آپ اپنا مذہب کبھی بھی نہیں پھیلا سکیں گے۔ اور لوگوں کو کبھی اسلام میں داخل نہیں کر سکیں گے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ عیسائیت کے متعلق اب بھی آپ غلط بیانیوں سے باز نہ آئیں گے۔

آپکا وفادار۔ ہیو۔ سی۔ ویلیس

جواب

بخدمت پادری ایچ۔ سی۔ ویلیس۔ منسے۔ بورڈن روڈ ایبنرے لنڈن

از ڈوکس ہام
۲۸۔ مئی ۱۹۱۶ء

جناب من

میں امید کرتا ہوں۔ کہ اب آپ کے پاس جس قدر ہجو اور توہین کے الفاظ ہونگے۔ وہ ختم ہو چکے ہونگے۔ اور آپ نے جو اشارتاً مجھے بے علم اور جاہل کہا اور مجھے افترا پردازیوں کے زہریلے ہتھیاروں سے مسلح بتایا۔ وہ غصہ کی وجہ سے تھا۔ اور اس لیئے میں اس سے اعراض کرتا ہوں۔ آزاد کلیسیا کی تحریروں کو نہ صرف میں نے بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ لوگوں نے اب تک نہیں پڑھا۔ اور میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ تمام مسیحی دنیا کے مقابلہ میں آپ کی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔

جو عقاید تمام مسیحی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کے متعلق آپ کا مجھ پر نکتہ چینی کرنا خواہ مخواہ بال کی کھال نکالنا ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ عام طور پر مسیحی لوگ یعنی مسیحیوں کی کثرت اُنہی عقاید کی پابند ہے۔ جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ آپ کی تعداد تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ پس آپ کو اس بات سے اس قدر ناراض نہ ہونا چاہیے کہ آپ کا خاص طور پر کیوں ذکر نہ کیا گیا۔ میں نے ارادتاً آپ پر یہ ظلم نہیں کیا۔ بلکہ آپ کے ساتھ اور بھی کئی ایک آپ کی طرح گمنام فرقوں میتھوڈسٹ اور پلائی متھ برادرن

وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ بینے جو عام طور پہ کثرت سے اُس عقیدہ کا جو عیسائی دُنیا میں مروّج ہے
صحیح صحیح نقشہ کھینچ دیا۔ اور تنو میں سے ننا نوے آدمی میرے مطلب کو خوب سمجھتے ہیں۔
آپ نے یہ کہاں سے مطلب نکال لیا کہ میں آزاد کلیسیا کے خیالات کا مخالف ہوں مضمون
لکھتے وقت تو نہ مجھے مخالفت کا خیال تھا نہ موافقت کا۔ اگر جیسا کہ آپ کے بیان سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ آپ لوگ الوہیت مسیح۔ تثلیث۔ عشائے ربانی وغیرہ کو نجات کے لئے ضروری
نہیں سمجھتے۔ تو اس بات میں تو مَیں بجائے مخالف ہونے کے آپ کے ساتھ موافق ہوں۔
اپنی سمجھ کے مطابق آپ کے میں تمام سوالات کا جواب دے چکا ہوں۔ اب میں بارہ
یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ مہربانی فرما کر آپ عیسائیت کی تعریف کر دیں۔ مَیں نے گذشتہ ماہ کی
۳۰ تاریخ کی چٹھی دوبارہ تاکید سے یہی سوال کیا تھا۔ کہ عیسائی مذہب کی تعریف کیا ہے۔
مگر تا حال اس بات کا جواب نہیں ملا۔

مَیں تو مذہبی معلم ہونے کا مدعی نہیں۔ مگر بحیثیت ایک پادری کے آپ کے لئے زیادہ شایان
ہے۔ کہ لہجہ میں نرمی اختیار کریں۔ جو لوگ آپ سے متفق نہیں۔ اُن کی توہین کے درپے نہ ہوں
مذہب میں تشدد پسندیدہ امر نہیں۔ وہی لوگ تشدد اختیار کیا کرتے ہیں جنکا مذہب در اصل کمزور اور
ضعیف ہوتا ہے۔

آپکا وفادار (ھیڈلے)

اسلامک ریویو:۔ مذکورہ بالا دونوں خطوط اس وقت ہمیں ملے جب میگزین چھپنے کو
جا چکا تھا۔ اِس لیئے ہم پہلی خط و کتابت کے ساتھ ہی اسے شائع نہ کر سکے۔ ہمیں اس بات
کا علم نہ تھا۔ کہ پادری ولیس صاحب کا یہ مطلب نہ تھا۔ کہ یہ خطوط شائع ہوں۔ ہم تو موجودہ
خط و کتابت کو شائع نہ کرتے کیونکہ پادری صاحب کی چٹھی کا لب و لہجہ پسندیدہ نہیں۔ مگر اس خیال
سے کہ پادری صاحب موصوف کو یہ شکایت نہ ہو۔ کہ تمام خط و کتابت کیوں شائع نہ کی گئی ہم نے
اسے چھاپ دیا۔ بدقسمتی سے اصل مسئلہ فریقین میں فیصلہ نہ ہوا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ عیسائی
مذہب کی تعریف کی جائے۔ اور چونکہ ہمیں بھی اکثر عیسائی عقائد کے ساتھ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اسلئے
ہم چاہتے ہیں۔ کہ عیسائی مذہب کے ارکان ضروریہ کی تشریح کر دی جائے۔

لارڈ ہیڈلے صاحب کے خیال میں تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کثیر تعداد بپتسمہ اور کفارہ کو نجات کیلئے

ضروری سمجھتی ہے اور یہ عقاید ایسے ہیں۔ جو نہایت غیر معقول ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر غیر معقول اور کفر مسیح کی خدائی اور الوہیت اور ابنیت ہونے کا عقیدہ ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہمیشہ سے یہی عقاید ہیں۔ جو باعث اختلاف رہے ہیں۔ اور اب تک انہی باتوں میں اختلاف ہے۔ ورنہ دونوں اُسی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں وہی انبیاء ہیں۔ جن کی دونوں تعظیم کرتے ہیں۔ اور آخرت کے متعلق بھی قریباً ایک ہی سے عقاید رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خوش قسمتی سے عیسائیوں میں اب بعض ایسے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے عقاید کو اپنے باندھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مسیح کے عقاید کو۔ کیونکہ مسیح کے عقاید سوا اس کے اور کچھ ہو نہیں سکتے۔ چنانچہ یہ فرقے مسیح کی خدائی کے قائل نہیں۔ لیکن اگر یہ فرقے اپنا بھی یہی نام پسند کرتے ہیں۔ جو اُن فرقوں کا نام ہے جو مسیح کی خدائی مانتے ہیں۔ اور جو معقول یا غیر معقول طور پر ایسا خطرناک اختلاف اصول میں رکھتے ہیں۔ تو پھر خواہ ہم کتنی ہی احتیاط کریں۔ اگر بعض دفعہ عقاید کے معاملہ میں دونوں قسم کے لوگ ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جائیں تو ہم معذور ہیں۔

وہ عیسائیت جو مسیح نے سکھائی تھی۔ بلاشک وشبہ منجانب اللہ مذہب تھا۔ اور اُن تمام شرک وبدعات سے پاک تھا۔ جو بعد میں شامل ہو گئے۔ اور جن کا ماخذ مشرکوں کے مذاہب ہیں۔ پس یہ بدعات اور اختراعات ہیں جو ترقیِ انسانی پھر اور عقل پر ایک بوجھ ہیں اور جن کی وجہ سے ایسے سچے اور مخلص عیسائیوں کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے جنھوں نے مسیح کی صحیح تعلیم کو پالیا ہے کیونکہ بلحاظ نام کے تو وہ بھی عیسائی کہلاتے ہیں۔ مگر ہزار ہا سال کے رواج کے مطابق اب عیسائیت محض اُن شرک اور بدعات کا نام رہ گیا ہے جو بعد میں شامل ہوئیں۔ ان مشکلات سے بچنے کی دو ہی راہیں ہیں۔ یا تو عیسائیوں کا کثیر حصہ جو شرک اور بدعات میں مبتلا ہے اُن غیر معقول عقاید کو ترک کر دے اور دوسروں کی طرح مسیح کی اصلی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ یا دوسرے لوگ جو موحد ہیں اپنے لیئے الگ نام تجویز کریں۔ اب یہ تقدیر کا پھیر ہے کہ وہ لوگ جو حضرت جیسے جیسے عظیم الشان نبی کے پیرو ہیں اور صحیح معنوں میں وہی عیسائی ہیں۔ مگر وہ عیسائی کے مفہوم کے مصداق نہیں گنے جاتے۔ اور اُن کے عقاید عیسائیت کے عقاید نہیں سمجھے جاتے۔ اور اگر عیسائیوں

کے کثیر حصّہ کی رائے لی جائے تو اُن کو عیسائیوں میں مطلق شامل نہیں سمجھا جاتا۔

ہم اپنے عیسائی بھائیوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ کہ اگرچہ اسلام کو بدیہی طور پر نہایت ایذادہی کے رنگ میں یورپین اہل قلم اور عیسائی پادریوں نے ہمیشہ دنیا کے سامنے بگاڑ کر پیش کیا۔ مگر ہم اِس بدنمونہ کی تقلید کرنا نہیں چاہتے۔ اور جو فوقیت اور فضیلت اسلام کو حاصل ہے وہ اُس کے لیئے ان باتوں کا محتاج نہیں۔ لیکن اُن عیسائی پادریوں کے لیئے جو عقاید عامہ عیسائیت کی اصلاح کے مدعی ہیں۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اُن لوگوں کے مُنھ آویں جو عیسائیت کی غلطیاں کھول کر دنیا کو محض اس لیئے دکھاتے ہیں تا عیسائی مذہب شرک اور بدعات سے نجات پا جائے +

عید کے دو چاند

از جناب مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا لنڈن

دیار یار میں دیکھے جو چاند عید کے دو | خوشی مشیر کے دِلمیں نہ کیوں دوبالا ہو

اس شعر کی تشریح اُس خوش نصیب وارفتہ مزاج عاشق سے کرانا چاہیئے۔ جسکی عید دیار یار میں ہو۔ ایک طرف اُسے آسمان پر عید کا چاند نظر آئے۔ دوسری طرف لب بام کوئی قمر طلعت اپنی جادو فگن نگاہوں۔ اور ہلال سماء ابرُوں کا نظارہ دکھائے مشیر کی وارفتہ مزاجی کسے نہیں معلوم۔ گو شاید ایسی محرومیٔ قسمت کا پتہ نہ ہو کہ دیار یار میں بھی دو چاند کیسے ایک چاند بھی نظر نہ آوے۔ ایک کو ابر سیاہ چھپاوے۔ دوسرے کو حجابِ بے جا۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ اس عید کو مشیر کے دل بدمست کی مخمور فرحت آنکھوں نے دو چاند واضح دیکھے۔ پردیس میں۔ تثلیثستاں میں۔ اُبالے آلو۔ اور اُبالی مچھلی

کے کھانے والوں میں کسی ایشیائی مُسلمان کو عید محرّم سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن اس مرتبہ ووکنگ شریف میں ہم آوارہ وطن مُسلمانوں کو اچھی خاصی گھر کی سی عید نصیب ہوئی۔ گویا عید کا چاند واقعی ہم سب کو نظر آیا۔ گھر ہی کی طرح اچھے اچھے کپڑے زیب تن کیے۔ عید کا انتظام کیا۔ نماز ایک بڑی جماعت سے کھلی ہوئی جگہ ادا کی۔ بعد نماز حسب معمول ایک دُوسرے سے محبت اور لطف سے بغلگیر ہوئے۔ ہم مصافحہ ہوئے۔ مولوی صدرالدین صاحب کی مہمان نوازی سے سوئیاں (لکھنو کی نہیں سہی) بھی اڑیں۔ کچھ شک نہیں اگر اس مقام پر عید کی صرف اسی قدر خوشی میسر ہوتی وہ بھی قابل صد تشکر و حمد ہوتی۔ لیکن صد ہزار احسان اُس کردگار عالم کا ہے۔ کہ اس ایک چاند۔ ایک خوشی کے بجائے اُس نے دُھرے چاند دُھری خوشیاں نصیب کیں۔ ایک چاند۔ ایک خوشی دیکھنا تو گھر میں بھی نصیب ہوتا تھا یہاں جو چاند دیکھا۔ جو خوشی نصیب ہوئی وہ گھر میں کہاں میسّر۔

ہم سیکڑوں مُسلمان یہاں جمع تھے۔ اور کیا دیکھتے تھے۔ یہ کہ اُس ایک دن تو اسلام کا قبضہ اسجگہ کامل ہو گیا تھا۔ دور دور کے اِنسان مختلف رنگ۔ مختلف مرتبہ۔ مختلف حیثیت مختلف قابلیت۔ مختلف پیشہ۔ مختلف انداز۔ مختلف طریقۂ معاشرت۔ مختلف جگہوں کے موجود تھے۔ اور سب کے سب ایک رشتۂ اخوت میں منسلک۔ سب کے سب ایک خدا کی پرستش میں معروف سب کے سب ایک نبی رحمت للعالمین کی محبت میں سرشار تھے۔ چاروں طرف سے تکبیر کی صدا بلند ہوتی تھی۔ جگہ جگہ سے کلمہ طیّبہ کا آوازہ نکلتا تھا۔ نہ گورے کالے کا فرق تھا۔ نہ رئیس و دہقان کا امتیاز۔ ہندوستانی شہزادے تھے۔ مصری پاشازادیاں۔ انگریزی لارڈ۔ ایرانی رئیس۔ افریقہ و ایشیا کے اہلِ علم تھے۔ یورپ کے اہل ہنر تھے۔ انگلستان۔ بغداد۔ شام وغیرہ وغیرہ کے زراعت پیشہ۔ تجارت پیشہ قطار در قطار۔ سب کے سب ایک معبود حقیقی کے آگے رکوع وسجود بجا لا رہے تھے۔ اس شہر کے اور دُور دُور سے بھی لوگ اس نظارہ کو دیکھنے آئے تھے بیسیوں تصویروں کے آلہ اپنا کام کر رہے تھے۔ انگلستان کا تلوّن طبع موسم بھی مرغوب ہو گیا تھا۔ آفتاب ہفتوں بعد جلوہ آرائے فلک تھا۔ اور ہم زمین نشینوں کے جسموں اور دلوں میں بھی حرارت پیدا کر رہا تھا۔ اسلامی اخوت کا نظارہ دیکھ دیکھ کر لوگ دنگ تھے۔ حیرت

تھی کہ یہ کیا افسوں ہے۔ کہ رئیس و دھقان کے دوش بدوش کھڑا ہے۔ انگریز ہندوستانی کو سلام علیک کہہ رہا ہے۔ غریب امیر سے بغلگیر ہو رہا ہے۔ ایسا حیرت بخش نظارہ یہاں اس ملک میں تو اس سے پہلے کبھی بھی نظر نہ آیا تھا۔ اور واقف کاروں کا قول ہے کہ اور کسی ملک میں بھی نہ نظر آیا تھا۔ کچھ انگریزوں نے محبت سے پگڑیاں باندھی تھیں۔ کچھ نے ترکی ٹوپی دی تھی۔ میمیں بھی علے الاعلان اسلامیت جتا رہی تھیں۔ ہندوستانی سپاہیوں نے اپنی خاکی میلی وردی اُتار پھینکی تھی اور سفید شلواروں میں فرض ادا کرتے تھے۔ جسٹس عبدالرحیم صاحب ایک طرف عجز و انکسار سے کھڑے تھے۔ ہمارے ردولی کے درویشی خاندان کے صوفی مصطفےٰ احمد صاحب اعلےٰ مارننگ سوٹ میں تھے۔ مگر یم صاحب (اسلامی نام شمس الدین ہے) اور چھوٹا بچہ ہیرلڈ (اسلامی نام قاسم رکھا گیا ہے) پگڑی اور قرینِ اُسی صف میں ویسے ہی خشوع و خضوع سے کھڑے تھے۔ چونکہ عید اتوار کو نہیں ہوئی۔ اور یہاں سوا اتوار کے اور تعطیل ملتی نہیں۔ یہ ملک کسب حرفت کا ملک ہے۔ یہاں لوگوں کو گھر میں موت ہو جانے پر بھی چھٹی نہیں ملتی۔ اس وجہ سے بہت سے انگریز مُسلمان مرد اور عورت یہاں آسکنے سے معذور رہے۔ ہاں بعض ایسے صادق العقیدت انگریز مرد اور عورت تھے کہ اُنھوں نے ایک دن کی تعطیل جس طرح بنی لے لی تھی۔

جیسا بعد کے واقعات سے معلوم ہُوا اور ہو رہا ہے۔ اِس عید کا اثر یہاں کے لوگوں کے دلوں پر بُہت گہرا پڑا۔ کئی قابل لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا ہے۔ بُہت سے انگریز دریافت کر رہے ہیں کہ یہ تقریب اب پھر کب ہو گی۔ انگلستان کے ہر ہر شہر میں تصویروں کے ذریعے سے اسلام کا اعلان ہو گیا۔ جو لاکھوں روپیہ صرف کرنے سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ سب خداوند کریم کا اپنا فضل ہے۔ اُس کی مرضی ہوئی تو ایک عید نہیں۔ ہر سال اِس سے بھی زیادہ کامیابی سے عیدیں ہونگی۔ اور اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوگا۔ آمین۔

لیکن اس عید نے اِس بات کو بھی دکھا دیا کہ ابھی یہاں کی مشن کی حالت ہرگز قابل اطمینان نہیں اور جس پیمانہ کا کام اٹھایا گیا ہے۔ اُسکے پُورا کرنیکے لیئے جو سرمایہ ہے یا جو آمدنی ہوتی ہے۔ ناکافی اور سخت ناکافی ہے۔ رسالہ کی چھپائی وغیرہ کا صرفہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ اشاعت کافی نہیں ہو سکتی ہمت کر کے عید کے سے جلسہ کر دیئے جاتے ہیں۔ یا یہاں بدھ اور اتوار کو مجمع کر لیا جاتا ہے۔ مگر مالی حالت اندیشہ ناک ہے۔ اب ضرورت تھی کہ اس عید کے شہتا و اعلان سے فائدہ اٹھا کر لندن میں بھی بار بار لکچر و وعظ وغیرہ کے ساتھ جلسہ ہوتے۔ قابل قابل لوگ مثل مسٹر یوسف علی صاحب یا پروفیسر لیون کے لکچر دینے کو موجود

ہیں۔ مگر شکل روپیہ کی ہے۔ یورپ میں یورپ کے رہنے والوں کا خدا زر ہے۔ یہاں روپیہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے لیئے روپیہ ہی کی کمی ہے۔ معلوم ہوا کہ پارسال یہاں جناب نواب صاحب بہاولپور سے اور سر آغا خاں سے اور نواب عماد الملک بہادر سے اچھی اچھی رقمیں آگئی تھیں۔ امسال ایسی آمدنی کوئی نہیں ہوئی۔ ابھی والیہ بھوپال کا گراں بہا وظیفہ بھی نہیں پہنچا۔ اور کام روز بڑھ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ اسلام کی حیثیت کا خیال رکھنا بھی تو ہے۔ یہاں کے لوگوں کو یہ بھی تو معلوم ہے کہ اسلام کے شیدائی تمام دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں کروڑوں ہیں۔ اُن کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ یہ ذرا سی مسجد انگلستان بھر میں تنہا واحد خدا کی پرستش کی جگہ ہے۔ اور یہاں کے کام کرنے والے انگلستان بھر میں کل دنیا کے مسلمانوں کے قائم مقام ہیں۔ اس سے ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو شاید اندازہ ہو کہ یہاں کے کام کی ذمہ داری کس قدر اہم ہے۔ اور کس قدر زیادہ خرچ کی ضرورت ہے کہ اسلام کا نام نہ میلا ہو۔ مکان ہو تو صاف۔ مسجد ہو تو صاف۔ اندر باہر ہر جگہ درستی اور رونق چاہیئے۔ ذرا ذرا سے گرجے۔ لوگوں کے ذرا ذرا سے گھر سب یہاں صاف رہتے ہیں اور قریب قریب سب کے آگے لان اور چھوٹے چھوٹے چمن درست رہتے ہیں۔ یہاں غریب مولوی اپنے کھانے پینے میں تو دال اور مولی کے پتوں کی بھاجی وغیرہ ہی کو رکھتے ہیں۔ مگر حیثیت کے لیئے ایک مالی بھی رکھنا پڑا ہے۔ یہاں کے مالی صاحب بھی ۶ روپیہ ہفتہ یعنی ۲۴ روپیہ ماہوار لیتے ہیں۔ بائیسکل پر تشریف لاتے ہیں۔ وقت مقررہ سے ایک منٹ بھی زائد کام ہو تو زائد مزدوری چاہتے ہیں۔ پس خدا ہی اس کشتی کا پار لگانے والا ہے۔ نہ المامون سہروردی کو جب اُنھوں نے اشاعت و اتحاد اسلام کا تخم بویا۔ یہ خیال تھا۔ کہ اس قدر جلد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ یہاں چاروں طرف سے بلند ہو جاویگا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی یہ امید تو نہ ہوگی۔ کہ وہ معہ اپنے دو رفیقوں کے اس ذرا سے دیہات میں آکر ایسا تخم لگا دینگے جو دو سال کے اندر ہی اندر ایسا بڑا پودا ہو جاویگا جس کی شاخیں انگلستان کے چاروں طرف تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع کر دیں گی۔ کاش خدا اس پودے کی آبیاری کا مناسب انتظام فرماوے آمین

جب میں اس مرتبہ کی عید کی صف در صف دیکھتا تھا۔ تو بیساختہ حمد خدا ادا کرتا تھا۔ کہاں یہ مقام جسکو بانی نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اور قوی سے قوی طاقت بھی جس کے اندر داخل ہونیسے عاجز تھی۔ جہاں پادریوں نے اسلام کو ہوّا اور دشمن بنا رکھا تھا۔ اب اُسی ملک میں اس زور و شان سے اسلام داخل ہوُا۔ اور عید کی نماز اُسی طرح ادا ہوئی جس طرح کسی اسلامی مقام میں۔ شکر ہے۔ لاکھ لاکھ شکر ہے۔ خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اپنی پوُری ہمت سے اس پر آمادہ ہو جاویں کہ یہاں اگر ہر شہر اور ہر قریہ میں نہیں تو بڑے بڑے شہروں میں تو ایک ایک مسجد ہو جاوے۔ ابھی تو خاص لندن میں بھی کوئی مسجد نہیں۔ خدا ہر عید کو ہم سب کو یہاں اسی طرح دو دو چاند دکھایا کرے۔ عید بھی ہو۔ اشاعت اسلام بھی۔ آسمان پہ ہلال عید کا جلوہ۔ زمین پہ نور اسلام کی روشنی۔ آمین

مشیر حسین قدوائی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی ٹی)

جلد (۱)	بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء	نمبر (۱۰)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء

ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ء مطابق رجب ... خلیفہ الدین صاحب کے اہتمام سے ... سٹیم پریس ... میں چھپ کر شائع ہوئی

قیمت سالانہ تین ۳ روپے

وی پی وصول کنندگان احباب امور ذیل پر توجّہ فرمائیں

یوں تو وی پی ہمیشہ فرمائش پر ہی جاری ہوتا ہے۔ لیکن وصولی پر جو کوپن آتیں ڈاکخانہ سے واپس ملتا ہے۔ وُہ بعض وقت محفوظ نہیں ہوتا۔ اس لیئے وی پی کنندہ کا پتہ ٹھیک نہ پڑھا جانے پر آئیندہ رسالہ جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس پہلی فرمائش تو ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے وی پی میں سے خاص تعین مشکل ہوتی ہے۔ اس لیئے التماس ہے کہ ہر صاحب وی پی وصول کنندہ وی پی پیکٹ کی وصولی پر از سر نو ایک کارڈ پر اپنا پتہ خوشخط بھیجدیں۔ اور وصولی پیکٹ کا حوالہ دیں

مُنتظم

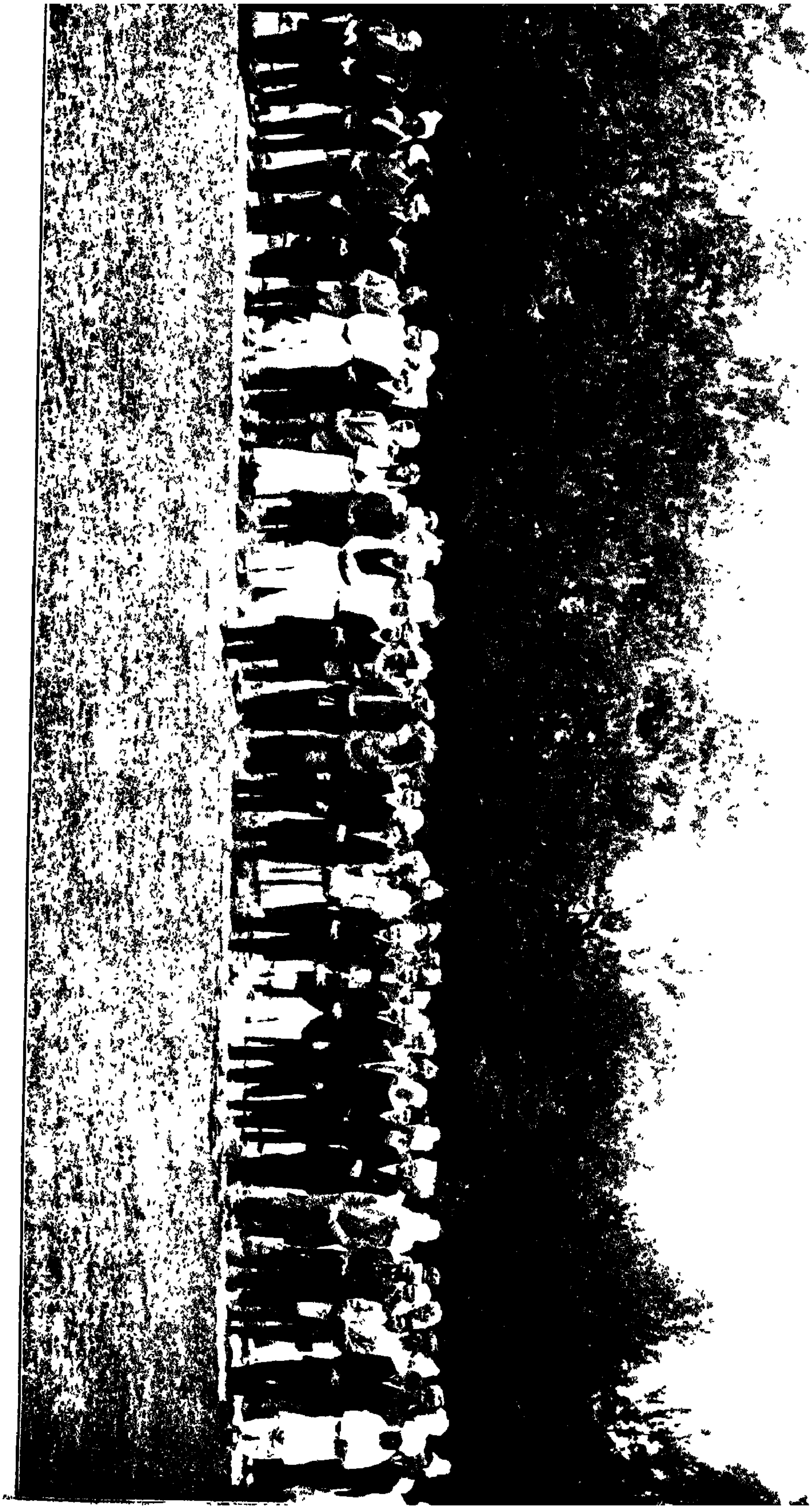
منیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

رسالہ اشاعت اسلام کے اغراض و مقاصد

اِس رسالہ کی غرض و غایت بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کو مضبوط کرنا ہے۔ اسکا سارا منافع اِس ہی کام پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کی خریداری کے بڑھنے سے ذیل کے امور مرتب ہونگے:۔ (۱) اس سے ایک اعلےٰ پایہ کا اسلامی لٹریچر پیدا ہو گا جسکو انگلش پریس نے اسلام کی ایک طاقت تسلیم کیا ہے۔ (۲) اخراجات اشاعت اسلام میں سہولت ہو جاوے گی۔ (۳) منتظمین اسلامک ریویو انگریزی مجریہ لنڈن کو موجودہ سے زیادہ تعداد میں انگریزی رسالہ مفت بلاد غربیہ میں تقسیم کرنے کا موقع ملے گا۔ اور اس طرح یہ اعلےٰ مقصد پورا ہو جاویگا۔ جس کے لیئے یہ رسالہ شایع کیا گیا ہے۔

نوٹ۔ اردو رسالہ کا سالانہ چندہ مبلغ ؏ ہے۔ تمام درخواستیں خریداری بنام منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور آنی چاہئیں *

(منیجر)



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء نمبر (۱۰)

شذرات

الحمدللہ کہ ماہ اگست ۱۵ء میں انگلستانی نومسلموں کی تعداد میں سات کا اضافہ ہوا جن میں سے تین کے متعلق گذشتہ رسالے میں بھی لکھا جا چکا ہے۔ اِن سات صاحب میں سے پانچ خواتین ہیں اور دو مرد ہیں جن میں سے ایک مسٹر ڈڈلے رائیٹ ایک مشہور اخبار نویس ہیں اور دوسرے لفٹنٹ بیرے گفرڈ ہیں۔ اِن کے اسمائے سابق اور نئے اسماء کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

نمبر شمار	پہلا نام	اسلامی نام	کہاں اسلام قبول کیا
۱	مسٹر ڈڈلے رائیٹ	محمد صادق	مسجد ووکنگ
۲	لفٹنٹ بیری گفرڈ	اسداللہ خان	لنڈن (بروز جمعہ)
۳		عائشہ خانم	بذریعہ خط اسٹریلیے۔

نمبر شمار	پہلا نام	اسلامی نام	کہاں اسلام قبول کیا
۴	۰	ایمنہ	لنڈن
۵	مس سمتھ	فاطمہ	مسجد ووکنگ
۶	مس رابرٹسن پیلی	زہرہ	″
۷	مس سکاٹ	زبیدہ	″

ہم یقین رکھتے ہیں کہ جوں جوں اسلامی مشن کا دایرہ انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں وسیع ہوتا جائیگا۔ نومسلموں کی تعداد میں بہت زیادہ ترقی ہوگی سردست مالی مشکلات کی وجہ سے کام بہت محدود ہے۔ اگر خدائے تعالےٰ ہمارے امراء کے دلوں میں یہ بات ڈالے تو مشن کا سارا موجودہ خرچ ہمارے امراء میں سے ایک ایک بھی دے سکتا ہے۔ متوسط الحال لوگ بھی رسالہ کی اشاعت کے بڑھانے اور اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ اس اسلامی مشن کی امداد میں دے کر اس ثواب میں حصہ لے سکتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے سینکڑوں مشن صرف چندوں کی بنا پر چلتے ہیں مسلمانوں کی حمیت اسلامی پر افسوس بھی آتا ہے اور تعجب بھی۔ کہ ایک اسلامی مشن کو قائم ہوئے اب تیسرا سال جاتا ہے۔ نتایج بھی اعلےٰ سے اعلےٰ دیکھ لیئے ہیں۔ پھر بھی دلوں میں وہ درد پیدا نہیں ہوتا۔ کہ ابھی ایک مشن کو ہی مستحکم کریں۔ مسلمانوں کی زکوٰۃ کا روپیہ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور بہت سی قسم کی رقوم جو خیراتی کاموں میں دیجاتی ہیں۔ ان کا سب سے بڑھ کر حقدار اس وقت اشاعت اسلام کا کام ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے ایک عظیم الشان کام استقلال کی صورت اختیار کرکے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا اس کوشش کو ضایع نہیں کریگا۔ اور آخر وہ مرد پیدا ہونگے۔ جو اس کام کو اپنے سب کاموں پر مقدم کریں گے

اسلامک ریویو انگریزی کے ستمبر نمبر کے ساتھ ایک اعلان انگریزی ترجمہ قرآن شریف کے متعلق بھی شایع ہوا ہے۔ اس ترجمہ کی کس قدر ضرورت ہے۔ یہ انہی لوگوں کو سمجھ آسکتا ہے۔ جن سے نومسلموں اور طالبان حق نے یہ سوال کیا ہو کہ ہمیں قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ

اس وقت کس قدر افسوس مسلمانوں کی حالت پر آتا ہے کہ ایک ترجمہ بھی ہم اپنا نہیں دے سکتے اور آخر انہی لوگوں کے ترجمے آئیں ان نو مسلموں کے ہاتھ دینے پڑتے ہیں جن کے غلط خیالات کی تردید ہم دن رات کرتے رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر یہ ضرورت پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ ترجمہ لفظی مع ضروری تفسیری نوٹوں کے بالکل تیار ہو چکا ہے۔ اور چھپوائی کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ سر دست پانچ ہزار کاپیوں کے چھپوانے کے لیئے تریباً پچیس ہزار روپے کا خرچ ہوتا ہے اشتہار کی کاپیاں امید ہے عنقریب ہندوستان میں پہنچ جائیں گی۔ جو احباب ترجمہ وغیرہ کا نمونہ دیکھنا چاہیں وُہ اشتہار مذکور منگوا کر دیکھ سکتے ہیں

دوکنگ کی عید کے حالات گذشتہ نمبر میں ہدیہ ناظرین ہو چکے ہیں۔ ولایت سے بہارت میں سے کچھ پچھلے نمبر میں دیا گیا تھا۔ مشہور اخبار گریفک نے ۲۱ اگست کی اشاعت میں ایک پورا صفحہ ان حالات کا لکھا ہے۔ اور بہت بلاک تصویروں کے بھی دیئے ہیں۔ ذیل میں ہم اخبار گریفک مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۱۵ء کے مضمون کا ترجمہ جو اُس نے عیدالفطر دوکنگ کے متعلق لکھا ہے۔ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ملک معظم کی ہندوستانی رعایا انگلستان میں

عیدالفطر کے لیئے دوکنگ میں اہل اسلام کا اجتماع

(از اخبار گریفک۔ اگست ۲۰۔ ۱۹۱۵ء)

اسلامی سال میں ایک نہایت اہم موقعہ اجتماع اہل اسلام کا عیدالفطر کا موقعہ ہے۔ جو لفظی معنوں میں افطار روزہ کا تیوہار ہے۔ اور جہاں کہیں مسلمان ہوں۔ یہ اجتماع باقاعدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ انگلستان میں یہ اجتماع گذشتہ جمعہ کو دوکنگ میں ہوًا۔

جمعہ کے دن انگلستان کے مختلف اطراف سے مُسلمان سفر کرکے ووکنگ میں پُہنچے جو انگلستان میں رہنے والے مُسلمانوں کا مرکز ہے۔ پرنس عبدالکریم جو ایک امیر اسلامی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہاں موجود تھے۔ ایسا ہی لارڈ ہیڈلے جو نومسلم انگریزوں کی انجمن کے پریزیڈنٹ ہیں حاضر تھے۔ اور ایک عرب سردار جس نے تین دفعہ حج کیا ہے خاص قسم کے لباس کی وجہ سے بہت نظریں اُس کی طرف اُٹھتی تھیں۔ مگر اس نظارہ میں سب سے زیادہ توجہ کو کھینچنے والی بات پچاس مسلمان برطانوی فوج کے تھے جو خاکی وردیاں اور خاکی پگڑیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور اُن کی پگڑیوں میں بعض وقت مکہ کی مقدس خاک کے ڈھیلے چھپے ہوئے تھے۔ بعض اُن میں سے جنگ میں زخمی ہو چکے تھے۔ اور بالخصوص ایک کو جو چھڑی کی مدد سے چلتا تھا ایک سے زیادہ چیرز خاص طور پر دی گئیں۔ نماز کے شروع کرنے سے پہلے صدقہ یعنی غربا کے لیئے خیراتی فنڈ فراہمی کا خاص انتظام تھا۔ ہر ایک مسلمان کے لیئے ضروری ہے۔ کہ وُہ اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ غربا کی امداد کے لیئے دے اور یہ خیراتی رقوم عیدالفطر کے موقعہ پر امام کے سامنے پیش کی جاتی ہیں٭

جب مؤذن نے نمازیوں کے اجتماع کے لیئے آواز بلند کی۞ مینارہ سے نہیں۔ گو مینارہ بھی موجود تھا۔ بلکہ باغ کے اندر ایک چشمہ کے پاس۔ تو معلوم ہُوا کہ جس قدر لوگ موجود ہیں اُنکا دسواں حصہ بمشکل مسجد کے اندر سما سکے"۔ اس لیئے یہ فیصلہ ہُوا۔ کہ نماز کھُلے میدان میں مسجد کے سامنے ادا ہو۔ چنانچہ وہاں مؤذن نے پھر الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ پکارا۔ جوتیاں اور بوٹ اتار دیئے گئے۔ اور چونکہ اسلامی احکام کے مُطابق ایسے لباس میں نماز ادا نہیں کرنی چاہیئے۔ جس پر داغ وغیرہ پڑے ہوئے ہوں۔ ہندوستانی سپاہیوں نے اپنی خاکی وردیاں اُتار کر سفید لباس پہن لیا۔ نماز دو رکعت پڑھی گئی۔ اس کے بعد قرآن کریم کی چند آیات سُنائی گئیں۔ اور خاص دُعائیں سب مُسلمانوں کے لیئے گناہوں کی معافی کے لیئے۔ بیماروں کی شفایابی کے لیئے۔ اور ہر ایک قسم کے فضل اور رحمت کے لیئے کی گئیں۔ ہر دُعا

٭ راقم مضمون کو یہ غلطی لگی ہے۔ کہ اُس نے صدقہ فطر کو زکوٰۃ کی رقوم سمجھا ہے +

۞ یہ درحقیقت آذان نہ تھی۔ بلکہ محض نمازیوں کی اطلاع کے لیئے الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ پکارا گیا تھا +

ہر دُعا کے اخیر پر مجمع آمین کہتا تھا۔

پھر مولوی صاحب نے دو تقریریں کیں۔ پہلی انگریزی میں خاص اس اجتماع کے متعلق تھی۔ کہ جس کی غرض یہ تھی۔ کہ تمام قوموں کو جمع کیا جائے۔ کیونکہ قومیت اور مرتبہ کا امتیاز اسلام میں کوئی نہیں۔ ہندوستانی میں تقریر کرتے ہوئے مولوی صاحب نے سپاہیوں کو نصیحت کی کہ جس حق کے لیئے وہ جنگ کر رہے ہیں اُس کے لیئے اپنا پُورا زور لگائیں۔ اور توپ کے گولے کے نیچے بھی خدا کے کلام کو نہ بھُولیں۔

اِس کے بعد معمُولی نماز جمعہ ادا ہوئی۔ جس کے آخر پر سب نے ایک دوسرے سے السلام علیکم کیا۔ اور معانقہ مصافحہ کیا۔ باقی دن کھانا کھانے کے بعد گفتگو میں اور باہم مِل جُل بیٹھنے میں صرف ہُوا۔ دوپہر کا کھانا ہندوستانی سپاہیوں کو مسجد میں کھلایا گیا۔ جنھوں نے مشرقی طرز پر فرش پر بیٹھ کر دسترخوان پر کھانا کھایا۔ اور دوسرے مہمانوں نے کھُلے میدان میں یا مسجد کے متعلقہ مکان میں کھانا کھایا۔ . . . کھانے کے بعد بعض سپاہی کھُلے میدان میں اِدھر اُدھر پھرتے اور اللہ کے نام کی تسبیح کرتے تھے۔

مغربی نظارہ کرنے والوں کے لیئے یہ نظارہ نہایت عجیب مگر بہت مؤثر تھا۔ برطانوی ہندوستانی۔ ایرانی۔ عرب۔ مصری۔ مشرقی افریقہ اور سوڈان کے رہنے والے اپنے اپنے لباسوں میں ایک ہی جگہ ایک ہی عبادت میں ایک ہی امام کے پیچھے تھے۔ کئی نومسلم انگریزی نژاد خواتین بھی نماز میں شامل تھیں۔ بعض کے سروں پر ایک قسم کا عمامہ تھا۔ اور بچے بھی تھے جو ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔ جن کو اُن کے نومسلم والدین مذہب اسلام کے مُطابق تربیت دے رہے ہیں +

مذہب میں فِطرت کا رنگ

از ڈڈلے رائٹ[1]

جن لوگوں نے کافی غور سے کام نہیں لیا وہ اب تک انگلستان میں اسلامی مشن کے قایم ہونے کو ایک معمولی امر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ اسلام کی فتوحات کا ایک بڑا پیش خیمہ ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا میدان بہتیرا وسیع ہے۔ ہم دوسرے ملکوں میں کیوں جائیں۔ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں یا ابھی تک خوابیدگی کی حالت میں ہیں۔ اگر پادری صاحبان ہزار ہا روپے صرف کر کے کئی ہزار چوہڑوں کو عیسائی مذہب میں داخل کریں۔ تو گو تعداد کے لحاظ سے یہ ایک بڑی کامیابی نظر آئیگی اور سطحی نظریں آج کل تعداد پر ہی کامیابی کا مدار سمجھتی ہیں۔ مگر ایک لارڈ ہیڈلے یا ایک پروفیسر لیون یا ایک ڈڈلے رائٹ کا مسلمان ہو جانا ان ہزاروں کی تعداد سے بڑھ کر وقعت رکھتا ہے۔ اور یہی ووکنگ مشن کی وہ ممتاز کامیابی ہے جسکا کوئی غیر اسلامی مشن مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ دوسرے اسلامی مشنوں میں بھی جو پہلے سے قایم ہیں یا اب ایک کام کے دیکھا دیکھی قایم کر لی گئی ہیں۔ اس کی نظیر کوئی نظر نہیں آتی۔ ان لوگوں کا اسلام ہزاروں کے لیئے دروازہ کھولتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی صداقتوں کے لاکھوں انسانوں کے سامنے پیش ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ڈڈلے رائٹ جنھوں نے عنوان بالا پر اسلامک ریویو کے ستمبر نمبر میں مضمون لکھا ہے۔ جو ذیل میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے وہ فاضل ہیں جنھوں نے عیدالفطر سے چند ہی روز پیشتر اسلام قبول کیا۔ اور آج وہ ہماری تبلیغ کے کام میں ہاتھ بٹانے والے ہیں۔ بلکہ عیدالفطر پر ہی اُن کے متعدد مضامین ولایت

[1] آپ ایک مشہور وقائع نگار ہیں۔ اور گذشتہ ماہ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ اسلامی نام محمد صادق

کے بہت سے بڑے بڑے اعلےٰ پایہ کے رسالوں میں شایع ہوئے ہیں۔ جیسے گریفک ہیں۔ پس یہ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہے۔ کہ جہاں ایک طرف ووکنگ مشن کے ذریعہ سے نومسلموں کی تعداد معقول ترقی کر رہی ہے۔ اور کوئی مہینہ نہیں جاتا۔ جس میں پانچ۔ چھ۔ سات نئے ممبروں کا اضافہ نہ ہو۔ دوسری طرف ان نومسلموں میں وہ آدمی بھی آتے جاتے ہیں۔ اور اسلام کی صداقتیں ایسے وجودوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ جو درحقیقت آج نومسلم اور کل مبلغ اسلام ہوکر ہزاروں اور لاکھوں کے قایم مقام ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی خاص نعمت اور تائید ہے۔ جس کی ناقدری کرنے والے یقیناً ناشکر گذاروں میں لکھے جائینگے ذیل میں ڈوڈلے رائیٹ صاحب کا جو ایک مشہور مضمون نویس ہیں۔ صداقت اسلام پر یہ مختصر سا مضمون درج ہے۔

یہ بہت ہی تعجب کی۔ مگر بالکل سچی بات ہے۔ کہ عیسائی مذہب کی مختلف شاخوں کے اصولی عقاید اور تعلیمیں بہت پہلوؤں میں عقل انسانی اور انسانی دل کے قدرتی تقاضوں کے خلاف ہیں۔ عیسائی مذہب کے بہت سے عقائد کو تسلیم کرنا۔ جبکہ وہ اُن اصول اور تجارب کے خلاف ہوں۔ جو انسانی تجربہ اور تمام انسانی حالات سے حاصل ہوتے ہیں سوائے اس کے نہیں ہوسکتا۔ کہ قوائے ذہنی پر جبر یا ظلم کیا جائے۔ ہاں یہ سب عقائد کے متعلق درست نہیں۔ مگر بعض کے متعلق یقیناً صحیح ہے۔

ایک خالق کو ماننا گو آج کل کے بعض سائنس کے مسایل اس کے خلاف لکھتے ہوں مگر یہ یقیناً فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے۔ جب ہماری نظر کسی اعلےٰ درجہ کے فن تعمیر کے نمونہ پر یا کسی بڑے دقیق انجینرنگ کے نقشہ پر یا کسی خوبصورت تصویر پر یا باریک سنگتراشی کے کام پر پڑتی ہے۔ تو سب سے پہلے جو خیال ہمارے دل میں آتا ہے وہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کام کو کسی بڑے قابل ہاتھ نے بنایا ہے۔ اور اس کام کے کرنے والے کی اگر تعظیم کے لیئے سر نہ جھک جائے۔ تو کم از کم اُس کے حق میں تعریفی

کلمات تو ضرور مونھ سے نکل جائیں گے۔ خود مخلوق کی حالت پر نظر ڈالنے سے یہی کیفیت قلب انسانی کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر مذاہب عالم کی اصلیت کا پتہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ابتداءً تمام انسانوں کا ایک مشترک عقیدہ ایک ابدی قادر خدائے مطلق کی ذات پر ایمان تھا۔ پھر مختلف مذاہب میں نئے نئے حالات کے پیدا ہونے کے ساتھ طرح طرح کی غلطیاں راہ پا گئیں اور اصلی موحدانہ خیال کی جگہ مشرکانہ عقاید نے لے لی۔

لیکن جب ہم اس طرف غور کرتے ہیں۔ کہ وُہ ابدی قادر خدا کیا کبھی نسلِ انسانی کیساتھ جو اُس کی اپنی مخلوق اور اُسی کے ہاتھ سے نکلے ہوئے ہیں۔ ایسا ناراض ہو جاتا ہے کہ اپنے غصہ کے فرو کرنے کے لیئے اپنے ہی فرزندوں کی قربانی مانگتا ہے۔ تو یہ خیال ہمیں انسان کی فطری خواہش کے بالکل خلاف نظر آتا ہے۔ اور پھر فطرت کے تقاضا کے خلاف ہونے کے علاوہ خدا کا انسان بن جانا یا انسان کی شکل میں اوتار لینا فہم اور عقل انسانی کے سراسر خلاف ہے۔ اور اس کی تشریح اس بات کے مان لینے سے بھی نہیں ہوتی۔ کہ انسان الوہیت کی چادر میں داخل ہو کر فنا کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ انسان کا خدا بن جانا ایک ایسا فوری تغیّر ہے جو ارتقا کے اصل اصول کو بھی جڑھ سے اکھیڑتا ہے۔ پس ایسا عقیدہ چونکہ عقل انسانی پر جبر کے بغیر نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیئے یہ فطرت کے بھی خلاف ہے۔

اگر جمہور کے عقیدہ کفارہ کی تشریح کی بجائے ہم اِن لوگوں کی تشریح کو بھی درست مان لیں جو روشن خیال عیسائی کہلاتے ہیں۔ اور اس طرح خدا کے اپنے ایک بیٹے کو پھانسی دینے کی اصل وجہ یہ نہ سمجھیں کہ خدا نے ناراض ہو کر اپنا غصہ فرو کرنے کے لیئے ایسی کارروائی کی۔ بلکہ یہ خیال کر لیں۔ کہ اعلےٰ درجہ کی پدرانہ محبّت کا اظہار خدا کا مقصود تھا۔ تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ نسل انسانی سے وہ کیسی محبت کرتا ہے۔ تو عقل انسانی اس تاویل کو بھی قبول نہیں کر سکتی۔ انسان کے اخلاق کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر قربانی یا ایثار ہے۔ مگر کوئی شخص یہ قیاس نہیں کر سکتا۔ کہ یہ بھی ایک باپ کی محبّت کاملہ کا اظہار ہے۔ کہ وُہ اپنے ایک بیٹے کو دوسروں کے لیئے قربان کر دے۔ اِس لیئے کوئی مذہب جس میں عقیدہ تمام نوع انسانی کے ایک فرد کا دکھ بھی لوازم مذہب یا اصوُل مذہب میں سے ہے فطرت انسانی

کے مُطابق نہیں ہو سکتا ۔

خدا اور بندہ میں مکالمہ کا تعلق بلاواسطہ ہو یا بواسطہ ان ہستیوں کے جن کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔ فطرت کے مُطابق عقیدہ اور تعلیم ہے۔ اور جس انسان کو ایسا تعلق اور قرب حاصل ہو وُہ اِس ذریعہ سے تدریجاً ترقی کرتا اور اپنے کمال کو حاصل کرتا ہے۔ اِس ترقی کا حاصل کرنا اور کمال کا پا لینا بعض رُوحانی طریقوں پر چلنے کا نتیجہ ہے۔ جو ہر ایک انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر ہر ایک انسان ان سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ ہاں جس دل میں ایسی خواہش ہو اس کو لازم ہے کہ وُہ عملی طور پر ان ذرائع کو اختیار کرے۔ اور ان راہوں پر چلے جو اس مقصود تک اسے پُہنچا سکتے ہیں۔ ایسے ہی ذرائع اور راہ پر حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم چلے اور جب آپ غار میں بحر فکر میں غوطہ زن ہو رہے تھے۔ وہ پیغام ذاتِ باری کی طرف سے پُہنچا۔ جو نہ صرف آپ کے اپنے لیئے ہدایت۔ راحت اور امن کو ساتھ لایا۔ بلکہ نسل انسانی کی کروڑہا مخلوق کے لیئے بھی ہدایت راحت اور امن کا پُہنچانے والا ہوا۔ دُعا یا نماز اِس مرحلہ کا ابتدائی قدم ہی نہیں۔ بلکہ مکالمہ الٰہیہ کے ضروری لوازم میں سے ہے جسکے بغیر انسان اس مرتبہ جلیلہ کے کمال پر قایم نہیں رہ سکتا۔ دُعا اور نماز فطرت انسانی کے تقاضا کے بالکل مطابق ہیں لیکن فطرتی تقاضا کے خلاف طریق پر دُعا کرنا فطری امر نہیں فوق البھڑک لباس اور سریلے باجے دُعا کے فطری لوازم نہیں ہیں۔ اسی طرح پر انسان میں رُوحانی زندگی کے نشو و نما اور تکمیل کے لیئے روزوں کا رکھنا بالکل قدرتی اور ضروری امر ہے۔ مگر روزہ رکھنے کے معنے یہ نہیں۔ کہ صرف کھانے اور پینے کی خواہشات کو پُورا نہ کیا جائے۔ ہادیٔ کامل حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پروا نہیں کہ کوئی شخص کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے۔ اگر وہ جھوٹ اور عیب چینی کو نہیں چھوڑتا۔ اور رُوح کی پاکیزگی کے لئے روزہ اُسی وقت ایک حقیقی ذریعہ بن سکتا ہے جب انسان صرف کھانے پینے کو ترک نہ کرے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی برائی سے اجتناب کرے۔ روزہ رکھنے کے طریق کے سارے عیسائی پابند نہیں۔ بعض ہیں۔ حالانکہ رسُولِ خدا سیدنا المسیح نے فرمایا تھا۔ کہ اس قسم کی باتیں سوائے دُعا اور روزہ کے حاصل نہیں ہوتیں۔ مگر جہاں روزہ رکھنے کی ضرورت کو

تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ چند راہبانہ سلسلوں کو چھوڑ کر یہ محض ایک دکھاوا ہوتا ہے۔ ایک شخص محض گوشت کو ترک کرنے سے روزہ دار کہلا سکتا ہے۔ گو وہ اس کی کو مچھلی کھانے سے پورا بھی کر لے پھر بھی وہ روزہ دار کہلا سکتا ہے۔ بلکہ کثرت سے مے نوشی کرنے سے بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا گو اس طرح وہ بدمستی کے جرم کا مرتکب بھی قرار پائے۔ مگر اسلامی حکم ایسا نہیں۔ بلکہ جیسا کہ مارکس ڈاڈس نے کہا ہے: "یہ روزہ یعنی رمضان کا روزہ کوئی دکھاوا نہیں۔ نہ ہی گرمی کے موسم میں ثقیل غذاؤں کو ترک کر کے ہلکی غذائیں کھا لینے کا نام روزہ ہے۔ بلکہ ہر قسم کی خورد و نوش کی اشیاء سے حتیٰ کہ تمباکو سے بھی صبح سے لے کر شام تک پرہیز کرنا ضروری ہے اور پھر یہ ایک دن نہیں بلکہ ایک پورا مہینہ ہے۔" اور صرف جسمانی غذاؤں کا ترک کرنا ہی روزہ نہیں بلکہ روحانی ترقیات کے لیے اس سے پورا فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

مذہب اس قسم کے بیہودہ مباحثات یا توہمات یا اضداد کا نام نہیں۔ جیسے کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ نہ ہی اس قسم کے مسائل پر بڑے بڑے مجلدات لکھ دینے کا نام مذہب ہے۔ جیسے عیسائیوں نے کہیں بن باپ حمل کے مسئلہ پر۔ کہیں کسی کلیسیا کے خود منتخب کردہ امر کے معصوم عن الخطاء ہونے پر۔ کہیں بغیر بپتسمہ پائے ہوئے بچوں اور بالغوں کی سزاؤں پر۔ کہیں گناہوں کی پیچ در پیچ تقسیموں پر اور کہیں مسئلہ تثلیث کے عقدہ لاینحل کو عقلی طور پر سلجھانے کے ناممکن کام پر لکھ مارے ہیں۔ برٹش میوزیم اور دوسرے بڑے بڑے کتب خانے اسی قسم کی بڑی بڑی مجلدات سے بھرے پڑے ہیں۔ جو نہ صرف آج ان کتب خانوں کے لیے ہی بار گراں ہو رہے ہیں بلکہ اُن کے مصنفین کا وقت بھی بیفائدہ ضائع ہوا ہے۔ اور وہ اگر اسی وقت کو کسی بہتر مصرف میں لگاتے۔ مثلاً ان بدیوں کو کم کرنے میں جو انسانی نسل کی ہلاکت کا موجب ہو رہی ہیں تو یقیناً اُن کی محنت بار آور ہوتی۔ مگر غلط اور خلاف فطرت عقائد نے اُن کو غلط راہ پر ڈال کر نسل انسانی کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچایا۔ اسلام نہ صرف مذہب کے بعض اصول ہی سکھاتا ہے۔ بلکہ اُن اصول کو عمل میں لانے کی راہ بھی بتاتا ہے۔ اس دن سے لے کر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مخالفت کے اندر اس کے اصول کو قائم کیا۔ آج تک اُس نے کروڑہا انسانی دلوں میں اپنی محبت کا

گھر بنایا ہے اور اگر ایک طرف رُوحانی علوم کا سمندر بہایا ہے۔ تو دُوسری طرف اخلاقی مجموعہ قوانین بھی ایسا اعلےٰ درجہ کا دیا ہے جو اور کہیں بھی دُنیا میں نہیں ملتا۔ گفتگو میں کھانے میں پینے میں حد اعتدال سے بڑھنے کو روکا ہے۔ قمار بازی کی بیخ کنی کی ہے۔ مرد و عورت کے تعلقات کو صحیح رنگ میں قایم کیا ہے۔ اور ہر ایک قسم کے ناجایز تعلقات کی جڑھ کاٹی ہے۔ اور ان لعنتوں سے دُنیا کو آزاد کیا ہے جو عیسائی تہذیب کے ساتھ ساتھ چلتی ان ملکوں میں جہاں اسلام کا غلبہ ہے۔ نہ جُوا کھیلنے کے لیئے قمار خانے ہیں۔ نہ ہی عورتوں کی عفت کی فروخت کی دوکانیں ہیں۔ اور نہ ہی شراب خانے ہیں۔

پس یہودیوں کی وُہ پورانی ندا۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہے۔ اُسی کے ہم پایہ ایک خوشی کے ترانہ میں۔ یقین اور بصیرت کے ساتھ وُہ آواز گُونجتی ہے۔ جو انسان کے اعلےٰ سے اعلےٰ خیالات کو اُبھارتی ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی آواز۔ اس آواز پر لبیک کہنے سے ہم ایک ایسے مذہب کو قبول کرتے ہیں جس نے اپنی سینکڑوں سال کی زندگی میں کبھی معقولیت اور عقل انسانی کے خلاف اپنی آواز نہیں اُٹھائی۔

صدائے اسلام پر مختلف آوازیں۔
یا
خالص سونا اور میل۔

(رقمزدہ یحییٰ النصر پارکنسن)

[یہ مضمون خاص طور پر ناظرین کی توجہ کے قابل ہے۔ اس میں ہمارے قدیم نامہ نگار اور انگلستان کے ایک پُرانے نومسلم مسٹر یحییٰ النصر پارکنسن نے پادری صاحبان کی ان چالاکیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے وُہ کسی اسلامی تحریک کو جو انکے اپنے ملک میں کام کرتی

نظر آئے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہل اسلام اس مضمون کو بہت توجہ سے پڑھیں۔ یہ
بالکل سچی بات ہے۔ کہ جب سے ووکنگ کی کامیابیوں نے پادریوں کی توجہ کو اپنی طرف
کھینچا ہے انھیں اور کوئی بہتر راہ اس کی مخالفت کی نظر نہیں آئی۔ سوائے اس کے کہ
مسلمانوں کی عام ہمدردی اور مدد کو روک کر اس مشن کو مالی پہلو سے ناکامیاب کیا جائے
چنانچہ ان کی متعدد تحریریں اس مضمون کی شایع ہو چکی ہیں۔ مگر مسلمان بھی خوب جانتے
ہیں۔ کہ یہ لوگ جو اسلام کی ہمدردی کے رنگ میں ایک اسلامی تحریک کو بیخ و بُن
سے اکھاڑنا چاہتے ہیں کون ہیں۔ ان کے ظاہری الفاظ بھیڑوں کا لباس ہیں۔ وہ
بظاہر مسلمانوں کے ہمدرد بنتے ہیں۔ مگر کون نہیں جانتا کہ وہ اسلام کے نام و نشان کو
دُنیا سے مٹا ہوُا دیکھنا چاہتے ہیں اور بجائے توحید کے تثلیث کو دُنیا میں پھیلا ہوُا دیکھنا
چاہتے ہیں۔ مگر وہ انشاء اللہ تعالےٰ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تثلیث کے عقیدہ
کے عروج کا زمانہ اب گذر چکا۔ اور اب دُنیا خود بخود توحید کی قبولیت کی طرف آ رہی ہے
ہاں اہل اسلام کی تھوڑی سی کوشش بکار ہے +

ایک ہندو مذہب کا پیرو کہتا ہے۔ کہ انسان سنسکاروں کا مجموعہ ہے۔ وہ اپنا علم اپنے بزرگوں
سے حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان صفات کو بھی جو اُس کے ساتھ وابستہ ہیں یعنی اپنی
نوع کے رواج اور عادات اور قوم کے خیالات کا ذخیرہ جو طور زمانہ کے ساتھ اکٹھا ہوتا چلا آتا
ہے۔ وُہ عقاید جو ایک نسل نے دُوسری نسل کو بطور ورثہ دیئے ہیں۔ اور جو قومی تصنیفات کے
اندر محفوظ چلے آتے ہیں۔ گرد و پیش کے حالات میں جو تغیر آتا ہے وُہ فوراً انسان کی طبیعت پر اپنا
اثر پیدا کرتا ہے جس طرح موسم کے تغیرات آلہ مقیاس الہوا پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اور تغیر حالات
کے ساتھ انسانی طبیعت کا پارہ بھی چڑھتا اور اُترتا رہتا ہے۔ افلاس مشکلات اور مصایب
سامنے آجائیں تو انسان کی آنکھ دُھندلی اُس کا دماغ سُست اُس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی
ہے۔ ہمدردی یا مہربانی کے اظہار سے رُوح میں ایک خوشی دماغ میں تیزی کی کیفیت اور خیالات
میں تموج پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ موسم کا تغیر بھی انسانی طبیعت پر اپنا اثر کیئے بغیر نہیں رہتا
سُورج چمکتا ہو پرندے چہچہاتے ہوں۔ پھُول شگفتہ ہوں تو انسان کی طبیعت میں بھی خوشی

اور خوش مزاجی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔ اور بارش سے تاریک ہو رہا ہو۔ تو طبیعت انسانی بھی ایک بوجھ ایک غم محسوس کرتی ہے۔ غرض کہ جس طرح حالات بدلتے ہیں انسان کی طبیعت پر بھی ویسی ہی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہی باتیں بعض وقت دماغ کو روشن اور دُوسرے وقت اُس کو تاریک کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اور انہی تغیرات کے ماتحت ایک ہی انسان اگر ایک وقت اعلےٰ درجہ کے خیالات کا اظہار کرتا ہے تو دُوسرے وقت اِن باتوں کا اظہار کرتا ہے۔ جو نسل انسانی کے مجموعہ خیالات میں ایک داغ بنجاتی ہیں۔ بڑے آدمی اِن حالات سے کم متاثر ہوتے اور اس لیئے کم غلطیاں کرتے ہیں مگر جب غلطیاں کرتے ہیں تو اسکا اثر بھی دُور تک جاتا ہے کیونکہ انکے سامنے اہم امور ہوتے ہیں اور ان کی غلطیاں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ مگر وُہ جو حقیقی طور پر انسانوں کے رہنما ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ محسوس کرتے سب سے بڑھ کر کام کی جرأت کرتے۔ سب سے بڑھ کر مصایب اُٹھاتے اور سب سے بڑھ کر نافع ہوتے ہیں۔ وہ حالات زمانہ سے متأثر ہونے کی بجائے زمانہ پر اپنا اثر ڈالتے اور مستقبل کو اپنے خیالات کے ماتحت لاتے ہیں۔ ان کی آواز بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوتی ہے مگر صرف ایک وقت کے لیئے۔ ان کی طبائع میں قوت احساس اور ہمدردی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی نوع کو چھوڑنے کے لیئے ایک آواز اپنے اندر پاتے ہیں۔ اور اس آواز پر لبیک کہنے کے لیئے سب سے بڑھ کر تیار ہوتے ہیں۔ وہ عظیم الشان کیمیاگر ہوتے ہیں۔ جو زمانہ پر اپنا اثر ڈال کر خاک کو سونا بنادیتے ہیں۔ وہ ترقی کے پیش رو ہوتے ہیں۔ ان کے کام اور ان کے اقوال دُنیا کو ہلا دیتے ہیں۔ حالات انسانی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتے ہیں اور اس راہ کی طرف دُنیا کو لے جاتے ہیں جو راست بازی اور دُنیا کی نجات کی راہ ہوتی ہے۔ وُہ ایک معنے میں اپنے وقت اور زمانہ کے نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ وہ باتیں دُنیا کو سکھاتے ہیں جو اُنکے زمانہ کی باتیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ مُدت بعد نسل انسانی اُن کی صداقت کو محسوس کرتی ہے وُہ کسی کا خوف نہیں کرتے۔ بلکہ ایک مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے وُہ مقصد جو اُن کی کشفی آنکھ کو دکھایا جاتا ہے۔ اِس کی تکمیل کے لیئے وہ بغیر دائیں یا بائیں نظر ڈالنے کے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ انسانوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ ہر قسم کے بُتوں کو توڑتے

چلے جاتے ہیں۔ اور اُن کی نظر انسانیت کے انتہائی مقصد پر جمی ہوئی رہتی ہے۔

مروّجہ سنہ کی چھٹی صدی کے آخری اور ساتویں صدی کے شروع میں ایسا ایک عظیم الشان انسان اُٹھا اور اُس نے بیابان میں اپنی آواز کو اٹھایا۔ اللہ کا نام لے کر وُہ پکارا اور اسی ایک کی آواز پر عرب کا ملک دُنیا میں ایک ممتاز ملک ہوگیا۔ اور اس کا پیغام اسلام ساری دُنیا میں پھیل گیا۔ یہ زندگی بخش خیالات کی رو نہ صرف ایک لمبے زمانہ سے بہتی چلی گئی ہے بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا ہے اس کے بہاؤ میں اور بھی زور پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور بڑھتی ہوئی تیزی کے ساتھ اور بڑھتے ہوئے حجم میں یہ آگے آگے چلی جاتی ہے۔

وہ عظیم الشان قلوب انسانی جو درحقیقت رحمان کے تختگاہ ہوتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کی خیالات سے بھرے ہوئے ہوتے اور ان کا مقصد ہمیشہ بلند ہوتا ہے۔ وہ طبعاً تمام ان باتوں سے متنفر ہوتے ہیں جو بدی کے نام سے موسوم ہیں یعنی جو ایک انسان کو یا قوم کو ذہنی یا اخلاقی یا جسمانی پہلو سے اسفل حالت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اور وہ طبعاً ان تمام باتوں سے محبت رکھتے ہیں جو انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالت کو ادنےٰ سے اعلےٰ کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ ہر ایک خوبی اور خوبصورتی کو خواہ وہ نظارۂ قدرت میں ہو اور خواہ انسان کے قلب کے اندر پسند کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر پاک رُوح پاک دل پاک اخلاق سے محبت کرتے ہیں۔ مگر دُنیا بھی ایک عجیب دُنیا ہے۔ اور اس کے کام بھی عجیب رازوں کو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس نے تجربہ سے بُہت کچھ جمع کیا ہے۔ اور وہ قانون اپنے لیئے بنائے ہیں جن کی وہ اپنے آپ کو پابند کرتی ہے۔ اور جس کا نام یہ تہذیب رکھتی ہے۔ اُس نے خوشی اور غم کی داستانیں بھی بنائی ہیں۔ سائنس اور لٹریچر بھی اپنے لیئے پیدا کیا ہے۔ اسکے قانون اور رواج اس کی عادات اور تعلیمات رنگا رنگ کی ہیں۔ کچھ سچے بھی ہیں اور کچھ بظاہر سچے نظر آتے۔ مگر حقیقت میں دھوکا دینے والے ہیں۔ اس کی کہاوتیں اور ضرب المثلیں اپنے اندر صداقتیں بھی رکھتی ہیں اور غلط راہ پر ڈالنے والی بھی ہیں۔ اس کے کام بُہت ہیں۔ مگر کاموں سے بڑھ کر اس کے اقوال ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ دُنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ تعلیم کی نسبت نمونہ بہتر ہے۔ مگر اس کی تعلیمیں بُہت اور اس کے نمونے کم ہیں۔ سب سے عجیب

اس کی نکتہ چینی ہے۔ یہ بات یوں نہیں ہونی چاہیئے وُوں ہونی چاہیئے۔ ہر ایک شخص اپنے خیالات میں خواہ اپنا ہی راگ الاپتا چلا جاتا ہے۔ کسی پچھلے مضمون میں میں نے ناظرین کو مارگولیتھ کے اِس دعوے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ کہ اسلام گویا درحقیقت اپنی ابتدا میں عرب کے اندر ایک مخفی سوسائیٹی تھی اب میرے ایک دوست نے مجھے ایک کاپی ایک کتاب کی بھیجی ہے۔ جو ٹی۔آر۔ڈبلیو لنٹ نے لکھی ہے اور جس کا نام "سٹوری آف اسلام" یا اسلام کی کہانی رکھا ہے۔ اس کتاب میں میرے دوست نے کئی مقامات پر نشان لگائے ہیں۔ جس سے غالباً انکا منشا یہ ہے کہ وُہ ان کے متعلق میرے خیالات کا اظہار چاہتے ہیں۔ اس کو میں کسی آئندہ موقعہ کے لیئے چھوڑتا ہوں۔ صرف ایک بات کی طرف اپنے ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے:۔

"(حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) جس قدر ممکن ہو معاملہ کو تاریکی میں رکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ لوگ جو اس معلّم سے اور اس کے شاگردوں کی چھوٹی سی جماعت سے واقف تھے۔ وُہ انھیں ایک چھوٹی سی مخفی کم و بیش بلا ضرر جماعت سمجھتے تھے" (صفحہ ۴۰ و ۴۱)

"معاملہ کو پہلے چار سال میں مخفی رکھنے کا بہت بڑا فائدہ ہوُا۔ اس نے شروع شروع میں ہی اس سلسلہ کو کچلا جانے سے بچالیا" (صفحہ ۴۸)

پھر چند سطریں چھوڑ کر لکھتا ہے۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اب کسی قدر نمائش اور شوکت کے ساتھ ایک مرکزی مقام اپنے لیئے تجویز کیا۔ یعنی ارقم کا گھر جو اب تک اسلامی دنیا میں اسلام کے گھر کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم اپنے پیروؤں کے جلسے کرتے۔ استفسارات حل کرتے۔ اور زائرین اور دوسرے لوگوں سے جو آپ کے پاس آتے ملاقات کرتے۔"

مسٹر لنٹ اور پروفیسر مارگولیتھ میں اس نکتہ چینی میں جو اختلافات ہیں نہ میری یہہ خواہش ہے اور نہ میرا منصب ہے۔ کہ اُن کو تطبیق کروں۔ مگر ایک تاریخی نظر سے عامہ عقل انسانی کا واسطہ دے کر میں یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ زمانہ کونسا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کو مخفی سوسائیٹی کے رنگ میں رکھا ہوُا تھا؟ مارگولیتھ کہتا ہے۔ کہ یہ وہ

زمانہ تھا۔ جب آپ ارقم کے گھر میں تھے۔ لنٹ لکھتا ہے کہ ارقم کے گھر میں جانے سے تین سال پہلے کا یہ زمانہ تھا۔ حالانکہ وہ ساتھ ہی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ان تین سال کے اندر کوئی چالیس کے قریب مسلمان بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے تھے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کی تائید میں کوئی بات پیش نہیں کرتا۔ پھر مارگولیتھ لکھتا ہے کہ ارقم کا گھر ایک ایسے موقعہ پر تھا۔ جہاں لوگوں کی آمدورفت عام طور پر نہ تھی۔ لنٹ (جو میور کا تتبع کرتا ہے) لکھتا ہے کہ یہ مرکزی مقام تھا۔ اسلام کی اس نکتہ چینی پر عیسائیوں کی اپنی حالت جو عیسائیت پر نکتہ چینی کرتے وقت ہوتی ہے یاد آجاتی ہے۔ ایک شخص ایک مضمون لکھتا ہے جس میں وہ بتاتا ہے۔ کہ عیسائی مذہب کیا ہے۔ پھر جب کوئی شخص اسکے مضمون پر تنقید کرکے اُس کی غلطی کو ظاہر کرتا ہے۔ تو ایک دُوسرا اُٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ پہلے مضمون میں جو کچھ عیسائی مذہب کے متعلق لکھا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ اس لیئے اس پر تنقید ہی فضول ہے۔ اصل عیسائی مذہب یہ ہے۔ پھر جب اس پر تنقید کی روشنی ڈالی جائے تو ایک تیسرا اُٹھتا ہے۔ اور وہ پہلے دونوں حامیان عیسویت کو غلطی پر بتا کر ایک اور ہی تعریف عیسائی مذہب کی کرتا ہے۔ غرض اس طرح یہ سلسلہ چلتا ہے۔ اور کوئی نہیں لکھ سکتا۔ کہ عیسائی مذہب حقیقت میں کیا ہے۔

جب میرے قدیم دوست مسٹر عبداللہ کوئیلیم نے لورپول میں ایک اسلامی تحریک کی بنیاد ڈالی تو عیسائی پادری مشرق میں مسلمانوں کو یوں کہدیا کرتے تھے۔ کہ یہ جو مذہب کوئیلیم پیش کررہا ہے وہ حقیقی اسلام نہیں جو کہ مشرق میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیم و عمل کی یہ ایک بدنما شکل ہے جو چند مغربی آدمیوں نے تجویز کرلی ہے۔ چونکہ لورپول کی تحریک اسلامی کا بانی ایک انگریز تھا۔ اور اس کے مؤید بھی انگریز تھے۔ اس لیئے اسلام کے مخالفوں نے اس پالیسی کو مفید سمجھا۔ کہ مشرقی اسلامی بھائیوں کی ہمدردی کو اس طرح کہہ کر اس تحریک سے الگ کردیں۔ اور وہ اس کی کوئی مدد نہ کریں تاکہ یہ ترقی نہ کرے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ایک حد تک وہ اس میں کامیاب ہوگئے۔ اب ووکنگ میں جو تبلیغ اسلامی کا کام شروع ہوا ہی اس کے بانی اور اس کے چلانے والے خالص ہندوستانی مسلمان ہیں۔ مگر اب بھی پادری

صاحبان اسی پالسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور موجودہ پہلی تحریک کی طرح بدنام کرکے افریقہ اور مشرق قریب کے مسلمانوں کی ہمدردی کو اس تحریک سے الگ کرنیکی تجویز میں ہیں۔ ہاں اِس مرتبہ یہ ان کی تجویز کارگر نہیں ہوئی۔ مگر باوجود اس ناکامی کے یہ ضروری ہے۔ کہ یہ بات مسلمانوں کے علم میں آجائے۔ مسلم ورلڈ جلد ۵ نمبر ا صفحہ ۹۰ پر ایچ اٹی اٹی ہینز کتاب "اسلام[1] اینڈ مسلم پریئر" یعنی اسلام اور اسلامی نماز پر جو خواجہ کمال الدین صاحب نے شائع کی ہے ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جن عقاید کا اظہار اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ وہ حقیقی اسلام کو پیش نہیں کرتے۔ اور مختلف مضمون نویس ہندوستانی آڈیلزم (بلند خیالیوں) سے فریب خوردہ معلوم ہوتے ہیں جو وہ اسلام نہیں۔ جو مصر، عرب اور رُوم میں پایا جاتا ہے" جن خیالات کا اظہار مسٹر ہینز نے یہاں کیا ہے۔ وُہ نمونہ ہیں۔ ان خیالات کا جو عام طور پر وہ پادری جو اسلامی ممالک میں کام کر رہے ہیں ان لوگوں کے متعلق رکھتے ہیں جو اسلامک ریویو میں مضامین لکھتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے اصل صداقت ان پر ظاہر ہو چکی ہے۔ ان کو حسد کی جلن محسوس کرتے ہوئے بھی یہ ماننا پڑا ہے۔ کہ جن خیالات کا اظہار یہاں ہوتا ہے وُہ بلند خیالات ہیں یعنی خود ان مضامین پر اور اِن خیالات پر تو ان کا کوئی ہاتھ نہیں پڑتا۔ اب ان کی وقعت کو یہ کہہ کر کم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ عرب اور مصر کا عملی اسلام نہیں ہے۔ اِن لوگوں کی طرف سے جنھوں نے اسلام کی مخالفت پر قسم کھا رکھی ہے۔ اِس بات کا اعتراف کہ یہ خیالات اعتراض کی دسترس سے باہر ہیں۔ بہتر سے بہتر تعریف ہے جو وہ کر سکتے تھے +

[1] یہ کتاب منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور سے قیمت ۴/ پر مل سکتی ہے +

اسلام میں انصاف

ایک نومسلم انگریزی خاتون آمینہ کی قلم سے

جو لوگ اسلام کا غور اور نیک نیتی سے مطالعہ کریں گے۔ اُن کو معلوم ہوگا۔ کہ انصاف پسندی اور میانہ روی اس مذہب کا امتیازی نشان ہے۔ اس کی اس انصاف پسندی کا سب سے ابتدائی مرحلہ یہ ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم کی رُو سے کوئی بچہ گنہگار پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی تعلیم ہمیں یہ بتاتی ہے۔ کہ والدین کی بدیاں بچہ میں ورثہ کے طور پر آجاتی ہیں۔ یا ان شرارتوں کا جو اس کے والدین نے کی ہوں۔ جن کو اُس نے سُنا بھی نہیں۔ دیکھنا تو کیا تھا وُہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسلام انسان کو یہ سکھاتا ہے۔ کہ وُہ اپنے اُوپر اعتماد کرے۔ ہر ایک انسان درحقیقت اپنا آپ حاکم اور صرف اپنے ہی افعال کا ذمہ دار ہے۔ اپنے اعمال سے چاہے تو وہ اپنے آپ کو بچالے اور چاہے اپنی بداعمالیوں سے اپنے آپ کو تباہ کرلے۔ اگر وُہ نیک کام کرتا ہے تو وہ اس کا اچھا اور جائز اجر پاتا ہے۔ اگر بدی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی سزا اُسے خود ہی بھگتنی پڑتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم ہے لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ کوئی دُوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور یہی حقیقی تقاضا انصاف کا ہے۔ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ کہ ایک شخص کے گناہ کے بوجھ کو کوئی دوسرا اُٹھالے یا ایک کے گناہ کا کفارہ دُوسرا دے۔ دُنیا کا کوئی منصفانہ قانون اس بات کو جائز نہیں رکھتا۔ کہ ایک شخص جو خود بے گناہ ہے۔ کسی دُوسرے کے گناہ کا ذمہ دار

قرار دیا جائے اور بجائے اصل مجرم کے دوسرا سزا یاب ہو اور مجرم چھوٹ جائے۔ مگر تعجب ہے کہ جس بات کو عقل انسانی معمولی دنیوی کاروبار میں قبول نہیں کر سکتی اور نہ اسے صحیح اصول ٹھیراتی ہے۔ مذہب کے معاملہ میں اسی بات کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جاتا ہے۔ اگر ہماری عقل ہرگز روا نہیں رکھتی کہ انصاف اس بات کا نام رکھیں کہ مجرم تو چھوٹ جائے اور بے گناہ جیلخانہ میں بھیجدیا جائے تو پھر کس طرح اس بات کو جائز قرار دیا جاتا ہے کہ ساری دُنیا کے مجرم تو رہائی پا جائیں۔ اور سب کے گناہوں کا بوجھ ایک مسیح پر ڈالا جائے۔ یہ بات کس قدر کھلے طور پر ظلم اور ناانصافی کی ہے۔ مگر یہی وہ عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت مسیح کے متعلق رکھتے ہیں۔ جنھیں دُنیا کا نجات دھندہ قرار دیا جاتا ہے۔ جو شخص ذرہ بھی عقل خداداد سے کام لے وہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ کیسی کھلی اور صاف طور پر ناممکن بات ہے۔ کہ ایک شخص اپنی ایک قربانی سے ان تمام کے لیئے کفارہ ہو جائے جو اس دُنیا پر گذر چکے ہیں۔ اور اس لاانتہا کروڑ در کروڑ مخلوق کے لیئے بھی جس نے ابھی پیدا ہونا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے۔ کہ عیسائیوں کی ایک نسل کے گناہ مسیح نے اُٹھا لیئے۔ اور وہ اُن کے لیئے کفارہ ہو گیا۔ تو اُن کے بچوں کو کیوں خدا کے غضب کے نیچے قرار دیا جاتا ہے۔ یا تو وہ پہلی نسل مسیح کے کفارہ سے گناہوں سے پاک نہیں ہوئی۔ اور یا اُن کی اولاد کو پھر کفارہ کی ضرورت باقی نہیں۔ یہ دونوں ضدیں تو بہرحال جمع نہیں ہو سکتیں۔ کہ ماں باپ کو کفارہ کی بدولت گناہ سے پاک بھی مانا جائے۔ پھر اُن کی اولاد کو پیدائشی گنہگار قرار دے کر اُن کے لیئے کفارہ کی از سر نو ضرورت سمجھی جائے۔ درحقیقت یہ عقیدہ آپ اپنی تردید کرتا ہے

پھر اگر انسان دُنیا میں ایسی حالت میں پیدا ہوا ہے۔ کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں۔ کہ نیک یا بد راہ میں سے ایک کو اختیار کرے تو پھر نیکی کا ثواب یا بدی کی سزا دونوں ظلم ہیں۔ ایسی صورت میں تو انسان کو عقل اور نور قلب ہرگز نہیں دیے جانے چاہیئے تھے۔ لیکن اسلام کی تعلیم کے مُطابق اسلام کا خدا انصاف بھی کرتا ہے۔ اُس نے انسان کو پیدا کر کے اس کو اچھی اور بُری راہ بتا دی ہے۔ اور اُس کو اختیار دیا ہے۔ کہ وہ چاہے تو اچھی راہ اختیار کرے اور چاہے بُری۔ مگر وہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہوگا۔ اور جو نتائج اس کے

ایک یا دوسرے راہ چلنے سے پیدا ہونگے۔ ان کی اچھائی کا مستحق یا بُرائی کا جوابدہ وہ خود ہوگا اگر وُہ نیکی کی راہ پر چلتا ہے۔ تو اِس سے خود اس کے قلب کو راحت ملے گی۔ اور انجام کار وہ راحت پائے گا۔ اگر بدی کی راہ پر چلتا ہے تو پھر تقاضائے انصاف یہی ہے کہ وہ بد افعال کے بد نتائج کو خود ہی بُھگتے۔ لیکن ایک منٹ کے پیدا ہوئے ہوئے بچہ کو یا اُن بچوں کو جو ابھی نیک و بد کی تمیز کا علم حاصل کرنے کے قابل ہی نہیں ہوئے۔ کسی نامعلوم گناہ کا ذمہ وار قرار دے کر دوزخ کے عذاب کا مستحق قرار دینا کسی عقلمند کے نزدیک انصاف کا فعل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نہ ہی یہ انصاف یا جوانمردی کی بات ہے کہ اپنے گناہ اکھٹے کر کے دُوسرے کی پیٹھ پر ڈال دیے جائیں۔ اور اُن کے نتائج کا ذمہ وار اُسے ٹھیرایا جائے جب انسان کو یہ احساس ہو کہ میں اگر کھڑا رہ سکتا ہوں تو اپنی طاقت سے۔ اور اگر گروں گا تو خود ہی نقصان اُٹھاؤں گا۔ تو وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنا اور اپنی عزت کرنا سیکھتا ہے۔ اگر اس کو یقین ہو کہ اس کی ہر ایک لغزش کا ذمہ وار کوئی دُوسرا شخص ہے۔ اور اسکے گرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ نقصان کسی دوسرے کو پہنچتا ہے۔ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنا سیکھے۔ یا اپنی عزت کا خیال اُس کے دل میں پیدا ہو۔ ایسی پیدائش اور ایسی زندگی کا اسے کیا فخر ہو سکتا ہے۔ جس میں وہ خود اپنے افعال کا ذمہ وار نہیں۔ فخر دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ سچا فخر اور جھوٹا فخر۔ جھوٹا فخر تو خود نمائی اور تکبّر کا بدترین پہلو ہے۔ جس کی وجہ سے ایسا فخر کرنے والا اپنے آپ کو دُوسرے لوگوں سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اور دُوسروں کی تحقیر کرتا ہے۔ یہ ایک خطرناک گناہ ہے۔ جس کے خلاف خود حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔ ایسا احمقانہ اور جھوٹا فخر انسان کو حاسد بناتا اور اُس کے دل میں جھوٹی حرص پیدا کرتا ہے۔ اور انسان کے دل کو اپنی ہی وقعت کے مبالغہ آمیز خیالات سے بھر دیتا ہے۔ مگر سچا فخر ایک ملحد چیز ہے۔ اور وُہ اچھی چیز ہے جو شخص اپنا پورا زور اس بات کے لیئے لگاتا ہے کہ وہ اپنے خدا کو خوش کرے۔ بنی نوع انسان کی مدد کرے۔ اور اپنے فرض کو ادا کرے۔ اس کے دل میں وُہ سکینت اور اطمینان راہ پاتے ہیں جو حقیقی نیکی کا لابدی ثمرہ ہے۔ اگر ایک آدمی نے جس قدر اُس کے لیئے ممکن تھا

زور لگا کر نیکی کی ہے اور اپنے فرائض کو ادا کیا ہے تو ایک انصاف کرنے والا خدا اس سے اس بات کے لیئے باز پرس نہیں کرے گا۔ کہ اس نے اس سے بڑھ کر کیوں نہیں کیا۔ نہ ہی محض بشریت کے نقصوں کی وجہ سے اس پر گرفت کریگا۔ کیونکہ وہ خدا جو اسلام ہمارے سامنے پیش کرتا ہے وُہ ہمارا خالق بھی ہے اور ہمارا ولی یعنی دوست بھی ہے۔ وُہ رحمان اور رحیم ہے۔ اور اس کا رحم بڑا وسیع ہے۔ وہ انسان سے وہ باتیں نہیں چاہتا جنکا کرنا اس کے لیئے ناممکن ہے کیونکہ جس قدر انسان کو طاقت دی گئی ہے اس سے زیادہ کے لیئے وہ مکلف نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کی صاف تعلیم ہے لایکلف اللّٰہ نفسًا الا وُسعھا۔ اللہ تعالےٰ کسی جان پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اسلام کا خدا رؤف و رحیم خدا ہے۔ یعنی اُس کا تعلق انسان کے ساتھ مہربانی اور محبت کا تعلق ہے۔ اور یہ تعلق غریب اور امیر کے ساتھ یکسان ہے۔ ہاں بے زبان مخلوق پر بھی اسکا رحم ہے۔ اور ہر ایک زمین پر چلنے والا جانور اور ہوا میں اڑنیوالا پرندہ اُس کی مخلوق ہونے کی وجہ سے اسی طرح اُس کے رحم سے فائدہ اُٹھاتا ہے جسطرح انسان اس لیئے ان کو بھی قرآن کریم میں انسانوں کی طرح ایک "امت" کہا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم پس مذہب اسلام ایک انصاف کا مذہب ہے۔ وہ انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے تمام اصول انصاف پر مبنی ہیں۔

عیسائی مذہب میں اس قدر ناقابل اعتبار واقعات۔ اس قدر پراگندہ بیانات اور متضاد عقائید ہیں۔ کہ جو شخص ایمانداری سے کام لے اُسے اپنے اندر کم از کم اس بات کا ضرور اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ وہ ایسے مذہب کو علیٰ بصیرۃ نہیں مان سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عیسائی واعظین ہمیشہ اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ مذہب کے معاملات میں وُہ اپنے عقل و فکر کو دخل نہ دیں۔ انکو کہا جاتا ہے۔ کہ وُہ آنکھیں بند کر کے اور بلا عذر ان تمام عقیدہ ہائے لاینحل کو مان لیں۔ جن پر عیسائی مذہب کی بُنیاد ہے۔ کیا یہ انصاف ہے؟ پھر عیسائیت کسی شخص کو اپنے روزمرہ کے کاروبار کے متعلق کوئی راہ نہیں بتاتی۔ کوئی ہدائیت نہیں دیتی۔ پس ایک طرف اگر خدا ایسا پیش کیا جاتا ہے۔ تو دوسری طرف کتاب بھی ایک کہانی ہے۔ اور دونوں انسان کی عقل کو چکرا دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اسلام کو دیکھو کیا صاف صاف اور کھلی ہدایات نہ صرف

انسان کی روحانی زندگی کے لیئے عطا فرماتا ہے۔ بلکہ اس کی روزمرہ ضروریات میں بھی سچے رہنما کا کام دیتا ہے۔ شراب خوری۔ قمار بازی اور زناکاری کے انسداد سے اسلام نے اپنے پیرووں کو ان تین سب سے بُری بلاؤں سے نجات دی ہے۔ جو یوروپین ممالک کے لیئے لعنت ہو رہی ہیں۔
بائیبل کوئی ہدایات انسان کے روزمرہ ضروریات کے لیئے نہیں دیتی۔ مگر قرآن شریف ہر ایک بات میں ہمارا ہادی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے گفتگو کرنے میں بھی آپس ہدایات دیتا ہے اور گھر کے اندر اور گھر کے باہر جو کچھ انسان کو امور پیش آتے ہیں اُن سب میں ہمارے لئے قواعد مقرر کر دیے ہیں۔ یہ کونسا انصاف ہے۔ کہ عیسائی ایک آدمی کو محض اس لیئے جہنمی قرار دیتے ہیں کہ وہ بعض لاینحل عقیدوں کو قبول نہیں کرتا۔ بعض کہانیوں پر ایمان نہیں لاتا۔ اور بعض ناقابل عمل باتوں کو نہیں مانتا۔ دُوسری طرف اسلام ہے جو دوسرے مذاہب سے بھی انصاف کا معاملہ کرتا ہے۔ اور ان میں بھی صداقتوں کا ہونا تسلیم کرتا ہے۔ مگر عیسائیت تو ان بچوں کو بھی جہنمی قرار دیتے ہیں جنھوں نے ابھی بپتسمہ نہیں لیا۔ خواہ وہ عیسائی والدین کے بچے ہی ہوں اور اُن کو ابدی جہنم کا وارث بناتی ہے۔ کیا یہ انصاف ہے؟ انصاف تو چاہتا ہے کہ انسان کو کچھ آزادی بھی ملے۔ مگر یہ کیا انصاف ہے۔ کہ انسان کو اپنی عقل کو استعمال میں لانے اور تدبر کرنے سے بھی روکا جاتا ہے۔ جو لوگ اسلام کا مطالعہ تعصب سے خالی ہو کر کریں گے وُہ دیکھ لیں گے۔ کہ اسلام ہر ایک کے لیئے ہر ایک معاملہ میں انصاف کا اصول بتاتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی قابل قدر اور بڑا عظیم الشان مذہب ہے۔ کیونکہ یہ دُوسروں کی برداشت سکھاتا اور ہر ایک شخص کو انصاف کی راہ پر چلاتا ہے۔

ایک اور پہاڑی پر وعظ

(از بشیر)

انجیل میں جس پہاڑی وعظ کا ذکر ہے اسکے کوئی چھ سو سال بعد ایک اور پہاڑی پر ایک عظیم الشان انسان کے وعظ کا ذکر تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ یہ عظیم الشان انسان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور وُہ پہاڑی جسکے اُوپر آپ نے وعظ کیا۔ مکہ کی گرد و نواح میں جبل عرفات کی پہاڑی تھی جسکی چوٹی سے آپ کے آتشین الفاظ سے

سارا میدان عرفات گونج اٹھا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے صرف چند ماہ پیشتر بیت اللہ کا حج کیا اور یہ آپ کا آخری حج ہونے کی وجہ سے حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے۔ اِس وقت وہ دین جسے آپ لائے تھے سارے عرب میں مقبول ہو چکا تھا۔ اور ہر گوشہ سے لوگ فرادٰی ہدایت کے حاصل کرنے کیلئے گروہ در گروہ آپکے پاس آتے تھے۔ پس آپکا تبلیغ کا کام اِس طرح پر تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اور گو آپ کی عمر بہت زیادہ نہ تھی لیکن انہی اشارات نے جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپکا کام اب تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ آپکو یقین ہو گیا تھا۔ کہ آپ کے وصال کا وقت بہت قریب ہے۔ کیونکہ وُہ غرض جس کے لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے پوری ہو چکی۔ یہ ساتویں تاریخ مارچ کی تھی جب ایک کثیر مخلوق کیساتھ آپ میدان عرفات میں پہنچے اور جبل عرفات کی چوٹی پر کھڑے ہو کر آپ نے یوں بیان فرمایا۔

"اے لوگو میری باتوں کو غور سے سنو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا۔ کہ اِس سال کے بعد مجھے پھر بھی یہ موقع ملے گا یا نہیں کہ میں اسجگہ تمہارے درمیان آکر کھڑا ہوں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال آپس میں محفوظ اور حرمت والے ہیں۔ اسدن تک کہ تم اپنے مالک کے حضور حاضر ہو۔ ایسے ہی جیسے یہ دن اور یہ مہینہ حرمت والے ہیں اور یاد رکھو کہ تمکو اپنے خداوند کے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ جو تم سے تمہارے سارے اعمال کا حساب لیگا۔۔۔۔ اے لوگو! تمہارے حقوق تمہاری عورتوں پر ہیں اور تمہاری عورتوں کے حقوق تم پر ہیں۔۔۔۔۔ اپنی بیویوں سے نیکی اور محبت کا برتاؤ کرو۔ دیکھو تمنے انکو اللہ کے عہد پر لیا ہے۔ اور وُہ خدا کے الفاظ سے تم پر حلال کی گئی ہیں۔۔۔۔ تم جس چیز کے امین ٹھیرائے جاؤ اس امانت کا حق پوری وفاداری سے ادا کرو۔ اور ہر ایک قسم کے گناہوں سے بچو!

سود تمہارے لیئے حرام کیا گیا ہے۔ قرضدار صرف راس المال کی رقم واپس ادا کریگا اور اسپر سب سے پہلے میرا عباس ابن عبد المطلب عمل کریگا۔۔۔۔ آج سے وہ تمام خون کے مطالبات جو ایام جاہلیت سے تعلق رکھتے ہیں اور تمام خون کے جھگڑے موقوف کیئے جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے میرے چچا زادہ حارثؓ بن عبد المطلب کے خون کا دعوٰی موقوف سمجھا جائے۔۔۔۔ اور تمہارے غلام جو تمہارے قبضہ میں ہیں انکو وہی کھانا دو جو تم خود کھاتے ہو۔ اور وہی لباس انکو پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں جو تم انہیں معاف نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ ان کو الگ کر دو کیونکہ وُہ خدا کے بندے ہیں اور سختی کا برتاؤ اُن کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے۔ اے لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو اور انکو اچھی طرح سمجھ لو۔ جان لو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تم سب ایک سلسلۂ اخوت میں منسلک ہو۔ جو چیز کسی شخص کی ملکیت ہو وہ اُسکے بھائی کے لیئے حلال نہیں جبتک کہ وہ خود

اپنی خوشی سے اُسکو نہ دے اپنے آپ کو ہر قسم کے ظلم سے اور دوسروں کے حقوق چھیننے سے باز رکھو۔
وہ جو حاضر ہے اِن باتوں کو اسے پہنچا دے جو موجود نہیں۔ شاید جس کو بات پہنچائی جائے وہ اسے پہنچانے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔"

یہ وہ الفاظ ہیں جو ہمیشہ کے لیے ہر گھر اور ہر فرد کے لیے سچی راحت اور خوشحالی کا موجب ہیں گے اور انسانی سوسائٹی کی ترقی میں سچے رہنما کا کام دیتے رہیں گے۔ کیسی صداقتیں اور کیسی حقایق ہیں کہ کوئی ناقابل عمل بلند پروازیاں ہیں نہ وہمی اور خیالی باتیں ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں معانی اور سخاوت کے عملی سبق میں وہ مقدس رہبر سب سے پہلے خود عملی نمونہ قایم کرتا ہے۔ اس کا مقابلہ زیتونوں کی پہاڑی کی وعظ میں کہاں سے دکھایا جا سکتا ہے۔ جہاں نہ عملی رنگ کی تعلیم ہے اور نہ ہی خود معلم کا اپنا کوئی عملی نمونہ ہے۔ جو دوسروں کے لیے تحریک کا موجب ہو۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پہاڑی وعظ حقیقت اور عمل کو اپنے اندر لیے ہوئے ہر ایک اُس کے سچے پیرو کے لئے کامل روشنی اور ہدایت کا موجب ہے اور ادنیٰ اور اعلےٰ دونوں قسم کی طبائع کے لیے صاف اور کھلی اخلاقی ہدایات کا جامع ہے۔ یقیناً اس پہاڑی وعظ کا مقابلہ حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ کسی صورت میں نہیں کر سکتا۔ یہاں انسانوں کی روزمرہ زندگی کے لیے عملی ہدایات اور عملی نمونہ وہاں نرے خیالات اور جذبات جن کا عمل میں آنا ہمیشہ سے ناممکن ثابت ہوا ہے اور اب تک ناممکن ثابت ہو رہا ہے ✦ اِس وعظ کے اخیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور اپنا کام پورا کر دیا ہے۔" سامعین کا وہ انبوہ کثیر جو اسوقت حج کے لئے جمع ہو رہا تھا۔ ایک آواز سے بول اُٹھا۔ ہاں بیشک آپ نے پہنچا دیا تب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے۔ اے خدا تو اس پر گواہ رہیو۔ ہاں دُنیا میں صرف ایک ہی انسان ہوا جو بلا خوف تردید یہ لفظ اپنے مُونہہ سے نکال سکتا تھا۔ کہ اے خدا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اور اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ یہ لفظ صرف خاتم النبیین کے مُونھ سے ہی سجتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام یُوں نہ کہہ سکتے تھے۔ اوّل الذکر کا کام تو اس کے خلیفوں کے ہاتھ پر پورا ہوُا۔ اور مؤخر الذکر نے صاف الفاظ میں تسلیم کیا کہ وہ ساری صداقتیں نہیں سکھا سکتے۔ اور ان کے لیئے اس وقت تک انتظار کرنے کو فرمایا جبکہ تسلی دہندہ یا فارقلیط آئے۔ جو ساری صداقتیں سکھائیگا۔ نہ صرف کسی پیغمبر کی زندگی میں ہی اس کمال تک اپنے مقصد کو پہنچانے کی نظیر بھی نہیں ملتی بلکہ دوسرے لوگوں کی زندگیاں بھی ایسی نظیر سے خالی ہیں۔ کیا سکندر اعظم یا بونا پارٹ اپنی زندگی کے ختم ہوتے وقت یہ لفظ مُونھ سے نکال سکتے تھے۔ کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ یقیناً نہیں پس ساری تاریخ میں نبی عربی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ اللھم صلے علی محمد و علےٰ ال محمد وبارک وسلم ✦

معاہدات کے متعلق اسلامی تعلیم

یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود
(اے لوگو جو ایمان لائے ہو معاہدات کو پورا کرو)

ثلاث من کن فیہ فھو منافق خالص اذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا ائتمن خان (جس شخص میں تین باتیں ہوں وُہ پکا منافق ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اُسے پُورا نہ کرے۔ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے)

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح نہ صرف ایک عام شہری کے لیئے عملی اخلاق کے اعلےٰ مثالیں پیش کرتی ہے۔ بلکہ ایک مدبر ملکی کو بھی بڑے مفید اخلاقی سبق سکھاتی ہے ملکی معاملات میں پُورا اُترنے کے لئے سب سے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وُہ اعلےٰ درجہ کے اخلاقی قوت ہے۔ کیونکہ ملکی معاملات کا اثر قوموں کی بہبُودی اور قومی اخلاق پر پڑتا ہے۔ جب کبھی انسان کے اخلاقی احساسات اور اُس کے مادی فوائد میں باہم مقابلہ واقع ہو۔ تو بڑے آدمیوں کا نمونہ اعلےٰ درجہ کا مفید سبق سکھاتا ہے اور انسان کے سامنے وہ راہ کھول دیتا ہے۔ جس پر چلنے میں انسانیت کا اصل شرف ہے۔ مگر ان بڑے آدمیوں میں جس قسم کے اعلےٰ درجہ کے سبق اخلاقی احساسات کے مقابلہ میں رکاوٹوں پر غالب آنے کے۔ اور اعلےٰ درجہ کے ملکی اخلاق حاصل کرنے کے ہمیں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتے ہیں۔ دُوسرے کسی نبی کی زندگی میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ مادی تہذیب کی ترقی کے ساتھ قومی معاہدات میں عموماً ایسی مدبرانہ چالیں ہوتی ہیں۔ کہ جب کبھی موقعہ پیش آجارے۔ تو اُن کا توڑنا آسان ہوتا ہے۔ تعلقات بین الاقوام میں نیک نیتی اور صاف دلی معدوم اجزار ہوتے ہیں۔ پرلے درجہ کے خود غرض اور مادی فوائد کی انتہائی خواہشات نے اخلاق کے اعلےٰ احساسات کو بالکل نابود کر دیا ہے۔ قومیں ایک دُوسرے کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کرتی۔ اور ایک دُوسرے کو نیک نیتی

کے خلافِ عمل کرنے کا الزام دیتی ہیں۔ اور موجودہ حالات میں ان کو ان کے مذہب نے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا۔

جب ہم بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو حضرت مسیح کی زندگی میں ہمیں کوئی ایسے واقعات نظر نہیں آتے جن سے آپ کے پیروؤں کو عملی سبق ایفائے معاہدات کا مل سکے۔ قومی معاہدات کا تو کیا ذکر ہے۔ مرد اور عورت میں جو معاہدہ ہوتا ہے۔ جو انسانوں کی روزمرہ زندگی کا جزو لازم ہے۔ اس پر بھی مسیح کی زندگی کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔ اسلیئے حضرت مسیح نہ تمدنی نہ ملکی اور نہ ہی مذہبی معاملات میں ہمارے لیئے نمونہ کا کام دے سکتے ہیں یہ درحقیقت آپ کی تعلیم کا ایک نقص تھا۔ جس کو آپ خود بھی محسوس کرتے تھے۔ اور جس کی طرف آپ نے یہ کہکر صاف اشارہ کر دیا۔ کہ میرے بعد ایک اور آئے گا جو حقیقی تسلی دھندہ ہوگا۔ اور جو سارے حق کی راہوں پر لوگوں کو چلائے گا۔ تسلی دہندہ کا خطاب حضرت مسیح نے اپنے بعد آنے والے کو اسی لئے دیا۔ کہ اُس کی تعلیم اور اُس کا نمونہ دُنیا کے لیئے حقیقی تسلی اور نجات کا موجب ہونگے وہ معہود تسلی دھندہ جس کی خوشخبری حضرت مسیح نے سُنائی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جنھوں نے نہ صرف ایک کامل تعلیم ہی دُنیا کے سامنے پیش کی۔ بلکہ اپنے عملی نمونہ سے۔ مذہبی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ ملکی معاملات میں دُنیا کے سامنے ایک راہ کھول دی آپ نبی بھی تھے۔ اور بادشاہ بھی تھے۔ اگر ایک طرف آپ نے صداقت کو پھیلایا۔ اور دُنیا کو راستی کی تعلیم دی۔ اور ہر ایک باطل کا سر کچلا تو دوسری طرف اعلےٰ درجہ کے قانون دنیا کو بتائے اور معاہدات کے ایفا پر خاص زور دیا۔ امانت میں خیانت آپ کے نزدیک کبھی کسی سچے مسلمان کا شیوہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیئے آپ نے خیانت اور معاہدہ کے خلاف ورزی کو منافق کی علامت بتایا۔ اسلامی اخلاقی قوانین میں ایک عہدشکن منافق ہے۔ اور اس لیئے عہدشکنی ایمان کی شان کے بالکل منافی ہے۔ آپ کی تعلیم صرف لفظوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ نے خود اس تعلیم پر عمل کرکے اور اپنے ساتھیوں سے عمل کرا کر اس تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔

اس عملی حصہ میں سے ہم ایک مثال بطور نمونہ لیتے ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ مدینہ میں آئے ہوئے آپ کو چھ سال

گذر چکے تھے۔ اور یہاں بھی ان دشمنوں نے جو مکہ میں مسلمانوں کو دُکھ دیتے تھے۔ آپکا تعاقب کیا۔ اور آپ کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ نے یہ ارادہ کیا۔ کہ آپ اس توحید کے پہلے گھر یعنی خانہ کعبہ کی زیارت کریں۔ اور دشمن کی مخالفت کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ آپ کے ساتھ چودہ سو آدمی عازم حج ہوئے۔ کیوں کہ اُن کو یہ یقین تھا۔ کہ ایام حج میں خانہ کعبہ سے جہاں تمام ملک عرب کے رہنے والے آزادی کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ کوئی اُن کو روکنے والا نہ ہوگا۔ مگر اسلام کے دشمنوں نے اسلام کی مخالفت میں تمام قومی اور مذہبی قوانین کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اور اس مقدس قانون کو بھی جو تمام ملک عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یعنی جو شخص حالتِ احرام میں خانہ کعبہ میں حج کے لیئے آئے۔ اسے کوئی روک نہ سکتا تھا۔ توڑ دیا۔ اور ایک مضبوط دستہ فوج کا اس غرض کے لئے بٹھا دیا۔ کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایلچی بھیج کر آگے بڑھنے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ کے ساتھ نہائت گستاخی کا سلوک کیا گیا۔ بلکہ کچھ تیر بھی چلائے گئے۔ تاہم ان باتوں نے آپ کے ارادہ اور آپ کی عالی حوصلگی پر کچھ اثر نہ کیا۔ آپ کے صحابہ بھی اسّی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ مگر اس رؤف و رحیم انسان نے اُن کو معاف کرکے چھوڑ دیا۔ باایں ہمہ قریش کی مخالفت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ آخر کار ایک عارضی معاہدہ باہم ہو گیا۔ جس کے رُو سے آخر کار آپ کو بلا زیارت خانہ کعبہ واپس آنا پڑا۔ اس معاہدہ کے وقت جو گفتگو یا بحث آپ میں اور فریق مخالف میں ہوئی وُہ بھی آپ کی عالی ظرفی اور دشمن کے تشدد کی شہادت دیتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کو اس طرح شروع کرایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مگر قریش نے ان الفاظ کے لکھنے سے انکار کیا۔ اور جس طرح پر اُنھوں نے لکھوانا چاہا۔ اُسی پر آپ بھی رضامند ہو گئے۔ یعنی عنوان معاہدہ بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جو اسلامی طرز تھی باسمک اللّٰھم رکھا گیا۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے۔ قریش نے پھر مخالفت کی۔ کہ ہم رسول اللہ کا لفظ معاہدہ میں نہ لکھنے دینگے صرف محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ اس سے مسلمانوں میں سخت جوش اور اشتعال پیدا ہوا لیکن آپ کی طبیعت میں امن پسندی اور حیا زیادہ تھی۔ آپ نے پھر انہی کی بات کو قبول کرلیا

حالانکہ آپ کے صحابہ کو یہ بات سخت ناگوار تھی۔ اس معاہدہ کے شرائط بھی دلچسپ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ جنگ کو روکنے کے لئے ہر ایک قسم کی سخت شرائط قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ اس صلحنامہ کی شرائط حسب ذیل تھیں:۔

(۱) اگر کوئی شخص قریش میں سے مسلم ہو یا غیر مسلم ولی یا سردار کی اجازت کے بغیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو آپ پر لازم ہوگا۔ کہ آپ اسے واپس کر دیں۔

(۲) اگر مسلمانوں میں سے کوئی قریش سے جا ملے تو قریش اُسے واپس نہ کریں گے۔

(۳) جو قوم قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے۔ اُس کو حق ہوگا۔ کہ جس فریق کے ساتھ چاہے اتحاد کا معاہدہ کرے۔

(۴) مُسلمان بغیر حج کرنے کے مدینہ کو واپس جائیں۔

(۵) قریش اور مُسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی جنگ نہ ہوگا۔

(۶) آئندہ سال مُسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت ہوگی۔ مگر وُہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھیر سکیں گے۔ اور اپنے ہتھیاروں کو کھلا نہ رکھیں گے۔

یہ حدیبیہ کا صلحنامہ کہلاتا ہے۔ اُس کی شرائط بعض لوگوں کے لئے سخت ابتلا کا موجب ہُئیں سرداران قریش میں سے ایک نوجوان نے جو درپردہ مُسلمان تھا۔ مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ ابو جندل سہیل کا بیٹا تھا۔ اور اُس کی آمد سے مسلمان مارے خوشی کے پھُولے نہ سماتے تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پابندی کے سامنے سب فوائد کو قربان کر دیا ابو جندل کے مسلمانوں میں شامل ہو جانے سے اسلام کو تقویت پہنچتی تھی۔ مگر آپ نے اُسے اہل مکہ کے ایلچیوں کے سپرد کر دیا۔ پُر جوش نو مسلم نے شکایت کی۔ کہ مجھے کیوں واپس کیا جاتا ہے جب میں اپنی خوشی سے آپ کے ساتھ ہوتا ہوں۔ مگر آپ نے اُس کو نصیحت کی اور فرمایا۔ کہ صبر سے کام لو۔ اللہ تعالےٰ کی رضا کے ماتحت اپنے آپ کو کرو اور اُسی پر توکل کرو۔ وُہ تمہارے لیئے اور تمہارے جیسے دُوسرے لوگوں کے لیئے کوئی راہ نکال دیگا۔

اس سے بھی زیادہ ایک اور واقعہ دردناک ہے۔ ایک اور نوجوان صداقت کے پُرزور جذبہ سے کھچا ہُوا مدینہ چلا آیا۔ مکہ والوں نے دو ایلچی اُس کی واپسی کے لئے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس بھیجے۔ چنانچہ ابو بصیر اُن ایلچیوں کے حوالہ کیا گیا۔ اس پر نوجوان کو سخت مایوسی ہوئی۔ مگر وُہ اپنے ارادہ میں پکا تھا۔ اور اُس نے ٹھان لیا۔ کہ مکہ میں اب اِس حالت میں کبھی واپس نہ جاؤں گا چنانچہ جب ایلچی اُس کو مدینہ سے واپس لیجا رہے تھے تو راستہ میں موقعہ پاکر اُس نے ان دونوں میں سے ایک کی تلوار لی اور مار ڈالا۔ دُوسرا خوف زدہ ہوکر مدینہ واپس پہنچا۔ اور شکایت کی کہ میرا ساتھی مارڈالا گیا ہے۔ ابو بصیر بھی پیچھے آموجود ہُوا اور اُس نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ میں اپنی طاقت سے ان ظالموں کے پنجے سے چھوٹ کر نکلا ہوں اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضوُر عرض کیا۔ کہ آپ نے اپنی ذمہ داری کو مجھے قریش کے ایلچیوں کے حوالہ کرکے پُورا کردیا۔ اور اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور نہ مجھے مدینہ کو واپس کیا جاسکتا ہے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو ایک بہانہ جوئی قرار دیکر یہ دکھا دیا۔ کہ آپ صرف الفاظ معاہدہ کے پابند نہ تھے۔ بلکہ سخت ترین مشکلات کے سامنے اس معاہدہ کے منشاء کو پُورا کرنا اپنا فرض اوّلین سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب ابو بصیر نے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کا عذر قبول کرنے کے لیئے تیار نہیں تو وہ مدینہ سے بھاگ گیا۔ اور ایک ایسی جگہ میں جاکر اقامت اختیار کی۔ جو قریش اور مسلمانوں دونوں دونوں کی سکونت سے باہر تھی۔ اور یہاں اُس کے پاس بُہت سے اور اسی قسم کے نومسلم جمع ہو گئے۔ جو مکہ سے بھاگ کر نکلے تھے۔ مگر جن کو مدینہ میں پناہ ملنے کی امید نہ تھی۔ اِس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مصیبت کو برداشت کیا۔ کہ وہ اُن مسلمانوں کو جن کے دکھوں سے آپکا دل سخت درد میں تھا۔ پھر دکھوں میں پڑنے کے لیئے واپس کریں۔ مگر معاہدہ کو نہ توڑا۔ اور اس طرح پر دُنیا کے سامنے پابندی معاہدہ کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا۔ جس کی مثال تاریخ میں دُوسری نہیں ملتی۔ کاش اسی نمونہ پر عیسائی قومیں چلیں تو معاہدات کی آج یہ حالت نہ ہوتی کہ اُن کو "کاغذ کے ٹکڑے" لکھ کر بالکل بے وقعت قرار دیا جاتا۔ اور اس طرح پر صریح بے ایمانی کو ملکی یا مدبرانہ دانشمندی کے نام کے نیچے چھپایا جاتا۔

اسلام

اسلام کی گذشتہ عظمت و شوکت کی ایک جھلک
اسلام کے اصولوں کا ایک مختصر خاکہ اور مسلمانان زمانہ سلف کی دماغی و علمی ترقیات

(از پروفیسر مراد۔ ایم۔ ایس سی۔ بی اے۔ پروفیسر ایم۔ اے۔ او کالج علیگڈھ)

ابتدائے آفرینش سے خواہ وہ کسی طرح سے بھی ہوئی ہو۔ دنیا کے تمام مذاہب مصلحین اور انبیاء کی یہی کوشش رہی ہے کہ نوع انسان کو کچھ اس کے مفید مطلب عقائد ذہن نشین کرائے جائیں۔ ان عقاید میں توحید الٰہی سب سے ممتاز عقیدہ اور اسی کے پھیلانے میں سب کی کوشش خاص طور پر مشترک رہی ہے۔ لیکن تاریخ پر جہاں تک نظر دوڑائی جائے جہاں تک توحید الٰہی کا سوال ہے۔ تمام مذاہب اور انبیاء سوائے اسلام اور نبیِ اسلام کے اس کوشش میں ناکام نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو تو وہ بے شمار دیوتاؤں کی پوجا کر رہے ہیں اور خود خدا کے اوتار لینے کے عقیدہ کو بھی مانتے ہیں۔ یورپ کے مہذب عیسائی اور دوسرے ممالک کے پیروان مسیح تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے لغو اور محال عقیدہ کو ماننے کے وقت تمام معقولیت اور فلسفہ کو بالائے طاق دھر دیتے ہیں۔ مگر ان دونوں مذہبوں میں اب نئی جان پڑنے لگی ہے۔ اور معقولیت کی ہوا نے تھپیڑے دے دے کر کچھ کچھ جگانا شروع کیا ہے۔ ہندوؤں کے دیوتاؤں اور ٹھاکروں اور عیسائیوں کے ناممکن الفہم تثلیث نے فنا کے گرداب میں منہ چھپانا شروع کیا ہے۔ اور ان کی جگہ نئے اصلاح شدہ خیالات لیتے جاتے ہیں۔ چنانچہ برہمو۔ آریہ سماج عیسائیوں کا موحد فرقہ دراصل حق یعنے توحید الٰہی کے ظہور کا صرف پیش خیمہ ہیں اور بس۔

نبیؐ عرب کا اصلی مشن یہی تھا۔ کہ توحید الٰہی کا دُنیا کو سبق پڑھایا جائے اور اسلام کے اخلاق حقیقی کو لوگوں میں رائج کیا جائے (ہم آگے چل کر بتلائیں گے۔ کہ اسلام ہی تمام دُنیا میں ایک مذہب ہے جو ہر رنگ میں مکمل اور قابل عمل مذہب ہے اور دین فطرت انسانی کے مُطابق ہے)۔ آپؐ کو اپنے مشن میں کہاں تک کامیابی ہوئی۔ یہ اسلام کے اوائل زمانہ کی تاریخ اور ابتداء سے لے کر آج تک مُسلمانوں کے حالات سے ثابت ہو سکتا ہے۔ آپکو ایسی کامیابی ہوئی جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔

کیا توحید الٰہی کے لیئے تڑپ تھی۔ کہ بستر مرگ پر بھی آنحضرت صلعم کی اگر کوئی دُعا تھی تو یہی تھی۔ کہ خدایا میری قبر کو لوگوں کی عبادتگاہ نہ بنانا۔ اور یہ بھی آپ کا ایک مسلمہ معجزہ ہے کہ خدا کے فضل سے کبھی کسی مُسلمان نے آپ کی قبر کو سجدہ نہ کیا۔ لاکھوں کی تعداد میں حجاج ہر سال حضورؐ کے روضہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپ کی اس دُعا کے خلاف کوئی واقعہ ظہور پذیر ہوا ہو۔ اور جو تمام عمر آپ کی تعلیم رہی۔ اُس کے خلاف خود آپ کے روضہ پر کوئی حرکت سرزد ہوئی ہو۔ ہمیشہ آپ کی یہی ہدایت رہی کہ "میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں اور مجھ میں اور تم میں یہی فرق ہے۔ کہ مجھے خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے" ہر ایک مسلمان کم سے کم پانچ وقت نماز میں یہ فقرہ دُہراتا ہے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ یعنے میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلعم) اُسکا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ پس اسلام کا اصل الاصول خدا کی توحید پر مضبوط اور غیر متزلزل عقیدہ اور اُس کے رسُول کی محبت اور اطاعت ہے۔ ہمارے اعمال اور اخلاق جبھی تک اسلامی کہلا سکتے ہیں۔ جب تک ہم قرآن شریف اور نبی کریم صلعم کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ کوئی مُسلمان نہیں دعوےٰ کر سکتا۔ کہ وُہ پکا مسلمان ہے۔ جب تک اُس کے قول و فعل اور عقایدٔ قرآن و حدیث اور سنت نبوی کے مُطابق نہ ہوں۔

ہندوستان کے مُسلمانوں میں سے میں ایک بزرگ کا قول نہایت فخر سے پیش کرتا ہوں اور وُہ یہ ہے "کہ اگر مُسلماں اپنے مرُدوں کے قدم بقدم نہیں چل سکتے تو وہ زندہ رہنے کے

راز کو ہی نہیں سمجھتے۔ خدا کرے کہ جو ہماری امنگیں اور حوصلے ہیں اُس کے مطابق ہمارا عمل ہو۔ اور تمام زمانوں کی مجموعی عقل اور اپنے گذشتہ عظمت و شوکت اور موجودہ زمانہ کی مہذبانہ طریقوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم دیندارانہ اور اسلامی زندگی بسر کریں آمین مسلمانوں کو بارہا اللہ تعالے نے حکم دیا ہے کہ اپنے رسول کے قدموں پر چلیں آپکے اسوۂ حسنہ کی ہمیشہ پیروی کریں۔ آپ کی زندگی ایک نمونہ تھی۔ اور اگر آپ کے اعلےٰ نمونہ اور زندگی بخش اصولوں کی ہم پیروی کریں تو یقیناً دُنیا و آخرت میں ممتاز اور معزز ہو جائیں یہ سچ کہا گیا ہے۔ کہ مسلمان کو کوئی چیز ہلاک نہیں کر سکتی۔ اس مضمون میں ہم اس امر پہ بھی بحث کریں گے۔ بالفعل میں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ اسلام کا اصل الاصول یہ ہے کہ اپنے نبی صلعم کے احکام کی کامل اتباع کی جائے۔ ورنہ وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اس معیار پہ آج مسلمانوں کو پرکھتے ہیں تو ہم میں سے بہت ہیں جو کمزور اور ناقص نکلتے ہیں۔ یہی کمی اور نقص ہے جس نے مسلمانوں کی قوم کو عام طور پر بے حس و حرکت بنا رکھا ہے۔ قرآن ایسے احکام سے بھرا پڑا ہے کہ "مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ خدا اور رسولؐ کی اور اولوالامر یعنے ایسے بزرگوں کی اطاعت کریں جو قوم کو بُرے کاموں سے روکیں۔ اور نیک باتوں کے لیئے حکم کریں۔ اور جب ایسے اولی الامر بزرگوں سے بھی کسی امر پر تنازعہ ہو جائے۔ تو پھر خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ یہ اُن کے لیئے بہتر ہے۔ اگر وہ خدا اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں" دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے کہ "تیرے رب کی قسم یہ کبھی سچے مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک اپنے تمام معاملات میں یہ تجھے حکم نہ بناویں اور تیرے فیصلہ کے آگے بغیر کسی پس و پیش کے سرِ تسلیم نہ خم کر دیں اور دِل تنگ نہ ہوں"

ابتدائی تاریخ اسلام میں سے آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کے اخلاص اور جاں نثاری اور اطاعت و فرمانبرداری کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت عمر خلیفہ ثانی کو بوجہ ان کی ظاہری و باطنی خوبیوں کے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ اور آپ کے حضور میں حضرت عمر کو بہت کچھ عزت و رسوخ حاصل تھا۔

لیکن ایک روز آنحضرت صلعم تشریف رکھتے تھے۔ اور بلال جو ایک غریب مسلمان تھا۔ آپ سے لگ کر نکلا حضرت عمر کو بوجہ آنحضرت صلعم کی عزت و عظمت کے بلال کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی۔ اور کہا یہ حبشی کیا کرتا پھرتا ہے؟ اس پر آنحضرت صلعم نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ "اے عمر معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی بُو ابھی تمہارے دل سے نہیں گئی" حضرت عمر تو یہ فقرہ سُن کر سُن ہو گئے اور زمین پر غش کھا کر گر پڑے۔ اور جب تک بلال نے ان کی بار بار کی درخواست کو منظور نہ کیا۔ اور اپنی جوتی سے اُن کا سر نہ اٹھایا۔ حضرت عمر زمین تو بہ سے نہ اُٹھے۔ پھر مسلمان اگر زکوٰۃ کو ہی ضروری طور پر اور حکم کے بموجب مناسب طریق پر صرف کریں تو ایک بھی مسلمان فقیر نظر نہ آئے۔ حساب لگاؤ تو صرف ہندوستان کے مسلمان ہی کم سے کم بیس لاکھ روپے خیراتی کاموں کے لیئے زکوٰۃ کی مد میں جمع کر سکتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ ہی تھی۔ جس پر مسلمانوں کی عظیم الشان فوج کا دار و مدار تھا اور یہی زکوٰۃ تھی جس سے بیت المال بھرا رہتا تھا۔ جب آنحضرت صلعم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو بہت سے مکہ کے مسلمانوں نے بھی آپ کے ہمراہ ہجرت کی۔ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق ایک ایک مہاجر ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا گیا۔ مہاجرین کا تو کوئی گھر بار نہ تھا۔ اسلئے انصار نے اپنے گھروں میں اُن کو جگہ دی۔ جن کے پاس پیسہ نہ تھا۔ انصار نے اپنی دولت اور ملکیت برابر برابر اپنے اور اُن کے درمیان تقسیم کی۔ اور صرف آنحضرت صلعم کی فرماں برداری کی خاطر یہ سب قربانیاں خوشی خوشی کی گئیں۔ اس بے نظیر وحدت کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نوع انسان کی کسی تاریخ میں اسلامی اخوت مساوات اور حریت سے بہتر اصول نہیں دکھائے جا سکتے۔

اگر کوئی غور اور فکر اور آنکھیں کھول کر قرآن کریم کو پڑھے۔ تو وہ ایسے فقروں کو بار بار دُھرایا جاتا دیکھ کر۔ اور اُن کے متعلق تاکید پر تاکید پا کر حیران رہجاتا ہے۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا غور کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ خدا اُن لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو علم سیکھتے اور راسخ فی العلم ہوتے ہیں۔" اسلام تو مذہب ہی ایسا ہے۔ کہ وہ جہالت اور عدم تفکر کا دشمن ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ کم سے کم قرآن و حدیث کو پڑھیں اور بجائے

سمجھیں۔ اسلام تو سر سے پاؤں تک ایک مشنری مذہب ہے۔ کوئی مسلمان بھی جو مبلغ بننا چاہتا ہے۔ علوم مروجہ کے متعلق اپنی لا علمی کا اظہار کرنیکا حق نہیں رکھتا۔

علاوہ علم کے ذاتی فوائد کے اسلام نے طلب علم کے بڑے بڑے ثواب اور اجر رکھے ہیں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے۔ کہ علم سیکھنے اور سکھانے سے وُہ اپنے خالق ومالک کو خوش کر سکتے ہیں۔ مثلاً فرمایا ہے۔ کہ "علم حاصل کرو۔ کیونکہ جو خدا کی رضا کے لیے علم حاصل کرتا ہے وہ تقویٰ اور دینداری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ جو علم کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اپنے رب کی حمد وثنا کرتا ہے۔ جو علمی بحث کرتا ہے وہ ایک جہاد کرتا ہے (مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ بد قسمتی سے اسلامی اصطلاح جہاد کو معنی میں بہت غلط فہمی سے کام لیا گیا ہے۔ جو لوگ ان غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ وہ کم سے کم آنحضرت صلعم کی اس حدیث پر ہی غور کریں۔ جس میں علمی بحث کو جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے) جو علم کو طلب کرتا ہے۔ وُہ خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو اس میں اجتہاد کرتا ہے۔ وُہ صدقات دیتا ہے۔ اور جو قابل طلبا کو علم سکھاتا ہے وُہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔"

آنحضرت صلعم نے علم کی عظمت اور قدر وقیمت کے متعلق بہت زور سے ہدایات فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ "طلب علم ہر ایک مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔" اگر ہم آج اس پر عمل کرتے ہوتے تو زنانہ تعلیم اس قدر ادنےٰ حالت میں کیوں ہوتی۔ مفصلہ ذیل نقلیوں سے صاف نظر آئے گا۔ کہ مسلمان اپنے ابتدائی اور عروج کے زمانہ میں علم کے بڑے پُرجوش شیدائی اور محب تھے۔ اگر ہمیں مسلمان ہونے کا دعوے ہے۔ تو پھر یہ بھی ہمارا فرض ہے۔ کہ تمام دُنیا کو علم کی روشنی سے منور کردیں۔ ہم کو تو یہ حکم ہے۔ کہ دُنیا کے پرلے سرے پر بھی اگر جانا پڑے تو جا کر علم سیکھو۔

یہ بھی آنحضرت صلعم ہی کا ارشاد ہے کہ "عالم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔" (دیکھو سید امیر علی کی کتاب اسپرٹ آف اسلام) "جو علم کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے۔ وُہ خدا کی راہ پر قدم مارتا ہے۔" "جو علم کی تلاش میں سفر کرتا ہے خدا اُسے فردوس بریں کی راہ دکھاتا ہے۔"

مسلمانوں کی موجودہ تنزل یافتہ حالت سے جو تعلیمی اور علمی امور میں ہے یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہم ہمیشہ سے ہی علم سے ایسے ہی بے بہرہ اور اجنبی تھے۔ لیکن یہ پرلے درجہ کا غلط خیال اور بدگمانی ہے۔ جو کچھ اسلام کے نبیؐ نے علم و سائنس کے متعلق فرمایا۔ اُس کو سنو اور غور کرو اور پھر ہم آپ کو گذشتہ عظمت و شوکت جو علمی امور میں ہم کو حاصل تھی بتلائیں گے۔

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے "ہزارہا شہدا کے جنازوں میں شامل ہونے یا ہزارہا راتوں کی عبادت سے ایک گھنٹہ علمی باتیں سننا زیادہ ثواب رکھتا ہے" "خالق کی قدرت کے کارناموں میں ایک گھنٹہ غور کرنا ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے" پھر علم کی وقعت مسلمانوں کے دلوں میں بڑھانے کے لیئے مسلمانوں کو کس قدر پرزور الفاظ میں تاکید فرمائی ہے کہ "جو عالم کی عزت کرتا ہے وہ میری عزت کرتا ہے" حضرت علی فرماتے ہیں "علم میں فضیلت تمام عزتوں سے بڑھ کر ہے"

"علم صاحبِ علم کو امر و نواہی میں فرق کرنا سکھاتا ہے۔ یہ جنت کی راہ کو روشن کرتا ہے یہ بیابان میں ہمارا رفیق اور تنہائی میں ہمارا مونس ہے جب کوئی دوست نہ ہو تو یہ ہمارا ساتھی ہوتا ہے۔۔۔ علم کے ذریعہ خدا کا بندہ نیکی کے انتہائی مقام کو حاصل کرتا ہے۔ اور علم عالم آخرت کی خوشیوں کو اپنے کمال پر پہنچاتا ہے" سائنس کی تعریف حضرت امام جعفر صادق نے جو کی ہے۔ قابل توجہ ہے "اس کا جوہر ہے دل کو روشن کرنا۔ اس کا مقصد ہے سچائی اس کا رہنما ہے الہام۔ اس کو قبول کرنے والی ہے عقل۔ اس کو الہام کرنے والا ہے خدا اس کو بیان کرنے والے ہیں انسان کے الفاظ"

اب آؤ ذرا تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ مسلمانوں نے کبھی طلب علم کے ان پاکیزہ اور موکد اصولوں پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں۔ امام ابن جوزی جو ایک بڑا شخص گذرا ہے۔ اپنے باپ کی وفات پر تین برس کا یتیم رہ گیا تھا۔ اس کی پھوپھی نے اسے پرورش کیا (ذرا اس زمانہ کے مذاق کا اس ایک ہی واقعہ سے ناظرین اندازہ کرلیں) پھوپھی کو بھتیجے کی تعلیم کا یہاں تک خیال تھا۔ کہ ابھی وہ پانچ سال ہی کا تھا۔ تو پھوپھی اسے اسلام کے اعلےٰ درجہ کے علماء و فضلاء کی درس گاہوں میں لیجایا کرتی تھی۔ اور اس

کوشش کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ ابن جوزی ابھی دس سال کا ہی تھا۔ جو ممبر پہ کھڑا ہو کر وعظ کیا کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کے عظیم الشان لوگوں میں سے ہُوا۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز اور مفید مطلب واقعہ امام ربیعۃ الرّے کا ہے جو امام مالک اور خواجہ حسن بصری کے اُستاد تھے۔ اس واقعہ سے ہم صرف یہی دکھانا نہیں چاہتے۔ کہ اسلام کے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کو کس قدر علم سے محبت اور شغف تھا۔ بلکہ یہ بھی بتانا مقصود ہے۔ کہ مسلم خواتین کو علم کا کس قدر شوق تھا۔ امام موصوف کے والد خلفائے بنو امیہؐ کی فوج میں سپاہی تھے۔ اور امام موصوف جب پیدا ہوئے تو اُن کے والد اس وقت موجود نہ تھے بلکہ خراسان کی طرف گئے ہوئے تھے۔ ربیعہ کی والدہ نے اگرچہ وہ تنہا تھیں۔ مگر ربیعہ کی تعلیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور ان کو اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم دلانے کی خاطر تمام مال و اسباب اور سارے کا سارا اندوختہ خرچ کر دیا۔ ربیعہ کے والد تو جنگی مہم پر تھے۔ اس لئے اِس تمام مدت میں ربیعہ کی ماں ہی اپنے بیٹے کی تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر ایک سامان مُہیا کرتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ربیعہ اپنے زمانہ کے عظیم الشان علمار و فضلار میں سے ہو گئے اور بڑے بھاری امام بن گئے۔ اُن کے والد ستائیس سال کے بعد واپس آئے۔ اور اپنی بیوی سے یہ سُن کر نہایت حیران ہوئے۔ کہ انھوں نے تمام مال و اسباب خرچ کر دیا ہے۔ جو وُہ اپنی بیوی کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ تیس ہزار اشرفیاں بھی جو اُن کے پاس موجود تھیں خرچ ہو چکی تھیں۔ اس پر ربیعہ کے والد نے اپنی بیوی سے جواب طلب کیا۔ لیکن اس عقلمند عورت نے دانستہ اس جھگڑے کو اس وقت تک ملتوی رکھا۔ جب تک کہ باپ بیٹوں کی ملاقات نہ ہو لے۔ اور بیٹے کی قابلیت کو باپ جانچ نہ لے۔ اسی اثنار میں ربیعہ الرّے پڑوس کی مسجد میں کثیر التعداد طلباء کو درس دے رہے تھے۔ جب باپ مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو وُہ ایک نوجوان شخص کو جس کی عمر اُس کے بیٹے کے برابر ہو گی سامعین کے ایک بہت بڑے مجمع میں بیٹھا ہُوا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لیکن جب اُسے پتہ لگا۔ کہ یہ شیخ زمانہ اُسی کا بیٹا ہے۔ تو اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گھر آکر اُس نے اپنے بیٹے سے ملاقات کا سارا ماجرا بیان کیا۔ اور اُسے نہایت تسلّی ہو گئی۔ جب اُس کی بیوی نے بتلایا کہ

تیس ہزار اشرفی اُس کے بیٹے کی ہی تعلیم میں خرچ ہوئے۔

یہ بات سرسری نہیں بلکہ قابل غور ہے۔ کہ ایک سپاہی کی بیوی میں یہ عقل اور یہ مذاق علمی ہو۔ کہ شوہر کی غیر حاضری میں جب ہر طرح کی تنگی کا اندیشہ ہو تیس ہزار اشرفی بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر دے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ تمام قوم مسلمانوں کی اُس وقت اعلےٰ تعلیم کو سب سے بڑھ کر ضروری سمجھتی تھی۔ نہ صرف درمیانی طبقہ ہی طلب علم کا شائق تھا۔ بلکہ امراء اور شاہی خاندان کے لوگ بھی ویسے ہی علم کے خواہاں تھے۔

یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ زمانہ سلف کے مسلمانوں کی راہ میں وُہ مشکلات روک نہیں ڈال سکتی تھیں۔ جو آج ہمارے رستے میں روک ڈال دیتی ہیں۔ اور جن کو ہم لاینحل تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ علم کی تلاش میں افلاس بُعد مسافت۔ کتابوں کی قلت سفر کی تکالیف و خطرات کوئی چیز بھی تو حائل نہ ہوتی تھی۔ امام بخاری جو علم حدیث کے سب سے بڑے امام ہیں۔ جنھوں نے چھ لاکھ حدیثیں حفظ کیں۔ اور جنھوں نے سولہ سال کی کوشش میں اپنی کتاب صحیح بخاری لکھی۔ جب طالب علم کی حیثیت میں سفر کر رہے تھے تو ایک دفعہ متواتر تین دن تک جنگل کی جڑی بوٹیوں پر گذارہ کیا۔ ایک اور حدیث کے عالم حجاج بغدادی جب علم کی تلاش میں گھر سے نکلے تو سو روٹیاں باندھ کر ساتھ لے چلے۔ لیکن سوائے چند کتابوں اور ان روٹیوں کے دُنیا کے پردہ پر اُن کی ملکیت کچھ اور نہ تھی۔ ان سو روٹیوں کے ساتھ اُنھوں نے اپنے اُستاد شبابہ کے ساتھ کچھ عرصہ گذارا۔ لیکن جب یہ ختم ہو چکیں تو اُن کو مجبوراً اپنے اُستاد کی علمی صحبت کو خیرباد کہنا پڑا۔ آپ لوگ حیرت سے سوال کریں گے کہ بغیر سالن کے وہ ایسی خشک روٹیاں کس طرح کھاتے رہے؟۔ لیکن اُنھوں نے ایک عجیب طریقہ کھانے کا ایجاد کیا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھ کر اُسکے پانی میں بھگو بھگو کر کھایا کرتے تھے۔

اگلے زمانہ کے مسلمان صرف دینی علوم ہی سیکھنے کے شائق نہ تھے۔ بلکہ دیگر علوم میں اُن کی پیاس ویسی ہی تھی۔ اور اُس کے حصول کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکتا تمام دُنیا میں سفر کرتے تھے۔ اندلس کا مشہور حکیم ابن رومیہ اُن جڑی بوٹیوں اور نباتات

تجربہ اور مشاہدہ کے لیئے جو مغرب میں مل نہ سکتی تھیں۔ اسپین سے مصر تک اور مصر سے شام تک پیادہ پا گیا۔ اسی طرح مشہور علم نباتات کا ماہر ضیاء الدین ابن بیطار تمام یونان اسپین اور ایشیائے کوچک میں اُن ملکوں کی نباتات کے مطالعہ کے لیئے سفر کرتا پھرا۔ ابو منظور نے پودوں اور بوٹیوں کے کئی نئے اقسام دریافت کیئے جو پہلوں کو معلوم نہ تھے۔ وہ ان پودوں کے نشو و نما اور اُن کی بالیدگی کے مختلف درجات کو غور سے مطالعہ کیا کرتا تھا اور ہمیشہ ایک مصور مع ہر ایک قسم کے رنگ کی سیاہیوں کے اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ اور ان پودوں کی زندگی اور نشو و نما کی مختلف حالتوں کا نقشہ تصویر کے ذریعہ محفوظ رکھتا تھا اس بات کا نہایت افسوس ہے۔ کہ اگلے مسلمانوں کی اس قسم کی بعض نہائت اعلےٰ درجہ کی کتابیں ضائع ہو گئیں۔ جن کا اب پتہ نہیں ملتا۔ ہمیں صرف اُس زمانہ کی دیگر تصنیفات سے اِن کتابوں کا پتہ ملتا ہے۔

مشہور عالم امام رازی نے علم کی تلاش میں جو سفر اختیار کیئے۔ اُن میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ امام موصوف مع اپنے دو ساتھیوں کے ایک بحری سفر کے بعد نہایت افلاس کی حالت میں رہ گئے۔ لکھتے ہیں۔ کہ "ہم تین دن تک متواتر پیادہ پا بغیر کسی کھانے پینے کے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ صبر کی باگ ہاتھ سے نکلنے لگی۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک جو بہت بوڑھا تھا۔ بے ہوش ہو گیا۔ لیکن جان عزیز کی خاطر ہمیں اس کو اس بے بسی کے عالم میں چھوڑ کر آگے چلنا پڑا۔ کچھ دور چل کر میں بھی بیہوش ہو کر گر گیا۔ اور جس طرح ہم نے بڑے میاں کو چھوڑا تھا۔ میرے ساتھی نے مجھے بھی میری تقدیر پر چھوڑ دیا۔ خوش قسمتی سے میرے ساتھی نے ایک کشتی دیکھی۔ اور امداد کے لیئے اپنے کمبل کو زور سے ہلایا۔ یہاں تک کشتی والوں کی توجہ اُس کی طرف مبذول ہوئی اور اُس کے نزدیک آئے۔ اُنھوں نے اُسے پینے کو کچھ پانی دیا۔ اور جب اُس کے کچھ حواس بجا ہوئے تو اُس نے میرا اور بوڑھے میاں کا ذکر کیا۔ اس طرح ہم سب کی جان بچ گئی" اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے ہم علم کی پیاس اور اُس کے حصول کے لیئے کمال سرگرمی و توجہ کی۔ ایک اور دل ہلا دینے والی مثال پیش کرتے ہیں۔ حکیم ابو نصر فاریابی کی نسبت کہا

جاتا ہے۔ کہ افلاطون کی بعض تصانیف اُس نے کم سے کم سیکڑوں مرتبہ پڑھی ہیں اسی طرح شیخ ابو سینا (جسے انگریزی میں ادی سینا کہتے ہیں۔ اِسی طرح ابن رشد کو بگاڑ کر انگریزی میں اوے روس کہتے ہیں) کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہ طالبعلمی کیحالت میں علوم باطنی کی ایک کتاب وہ کم سے کم چالیس مرتبہ بغیر ایک لفظ سمجھنے کے پڑھتا رہا آخر مایوس ہو کر اُس نے چھوڑ دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اُس کو ایک کتاب فروش نے ایک کتاب نہایت سستی قیمت پر دینی چاہی۔ اُس نے لینے سے انکار کیا۔ کیونکہ وُہ اِسی علم باطنی پر لکھی ہوئی تھی۔ جس میں اتنا عرصہ دردِ سر پہلے کر چکا تھا۔ لیکن کتاب فروش نے اِس خیال سے زور دیا۔ کہ کتاب ایک غریب آدمی کی تھی۔ شیخ کہتے ہیں کہ یہ کتاب فاریابی کی تصنیف تھی۔ اور علم باطنی کی شرح تھی۔ اس کے مطالعہ سے اس علم کے اصول میری سمجھ میں آگئے۔" اس طرح اُس عظیم الشان فلسفی کے سلسلۂ علوم کی ابتداء شروع ہوئی جس کے پھل آج تک خود یورپ بھی کھا رہا ہے ٭

(ماخوذ از رسالہ کشمیری میگزین ۱۰ مئی ۱۹۱۵ء)

آنحضرت صلعم میں صداقت و دیانت کا ایک کامل نمونہ

جسدن آنحضرت صلعم کا بیٹا جناب ابراہیمؑ فوت ہوئے۔ اتفاق سے اُسی دن سورج گرہن بھی تھا۔ ان دو واقعات کے ایک ہی دن جمع ہونے نے بعض عربوں پر خاص اثر کیا۔ وہ سمجھے کہ اس واقعہ وفات پر سورج نے ماتمی لباس پہنا۔ یعنی خدا کے نبی کے غم کے شریک اجرام فلکیہ بھی ہو گئے ہیں۔ وہ سب کے سب جمع ہو کر آپ کے دروازہ پر آئے اور عرض کی کہ ہمیں اسلام میں داخل کریں۔ آنحضرت صلعم نے جب سارا واقعہ سُنا۔ اور دیکھا۔ کہ ایک غلط قیاس نے اُن پر یہ اثر کیا ہے۔ آپ نے صاف الفاظ میں اُن کو یہ سمجھا دیا کہ ان واقعات سماوی کو کسی انسان کی موت یا حیات سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ اور اگر اس واقعہ نے اُن کو اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔ تو وُہ غلطی کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ وُہ چلے جاویں۔ چنانچہ ایسے

اکثر بغیر اسلام قبول کیے واپس ہو گئے۔

کیا دیانت و امانت و راست گفتاری کا بہترین نمونہ اور بھی ہو سکتا ہے جو یہ طریق عمل کسی مفتری علے اللہ کا ہو سکتا ہے۔ آپ کی بعثت کے یہ تو بالکل ابتدائی دن تھے۔ اپنے پیروؤں کی تعداد بڑھانے کا اس سے بہتر اور کونسا موقع ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ آپ کے متبعین کی تعداد بالکل تھوڑی تھی۔ لیکن اس اخلاق کے مجسم اور شریف دل نبیؐ نے راست بازی کا وہ نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دُنیا میں نظر نہیں آتی۔ توہم پرست قوم کی غلط فہمی سے ناجائز فائدہ اُٹھانا۔ اس وقت کونسا مشکل کام تھا۔ اگر اس موقع پر آپ خاموش ہی رہجاتے تو بھی مطلب تو حل ہو جاتا۔ لیکن مخبر صادق نے توہم پرستی کے مذبح پر دیانت کو قربان کرنا چاہا۔ اس نے ایسے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا پسند نہ کیا۔ جو اسلام کی حقیقت سمجھے بغیر اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ کیا ایسا انسان بزور شمشیر کسی کو اسلام میں داخل کر سکتا تھا۔ ایسا قیاس پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ دیکھو کس صفائی سے قرآن کی ذیل کی یہ آیات وہ لوگوں کو سُناتا ہے۔

"اے پیغمبر! لوگوں کو کہدے کہ نہ تو میرے پاس کوئی خزانہ ہے نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ نہ میں فرشتہ ہوں میں تو ایک نظیر ہوں۔ ہاں مجھے خدا کی وحی آئی۔"

دیکھو۔ کیا ایسا ہادی کسی لالچ کے ذریعے۔ کسی رُعب کے ذریعے کسی تخفیف سے یا تحریص سے کسی کو اسلام کی طرف بلا سکتا ہے۔ اس نے یہ کہکر حریصوں کو عجوبہ پسندوں کو پرستاران توہم کو اپنے سے الگ کیا۔ عیسائی دُنیا غور کرے۔ ایک تو یہ نبی جس کی صاف گوئی لوگوں کو اسکی طرف دیوانہ وار لا رہی ہے۔ اور ایک وُہ بھی ہے کہ جس کے پاس تخت داؤد کو واپس لینے کی تمنا لوگوں کو لاکر حواری بنا رہی ہے۔ جن میں سے بعض اسی خیال میں رہے۔ کہ جب وہ تخت داؤد پر بیٹھے گا۔ تو اپنے دائیں بائیں ان کی اولاد کو بٹھائے گا۔ سہ

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔

بشارت احمدؐ۔

اسلام کیا کچھ کرسکتا ہے

از کینن آئیزک ٹیلر

"پادری کینن آئیزک ٹیلر نے کہا۔ کہ دُنیا کے بہت بڑے حصّہ میں اسلام بحیثیت ایک تبلیغی مذہب کے عیسائیت سے بہت زیادہ کامیاب مذہب ثابت ہوا ہے۔ نہ صرف یہی۔ کہ بُت پرستوں میں سے بہ نسبت عیسائیت کے اسلام میں لوگ زیادہ داخل ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات میں تو عیسائیت کو اسلام کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی ہے۔ اور مُسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش تو صریح طور پر ناکام ہوئی ہے۔ ہم مزید فتوحات تو کیا کریں گے۔ اپنے پہلے مقام پر ہی قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ مذہب اسلام مراکو سے لے کر جاوا تک اور زنجبار سے لے کر چین تک پھیلا ہوا ہے۔ اور افریقہ میں تو خارق عادت سرعت سے ترقی کر رہا ہے۔ کانگو اور زیمبزی میں اس کے پاؤں جم گئے ہیں۔ اور یوگنڈا جو حبشی ریاستوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ حال میں ہی مُسلمان ہوئی ہے۔ ہندوستان میں مغربی تہذیب نے جو ہندو مذہب کو اُڑانے کے لیئے مخفی سُرنگ لگائی ہے۔ وہ بھی دراصل اسلام کے لیئے ہی راہ صاف کر رہی ہے۔ ہندوستان کی ساڑھے پچیس کروڑ کی آبادی میں سے پانچ کروڑ مُسلمان ہیں۔ (یہ غلط ہے۔ ۳۰ کروڑ آبادی میں سے سات کروڑ مسلمان ہیں۔ ایڈیٹر) اور افریقہ کی کل آبادی میں سے نصف سے زیادہ مسلمان ہیں۔ پھر صرف یہی نہیں۔ کہ اسلام سُرعت سے پھیل ہی رہا ہے۔ بلکہ جہاں پھیل جاتا ہے وہاں اُس کی گرفت ایسی زبردست ہوتی ہے کہ پھر نکل نہیں سکتا۔ عیسائیت کی گرفت ایسی زبردست نہیں۔ چنانچہ جہاں ہندوستان

اور افریقہ میں عیسائیت اسلام کے آگے شکست خوردہ ہو چکی ہے۔ وہاں جمیکا میں جو حبشی برائے نام عیسائی ہیں۔ وہ اپنے پرانے اوبی مذہب کی طرف پھر واپس جا رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی افریقی قوم اسلام لانے کے بعد کبھی واپس بُت پرستی کی طرف نہیں جاتی۔ اور نہ عیسائیت کی طرف آتی ہے۔

"اسلام نے عیسائیت کی نسبت زیادہ تہذیب پھیلائی ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھے پادریوں کے بیانات پر کچھ شبہہ ہے۔" لیکن میں انگریزی افسروں کے یا سیاحوں کے مثلاً برٹن۔ پوپ ہنسی۔ گالٹن۔ پالگریو۔ ٹامپسن یا ریڈ کے بیانات کو لیتا ہوں اور اسلام کے عملی کارنامے اُن سے اخذ کرتا ہوں :۔ جب ایک حبشی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو بت پرستی۔ شیطان پرستی۔ دیوتا پرستی۔ مردم خوری۔ انسانی قربانی بچہ کشی۔ جادوگری سب کی سب اُس قوم سے معدُوم ہو جاتی ہے۔ برہنگی کی بجائے پوشاک رائج ہو جاتی ہے۔ گندگی کی جگہ صفائی اور طہارت لے لیتی ہے۔ اور اُن میں وقار اور وضعداری پیدا ہو جاتی ہے۔ مہمان نوازی ایک مذہبی رکن سمجھا جاتا ہے شراب خوری کا نشان نہیں رہتا۔ جُوا حرام ہو جاتا ہے۔ بے حیائی کا ناچ اور مرد و عورت کا باہم اختلاط بند ہو جاتا ہے۔ عصمت و عفت عورت کے لیئے نیکی سمجھی جانے لگتی ہے۔ کاہلی وسستی کی جگہ صنعت و حرفت لے لیتی ہے۔ اباحت کی جگہ قانون لے لیتا ہے۔ تہذیب اور تقوےٰ پھیل جاتا ہے۔ خانہ جنگیاں۔ جانوروں اور غلاموں پر ظلم روک دیئے جاتے ہیں۔" "انسانیت۔ احسان اور اخوت دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ کثیر الازدواجی اور غلامی ایک قاعدہ کے ماتحت آجاتی ہے۔ اور اُن کی خرابیاں روک دی جاتی ہیں۔ قصہ کوتاہ اسلام دُنیا میں سب سے بڑھ کر اور نہایت پکی پرہیزگاری اور تقوےٰ پیدا کرنے والی سوسائٹی ہے۔

اس کے برخلاف یورپین تجارت کے پھیلنے کے معنے شرابخوری۔ بدیاں اور اخلاقی تنزل کا پھیلنا ہے۔ حالانکہ اسلام اعلےٰ درجہ کی تہذیب پھیلاتا ہے۔ جس میں پڑھنا۔ لکھنا۔ خوش پوشی۔ جسمانی طہارت۔ راست بازی اور خود عزتی سبھی کچھ تو شامل ہے

اس کا اخلاقی اور مہذب اثر عجیب و غریب ہوتا ہے۔ ہم نے افریقہ پر روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اور سینکڑوں قیمتی جانیں اسی تگ و دَو میں تلف ہوئیں۔ پھر بھی عیسائیوں کی تعداد چند ہزار سے آگے نہیں بڑھی۔ اِس کے مقابل نومسلموں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی۔ یہ حقیقت ہے جس کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اور جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ گو وہ ہمیں کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ مگر یہ حماقت ہو گی۔ اگر ہم اُس کو نظر انداز کر دیں۔ اسلام ابراہیمی اور موسوی مذہب کا عیسوی مذہب کی چاشنی کے ساتھ ایک معجُون مرکّب ہے۔ یہودیت ایک مختص بالقوم مذہب تھا۔ لیکن اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اور کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے ہے۔ محمد صلعم کی تعلیم میں کوئی بات ایسی نہیں جو عیسوئیت کے خلاف ہو۔ بلکہ یوُں کہنا چاہیئے۔ کہ اسلام موسوی اور عیسوی مذہب کے بین بین ہے۔ پس اسلام جو یہودیت کی اصلاح شدہ شکل تھا۔ افریقہ اور ایشیا میں نہایت سُرعت کے ساتھ پھیلا۔ اور پھیلنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ عیسائی مذہب کو اس کے افریقی اور شامی علمار نے ایک باطنی گورکھ دھندا بنا رکھا تھا۔ اُنھوں نے شہوت پرستی کا علاج تجرّد اور شادی سے پرہیز کرنے کو قرار دیا۔ ترک دُنیا کو تقدّس کی راہ گردانا گیا۔ اور راہبانہ تقدّس کا نشان میلا پن قرار پایا۔ اور عام لوگوں کی حالت یہ ہو گئی تھی۔ کہ سب کے سب عملی طور پر مشرک تھے۔ اور شہیدوں اور ولیوں اور فرشتوں کی ایک فوج کی پرستش ہوُا کرتی تھی۔ اسلام ان تمام توہمات اور گندگیوں اور خرابیوں کو بہالے گیا۔ الٰہیات پر عیسائیوں کی محض خیالی بحثوں کا تار و پود توڑ دیا گیا اور تجرّد کو تقوےٰ کے تاج گردانے کی لغویت کو طشت از بام کر دیا گیا۔ اسلام نے مذہب کا اصل الاصول خدا کی توحید اور تعظیم کو قرار دیا۔ اور رہبانیت کو دور کر کے اسکی جگہ انسانیت کو قائم کیا۔ غلاموں کو امیدیں دلائیں۔ انسانوں کو بھائی بھائی بنایا۔ اور فطرت انسانی کا پُورا پُورا لحاظ ہر امر میں رکھا۔ اسلام جو نیکیاں سکھاتا ہے۔ وہ ایسی ہیں کہ ادنےٰ طبقہ کا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً پرہیزگاری۔ طہارت عصمت و عفت

انصاف و عدل۔ شجاعت و حوصلہ۔ احسان اور فیاضی مہمان نوازی۔ راست بازی اور تسلیم و رضا۔ ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی چار اصلی نیکیاں سکھلایا جا سکتا ہے۔ اور ساتھ خطرناک بدیوں سے بچنے کے لئے ہدایت کیا جا سکتا ہے۔ عیسویت کی خیالی اخوت بہت ہی اعلےٰ درجہ کی سہی۔ لیکن اسلام عملی۔۔۔ اخوت سکھاتا ہے۔ جس کے معنے ہیں کہ سوسائٹی میں تمام مسلمانوں کا یکساں ہونا یہ ایک بڑی بھاری تحریص ہے جو اسلام لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی نومسلم کی سوشل حالت میں ایک غیر معمولی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ فوراً پندرہ کروڑ (چالیس کروڑ۔ ایڈیٹر) برادری کا ایک ممبر ہو جاتا ہے۔ ایک نیا داخل شدہ عیسائی سوسائٹی میں برابری نہیں پا سکتا۔ مگر اسلامی برادری و اخوت ایک حقیقت ہے۔ ہم اپنے پڑھنے کی میزوں پر ہی "پیارے بھائیوں" کے لقب کو استعمال کیا کرتے ہیں۔ لیکن روزمرہ کی عملی زندگی میں اس اخوت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہوتا یہ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بعض پہلو کے لحاظ سے اسلامی اخلاق ہمارے اخلاق سے بہتر ہیں۔ خدا کی مرضی کے آگے کامل فرمانبرداری اور تسلیم و رضا۔ اور نیز تقوےٰ و پرہیزگاری۔ سخاوت و راست بازی۔ اسلامی اخوت۔ ان سب امور میں وہ ہمارے لیئے ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتے ہیں۔ شراب خوری۔ قمار بازی اور زناکاری جو عیسائی دُنیا کی تین لعنتیں ہیں۔ اسلام نے ان کو قطعاً روک دیا ہے ؀

مہر

(از قدوائی)

نکاح کے بعد عورت کے مالی حقوق کی حفاظت کے نہایت مستحکم ذرائع میں سے ایک مہر بھی ہے۔ اسلامی شریعت کے رُو سے کسی شادی کو جائز قرار پانے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ مخطوب اپنی زوجہ کو شادی سے پہلے محض اس کے اپنے بلاشرکت غیرے

استعمال کے لیئے کچھ رقم بطور معاوضہ نکاح ادا کرے۔ اسلامی شریعت میں اس معاوضہ نکاح کی رقم کا نام مہر ہے۔

ہر ایک قیمت والی چیز جس پر قبضہ جائز ہو سکتا ہے مہر میں محسوب ہو سکتی ہے

مہر کے لئے کوئی خاص حد مقرر نہیں کی گئی۔ مختلف ملکوں میں یہ مختلف ہوتا ہے اس کا انحصار زیادہ تر فریقین کی سوشل حالت اور دولت مندی پر ہوتا ہے۔ رومن قوانین میں مہر کے مقابل پر شادی کے تحائف ہُوا کرتے تھے۔ یہودی شریعت میں بھی جہیز کی شکل میں کوئی رقم دی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اسلام عورت کے حقوق کے متعلق ہمیشہ ہی تمام دیگر مذاہب سے بڑھ کر محتاط رہا ہے۔ اس لیئے اُس نے مہر کے معاملہ میں رومن اور یہودی شریعت میں کچھ ترمیم کر کے کمزور جنس عورت کے حقوق کی کما حقہٗ نگہداشت کی۔

مہر اسلامی شادیوں کا ایک جزو لاینفک ہے۔ یہاں تک کہ اگر شادی کے وقت یا کابین نامہ میں اس کا کوئی بھی ذکر نہ ہُوا ہو۔ لیکن تب بھی اسلامی شریعت کے رو سے مہر لازمی طور پر دینا آئے گا۔

اسلامی شریعت میں یہودی شریعت کی طرح زوجہ کو مہر پر قبضہ کرنے کے لیئے طلاق کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔

مہر اسلامی شریعت کے رُو سے ایک نہایت مفید روک طلاق یا فسخ نکاح کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ مہر کی کوئی حد نہیں۔ اس لیئے کبھی کبھی مہر بہت زیادہ باندھا جا کر طلاق کے لیئے روک ہو جاتا ہے۔

زوجہ کا جس وقت جی چاہے اپنے شوہر کی زندگی میں مہر کا دعوےٰ کر سکتی ہے یہ محض اُس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ کب وہ دعوےٰ کرے۔ اگر وہ چاہے تو بلا ادائگی مہر معجّل اپنے شوہر کے گھر میں آباد ہونے سے انکار کر سکتی ہے۔ یہ بھی عورت کی ہی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ وہ اپنے مہر کے کسی حصّہ کو غیر معجّل قرار دیدے۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ فسخ نکاح پر ادا کیا جائے۔

جب ایک عورت کا حق مہر پر قائم ہو جائے۔ تو وہ حق زائل نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ اپنے شوہر کو ہی قتل کیوں نہ کر دے۔ اس کا حق کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا لیکن وہ اپنے شوہر کو اگر چاہے تو مہر بخش سکتی ہے لیکن نکاح سے پہلے کوئی ایسا اقرار نامہ نہیں لکھا جا سکتا۔ جس کے رُو سے وہ اپنا حق مہر چھوڑ دے۔ اگر وہ ایسا کرے گی۔ تو ایسا اقرار نامہ قانوناً ناجائز اور بے اثر ہے۔ اور زوجہ رواج کے مطابق مہر کی حقدار ہے۔

مہر شوہر پر ایک قرض ہے۔ جو دوسرے قرضوں کی طرح واجب الادا ہے۔ اور وصیت کنندہ کی تمام وصایا اور ورثاء کے تمام حقوق ادا کرنے سے قبل اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ جب تک کہ مہر ادا نہ ہولے جائیداد تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اگر زوجہ زندہ ہے۔ تو وہ خود اپنے متوفی شوہر کی جائیداد میں سے مہر لے سکتی ہے۔ اگر وہ مر جائے تو جسے اس نے اپنا حق دیدیا ہے۔ یا اس کے وکلاء اس کی جگہ مہر وصول کر سکتے ہیں۔ اگر مہر ادا نہ کیا گیا ہو۔ تو بیوہ کا قبضہ اپنے شوہر کی جائیداد پر سے ہٹانے کے لیئے مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔

عورت کو جو بہت سی رعائتیں دی گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک مہر بھی ہے۔ اسلامی شریعت سے بڑھ کر عورت کا حامی اور کوئی قانون نہیں +

قابل توجہ

ہم نے براہ راست تصاویر کا انتظام ولائیت سے کیا ہے۔ جو تصاویر نو مسلم بھائیوں کی اسلامک ریویو چھپتی ہیں۔ وہی یہاں چھپا کرینگی۔ ناظرین کرام سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس انتظام نے جو محض انکے کثرت تقاضا سے کیا گیا ہے۔ زیادہ اخراجات کو چاہتا ہے۔ جسکے عوض ہم قیمت بڑھانا نہیں چاہتے۔ فقط یہی ہم چاہتے ہیں۔ کہ رسالہ کے سرپرست اسکی توسیع اشاعت میں توجہ خاص فرمائیں۔ منیجر

پادری صاحبان کے لیئے حل طلب معمے

نمبر (۴)

از بشیرؔ

انجیل متی باب ۱۲۔ آیت ۳۹-۴۰ میں لکھا ہے کہ:-

(۳۹) اس نے انھیں جواب دیا۔ اور کہا کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انھیں دکھایا نہ جائیگا (۴۰) کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔

اگر مسیح کا دوبارہ جی اٹھنا صحیح ہے تو پھر اس کے مذکورہ بالا الفاظ پورے نہیں ہوتے سوال یہ ہے کہ کیا یونس ؑ نے وفات پائی قبل اس کے مچھلی نے اُسے نگلا۔ یونس ؑ کی کتاب میں اسکے خلاف لکھا ہے۔ وہ اُس وقت زندہ تھے جبکہ مچھلی نے اُنھیں نگلا۔ اور وہ زندہ ہی تین دن اور تین رات پیٹ میں رہے۔ اور خدا کے حضور میں اُنھوں نے مخلصی کے لیئے دُعا مانگی اور زندہ نکلے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ یسوع وفات پا جائے قبل اس کے کہ وہ زمین کے اندر جائے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ یونس ؑ کی طرح بے ہوش ہو جائے لیکن صلیب پر وہ مر نہیں سکتا۔ ورنہ یونس نبی کا نشان دیا جانا غلط ٹھہرتا ہے۔

جس طرح یونس تین دن اور رات مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے۔ اُسی طرح ابن

آرم کو بھی تین دن اور رات زمین کے اندر زندہ رہنا چاہیئے۔ صلیب سے اس کی موت نہیں ہو سکتی۔ اگر اُس کا کلام صحیح ہے۔ جس طرح جہاز کے کپتان اور دیگر لوگوں نے یونس کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔ اور ان کے خیال میں وُہ موت سے بچ نہیں سکتے تھے۔ اِسی طرح یسوع کے دشمنوں نے اسے صلیب پر چڑھایا تاکہ اُس کی موت میں کوئی شک نہ رہے۔ لیکن خداوند تعالےٰ کے زبردست ہاتھ نے یسوع کو اُسی طرح بچایا جس طرح کہ یُونس کو بچایا تھا۔ یسوع کو صلیب پر سے زندہ ہی اُترنا چاہیئے تھا۔ خواہ بحالت غشی کیوں نہ ہو اور اُسے زندہ ہی قبر میں داخل ہونا تھا۔ اور اس میں سے زندہ ہی نکلنا

پس اگر دوبارہ جی اُٹھنے کے مسئلہ پر ایمان رکھا جائے تو پھر مسیح کے مذکورہ بالا الفاظ پُورے نہیں ہوتے پہلے چار انجیل نگار بجائے حقیقت حال لکھنے کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اس بات کا خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ اس موقعہ پر حاضر نہ تھے۔ زود اعتقاد اور سادہ لوح بھی تھے۔ اور مسیح بہت تھوڑا وقت صلیب پر رہا۔ اور جب اس کا جسم چیرا گیا تو اسکا خون منجمد نہ تھا۔ اور اس کی ہڈیاں نہ توڑی گئی تھیں۔ تو صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدا کا کلام جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ لفظاً لفظاً پُورا ہُوا۔ اور مسیح صلیب پر نہیں مرا +

ضروری اطلاع

ہم اپنے ناظرین رسالہ کو مطلع کرتے ہیں کہ یہاں سے رسالہ اشاعت اسلام ہر ایک خریدار کے نام ہر ماہ باقاعدہ جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں سے شکایات رسالہ کے نہ پہنچنے کی موصول ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیئے ہم اپنے قارئین کرام سے ملتجی ہیں۔ کہ جس وقت کسی خریدار کو کوئی خاص نمبر موصول نہ ہو۔ ہمیں فوراً بذریعہ کارڈ ہذا مطلع فرما کر نمبر مطلوبہ منگوالیں۔ بعد ازاں ہم خود ڈاکخانہ میں اس کی تفتیش کریں گے۔ یہ بھی اکثر مشاہدہ میں آیا ہے۔ کہ پوسٹ مین بسا اوقات رسالہ کے پہنچانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیئے ناظرین اپنے اپنے حلقہ کے پوسٹ مینوں کو تاکید مزید فرمائیں۔ تاکہ رسالہ وقت پر پہنچادیا کریں +

منیجر

۴۔ وما قتلوہ وما صلبوہ

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو قیمت .. (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے .. .. // .. .. // .. (۱۲/)

(۳) اسوہ حسنہ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" .. .. // .. // .. (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس .. .. انگریزی .. .. (۲/)

مسلم پریئر .. .. // .. .. (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدر آباد دکن .. .. اردو .. .. (۲/)

بنگال کی دلجوئی۔ انگریزی و اردو ہر دو ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر .. .. مفت

مسلم مشنری کے ولائتی لکچروں کا سلسلہ // .. // .. // .. .. .. //

مسلم ائی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی .. // .. // .. // .. .. .. //

کرشن اوتار .. .. // اردو .. // .. // .. // .. .. .. //

پیغام صلح .. .. .. // .. // .. // .. // .. // .. .. .. //

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا .. جلد ۱ سنہ ۱۹۱۳ء .. .. انگریزی قیمت (ص/)

// .. // .. // .. جلد ۲ سنہ ۱۹۱۴ء .. .. .. // .. // .. (ص/)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۳ء تغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ (۸/)

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ نو مسلم انگریزی (۱۲/)

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول۔ مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ اردو (۶/)

حدوث مادہ .. .. // .. // .. // .. // (۴/)

ملنے کا پتہ

منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نو لکھا۔ لاہور احمدیہ بلڈنگس

نوٹ:۔ ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

منیجر

نوٹس:۔ خواجہ عبدالوحید صاحب معاون رسالہ اشاعت اسلام کی خدمت میں حاضر ہونیکے لیے دورہ پر نکلے ہوئے ہیں۔ تاکہ تازہ خریدار پیدا کریں۔ امید ہے ہمارے احباب انکی امداد فرمائینگے۔ (منیجر)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی ٹی)

جلد (۱) بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۵ء نمبر (۱۱)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ء

لاہور ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۵ء کو خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام سے احمدیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوا [illegible]

قیمت سالانہ تین روپے

وی پی وصول کنندگان احباب امور ذیل پر توجّہ فرمائیں

یُوں تو وی۔پی ہمیشہ فرمائش پر ہی جاری ہوتا ہے۔ لیکن وصولی پر جو کوپن ہمیں ڈاکخانہ سے واپس ملتا ہے۔ وہ بعض وقت محفوظ نہیں ہوتا۔ اس لئے وی۔پی کنندہ کا پتہ ٹھیک نہ پڑھا جانے پر آئندہ رسالہ جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس پہلی فرمائش تو ہوتی ہے لیکن بہت سی وی۔پی میں سے خاص تعین مشکل ہوتی ہے۔ اس لیئے التماس ہے کہ ہر صاحب وی۔پی وصول کنندہ وی۔پی پیکٹ کی وصولی پر ازسرنو ایک کارڈ پر اپنا پتہ خوشخط بھیجدیں۔ اور وصُولی پیکٹ کا حوالہ دیں +

پتہ :- منیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

رسالہ اشاعت اسلام کے اغراض و مقاصد

اس رسالہ کی غرض و غائیت بلاد غربیّہ میں اشاعت اسلام کو مضبُوط کرنا ہے۔ اس کا سارا منافع اس ہی کام پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کی خریداری کے بڑھنے سے ذیل کے امور مرتب ہونگے :- (۱) اس سے ایک اعلےٰ پایہ کا اسلامی لٹریچر پیدا ہوگا جس کو انگلش پریس نے اسلام کی ایک طاقت تسلیم کیا ہے۔ (۲) اخراجات اشاعت اسلام میں سہولت ہو جاویگی (۳) منتظمین اسلامک ریویو انگریزی مجریّہ لنڈن کو موجودہ سے زیادہ تعداد میں انگریزی رسالہ مُفت بلاد غربیّہ میں تقسیم کرنیکا موقع ملے گا۔ اور اس طرح یہ اعلےٰ مقصد پورا ہو جاوے گا۔ جس کے لیئے یہ رسالہ شائع کیا گیا +

نوٹ :- اُردو رسالہ کا سالانہ چندہ مبلغ ۳؎ ہے۔ تمام درخواستیں خریداری بنام منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور۔ آنی چاہئیں + مینیجر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) — بابت ماہ نومبر ۱۹۱۵ء — نمبر (۱۱)

شذرات

نومسلم

ماہ ستمبر میں ووکنگ مشن کے ذریعہ نومسلموں کی تعداد میں چھ کا اضافہ ہوا جو سب کی سب خواتین ہیں۔ جن میں سے ایک سیزدہ سالہ لڑکی کا اسلام میں داخل ہونا بالخصوص قابل ذکر امر ہے۔ چنانچہ مولانا مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ اس لڑکی کے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ نوعمر خاتون مدت سے نمازمیں شریک ہوتی تھیں۔ اب علانیہ مسلمان ہیں۔ ان کا نام سلیمہ رکھا گیا ہے۔ اس چھوٹی عمر میں سلیمہ کا ہمارے ساتھ شامل ہو جانا اس امر پر مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر خدا تعالےٰ کا اس فضل اور کرم کا ذکر کروں۔ جو اُس نے یہاں اس سلسلہ تبلیغ میں شامل حال کر رکھا ہے۔ پچھلے سال ایک سترہ سالہ خاتون مسلمان ہونا چاہتی تھیں تو اس پر میں اور برادرم مکرم معظم خواجہ کمال الدین صاحب بہت گھبرائے ......

اب تیرہ سالہ لڑکی کو بے خطر ہم اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں۔ ایک سال میں خدا نے عزیزو

ظلم نے حالات کو اس سے بہاں تک پہنچا دیا ہے ......

"اس نوعمر خاتون کی والدہ ماجدہ بھی کئی مہینوں سے تشریف لاتی ہیں۔ وہ ابھی نماز میں شمولیت اختیار نہیں کرتیں کسی دن اُن کو بھی اللہ تعالےٰ توفیق عطا کرے گا۔ کہ وہ بھی نماز میں شامل ہوں اور اسلام قبول کریں"

نماز کی کشش

نماز اسلام کا شعار تھا۔ مگر آج مسلمان اس سے غافل ہیں۔ اور جو مہذب طبقہ کہلاتا ہے وہ دوسروں کے سامنے نماز کا ادا کرنا اپنے لیئے باعث عار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسی نماز نے بہتیرے دلوں کو اپنی سادگی اور جذبہ سے مسخر کر دیا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے۔ کہ وہ ایران میں کسی موقعہ پر سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ مسلمان سپاہیوں کا ایک دستہ تھا۔ ایک خطرناک مقام پر وہ پہنچے ہوئے تھے۔ جہاں سے دن کی روشنی میں نکل جانا ضروری تھا۔ مگر ادھر آفتاب غروب ہوا۔ ادھر وہ سب کے سب گھوڑوں سے اُتر صف باندھ کر دست بستہ خدا کے حضور کھڑے ہو گئے۔ ان کی اس بے اختیاری کی حرکت نے کس طرح تمام خطرات کی پروا نہ کر کے وہ سادگی سے صاف زمین پر خدا کے آگے جھکتے اور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اسلام کی صداقت اس کے دل کے اندر گڑ گئی۔ یہی نماز جس کی طرف آج مسلمانوں کو توجّہ نہیں۔ بہت سے سعید رُوحوں کے لیئے باعث کشش ہو رہی ہے۔ اور یہی آخر انکو آہستہ آہستہ اسلام کی طرف لے آتی ہے۔ لوگوں کو تو یہ فکر تھا۔ کہ یورپ میں لوگ مسلمان تو ہو جائیں گے۔ مگر نماز کی پابندی وہ نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوتے۔ کہ نمازوں میں پہلے شمولیت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف اپنے تازہ خط میں لکھتے ہیں۔

"جناب حضرت باری تعالےٰ کے افضال ہیں۔ کہ عید الفطر کے بعد آج تک تیرہ کس دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور بھی کئی سعید ہیں جو نمازوں میں برابر شامل ہوتے ہیں۔ مگر اظہار کی طاقت نہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ مسٹر ھاول محمد اشرف کے خاندان کی طرح دو تین اور خاندان

اسلام کے بہت قریب ہیں۔ ایک کپتان رابرٹسن صاحب مرحوم کا خاندان ہے۔ جس میں سے دو لڑکیاں مسلمان ہو چکی ہیں۔ باقی ان کی والدہ محترمہ اور ان کی دوسری ہمشیرہ باقی ہیں۔ اگرچہ وہ بھی متواتر اتوار اور بدھ کو نمازوں اور مجلسوں میں شامل ہوتی ہیں۔ دوسرا خاندان مسٹر سمتھ صاحب کا ہے۔ اُن میں سے ایک لڑکی مسلمان ہوئی ہے۔ باقی اُن کی والدہ مکرمہ اور دیگر تین ہمشیرگان ہیں جو نمازوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔ مگر اُن کے اعلان کے واسطے ابھی تھوڑا وقت اور چاہیئے۔"

ووکنگ میں مہمانوں کی آمد و رفت

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا۔ کہ ووکنگ میں کس کثرت سے مہمانوں کی آمد و رفت ہے:۔

نام ماہ	صبح	دوپہر	چار شام	رات کا کھانا	کل تعداد
جون ۱۹۱۵ء	۳	۳۷	۱۳۹	۱۷۳	۳۵۲
جولائی ۱۹۱۵ء	۴	۳۰	۱۴۲	۱۴۵	۳۲۱
اگست ۱۹۱۵ء۔ بوجہ عید الفطر	۲۳	۲۷۲	۴۳۵	۱۷۰	۹۰۰
ستمبر ۱۹۱۵ء	۴۵	۵۹	۱۹۴	۲۰۵	۵۰۳
میزان	۷۵	۳۹۸	۹۱۰	۶۹۳	۲۰۷۶

گویا چار ماہ میں دو ہزار چھہتر مرد و زن مسلم و غیر مسلم نے ووکنگ مشن کے دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔ اگر اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔ کہ نرخ اشیا کس قدر ترقی کر گیا ہے اور پھر ہر قسم کے مہمانوں اور کھانوں کو مدنظر رکھا جائے تو بحساب اوسط ان مہمانوں کا خرچ ایک روپیہ فی کس سے کم نہ ہوگا۔ اس طرح پر دو ہزار روپیہ چار ماہ کا خرچ صرف مہمان نوازی کا ہے یعنی پانچسو روپیہ ماہوار یا چھ ہزار روپیہ سالانہ۔ باوجودیکہ یہ مشن پر ایک بڑا بھاری بوجھ ہے۔ مگر درحقیقت یہ ایسا ذریعہ ہے۔ کہ ایک طرف اسلامی خلق مہمان نوازی کو دکھاتا اور دوسری طرف تبلیغ کا موقعہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس طرح ان لوگوں سے بھی جو زیادہ دیر ٹھہرنے کے ارادہ سے نہیں آتے۔ گفتگو کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور اُن کے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر ان میں سے بہت ایسے ہوتے ہیں

کہ وہ ایک دیرپا اثر ساتھ لے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں نومسلموں کو صرف کلمۂ توحید پڑھا کر یا چند موٹے موٹے اسلامی اصول سکھا کر چھوڑ دینا کافی نہیں۔ بلکہ اصل غرض ہمارے مشن کی یہ ہے کہ جو لوگ اسلام میں داخل ہوں وہ خود اس سے اس قدر واقفیت پیدا کرلیں کہ دُوسرے کے لیئے وہی مبلغ بن جائیں۔ چنانچہ چند ہفتوں سے بوقت شب دو تین سعید نومسلم آجاتے ہیں اور تعلیم قرآن سے مستفیض ہوتے ہیں۔

پس اس مہمان نوازی کا خرچ جو قریباً چھ ہزار روپے کی ایک معقول رقم ہے رسالہ کے کثیر اخراجات کے علاوہ ہے۔ اور یہ خرچ اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ یہ مشن ترقی کرے۔ اور اسلام سارے یورپ میں پھیلے دن بدن بڑھتا چلا جائے گا۔ جو لوگ ان باتوں کی اہمیت سے واقف ہیں وہ خود بھی ان مصارف کے لیئے فنڈ مہیا کرنے میں حصہ لیں۔ اور دُوسرے احباب کو بھی توجہ دلائیں

اسلامک ریویو کا دائرہ وسعت

۷ اکتوبر کے خط میں سٹرالشیئن کے مشرف باسلام ہونے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مولوی صدرالدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اس خوشخبری کے علاوہ یہ امر بھی درج کرنے کے قابل ہے کہ رسالہ اسلامک ریویو۔ اور مسلم انڈیا نے خدا تعالےٰ کے فضل سے اپنا اثر دور دراز ملکوں میں کیا ہے۔ نور ایمان کی چنگاری کو بہتوں میں سُلگایا ہے۔ اور وہ جن کو خدا تعالےٰ نے پہلے ہی سے سلسلہ حقہ اسلامیہ میں منسلک کر رکھا تھا۔ اُن کو ایک گونہ طاقت بخشی ہے۔ اس دفعہ جنوبی افریقہ سے ایک انگریز مسٹر ایرٹ کا خط موصول ہُوا ہے۔ اُنھوں نے اپنے خط میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور اہل اسلام سے نہائت سخت محبت رکھتے ہیں۔ اُن کے دل میں آرزو ہے۔ کہ اسلام جو فطرت انسانی کے تقاضوں کو پُورا کرنے والا مذہب ہے۔ چار دانگ عالم میں جلد پھیل جائے۔ اور دُنیا کے لوگوں میں سچی اخوت اور امن و محبت کے تعلقات قائم ہوجائیں۔ مراکو سے ایک افسر مسٹر ہیرٹ صاحب فرانسی کا خط ہمارے مکرم بھائی پروفیسر ہارون مصطفےٰ لیون صاحب کے نام موصول ہُوا ہے اور ایک خط راقم الحروف کے نام۔ پروفیسر صاحب کے نام کا خط فرانسیسی میں تھا۔ اوسکا ترجمہ

انشاء اللہ تعالے اس پرچہ مسلم انڈیا میں شائع ہو گا- وہ پہلے ہی سے مسلمان ہیں- اُن کا نام عبدالرحمٰن صاحب ہے اُن کو بڑی خواہش ہے کہ مسجد ووکنگ کی زیارت کے لیئے آئیں- ایک بڑی مسرت بخش خبر جو انھوں نے تحریر فرمائی ہے- وہ یہ ہے- کہ سینکڑوں فرانسیسی مراکو اور الجیریا میں مسلمان ہیں- لیکن در پردہ اور فرانس کے جنوبی حصہ میں تو مسلمانوں کی تعداد ہزاروں تک ہے- رُوس میں تو نہائیت ہی اعلےٰ درجہ کی حالت ہے-

مسلمانوں کے مفتی گورنمنٹ کی طرف سے اعلےٰ رتبوں پر مقرر ہیں- بڑی بڑی شاندار مساجد گورنمنٹ کے خرچ پر تعمیر ہوئی ہیں- رُوس کے اماموں کے خطبے اور تقریریں اور تحریریں مسجد ووکنگ میں بذریعہ اخبار موصول ہو جاتی ہیں- بلجیم سے بھی ایک سپاہی کا خط آیا ہے کہ ہم لوگ اسلام اور اسلامی لٹریچر کو بڑے اشتیاق سے مطالعہ کر رہے ہیں- معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کو اللہ تعالےٰ نے اسلام کے لیئے بہت بابرکت کیا ہے- ملائکہ کی افواج میں ایک تموج نظر آتا ہے- آسمانوں پر جب فیصلہ ہو جاتا ہے تو اہلِ زمین کے قلوب بھی اِس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس وقت اہل اسلام کا فرض ہے کہ ہمت و جوانمردی سے اسلام کی تبلیغ میں لگ جائیں اور اپنے تئیں اہل بنائیں- کہ خدائیتعالےٰ کی نصرتوں کے جاذب ہوں- جب تک ہم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کریں- جب تک ہم خود اعلےٰ درجہ کا تقوےٰ حاصل نہ کریں- جب تک ہم خود اولوالعزمی نہ دکھائیں خدا تعالےٰ کی سنت نہیں کہ ہم کامیابی کے بلند میناروں پر پہنچ سکیں- وہ جو اِس باریک ہلال میں چودھویں کا بدر منیر دیکھتے ہیں- وہ جن کو خدا تعالےٰ نے دل دیا ہے-

وہ جو خدائیتعالےٰ کی زبردست طاقتوں کے قایل ہیں- وہ جن کو یقین ہے- کہ خدائیتعالےٰ کے رستے میں ایک حبہ خرچ کرنے والے مالامال کر دیئے جاتے ہیں- وہ اس وقت غفلت اور کاہلی سے کام نہ لیں- یہ وقت ہے کہ عالی حوصلگی سے کام لیا جاوے- اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنے کلام سے اپنے قلم سے اور اپنے مال سے تھوڑا سا حصہ خرچ کر دیں تا کہ برکات کا نزول اُن پر ہو٭

اسلام میں روزوں کا حکم

{یہ وہ خطبہ ہے جو مولوی صدرالدین صاحب نے
۱۶۔ جولائی ۱۹۱۵ء کو لنڈن میں پڑھا + }

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ ایاما معدودٰت .... شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

اے مومنو! تم کو روزوں کا حکم دیا جاتا ہے۔ جیسے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے دیا گیا۔ تاکہ تم متقی بنو۔ وہ گنتی کے دن ہیں.......... رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ لوگوں کے لیئے ہدایت اور ہدایت کے دلائل اور حق وباطل میں تفریق کرنے والا۔ پس جو کوئی تم میں سے اس ماہ میں گھر میں ہو تو چاہیئے۔ کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو اُسے چاہیئے۔ کہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی پوری کرے۔ اللہ تعالےٰ تمہارے لیئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

ان آیات سے ہمیں وہی بات معلوم ہوتی ہے۔ جو قرآن کریم کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔ کہ مذہب اسلام اپنے ہر ایک حکم میں معقولیت کا رنگ رکھتا ہے۔ روزہ کا حکم اُن سب کے لیئے ہے۔ جو روزہ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ بیمار ہوں یا سفر میں ہوں ان کے لئے حکم ہے کہ وہ جب حالت سفر سے حالت حضر میں آجائیں یا بیماری کی حالت سے نکلکر تندرست ہو جائیں تو پھر اس قدر دنوں کے روزے پورے کرلیں جتنے رمضان کے مہینے میں کم رکھے گئے ہیں۔ رمضان کا روزہ محض اسی قدر نہیں۔ کہ انسان صبح سے لے کر شام تک کھانے اور پینے سے پرہیز کرے۔ بلکہ ہر ایک قسم کے بیہودہ ہنسی مخول۔ لغو گفتگو اور شہوانی خواہشات

سے رکنا ضروری ہے۔

قرآن کریم کے کل کے کل احکام میں کسی عبادت کا پورا کرنا یا رسم کا بجا لانا مقصود نہیں ہوتا۔ یہی حال رمضان کا ہے۔ روزے رکھنے کی اصل غرض محض اس قدر نہیں کہ انسان اللہ تعالےٰ کے ایک حکم کی تعمیل کر کے اسے خوش کر دے۔ بلکہ اصل غرض اور حقیقی مقصود یہ ہے کہ روزے رکھنے سے اسے خود بھی فائدہ پہنچے۔ اس کی اپنی بھی تہذیب نفس ہو۔ اور بنی نوع انسان کے لیئے بھی اس کا وجود مفید ہو۔ ہم اپنے آپ کو اذیت دے کر اللہ تعالےٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ درحقیقت اسلام اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ انسان اپنے آپ کو ہلاک کرے۔ جیسا کہ اس کی پاک کتاب قرآن کریم سے اور احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں۔ اور ہر ایک مسلمان اس بات سے واقف نہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ زندگی کے اصول کو جڑ سے کاٹ دیا ہے۔ اور آپ کا یہ ارشاد کس کو معلوم نہیں کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام یعنی اسلام میں کوئی رھبانیت نہیں ہے۔ ہاں اس کے بالمقابل ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم ایسی زندگی بسر کریں جو ایک پابندی کی زندگی ہو اور جس میں ہم کو یہ تربیت حاصل ہو کہ اپنی خواہشات پر انسان کس طرح قابو پا سکتا ہے۔ اور کس طرح اپنی آسائشوں کو ترک کرنا سیکھ سکتا ہے۔ روزوں کے حکم کا حقیقی مقصود بھی یہی ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو ایک ضابطہ کا پابند کرنا سیکھیں۔ صرف انہی چیزوں پر گذارہ کریں جو جائز طور پر ہماری ہیں دوسروں کے اموال اور حقوق کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچائیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ بھی سیکھیں کہ کس طرح انسان ایک وقت اپنی جائز خواہشات کو بھی ایک ضرورت کے لیئے ترک کر سکتا ہے۔ اور اُن کو ترک کر کے دوسروں کو مدد دے سکتا ہے۔

قواعد صحت کے نقطۂ خیال سے روزے رکھنا بعض وقت صحت انسانی کے لیئے مفید ہوتا ہے۔ علم طب نے اب اِس بات کو یقینی اور قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ بیماری زیادہ تر اس انسان پر حملہ آور ہوتی ہے جو بسیار خور ہو یا شراب نوشی کرتا ہو۔ اور وہ شخص نسبتاً بیماری کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے۔ جو اپنی عادات میں محتاط اور اصول پرہیز پر عامل ہو۔ اور اس قسم کے انسان پر اگر بیماری حملہ آور بھی ہو تو وہ اس کے حملہ کا دفعیہ نسبتاً آسانی سے کر سکتا ہے۔

بسیار خوری کی عادات عمر کو کم کرتی اور صحت کو برباد کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی عادات انسان کی شہوانی خواہشات کی محرک ہیں اور اس طرح پر ان کے ساتھ اور ہزاروں قسم کی بدیاں آجاتی ہیں۔ آج انگلستان کے اخبارات اس قسم کے فقرات سے بھرے پڑے ہیں۔ جیسے جنگ کے بچے (یعنی ان سپاہیوں کی ناجائز اولاد جو جنگ کے لیئے جا رہے ہیں)۔ بے نکاحی بیبیاں۔ بن شادی شدہ مائیں۔ یہ حالت ملک کے مردوں اور عورتوں کے لیئے یکساں شرمناک ہے۔ اور قوم کی عزت پر ایک خطرناک دھبہ ہے۔

مگر لوگ کہہ دیتے ہیں یہ جنگ کی وجہ سے ہے۔ اور اس بات کا نتیجہ ہے کہ ملک میں جنگ کے خیالات غالب ہیں۔ یہ بیان گو ایک حد تک ماننے کے قابل مگر ان بدیوں کی کافی تشریح نہیں کرتا۔ جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ جنگ کے اختیار کرنے کا یا حالت جنگ میں ہونیکا لازمی نتیجہ یہ نہیں کہ گندی شہوات کو اکسائے اور شہوانی خیالات کو ابھارے۔ جب خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی افواج نے شام کے ملک کو فتح کیا۔ تو ان بہادر مسلمان سپاہیوں میں سے جنھوں نے فتح حاصل کی۔ ایک کے خلاف بھی یہ الزام نہ لگایا جا سکتا تھا۔ کہ اس نے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا ہو یا اور کسی امر فاحش کا مرتکب ہوا ہو۔ اس صوبہ کے مسخر ہو جانے کے بعد مفتوحہ علاقہ کے باشندوں نے مسلم افواج کے کمانڈنگ افسر سے یہ درخواست کی کہ وہ فوجوں کو ایک جلوس کے رنگ میں دمشق کے بازاروں میں سے لے جائے۔ اور اس نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ جس دن یہ عظیم الشان جلوس نکلا رستہ پر جس قدر مکانات تھے اُن سب کی کھڑکیاں اور چھتیں اور سارے کے سارے بازار تماشائیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جن میں زیادہ تر شام کی حسینان مہ پارہ تھیں۔ جنھوں نے ہر ایک قسم کی زیب و زینت سے اپنے قدرتی حسن کو دوبالا کر رکھا تھا خلیفہ کے بہادر سپاہی بازاروں میں سے گذر گئے۔ ان کی چال جنگی چال تھی۔ اُن کی طرز رفتار شریفانہ تھی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اُنھوں نے اپنے حیا اور عفت کا وہ قابل قدر نمونہ دکھایا جس کی نظیر دُنیا کی کسی فاتح فوج میں آج تک نہیں دیکھی گئی۔ ان کی نظریں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ اور ایک لحظہ کے لیئے بھی اُنھوں نے ان حسن کی پتلیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ جو ان کے دونوں طرف دلکشی کے سارے سامانوں سمیت جمع تھیں۔ ان نیک

اور بہادر مسلم سپاہیوں میں سے ایک کے ذمہ بھی یہ الزام نہیں آیا۔ کہ انھوں نے اپنی عفت کو ترک کیا ہو اور کسی حرکت بیجا کے مرتکب ہوئے ہوں۔ اور جنگ کے آخر میں مسلمان کمانڈر اپنے سپاہیوں کو بدیں الفاظ سے مخاطب کرنے کے قابل تھا۔ کہ اے سچے مومنو اللہ کے فضل سے تم نے صرف ملک شام کو فتح کر کے ہی ایک عظیم الشان فتح نہیں کی۔ بلکہ اس سے بہت بڑھ کر عظیم الشان وہ فتح ہے جو تم نے اپنے نفسوں اور اپنی خواہشات پر حاصل کی ہے۔

یہ روزہ ہی ہے۔ جو انسان کے اندر یہ طاقت پیدا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ اور اس عادت کو انسان کے اندر پختہ کر دیتا ہے۔ تمام دوسرے معاملات کی طرح اس معاملہ میں ہمارے لیئے کامل نمونہ ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک اور بے لوث زندگی ہے۔ جنھوں نے کبھی کسی دوسرے کو ایسا حکم نہیں دیا جس کو پہلے خود کر کے نہیں دکھا دیا۔ ہاں ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ تنہائی کے اوقات میں اپنے اوپر وہی سوال کرے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا افلا اکون عبد الشکورا۔ کیا ہر ایک شخص کو نہیں چاہیئے۔ کہ وہ ان نعمتوں کی قدردانی کرے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اسے دی ہیں۔ ہر ایک مسلمان کو اخلاق اور قوانین اخلاق کا ایک بہادر سپاہی ہونا چاہیئے۔ پہلے مسلمانوں کی کامیابی کا اصلی راز صرف یہی تھا۔ کہ وہ پاک اور بے لوث زندگیاں بسر کرتے تھے۔ اور ان میں کا ایک ایک فرد ہر وقت اور ہر آن ہر ایک ضرورت کے لیئے اپنی جان دینے کو تیار تھا۔ اور ہر ایک کام کے لیئے جو اسے دیا جائے مستعد رہتا تھا۔

پھر روزوں سے انسان کو اپنے ان غریب بھائیوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ جن کا روزہ مجبوری کا روزہ ہوتا ہے۔ یعنی جنکو کھانے کو نہ ملنے کے وقت فاقہ کشی کرنی پڑتی ہے اور اس طرح پر روزوں کے رکھنے سے انسان دوسروں کی مصیبت میں ہمدردی کرنیکا عملی سبق سیکھتا ہے۔ اور برادرانہ فیاضی کی روح اس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عائیشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتی ہیں۔ کہ وہ سب انسانوں کا سردار مینہہ کی بھری ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھا۔ اور تیز ہوا سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ دوسروں کی مدد کرتا تھا۔ اور پھر آپ کے متعلق یہ بھی مذکور ہے کان اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان یعنی آپ ہمیشہ سخاوت میں تمام لوگوں پر فوقیت لیجاتے تھے۔ مگر آپ کی سخاوت رمضان

میں بہت ہی بڑھ جاتی تھی۔

احادیث نبوی میں سے کچھ
(تنقید یحییٰ النصر پارکنسن)

اس نام کی ایک چھوٹی سی کتاب٭ جو مسجد ووکنگ کے مشن نے شایع کی ہے۔ اور جس میں ایک مختصر تمہیدی نوٹ خواجہ کمال الدین صاحب کی قلم سے ہے ابھی مجھے ملی ہے غالباً ہمارے نکتہ چین کم از کم اس کتاب کے متعلق یہ کہنے کی جرأت نہ کریں گے۔ کہ یہ حقیقی اسلام نہیں۔ بلکہ کچھ اور چیز ہے۔ جس کا نام وہ ہندوستان کی خیالی عمارتیں رکھتے ہیں یہ تو مادیت ہے اور نہ خیالی عمارت ہے۔ بلکہ عملی نصایح ہیں جو انسان کے روزمرہ زندگی میں کام دینے والے ہیں۔ اور جن کو سو مختلف عنوانوں کے نیچے مولف کتاب نے دیا ہے چند عنوانوں کے نام بطور مثال یہاں دیتا ہوں۔ اسلام۔ نیات ہمدردی۔ نیاضی۔ آداب عورتیں۔ موت۔ رہبانیۃ۔ نرمی۔ اس کتاب کی غرض وہی ہے۔ جو تمہید میں بیان کر دیگئی ہے "ان اوراق کے مطالعہ سے اسلام کے اس حقیقی مفسر کے دلی خیالات تک انسان پہونچ سکتا ہے جس کی اطاعت کا جوا کروڑوں گردنوں پر ہے جو دنیا کے مختلف اطراف میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان نصایح کے پڑھنے سے یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنیکا ایک مقصد یہ تھا۔ کہ مذہب ہمارے لیئے برائے نام عقاید کا نام نہ ہو بلکہ ہماری عملی زندگی خود اس مذہب کا نقشہ پیش کرے۔"

اب ہر ایک تحریر کا کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک قول کا بھی کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔ ہاں اس زمانہ میں کوئی شخص یوں بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ آج ہر ایک تحریر یا تقریر کا مقصد صرف روپیہ کمانا ہے۔ مگر میں کہوں گا۔ کہ ہر ایک تحریر اور قول کی کچھ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ اس قدر و قیمت کا اندازہ ہمیں کس طرح کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب مشکل نہیں۔ اصل قدر و قیمت ہر تحریر و تقریر کی اس کا اخلاقی اثر ہے یعنی وہ نیک اثر جو یہ پڑھنے والوں پر پیدا کرے۔

اس کی دیر پا قیمت اس کے اخلاقی اثر کا اندازہ اس بات سے ہوگا۔ کہ پڑھنے والے کی طبیعت میں اس نے کیا تبدیلی پیدا کی۔ کس قدر اس کے خیالات اور جذبات کو بلند کیا۔ کس قدر ان میں وسعت پیدا کی۔ کس قدر اس کے اخلاق کو کریمانہ بنایا۔ اور کس قدر نسل انسانی کی حقیقی رہنمائی میں یہ کام دے گی۔ یہ اقوال جو اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کیئے گئے ہیں۔ نہ صرف اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ بلکہ اس معیار کے لیئے اصول اور رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ یہ اقوال جیسا کہ تمہید میں لکھا ہے کسی ایک قوم یا دُنیا کی تاریخ میں ایک زمانہ کے لیئے نہیں ہیں۔ بلکہ یکساں طور پر ساری نسل انسانی اور سارے زمانوں پر حاوی ہیں" اس کا اندازہ ہم یوں کرتے ہیں کہ ان خاص معاملات میں جہاں اسلام پر نکتہ چینی کرنے والے اسے ناحق قرار دیتے ہیں۔ اس بات کو تو بہت لوگ قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ کہ اسلام سخاوت۔ پرہیزگاری اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر بہت کم ہیں۔ جو اس بات کو قبول کریں گے۔ کہ اسلام ہر قسم کے علوم کا مددگار ہے۔ اور حصول علم کے لیئے انسان کو توجہ دلاتا ہے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علےٰ کل مسلم ومسلمۃ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ اب دیکھو اس پاک ہدایت کی مدد سے علم کا حاصل کرنا علمی معلومات کا جمع کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ خواہ اس علم کے حاصل کرنیکے ذرائع کتنا ہی دور کیوں نہ ہوں۔ اور کتنی ہی مشکلات ان تک پہنچنے میں کیوں نہ ہوں۔ یہ گوہر علمی کیا نایاب۔

"جو علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو لگا دیتا ہے وُہ مرتا نہیں"

ان مختصر الفاظ میں بلند ترین انسانی خیال کا اظہار ہے۔ جس پر نوع بشر کا کلی مدار ہے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کوئی فلسفہ کی تعلیم دینے نہ آئے تھے۔ مگر اسی ایک ہی قول پر اعلےٰ سے اعلےٰ علم فلسفہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے کیسی فلسفہ کی جان اور کیسا پاکیزہ خیال ہے۔ کہ علم مرتا نہیں۔ اور نہ ہی علم کے حاصل کرنے والے پر موت آتی ہے۔ ہر وہ شخص جس کا مقصد حصول علم ہے اس پر موت وارد نہیں ہوتی۔ وہ انسانوں کے دلوں میں اور ان کے خیالات میں ہمیشہ کے لیئے زندہ رہتا ہے۔ وہ اپنے خیالات کے ذریعہ سے زندہ رہتا ہے اور جو نمونہ

وہ دوسرے لوگوں کے لیئے پیش کرتا ہے وہ اس کے بقا کا موجب ہوتا ہے۔ غرض اگر اس نے ہمیشہ کے لیئے رہنے والے اغراض اور مقاصد کو انسانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ تو اُس کی زندگی بھی ان اغراض اور مقاصد کے زندگی کی طرح ختم نہیں ہوتی۔

عملی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ ماضی کا تسلسل ہے۔ جہاں موجودہ نسل نے اپنے پچھلے بزرگوں سے جسمانی شکل اور صورت لی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کچھ احساسات بھی لیئے ہیں جن میں سے کچھ کمزور بھی ہوتے ہیں اور کچھ مضبوط بھی۔ ان میں جو کچھ بھی مشابہت یا عدم مشابہت ہو۔ ایک بات میں وہ سب یکساں ہیں کہ اخلاق کے بنانے میں وہ ضرور حصّہ لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ہر پچھلی نسل اپنے سے پہلی نسل کے ذہنی ترقیات عادات رواجات عقائد خیالات کو بھی لیتی ہے۔ اپنے والدین سے۔ رفقاء سے۔ کتابوں اور تحریروں سے ہم بذریعہ روایات گذشتہ نسل کے جواب موجود نہیں تجربات کو حاصل کرتے ہیں۔ پس ان تجربات اور خیالات میں وہ ہمارے لیئے زندہ ہیں۔ وہ ہم سے باتیں کرتے اور ہم کو تعلیم دیتے ہیں۔ علم کے عظیم الشان محل کی تیاری میں جو بنیادیں انھوں نے چھوڑی ہیں۔ اُنہی پر ہم بھی کچھ عمارت بناتے ہیں۔ اور اس طرح بر نسل انسانی کی مجموعی کوششوں سے یہ محل تیار ہوتا چلا جاتا ہے تمام لوگوں تمام نسلوں تمام قوموں نے علم کے مجموعہ کے تیار کرنے میں کچھ نہ کچھ حصّہ لیا ہے۔ انھوں نے اپنی جد و جہد سے اپنی کوشش سے اپنی محنت سے مشقت اُٹھا کر نسلاً بعد نسل صبح سے لیکر دوپہر کی گرمی تک کام کیا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حقیقی طور پر باقی رہنے والی چیز۔ یعنی وہ چیز جس پر موت نہیں آتی صداقت ہے۔ صداقت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اور کبھی مرتی نہیں۔ ہاں جو ہماری یا دُوسروں کی غلطیاں ہیں۔ وہ جُوں جوں نسل انسانی علم اور تجربہ میں ترقی کرے گی۔ نابود ہوتی چلی جائیں گی۔ پھر حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ پاک ہے"

ایسا ہی آپ نے فرمایا:۔ "علم حاصل کرو۔ کیونکہ علم والا اس قابل ہوتا ہے۔ کہ حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ یہ وہ نور ہے جس سے اخروی زندگی کا راستہ روشن ہوتا ہے۔ یہ جنگل میں ہمارا دوست۔ تنہائی میں ہمارا رفیق اور بے یار و مددگار ہونے کی حالت میں ہمارا یار و مددگار ہوتا ہے

یہ ہمیں راحت تک پہنچاتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت ہمارے لیئے سہارا ہوتا ہے۔ یہ دوستوں میں ایک زینت ہے اور دشمنوں کے مقابلہ پر ہتھیار ہے۔"

یہ علوم اس بیابان عرب کے رہنے والے اُمّی کو کس نے سکھائے۔ اس کا کوئی معلم نہیں وہ لوگوں کے پاس نہیں بیٹھتا۔ بلکہ ایک غار کی تاریکی میں یہ علوم اس پر روشن ہوتے ہیں یہ درحقیقت خدائی آواز تھی جس نے اُس کے اندر بول کر یہ پاک علوم اسے سکھائے۔ پھر آپ نے فرمایا :۔" لوگوں سے ان کی عقل کے اندازہ کے مطابق بات کرو۔"

اس قاعدہ کے آپ خود بھی پابند تھے۔ آپ قدرت کے معمولی نظاروں کی طرف توجہ دلا کر اس بیابان کے رہنے والوں کے دلوں پر بات کو بٹھادیتے تھے۔ اور بڑے بڑے فلسفیوں کے لیئے بھی آپ کے کلام میں رموز ہیں۔ مگر ان لوگوں کے لیئے جنھوں نے صرف قدرت کے تھوڑے سے نظارے دیکھے ہوئے تھے۔ ان کے لیئے ان نظاروں میں بھی کافی سبق تھا آسمان اور زمین کی مخلوق میں بڑے بڑے اجرام سماوی اور چھوٹے چھوٹے ریت کے ذرّوں میں۔ نباتات اور حیوانات میں۔ رات اور دن کے تغیر میں۔ بادلوں کے آنے اور مینہ کے برسنے میں اس سے زمین پر روئیدگی کے پیدا ہونے میں۔ غرضکہ قدرت معمولی سے معمولی فعل میں آپ نے ان لوگوں کو خالق حقیقی کی جھلک دکھائی۔ اور ایسی جھلک دکھائی۔ کہ اس پاک چہرہ کا اُن کو عاشق بنا کر اپنے آپ کو بھلوا دیا۔ اور اُن کا قدم اس ترقی کے شاہراہ پر ڈال دیا۔ کہ جس پر چل کر وہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

ووکنگ میں بشپ صاحب ونچسٹر کی آمد

اور

اُن کے خیالات ہمارے متعلق

(ماخوذ از اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل ۱۹۱۴ء)

ہم اس سے تو خوش ہیں کہ ہمارے اتوار کے لکچر* جو مسجد ووکنگ میں ہوا کرتے ہیں بہت ہی جلد کلیسیا کے معزز سے معزز اراکین کو ہماری طرف متوجہ کرنے لگے۔ بہت سے پادری صاحبان ووکنگ میں آئے۔ اور اپنی تقریروں میں اُنھوں نے ہمارے کام کی طرف اشارہ کیا۔ ابھی دو ہفتے ہوئے کہ بٹالہ مشن کے مشہور پنشن یافتہ پادری ڈاکٹر وائٹ بریخیت نے ووکنگ کرسچن مشن سوسائٹی کے سالانہ جلسہ پر تقریر کرتے ہوئے ہماری تحریک کے متعلق ذیل کے الفاظ کہے:۔ "یہ تحریک ایسی نہیں کہ اس کے مقابل جنگ کیا جاوے۔ کیونکہ اس سے خلق خدا کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نہ نسل انسان کی اس سے یعنی اسلام سے کوئی بہتری ہو سکتی ہے"

ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر وائٹ بریخیت ان لفظوں میں کیا اشارہ کر گیا ہے۔ اور کس طرح وہ اپنے سامعین کو ہمارے برخلاف اشتعال دے گیا ہے۔ یہ امر شاید اُس کے عیسائی متواضع طبیعت کے مناسب حال بھی تھا۔ وہ ہندوستان سے ہی ہمارا واقف تھا۔ اُسے مناسب ہی تھا کہ ہم جو اُس کے وطن مادری میں بطور مہمان وارد تھے۔ تو وہ اسی طرح حق مہمان نوازی

* نوٹ:۔ یہ لکچر ماہ نومبر ۱۹۱۳ء میں شروع ہوئے۔ اور ماہ مارچ میں مقامی پادریوں نے ہمارے مقابل اپنی کوشش شروع کر دی۔ اسی کوشش کی ماتحت مختلف لیکچر اور تقریریں ووکنگ میں اسلام کے متعلق ہوئیں۔ جن میں سے ایک یہ تقریر بھی تھی۔ جن کی بنا پر یہ مضمون لکھا گیا۔

ایڈیٹر

ادا کرکے مسیحی اخلاق کا ثبوت دیتا۔ خیر اُس سے تو جو بن سکا اس نے کیا۔ لیکن دُوسری طرف ہم بشپ صاحب ونچسٹر کے از حد ممنون ہیں کہ اُنھوں نے اپنی تقریر میں نہایت ہی مشفقانہ الفاظ میں ہمارا ذکر کیا۔ اور ساتھ ہی اپنے سامعین کو تاکید کردی کہ وہ ہمارے ساتھ ملاطفت اور حسن سلوک سے پیش آویں۔ یہاں ہم ووکنگ ہرلڈ ایک مقامی اخبار سے ذیل کا اقتباس مندرجہ بیس مارچ نقل کرتے ہیں جس میں بشپ صاحب کے ذیل کے الفاظ نقل ہوئے ہیں:۔

"پچھلی دفعہ جب میں ووکنگ میں آیا تھا۔ تو اُس کے بعد میں نے سُنا ہے کہ یہاں ایک اسلامی تحریک شروع ہو گئی ہے۔ ایک عیسائی کے لیئے در اصل یہ ایک مشکل سوال ہے۔ کہ اس تحریک پر وہ کیا غور کرے۔ لیکن میں تم کو کہتا ہوں کہ تم اس کا اچھا پہلو لو۔ تم حسن سلوک اور نرمی سے ان کے ساتھ پیش آؤ۔ یہ تو یقینی بات ہے۔ کہ تم اس تحریک کو بطور مذہب قبول نہ کرو گے۔ ہاں یہ تحریک تمہیں خود اپنا مذہب سمجھنے میں مدد دیں گی۔ خدا نہ کرے۔ کہ میں یہ کہوں کہ ان مسلمانوں میں کوئی خیر و خوبی نہیں۔ میں اکثر خیال کرتا ہوں کہ نماز کے معاملے میں تو یہ مسلمان عیسائیوں کے لیئے ایک عمدہ مثال ہیں۔ لیکن اُن کا مذہب تو ایسا نہیں کہ جس کو تم قبول کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم تو یہ یقین ہی نہیں کر سکتے۔ کہ خدا تعالےٰ مسیح جیسا نجات دھندہ کوئی اور انسان بھی بھیج سکتا ہے۔ میں اس موقع پر تمھیں یہ کہتا ہوں۔ کہ تم اپنے مذہب کو زیادہ شوق سے اور شکر گذاری کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ جس طرح بائبل نے خدا تعالےٰ کو ایک فضل کا خزانہ ظاہر کیا ہے۔ اس طرح مسلمان تو خدا کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے۔ تمکو مسیحی زندگی اختیار کرنی چاہیئے اور اُس زندگی (یعنی مسیح) کی پیروی کرنی چاہیئے۔ جو کل دنیا کے لیئے کامل نمونہ ہے"

ہم بشپ صاحب کے مشکور ہیں۔ کاش اس حسن سلوک اور مروت کا وعظ بشپ صاحبان پادریوں کو سناتے جو مشرق میں مسیح کی منادی کر رہے ہیں۔ ممکن تھا۔ کہ اس سے وہاں عیسائی مذہب کو فایدہ پہونچتا۔ اور مشن ایسا ناکام ثابت نہ ہوتا۔ جیسا یہ مشرق میں ثابت ہوا۔ اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ مسیح نے فرمایا۔ تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ ہمارا تجربہ عیسائیت کے بہترین پہلوؤں کے متعلق بہت ہی تلخ کام واقع ہوا ہے۔ یوں تو ہر ایک شخص اپنے مذہب

کی خوبیاں گن سکتا ہے۔ لیکن خالی الفاظ کوئی وزن نہیں رکھتے۔ جب تک الفاظ عمل کا لباس نہ پہنے ہمنے بہت کچھ مسیحی نیک دلی نرم مزاجی اور انکساری کے متعلق سنا۔ لیکن ہم بشپ صاحب کو اور اپنے دیگر ناظرین رسالہ کو ان تصانیف کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو وقتاً فوقتاً پادری صاحبان نے ھندوستان میں شائع کیں اور جن میں ہمارے ہادی و پیشوا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سب پاکوں کا سردار ہے بڑے بڑے ناپاک اتہام لگاتے ہیں۔ ان تلخکام تجارب کے مقابل بشپ صاحب وچسٹر کا یہ وعظ ہم کو کیسا ہی خوش کن معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل ووکنگ ہم سے حسن سلوک اور محبت سے پیش آئیں۔

بشپ صاحب نے جو باتیں اسلام کے متعلق فرمائیں وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھیں۔ یہ تو مانا کہ وقت کی تنگی اُنھیں اختصار پر مجبور کرتی تھی۔ لیکن جو کچھ اُنھوں نے کہا اُسکا ثبوت کچھ تو دیا ہوتا۔ بشپ صاحب کے بیان میں ذیل کی چار باتیں ہیں:۔

(۱) عیسائی اسلام کو قبول کر سکتے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہی نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کسی اور کو بھی مسیح جیسا نسل انسان کا نجات دھندہ بنا کر بھیج سکے۔

(۲) ممکن نہیں کہ مسلمان بھی خدا تعالےٰ کو بائبل کی طرح فضل کا خزانہ کہہ سکیں۔

(۳) اہل ووکنگ کو اُس زندگی (مسیحؑ) کی پیروی کرنی چاہئیے۔ جو کل دُنیا کے لیئے کامل نمونہ ہے۔

(۴) مذہب اسلام مسیحی صداقتوں کے سمجھنے کے لیئے اہل ووکنگ کو مدد دیگا۔

بشپ صاحب در اصل ووکنگ میں رسم کنفرمیشن* کو ادا کرنے آئے تھے۔ اُن کے سامنے نو عمر بچوں کی ایک تعداد تھی۔ وہ عیسائی مذہب کے متعلق جو دعوے بے دلیل چاہتے پیش کر دیتے۔ لیکن اسلام پر کچھ بولتے ہوئے اُن کو بے ثبوت باتیں کرنے کی جرأت نہ کرنی چاہیئے تھی۔ اس سرسری بیان میں بشپ صاحب نے جو چار باتیں بیان کی ہیں۔ اُن میں سے پہلی بات میں آپ نے دو محالات کا ذکر کیا ہے۔ ایک انسان کے متعلق اور ایک خدا کے متعلق

*۔ بچے کی پیدائش پر اُس کا ایک دھرم باپ اور دھرم ماں تجویز ہوتا ہے۔ اور بچے کی طرف سے اقرار مسیحیت ان سے لیا جاتا ہے۔ جب بچہ سن بلوغت کے قریب آتا ہے۔ تو بذاتِ خود اس اقرار کی تصدیق پھر اُس سے کرائی جاتی ہے۔ اس رسم کا نام کنفرمیشن ہے۔ ایڈیٹر

یعنی عیسائی مسلمان نہیں ہو سکتے اور خدا مسیح جیسا انسان پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ امر کہ عیسائی مسلمان نہیں ہو سکتے۔ نہ معلوم یہ کیوں ناممکن ہے۔ ہم تو عیسائی دنیا کو معقول پسند دنیا سمجھتے ہیں۔ مذہب اور اس کی تبدیلی تو صرف رائے کا معاملہ ہے۔ پھر وہ کونسے جسمانی یا اخلاقی یا قانونی محالات ہیں جو تبدیلیٔ رائے میں جس پر تبدیلی مذہب بھی منحصر ہے کسی معقول انسان کے سامنے حائل ہو سکتے ہیں۔ البتہ اگر کسی نے مذہبی معاملات میں کبھی سوچا ہی نہ ہو اور جو کسی اور نے مذہب کے متعلق کہدیا اُسے بلا تامل قبول کر لیا تو یہ امر دیگر ہے لیکن اگر مغربی قومیں اس وقت انسانی خیالات اور آرٹ کی ہر ایک شاخ میں آزادی کی قائل ہیں اور یورپ میں یہ بیداری بھی پیدا ہو چلی ہے کہ مذہب کو اور عقائد مذہب کو معیار عقل پر پرکھا جائے تو ہمارے نزدیک اسلام کے لیئے بہترین مواقع ہیں کہ وہ یورپ کے مذہبی خیالات پر حکمرانی کرے۔ کیونکہ اسلام اپنی صداقتوں کو تسلیم کرانے میں عقل و دانش کا خون نہیں کرتا۔

اگر باریک نگاہ سے دیکھا جائے تو یورپ خود بخود اسلام کی طرف آ رہا ہے۔ ریشنلزم آہستہ آہستہ انہیں اصولوں کو دریافت کر رہا ہے۔ جو اسلام نے وضع کیئے ہیں۔ مغربی دنیا بہت سے اصول اسلامی بلا علم و ارادہ آہستہ آہستہ قبول کر رہی ہے۔ اہل یورپ انہیں جھنڈوں تلے چل رہے ہیں۔ جو اسلام کو جا رہے ہیں۔ یورپین دل و دماغ جو سوچتا ہے وہ بہتر صورت میں اسلام بھی اسلام ہے۔ یہ تو دراصل اب وقت کا سوال آ رہا ہے۔ کہ کب مقامی اقتضیات سے شیر اور اختیار کردہ باتوں کے متعلق یہ امر دریافت ہو جائے۔ کہ اُن میں سے اکثر اسلامی ہیں۔

بشپ صاحب کا دوسرا امر محال یہ ہے کہ خدا مسیح جیسا انسان پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ منطق بھی انوکھی منطق ہے۔ جو ہمارے فہم سے بالا ہے۔ خدا تو ایسا کمزور اور ناطاقت نہیں کہ ایک اور مسیح نہ پیدا کر سکے نہ بھیج سکے۔ کیا خدا قدیر اور علیم نہیں ہے۔ آخر مسیح کیا تھا۔ یہی چند عناصر اور ذرات عالم کا مجموعہ جنھوں نے کیمیائی ترکیب پا کر خدا کی روح قبول کر لی اور ابن مریم کی شکل میں ظہور کیا۔ عیسائی صاحبان غالباً مادہ کو فانی تو نہ سمجھتے ہونگے۔ ابھی وہ ذرات تو ضرور کائنات میں موجود ہونگے جن کو ایک خاص ترکیب دے کر خدا تعالیٰ نے مسیح پیدا کر دیا تھا۔ خدا کو یہ بھی علم ہوگا۔ کہ وہ ذرات کہاں ہیں۔ اور خدا کو یہ بھی طاقت ہے

کہ اُن ذرات کو پھر ہُو بہو وہی ترکیب دیدے۔ اگر ذرات کی خاص ترکیب میں خدا تعالےٰ نے ایک دفعہ رُوح پھُونک دی تو وُہ اب بھی پھُونک سکتا ہے۔ بشپ صاحب تعطّل صفات باری کے بھی قائل نہونگے۔ اگر خداوند ابدی اور ازلی خدا ہے تو اُس کے صفات بھی ابدی اور ازلی ہونگے جو دو ہزار برس ہوئے وُہ کر سکتا تھا۔ وہ اب بھی کر سکتا ہے۔ ہمنے تو بائبل میں یہ بھی پڑھا ہے کہ خدا پتھروں میں سے انسان کو پیدا کر سکتا ہے۔ اگر عیسائی خدا تعالےٰ کو ایسا ہی قادرِ مطلق خدا سمجھتے ہیں تو فاضل بشپ کا یہ فقرہ ہمیں سمجھ نہیں آتا۔ کہ خدا تعالےٰ پھر مسیح جیسا نجات دھندہ انسان تو پیدا کر سکتا ہی نہیں۔

لیکن شاید یہ کہا جائے کہ مذہبی امور میں ایسی عقلیہ بحثوں اور منطقیہ تنازعات کو دخل نہیں دینا چاہیئے۔ بہرحال ایک اور بھی سوال ہمیں اکثر تنگ کیا کرتا ہے۔ کہ مسیح کس طرح کل کی کل نسل انسانی کا نجات دھندہ ہو سکتا ہے۔ دو ہزار برس سے کچھ کم عرصہ ہوُا۔ جب وہ دُنیا میں تشریف لائے۔ یہ نئی بشارت اُن کے ساتھ آئی۔ جب پُرانا آدم مر گیا اور نیا آدم پیدا ہوُا اور اس طرح دنیا کی نجات ہوئی۔ دُنیا مسیح کے خون کے وزریعہ فضل سے بھرپور ہوگئی۔ لیکن عیسائی عقیدہ یہ بھی ہے۔ کہ مسیحی خون کی فضل سے وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ جس کا مسیح پر ایمان ہو۔ نجات کے لیئے ایمان شرط ہے۔ لیکن مسیح کی پیدائش سے پہلے بھی (بقول عیسائیاں) چار ہزار برس سے دنیا قائم تھی۔ کروڑھا انسان ایسے فوت ہوگئے۔ جن میں ابھی پُرانا آدم تھا۔ وہ مسیح کے نام سے آشنا بھی نہوئے۔ اگر مسیح کل نسل آدم کا نجات دھندہ تھا۔ اور نجات دراصل شریعت کی نجات سے تھی۔ تو پھر اس سے پہلے کیوں کروڑہا مخلوق پر شریعت کا بوجھ ڈالا گیا۔ پھر اُس کے پیدا ہونے پر بھی اب تک ارب کھرب انسان اُس سے ناواقف رہے۔ اب بھی کروڑھا انسان اُس کے نام سے ناواقف ہیں۔ اگر کسی کی نجات کے لیئے ضروری ہے۔ کہ خون مسیح کے فضل پر انسان کا ایمان ہو تو پھر ان ارب دراب اور کھرب درکھرب انسانوں کی نجات کیسی ہو سکتی ہے جب انھوں نے مسیح کا نام تک ہی نہیں سُنا تو پھر وُہ ایمان کس پر لاتے۔ اگر نجات ہماری اُسوقت ہو سکتی ہے۔ جب پہلا آدم ہمارے اندر سے مر جاوے۔ اور ایسا ہونا اس وقت ممکن ہے کہ جب ہم مسیح کی الوہیت اور اُس کے کفارہ پر ایمان لاویں۔ اور یہ ایمان مسیح سے واقف ہونے پر

حصر رکھتا ہے۔ لہذا ایک لاتعداد مخلوق نسل انسانی میں ایسی پائی جاتی ہے۔ جن کے اندر نیا آدم پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ نجات نہیں پاسکتے۔ پھر یہ تو محالات عقلیہ سے ہے۔ کہ مسیح کو کل نسل انسانی کا نجات دھندہ قرار دیا جاوے۔ کیا ان امور پر غور کرنے کے بعد بھی ہمارے بشپ صاحب وچسٹر دُنیا کو یہ تبلیغ کریں گے۔ کہ مسیح کل نسل انسانی کا نجات دھندہ تھا۔

بشپ صاحب کے باقی تین امور پر ہم کبھی پھر کچھ عرض کریں گے ✦

دعا ایک غذا ہے

(حضرت موسےٰ اور مسیح کے الفاظ کو اسلام حقیقت کا لباس پہنا تا ہے)

انسان فقط روٹی ہی کھانے سے جیتا نہیں رہتا۔ بلکہ ہر ایک بات سے جو خداوند کے مُونہہ سے نکلتی ہے جیتا رہتا ہے۔ استثناء ۸: ۳ - انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مونہ سے نکلتی ہے جیتا ہے۔ متی ۴: ۴

کیسے پاک الفاظ۔ کس قدر بلند خیال کو اپنے اندر لیئے ہوئے اور کیسی دلیری سے انکا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ ہم کو بتاتے ہیں کہ دُعا اور نماز ہی انسان کی حقیقی غذا ہے "فقط روٹی ہی کھانے سے جیتا نہیں رہتا" بڑے ہی پُر زور اور تاکیدی الفاظ ہیں۔ مگر کیا ان کا یہ منشا ہے۔ کہ روٹی چھوڑ دو اور دعا پر ہی زندگی بسر کرو جس پاک انسان کے مُونہہ سے یہ کلمات نکلے اس کا یہ منشا نہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ خود بھی "کھاتا پیتا" آیا پھر وہ دوسروں کو کھانے پینے سے کیوں کر روک سکتا تھا۔ علاوہ ازیں انسان جسم بھی رکھتا ہے۔ اور رُوح بھی۔ اگر رُوح کی غذا دعا ہے تو جسم کی غذا روٹی ہے۔ پس دونوں انسان کے لیئے ضروری ہیں۔ گو روحانی نشو ونما جسمانی نشو ونما سے بڑھ کر اہم ہے۔ مگر ایک طرف حضرت مسیح کا یہ قول دوسری طرف اس کے پیروؤں کی موجودہ حالت دیکھ کر انسان بے اختیار بول اٹھتا ہے یا للعجب! یہ کیا بات ہے کہاں وہ روحانیت کا مجسمہ جسے روحانیت کا فکر کھائے جا رہا تھا۔ کہاں یہ مادہ پرست قوم جسے روٹی کے فکر نے بیتاب کر رکھا ہے۔ جنرل گارڈن کا قول ہے کہ "انگلستان کے لوگ سب

زیادہ فکر اپنے کھانے کا کرتے ہیں"۔ مگر یہ انگلستان سے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ ساری اقوام یورپ
جنرل محارڈن کے ان الفاظ کے مصداق ہیں حضرت مسیح نے جو یہ سنہری اصول اپنے لوگوں کو
سکھایا تھا۔ تو آپ کی غرض یہ تھی کہ تا انسان نرا اپنی جسمانی خواہشات کا غلام ہی نہ ہو جائے
وہ اپنی اخلاقی اور روحانی بہتری کا بھی کچھ فکر رکھے۔ مگر ہفتہ کے سات دنوں میں سے چھ دنوں
میں ان الفاظ کی کون پرواکرتا ہے۔ اور مسیح کے الفاظ کے بالکل خلاف اس کے پیرو صرف روٹی
سے جیتے ہیں۔ مگر جب ساتواں دن آتا ہے۔ وہ دن جو خدا نے "ہمارے آرام" کے لیئے بنایا
تو قریب کے گرجا کی ٹن ٹن کی آواز شاید کسی دل میں ان الفاظ کی طرف بھی توجہ پیدا کرتی ہو گی
جو "خدا کے منہ سے" نکلتے ہیں۔ پھر ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں
کہ روحانیت کی بھوک عیسائی ممالک میں مرتی چلی جا رہی ہے۔ کسی انسانی قوت کا استعمال ہی
اس کو زندہ رکھ سکتا اور اس میں نشو و نما پیدا کر سکتا ہے۔ ادھر کسی قوت کو کام میں لانا چھوڑ دو
ادھر یہ خود بخود کمزور ہوتے ہوتے آخر بیکاری سے مُردگی کی حالت تک پہنچ جاتی ہے پس غذا
کا نہ پہنچانا خواہ جسمانی رنگ میں ہو یا روحانی میں۔ پہلے بھوک کو کم کرتا اور آخر موت کا پیغام لاتا ہے
ہم اپنی قوائے ہاضمہ کو ان میں پانچ دفعہ تیز کرتے ہیں (یورپین ممالک میں کھانے کے پانچ وقت ہیں)
اس لیئے ہماری صحت درست اور ہمارے جسمانی قوائے مضبوط رہتے ہیں۔ مگر اپنی روح کی خبر ہم
ہفتہ میں صرف ایک دفعہ لیتے ہیں۔ اور وہ بھی ہم میں سے بہت تھوڑے۔ پھر کیا اگر ان حالات
کے اندر گوشت نے رُوح کو ہلاک کر دیا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی جگہ ہے۔ لیکن حکمت کی باتوں کو اگر
خود بیان کرنے والا عملی جامہ نہ پہنا سکے تو یقیناً ان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائیگا۔ پہاڑی
وعظ میں جو تعلیم دی گئی ہے اس نے کبھی حقیقت کا رنگ نہیں دیکھا اور نہ عمل میں آئی۔
بلکہ وہ چند بلند پروازی کے خیالات ہیں۔ جو کبھی عمل میں آ ہی نہیں سکتے۔ آج تک کسی نے
اس تعلیم میں بطور اصول بیان کی گئی ہیں۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی موقعہ نہیں ملا کہ وہ
اُن کو خود عمل میں لا کر دکھاتے اور اس طرح اپنے پیرووں کے لیئے ایک نمونہ قائم کرتے کہ وہ
کس طرح ان خیالات کو اپنے لئے مفید بنا سکتے ہیں۔ یہ الفاظ کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ
ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے۔ جیتا ہے۔ شیطان کو کہے گئے تھے۔ اور وہ آزمائش

کوئی واقعہ نہیں۔ بلکہ صرف ایک مکاشفہ تھا۔ اس زمانہ کے لوگوں کے قوائے روحانی ابھی اس حالت تکمیل کو نہ پہنچے تھے۔ کہ مسیح کے پیرو اس بات کو جو مکاشفہ میں کہی گئی تھی عمل میں لاتے۔ اور خود حضرت مسیح کو صرف تین سال کی تھوڑی سی میعاد ان لوگوں میں اپنا تبلیغی کام کرنے کی ملی۔ اس لیئے دنیا اس اعلےٰ درجہ کے اصول کے عملی پہلو سے بالکل نا آشنا رہی۔ حضرت مسیح نے بالکل سچ فرمایا تھا۔ جب آپ نے کہا" میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے" (یوحنا ۱۶: ۱۲)

اللہ تعالےٰ کی کامل رضا کی راہوں کے اظہار کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ یسوع مسیح کا جانا ہی ضروری تھا۔ تاکہ تسلی دہندہ یعنی فارقلیط (احمدؐ) آئے اور ساری صداقتوں کو سکھلائے۔ آپ کے بعد بھی پورے چھ سو سال تک دُنیا ان الفاظ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکی جو مسیح نے فرمائے تھے۔ کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر اس بات سے جیتا ہے جو خدا کے موتھ سے نکلتی ہے۔ وہ رُوح حق مسیح کے الفاظ کو پورا کرنے کے لیے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جس نے اپنی تعلیم کو اپنے عمل کے ذریعہ سے روشن کیا۔ آپ کی تبلیغ کا دائرہ تمام دُنیا کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ اور آپ نے جو اصول سکھائے وہ تمام نسل انسانی کے لیئے ہیں جو انسان ان الفاظ کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے کہ انسان روٹی سے نہیں بلکہ خدا کے کلام سے جیتا ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ کم از کم اتنی مرتبہ اپنی روحانی غذا کا فکر کرے۔ جتنی مرتبہ جسمانی غذا کا فکر کرتا ہے۔ اور جتنی مرتبہ دسترخوان کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ کم از کم اتنی دفعہ خدا کے حضور حاضر ہونے کے لیئے قدم اُٹھائے۔ پس جب نظام جسمانی کو قائم رکھنے کے لیئے ہم پانچ کھانوں کے محتاج ہیں یعنی صبح کا کھانا۔ دوپہر کا کھانا۔ پچھلے پہر کا کھانا۔ شام کا کھانا۔ اور رات کا کھانا تو کیا یہ حق نہیں کہ رُوحانی نظام کے قیام کے لیئے بھی ہم کو پانچ دفعہ رُوحانی غذا حاصل کرنی چاہیئے۔ بیشمار برکتیں اور رحمتیں ہوں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس نے ایک مسلمان کے لیئے اس پانچ دفعہ کی روحانی غذا کا انتظام روز کی پانچ نمازوں میں کر دیا۔ اور جن کے اوقات بھی ہماری جسمانی غذا کے کھانے کے اوقات سے ملتے ہیں۔ پس ایک مسلمان اول اس کلام سے زندگی حاصل کرتا ہے جو خدا کے موتھ سے نکلتی ہے۔ اور بعد میں

اپنی روٹی کا فکر کرتا ہے پس وہ جو پہلے مذاہب میں نرے لفظ ہی لفظ تھے۔ اسلام میں وہ حقیقت بن گئے ہیں۔

اینی بسنٹ کے خیالات اسلام پر

جو اس لکچر سے ماخوذ ہیں جو بحیثیو صوفی کی نگہ سے اسلام کے عنوان پر مسز اینی بسنٹ نے دیا

آنحضرت صلعم کے ہموطنوں کی شہادت

کہ وہ کیا تھے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے کیا ہو گئے۔ تاریخ میں محفوظ ہے اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ذریعہ سے اُن کو اسقدر نور حاصل کرنیکا احساس تھا۔ تو وہ آپ کی نبوت کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہونگے۔ یہہ شہادت حسب ذیل ہے :-

"ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ناپاکی میں زندگیاں بسر کرتے تھے۔ مردار کھاجاتے تھے۔ اور وہ باتیں بولتے تھے۔ جو انسان کے لیئے باعث عار ہیں۔ ہم انسانیت کے ہرایک احساس کی طرف سے لاپروا تھے۔ اور ہمسائیگی اور مہمان نوازی کے فرائض سے غافل تھے ہم کسی قانون کو نہیں جانتے تھے۔ سوائے اس کے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ ان حالات میں خدا تعالےٰ نے ہمارے اندر ایک انسان کو پیدا کیا جس کی پیدائش کے حالات جسکی صداقت جس کی دیانت اور امانت اور جس کی زندگی کی پاکیزگی کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اُس نے ہمیں خدا تعالےٰ کی توحید کی طرف بلایا۔ اور ہم کو یہ تعلیم دی۔ کہ ہم اس ذات پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اُس نے ہمکو بتوں کی پرستش سے روکا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت کو ادا کریں۔ عہدوں کو پورا کریں۔ خدا کی مخلوق پر رحم کریں۔ اور اپنے ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کریں۔ اُس نے ہم کو اس بات سے منع کیا۔ کہ عورتوں کا بُرے الفاظ

میں ذکر کریں یا اُن سے بدسلوکی کریں۔ اور یتیموں کا مال کھائیں۔ اُس نے ہم کو نصیحت کی کہ بدیوں سے دور بھاگیں اور ہر ایک قسم کے امر منکر سے اجتناب کریں۔ نمازیں پڑھیں۔ خیرات دیں روزے رکھیں۔ ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تعلیم کو ہم نے قبول کیا ہے"۔

بیعت عقبہ

آپ کے کچھ پیرو تھے۔ جن سے آپ نے ایک عہد لیا جو بیعت عقبہ کے نام سے مشہور ہے اس عہد کے متعلق یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ کسی ایسے دور دراز زمانہ کا ذکر نہیں۔ جب کوئی مؤرخ ان واقعات کو لکھنے والا نہ ہو۔ بلکہ یہ ساتویں صدی مسیحی کا ذکر ہے۔ جب واقعات کو تاریخی طور پر محفوظ رکھنے کا دستور پڑ چکا تھا۔ اب غور کرو۔ کہ اس بیعت میں کیا اقرار لیا ہے۔

"ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کرینگے ہم اپنے بچوں کو نہیں ماریں گے۔ ہم کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ ہم ہر ایک نیکی کی بات میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں گے۔ اور راحت میں اور تکلیف میں آپ کے وفادار رہیں گے"۔

یہ وہ اقرار ہے۔ جو آپ نے نو مریدوں سے لیا۔ اس اقرار کے الفاظ ہی بتلاتے ہیں کہ جس قوم کو آپ نے اُٹھایا وہ کس حالت میں تھی۔ اس کا اندازہ ان باتوں سے لگاؤ جن سے بچنے کا اُنھوں نے وعدہ کیا۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں انسانی قربانی کا رواج تھا (دختر کشی کی بلا سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی) عیاشی اور بدکاری زور پر تھی۔ یہ وہ بیعت تھی جو آپ نے لی۔ یہ وہ اقرار تھا جو آپ نے اپنے پیروؤں سے لیا۔ غور کرو۔ کہ آپ کی یہ اخلاقی تعلیم اس وقت کی بیماریوں کے لحاظ سے کیسی ضروری تھی۔

آنحضرت کی سخاوت

عورتوں کے متعلق جو اصلاح آپ نے کی میں اُس کا پھر ذکر کروں گی۔ ایسا ہی اس سوال پر کہ آپ نے دوسری قوموں اور دوسرے مذہبوں سے کیسا سلوک کیا بعد میں بحث کروں گی یہاں میں یہ دکھانا چاہتی ہوں۔ کہ کس قسم کی جاہل قوم کے اندر کیسی اعلے اخلاقی عمارت کی بنیاد

آپ نے رکھی۔ سخاوت پر جو آپ نے تعلیم دی اس کو لو۔ اور دیکھو کہ آپ نے سخاوت کی تعریف کیا کی ہے۔ کہا جائے گا سخاوت کی تعریف کیا ہے۔ خیرات کا دینا غربا کو روپیہ دینا مگر صرف یہی سخاوت نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر ایک نیکی کا کام سخاوت میں داخل ہے "تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا بھی سخاوت ہے۔ بنی نوع انسان کو کسی نیکی کی طرف ہدایت کرنا خیرات دینے کی طرح ہی ہے۔ کسی گم کردہ راہ کو صحیح راہ پر لگا دینا بھی سخاوت ہے۔ اندھے کی مدد کر دینا بھی سخاوت ہے۔ رستے میں سے پتھر، کانٹوں یا اور قسم کی رکاوٹوں کا دور کرنا بھی سخاوت ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا بھی سخاوت ہے" کیسی سادی مگر کیسی عملی آپ کی تعلیم ہے۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی آپ نے

فرائض انسانی

کی تعریف ہے۔ یعنی وہ فرائض جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ذمہ ہیں۔ اسی طرح دیکھو کہ آپ نے راست بازی کی کیسی اعلیٰ درجہ کی تعریف کی ہے۔

"راستبازی یہ نہیں کہ تم اپنے مونھ مشرق یا مغرب کو کرلو۔ مگر راستبازی اُسکی ہے جو اللہ پر۔ موت کے بعد زندگی پر۔ فرشتوں پر کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور جو اللہ کی محبت کے لیئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور اجنبیوں کو۔ اور اُنکو جو سوال کرتے ہیں۔ اور قیدیوں اور غلاموں کے چھڑانے کے لیئے اپنا مال دیتا ہے۔ جو نماز کو قایم کرتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ اور جو اپنے عہدوں کو جو وہ کر چکے ہیں پورا کرتے ہیں۔ اور جو مصایب کو وقت اور تکلیفوں کے وقت اور سختی کے موقعہ پر برداشت دکھاتے ہیں"

علم پر

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھے پڑھے نہ تھے اور اس لیئے دنیا جو علم کا مفہوم سمجھتی ہے اس لحاظ سے وہ عالم نہ تھے۔ آپ بار بار اپنے آپ کو نبی امی کہتے ہیں۔ اور آپ کے پیرو قرآن کو ایک ہمیشہ کے لیئے باقی رہنے والا معجزہ مانتے ہیں۔ جس سے آپ کا دعوے رسالت بھی سچا ثابت ہوتا ہے کیوں کہ یہ نہایت اعلیٰ زبان میں ہے۔ لیکن گو خود وہ امی تھے مگر حصول علم کو ان سب چیزوں پر مقدم کرتے ہیں جنکی تڑپ انسان کے دل میں ہونی چاہیئے آپ فرماتے ہیں

"علم حاصل کرو۔ کیونکہ جو شخص خدا کی راہ میں علم حاصل کرتا ہے وُہ راستبازی کا کام کرتا ہے جو شخص علم کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو علم کو تلاش کرتا ہے وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ جو اُس کی تعلیم دُوسروں کو دیتا ہے وہ خیرات کرتا ہے۔ علم کے حصُول سے صاحب علم اِس قابل ہوتا ہے۔ کہ وُہ اچھی چیزوں کا بُری چیزوں سے امتیاز کر سکے۔ علم اس راستے میں جو آسمانی راستہ ہے۔ روشنی کا کام دیتا ہے۔ یہ جنگل میں ہمارا دوست اور تنہائی میں ہمارا مونس ہے۔ اور اس حال میں جب سارے دوست ہم سے چھن جائیں۔ یہ ہمارا حقیقی دوست ہے۔ علم ہم کو حقیقی خوشی تک پُہنچاتا ہے۔ یہ مصیبت میں ہمارے لئے سہارے کا موجب ہوتا ہے۔ دوستوں کی صحبت میں یہ ہمارے لیئے آراستگی کا زیور ہے۔ اور دشمنوں کے مقابل پر یہ ہمیں ہتھیار کا کام دیتا ہے۔ علم سے بندہ نیکی کی اعلےٰ منزل تک پُہنچتا اور ایک اعلےٰ مقام کو حاصل کرتا ہے۔ علم سے انسان اس دُنیا میں بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور علم سے ہی آئندہ زندگی میں کمال راحت کو حاصل کرتا ہے۔"

پھر کیسی باریک نگاہ اس علم کی ہے جس کی خاطر بُہتوں نے اپنی جانوں کو قربان کیا۔ فرماتا ہے "عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔"

حضرت علیؓ نے علم کی ایک بڑے اعلےٰ درجہ کی تعریف کی ہے۔

"علم کا اصلی جوہر یہ ہے۔ کہ وہ دل کو روشن کرتا ہے۔ اس کا اصل مدعا صداقت ہے۔ الہام اس کے لیئے رہنما ہے۔ عقل اس کو قبوُل کرتی ہے۔ خدا اس کا الہام کرنے والا ہے۔ انسان کے لفظ اس کو ظاہر کرنے والے ہیں۔"

یہی بلند اور قابل قدر خیالات علم کے متعلق تھے جنھوں نے اہل مشرق کے فلسفہ کی بنیاد ڈالی۔ اور صدیوں کے علوم کا موجب ہوئے۔ جب اسلام کے خلاف یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ترقی نہیں کرتا۔ کہ اس کے پیرو علم کی قدر و قیمت کے اندازہ میں دُوسری قوموں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ تو ایسا حملہ کرنیوالوں کو یہ لازم ہے۔ کہ اگر تاریخ کی کچھ بھی عزت اور پرواہ اُن کے دلوں میں ہے۔ کہ مُسلمانوں کے اس جمود کے جو پچھلے زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ اصلی وجوہات کو مذہب کے سوائے کسی دُوسری جگہ تلاش کریں۔ کیونکہ یہ خود حضرت علیؓ تھے۔

جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ بُنیاد پر فقہ علم کی عمارت اٹھائی۔ جو ایک سو سال میں چپکے چپکے ترقی کرتے کرتے آخر ہسپانیہ کے موروں کے ذریعہ سے یورپ میں جلوہ نما ہوئی اور اُسی نے عیسائی ممالک میں علوم کی دوبارہ زندگی کا راہ کھولا۔

اسلام اور علوم طبعی

یہ اسلام ہی تھا جس نے عرب میں۔ مصر میں۔ بغداد اور قاہرہ کے کالجوں میں علوم کے اِس ورثہ کو لیا جس کو عیسائیت نے کفر اور زندیقیت کے نام سے رد کر کے اپنے آپ سے دُور پھینک دیا تھا۔ اور اسلام نے بھی اِس بیش بہا گوہر کی حفاظت کر کے اسے یورپ کو واپس دیا۔ کہ تا وہ اسے کام میں لائے۔ یہ علم کی قدر و قیمت ہی تھی۔ اور اِس قدر و قیمت کے پیدا کرنے والی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی تھی۔ جس نے آپ کے پیروؤں کے ایک حصّہ کو اگر عرب میں علم کی تلاش اور علم کے حاصل کرنے میں لگا دیا۔ تو دُوسرے حصّہ کو جو اسلامی فتوحات کے وسیع دائرہ کے پھیلنے سے مشرق و مغرب میں پھیلتا چلا گیا۔ دوسرے ممالک میں علم کی طرف متوجہ کر دیا۔ اگر مردان میدان جنگ ظاہری طاقت کو بڑھاتے گئے تو ساتھ ہی ساتھ طالبان علم اپنی ان تھک کوششوں سے فلسفہ اور علوم طبعی کے دائرہ کو وسیع کرتے گئے۔ اور فاتح کی تلوار کے ساتھ ساتھ علم کے مشعل کی روشنی بھی پہنچتی گئی انہی فاتحین کے نقش قدم میں ہی درحقیقت فلسفہ اور علوم نے ترقی کی۔ اوّل افریقہ کے شمال میں اسلامی افواج نے لڑ کر اپنا راستہ بنایا اور اپنا جھنڈا نصب کیا۔ پھر افریقہ سے وہ ہسپانیہ میں داخل ہوئے۔ جہاں اُنھوں نے اس عظیم الشان موروں کی سلطنت کی بُنیاد رکھی۔ دارالعلوم قائم ہوئے۔ اور یُورپ کے ہر حصّہ سے طالب علم جمع ہو گئے۔ کیونکہ عیسائی ممالک میں علوم طبعی سے لوگ ناآشنا ہو چکے تھے۔ علم ہیئت اور علم ریاضی مفقود ہو چکے تھے۔ اور علم کیمیا اپنی مصری قبر ہی سے ابھی باہر نہ نکلا تھا۔ ان تمام علوم کو مُسلمان لائے اور خود پوپ سلوسٹر ثانی اپنے ایام جوانی میں کارڈووا کے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتا رہا جہاں اس نے علم ہندسہ اور علم ریاضی کے اصول سیکھے جنکی وجہ سے بعد میں جاہل پادریوں کا غضب بھڑکا۔ میں نے کسی دُوسری جگہ اس مضمون میں ان علوم

کا ذکر جو مسلمان یورپ میں لائے بطور خلاصہ کیا ہے۔

"انھوں نے ریاضی کو ہندوؤں اور یونانیوں سے لیا۔ انھوں نے دوسرے درجہ کی مساوات کو دریافت کیا۔ پھر دو عدد کی پھیلاوٹ کے اصول کو انھوں نے علم مثلث میں میں جیب زاویہ اور جیب مستوی کو دریافت کیا۔ انھوں نے سب سے پہلے دوربین کو بنایا انھوں نے ستاروں کے متعلق تحقیقات کی۔ انھوں نے زمین کی جسامت کا اندازہ کیا۔ انھوں نے ایک نیا فن تعمیر قایم کیا۔ نیا علم موسیقی بنایا۔ انھوں نے زراعت کو علمی اصول پر سکھایا۔ اور انھوں نے دستکاری کو اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ پر پہنچایا۔"

مسلمانوں کا فن تعمیر

یہ سب چیزیں وہ صرف یورپ میں ہی نہیں لائے۔ بلکہ ہندوستان میں بھی مغلوں نے نئے فن تعمیر کو مروج کیا۔ جن کے متعلق یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ وہ دیووں کی طرح عمارت کو بناتے اور جوہریوں کی طرح اس کی تکمیل کرتے تھے۔

ہندوستان کی بعض فن عمارت کے عجائبات مسلمانوں کا ہی کام ہے۔ اور ہندوستان ان خزانوں پر فخر کرسکتا ہے۔ جو اس کے مسلمان فرزندوں نے اس کے سامنے لاڈالے ہیں۔ بلکہ ہندوؤں کی عمارات میں بھی ان کا اثر نظر آتا ہے۔ کیونکہ فن کسی خاص قوم یا مذہب کی قیود کے اندر نہیں جکڑا جا سکتا۔

مسیحی کلیسیا کی علوم سے نفرت

یہ بھی ایک عجیب قابل ذکر امر ہے کہ عیسائی مذہب کے علوم طبعی کی ترقی کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ یہ علوم نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے کے نیچے یورپ میں واپس آئے۔ اور اس لیئے اُن کو کفر کے قایم مقام سمجھا گیا۔ عام عیسائی مذہب کے پیروؤں کے نزدیک علوم طبعی عیسائی مذہب کی جڑھ کاٹنے والے سمجھے جاتے تھے۔ اور وہ اُن کو بڑے خوف اور نفرت کی نگہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن جو شخص اس بات پر غور کریگا کہ پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کے کیا کیا نام عیسائیوں نے رکھے وہ فوراً سمجھ لیگا۔ کہ جو چیز عیسائی ممالک میں اُس کے نام کے نیچے آتی۔ اس پر عیسائی مذہب کا وہی فتوےٰ ہوتا ضروری تھا

جو علوم طبعی کی ترقی پر ہوا یعنی ضروری تھا۔ کہ اس کا نام کفر اور زندیقیت رکھا جاتا۔ اسلام کی زندگی کے ان ابتدائی صدیوں میں علوم طبعی کی صداقتوں کا کام لینا اپنی جان یا مال یا آزادی کو خطرہ میں ڈالنے کے ہم معنی تھا مسلمانوں کا ظالمانہ طریق سے ہسپانیہ سے نکالا جانا آخر اس کشمکش کا خاتمہ کرنے والا ہوا۔ اور یہی ہسپانیہ کے مواقع ترقی سے گرنے کی وجہ ہوئی انہی ایام میں اسلام کے بعض مابعد الطبیعات کے کاملین اور فلسفہ کے نامور پہلوان پیدا ہوئے جو ... اپنی ... کہتے ہیں۔ انہوں نے اس فلسفہ کو جس سے یونان نے زندگی پائی تھی۔ اور جو ہندوؤں کا ویدانتی فلسفہ ہے از سرِ نو زندہ کیا۔ اور یورپ میں اُس کو ترقی دی اسلام کے بڑے بڑے فاضلین کی تحریروں میں وہی مابعد الطبیعات کے اعلےٰ اصول ملتے ہیں جن پر ویدانتی فلسفہ کو فخر ہے۔ اور آج ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے کی وجوہات میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے۔ اسلام اور ہندو مذہب ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ اور فلسفہ اور مابعد الطبیعات کی سطح مرتفع پر ایک دوسرے سے مصافحہ کر سکتے ہیں۔ جو دونوں میں امر مشترک ہے۔ اور مسلمان فاضل اور ہندو آچارج ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو سکتے ہیں۔

اسلام میں عورت

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کے متعلق کیا راہ اختیار کی۔ اسلام پر مغرب میں یہ ایک نہائت ہی عامیانہ اعتراض ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم کے رُو سے عورتوں کی رُوح ہی کوئی نہیں۔ یہ یقیناً جھوٹ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

"جو کوئی بدی کریگا وُہ اُس کی سزا پائے گا۔ اور وہ اللہ کے سوائے کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار پائے گا۔ لیکن جو کوئی نیک کام کرے گا۔ خواہ وُہ مرد ہو یا عورت۔ اور وُہ سچا مُومن ہے وُہ بہشت میں داخل کیئے جائیں گے۔ اور اُن پر ایک ذرہ بھی ظلم نہیں کیا جائیگا ...... مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ مومن مرد اور مومن عورتیں۔ فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں۔ صادق مرد اور صادق عورتیں۔ صابر مرد اور صابر عورتیں۔ عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی

عورتیں روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور عفت اختیار کرنے والے مرد اور عفت اختیار کرنے والی عورتیں اور اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنیوالی عورتیں۔ان کے لیئے خدا نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے .... مَیں تم میں کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم ایک دُوسرے میں سے ہو۔"

پس اسلام کی تعلیم کے رُو سے مرد اور عورت جہاں تک مذہب کا تعلق ہے ایک ہی طرح پر ہیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز رکھا ہے۔ یہ سچ ہے۔ مگر ایک منصفانہ نگہ ذیل کے دو امور کی طرف سے لاپروا نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے پہلا امر تاریخی ہے۔ وہ لوگ جن کے اُٹھانے کے لیئے اسلام کی تعلیم آئی تھی۔ تعلقات زناشوئی میں وُہ عام طور پر ایک ملی جُلی حالت میں تھے۔ عفت کی کوئی قدر اُن کے ہاں نہ تھی۔ اُنکو یہ حکم دینا کہ وُہ ایک ہی نکاح پر اکتفا کریں بے فائدہ تھا۔ اصلاح تدریجاً ہی ہو سکتی تھی۔ اس لیئے پیغمبر (صلّے اللہ علیہ وسلم) نے دور اندیشی سے کام لے کر پہلے ان تعلقات پر قیود لگائیں۔ اور حکم دیا کہ صرف چار عورتوں تک ایک شخص نکاح میں لا سکتا ہے پھر تدریجاً تعدد ازواج کو کم کرنے کے لیئے حکم دیا۔ کہ دُوسرا نکاح صرف اُس حالت میں ایک شخص کر سکتا ہے۔ اگر وہ دُوسری بیوی سے ہر طرح وہی سلوک اور معاملہ کرے جو پہلی بیوی سے کرتا ہے آپ کی تعلیم اسی مقصد کی طرف لے جا رہی ہے جو آپ کی مدنظر تھا۔ اور تعلیم یافتہ مسلمان کم از کم ہندوستان میں کیونکہ دُوسرے مُلکوں کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ تعدد ازدواج سے باہر نکل رہے ہیں۔

مغرب میں تعدد ازواج

دُوسرا امر قابل توجہ مرد اور عورت کا رشتہ ہے۔ جو آج تمام مہذب ممالک میں پایا جاتا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان حقیقی اور سچا تعلق بعض ممالک میں ایک بڑا نصب العین تو ضرور ہے۔ مگر اس پر عام طور پر عمل کسی مُلک میں بھی نہیں ہوتا۔ اسلام تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے۔ عیسائی لوگ اِس سے روکتے ہیں۔ مگر ان امور کو ہونے دیتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی جائز تعلق ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ نہ ہو۔ مغرب میں

ایک ہی عورت پر قناعت کرنے کا اصول صرف دکھاوا ہے۔ مگر درحقیقت ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھے جاتے ہیں۔ ہاں ان تعلقات سے ذمہ واری کوئی عائد نہیں ہوتی۔ اس محبوبہ کو (جو بیوی کے علاوہ رکھی جاتی ہے) اس وقت نکال دیا جاتا ہے جب ایک شخص اس سے سیر ہو جاتا ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ ایک بازاری عورت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پہلا تعلق پیدا کرنے والا اس کے آئندہ کے متعلق کوئی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا۔ اور اس کی حالت اس عورت اور ماں سے جو جائز طور پر دوسرے نکاح سے یہ حیثیت حاصل کرتی ہے سیکڑوں درجے بدتر ہوتی ہے۔ جب ہم ان ہزارہا بدقسمت مصیبت زدہ عورتوں کو دیکھتے ہیں جن سے رات کے وقت مغربی شہروں کے بازار بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو ہم یقیناً اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ اسلام کو تعدد ازواج پر ملامت کرنا مغربی لوگوں کو سزاوار نہیں۔ ایک عورت کے لیئے یہ حالت بہت بہتر ہے۔ اس کیلیئے یہ بہت زیادہ خوشی کا موجب ہے۔ اس کے لیئے بہت زیادہ عزت کا موجب ہے۔ کہ وہ تعدد ازواج کے قانون کے ماتحت ایک اسلامی گھر میں رہے۔ اور اس کا تعلق ایک ہی خاوند سے ہو۔ جائز اولاد اس کی گود میں ہو۔ اور ہر طرح سے ادب اور عزت کی نگاہ سے اسے دیکھا جاتا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی شخص اغوا کر کے اسے لے جائے پھر وہ بازار میں پھینکی جائے۔ اور شاید کوئی ناجائز بچہ بھی جسے قانون تسلیم نہیں کرتا اس کے پاس ہو۔ نہ اس کی کوئی حفاظت کرنے والا ہو نہ کوئی خبرگیری کرنے والا۔ اور ہر رات کسی نئے راہ گذرنے والے کی شہوات کا شکار رہے۔ آخر ماں بننے کے ناقابل ہو۔ اور سب لوگ ہی اس کو ذلیل سمجھیں۔ سوسائٹی کے لیئے یہ اچھا ہے۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق ایک بلند مقصد کے طور پر مدنظر رہے۔ کیونکہ کھلے طور پر اس کو درست تسلیم کرنا اور اندرونی شرم جو بازاری عورتوں کی پیشہ وری کے ساتھ لگی ہوئی ہے پاک کرنے والی طاقتیں ہیں۔ مگر عملاً یہ ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق نہیں کہلا سکتا کہ ایک عورت تو جائز طور پر رکھی جائے اور مخفی رنگ میں ناجائز طور پر جتنی عورتوں کے ساتھ انسان چاہے تعلق رکھے۔ مشرق کا جائز رنگ میں تعدد ازواج کی اجازت دینا

مغرب کی ناجائز تعدد ازدواج کی نسبت سوسائیٹی کے کانشنس کو زیادہ ذلیل کرتا ہے۔ بدی نفاق کا خراج نیکی کے سامنے ادا کرتی ہے۔ مگر عورت کی عزت اور خوشی کو مشرق کی تعدد ازدواج میں مغرب کی نسبت بہت کم نقصان پہنچتا ہے۔

اس کو چھوڑ کر مسلمان عورتوں کے ساتھ قانون اسلامی مغربی عورتوں کی نسبت بہت اچھا سلوک روا رکھتا ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ انگلستان کے قانون کی یہ حالت تھی کہ وہ بیاہی ہوئی عورت کی جائداد کو قرق کر لیتا تھا۔ گویا شادی بھی ایک بڑا بھاری جرم تھا۔ اس کی کمائی کا اُسے حقدار نہیں ٹھیراتا تھا۔ اور اس کے بچوں پر اس کے کسی حق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اسلامی قانون کی رُو سے اس کی جائداد بالکل محفوظ ہے۔ اور یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی ممالک میں مسلمان عورتوں نے بادشاہ اور مدبّر کی حیثیت میں ہمیشہ بڑے بڑے کار ہائے نمایاں کئے ہیں +

اخلاقی معجزات

جب انسان کے اندر اخلاقی بہادری پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ اُسے خداوند عالم پر بھروسہ کرنا سکھاتی ہے۔ اور اس پر اس کے یقین کو بڑھاتی ہے۔ تب انسان کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ خود کوئی ایسی چیز نہیں جو ساری کائینات پر حکومت کر سکے۔ بلکہ اس سے اُوپر کوئی اور طاقت ہے۔ اسے پتہ لگتا ہے کہ وہ تو بمشکل اپنے ہی جذبات پر قابو پا سکتا ہے۔ اور کہ وہ اپنے دل کی دھڑک کو بھی روک نہیں سکتا۔ اُس کو سمجھ آجاتی ہے۔ کہ جو کچھ وُہ اپنے حصُول مقصد کے لیئے کر سکتا ہے وہ صرف اسی قدر ہے۔ کہ جہاں تک اُس کی طاقت ہے سعی کرے اور بس۔ کامیابی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں کامیابی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کا تصرّف سارے عالم پر اور ان سب حالات پر ہے۔ جو انسان کے گرد وپیش ہیں۔ مگر اخلاقی بہادری کسی انسان کے اندر داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ پہلے اس کے اغراض پاکیزہ اس کی نیت صاف نہیں ہوتی۔ ابتدا میں جو مسلمانوں کو جنگ کرنے پڑے اُن میں ان کی نیت نہائیت نیک تھی۔ وُہ رُوح جو حضرت محمد مصطفےٰ

صلے اللہ علیہ وسلم میں اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ سب سے بڑھ کر پاکیزہ۔ سب سے اعلےٰ اور سب سے زیادہ عظیم الشان تھی۔ آپ کو اللہ تعالےٰ پر کامل بھروسہ تھا۔ اور آخری کامیابی کا قطعی اور کامل یقین تھا۔ ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے اکیلے سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ کا ایک دشمن آیا اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیئے ہوئے آپ کو ان الفاظ میں چیخ کر مخاطب کر کے جگایا۔ اے محمدؐ اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں۔ بلا خطر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ اللہ۔ جو ہر شئے پر قادر ہے وُہ مجھے بچا سکتا ہے۔ اسقدر جرأت اور حوصلہ۔ اللہ کی ذات پر ایسا کامل بھروسہ دیکھ کر دشمن خود کانپ اُٹھا۔ اور تلوار اُس کے ہاتھ سے نیچے گر گئی۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس تلوار کو اُٹھایا اور کہا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اب اس کے لیئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ آپ سے رحم کی درخواست کرتا۔ اور چونکہ آپ کا رحم بہت وسیع تھا۔ آپ نے فرمایا وہی اللہ تیرا بھی محافظ ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے اپنی کامل فرمانبرداری اور اپنی ذات پاک پر کامل توکّل اور نصرت الٰہی کے کامل یقین کا مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی (اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کی آواز آپ کے مُنہ سے کبھی نہ نکل سکتی تھی نہ نکلی۔ قرآن کا کوئی صفحہ نہیں جس میں اللہ تعالےٰ کا نام موجود نہو جب آپ سونے کے لیئے تشریف لے جاتے تو آپ کا آخری کلام اللہ کا نام ہی ہوتا تھا۔ اور سب سے پہلا لفظ جو اُٹھتے وقت آپ کے مُونھ سے نکلتا وُہ بھی اللہ کا ہی نام تھا۔ کھانا کھاتے وقت لُقمہ آپ کے مُونھ میں نہ جاتا تھا جب تک کہ پہلے رب العالمین سے برکات کی دُعاء نہ کر لیں۔ نہ ہی کبھی آپ سوار ہوتے تھے۔ نہ کوئی لباس پہنتے تھے۔ جب تک کہ پہلے اللہ کا نام نہ لے لیں۔ بجلی کی چمک میں۔ رعد کی گرج میں۔ سورج اور چاند کے دوروں میں۔ غرض ہر چیز میں اور ہر واقع میں آپ کو خدا کا ہاتھ کام کرتا ہؤا نظر آتا تھا۔ مصائب بھی بے انتہا دیکھےؐ کے اندر آپ کا خدا پر یقین کامل کبھی ایک لمحہ کے لیئے بھی جنبش میں نہیں آیا۔

جب صرف ایک رفیق کے ساتھ آپ نے ایک غار میں پناہ لی اور خون کے پیاسے دشمن

آپ کی تلاش میں عین موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور آپ کے ساتھی کو فکر ہوا۔ اور اُنھوں نے کہا کہ ہم صرف دو ہیں اور دشمن بُہت ہیں۔ تو آپ کے مُونھ سے جو لفظ نکلے وہ بتاتے ہیں کہ آپ کا خدا کی نصرتوں پر کیسا یقین کامل تھا۔ فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اُس کی مدد ہمارے لیئے کافی ہے۔

یہی خدا تعالےٰ پر یقین کامل اور اُس کی نصرت پر کامل بھروسہ تھا۔ جو اخلاقی بہادری نے آپ کے اندر پیدا کر دیا تھا جس نے آپ کو سب مشکلات پر غالب کر کے آپ کو کامل کامیابی عطا فرمائی۔ وہ کامیابی جو ایک یا دو دن کے لیئے نہیں۔ جو ایک قوم یا ایک مُلک کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیئے ساری قوموں پر اور سارے ملکوں میں یہ کامیابی آپ کو عطا فرمائی گئی۔ کوئی انسان دُنیا میں ہم کو نظر نہیں آتا جس کو ایسا کامل ایمان خدا کی ذات پر ہو۔ جس کو ایسا یقین اور اتنا بھروسہ اُس ذات پاک پر ہو۔ یہاں تک کہ یقین اب بطور ایک ضرب المثل کے ہو گیا ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں کا ذکر ہے۔ کہ ایک ملکی مُدبّر نے جس نے قوت فیصلہ سے کام لینے کی بجائے اپنے آپ کو فصاحت لفظی کے مطیع کر دیا۔ آج کل کے بادشاہوں میں سے ایک کا مقابلہ خدا پر توکل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے کیا۔ بلکہ بعض کارٹوں والوں نے تو اس سے بھی آگے گذر کر اللہ تعالےٰ اور اُس کے پاک نبی کے نام پر ہنسی اُڑائے مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ انسان ہی سمجھتے ہیں۔ اِس لیئے اگر کسی دوسرے آدمی کا آپ سے مقابلہ کیا جائے تو ہم اُسے کفر نہیں کہتے۔ البتہ یہ ہم جانتے ہیں کہ کامل سے کامل انسان جس کو نسل انسانی پیدا کر سکتی ہے۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم ہیں اور اللہ تعالےٰ بھی اُسی کو کامیابی عطا فرماتا ہے۔ جو اُس پر پُورا توکل کرتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم میں جو رُوح کام کر رہی تھی۔ اور جو کامیابی آپ کو ملی اُسکا نقشہ کارلائل نے الفاظ ذیل میں کھینچا ہے۔

"عرب قوم کے لیئے یہ تاریکی سے روشنی میں آنے کی نئی پیدائیش تھی۔ اسی سے عرب نے پہلے پہل زندگی حاصل کی۔ ایک غریب گڈریوں کی قوم جو ابتدائے آفرینش سے عرب کے جنگلوں میں پھرتی تھی۔ اور جن کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اُن میں ایک نیا پیغمبر بھیجا گیا جسکی

باتوں پر وہ ایمان رکھتے تھے۔ پھر دیکھو کس طرح پر وہ جنھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ ساری دنیا میں مشہور ہو جاتے ہیں۔ کس طرح ایک چھوٹی سی چیز سب دنیا میں بڑی ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد ایک ہی صدی کے اندر عرب اگر دنیا کی ایک طرف غرناطہ میں پہنچ جاتا ہے تو دوسری طرف دہلی میں پہنچا ہوا ہے۔ بہادری میں شان و شوکت میں اور ذہانت کی روشنی میں متواتر عرب ایک طویل زمانہ میں دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایمان بڑی چیز ہے۔ اس سے زندگی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ ایک قوم کی تاریخ جبھی کہ یہ ایمان لاتی ہے پُر ثمر پر شوکت اور روح پرور ہو جاتی ہے۔ ان عربوں کو دیکھو اس انسان (کامل) محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو) اور ایک صدی کے عرصہ پر غور کرو۔ کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گویا ایک چنگاری گر گئی ہے۔ صرف ایک چنگاری اسی عالم پہ جو صرف سیاہ ناقابل توجہ ریت معلوم ہوتا تھا۔ مگر دیکھو وہ ریت اُڑ جانے والا بارود ثابت ہوتی ہے۔ اور دہلی سے لیکر غرناطہ تک اُفق عالم کو روشن کر دیتی ہے؟"

"محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے معجزہ" میں میں نے اُس کو نقل کر کے لکھا تھا۔

"خود عرب میں یہ کامل تبدیلی ایک صدی کے بھی دسویں حصہ سے کم میں ظہور پذیر ہو گئی یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کسی خارق عادت طاقت نے ملک کے اندر ہر چیز کو ایک نئی زندگی دے دی ہے۔ کعبہ تو وہی تھا۔ مگر ان تین سو ساٹھ بتوں کو کیا ہو گیا۔ لوگ تو وہی تھے۔ مگر اُن کی سنگ دلی۔ کینہ پروری۔ ملک میں ابتری۔ عورتوں کی ذلت۔ حسد۔ بے آئینی۔ سود خوری۔ شراب خوری۔ دختر کشی۔ خونخوار جھگڑے۔ انسانی قربانی۔ توہمات کہاں چلے گئے؟ یہ سب چیزیں ہمیشہ کے لیئے رخصت ہو گئیں۔ اور وہ بت پرست جو ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہتے تھے وہ موحد بن گئے۔ ایسے موحد جو ایک ہی سلسلہ اخوت میں منسلک تھے۔ ایک ہی سردار اور ایک ہی حاکم کے ماتحت تھے۔ ایک ہی قانون کے پیرو تھے۔ جنکا مطمع نظر بلند سے بلند مقصد انسانی تھا۔ اور جو اعلےٰ سے اعلےٰ اخلاق کے واعظ تھے۔ جن کے اندر ترتیب دینے والے۔ ہر میدان کے پہلوان۔ ہر پہلو کے بہادر موجود تھے۔ جو اصول میں اور عمل میں یکساں۔ بڑے سے بڑے مہذب قوموں کے لیئے باعث زینت ہو سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں گو وہ شان و شوکت جو ایک صدی سے حاصل ہوئی تھی۔ کم ہوگئی ہے۔ اور اگر ایک طرف غرناطہ میں اس کا خاتمہ ایک ناشکر گذار قوم کے ہاتھ سے ہوا تو دوسری طرف دہلی میں بھی وہ اپنے آپ کو قائم نہ رکھ سکی۔ مگر وہ دس سال کی روشنی جو عرب کے اندر چمکی تھی وہ اب تک کروڑوں دلوں کو روشن کر رہی ہے۔ اور کرتی رہے گی جب تک کہ آسمان پر سورج چمکتا ہے کیونکہ اس کے اندر خود سورج سے زیادہ چمکدار ایک ایسا جوہر موجود ہے جس کو کوئی طاقت تباہ نہیں کرسکتی۔ اور جو انسانی ترقی اور تہذیب کی طرف لیجانیوالا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکی فتوحات گو دنیا میں زبردست سے زبردست فتوحات کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ مگر آپ کی اصل کامیابی آپ کی اخلاقی فتوحات تھیں اور ہیں۔ جن کے سامنے آپ کی ملکی فتوحات ہیچ ہیں۔ وہ اصول جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔ اور جس نے آپ کے اندر وہ روح پیدا کر دی جس نے تمام رکاوٹوں سے آپ کے راستہ کو صاف کر دیا۔ وہ یہ اصول تھا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔ یعنی ہماری طرف سے پوری کوشش ہونی چاہیئے۔ اس کوشش کو کامیاب کرنا یہ اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں دی۔ کہ اگر کوئی تمہاری دائیں گال پر تھپڑ لگائے تو بایاں بھی آگے کر دو۔ کہ وہ ایک اور تھپڑ لگالے۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ کامل ضبط کے ماتحت انسان کو اپنے وہ تمام قوےٰ استعمال کرنے چاہئیں۔ جو کہ ایک حکیم خدا نے اسے عطا فرمائے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ کہ ان قوےٰ کو کام میں لگانے کے بعد پورا اعتماد صرف اللہ کی ذات پر ہو۔ وہ اللہ تعالےٰ سے ایسی عاجزی سے دعا کرتے تھے کہ گویا وہ خود بالکل عاجز ہیں۔ اور سوائے اللہ تعالےٰ کی مدد کے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں کرسکتے۔ لیکن کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے آپ اس قدر کوشش اور محنت کرتے۔ کہ گویا آپ اپنی سعی سے ہر ایک مقصد کو حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ میں اگر ایک طرف اللہ تعالےٰ کے حضور پوری عاجزی کا اظہار پایا جاتا تھا۔ تو دوسری طرف انسانی سعی پر بھی آپ کو اعتماد تھا۔

نپولین نے صرف اپنی سعی سے فتوحات حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ بیس سال تک اس مقصد میں کامیاب بھی ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ اُس کو اپنی کوششوں پر حد سے زیادہ بھروسہ تھا اور اسی بات نے اُس کے اندر تکبر پیدا کر دیا۔ اس لیئے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گر گیا۔

جن خیالات سے وہ مصر میں متاثر ہوا تھا وہ اُس وقت باقی نہ رہے تھے۔ جب وہ فرانس میں واپس آیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اپنی قوت پر بھروسہ کیا اور تباہ ہو گیا۔ اُس نے لفظ "ناممکن" کو اپنی لغت سے نکال دیا۔ مگر ایک معمولی معاملہ جس کے ہو جانے کا اُس کو یقین کامل تھا۔ ناممکن ہو گیا۔ اگر گروکی بلوچر کو روکنے میں ناکامیاب نہ ہوتا تو نپولین واٹرلو کے جنگ کو ہارنے سے بچ جاتا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا منشا تھا کہ اس کے کبر اور انسانی کوشش پر ہی پورا بھروسہ کرنے کی اسے سزا دے۔ اور اس لیئے وہ اسباب پیدا ہو گئے۔ جو اس کی تباہی کا موجب ہوئے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا قدم کامیابی کے میدان میں ہمیشہ آگے ہی آگے پڑتا رہا۔ مگر اپنے مالک حقیقی کے حضور وہ ہمیشہ عاجز ہی تھے۔ اور کسی کامیابی پر اُن کو اپنی کوشش پر فخر نہیں ہوا۔ جو لڑائیاں آپ کو لڑنی پڑیں اُن میں ایسا سخت مقابلہ تھا۔ کہ کوئی دوسرا شخص اس قدر طاقت کے بالمقابل جنگ کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کے دشمنوں کی تعداد آپ کے ساتھیوں سے ہمیشہ نہ صرف تعداد میں ہی بہت بڑھ کر ہوتی تھی۔ بلکہ وہ ہر طرح سے مسلح بھی بہت بڑھ کر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے خلاف توہمات وحشیانہ پن۔ شرابخوری بے ایمانی کی فوجیں بھی کام کر رہی تھیں۔ مگر آپ ان سب پر غالب آئے۔ آپ کی اخلاقی بہادری ہر چیز کو مسخر کیئے چلی جا رہی تھی۔ آپ کی لڑائیاں نہ صرف آپ کے دشمنوں کی ہی حقیقی بھلائی کے لیئے تھیں۔ بلکہ ساری نسل انسان کی بہتری کے لیئے تھیں۔ اور آپ کی فتح درحقیقت حق کی فتح باطل پر تھی .... آپ کی ان جنگوں سے نسل انسانی کو بہت سے سبق بھی ملتے ہیں ان میں کسی قوم کی بیخکنی مدنظر نہ تھی۔ بلکہ ایک مجرم قوم کے سخت سے سخت جرائم کو بھی غلبہ اور فتح کے بعد فراخدلی سے معاف کر دیا جاتا تھا۔ بشرطیکہ وہ سچے دل سے تائب ہوں۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتی ہیں۔

وہ یہودی عورت جس نے خیبر میں آپ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی اُس کو معاف کر دیا گیا۔ ابوجہل سے بڑھ کر کوئی آپ کا دشمن نہ تھا۔ مگر اس کے بیٹے عکرمہ کے ساتھ آپنے کیسا سلوک کیا۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی جن کے بطن میں بچہ تھا مکہ سے بھاگیں۔ تو ایک ظالم نے نیزے کی انی سے اُن کو مارا وہ فوت ہو گئیں۔ فتح مکہ کے بعد اس قاتل نے کچھ مدت تک اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ مگر آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ کس قدر ظالمانہ اور وحشیانہ اُس کا جرم تھا۔ جو کسی صورت میں قابل درگذر نہ تھا۔ مگر جب اُس نے صدق دل سے آپ کے سامنے توبہ کی۔ تو آپنے اُسے کھلے دل سے معافی عطا فرمائی۔

جو ہدایات آپ نے اپنی ان افواج کو دیں جو رومی سلطنت کے خلاف جا رہی تھیں ان کے الفاظ بھی قابل غور ہیں "جو دُکھ ہمیں پہنچائے جائیں اُن کی سزا دہی میں کسی بے ضرر شخص کو دُکھ نہ دیا جائے۔ عورتوں، بچوں اور بیماروں کو بھی ہر قسم کے ضرر سے بچایا جائے جو لوگ مقابلہ نہیں کرتے اُن کے مکانات کو نہ گرایا جائے۔ نہ اُن کے معاش کے ذرائع کو تباہ کیا جائے نہ اُن کے ثمردار درخت کاٹے جائیں۔ نہ ہی کھجور کے درخت کو کوئی نقصان پہنچایا جائے"

یہی جوانمردی کی روح آپ کے جانشینوں میں بھی کام کرتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایات اپنے جرنیل کے نام حسب ذیل تھیں۔

"اپنے لوگوں پر ظلم نہ کرو۔ نہ اُن کو کسی قسم کا دُکھ پہنچاؤ۔ بلکہ ہر قسم کے معاملات میں اُن کا مشورہ لو۔ اور خبردار رہو کہ وہ کام کرو جو انصاف اور حق کا مقتضا ہو۔ کیونکہ جو لوگ حق اور انصاف کے خلاف کرتے ہیں۔ وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ جب تمہارا مقابلہ اپنے دشمنوں سے ہو تو جوانمردوں کی طرح کام کرو۔ اور کبھی اپنی پیٹھ نہ پھیرو۔ اور جب تم کو فتح ہو تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارو۔ کوئی کھجور کا درخت ضائع نہ کرو۔ نہ چار پاؤں کو

کوئی نقصان پہنچاؤ۔ صرف اسی قدر ذبح کرو جن کی ضرورت خوراک کے لیئے ہو۔ جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اُس پر قائم رہو اور اس کا ایفا کر کے دکھاؤ۔ جب تم بڑھو گے۔ تو تم کچھ ایسے لوگوں کو بھی پاؤ گے جو اپنے خانقاہوں میں دنیا سے انقطاع کیئے ہوئے بیٹھے ہونگے۔ اور جنھوں نے خدا کی عبادت کا یہی طریقہ سمجھا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو کچھ نہ کہو نہ اُن کو یا اُن کی خانقاہوں کو کچھ نقصان پہنچاؤ"

دُنیا کی اخلاقی حالت اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ ایک اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پیدا ہو۔ مگر اس کمال کا انسان دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہاں افراد اور قومیں اُسکے خیالات میں رنگین ہو کر اور بہل کر اس مقصد کو پہنچ سکتی ہیں جس پر وہ تنہا پہنچا۔ مُبارک ہوگی وُہ قوم جو اُسی کے رنگ میں رنگین ہو۔ کیونکہ وہی قوم خدا کی وہ برگزیدہ قوم ہوگی جو اپنے مالک حقیقی سے سچا تعلق پیدا کر سکے گی اور دُنیا کی رہنمائی کا ذریعہ اور دُنیا کے لیئے برکت ہوگی۔ ہاں اس رنگ میں رنگین ہونا آسان نہیں۔ تمام سفلی ارادے نیست ڈالے جائیں۔ اپنے آپ کو دُنیا میں بڑھانے کی خواہش نہ ہو۔ بلکہ مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی کوشش ہو +

(قدوائی)

عورت کی حمایت میں اسلامی تعلیم

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا

اے لوگو تقویٰ اختیار کرو اپنے پروردگار کا جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُسکے جوڑے کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں بہت سے مردوں

ونساء واتقوا اللّٰہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللّٰہ کان علیکم رقیبا۔ (النساء)	اور عورتوں کو پھیلایا۔ اور پاس کرو اللّٰہ کا جسکے نام سے ایک دُوسرے سے مانگتے ہو۔ اور رحموں کا ضرور اللّٰہ تم پر نگہبان ہے ✣

(حدیث)

الجنۃ تحت اقدام الامھات۔ | جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے۔

قرآن کریم میں کتنی عورتوں کا ذکر ہے۔ جو اللّٰہ تعالےٰ سے شرف مکالمہ و مخاطبہ پاتی تھیں۔ اس بیان سے کلام پاک کی غرض یہ سمجھانا ہے۔ کہ عورت بھی اس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام کو حاصل کرسکتی ہے۔ جسے مرد حاصل کرسکتا ہے۔ اور کوئی نعمت نہیں جس سے عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے محروم رکھا جائے۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کی تعلیم کو دیکھو کہ کس طرح نہ صرف عورت کو ان اعلےٰ نعمتوں کے پانے سے ہی محروم رکھا ہے۔ بلکہ اُس کی ایک نہائیت ذلیل حالت بیان کی ہے۔ اور اِسی کو دُنیا میں گناہ لانے کا مُوجب ٹھیرایا ہے۔

بائبل کی عبارتیں اس عیسائی عقیدہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں کہ پہلا گناہ زمین پر عورت نے کیا۔ اور اُسی نے مرد کو ملوّث کیا۔ اور وُہ ایسا خطرناک گناہ تھا۔ کہ نسل انسانی کے ہزاروں سالوں کے اخلاقی ترقی کے جدوجہد اس کو اس قعر ذلت سے باہر نہیں نکال سکی جس میں عورت نے اسے گرادیا۔ اور خواہ کتنی بھی توبہ کی جائے یہ گناہ اب معاف نہیں ہوسکتا۔ اور کتنا بھی خدا کے آگے عاجزی کی جائے اور گڑگڑایا جائے۔ اور آسمان تک اپنی آہ وزاری کو پہنچایا جائے۔ مگر خدا کا رحم باوجود بے پایان ہونے کے انسان کو اس گناہ سے نہیں چھڑا سکتا۔ جو ایک عورت نے اُس کے سارے فرزندوں کے سر پر ڈال دیا۔

ہاں یہ گناہ ایسا خطرناک تھا۔ کہ ساری نسل انسانی اپنی ساری کوششوں سے اگر اِس گناہ سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکی تو خود خدا کو ایک بھاری قربانی کرنی پڑی اور وُہ غصہ جو عورت کے اس گناہ کی وجہ سے کسی طرح فرو نہیں ہوتا تھا۔ اس کو فرو کرنیکے

لیئے ایک سزا بھی تجویز کرنی پڑی۔ یعنی خدا کو اپنا بیٹا۔ ہاں اکلوتا بیٹا دُنیا میں بھیجنا پڑا۔ تو اُس کی آمد میں بھی عورت حصّہ دار بن گئی۔ اور وُہ عورت کے پیٹ سے ہی پیدا ہُوا۔ اور اس اکلوتے بیٹے کو محض اپنا غصّہ فرو کرنے کے لیئے قربان کرنا پڑا۔ اور ایسا ہوا۔ کہ چونکہ ایک عورت نے آدم سے گناہ کرایا۔ اس لیئے محبّت کرنے والے آسمانی باپ کو اپنا بیٹا یہودیوں کے سپرد کرنا پڑا۔ کہ تا اُن کے ہاتھوں وہ ذلیل کیا جائے۔ اور صلیب پر چڑھایا جائے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جو عیسائی عقیدہ کی رو سے عورت کو ملتا ہے۔ کہ اس بدقسمت مخلوق کے گناہ نے نہ صرف مردوں کو ہی ناپاک کیا۔ اور گناہ میں ملوّث کر کے ہمیشہ کے لیئے گنہگار ٹھیرایا۔ بلکہ ایک اور پاک اور مقدّس ہستی کو بھی اِس کی خاطر قربان ہونا پڑا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کے عقیدہ کی بیخکنی سے صرف حضرت مسیح کی تطہیر ہی نہیں کی۔ بلکہ دراصل کل نسل انسانی کی تطہیر کی ہے۔ اور عورت کو اس الزام سے پاک کیا ہے۔ جو عیسائی عقیدہ کی رُو سے اُس پر لگتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ تعلیم دی ہے۔ کہ عورت مرد کو گناہ سے بچانیوالی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ یہ عورتیں تمہارے لیئے لباس ہیں۔ یہ ایک نہایت عجیب استعارہ ہے۔ گویا عورتیں مردوں کی کمزوریوں کو اسی طرح ڈھانپتی ہیں جس طرح پوشاک انسان کے جسم کے ننگاپن کو بچاتی اور اُس کے عیبوں کو چھپاتی ہے۔ انھیں فتنوں میں پڑنے سے بچاتی ہیں۔ اور بعض وقت ایک ایسے انسان کو جس کی حالت اخلاقی کمزوریوں سے وحشیانہ پن تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اخلاقی پستی سے نکال کر انسانیت کے شرف تک پُہنچاتی ہیں۔ گویا عورت مرد کیلیئے ایک زرہ ہے۔ جو اس کو گناہ کے حملے سے محفوظ کرتی ہے۔ وُہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جو شیطان کے حملوں سے اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور وہ نیکی اور عفت کا ایک روشن منارہ ہے۔ جو مرد کو تباہی سے بچاتا ہے۔ ایک نیک عورت ایک مرد کا سب سے قیمتی خزانہ ہے یہ وہ الفاظ ہیں جو نسل انسانی کے سب سے بڑے بہی خواہ کے مُونھ سے نکلے ہیں۔ کیا عجیب مقابلہ ہے۔ عیسائی مذہب کی رُو سے عورت نہ صرف خود گنہگار بلکہ مرد کو بھی گناہ میں ملوّث کرنیکا ذریعہ ہے۔ اسلام کی تعلیم کی رُو سے عورت مرد کو گناہ سے بچاتی ہے +

اسلام کی مقدس کتاب جو دُنیا کی تمام مقدس کتابوں کے پیچھے آئی اور جس نے تمام امور کو تکمیل تک پہنچایا۔ اس میں ایک خاص سورت عورتوں کے حقوق کے متعلق ہے۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم نہ صرف اخلاقی اور رُوحانی رنگ میں ہی عورت کے حقوق کو قایم کرتی ہے۔ بلکہ اُس کے دُنیوی حقوق کی بھی محافظ ہے للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه اوکثر نصیبا مفروضا۔ (النساء) مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں۔ جو ماں باپ اور قریبی چھوڑ مریں اور عورتوں کے لئے حصّہ ہے اس میں جو ماں باپ اور قریبی چھوڑ دیں۔ تھوڑا ہو یا بہت حصہ مقرّر ہے۔ اسی پر زور دینے کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی۔ کہ عورتوں کے حقوق محفوظ ہیں اور اُن کے حقوق پر کسی قسم کی دست اندازی نہ ہو۔ پھر آپ نے بارہا یہ نصیحت فرمائی۔ کہ عورت کے ساتھ بہترین محبّت اور نرمی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ آپ کے وہ الفاظ ہر ایک مسلمان کے وردِ زبان ہیں۔ جن میں آپ نے عورت کے ساتھ سلوک کو انسان کی فضیلت کا معیار قرار دیا۔ خیرکم خیرکم لاھلہ۔ پھر آپ کا وہ پیارا وعظ جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر گویا آپ نے بطور وصیّت کیا۔ وہ کس کو معلوم نہیں۔ جب آپ نے فرمایا۔ کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اور عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ مردوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنی بی بیوں سے محبت اور نرمی سے پیش آئیں۔ کیونکہ اُنھوں نے اُن کو خدا کے عہد پر لیا ہے۔

پھر کیا یہ پاک الفاظ ہر ایک مسلمان کے کان میں نہیں گونجتے کہ الجنۃ تحت اقدام الامھات۔ جنّت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے۔ اور پھر یہ لفظ کہ افسوس ہے اُس نوجوان پر جو اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرکے جنت حاصل نہیں کرتا۔ ان الفاظ نے مسلمان ماؤں کو بڑا مرتبہ دیا ہے۔ اور ان کے بیٹے اُن کی پُوری عزّت کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر عورت کو کیا وقعت دی جا سکتی تھی۔ کہ جنّت جو انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ اسے ماؤں کی خدمت کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ اور اس سے بڑھ کر عورت کی ذلّت کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ کہ جس کو خدا نے اپنی شکل پر گویا نیک اور پاک

بنایا تھا۔ اُس کو بگاڑنے والے اور تباہ کرنے والی عورت ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو عورت کی عزّت کرنے کی تعلیم دی۔ مگر مسیحی عقاید کی رُو سے عورت کے لیۓ یہ مقرّر کر دیا گیا ہے کہ "اپنے خصم کے لیۓ تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" اور پھر یہ کہ مرد عورت کے لیۓ پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ عورت مرد کے لیۓ پیدا کی گئی ہے۔ پولوس میں سب سے بڑھ کر مسیحیت کی رُوح نے اپنا اثر کیا۔ اور اُس کی تعلیم عورت کے بارے میں یہ ہے کہ "چاہیئے کہ عورت چُپ چاپ کمال فرمانبرداری سے سیکھے اور میں پروانگی نہیں دیتا۔ کہ عورت سکھلاوے یا آپ شوہر پر حاکم بن بیٹھے بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے" المطاؤس ۲ : ۱۲ - بڑے بڑے روشن خیال پادریوں نے بھی اپنی عقائد میں اس قسم کی باتوں کو رواج دیا ہے۔ جیسے کہ کرانک کے پادری صاحب نے مثلاً

ا۔ مرد کو از روئے پیدائش حق فوقیت حاصل ہے۔ پہلے آدم بنایا گیا پیچھے حوّا۔

ب۔ طرز پیدائش۔ مرد عورت سے نہیں۔ بلکہ عورت سے مرد ہے۔

ج۔ غرض پیدائش۔ مرد عورت کے لیۓ نہیں بنایا گیا۔ بلکہ عورت مرد کے لیۓ۔

د۔ پیدائش میں نتیجہ۔ مرد خدا کے جلال کے لیۓ نمونہ ہے۔ مگر عورت مرد کے جلال کے لیۓ ہے۔

ھ۔ گناہ میں تقدیم۔ آدم نے دھوکا نہیں کھایا۔ بلکہ عورت دھوکا کھا کر پہلے گناہگار ہوئی۔

و۔ نکاح کا تعلق۔ جس طرح کلیسیا مسیح کے ماتحت ہے۔ اُسی طرح عورتیں اپنے خاوندوں کے ماتحت ہیں۔

ز۔ مرد اور عورت کا افسر ہونا۔ ہر ایک مرد کا افسر مسیح ہے۔ مگر عورت کا افسر مرد ہے کیا یہ سچ نہیں کہ اس تمام تعلیم میں جو مسیح کی طرف منسُوب کی جاتی ہے۔ حالانکہ مسیح کی تعلیم ایسی نہیں ہو سکتی۔ عورت کو ذلیل رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ہر ایک قسم کے نقص اور گناہ کا اسے مورد قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں سے ایک یہ بھی کام تھا۔ کہ آپ نے مسیح کی تطہیر کی۔ یعنی اُن کے

نام کو ان تمام غلط تعلیموں سے پاک کیا جو اُن کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ عورت کی حیثیت کے متعلق بھی جس قدر غلط تعلیم حضرت مسیح کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ اُسکو آپ نے غلط ٹھیرا کر اس کی حیثیت کو بلند کیا۔ اور آپ نے تمام تمدنی اور رُوحانی امور میں عورت کو مرد کی طرح حقوق عطا فرمائے۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ

جو کوئی بھی نیک کام کرے۔ اور وہ مومن ہو۔ مرد ہو یا عورت۔ جنت میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا۔ کہ

مرد جو کامل فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں۔ اور عورتیں جو کامل فرمانبرداری اختیار کرتی ہیں۔ مرد جو ایمان لاتے ہیں۔ اور عورتیں جو ایمان لاتی ہیں۔ مرد جو اطاعت کریں اور عورتیں جو اطاعت کریں۔ مرد جو سچائی پر قایم ہوں اور عورتیں جو سچائی پر قایم ہوں۔ مرد جو صبر کریں۔ اور عورتیں جو صبر کریں۔ مرد جو عاجزی اختیار کریں اور عورتیں جو عاجزی اختیار کریں۔ مرد جو خیرات کرنے والے ہوں اور عورتیں جو خیرات کرنے والی ہوں۔ مرد جو روزے رکھیں۔ اور عورتیں جو روزے رکھیں مرد جو پاک دامن ہوں۔ اور عورتیں جو پاک دامن ہوں۔ مرد جو اللہ کا ذکر بہت کریں۔ اور عورتیں جو اللہ کا ذکر بہت کریں۔ ان سب کے لیئے اللہ تعالےٰ نے حفاظت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

یورپ میں دہریت

اتوار کے دن ۲۰ ستمبر کو ووکنگ کی مسجد میں اس مضمون پر تقریر تھی۔ کہ یورپ میں لامذہبی کس قدر ترقی کر رہی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا۔ کہ یورپ میں دہریت کی ترقی کی زیادہ تر ذمہ داری مسیحی پادریوں پر عائد ہوتی ہے۔ جنھوں نے اس مذہب کو ایک معمّا اور بھول بھلیاں بنا دیا ہے۔ بچپن سے ہر ایک یوروپین کے کان

میں یہ صدا پڑتی رہتی ہے۔ کہ عیسائی مذہب ہی ایک مہذب مذہب ہے۔ اور کچھ ورثہ میں خیالات کو لیتے ہوئے۔ کچھ گھر کے اثر کے نیچے یورپ میں بچے عیسائی مذہب کے خیالات میں نشوونما پاتے ہیں۔ مگر جب وہ بڑے ہوتے ہیں۔ اور غور و فکر کرنے کی عادت اُن میں پیدا ہوتی ہے۔ تو اُن کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مذہب جس کو سب سے بہتر کہا جاتا تھا وہ کسی طرح پر عقل کے مطالبات کو پورا نہیں کرتا۔ اور اس طرح پر خود مذہب پر ہی اُن کا اعتقاد باقی نہیں رہتا۔ اور پھر یا تو وہ مطلق دہریہ ہو جاتے ہیں۔ اور یا لاادریہ خیالات کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیح کی سیدھی سادی تعلیم میں اس قدر تحریف کی گئی ہے۔ کہ اصل تعلیم کو اب کوئی شناخت بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی اپنی ذات پر ایک تاریکی کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور سینٹ پولوس نے انسان مسیح کو خدا مسیح بنا کر عیسائیت کو ایک بالکل نئی راہ پر ڈال دیا۔ اس تناسخ کے چکر نے مسیح کی عزت کو بڑھانے کی جگہ اس کو بہت گرا دیا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس مذہب کی وہ کشش جو مسیح کے نام سے وابستہ تھی تمام سمجھدار لوگوں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جو مذہب کو محض تقلید آبائی کے طور پر اندھوں کی طرح نہیں لینا چاہتے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ اناجیل اور دیگر مسیحی کتب مقدسہ میں انسان مسیح کی تصویر بھی ایسے رنگ میں کھینچی گئی ہے۔ جو اپنے اندر حقیقی کشش کا سامان نہیں رکھتی۔ بلکہ بعض اُن لوگوں کے حالات کے برابر بھی پُرمعنے اور باوقعت نہیں جو مسیح سے پہلے اس زمانہ میں گذر چکے ہیں۔ جس کو کفر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم اناجیل کو ہی مکمل اور بالکل صحیح تاریخ مسیح کے حالات کی مان لیں۔ تو بدھ اور اپکٹیٹس کے اخلاق مسیح کے اخلاق سے بڑھ کر نظر آتے ہیں۔ اور سقراط کے استقلال کو جو اس نے موت کے وقت دکھایا۔ مسیح کا استقلال نہیں پاتا۔ علاوہ ازیں مسیح کی بہت سی کمزوریوں کا بھی ان کتابوں میں ذکر پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ واقعہ کہ ایک دفعہ آپ کو بھوک لگی۔ تو آپ ایک انجیر کے درخت کی طرف دوڑے گئے مگر چونکہ وہ پھل کا موسم نہیں تھا۔ اور آپ کو وہاں سے کچھ نہ ملا۔ اس لئے آپ نے درخت پر ہی لعنت کرنی شروع کر دی۔ اب درخت پر لعنت کرنا۔ حالانکہ وہ قانون قدرت کی رُو سے

اپنے وقت پر ہی پھل دے سکتا تھا۔ یہ کس قسم کا فعل ہے۔ اسی طرح جب آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پولیس آپ کی تلاش میں ہے۔ تو آپ اسی قسم کے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بتائے گئے ہیں۔ جیسے کوئی معمولی انسان ان حالات کے ماتحت کرتا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے التجا کی۔ کہ وہ رات جاگتے رہیں۔ مگر جب وہ سو گئے۔ تو پھر آپ نے اسی قسم کے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ آپ کی وہ آخری پکار۔ ایلی ایلی لما سبقتانی ایک انسان کی ہی پکار تھی۔ جس کو اس قسم کی مصیبت پیش آئے۔ غرض جب اس کو خدا بنایا جائے گا۔ تو وہ ایسا کمزور اور بیچارہ سا خدا نظر آئے گا۔ کہ کسی پاک دل سمجھدار آدمی کی طبیعت اس کی عبادت کے لیئے مائل نہیں ہو سکتی۔ تین میں ایک اور ایک میں تین کا عقیدہ ایسا لاینحل ہے اور ایسا غیر معقول مسئلہ ہے۔ کہ اس عقلی و ذہنی ترقی کے زمانہ میں جب ہر چیز کی وجوہات دریافت کی جاتی ہیں۔ اور اُس کو عقل کے پیمانہ پر چڑھانے کے بعد قبول کیا جاتا ہے۔ اگر لوگ تثلیث کے مسئلہ کو قبول نہ کر سکیں تو وہ قابل الزام نہیں ہیں اگر نیا عہد نامہ واقعی خدا کی کتاب ہے۔ تو پھر اُس کے اپنے بیان کے مطابق مسیح نے وہ کمزوریاں دکھائیں۔ جو دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیئے اُس کو انسان سے بڑھ کر کیونکر مانا جا سکتا ہے۔ اور پھر ضرورت کیا ہے۔ کہ ہم انسان سے بڑھ کر اسے کچھ مانیں۔ کیوں خدا کی کامل توحید کو جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی سمجھدار آدمیوں کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ کیوں مسیح کو اس کی اصلی جگہ پر نہ رکھا جائے۔ کہ وہ ایک انسان تھا۔ جسے ایک محبت کرنے والے خدا نے مخلوق کی ہدایت کے لیئے بھیجا۔ کیوں اُس کو ویسا ہی نہ مانا جائے جیسا مسلمان مانتے ہیں۔ کہ وہ اولوالعزم انبیاء میں سے جیسے ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک تھا۔ کیوں خدا کو ایک ہی نہ مانا جائے۔ جس طرح مسلمان مانتے ہیں۔ صرف انہی چند معقول باتوں کو تسلیم کر کے عیسائی اور مسلمان ایک ہو کر دہریت اور لا ادریت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دُنیا ایک سادہ مذہب چاہتی ہے۔ ایسا مذہب جو عقل اور نور قلب دونوں کے لیئے باعث اطمینان ہو سکے۔ اور صرف اگر مسیحی پادری صاحبان تھوڑا سا قدم مذہب میں معقولیت کی طرف اٹھائیں اور کچھ توہمات کو کم کر دیں تو اس زمانہ کے مطالبات بھی پورے

ہو سکتے ہیں۔ اب یہ پادری صاحبان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ چاہیں تو اپنے پچھلے خیالات پر جمے رہ کر دہریت کی ترقی میں معاون بنے رہیں۔ اور چاہیں تو مسلمانوں کے سیدھے سادے اصول کو قبول کر کے دہریت کے امر کو روکنے کی کوشش میں لگ جائیں

ایک چٹھی

مروّجہ عیسائیت سے بیزاری کا اظہار

{از سی۔ ایچ۔ بیٹس۔ ایل ایل ڈی۔ پی ایچ بی۔ ایف ایس پی۔ بنام مولوی صدر الدین صاحب}

میرے پیارے دوست! میں نہایت اخلاص سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ ہر ماہ مجھے اسلامک ریویو کی کاپیاں بھیجتے ہیں۔ بہت سے مضامین کو جو اس میں ہوتے ہیں۔ پڑھنے سے انسان کو واقعی بہت کچھ تعلیم۔ حقیقی رُوحانی تعلیم ملتی ہے۔ اور بغور ان کو پڑھنے سے میں نے اس سے بہت سے اخلاقی سبق حاصل کئے ہیں۔ آپ کی نامہ نگار ایمن نے بالکل سچ لکھا ہے کہ "ناصرہ کے نبی کی تعلیمات اس قدر محرّف و مبدّل ہو چکی ہیں۔ اور اس قدر مسیح کی اصل منشاء سے اب اُن کا بُعد ہو گیا ہے۔ کہ اب ان کو اس کی تعلیمات کہہ ہی نہیں سکتے"۔

ہم کو اپنے گرجاؤں میں مسیح کی سیدھی سادی تعلیم ہرگز نہیں مل سکتی۔ فلسطین سے مغرب کی طرف جو سفر عیسائیت کو کرنا پڑا۔ اِس سفر میں یونان سے گذرتے ہوئے مسیحیت نے اپنی اصل عبرانی خوبصورتی اور سادگی کو کھو دیا اور کچھ اور کا اور بن کر یہ سر تک پہنچی ہے۔ یہی بڑے دُکھ کی بات ہے۔ کہ وہ مذہب

جسے آج کلیسیا پیش کرتی ہے اُس پر یُونانی فلسفہ اور مصری تھیوصوفی کا رنگ اِس قدر چڑھا ہے۔ کہ اصل حقیقت کو بالکل چھپا دیا ہے۔ اگسٹائن اور کلیمنٹ نے بجائے اس کے کہ مسیح کے اقوال کو صفائی سے الگ کرتے۔ اُن پر بہت سے اور اپنی طرف سے بڑھائے ہوئے عارضی ضمیموں کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور یہ بیفائدہ کوشش ہے۔ کہ مسیحی بزرگوں کے مغلق اور پیچیدہ اُلجھنوں کا کوئی نشان یہودیوں کی کتب مقدسہ یا نئے عہد نامہ میں ملے۔ اور وہ مذہب جو اٹھنے سی ایس کے نام پر چلا ہوا ہے۔ نئے عہد نامہ کی تعلیم کی کھلی کھلی تحریف ہو وہ نظری باریکیاں جو عیسائیت کے اندر داخل کر دی گئی ہیں۔ اور جو زیادہ تر مصر کے پانچہزار سال کے قدیم مذہب سے لی گئی ہیں۔ انھوں نے انجیل کی تعلیم کو ایسے مختلف خیالات کا ایک پیچیدہ مجموعہ بنا دیا ہے۔ کہ طالب حق کے لیئے بجائے سفید ہونے کے وُہ روک ہو رہے ہیں۔

جن لوگوں نے مذہب کو اپنا پیشہ بنایا ہوا ہے۔ اور جن کو غلط طور پر عیسائی کہا جاتا ہے۔ وُہ لوگوں کو بجائے حق کی طرف لانے کے اس سے دُور لے جا رہے ہیں۔ اُنھوں نے غلطی سے تاریکی کو روشنی۔ ظل کو حقیقت۔ دھوکا دینے والے خیالات کو رُوحانی حقایق سمجھ لیا ہے۔ اس کا جو نتیجہ ہوا ہے اُسے ہر ایک انسانی خیالات کا مطالبہ کرنے والا جانتا ہے۔ عقائد کے ذریعہ سے عقل کو کام میں لانے کی راہوں کو روکا گیا ہے۔ اور بجائے آزاد خیال اور آزاد روشن انسانوں کی نسل کے۔ ہم صرف اِنسانوں کی نقل پاتے ہیں۔ بالخصوص جہاں مذہبی پیشواؤں کا تسلط زیادہ ہے۔ بجائے اس کے رُوح کے اندرونی دریچوں کو جن میں رُوحانی طاقتیں اور روحانی قوتیں بند ہیں۔ کھولا جائے۔ اور اُن کو وُہ آزادی دیجائے جو اُن کا اصلی حق ہے۔ اُنھوں نے جدوجہد کرنے والی زندگی پر ایک زہر آلود اثر بذریعہ عقائد اور رسُوم اور بے جان رواجات کے ڈال رکھا ہے۔ اور اِسے ہمیشہ کی غلامی میں مقید کر رکھا ہے۔

یہ سچا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ ایک طلسم ہے۔ جس کے ذریعہ سے نسل انسانی کو پروہتوں کی غلامی میں رکھنا اصل مقصود ہے۔ یہ عیسائیت نہیں۔ جیسے کہ ایک روشن خیال آدمی اس کو سمجھتا ہے۔ سچی عیسائیت ایک زندگی کا جوہر ہے ایک الہام ہے۔ ایک بلند مقصد ہے۔ ایسا جیسا کہ یسوع ناصری کے مقدس انسانیت میں ہمیں نظر آتا ہے۔ مگر یہ پاکیزگی کا جوہر آج کل کے مذہب کے پیشواؤں میں ہمیں کیا شاذونادر نظر آتا ہے۔ وہ سچی فیاضی۔ وہ محبت۔ وہ زندگی کی خوبصورتی جو کہ آقا میں نظر آتی ہے۔ وہ اس کے نام لیواؤں میں نہیں ملتی۔ اور اس لیئے یہ خطرہ ہے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ انہی پیشواؤں کو ہم غلطی سے سچے عیسائی سمجھ بیٹھیں۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

بجائے اس کے۔ کہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ مسیحیت اور اسلام کو دوستانہ رنگ میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا چاہیئے۔ اصل الاصول دونوں کے پاکیزہ سچے اور کریمانہ ہیں۔ اور دنیا کی نجات کے لیئے ضروری ہیں۔ مروجہ عیسائیت کی قدر کو جو چیز کم کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ عام طور پر اس کے پیرؤں میں اخلاص اور عمل کی وہ روح نہیں۔ جو مسلمانوں میں کام کر رہی ہے۔ مگر نقلی سونے کو اصلی سونا نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔

مسٹر ڈڈلے رایٹ عیسائیت پر یہ طعن کرتے ہیں۔ کہ وہی قمارخانوں شرابخانوں اور زناخانوں کی ذمہ دار ہے۔ یہ چیزیں عیسائیت کا جزو نہیں ہیں۔ بلکہ باوجود عیسائیت کے یہ موجود ہیں۔ اور سچا مسیحی سچے مسلمان کی طرح ان کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور گذشتہ بیس

...صلاح بھی ہوئی ہے۔ اور جیسے جیسے انسان ترقی کریگا ...یوں کے جو ہماری راحت۔ اور ہمارے حقیقی طور ... دور ہو جائیں گی +

فلسـ
گذرتے ہوئے
کچھ اور کا اور بن کر یہ

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدّین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیّرہ حصّہ اوّل المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام ۔اردو قیمت (۱۰/)
(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبیّن کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو۔ قیمت ... ... (۱۲/)
(۳) اسوہ حسنہ الموسوم بہ" زندہ اور کامل نبی۔ اردو قیمت (۴/) ۔ (۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی (۲/)
مسلم پریئر۔ انگریزی قیمت ۴/ صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدر آباد دکن۔ اردو (۲/)
بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو ۔ فی کتاب قیمت ... ... (۱/)
مسلم مشنری کے ولایتی لکچرز کا سلسلہ اردو (۱/) اور ۳ عدد انگریزی قیمت .. (۳/)
مسلم ان ٹیچیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو ۔ فی کتاب قیمت ... .. (۱/)
اسلامک ریویو و مسلم انڈیا جلدا ۱۹۱۳/۱۹۱۴ انگریزی۔ قیمت ~~~~~~ (۵/ مع محصول)
رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء (۱۸/)

دیگر تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اُردو (۶/)
حدوث مادہ .. .. " " " " " " " " (۴/)
عصمت انبیاء .. .. " " " " " " " " (۸/)
غلامی .. .. " " " " " " " " (۴/)
ویسٹرن اویکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی .. (۱۲/)
التوحید جس میں لا الٰہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب ایل ایم ایس (۱/)
طریق فلاح جس میں بُت پرستی کی بنیاد اور اُس کی فلاسفی " " " " اُردو (۱/)
نبی کریم حضرت محمد صلعم کا معجزہ مصنفہ جناب ایس مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر انگریزی (۱۲/)
اسلام اینڈ سوشیلزم .... " " " " (۱۴/)
پیغام صلح۔ انگریزی و اردو فی ار۔ ہر دو کی قیمت .. .. (۲/)

پتہ: منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور۔ احمدیہ بلڈنگس

نوٹ:۔ ۱۔۲۔۳۔۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرماکر ثواب دارین حاصل کریں۔

یہ تین کتابیں ہر مسلم گھر میں ہونی چاہئیں

(۱) **براہین نیرہ حصہ اوّل** - معروف بہ زندہ و کامل الہام قیمت .. .. (۱۰/

(۲) **اسوہ حسنہ** - معروف بہ زندہ و کامل نبی .. .. // .. .. (۸/

(۳) **ام الالسنہ** - معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان // .. .. (۱۲/

یہ ہر سہ کتابیں مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو تین خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں۔

یعنے کتابوں میں کتاب قرآن۔ نبیوں میں نبی محمد عربی۔ زبانوں میں زبان عربی مبین۔ یہ تین باتیں ان تین کتابوں میں علے الترتیب ثابت کی گئی ہیں۔

۱- براہین نیرہ میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جس میں تہذیب و تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے۔

۲- اسوہ حسنہ میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سواء چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپکی ذات پاک ہی ہے۔

۳- ام الالسنہ بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دُنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتداء میں سب ملکوں کے اباو اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتابیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں +

مینیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ :- محصولڈاک بذمہ خریدار ہوگا +

ضروری اطلاع:- یہ ہر سہ کتب بفضلہ تعالیٰ نہایت ہی مقبول خاص و عام ہوئی ہیں۔ مانگ لگاتار جاری ہے۔ اس لئے ناظرین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جو صاحب خریداری کے خواہشمند ہوں وہ عجلت سے کام لیں۔ ورنہ بعد ازاں کتب کو جلد ختم ہونے پر مایوسی ہوگی +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اِشاعتِ اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیرِ ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی ٹی)

نمبر (۱۲)	بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء	جلد (۱)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ نومبر ۱۹۱۵ء

لاہور میں محمد اللہ بخش نے ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء کو باہتمام خلیفہ الدین صاحب احمدیہ سلیم پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت سالانہ تین روپے

ضروری التماس

جن احباب کی جلد ۲ رسالہ اشاعت اسلام۔ اس اخیری نمبر دسمبر ۱۹۱۵ء کے پہنچنے پر مکمل ہو جاوے گی۔ از راہ کرم مبلغ (۳) روپے بذریعہ منی آرڈر بابت چندہ سال ۱۹۱۶ء پیشگی مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ دفتر سے اطلاعی کارڈ بھی فرداً فرداً اُن احباب کی خدمت میں ارسال کئے جادینگے۔

جن کا چندہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ وگرنہ بصورت دیگر اُن کی خدمت عالی میں جنوری ۱۹۱۶ء یک پوسٹ اوّل فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ بر وی۔پی ارسال ہوگا۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ ہمارے ناظرین کرام ادائیگی چندہ میں عجلت فرمائیں گے۔

نوٹ:۔ جن احباب کی تیاد ۱۹۱۵ء میں کسی نمبر کی کمی ہو وہ منیجر رسالہ سے اسی ماہ میں طلب فرمائیں ✦ خاکسار منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

سلاجیت خالص۔ جسے بعض لوگ مومیائی بھی کہتے ہیں۔ مقوی اعصاب ہے۔ معدہ اور دیگر اعضاء رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔ اور بدن میں چستی پیدا کرتا ہے۔ انگریزی قیمتی ادویات کے مقابل یہ کم قیمت مفرد دوائی دماغی کام کرنیوالوں کو بیحد فائدہ دیتی ہے۔ اگر اسے اکسیر البدن کہا جائے تو مبالغہ نہیں۔ تبت و گلگت کے پہاڑوں سے سلاجیت منگوا کر ست تیار کیا جاتا ہے۔ دردِ کمر، کام ہر یرش کو رفع کرتا ہے پھیپھڑوں کو طاقت دیتا ہے۔ طب کی کتابیں اس کی تعریف میں پُر ہیں۔ اگر خالص ثابت نہ ہو تو قیمت واپس۔ فی تولہ جو تین ماہ کے لئے کافی ہے (عمہ)

دمہ۔ یہ مرض بہت تکلیف دِہ ہے۔ **دوائی اکسیر دمہ**:۔ بدنی طاقت بھی دیتی ہے اور پرانی کھانسی کا بھی جسکے ساتھ بلغم خارج ہو علاج ہے قیمت فی ڈبی جو قریباً ایک ماہ کیلئے کافی ہے (۱۲/)

چنبل۔ اس مرض سے جو دکھ اور درد مریض کو پہنچتا ہے وہی اس کا اندازہ کر سکتا ہے اس کا مرہم جو اسے جڑھ سے اکھاڑ دے نہایت سستے داموں مل سکتا ہے قیمت فی ڈبیہ (۴)

نوٹ:۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا ✦

ادویات بالا معرفت منیجر رسالہ اشاعت اسلام مل سکتی ہیں۔

سلاجیت



REPRESENTATIVE MUSLIM BROTHERHOOD AT PRAYERS ON THE LAWN OF THE WOKING MOSQUE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء نمبر (۱۲)

شذرات

ماہ اکتوبر میں نومسلموں کی تعداد میں چار کا اضافہ ہوا۔ جن میں سے دو مرد اور دو خاتونیں ہیں۔ یعنے مسٹر آر پی ایل ہارڈنگ جن کا نام محمدؐ صدیق رکھا گیا۔ اور ایک بلجین نوجوان ڈی کاسرس ہیں جن کا نام برہان الدین احمد رکھا گیا۔ اور ایک خاتون مسز پین مشرف باسلام ہوئیں جن کا نام حسیبنہ رکھا گیا۔ ایک ان کی صاحبزادی مس پین جن کا نام راحت رکھا گیا۔ اللھم زد فزد *

عید الضحےٰ کی مبارک تقریب پر اسی عظیم الشان کامیابی کا سماں تھا جس کا نظارہ گذشتہ نمبروں میں عید الفطر کے متعلق ہم دکھا چکے ہیں۔ سردی کا موسم آچکا تھا جس میں لوگ بہت کم گھروں سے باہر نکلنا پسند کرتے ہیں۔ پھر مزید براں موسم کے وقت ابر بارش ہو تو عید کی نماز کا کوئی انتظام ہی نہیں ہو سکتا۔ مسجد کے اندر اتنے آدمی سما نہیں سکتے۔ مگر اللہ تعالےٰ کے فضل سے عید کا دن کھلا تھا۔ موسم خوش گوار تھا *

مسلمانوں کی تعداد عید الفطر سے کم نہ تھی۔ ایک جگہ سے ۱۷ سپاہی اور اُن کے افسر آئے دو اور مقامات سے تیس ۳۰ کے قریب افسر آئے۔ سر آغا خان موٹر پر لنڈن سے تشریف لائے آنریبل مرزا عباس علی بیگ صاحب۔ مسٹر لطیفی۔ لارڈ ہیڈلے اور بہت سے دیگر معزز مسلمان شامل نماز ہوئے۔ سید امیر علی صاحب۔ شہزادی صالحہ اور روسی شہزادہ کے معذرت کے تار آئے۔ عید پر ایک مختصر مضمون قدوائی صاحب کی قلم سے اور خطبہ عید الاضحیٰ کا خلاصہ دُوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہیں +

ووکنگ مشن کو قائم ہوئے اکتوبر میں قریباً دو سال ہی پورے ہوتے ہیں۔ گو جناب خواجہ کمال الدین صاحب کو ہندوستان سے اس مبارک کام کے لیئے قدم اُٹھائے ہوئے تیسرا سال گذر چکا۔ رسالہ اسلامک ریویو کی بھی تین جلدیں دسمبر نمبر ۱۹۱۵ء کے ساتھ پوری ہو جائیں گی۔ گو اس کی عمر پورے تین سال سے کوئی دو ۲ ماہ کم ہی ہوگی۔ گو ہمارے اردو رسالہ کا پہلا سال ہی اس دسمبر میں پورا ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے ہم نے مناسب سمجھا ہی کہ ایک مختصر ریویو اس سارے کام پر ناظرین کے سامنے پیش کریں۔ جو اب تک ووکنگ مشن کے ذریعہ سے ہوا۔ یہ ریویو کسی دُوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہے۔

علاوہ ان کامیابیوں کے جو رسالہ ہذا کو انگلستان اور یورپ میں ہوئیں۔ خدا کے فضل سے جو کامیابی اسے ہندوستان میں ہو رہی ہے وُہ بھی آیندہ اسلام کی تبلیغ کے کام کا ایک نہایت ہی امید افزا پہلو اپنے اندر لیئے ہوئے ہیں۔ خدا نے چاہا تو ان کا مفصل ذکر دوسری جگہ ہم کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر لکھنا کافی ہے۔ کہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے مسلمانوں سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے تک کے دل میں ووکنگ کے اسلامی مشن کی محبت پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس محبت کا عملی ثبوت مِل رہا ہے۔ یہ قبولیت جو ایک طرف غیروں میں حاصل ہو رہی ہے۔ کہ نہ صرف اسلام کے متعلق اُن کے خیالات کو ہی پلٹا کر اسلام کی عزت انگریزی بولنے والے لوگوں کے دِلوں کے اندر پیدا کر دی ہے

بلکہ ان میں سے ایک اچھی جماعت جو ہر طرح کے معزز اور کار آمد آدمی اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسلام کی حلقہ بگوش بنائی ہے۔ اور دوسری طرف خود اہل اسلام کے دلوں میں اس قبولیت نے ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ کہ وُہ قوم جو اِس وقت تک بحیثیت قوم تبلیغ اسلام کے فرض سے غافل پڑی ہوئی تھی۔ اب اپنے مال کو اس راہ میں قربان کرنے کے لیئے تیار ہو گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ووکنگ کے اسلامی مشن کو یہ دوہری قبولیت عطا فرما کر اس کام کے بانی اور اس کے کرنے والوں کے اخلاص اور مستعدی اور جفاکشی اور بے نفسی پر مہر لگا دی ہے۔ گو حاسدوں کا وجود تو کبھی دُنیا سے مفقود نہیں ہوتا۔ اور ہر ایک نیک کام میں روڑا اٹکانے والے بھی لگے ہی رہتے ہیں۔ تاکہ اس نیک کام کے معاونین کی کوشش اور ہمت سست نہ ہو جائے تاہم یہ عامہ قبولیت امید دلاتی ہے کہ عنقریب موجودہ کام مستحکم ہو کر اس کی وسعت کے دائرہ کو بڑھانے کا کوئی سامان بھی اللہ تعالےٰ کے فضل سے پیدا ہو جائے گا +

جو جو قیمتی مضامین سال گذشتہ ۱۹۱۵ء میں اس رسالہ میں نکل چکے ہیں وُہ اِس قابل ہیں کہ ہمیشہ کے لیئے قیمتی سے قیمتی کتب خانوں کی زینت کا باعث ہوں۔ بالخصوص وہ مضامین جو ڈاکٹر منگانا کی کتب کے جواب میں شائع ہوئے ہیں۔ اور جن میں قرآن کریم کے منجانب اللہ حفاظت کا ثبوت مِلتا ہے۔ ڈاکٹر منگانا نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ قرآن کریم کے قدیم نسخوں اور مروجہ نسخوں میں گویا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِسکا جواب جو مختلف قلموں اور بالخصوص مولینا مولوی صدر الدین صاحب کی قلم سے رسالہ میں شائع ہوا ہے۔ ان سب مضامین نے ڈاکٹر منگانا کی کتاب کو ہمیشہ کے لیئے ایک ردی کاغذوں کا مجموعہ ثابت کر دکھایا ہے۔ اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ کتاب آئندہ کسی لائبریری کے گوشۂ نسیان میں صرف یہ ثابت کرنے کے لیئے پڑی رہے گی کہ تعصب انسان کو کیسا اندھا کر دیتا ہے۔ ورنہ اہل علم اس بیہودہ کوشش پر ہمیشہ نفرین کرتے رہیں گے۔ اِس مضمون کی تکمیل کے لیئے ہمارا یہ ارادہ ہے۔ کہ آئندہ سال

* یہ مضامین رسالہ اشاعت اسلام کے جون و اگست کے نمبروں میں وضاحت سے درج ہو چکے ہیں +

یعنی جنوری نمبر ۱۹۱۲ء سے ایک مستقل سلسلہ مضامین کا قرآن کریم کی حفاظت پر لکھنا شروع کریں۔ اس سلسلہ کا پہلا نمبر اسی دسمبر نمبر میں دے دیا جاتا۔ مگر چونکہ یہ زیادہ موزون تھا۔ کہ اس سلسلہ کے سارے مضامین ایک ہی سال کی جلد میں ہوں۔ اس لیئے آئندہ نمبر تک اسے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ مضامین میں ہم یہ ثابت کرینگے کہ قرآن کریم سارے کا سارا نہ صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے حفظ ہی کرا دیا گیا۔ بلکہ اس کا ایک ایک لفظ۔ ایک ایک آیت تحریر میں آچکی تھی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جس طرح پر پہلے کاتبوں نے اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا۔ وہی طرزِ تحریر ہی آج تک محفوظ چلی آتی ہے۔ غرض اگر مخالف اصل الفاظ قرآنی کے متعلق کوئی شبہہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اُس کے جواب میں ہم انشاء اللہ تاریخی طور پر یہ ثابت کریں گے۔ کہ الفاظ کی حفاظت تو ایک طرف رہی۔ ان الفاظ کا لباس بھی آج تیرہ سو سال بعد وہی ہے۔ جو حضرت نبی کریم کی موجودگی میں اُن کو پہنایا گیا تھا۔ یعنی وہی طرز تحریر محفوظ چلی آتی ہے۔ اور یہ اسلام کے خاص امتیازات میں سے ہے جو اور کسی مذہب کی مقدس کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ ایسا ہی یہ بھی ثابت کیا جائیگا کہ آیات کی ترتیب سورتوں میں اور سورتوں کی ترتیب قرآن کریم میں یہ سب کی سب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ اور پھر جو کچھ آپ نے قرآن صحابہ کو دیا تھا۔ اس میں بعد میں نہ ایک حرف کی کمی ہوئی۔ نہ ایک حرف کی زیادتی۔ نہ کوئی حرف یا لفظ یا سورت پس و پیش ہوئی۔ اس سلسلہ میں مختلف قرأتوں اور نسخ کے مسئلہ پر بھی بحث ہوگی ✦

۴- اور اُس پر تاریخی شہادتیں اور قرآن کریم کی اندرونی شہادتیں پیش کی جاویں گی *

خطبہ عید اضحی

عید مبارک اور دعا

آپ کو عید مبارک ہو۔ آپ کے لیے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کرتا ہوں۔ کہ آپ پر برکات نازل فرمادے اور اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں پر بھی ÷

حمد الٰہی اور اسلامی اخوت کا نظارہ

ہم اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ اس نے اسلام کو وہ جادو بخشا ہے۔ کہ اس نے ہمیں فی الحقیقت ایک برادری میں منسلک کر دیا ہے۔ ہمارے دل خدا کی حمد سے معمور ہیں کہ آج اپنے بھائیوں کو جو مختلف بلاد سے آئے ہیں۔ مصری ہیں۔ سیریا ہیں عربی ہیں فارسی ہیں۔ اور شامی ہیں۔ روسی اور فرانسیسی ہیں۔ بلجیم اور انگلستان کے نومسلم ہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں مسرور ہو رہی ہیں۔ اور ہمارے دل شادکام ہو رہے ہیں۔ ہمارے ہاں السلام علیکم کہا اور فوراً دوسرے مسلمان کے دل میں اسلامی اخوت کی تار برقی کی رو جاری ہو جاتی ہے۔ قومی تعصب۔ ذات پات کا جھگڑا۔ وجاہت اور چلن کا فخر فوراً مٹ جاتے ہیں۔ اور ہم ایک سچی برادری میں منسلک ہو جاتے ہیں ÷

اسلامی یکجہتی اور اسلام کا ملاپ

۴۰ کروڑ نفوس کی مسلمان برادری جس میں تمام اقوام اور تمام براعظموں اور ملکوں کے لوگ شامل ہیں۔ آج روئے زمین پر یکجہتی سے نماز ادا کر رہی ہے۔ یہ اقوام کے ملاپ کا نسخہ اسلام میں ہی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کی کیفیت کا نقشہ یاد کرکے درود اور صلوٰۃ زبان پر جاری ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے بنی نوع انسان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ آج یہ تمام اخباروں اور پلیٹ فارموں سے رونے کی آواز آتی ہے۔ کہ آہ خدا کا اتنا بڑا کنبہ جو زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ کیوں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔

اس آواز کو پورا کرنے کے لیئے اور قلوب کے اطمینان کے لیئے۔ اور دلوں کے زخموں پر پٹی لگانے کے لیئے کوئی مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ جو تیرہ سو سال کا مجرب علاج ہے اس کے ساتھ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حُر کو غلام کے ساتھ اور حبشی کو رُومی کے ساتھ۔ ایرانی کو مصری کے ساتھ۔ اور عرب کے بُت پرست کو تمام اقوام کے ساتھ کامیابی سے ملا دیا۔ اور یہ بات بحمداللہ آج تک جاری رہی۔ آپ کو میں بہت بڑی مبارک باد دیتا ہوں۔ کہ وُہ نسخہ مسجد ووکنگ میں بھی کامیاب ہوا۔ پچھلے دو سال میں قریباً ایکسو آدمی مسلمان ہوئے۔

ہم ان کے مسلمان ہونے پر اتنا فخر نہیں کرتے۔ جتنا کہ ہم کو اس بات پر فخر اور خوشی ہوئی ہے۔ کہ ہم نے مشرق اور مغرب کے فتنہ کو مٹانے میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل کی ہے

رب العٰلمین نے ہمیں کیا سکھایا

قربان ہوتی ہے جان۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فراست پر۔ تیرہ صدیاں پیشتر حضور نے فرمایا۔ کہ ہمارا خدا رب المسلمین نہیں۔ وہ رب الیہود والنصارے نہیں بلکہ وہ رب العٰلمین ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے۔ کہ وہ صرف عیسائیوں کا خدا ہے۔ تو لازمی طور پر دُوسروں سے محبت نہ ہوگی۔ دوسروں پر کفر کا فتوے ہوگا۔ اِسی طرح سے خدا کی برکات کے وارث اگر یہودی کو فرض کیا جائے تو وہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو جہنمی تصور کرینگے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھایا۔ کہ ہمارا خدا رب العٰلمین ہے۔ پس ہمیں یہود سے نصارے سے۔ گورے سے کالے سے۔ ہندی سے انگریز سے سب سے محبت ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے خدا کی مخلوق ہے۔ اور ہمارے خدا کے ہاتھ سے پرورش پاتا ہے۔ یہ نظارہ میں اپنے سامنے اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ بہت سی اقوام کے لوگ یہاں موجود ہیں۔ ایک بے نظیر یگانگت نظر آتی ہے۔ نہ صرف مختلف اقوام کے لوگ ہی شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں۔ بلکہ بڑا چھوٹے کو اپنا بھائی سمجھتا ہے افسر اپنے ماتحت کو بھائی سمجھ کر اس کے ساتھ بیٹھا ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اپنے مکرم و معظم بھائی لارڈ ہیڈلے۔ سیف الرحمٰن شیخ رحمت اللہ فاروق صاحب

کے متعلق ۔ کہ خدا تعالےٰ نے ان کو سچا اسلامی جوش بخشا ہے۔ ان میں وہ صفات حمیدہ رکھی ہیں کہ اللہ تعالےٰ بہت سے لوگوں کو ان سے متصف کرے تو پچھلی عید پر انھوں نے اپنے مذہبی بھائیوں سے معانقہ کیا۔ کیا انگلستان میں کسی اور لارڈ میں یہ رنگ و بو موجود ہو سکتی ہے۔ اس زمین پر تو یہ بڑی خطرناک ہتک ہے۔ اور قطعاً کسی کے وہم میں یہ بات نہیں آسکتی۔ آج بھی نظارہ کرنے والے ان کے اس وطیرہ کو دیکھ لیں گے ۔

دیکھیئے تو ہز ہائینس سر آغا خاں دوسری صف میں بیٹھے ہیں۔ اور ایک معمولی سپاہی کے ساتھ ملحق ہو کر پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں۔ اور ان کو فخر ہے کہ وہ اسلامی اخوت کے رشتہ میں منضبط ہیں۔ آنریبل مرزا عباس علی بیگ صاحب بھی ایک کنارہ پر محض گھاس پر بیٹھے ہیں۔ ان کو قالین کا فرش جس پر سپاہی بیٹھے ہیں بہتر نہیں آسکا۔ آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت میں شاہزادی صالحہ ہے۔ ہماری جماعت میں روسی شہزادہ شیخ عطاء الرحمٰن جلال الدین محمدؐ صاحب ہیں۔ آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ہماری جماعت میں بلجیم کا وائیکونٹ مواہب الرحمٰن صلاح الدین احمدؐ صاحب ہیں۔ ہماری جماعت میں پروفیسر ایلین وہائٹ ہیں۔ ہماری جماعت میں میجر لیگ جلال الدین ہیں۔ ہماری جماعت میں لفٹنٹ محمد اسد اللہ ہیں۔ ہماری جماعت میں کپتان عبد الرحمٰن مسگریو ہیں۔ غرض تمام طبقوں کے لوگوں کو اسلام نے انگلستان میں ملا دیا ہے۔ اور یہ رب العٰلمین پر ایمان لانے کا کرشمہ ہے ✤

مشرق اور مغرب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو مشرق اور مغرب کے جھگڑے کو تیرہ صدیاں پیشتر ہی مٹا دیا تھا۔ حضور کی قدسی طاقت اور حضور کی فراست بہت ہی دور کی تھی۔ کہ آج کی مشرق اور مغرب کی نزاع کو دیکھ سکتے تھے۔ فرمایا رب المشرق والمغرب۔ اور اس سے بڑھ کر فرق کے مٹانے کے لیئے ہماری غلطی پر ہمیں متنبہ کیا۔ رب المشارق والمغارب ہندسہ دان خوب جانتے ہیں۔ کہ تمام شہر اور تمام بر اعظم اور زمین کا ہر نقطہ مشرق ہوتا ہے۔ جب اس پر سورج طلوع کرتا ہے اور وہی نقطہ مغرب ہوتا ہے۔ پس ہماری

بے وقوفی ہے۔ اگر ہم اپنے تئیں مشرق یا مغرب سے منسوب کریں۔ ہم سب ایک ہیں +

اسلام نے کل انبیاء پر ایمان لانیکا حکم دیا

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اور راہ سے بھی ہمیں ایک کرنا چاہا ہے۔ فرمایا تمام انبیاء پر ایمان لاؤ۔ ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے نام کے ساتھ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اُن پر کوئی اعتراض کرے تو اس کا دفعیہ کرتے ہیں۔ حضرت علیسے کی نبوت کے ثبوت رسول کریم نے دیئے۔ ان پر جو اعتراضات تھے ان کے جوابات ہوئے۔ اسی طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام اور یعقوب اور تمام انبیاء سے ہم محبت رکھتے ہیں۔ اور یہ بڑا نسخہ ہے اقوام کے ایک کرنے کا +

یادگار ابراہیمؑ اور رسول کریم کے بے غرضانہ کام

یہ دن بھی جس نے آج ہمیں جمع کیا ہے ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یادگار میں نہیں منایا جاتا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار میں ہے +

اس سے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب کی فراخی کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے تمام خود غرضیوں سے پاک و صاف رکھا آج چالیس کروڑ مسلمان حضرت ابراہیم کی یادگار کو مناتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شان نظر آتی ہے۔ اس میں سید البشر و افضل الرسل کی۔ دُنیا کے لیڈر تو ہر موقع پر اپنا نام بڑھانا چاہتے ہیں۔ اور آنحضور نے تمام اقوام کو ایک کرنے کے لئے انبیاء کے باپ اور اقوام کے باپ حضرت ابراہیم کی تعظیم و تکریم میں اور اُن کی یادگار میں دن مقرر کیا۔ یہود و نصارے کو بہت ہی موقعہ ہے۔ کہ وہ اسلام کی قدر کریں اور اس بے نظیر تعلیم سے فائدہ اُٹھائیں +

حضرت ابراہیمؑ کی قربانی

حضرت ابراہیمؑ کی قربانی بھی بہت رحم اور کرم پر مبنی ہے۔ اس وقت ہند۔ شام عرب۔ یونان۔ امریکہ۔ افریقہ۔ اور خود انگلستان میں انسانی قربانی کا زور ہو گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالےٰ نے رویا میں اپنے بچہ کا ذبح ہونا دکھایا۔ اور رویا کی

تعبیر ایک مینڈھا کا ذبح کرنا نکلا۔ حضرت ابراہیم جو اقوام اور انبیاء کے باپ ہونے کا فخر رکھتے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس فعل کے ذریعہ سے انسانی قربانی کو دُور کرنیکا موجب ہوئے اس سے اُنھوں نے یہ دکھایا کہ کسی بزرگ نے لفظی تعمیل میں انسانی قربانی کو جائز کر دیا +

حضرت عیسےٰ کی تعلیم

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھی جب ایک فریسی نے پوچھا۔ کہ خدا کے احکام کیا ہیں تو فرمایا۔ کہ پہلا حکم یہ ہے۔ کہ ہمارا خدا واحد ہے۔ پورے دل و جان سے اور تمام طاقت سے اس کی عبادت کرو۔ اور دوسرا حکم یہ ہے۔ کہ ہمسایہ سے ایسا پیار ہو۔ کہ جیسا اپنے آپ سے۔ اُس نے کہا۔ کہ واقعی ان دو احکام پر عمل سوختنی قربانی اور دوسری تمام قربانیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت عیسےٰ نے فرمایا۔ کہ تو بہشت کے بالکل قریب ہے۔ اور ان دو احکام سے بڑھ کر اور کوئی حکم نہیں ہے۔

پس حضرت عیسےٰ کی تعلیم صاف ہے۔ اور جو تعلیم کفارہ کی ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے بالکل متضاد ہے +

عید الضحےٰ ووکنگ میں

از جناب مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء لنڈن

منزل یہ چل رہا ہے اب قافلہ ہمارا ؎ بانگ جرس برابر گدیا سے آرہی ہے۔
ہاں اے مشیر دیکھو مشعل وہ بجھ نہ جائے ؎ ظلمت میں راستہ جو سبکو دکھا رہی ہے

۲۰- اکتوبر کو یوم چہار شنبہ عید الضحےٰ کا دن بھی آگیا۔ اور آیا تو کس آب و تاب سے آیا۔ یہاں اب سردی شروع ہو گئی ہے۔ پانی قریب قریب روز رہتا ہے۔ موسم یوں بھی گندہ رہتا ہے۔ آفتاب نقاب پوش۔ مگر دُعا اور پھر مسلمانوں کی۔ وُہ کب خالی جاسکتی ہے۔ ۱۷ اکتوبر

کو دن خراب اور بہت خراب تھا۔ مولوی صدرالدین صاحب نے خیال کیا تھا۔ کہ شامیانہ کہیں سے مل سکے تو منگا لیا جاوے۔ یہاں سے قریب ایک شہر گلفرڈ ہے۔ وہاں پتہ چلا۔ کرایہ پر منگایا گیا۔ مگر وہاں سے یہاں آیا۔ تو معلوم ہوا کہ بیکار ہے۔ شامیانہ یہاں ہوتا نہیں۔ خیمہ بڑا سا تھا۔ گر وہ کیا کافی ہوتا واپس کیا گیا۔ صرف دُعا پر بھروسہ رکھا گیا۔ اور الحمد للہ کہ خداوند کریم نے دعاؤں کو سُن لیا۔ ۲۰ اکتوبر کا دن غیر معمولی طور سے صاف نکلا۔ اور برابر اچھا ہی رہا۔ دُوسرے دن پھر وہی گند کی۔ مگر دُوسرے دن سے ہم کو کیا مطلب۔ اس مرتبہ عید میں مجمع پہلے سے بھی زیادہ ہوا۔ سپاہی بھی تعداد میں زیادہ تھے۔ افسروں نے بطور خود تعطیل لے لی تھی۔ اور غنیمت ہوا۔ کہ مل گئی۔ ورنہ اُن سب کو بہت مایوسی ہوتی۔ مذہبی حسنات مسلمانوں کے زبردست ہوتے ہیں۔ اُن کا لحاظ لازمی ہے۔ پھر اس پردیس میں۔ اذان کی آواز بھی دل پر عجب اثر کرتی ہے۔ چہ جائیکہ اتنے بڑے مجمع کے ساتھ شریک نماز ہونا۔

خداوند کارساز کا کس قدر شکر بجا لایا جاوے۔ ایسے تو یہ حال تھا۔ کہ تیس برس تک یہاں کی مسجد قریب قریب سونی پڑی رہی۔ ہم لوگ کبھی کبھی یہاں آجایا کرتے تھے۔ وُہ بھی صرف کسی خاص موقع پر۔ مگراب تو ماشاءاللہ ہر روز نماز ہوتی ہے۔ مسجد کی درستی بھی اب خوب ہو گئی ہے۔ مولوی صاحب کو دل سے خیال رہتا ہے۔ برقی روشنی ہے۔ گرم کرنے کو چولہا ہے۔ خدا تمام دین اور دُنیا کی برکتیں بیگم صاحبہ بھوپال پر نازل کرے۔ کہ اُن کے صاحبزادہ حمید اللہ خان صاحب کی فیاضی سے ایک نہایت قیمتی گداز ملائم قالین بھی اب مسجد میں بچھ گیا ہے۔ جس پر سجدہ کرنے سے دل کو خوشی ہوتی ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ ہر مسلمان کے دل سے ریاست بھوپال کے لیئے دُعا نکلتی ہوگی۔ یا تو وُہ پورانے قالین تھے۔ جن پر سجدہ کرنا گچ پر سجدہ کرنے کے برابر اور وہ بھی بے جوڑ۔ یا اب ایسا قالین ہے کہ جس پر سجدہ میں ہی پڑے رہنے کو دل چاہتا ہے۔ یا تو وہ سونی حالت مسجد کی تھی۔ دیوار شق ہو رہی تھی۔ سردی نے بنیاد کو پکڑ لیا تھا۔ اور یا اب صاف ستھری گرم مسجد رہتی ہے۔ اور خدا کی کارسازی یہ کہ یہ سب تبدیل مولوی صدرالدین صاحب کی ذاتی کوششوں کا

نتیجہ ہے۔ جو لوگ مسجد کے متولی ہیں اُن کے پاس روپیہ نہیں۔ اور صاف تو یہ ہے کہ دل بھی نہیں۔ اسلام کا ہر کام دل سے جو کیا جاوے گا پورا ہوگا۔ اب خدا نے وہ دن دکھایا ہے۔ کہ ہماری نمازوں کے لیئے مسجد کافی نہیں ہوتی۔ عید کی نماز کی تو خیر جگہ تھی ہی نہیں اُس دن ظہر اور عصر کی نمازوں میں مسجد بھر گئی تھی۔ عید کی نماز مثل سابق عید کے باہر ہوئی۔ قالین بچھا کر۔ نماز زوال سے قبل ہو جانی ضروری تھی۔ اس کا خاص انتظام کیا گیا جو لوگ نہیں آئے تھے۔ مثلاً ہز ہائینس سر آغا خان صاحب یا لارڈ ہیڈلے بالقابہم ان کا انتظار نہیں کیا جا سکا۔ نماز شروع ہوگئی۔ لیکن جب خطبے کے لیئے مولوی صاحب کھڑے ہوئے تو اُنھوں نے لارڈ ہیڈلے صاحب پُشت پر بیٹھے دیکھا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اُن کی نظر ہز ہائینس سر آغا خان پر بھی پڑی جو ترکی ٹوپی لیئے سب کے آخر کی صف میں معمولی سپاہیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس وقت اسلام کی مساوات کا عجب رُعب تھا۔ ایک شخص جو بادشاہ سے دوستی کا شرف رکھتا ہے۔ جس کی جماعت کے لوگ اُسے بادشاہ سے زیادہ ممتاز سمجھتے ہیں۔ جب نماز میں آتا ہے تو اپنے دُوسرے ساتھیوں سے مطلق کوئی امتیاز نہیں رکھتا سبحان اللہ وبحمدہ یہاں کے نومسلموں کا ایک طرح امتحان بھی ہوگیا۔ ایک لڑکی جس کا نام آئیو ... تھا اور جس کو اب زیتون کے نام پر اس لیئے فخر ہے کہ اُس نے نماز میں امام صاحب کو قرآن کریم کی آیت میں بھی زیتون پڑھتے سُنا ہے۔ ہز ہائینس کے پاس سے گذری۔ جیسے اُس کو سکھایا گیا ہے۔ السلام علیکم اُس نے کہا۔ ہز ہائینس نے جواب دیا۔ اور پُوچھا کہ اس کے معنے بھی ان لوگوں کو بتائے گئے ہیں۔ لڑکی نے فوراً جواب دیا۔ peace be upon you۔ زیتون کی والدہ جو نہایت نیک خاتون ہے اور اسلام میں نہایت راسخ۔ وہ اور شمس الدین سمتھ۔ جو اکثر موذن کی خدمت ادا کرتے ہیں وُہ سب مہمانوں کی خاطر داری میں نہایت دل سوزی دکھا رہے تھے جسب معمول اِس عید میں بھی دُور دُور سے لوگ آئے تھے۔ مختلف طبقہ مختلف ممالک مختلف رنگ کے لوگ موجود تھے۔ سب ایک خدا کے آگے سربسجدہ ہوتے تھے۔ اور زبان

سے نہ صرف اِس ملک بلکہ تمام دُنیا کو یہ پیغام پہنچا رہے تھے۔ کہ اسلام کے عروج کو موت روک نہیں سکتی۔ اگر ہم مسلمان واقعی مسلمان ہو جاویں۔ اگر ہم میں اپنے بھائیوں کی محبت کا جوش جیسا چاہیئے ہو جاوے۔ اخوت اِتحاد پیدا ہو جاوے۔ اور اسلام سے وہی محبت ہم لوگوں کو جو زمانہ موجودہ کے رنگ سے واقف ہیں۔ جو تعلیم عمل کی قوت کو جانتے ہیں۔ ہو جاوے جس قدر ہمارے غریب بھائیوں کے دِل میں اسلام کا درد ہے۔ تو دُنیا بھر ہمارے قدموں کے پیچھے ہو۔ اگر ہم اسلام کی خدمت پر دِل سے آمادہ ہو جاویں۔

اس مرتبہ یہاں کی لڑکیوں نے اسلامی شعار یہ بھی اختیار کر لیا تھا۔ کہ سر پر دوپٹہ ڈالا تھا۔ اور اب انشاء اللہ بڑی عورتیں بھی ایسا ہی کریں گی۔ رفتہ رفتہ یہ تحریکیں ہو رہی ہیں۔

ووکنگ میں الحمد للہ اسلامی تحریک زور سے ہوئی ہے۔ لیکن ابھی کافی طور سے یہاں بھی نہیں ہو سکتی۔ مالی مدد کی ضرورت ہے۔ اخراجات بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کی خانہ پوری ہندوستان ہی سے ہو سکتی ہے۔

مَیں نے تو ہز ہائینس سے کہا۔ کہ لنڈن میں ایک مسجد کے شروع کر دینے کا یہی وقت ہے کچھ نہ کچھ روپیہ ہاتھ میں موجود بھی ہے۔ کام چھڑتے ہی انشاء اللہ اور مدد بھی مل جاویگی یہاں ہماری مسجد کے پاس ہی ایک بہت ہی عظیم الشان عمارت ڈاکٹر لائیٹنر کی ہندوستانی رؤسا کے روپیہ سے بنوائی ہوئی ہے۔ جس کی بابت طلباء کے لیئے بورڈنگ ہاؤس ہونیکا خیال تھا۔ کمروں پر ریاستوں کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ رقبہ بھی بہت بڑا ہے عمارت بہت شان کی ہے۔ اور شان سے زیادہ صنعت کاری سے بھی آراستہ ہے۔ لاکھوں روپیہ اُس پر خرچ ہوا۔ جب ایک معمولی شخص کو ریاستوں نے (اسلامی ریاستیں مثلاً حیدر آباد وغیرہ شریک تھیں) اِس قدر روپیہ دیا۔ تو ہز ہائینس وغیرہ اگر تحریک کریں تو لنڈن میں مسجد بن جانی کیا دشوار ہو گی۔ میرے خیال میں تو بادشاہ کو بھی مدد کرنی چاہیئے۔

لنڈن میں مسجد کا کام شروع کر دیا جاوے۔ اور یہاں ووکنگ میں بھی اور زیادہ استحکام سے کام جاری کیا جاوے۔ یہاں انگریزی مسلمانوں کی ایک جماعت مضبوط ہو جانی چاہیئے مگر لنڈن کے مرکز میں بھی کام شروع کر دینا ضروری ہے۔ ووکنگ ایک دیہات میں ہے۔

لنڈن سے پچیس میل کے فاصلے پر یہاں لوگ آسانی سے نہیں پہنچ سکتے۔ لنڈن میں اگر تحریک ہو تو وہاں کا اثر دُور دور تک پھیلے گا۔ اور وہاں یہ مقصد بھی ہوگا۔ کہ اسلام قابل لوگوں کے سامنے زیادہ پیش ہو سکے گا۔ ہمارا دعوٰے تو یہی ہے۔ کہ صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عقل اور ضمیر دونوں کو مطمئن کر سکتا ہے۔ ہم یورپ کی طرف جب آنکھیں ڈالتے ہیں تو اسی بھروسہ پر کہ یہاں کی عالمیانہ دُنیا جو مذہب سے اِس لیئے بے دل ہو رہی ہے کہ اُس کے سامنے ایک ناکارہ مذہب تھا۔ جب وہ ایسے مذہب کو دیکھے گی اور سمجھے گی جو دین اور دُنیا دونوں کے لیئے بہترین شریعت وطریقت رکھتا ہے۔ تو اُس بے دِلی میں ضرور فرق آجائے گا۔ اور وہ اسلام کی طرف ضرور رجُوع ہو جاوے گی۔

اَب ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ یہ تخم جو یہاں اس امید کے ساتھ سرسبز ہو رہا ہے ایک نوبہار پودہ جو روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ مضبوط کر دیا جاوے۔ اور اس کی آبپاشی وغیرہ کا معقول انتظام کیا جاوے۔ عید وغیرہ کے مجمعوں سے جو عام اثر ہوتا ہے۔ اُس سے فائدہ اُٹھانے کا یہی وقت ہے۔ اور اسلام کے واعظ اور ہونے چاہئیں۔ اور یہاں کے انتظام اشاعت کی بھی فکر چاہیے۔ لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ کہ انتظام ایسے ہی ہاتھوں میں رہنا چاہیئے۔ جن کے دِل میں واقعی اِسلام کا درد ہو۔ وجاہت طلب خودغرض حضرات چلتی گاڑی میں روڑے اٹکا سکنے کے سوا اور کچھ نہ کریں گے۔

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

یہ خوش قسمتی ہے۔ کہ خواجہ کمال الدین کے جانشین بھی ویسے ہی دِل سوز اور درد مند ہیں۔ جو باوجود اکثر خونِ دل پینے کے کام کر رہے ہیں +

(بقلم بلال نور احمد)

مشیر حسین رض (قدوائی)

بائیبل میں اسلام

اسلام ایک ایسا مذہب ہے۔ جس کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ اس کی ابتدا انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو قوائے انسان کو عطا کئے گئے۔ اور جو اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی اسے ملنے چاہئیں۔ اُنہی میں سے ایک نورِ قلب یا مذہبی اثر ہے۔ آدم جس کو ہم ابوالبشر مانتے ہیں۔ وہی پہلا مسلمان بھی تھا۔ پھر سارے نبی اسلام کے پیرو ہی رہے۔ اور اصول اسلامی پر ہی عامل تھے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم وعلی اخوانه من النبيين سب سے آخری وہ انسان تھا جس نے اصُول اسلام کو کھول کر بیان فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ آپکے ذریعہ سے اس مذہب نے جو فطرت انسانی کے تقاضہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے اصل انسانی مذہب کہلانے کا مستحق ہے۔ اپنا کمال حاصل کیا۔ اور اسی لیئے وُہ سب سے بڑا مسلم اس لفظ کے صحیح معنوں میں تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں آپ کے متعلق یہی لفظ بولے گئے ہیں انا اوّل المؤمنين۔ مگر قرآن کریم نے ابراہیم کو بھی مُسلم کہا ہے۔ بلکہ سارے انبیاء کو مسلم کہا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے وُہ بھی اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ گویا یہی فطرت انسانی کا اصل مذہب ہے۔

اسلام کے یہ دعاوے اس امر کے محرک ہوتے ہیں۔ کہ دوسری کتب مقدسہ کو دیکھا جائے۔ کہ کیا وہ بھی اسلام کے ان دعاوی کے موید ہیں یا نہیں۔ گو یہاں سب سے بڑی مشکل پہلے یہ آن پڑتی ہے۔ کہ تاریخی رنگ میں مستند کتابیں کہاں سے لائیں۔ ہم ان کتابوں کی عزت کرتے ہیں۔ مگر اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے متعلق یہہ تاریخی ثبوت میسّر نہیں آتا۔ کہ بلا کم وکاست وُہ ان انبیاء کی تعلیم ہی جن کی طرف منسُوب کی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف ان میں تغییر و تحریف کا صاف ثبوت ملتا ہے۔ اندرین

صورت ہم انہی کتابوں کو لیں گے جیسی مل سکتی ہیں۔ گو ان میں صداقت کہیں کہیں ہی ملتی ہو۔ اب مثلاً پُرانے عہدنامہ کو لو۔ جسے یہود اور عیسائی دونوں قومیں اپنی کتاب مقدس تسلیم کرتی ہیں۔ استثنا رچھٹے باب کی چوتھی اور پانچویں آیت میں ہے "سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ" اب یہ الفاظ حقیقی اسلامی رُوح کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہیں۔ اور ایک سچے مُسلم کے سوائے دُوسرے کے مُونھ سے نہیں نکل سکتے۔ یہ تعلیم صاف طور پر ہمیں ہدائیت دیتی ہے۔ کہ ہمارا سارا خلوص ساری محبت اور ساری عبادت صرف ایک اور ایک ہی خدا کے لیئے ہونی چاہیئے۔ نہ یہ تثلیث کے لیئے جگہ چھوڑتی ہے۔ نہ اور کسی قسم کا خدا کی ذات میں کثرت کا خیال تک ہمارے دل میں آنے کے لیئے جگہ چھوڑتی ہے۔ جو ایک ہے وہ بُہت نہیں ہو سکتے۔ اور جب ساری محبت ایک خداوند کے لیئے خاص کرنی ہے۔ تو پھر دُوسرے کسی خدا کے لیئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہی حال دیگر انبیار کی تعلیم کا ہے۔ جن کی کتابیں پُرانے عہدنامے میں پائی جاتی ہیں یسعیاہ کی کتاب میں ہے کہ "میں خداوند ہوں۔ یہ میرا نام ہے۔ اپنا جلال میں کسی دُوسرے کو نہیں دُوں گا نہ میری حمد تراشے ہوئے بتوں کو دی جائے گی" ملاکی میں ہے "میں خداوند ہوں جو بدلتا نہیں"

آخری کتاب مقدس قرآن کریم۔ کی وُہ آیات جو ایک خدا پر ایمان لانے کے متعلق ہیں۔ اور جن کا تعلق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور یعقوبؑ اور آپ کے بعد بنی اسرائیل کے انبیاء سے ہے۔ اب ہم اُن کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

"اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اس گھر (بیت اللہ) کی بُنیادیں اُٹھاتے تھے۔ اور یُوں دُعا کرتے تھے۔ کہ اے ہمارے رب ہم سے قبُول فرما۔ تو سُننے والا جاننے والا ہے۔ اَے ہمارے رب۔ ہم دونوں کو بھی اپنے مُسلم بنا۔ اور ہماری نسل میں سے اپنے لیئے ایک مسلم قوم بنا۔ اور ہماری عبادت کے طریق ہم کو سکھا۔ اور ہم پر رجُوع مرحمت فرما۔ تو بُہت رجُوع مرحمت فرمانے والا۔ مہربان ہے۔

اے ہمارے رب ان کے اندر ایک رسول مبعوث فرمائیو۔ جو تیری آیات اُن پر پڑھے اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھائے۔ اور اُن کو پاک کرے۔ تو غالب حکمت والا ہے۔

اور کون شخص ابراہیمؑ کے مذہب کو چھوڑتا ہے۔ مگر وہی جو سفیہ بنتا ہے۔ کیونکہ ہم نے تو ابراہیمؑ کو دُنیا میں بھی برگزیدہ بنایا۔ اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہے۔

جب اُس کے رب نے اُسے فرمایا۔ فرمانبردار ہو جا۔ تو اُس نے کہا میں سارے جہانوں کے رب کا فرمانبردار ہو چکا۔

اور اسی بات کی وصیّت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو کی۔ اور یعقوبؑ نے بھی۔ اے میرے بیٹو۔ اللہ نے تمہارے لیئے ایک دین چُن لیا ہے۔ سو تم پر موت نہ آئے۔ مگر ایسی حالت میں کہ تم مسلم ہو۔

کیا تم اُس وقت موجُود تھے جب یعقوبؑ بستر مرگ پر تھے۔ جب اُس نے اپنے بیٹوں کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے۔ اُنھوں نے کہا۔ ہم تیرے خدا اور تیرے باپ دادوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے۔ جو ایک خدا ہے۔ اور ہم اُسی کے کامل فرمانبردار ہیں۔

یہ لوگ گذر چکے۔ اُن کے لیئے جو اُنھوں نے کمایا۔ اور تمہارے لیئے جو تم نے کمایا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اُس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔"

ان تمام آیات سے اِسی طرح یہ بات عیاں ہے جس طرح پُرانے عہدنامے کے حوالوں سے کہ تمام انبیاء کا مذہب اسلام ہی تھا۔ مگر چونکہ یہود جن کے مذہب کی بنیاد پُرانے عہدنامہ پر ہے۔ توحید اسلامی کے اصل اصُول کا انکار نہیں کرتے۔ البتہ عیسائیوں نے تثلیث کے عقیدہ کو رواج دے کر اللہ تعالےٰ کی توحید خالص کے مسئلہ کو بالکل جواب دے دیا ہے۔ اِس لیئے اب ہم نئے عہدنامہ کے چند حوالجات لیتے ہیں۔ کہ آیا خود حضرت مسیحؑ کا مذہب توحید الٰہی کے متعلق وہی تھا۔ جو اسلام نے سکھایا۔ یا اسلام کے خلاف وہ تثلیثی مذہب تھا۔ جس پر نصاریٰ زور دیتے ہیں۔ مرقس ۱۲ باب میں ایک فقیہ کا قصّہ لکھا ہے۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس مذہب کے اصل اصُول سیکھنے کیلئے

آیا تھا۔ جو جواب اس کے سوال کا حضرت مسیح نے دیا۔ اور پھر جو کچھ اُس پر فقیہ نے اللہ تعالےٰ کی توحید کے متعلق خیالات کا اظہار کیا۔ اس کو جس طرح حضرت مسیح نے پسند فرمایا یہ سب باتیں صاف بتاتی ہیں۔ کہ حضرت مسیح درحقیقت انہی اصول کے پیرو تھے۔ اور انہی اصول کی تعلیم دیتے تھے۔ جو مذہب اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ حضرت مسیح اور اُس فقیہ کی یہ دلچسپ گفتگو اس قابل ہے۔ کہ انجیل نویسوں کے اپنے الفاظ پڑھے جاویں۔ دیکھو مرکس ۱۲ : ۲۸ - ۳۴ -

"تب فقیہوں میں سے ایک جس نے ان کا سوال و جواب سن کے سمجھا۔ کہ اُس نے انھیں خوب جواب دیا۔ پاس آیا اور اس سے پوچھا۔ کہ سب حکموں میں اوّل کون ہے یسوع نے اس سے جواب میں کہا۔ کہ سب حکموں میں اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن۔ وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے۔ اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر" اوّل حکم یہی ہے۔

"اور دوسرا جو اس کی مانند ہے یہ ہے۔ کہ تو اپنے پڑوسی کو اپنے برابر پیار کر۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں ہے"

"تب اُس فقیہ نے اُس سے کہا۔ کیا خوب اے اُستاد تو نے سچ کہا۔ کیونکہ خدا ایک ہی اُس کے سوا اور کوئی نہیں اور اُس کو سارے دل سے اور ساری عقل سے اور ساری جان سے اور سارے زور سے پیار کرنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بہتر ہے"

"جب یسوع نے دیکھا۔ کہ اُس نے دانائی سے جواب دیا۔ تو اُس سے کہا تو خدا کی بادشاہت سے دُور نہیں اور بعد اس کے کسی نے جرأت نہ کی۔ کہ اُس سے سوال کرے"

آخری فقرہ سے حضرت مسیح کا عقیدہ نجات کے متعلق کیا صاف نظر آتا ہے۔ ایک خدا پر ایمان لاکر اور اُس ایک ہی خدا کے سارے زور اور سارے دل اور جان سے عبادت کرکے اور اپنے ہمسایہ سے محبت کرکے ایک انسان خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے

اس کے بعد یہ کیسی جرأت ہوگی۔ کہ اُس پاک اور خالص توحید کو چھوڑ کر جس کے ذریعہ سے انسان خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے اور صرف اسی کے ذریعہ داخل ہو سکتا ہے تثلیث پر ایمان لایا جائے اور اسے نجات کا بنیادی پتھر ٹھہرایا جائے اور حضرت مسیح کے خون کو گناہوں سے پاک کرنے کا آلہ بتایا جائے۔ لوقا کا مذہب وہی تھا جو اوپر کے مرقس کے حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ وہ لفظ ہمسایہ کو اور بھی وسیع کر کے اسلامی تعلیم کے اور بھی قریب ہو گیا ہے۔

اگر صاف دلی سے انجیل کو پڑھا جائے تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ مسیح کا مذہب اللہ تعالےٰ کی توحید کے لحاظ سے اصل اسلام تھا۔ ہاں یہ سچ ہے۔ کہ چونکہ ابھی زمانہ اس بات کا مقتضی نہ تھا۔ اس لیئے اس تعلیم کو کامل کرنا ازل سے محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی سپرد کیا گیا تھا۔ وہی تعلیم کے اصول تھے۔ مگر ان کو کمال تک پہنچانے کے لیئے دنیا کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی۔ کیونکہ آپ کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ نے صاف کہدیا۔ ماکنت بدعا من الرسل۔ وہی رسالت اور نبوت نے جسے لوگ پہلے بھی لے کر آتے رہے۔ اصول بھی وہی ہیں۔ میرا خدا کوئی الگ خدا نہیں۔ وہی خدا یہودیوں اور عیسائیوں کا بلکہ کل دُنیا کا خدا ہے۔ ہاں یہاں تک اپنی تعلیم کو وسعت دی کہ انبیار کی تعلیم میں جو اصول مشترک ہے۔ یعنی توحید باری تعالےٰ اُس پر سب قایم ہو جائیں۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔ اصول مشترک کو نکال کر جس قدر زوائد لگائے گئے ہیں کہ کسی نے ...... کسی کو اپنا شفیع اور خدا کا شریک بنالیا ہے کس نے کسی کو۔ ان سب کو نکال دو باقی جو کچھ مشترک اصول رہجائے اُس کو محکم پکڑ لو۔ بہت عیسائیوں نے اس اصول کو تسلیم کیا اور اسلامی سلسلۂ اخوت میں منسلک ہو گئے آج بھی نسل انسانی کے بہی خواہ ایک عظیم الشان فایدہ دُنیا کو پہنچا سکتے ہیں۔ اور نسل انسانی میں ایک عام سلسلۂ اخوت قایم کر سکتے ہیں۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے۔ کہ سب کے سب ایک ہی خدا پر ایمان لائیں اور دوسرے انسانوں سے خواہ وہ کسی ملک کسی

قوم کسی رنگ کے لوگ ہوں یکساں سلوک کریں۔
ایک خدا کی عبادت کرنا اور تمام انسانوں کی بھلائی میں لگ جانا یہ اسلام کا اصل الاصول ہے۔ یہی تمام مذاہب کا بُنیادی اصول تھا۔ جب وہ اپنی اصلیت پر قایم تھے۔ آؤ سب متفق ہو کر پھر اس اصل الاصول پر قایم ہو جائیں۔ تاکہ سب انسان بھائی بھائی ہو کر دنیا پر رہ سکیں۔ ایک دوسرے سے برادرانہ محبت کا برتاؤ کریں اور ایک ہی خالق اور ایک ہی مالک کی عبادت کریں جو مشرق اور مغرب دونوں کا مالک اور اکیلا ہی مالک ہے۔ اور اس سب کا بھی جو اس زمین پر ہے۔ مسیح کی اصل اور خالص تعلیم یہی اسلامی تعلیم تھی۔ اور انجیل کے وہ بیانات جن میں تحریف اور تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ یہی ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر گیمبیر بولٹن ایف۔ آر۔ جی۔ ایس وغیرہ پریزیڈنٹ سائیکولاجیکل سوسائٹی لنڈن نے ثابت کیا ہے۔ مثلاً "ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا" اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدا سب کا یکساں خدا ہے "تم سب بھائی ہو" اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سارے مرد اور ساری عورتیں ایک ہی سلسلۂ اخوت میں منسلک ہیں "تم سب میں ایک ہی خدا ہے" اس سے معلوم ہوا۔ کہ ہم سب میں الوہیت کی ایک چنگاری ہے۔ اور اس طرح ہم سب بڑے بھائی کی طرح اسی صفات سے حصّہ لینے والے ہیں "ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اور اگر فرزند ہیں تو وارث۔ خدا کے وارث اور مسیح کے ساتھ وارث" اس سے معلوم ہوا۔ کہ خدا انسانی جذبات کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان خود ایک رُوح ہے۔ جو جب تک یہاں ہے ایک جسم خاکی میں ہے اور ہم سب زندہ خدا کے روحانی فرزند ہیں "میں اُٹھوں گا اور سیدھا خدا کے پاس جاؤں گا" اس سے کسی کے دوسروں کے منجی ہونے کا عقیدہ باطل ہوتا ہے "جو کچھ آدمی بوتا ہے وہی کاٹے گا" اس لیئے ہر گناہ جو ہم کریں۔ اُسکے پورے جوابدہ ہیں۔ ہر مرد اپنے کاموں ہر عورت اپنے کاموں کی "ہمیشہ دعا میں لگے رہو" یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی عملی رنگ میں دُعا ہو جائے۔ پس ہر ایک اچھا کام اور محبت کا خیال دُعا ہے "بہشت کی بادشاہت (اسلیئے دوزخ بھی) تمہارے اندر ہے" پس بہشت اور دوزخ خارج سے نہیں آتے بلکہ انسان

کے اپنے اندر سے ہی بنتے ہیں۔ جو سوال ہم سے ہوگا وہ یہ نہیں ہوگا کہ تمہارے کیا عقائد تھے۔ کس چیز کو کیا مانتے تھے۔ بلکہ یہ کہ تم نے خدا کی حمد اور اُس کے جلال کے لیئے کیا کام کیا اپنے بھائیوں اور بہنوں کی بھلائی کس طرح پر کی۔ اپنے جسم اپنی جان اور اپنی رُوح کی بہتری کے لیئے کیا کیا کیونکہ "ایمان بغیر اعمال کے مردہ ہے"

مراقش سے ایک پیغام

ایک فرانسیسی معزز کی۔ جو اب مراقش میں ہے ذیل کی چٹھی پروفیسر لیون کو ملی ہے جس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

سفران ۔ مراقش

۱۲۔ ستمبر ۱۹۱۵ء

پیارے بھائی

۱۸۹۹ء کے قریب میں اس پرچہ الہلال کا خریدار تھا۔ اور مجھے خیال پڑتا ہے۔ کہ میں نے ان دنوں میں آپ کا نام بھی اس پرچہ میں دیکھا۔ جو شائد لورپول مسلم کالج کے پروفیسروں کی فہرست میں تھا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ آپ فرانسیسی الاصل ہیں۔ جیسا کہ آپ کے نام سے ظاہر ہوتا ہے گو میں انگریزی زبان سے واقف ہوں۔ اور اُسے پڑھ بھی سکتا ہوں۔ لیکن اس کا لکھنا کچھ مشکل ہے۔ اور مجھے اپنے اُوپر اس بارہ میں اطمینان نہیں ہے۔ اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ انگریزی نژاد مسلمانوں سے خط و کتابت کروں۔ کیا آپ اس کا کچھ انتظام کر سکتے ہیں۔ تاکہ اُن کے اور میرے درمیان رابطہ دوستی قایم ہو جائے۔

فوجی خدمت اور زندگی کے لیئے جد و جہد نے مجھے بہت سالوں سے الہلال سے محرُوم کر رکھا ہے۔ مجھے اسلامک ریویو سے بہت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور میرا دل ہاتھوں اُچھلتا ہے۔ جب میں آئے دِن نومسلموں کے نئے نئے نام دیکھتا ہوں۔

میرا ارادہ تھا۔ کہ رخصت کے دنوں میں ووکنگ کی زیارت کرتا۔ لیکن جنگ کی وجہ سے رک گیا۔ اور اب میں فوجی خدمت میں دوسری جگہ آگیا ہوں۔ اور مجھے اپنی خدمت پر حاضر رہنا ضروری ہے۔ میرے دل میں بڑا اشتیاق ہے۔ کہ اپنے انگریز مسلمان بھائیوں سے ملکر گفتگو کروں۔ لیکن اختتام جنگ سے پہلے ایسا نہیں کرسکتا۔ چارسو مومنین کا ووکنگ میں عیدالفطر کی نماز پر جمع ہوجانا بہت ہی عظیم الشان اور روح افزاء نظارہ ہوگا۔ قرآن شریف کا نیا ترجمہ جب چھپے تو میں اُسے بہت خوشی سے لوں گا۔ میں اور میرا والد فرانس میں ۱۸۹۹ء میں مسلمان ہوئے تھے۔ بہت سے فرانسیسی لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ فرانس میں بھی اور الجیریا میں بھی۔ میرا باپ ڈاکٹر گرینیر سے واقف تھا۔

آپکا بھائی

ایم۔ جے۔ بورٹ

محمدؐ اور مسیحؑ

ایک انگریزی نژاد خاتون امینہ کی قلم سے

مذکورہ بالا دو نام یعنے محمدؐ و مسیحؑ ایسے ہیں جن کا دُنیا کے قلب پر اتنا بڑا اثر ہے کہ اسکے مقابل میں تمام اثرات ہیچ ہیں۔ لیکن ان دونوں میں فرق بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نبی عرب صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محفوظ ہے۔ اور مسیح کی محفوظ نہیں۔ نبی کریم صلعم کی تعلیم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محمد صلعم نے بنی نوع انسان کی بھلائی اور دُنیا میں امن قائم کرنے کے لیئے جو کار نمایاں سرانجام فرمائے ہیں وہ گذشتہ یا موجودہ کسی انسان سے نہیں ہوسکے۔ برخلاف اس کے نبی ناصری کی تعلیم اس قدر بدل گئی ہے۔ اور اپنی اصلیت اور مفہوم سے اس قدر دور جا پڑی ہے۔ کہ اب اسے اُن کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔ من گھڑت مسئلے۔ پادریوں کی فرقہ بندی۔ توہمات اور جھوٹے عقائد اس قدر مخلوط ہو گئے ہیں۔ کہ تعلیم حقیقت سے بہت دور ہٹ کر کفر اور ضلالت کے گڑھے میں جا گری ہے

موجودہ عیسویت جو کہ گرجوں میں سکھائی جاتی ہے وہ بعد کی اختراع ہے نہ کہ مسیح کی سچی اور سادی تعلیم۔ دُنیا میں کسی مذہب نے نوع انسان سے وُہ سلوک نہیں کیا۔ جیساکہ اس مذہب نے جو آجکل عیسائی مذہب کہلاتا ہے۔ ایک طرف تو حضرت مسیح یہ چاہتے تھے کہ یہود اور غیر یہود لوگوں کے درمیانی فرق کو اُٹھا دیا جائے۔ دوسری طرف مسیح کے پیروؤں نے ذات۔ قومیت۔ نسل۔ فرقہ بندی اور رنگ کی لاتعداد دیواریں بنی نوع انسان کے درمیان پیدا کر دی ہیں۔ اس لیئے آجکل جو تصویر پیش کی جاتی ہے۔ اس میں عیسویت اور اسلام کی تعلیموں میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ یہاں تک دونوں نبیوں کے اخلاق بھی فرق محسوس ہوتا ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تو تصویر ایسی نظر آتی ہے۔ کہ ایک شخص ہے جس کی صحت جسمانی نہائت اعلےٰ اور حالت قلبی نہایت سلیم۔ اولوالعزم۔ صاحب استقامت۔ دلیر اور جری۔ دوربین۔ صاحب اخلاق حسنہ۔ وہ بحیثیت ایک انسان کے اپنے تئیں پیش کرتا ہے۔ اور انسانیت کے کمال کو اپنے وجود میں دکھلاتا ہے۔ سچا۔ وفادار۔ مخلص۔ بلند حوصلہ انسان۔ ہاں ایک ہیرو جیساکہ کارلائل نے لکھا ہے۔ عرب کا یہ نبی خوب جانتا تھا۔ کہ ایک یتیم فرزند۔ ایک محبتی شوہر۔ ایک شفیق باپ۔ ایک بہادر سپاہی۔ ایک عظیم الشان مقنن یا منتظم کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام واقعات آپ کی زندگی میں پیش آئے اور آپ نے اُن میں سے ہر ایک شعبہ اور حالت میں اپنے آپ کو ان خطابات کا حقیقی مصداق ثابت کیا۔ چونکہ آپ پر انسانی زندگی کے مختلف حالات وارد ہوئے۔ اس لیئے آپ نے اُن سے کما حقہٗ واقف ہو کر اپنے نمونہ سے زندگی کے ان مختلف شعبوں کے لیئے سچی ہدائت کے نمونے قایم کیئے۔ برخلاف اِس کے بدقسمتی سے مسیح ہمیشہ محکوم ہی رہا۔ خود مسیح کے اپنے پیروؤں نے جو نقشہ آنجناب کا کھینچا ہے۔ وُہ یہی ہے۔ کہ ایک غمگین و اُداس انسان جو دُنیا کی طرف سے مایوس ہے۔ دُنیا کے گناہوں کو دیکھ دیکھ کر کُڑھتا ہے۔ لیکن اسے دُنیا کی تبدیلی یا ترقی کی ذرا بھی امید نہیں۔ مسیح علیہ السلام کی جو تصویریں کھینچی گئی ہیں اور جو بُت بنائے گئے ہیں۔ اُن میں بھی صاف نقشہ آپ کی عدم صحت مزاج کا کھینچا گیا ہے۔ گویا قبل اِس کے کہ آپ ناکامی کے انتہائی مقام یعنے صلیب پر لٹکائے جائیں آپ

پہلے ہی سے اپنی زندگی کی ہر منزل میں ضعف اور عاجزی کی مجسم تصویر تھے۔ پھر کیا تعجب کا مقام ہے جو اُن لوگوں نے جن کو "زمینی کیڑے" "بدنصیب گناہگار" اور خدا جانے کیا کیا کہا جاتا ہے۔ ایسے مذہب کا انکار کیا۔ جو اس قسم کے ذلیل القاب اُنھیں عطاء کرتا ہے۔ اگر خدا نے انسان کو بنایا ہے۔ تو یہ خدا کی کتنی ہتک ہے۔ کہ اُس کی کاریگری کے اعلےٰ نمونہ یعنے انسان کو "زمینی کیڑے" اور "گم شدہ بھیڑوں" کے لقب سے یاد کیا جائے۔ کیا اچھا ہوتا کہ انسان کو بیدار کرنے کے لیئے اُس کی اعلےٰ خلقت کی طرف اشارہ کیا جاتا۔ اور اُسکو بتایا جاتا۔ کہ تو کس قدر اعلےٰ مخلوق ہے۔ اور کیا کیا اعلےٰ کام تو کر سکتا ہے۔

جب خدا نے اسے اپنی شکل پر بنایا اور اُسے اپنا خلیفہ بنایا۔ تو پھر اُس کی رُوح ابتداءً گناہوں سے پاک ہے۔ اور اُس میں بڑی بڑی قوتیں مخفی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر کیسی شان دار اور مؤثر ہے۔ مضبوط اور مستعد۔ صحیح الجسم اور صحیح القویٰ جہاں کہیں مدد کی ضرورت ہو تو فلسفیانہ فرضی ہمدردی کے فقروں کے پیچھے نہیں۔ بلکہ عملی طور پر نہائیت خوشی اور شفقت کے ساتھ مدد دینے کو موجود۔ حوصلہ بڑھانے اور تسلی دینے کو ہر وقت حاضر۔ ظلم اور تعدّی کا دشمن۔

اس میں شک نہیں کہ مسیح کی تکالیف و آلام میں ایک درد انگیز دلکشی ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے وُہ نمونہ غرق ہو جاتا ہے۔ جس کی تقلید کی نوع انسان کو ضرورت ہے۔ نہائیت کا سچا نمونہ وہ ہونا چاہیئے جس میں ہر قسم کا رنگ نمایاں ہو۔ اور بدی اور ظلم کو مغلوب کرنے کی اُس میں طاقت ہو۔ جو نہائیت دلیری کے ساتھ زندگی کی تمام خوبیوں کو پُوری تفصیل کے ساتھ اپنے وجود میں دکھلاوے۔ اور جو اس دُنیا میں بھی اپنے رفیقوں کی حمایت میں ہاتھ اُٹھا سکے۔ اور محض آخرت کی خوشیوں کے سبز باغ دکھا کر ہی یاروں کو تسلی نہ دے لیا کرے اُس کی محنت اور سعی کا پھل کچھ دُنیا میں بھی نظر آوے۔ اور اُس کی دانائی و حکمت پر زمانہ فخر کرے۔ مسیح کے ہمیشہ مظلوم رہنے نے مسیحیوں کے سامنے انسانی ترقیات اور کمال کے معیار کو بہت گرا دیا۔ لے دے کر ایک گرفتار بلا بیکسی کا نمونہ سامنے آجاتا ہے۔ اور بس۔ خدا جانے پادریوں کے پنجہ میں کب تک دُنیا گرفتار رہے گی؟ اور کب تک بجائے خود

محقق بننے کے گرجے کی کرانہ تقلید کو دستور العمل بنایا جائے گا؟ - اسلام ہی ایک مذہب ہے جس سے تمام امیدیں وابستہ ہیں - یہ اپنے پیروؤں سے ایسے خیالات نہیں منواتا جو ناممکنات میں سے ہوں - ایسے عقاید نہیں پیش کرتا - جو غیر معقول ہوں - اس کی سادی اور عمدہ تعلیم میں کوئی بات ایسی نہیں - جس پر انسان اپنی روزمرّہ کی زندگی میں عمل نہ کر سکے - تمام ضروریات اور شعبوں کے لیئے اس میں قوانین ہیں - یہ ایک مذہب ہی جسکی بُنیاد کسی گناہ کے وجود پر نہیں - بلکہ اس کی بنا امید - ایمان اور شفقت علے خلق اللہ پر ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ

(از فدوائی -)

حضرت محمد صلعم جو عبد اللہ اور آمنہ کے فرزند تھے - اور قریش کے ایک عالی خاندان میں سے تھے - مکّہ میں ۵۷۰ء میں اپنے والد بزرگوار کی وفات کے تین ماہ بعد پیدا ہوئے - بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک خواب دیکھا تھا - اور اُس میں اُن کو یہ بتلایا گیا تھا - کہ آپ کا نام محمدؐ رکھا جائے - جس کے معنے ہیں تعریف کیا گیا - اسی لیئے آپ کے دادا عبد المطلب نے اپنے یتیم پوتے کا یہی نام رکھا - بیوگی کے غم نے آپ کی والدہ کا دُودھ خشک کر دیا تھا - اِس لیئے رواج کے مُطابق آپ کو ایک انّا کے سپرد کیا گیا جن کا نام حلیمہؓ تھا - اور جو بنی سعد کے قبیلہ میں سے تھیں آنحضرت صلعم جب تمام عرب کے دُنیوی اور دینی بادشاہ ہو گئے تھے - اُس وقت بھی اپنی انّا کے ساتھ ایسے محبّت کا برتاؤ کرتے تھے - اور اِس قدر شکریہ ادا کرتے تھے جو حدِ بیان سے باہر ہے - اور اُس کی اولاد کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا کرتے تھے

الغرض جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی۔ تو آپ کی انّا آپ کی والدہ کے پاس واپس لائی۔ مگر ابھی آپ کی عمر چھ سال کی تھی۔ کہ آپ کی والدہ کا سایۂ ہمیشہ کے لیئے آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ اور اُس دُرِّ یتیم کی پرورش بوڑھے دادا کے سپرد ہوئی۔ مگر وہ بھی ۲ دو سال بعد قضا کر گئے۔ اور آپ کی پرورش ابو طالب جو آپ کے چچا اور حضرت علیؓ کے باپ تھے۔ سپرد ہوئی۔ اس طرح آپ نے والدین کی آغوش شفقت کا مزہ کچھ بھی نہ چکھا مگر اپنی زندگی بھر آپ اپنے متبعین کو اپنے والدین کی خدمت اور تابعداری کی ہمیشہ تاکید فرماتے رہے۔ اور یہ لطیف فقرہ فرمایا کرتے تھے کہ "جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ بچپن سے نہائت قوی الجثّہ تھے۔ اور آپ کی صحت نہائت اعلےٰ درجہ کی تھی۔ مگر آپ کبھی لہو ولعب میں شامل نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک دفعہ اپنے ایک رفیق سے کہا کہ "انسان نہائت ہی اعلےٰ غرض کے لیئے پیدا کیا گیا" جلدی ہی آپ کے تمام ہموطن اور شہر کے لوگ آپ کے مداح اور شیدا بن گئے۔ اور آپ کو سبنے بالاتفاق صادق اور امین کا لقب دے دیا۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ پچیس ۲۵ سال کی عمر میں آپ خدیجہ بنت خولد کی طرف سے جو قریش کے ایک خاندان کی بی بی تھیں اسباب تجارت لے کر دمشق گئے۔ حضرت خدیجہ آپ سے عمر میں پندرہ ۱۵ سال بڑی تھیں۔ آپ نے تجارت کو نہایت قابلیت سے نباہا۔ اور بہت بڑا منافع خدیجہ کو لا کر دیا۔ خدیجہ نے آپ کے حُسنِ سیرت وحسن صورت اور قابلیت کو دیکھ کر آپ سے نکاح کر لیا۔ جیسے جیسے خدیجہ کو آپ کی خوبیوں کا پتہ لگتا گیا ویسے ویسے اُن کی محبّت آپ سے بڑھتی گئی۔ اور آپ بھی اُن سے کچھ کم محبّت نہ رکھتے تھے۔ نکاح کے بعد خدیجہ کے کاروبار میں آپ ویسی کامیابی حاصل نہ کرسکے جیسی کہ نکاح سے پہلے کی تھی۔ مگر پھر بھی آپس کی محبّت واتّفاق میں کوئی فرق نہ آیا۔

جب آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ اُس وقت آپ نے اپنے مُلک کو خونریز جنگ سے بچالیا۔ جو حجر اسود کے اپنے مقام پر رکھنے کے متعلق چھڑ جانے کو تھی۔ اس کے سوائے اور کوئی واقعہ ایسا نہ ہُوا۔ جو آپ کی شخصیّت کو پبلک میں کوئی خاص اہمیت

دیتا۔ اگرچہ آپ کی ساری زندگی ہی مفید کاموں میں خرچ ہوتی تھی۔ چالیسؔ سال کی عمر میں آپ کی زندگی کا وُہ حصّہ شروع ہوتا ہے۔ جس نے دُنیا کی تاریخ پر ہمیشہ کے لیئے اپنا یادگار نشان چھوڑا۔ آپ غارِ حرا میں تھے۔ اور رمضان کا مہینہ تھا۔ جو یہ وحی نازل ہُوئی "اقرا باسم ربك الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۞ اقرا و ربك الاكرم الذی علم بالقلم ۞ علّم الانسان مالم یعلم ۞ ۔ پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا (تمام اشیاء کو)۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بہت بزرگی اور بخششوں والا ہے۔ جس نے قلم کا استعمال سکھلایا اور انسان کیونکہ وُہ کچھ سکھلاتا ہے۔ جو وہ جانتا نہ تھا۔

اُوپر کی وحی وہ ہے۔ جو وقتاً فوقتاً نبی امی کو شروع شروع میں ہوتی رہی۔ اور جو آپ کے رُوحانی عظیم الشان کارنامہ کے لیئے بطور پیش خیمہ کی تھی۔ الغرض خدائے قادر کا یہ فرمان پہنچا۔ تو آپ نے نہایت عجز اور فرمانبرداری کے ساتھ اس بوجھ کو اپنے سر پر اُٹھایا۔ اور دل وجان سے نہایت عزم مصمّم کے ساتھ اسکی تعمیل میں لگ گئے۔ مثل ہے "اوّل خویش بعدہٗ درویش"۔ آنحضرت صلعم نے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو ہی تبلیغ کرنی شرُوع کی۔ اور اُس نور کی اُنھیں خبر کی جو آپ کو خدا کی طرف سے ملا تھا اس لیئے جن لوگوں نے سب سے پہلے آپ کو راستباز مانا۔ وُہ وہی تھے جو آپ کے اندر باہر تمام حالات سے خوب واقف تھے۔ میں اپنی بجائے مؤرخ گبن کی تحریر کو پیش کرتا ہوں وہ کہتا ہے:۔ "محمد صلعم پر سب سے پہلے نہائیت جوش اور اخلاص کے ساتھ وہ لوگ ایمان لائے۔ جو آپ کے نہائیت قریبی تھے۔ اور اس لیئے آپ کی بشری کمزوریوں سے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔ مثلاً آپ کی بی بی۔ آپ کے غلام۔ آپ کے شاگرد آپ کے دوست۔ خدیجہ نے اپنے شوہر کی کلام کو تسلیم کیا۔ اور آپ کی عزت اور جلال کے بڑھنے سے خوش ہوئی۔ محبت کرنے والا زیدؓ آزادی کے خیال سے اسلام قبول کرنے کے لیئے تیار ہوگیا۔ (یہ گبن کا ایک نہائیت لغو حملہ ہے۔ ایسے شخص کی نیت پر جس کی خلوص نیت کا اُس کے اگلے اور پچھلے حالات سے خوب پتہ چلتا ہے۔ ناقل)

مشہور و معروف علی ابن ابی طالب نے بھی ایک نوجوان ہیرو کی طرح اپنے بنی عم کے ساتھ دیا اور ابوبکرؓ کی دولت میانہ روی اور صداقت پسندی نے پیغمبر صاحب کے مذہب کو مضبوط کر دیا۔ ابوبکرؓ کی کوشش سے شرفائے مکہ میں سے دس آدمی اور اسلام کی تعلیم کو سننے کے لیئے آئے نتیجہ یہ ہوا کہ معقولیت اور اخلاص کے آگے سر جھکا دیا۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اٹھے۔

آنحضرت صلعم کی تمام زندگی میں کبھی آپ کے صحابہ کے دل میں آپ کی صداقت یا آپ کی تعلیم کی سچائی کی نسبت نام کو بھی شک پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ جیسے جیسے آپ کے حالات سے واقفیت زیادہ بڑھتی گئی آپ پر ایمان بھی زیادہ بڑھتا گیا۔

رائیٹ آنریبل امیر علی نے ان واقعات سے کیا عمدہ استدلال کیا ہے کہ "اگر ان مردوں اور عورتوں کے دل میں جو شریف بھی تھے سمجھدار بھی تھے۔ اور گلیل کے مچھوؤں سے کسی طرح بھی کم تعلیم یافتہ نہ تھے۔ آنحضرت صلعم کی طرف سے اگر کسی قسم کا بھی شبہ پیدا ہوتا اور اُن کو آپ میں دُنیاداری۔ یا دھوکا بازی یا بے ایمانی کے ذرا بھی آثار نظر آتے تو وہ فوراً آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اور آپ کا سارا تانا بانا ٹوٹ کر خاک میں مل جاتا"

دعوائے نبوت کے بعد کئی سال تک آپ اپنے شہر کے لوگوں کے ہاتھ سے طرح طرح کے دُکھ اُٹھاتے رہے۔ اور آپ کے مُٹھی بھر صحابہ کو قسم قسم سے اذیت اور عقوبت پہنچائی جاتی تھی یہاں تک کہ آخر اُن میں سے بعض لوگوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ ایک دفعہ بلال کو جو مسلمانوں میں سب سے پہلے مؤذن گذرے ہیں۔ اُن کے مالک نے بالکل برہنہ کر کے جلتی بلتی ریت پر لٹا دیا۔ اور نہایت بھاری بھاری پتھر آپ کے سینہ پر رکھ دیئے۔ اور کہا۔ کہ اگر اس دُکھ سے نجات چاہتا ہے تو اسلام کو ترک کرے۔ مگر ایمان کا جوش ایسا زبردست تھا۔ کہ اُن کے خشک ہونٹوں سے اگر کوئی لفظ نکلتا تھا تو وہ احد۔ احد ہی تھا۔

روز بروز مکہ والوں کی دشمنی آپ سے بڑھتی گئی۔ اور ابوجہل نے جو اسلام کا بڑا زبردست دشمن تھا۔ آپ کا سر کاٹ لانے والے کے لیئے سو اُونٹ اور بہت سا روپیہ انعام مقرر کیا۔ عمر بن الخطاب نے آپ کو قتل کرنے کے لیئے عہد کیا۔ اور اس مقصد سے ننگی تلوار لے کر چل پڑے۔ رستہ میں کسی نے کہا پہلے گھر کی تو خبر لو۔ خود آپ کی ہمشیرہ مسلمان ہو چکی ہیں۔ حضرت

عمر اپنی ہمشیرہ کے گھر چلے گئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کی بہن اور بہنوئی قرآن پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ اپنے بہنوئی کو تو زمین پر دے مارا۔ اور جب اُن کی بہن اپنے شوہر کو بچانے آئیں۔ تو اُن کو مارنے سے بھی فرق نہ کیا۔ لیکن اُن کی بہن نے بلا خوف و خطر صاف کہہ دیا۔ کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور تمہاری جو مرضی ہو کر لو آخر حضرت عمر اپنی حرکت پر نادم ہو کر کہنے لگے۔ کہ مجھے بھی تو بتلاؤ۔ کہ وہ نیا مذہب کیا ہے چنانچہ جب قرآن اُن کے سامنے تلاوت کیا گیا۔ تو اُن پر اس قدر اثر ہوا۔ کہ سیدھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اور اسلام کے پشت پناہوں میں سے ایک ہو گئے۔

حضرت عمر اور قریش کے مشہور جری اور شجاع امیر حمزہ کے اسلام میں داخل ہونے سے قریش کو خیال ہوا۔ کہ اب معاملہ سنگین ہوتا جاتا ہے۔ اِس لیئے ان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آنحضرت صلعم کو طمع دُنیاوی دینے کی کوشش میں ناکام ہو کر اُنھوں نے اب یہ راہ اختیار کی۔ کہ ابوطالب کو مجبور کیا۔ کہ اپنے بھتیجے کی زبان کو بند کروائے۔ ورنہ ان سب کو وہ برادری سے خارج اور جلاوطن کر دیں گے۔ مگر اس شکل میں بھی ناکامی ہوئی۔ آنحضرت صلعم نے اُن کی دھمکیوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ اور اُسی طرح بُت پرستی کی تردید اور توحید الٰہی اور راستبازی اور تقوےٰ و تہذیب کی تبلیغ کرتے رہے۔ قریش اور بھی غضب ناک ہوئے۔ اور اب چونکہ ابوطالب نے کل قبیلہ بنو ہاشم کو اپنے بھتیجے کی حفاظت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ اس کا بدلہ قریش نے یہ لیا۔ کہ اُنھوں نے سارے قبیلہ کو بائیکاٹ کر دیا جبتک کہ وہ محمد صلعم کو قتل کرنے کے لئے اُن کے حوالہ نہ کر دیں۔ نہ صرف شادی بیاہ بلکہ تمام تمدنی اور معاشرتی اور تجارتی تعلقات بند کر دیے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی مزید سختیوں سے بچنے کے لیئے سارے کے سارے قبیلہ نے ایک گھاٹی میں پناہ لی جو شعب ابی طالب کہلاتا ہے اور جہاں محصور رہ کر طرح طرح کی تنگی و تکالیف اُٹھائیں۔ تمام کاروبار بند ہو گئے۔ بال بچّے فاقوں سے نڈھال ہو گئے۔ الغرض سخت مصیبت کا سامنا تھا۔ مگر آنحضرت صلعم کی رفاقت سے کسی نے قدم نہ ہٹایا۔ اور آپ کا یہ حال تھا۔ کہ جب صلح و امن کے مہینے آتے۔ تو

آپ باہر نکل کر حاجیوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے۔ اس گھاٹی میں آپ تین سال تک محصور رہے۔ آخرکار دسویں سال نبوت کے دعوے کے بعد قبیلہ کی استقامت اپنا پھل لائی۔ اور برادری سے اخراج کا فتوےٰ منسوخ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی پیاری بی بی خدیجہ نے انتقال فرمایا۔ اور آپ کے فیاض اور طاقتور محافظ ابو طالب بھی قضا کر گئے۔ ابو طالب کے مرنے سے آپ کے دشمنوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور آپ کو اذیت بیش از بیش دینی شروع کر دی۔ آپ مکہ سے طائف تبلیغ کے لیئے تشریف لے گئے۔ لیکن طائف والے مکے والوں سے کم موذی نہ تھے وہاں سے جب آپ لوٹے ہیں۔ تو آپ کا تمام جسم زخمی اور لہولہان تھا۔

حاتم نے جس نے بنی ہاشم کو قید سے نجات دلوائی تھی۔ آپ پر ترس کھا کر آپ کو اپنی حفاظت میں لیا۔ اور مشرکین مکہ نے ایک اور راہ اختیار کی۔ وہ یہ کہ انھوں نے ہر ایک شخص کو آپ کی تعلیم سننے سے روکنا شروع کیا۔ مگر ایک شخص عبداللہ نے مکہ والوں کو اس طرح قرآن سُنانا شروع کیا۔ کہ اُن کی بھیڑ کے درمیان کھڑے ہو کر زور زور سے چلا چلا کر قرآن پڑھنا شروع کیا۔ تمام لوگ اُس پر ٹوٹ پڑے۔ مگر وہ مار کھاتا گیا۔ اور پڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اُسکو دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ مگر وہ خوش تھا۔ کہ ان کے کانوں تک قرآن کو پُہنچا تو دیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے اُن کے دل میں کس قدر یقین اور جوش اور اخلاص ہوتا تھا۔ مگر ان باتوں سے قریش کے غصہ کی آگ اور بھڑکتی تھی۔ اور جب متواتر حج کے زمانوں میں چھٹ مدنی اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر قریش کا پارہ حد سے زیادہ چڑھ گیا۔ مسٹر گلسن کہتے ہیں کہ یہود نے بھی آنحضرت صلعم سے ایک معلم مانگا تھا۔ جو اس نئے مذہب کی اُنھیں تلقین کرے۔ جس مذہب نے قوم میں ایسی نمایاں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ الغرض مکہ والوں نے ملکر ایک کمیٹی کی۔ اور بڑی قیل و قال کے بعد یہ فیصلہ کیا۔ کہ خاص خاص قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی منتخب ہو۔ اور یہ سب منتخب شدہ لوگ ملکر ایک دفعہ ہی محمدؐ کے جسم کو تلواروں کا نشانہ بناویں۔ تا اس طرح بہت سے قبیلوں کے لوگوں کی شمولیت کی وجہ سے بنی ہاشم کسی ایک قبیلہ سے قصاص نہ لے سکیں گے اور زر فدیہ لینے پر مجبور ہو جاویں گے اور زر فدیہ سب مل کر بہ آسانی ادا کر دیں گے۔ لیکن خدا کی یہ منشاء

نہ تھی۔ کہ آپ کو اس طرح اپنے مشن کے درمیان میں ہی ہلاک ہو جانے دے۔ پس اُسنے آپ کی ویسی ہی حفاظت کی۔ جیسے کہ ہمیشہ وہ اپنے بزرگ نبیوں کی حفاظت کرتا آیا ہے آپ رات کو اپنے ولی رفیق ابوبکر کے ساتھ بچ کر نکل گئے۔ اور جب سازشیوں نے آکر آپ کے بستر پر آپ کی سبز چادر کو اُٹھایا تو وہاں آپ کی جگہ حضرت علی کو لیٹا ہوُا پایا۔ آپ تین دن ایک غار میں چھپے رہے۔ جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔" فقد نصر اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار۔ اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا " خدا نے اس کی اس سے پہلے مدد کی۔ جب کہ وہ کافروں کے ہاتھ سے نکالا گیا تھا۔ اور جبکہ وُہ غار میں دو میں سے ایک تھا۔ اور اپنے رفیق کو کہتا تھا۔ کہ غمگین نہ ہو۔ بے شک ہمارے ساتھ خدا ہے۔"

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر کا تعاقب ہوُا۔ مگو خدا کی حفاظت ساتھ ساتھ تھی۔ آپ صحیح وسالم مدینہ پہوُنچ گئے۔ اس کا نام ہجرت ہے۔ جہاں سے اسلامی سنِ شمار چلتا ہے مدینہ پہنچ کر اُن لوگوں میں جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ اور اُن لوگوں میں جنھوں نے اُن کو پناہ دی۔ یعنے مہاجرین وانصار میں ایک اخوت قائم کی گئی۔ اور یہ ایسا تعلق تھا جس کے سامنے خون کے رشتہ ہیچ ہو گئے۔ اور اس حریت اسلام کی جس کے رُو سے تمام انسان آپس میں برابر ہیں۔ یہ پہلی بُنیادی اینٹ تھی۔ آنحضرت صلعم اب اپنے دوستوں کے درمیان میں تو تھے۔ مگر آپ کی ذمہ واریاں اب بہت بڑھ گئی تھیں۔ آپکو ان لوگوں کا بھی خیال تھا۔ جنھوں نے محض اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ کھو کر آپ کا ساتھ دیا تھا۔ اور مدینہ والوں کی بھی بڑی پاس خاطر تھی۔ جنھوں نے آپ کو اپنے شہر میں لاکر آپ کی میزبانی سے اپنے تئیں دشمنوں کے حملوں کا نشانہ بنالیا تھا۔ آپ نے اپنے [illegible]ب کے پریشان اور متفرق قبائل کو اتفاق کے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے انکی قومیت [illegible] ایک رُوح پھونکنی تھی۔ اور افلاطون اور ارسطو کے اعلےٰ سے اعلےٰ تخیلہ کو جو محض [illegible] خیال میں ہی چکر لگاتا رہا۔ آپ نے حقیقت کا جامہ پہنانا تھا۔ اور اپنے پیش رو [illegible]ب مسیح کے ناتمام کام کو مکمل کرنا تھا۔ یعنے لوگوں کو نہ صرف راستبازی کی طرف ہی

رہنمائی کرنی تھی۔ بلکہ "آسمانی بادشاہت" کو واقعی طور پر زمین پر قائم کرنا تھا۔ اور اپنے متبعین کو یہ تبلانا تھا۔ کہ مذہب محض کسی تخیلہ کا نام نہیں۔ بلکہ ایک عملی صورت ہے جس کے ذریعہ سے دل کو حقیقی خوشی اور جسم کو سچی راحت ملتی ہے۔ اور اس دُنیا میں حصولِ تقوےٰ تو آخرت میں حصول اجر کا باعث ہوتا ہے۔ حالانکہ آپ نے کسی اسکول میں تعلیم نہ پائی تھی۔ مگر آپ نے اُن تمام کاموں کو باحسن وجوہ سرانجام دیا۔ جو ایک بڑے سے بڑے سپہ سالار۔ حاکم اور بادشاہ کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ گلبن صاحب کیا خوب فرماتے ہیں "دُنیا کی تاریخ میں ایک ہی انسان ایسا پایا جاتا ہے۔ جو ایک ہی وقت میں مقنن بھی تھا اور فطرت کی تصویر کھینچنے والا شاعر بھی۔ ایک مذہب کا بانی تھا۔ تو ایک سلطنت کا بھی بانی تھا" آپ نے دشمنوں کے حملوں کو نہائت بہادری سے پسپا کیا۔ بالمقابل بڑے بڑے کامیاب حملے کیئے۔ تمدن و معاشرت میں بڑی بڑی اصلاحیں کیں۔ قوانین اور قواعد مقرر کئے۔ اور قبائل کو متفق اور ایک کر دیا۔ اور ساتھ ہی اس کے خدا کی توحید اور اخلاق فاضلہ کی بڑے زور شور سے اشاعت کی۔

آنحضرت صلعم کو اپنے صحابہ اور اپنے مذہب کو بچانے کی خاطر تلوار اُٹھانی پڑی۔ اگر ایسا نہ کرتے تو آپ کے صحابہ کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔ اور آپ کا مذہب پیدا ہوتے ہی کچل دیا جاتا۔ اور آپ کا بھی وہی انجام ہوتا۔ جو آپ کے پیشرو، جناب مسیح کا حشر ہؤا۔ صاف نظر آتا ہے کہ خدا نے محض اپنے کرم و فضل سے عرب کے وحشی لوگوں کو سدھارنے اور اُن کو توہمات اور اخلاقی تنزل کے انتہائی مقام سے باہر نکالنے کے لیئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جو نہائت اولوالعزم اور اس کام کے لیئے نہائت موزون اور صاحب استقامت تھا۔ جو مختلف حالات تبدیل شدہ کے لیئے اپنے اندر مختلف خوبیوں اور قابلیتوں کو جمع رکھتا تھا۔ جو جفاکشی اور تحمل اور ایثار کی مجسّم تصویر تھا۔ اور قوم کیخاطر عملی طور پر ہر طرح ظالموں کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار تھا۔ گبن کہتا ہے کہ "قدرتاً ہر ایک انسان اپنے بچاؤ کے لئے حق رکھتا ہے۔ کہ اپنے بازوؤں کو اپنے جسم کو اور اپنے مال و دولت کو اپنے دشمنوں کی سختیوں کو دُور کرنے یا روکنے کے لیئے استعمال کرے۔ اور انتقام بھی لے

مگر آنحضرت صلعم کا تو معاملہ ہی اور تھا۔ آپ کو اپنے بچاؤ کے لیئے نہیں۔ بلکہ اپنے متبعین اور اُن کی ضمیر کی آزادی کے بچاؤ کے لیئے تلوار اُٹھانی پڑی۔ چنانچہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں صاف یہی مضمون درج ہے "لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے اُن لوگوں کو جن کے خلاف لڑائی کی جارہی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مظلوم ہیں..... جو کہ اپنے گھروں سے نکالے گئے بغیر کسی وجہ کے سوائے اس بات کے کہ وُہ کہتے تھے۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے"
اصلی الفاظ یہ ہیں اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا ء وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر ہ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہؕ
حضرت محمد صلعم کی مدنی زندگی مکی زندگی سے بالکل مختلف تھی۔ مگر قابل تعریف ہونے میں دُوسری پہلی سے کم نہ تھی۔ ہاں دیکھنے والے کی آنکھ پر تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو۔ آپ نے مدینہ میں بڑا بھاری کام تمدن و معاشرت کے اصول اور قوانین وضع کرنے کا سرانجام دیا۔ بدنظمی سے انتظام کی شکل پیدا کی۔ مکی اور مدنی لوگوں کے خواہ مومن ہوں یا کافر آپس کے جھگڑوں کو مٹایا۔ دشمنوں کے لگاتار حملوں کی مدافعت کا انتظام ہمیشہ اپنے زیر نظر رکھا۔ اور اکثر خود بھی میدان جنگ میں تشریف لے جاتے رہے لیکن ان تمام باتوں کے درمیان آپ نے اپنے سب سے پہلے اور سب سے ضروری فرض کو ذرا بھی فراموش نہیں کیا۔ اگر آپ ایک طرف سپاہی تھے۔ مقنن تھے۔ مدینہ کی جمہوری سلطنت کے پریزیڈنٹ تھے۔ تو دُوسری طرف آپ نبی تھے۔ جن کا کام تھا۔ کہ بُت پرستی عناصر پرستی۔ انسان پرستی کا خاتمہ کر کے خدا کے بندوں کو واحد خدا کی طرف رجوع کرے۔ اور اُن کو راست بازی کی راہ پر چلادے۔ اِس منشاء کی تکمیل کے لیئے آپ نے حبشہ۔ شام۔ ایران۔ مصر۔ دمشق اور یمامہ کو سفارتیں بھیجیں۔ جن کے ذریعہ امیر و غریب شاہ و رعایا سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اور جیسا کہ قرآن میں تحریر ہے۔ کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ کیونکہ باطل ایک ہلاک ہونے والی چیز ہے۔ آپ کے دل میں اُس وقت بھی یہی فرض جاگزین تھا۔ جب آپ مکہ میں اُس تاریخ سے آٹھ سال بعد جب آپ جان لے کر وہاں سے بھاگے تھے مظفر و منصور ہو کر اُسی شہر میں پھر واپس

آتے ہیں اور دس ہزار صحابہ آپ کے ہمرکاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں لکھا ہے:۔ کہ جب خدا کی طرف سے مدد اور فتح آئے گی اور تو دیکھے گا لوگوں کو خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے۔ تو آپ نے پہلا کام فتح کی اُس گھڑی میں یہ کیا۔ کہ خدا کی توحید کا اعلان کیا اور کعبہ کے مقدس مقام سے بتوں کو نکال باہر کیا۔

اس فتح کی اس وجہ سے بھی شہرت ہے کہ آپ نے اُس میں اپنے مغلوب و مفتوح دشمن کے ساتھ نہایت عالی حوصلگی اور فراخ دلی کا برتاؤ کیا۔ اور اگرچہ اُس نے آپ کو نہائت اذیت پہنچائی تھی اور سخت سے سخت تکلیفیں دی تھیں۔ مگر آپ نے بکلی معاف کر دیا باوجود فتح مکہ کے مدینہ والوں کے احسان کے شکریہ میں آپ نے اپنی سکونت مدینہ میں ہی رکھی۔

اس فتح کے دو سال بعد آپ نے پھر حج کیا۔ اور اُس وقت آپ کے ساتھ ایک لاکھ مسلمان تھے۔ اور کلمہ کی دل کو ہلا دینے والی آواز ہر جگہ دور اور نزدیک سُنائی دیتی تھی۔ جس کی گرج سے دشت و جبل گونج اُٹھے تھے۔ اور شہر و مرغزار جنگل و بیابان سے کلمہ کی ہی صدا آتی تھی۔

اب آپ کا کام ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے عرب سے بُت پرستی۔ دختر کشی۔ ہر قسم کی بداخلاقی۔ غیر محدود کثیر الازدواجی و طلاق۔ شرابخواری و قمار بازی۔ اور سینکڑوں قسم کی بدیوں کو دُور کر دیا تھا۔ اب تمام ملک کا مذہب اسلام ہو چکا تھا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا سب کا خدا تھا۔ اِس لیئے آپ کے صحابہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جب اُن کے کان میں یہ آواز پڑی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینًا۔ یعنے آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں۔ اور تمہارے لیئے دین اسلام کو پسند کیا؟ صحابہ نے اِس آئت سے یہ سمجھ لیا۔ کہ آنحضرت صلعم کا مشن ختم ہو گیا۔ اور اِس دُنیا سے آپ کی رُخصت کا وقت قریب آ گیا۔ خود آنحضرت صلعم کو بھی اِس کا یقین تھا۔ حجۃ الوداع میں آپ نے لوگوں کو سُنا دیا۔ کہ خدا ہی جانتا ہے۔ کہ پھر دوبارہ اِس مقام پر مجھے بولنے

کا موقع ملے گا یا نہیں۔ پھر تاکید کی کہ آپس میں بھائیوں کی طرح سلوک رکھو۔ اور قرآن کی پیروی کے لیئے تاکید کی اور فرمایا یہ ہمیشہ تمہیں ضلالت سے محفوظ رکھے گا آخر میں آپ نے فرمایا "اے اللہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا" تب تمام بھیڑ نے متفقہ آواز سے چلا کر کہا کہ "بے شک پورا کر دیا" اس پر آپ نے فرمایا "اے اللہ گواہ رہ"۔

آپ کی ترسیٹھ سال کی عمر تھی۔ دسواں سال ہجرت کا تھا۔ اور ۶۳۲ء عیسوی تھا جب آپ کی وفات ہوئی۔ آپ اپنی موت کو نزدیک آتے دیکھ کر مطلق ہراسان نہ ہوئے کیونکہ موت سے آپ کو کوئی غم نہ تھا۔ آپ کے دل کو تسکین تھی۔ کہ آپ اپنا کام مکمل کر چکے۔ اور آپ اپنے پیچھے ایسی جماعت چھوڑ چلے تھے۔ جن کی وجہ سے آپ کبھی شرمندہ نہ ہو سکتے تھے۔ آخر دم تک آپ کی بے نفسی۔ فراخ حوصلگی۔ راستبازی اور انکساری کا وہی عالم رہا جو ہمیشہ سے تھا۔ آپ کی انکساری کسی دوسرے مشہور بنی کی طرح واقعات کے ماتحت مجبوری سے نہ تھی۔ بلکہ طبعی طور پر اُس وقت بھی موجود تھی۔ جبکہ تمام عرب آپ کے قدموں کے تلے اور زیر نگین تھا۔ وفات سے تھوڑی دیر پہلے آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا شخص ہے۔ جس کو میں نے بے انصافی سے سزا دی ہو تو میں اپنی پشت اس کے پیش کرتا ہوں تا وہ مار کر اپنا بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کے اخلاق پر کوئی حملہ کیا ہے۔ تو وہ شخص مجھ کو سب کے سامنے شرمندہ کرلے۔ اگر میں نے کسی دوسرے کا مال لیا ہے۔ تو وہ آئے اور اپنا مال لے لے۔

آپ اپنی تمام تکالیف کو خدا کی مہربانی اور محبت کا ثبوت سمجھتے تھے۔ جو آپ کو ہر جگہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ کو قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے جب کوئی مومن کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اُس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ اس کے گناہوں کو اس طرح دُور کرتا ہے۔ جیسے خزاں میں درخت سے پتے گرتے ہیں۔ اپنے محبتوں کے ہاتھوں میں اور تمام قوم کے دلوں کو درد سے بھرا ہوا چھوڑ کر آپ اس دُنیا سے رخصت ہوئے اور اپنے رفیق اعلےٰ سے جا ملے۔ جس کے ملنے کا نہایت شوق تھا۔ اللہ تعالےٰ سے کچھ عرصہ خاموشی کے ساتھ دُعا کرنے کے بعد آپکے آخری

الفاظ یہ تھے۔ کہ اے اللہ ایسا ہی ہو...... کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں"۔
"آپ نے یہ چاہا۔ کہ آپ کے صحابہ آپ کی وفات پر صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں جو ہر ایک مصیبت کے وقت کہا کرتے ہیں۔ یعنے ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف جائیں گے"۔

آنحضرت صلعم کی زندگی بڑے بڑے نشیب وفراز۔ اور ابتلاؤں اور امتحانوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور اُن پر غور کرنے سے آپ کے اخلاق کو پڑھنے کا ہمیں عجیب موقعہ ملتا ہے۔

ایک موقعہ پر قریش کے قبیلہ کے بڑے بڑے رؤسا نے دھمکی دی۔ کہ اگر آپ نے اپنی زبان بند نہ کی تو ہم ابوطالب کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اور کبھی بس نہ کرینگے جب تک وہ اور اُس کی جماعت نیست ونابود نہ ہو جائے۔ قدرتی بات تھی۔ کہ ابوطالب ڈر جاتا۔ چنانچہ ابوطالب نے بھتیجے کو سمجھایا۔ کہ تبلیغ کرنا بند کر دے۔ کیونکہ اس سے پہلے ہی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچ رہی ہیں۔ اور اب خونریزی اور تباہی کی نوبت پہنچے گی۔ لیکن آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ اپنے چچا کے واسطے آپ کی رفاقت ترک کرنے کا افسوس تھا۔ ذرا بھی متزلزل نہ ہوئے۔ اور فرمایا"۔ کہ اگر یہ لوگ آفتاب کو میرے دائیں ہاتھ پر اور ماہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے تبلیغ کے کام سے باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ خدا مجھے اس میں کامیاب کر دے یا میں اپنی جان اسی کام میں دیدوں"۔ (ابو الفداء)

جب ڈرانے دھمکانے سے کام نہ چلا۔ تو رشوت دینی چاہی۔ مکہ والوں نے اپنے میں سے ایک آدمی بھیجا۔ جس نے آپ کو یوں مخاطب کیا"۔ کہ اے بھتیجے کتنے تعجب کی بات ہے۔ کہ تو جو ایسا عالی نسب ہے۔ اور تیری خوبیوں کا زمانہ قائل ہے۔ اس طرح زمین کو ہلا دے اور خاندانوں میں تفرقہ ڈال دے۔ دیوتاؤں کی تردید کرے اور ہمارے بزرگوں اور دینداروں کو فاسق قرار دے۔ اگر تیرا یہ منشا ہو کہ اس طرح دولت جمع کرے۔ تو ہم اس قدر دولت ومال تیرے لیئے جمع کر دیتے ہیں۔ کہ تو ہم سب

زیادہ متموّل ہو جائے گا۔ اور اگر عزّت اور حکومت مطلوب ہے (یہاں یہ یاد رہے کہ اگر آپ نے اسلام کی تبلیغ نہ کی ہوتی تو کعبہ کی تولیت جس کی وجہ سے تمام مکّہ پر سکّہ جما کرتا تھا ابو طالب کے مرنے کے بعد آنحضرت کو ہی پہنچنی تھی) تو ہم تجھے اپنا سردار بناتے ہیں اور تیرے تمام حکموں کو مانیں گے۔" آنحضرت صلعم کو اس ترغیب سے ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ بلکہ فوراً آپ نے آیات قرآنی پڑھیں جن میں توبہ اور استغفار کا مضمون تھا۔

عروج و اقبال کی حالت میں آنحضرت صلعم نے اونے مقاصد سے اپنے تئیں ویسے ہی علیحدہ رکھا۔ جیسا کہ مصیبت کے ایام میں رکھا تھا۔ مثلاً مکّہ کی فتح پر آپ کو انتقام لینے کا نہائت عمدہ موقعہ تھا۔ وہ مغرور سردار جنھوں نے آپ کے مذہب کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا۔ جنھوں نے آپ کے رفیقوں کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی تھی۔ اور خود آپ کے ساتھ سخت بدسلوکیاں کی تھیں۔ اور آپ کے قتل کی کوششیں کرتے رہے تھے۔ وُہ۔ اب سب کے سب آپ کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ آپنے اُس وقت پُوچھا "تم مجھ سے کیا اُمیّد رکھتے ہو" اُنھوں نے کہا۔ تو کریم ابن کریم ہے تجھ سے رحم کی ہی اُمیّد ہے۔ یہ سُن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور آپ نے فرمایا "آج میں تُم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ کہ لا تثریب علیکم الیوم۔ کہ آج کے دِن تم پر کوئی الزام نہیں۔ خدا تمھیں معاف کرے۔ کیونکہ وہ رحم کرنے والا۔ اور شفقت کرنے والا۔ جاؤ تم آزاد ہو۔"

ایک طرف ان تکالیف پر نگاہ کرو جو مکّہ والوں کے ہاتھ سے آپ کو پہنچیں۔ اُن کی شرارتیں۔ اذیتیں۔ عقوبتیں۔ بے رحمیاں۔ اُن کا آپ کو شعب میں قید رکھنا آپ کے خاندان اور رفقاء کے ساتھ ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک قتل کی سازشیں جنکی وجہ سے آپ کو مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ سب کو زیر نظر رکھو۔ اور پھر اس فراخ حوصلگی اور تحمل اور عفو کے نمونہ پر نگاہ ڈالو۔ جو آپ نے اپنے طرزِ عمل سے دکھایا۔ تو پھر ہمیں اپنے دل سے یہ سوال کرنا پڑتا ہے۔ کہ کیا دُنیا کی تاریخ اس سے بہتر نمونہ فراخ حوصلگی اور عفو کا کسی ایسے شخص میں پیش کر سکتی ہے۔ جس میں اپنے دکھوں اور اذیتوں کے

انتقام لینے کی طاقت موجود ہو اور پھر نہ لیا ہو۔

قرآن میں ہم مسلمانوں کو حکم ہے۔ کہ کسی نبی میں فرق نہ کریں۔ مگر عیسائی اہل قلم نے اس سے یہ فائدہ اُٹھایا۔ کہ مسیح کو خوب بڑھایا۔ اور بتلایا کہ سخت کلامی کا بدلہ اُنھوں نے نہ لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بدلہ تو دور رہا۔ ان کے اپنے مسلمہ کتب کے رُو سے مسیحؑ نے تو دوسروں کی سخت کلامی کا انتظار بھی نہ کیا۔ بلکہ خود ہی پہل کی کہ اُن کو "سانپوں کے بچو" اور اسی قسم خطابات سے یاد کیا۔ ذرا اور غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ جو کہانی سُنائی جاتی ہے۔ کہ مسیحؑ نے اپنے قاتلوں کے لیئے دُعا کی۔ اور یہ اُنکی نرم دلی کا بڑا ثبوت ہے۔ اس میں ایک محقق کو اعتراض کی بڑی عمدہ گنجائش ہے۔ کہ اُن کی نرم دلی اور سر تسلیم خم کرنا مجبوری کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اس کے سوا وہ کیا کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس کسی قسم کی طاقت نہ تھی۔ اس کے مقابل آنحضرت صلعم نے جو اپنے ایسے دشمنوں کو معافی دی۔ جنھوں نے آپ کے قتل کر دینے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا تھا۔ اور ایک دفعہ تو کامیابی کے قریب ہی آ پہنچے تھے۔ سو یہ ایسے موقع پر دی تھی۔ جب کہ آپ کے ہاتھ میں پُوری طاقت تھی۔ اور دشمن آپ کے قبضۂ قدرت میں تھے۔ نہ کہ آپ دشمن کے ہاتھوں میں تھے۔ جیسا کہ مسیحؑ تھے +

ووکنگ کے اسلامی مشن کی گذشتہ کارروائی

پر

ایک مختصر ریویو

جناب خواجہ کمال الدین صاحب ستمبر ۱۲ء میں تبلیغ اسلامی کو اپنا اصلی مقصد قرار دے کر ولائیت تشریف لے گئے۔ چار پانچ ماہ وہاں کے ہر قسم کے حالات

کے مطالعہ میں صرف کیئے۔ کہ کس طریق سے کام شروع کیا جائے۔ اور کونسی راہیں کامیابی کی ہیں۔

انگلستان اگر ایک ایسا ملک ہوتا جہاں پہلے کبھی اسلام کا یا مسلمانوں کا نام ہی سُنا گیا نہ ہوتا تو شائد کام کے شرُوع کرنے میں اس قدر مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔ کیونکہ اس صُورت میں کام کرنے والے کے سامنے ایک صاف تختی ہوتی۔ جس پر اپنا نقش جمانا نسبتاً آسان کام ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے ایک مدت دراز سے اسلام کے متعلق ایسے خیالات وہاں کے لوگوں کی طبائع میں پیدا ہوچکے ہوئے تھے۔ کہ انہی خیالات کا ازالہ ایک مدت دراز اور بے حد کوشش کو چاہتا تھا۔ اس لیئے کام کو شرُوع کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا۔ کہ اس سوال پر اچھی طرح غور کیا جاتا۔ کہ کس طرح پر یہ نقش غلط محو کرکے نیا نقش قائم کیا جاسکتا ہے۔ آخر پانچ چار ماہ کی لگاتار محنت اور کوشش کے بعد جو صرف عالم خاموشی میں ہی تھی۔ اور جناب باری میں بہت تضرع اور دُعا کے بعد اللہ تعالےٰ نے ایک راہ کھول دی۔ اور رسالہ اسلامک ریویو کا پہلا نمبر فروری ۱۹۱۳ء میں شایع ہُوا۔ مگر ابھی تک یہ کل کاروبار لنڈن میں تھا۔ اور ووکنگ کی مسجد ویسی ہی خالی اور سنسان پڑی تھی۔ مزید پانچ چھ ماہ کے عرصہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے وُہ سامان پیدا کردیئے کہ اس اسلامی مشن کا ووکنگ کی مسجد سے تعلق ہوکر ووکنگ مشن کی بُنیاد ایک مضبُوط چٹان پر قایم ہوگئی۔ اس طرح پر یہ ووکنگ مشن کی دو سال کی کارروائی کا مختصر سا خاکہ ہے جو ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور گو انگریزی رسالہ اسلامک ریویو کی اب تیسری جلد ختم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اردو کو جاری ہوئے عملاً پہلا سال پورا ہوتا ہے اس لیئے اس نمبر میں بجائے ایک سال کی کارروائی پر ریویو کرنے کے گذشتہ سارے کام پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ اسلامک ریویو کے اجرا کے تین ماہ بعد یعنی اپریل ۱۹۱۳ء میں سب سے پہلی خوشخبری ایک خاتون کے اسلام لانے کی تھی۔ جن کا نام مسز وایولٹ ابراہیم تھا اور لنڈن کے اثنائے کام میں صرف یہی ایک ہی نو مسلمہ ہوئیں۔ اس کے بعد جب

دوکنگ میں مشن منتقل ہوا۔ اور اس مسجد کے ساتھ اس کا تعلق ہوا جو خدا تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے پہلے ہی وہاں تیار کرا رکھی تھی۔ تو یہ چھوٹا سا بیج جس کا ابھی تک ایک ہی نرم سا پتہ نکلا تھا۔ اپنی شاخیں پھیلانے لگا۔ اور سب سے پہلے لارڈ ہیڈلے نے ۱۷ر نومبر ۱۹۱۳ء کو اپنے اسلام کا اعلان کیا اس اعلان نے خواجہ صاحب اور اسلامی مشن کے ذکر کو ولایت کے بہت سے اخباروں کے ذریعہ سے انگلستان اور یورپ کی پبلک تک پہنچایا۔ اور لوگوں کی توجہ رسالہ اسلامک ریویو کی طرف ہوئی اور ایک ہی ماہ کے اندر اندر طبائع میں ایک قسم کا انقلاب پیدا ہو گیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۳ء میں کپتان سٹینلے مسگریو وائیکونٹ گائیڈ یوٹیز (شیخ مواہب الرحمن)۔ نوبل مین یورکیوچ (شیخ جلال الدین محمد) اور خواتین میں سے لیڈی کیولڈ اور مسز کلفورڈ ایسے ناموروں ناموروں نے بخوشی اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی اور پھر قریباً ہر ہفتہ کسی نہ کسی نومسلم کا اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ دو سال کے عرصہ میں نومسلموں کی کل تعداد ایک سو دس تک پہنچ چکی ہے۔ اور اس کے علاوہ بعض نومسلم خاندانوں کے بچے ہیں۔ جو اب خدا کے فضل سے اسلام میں ہی پرورش پائیں گے۔ جیسے لارڈ ہیڈلے کا خاندان۔ مسز کلفورڈ اور لیڈی کیولڈ کے خاندان اور اُن کے علاوہ اور کئی ایک پورے گھروں کے گھر اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔

اگر ہم کبھی ان مشکلات کا اندازہ کریں۔ جن کے اندر یہ کام شروع کیا گیا تھا۔ تو یہ کامیابی اپنے اندر ایک اعجازی رنگ رکھتی ہے۔ اور اس مشن کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ہاتھ کھلا کھلا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ اگر ایک ایسی قوم میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا جاتا۔ جس نے پہلے کبھی اسلام کا نام بھی نہ سُنا ہوتا تو مشکلات بہت کم ہوتے۔ ان لوگوں کے دلوں کی تختی صاف ہوتی۔ اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لیے بہت جلد تیار ہو سکتے تھے۔ مگر وہاں تو صدیوں سے اگر کوئی آواز سنی گئی تو وہ اسلام کے خلاف ہی سُنی گئی۔ اسلام کے متعلق بہت سے فرضی قصے بنا کر مشتہر کیے گئے۔ اسلام کے اصول کو غلط پیرایہ میں بیان کیا گیا۔ اور ایسا طبائع کو اسلام کے نام سے متنفر کیا گیا تھا۔ کہ اس سے بڑھ کر اور بھیانک تصویر کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ مختصراً یہ کہ اسلام کو ایک بُت پرستی کا مذہب سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ خود حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کو بگاڑ کر ماہوند نام ایک مسلمانوں کا بُت یقین کیا جاتا تھا۔

اسلام کا غلبہ محض تلوار کی طفیل سمجھا جاتا تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تصویر بچہ بچہ کے ذہن میں تھی۔ کہ ایک شخص ایک ہاتھ میں تلوار لیئے کھڑا ہے اور دوسرے ہاتھ میں قرآن لیا کہہ رہا ہے۔ کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو تمہارا سر کاٹ دیا جائیگا۔ اسلام کی تعلیم کا جو نقشہ کھینچا گیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے کر لیا جائے۔ کہ یہ عام طور پر مانا جاتا تھا۔ کہ اسلام کے رُو سے عورت میں کوئی روح ہی نہیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو جس کے برابر کوئی پاک انسان دُنیا میں نہیں ہُوا اور نہ ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ایک شہوانی انسان خیال کیا جاتا تھا۔ پادریوں نے جو دُوسرے ممالک میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لئے جاتے تھے۔ اور بھی اس تصویر کے ڈراؤنا بنانے میں مدد دی تھی۔ کیونکہ وہ یہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کہ اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اسلام کی ایک ایسی تصویر کھینچیں جسکے بھیانک نظارہ کی وجہ سے نرم دِل لوگ اُن کے مشن کی امداد میں اپنے مالوں کو پانی کی طرح بہا دیں اور اُن کو یہ یقین ہو جائے کہ اس مذہب کو دُنیا سے نابود کرنے میں نوع انسان کی عظیم الشان خدمت ہے۔ چنانچہ یہی خیال لوگوں کی طبائع میں جاگزین ہو گیا۔ پھر مزید براں یہ مصیبت کہ مسلمان قوموں کے عروج کو جب زوال شروع ہُوا تو اسی سے اسلام کی اس پہلی تصویر کے گھناؤنے نظارہ میں اور بھی تاریکی کا رنگ چڑھنے لگا۔ گو ان خیالات میں بعد کے زمانے کے بعض لوگوں میں کچھ تغیر آنے لگا۔ مگر چونکہ یہ بعد کی تحریریں بھی یا بعض وقت غلط فہمیوں پر مبنی تھیں۔ یا ان کے لکھنے والے سر ولیم میور کی طرح اپنی اصل غرض کو جو درحقیقت وہی انکے سلف والی غرض تھی۔ اب دُوسرے رنگ میں پورا کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے ان تحریروں سے عوام الناس کے خیالات پر کوئی معتد بہ اثر نہیں پڑا۔ اور بھی بعض کوششیں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے ہوئیں۔ مگر عام خیالات کے سمندر میں کوئی بڑا تموّج پیدا نہیں ہُوا۔ ان حالات کے اندر دو سال کے عرصہ میں قریباً سوا سو آدمیوں کا اسلام کے اندر داخل ہونا اس حالت میں کہ یہ سب سے پہلی کوشش تبلیغ اسلام کی تھی۔ گو غلط فہمیوں اور غلط خیالات کے رفع کرنے کی کوششیں پہلے بھی ہو چکی ہوں ایک بڑی بھاری کامیابی ہے لیکن محض تعداد سے بھی بڑھ کر ایک اور امر خوشی کا موجب ہے۔ جو اس تحریک کی کامیابی کو اور بھی نمایاں کر دیتا ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ جب عیسائی دُنیا میں یہی آواز ہر طرف اٹھتی تھی

کہ اب اسلام دُنیا میں ایک کامیاب مذہب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی کامیابی صرف اس کی ملکی طاقت کی وجہ سے تھی۔ اور ہمیشہ یہ بزور شمشیر پھیلتا رہا۔ اور اب چونکہ ملکی طاقت جاتی رہی اور تلوار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ اس لیئے اسلام اب دنیا میں پھیل نہیں سکتا۔ اور روز بروز تنزل کرتا جائے گا۔ اس کے بعد افریقہ کے حالات کا انکشاف ہوا تو عیسائی مشنریوں کے ان خیالات کو ایک بڑا سخت دھکہ لگا۔ اور اُنھوں نے بلکہ یورپ کے عیسائی پبلک نے اس بات کو محسوس کیا۔ کہ اسلام افریقہ کے اندر باوجود ملکی طاقت کے نہ ہونے کے۔ باوجود کسی انتظام اشاعت وتبلیغ کے نہ ہونے کے بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے تو ایک دوسرا ڈھکوسلہ تجویز کیا گیا۔ کہ افریقہ کے لوگ وحشی ہیں۔ تہذیب اور تعلیم سے دُور پڑے ہوئے ہیں۔ اسلام ایسے لوگوں کے لیئے زیادہ موزون ہے۔ اس لیئے وہاں ترقی کر رہا ہے۔ مگر کوئی مہذب قوم اسلام کو قبول نہیں کر سکتی۔ درحقیقت یہ عیسائی مشنریوں کا تجربہ اپنے مذہب کے متعلق تھا۔ جو اُنھوں نے موقع کو غنیمت جان کر اسلام کی طرف منسوب کر دیا کیونکہ تعلیم اور تہذیب کی ترقی سے عیسائی مذہب کی گرفت قلوب پر بالکل جاتی رہی تھی۔ بہرحال اب اس دوسرے مرحلہ پر آکر اسلام کو تہذیب یافتہ لوگوں کے لیئے ناموزون اور ابتدائی وحشیانہ حالت انسانی کے مطابق بتایا گیا۔ خدا کے فضل سے ووکنگ کا مشن ان دونوں باتوں کا ایسا جواب ہوا۔ کہ امید نہیں کوئی شخص آئندہ اسلام کے متعلق ایسے لفظ موتھ سے نکالے۔ کیونکہ نہ صرف اس سے یہی معلوم ہوا کہ اسلام اپنے اندر ایک رُوحانی طاقت رکھتا ہے۔ اور اسی روحانی طاقت کی وجہ سے ہی اُس کی ساری ترقی جو اب تک ہوئی ہوئی ہے۔ اور اپنی روحانی طاقت کے لیئے وہ کسی ملکی طاقت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ اس نے یہ بھی ثابت کر دیا۔ کہ جس قدر اسلام تہذیب اور ترقی یافتہ قوموں کے لیئے موزون حال ہے۔ ایسا موزون کوئی دوسرا مذہب نہیں۔ اگر وہ سوا سو کے قریب نفوس جو اسلام میں اس قدر سال کے عرصہ میں داخل ہوئے ہیں معمولی طبقہ کے لوگ ہوتے۔ مزدوری پیشہ لوگ ہوتے۔ یا درمیانی طبقہ کے ہی کاروباری لوگ ہوتے جن کو علوم سے چنداں دلچسپی نہ ہوتی۔ تو پبلک کو دھوکا میں

رکھنے کا یہ منشہ ہی ڈھکوسلہ کچھ اور مدت کام دے جاتا۔ مگر اس قدر قلیل عرصہ میں اسقدر مخالفتوں کے ہوتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کا اسی طرح اس کا شیدا ہو جانا جس طرح ادنیٰ اور درمیانی درجہ کے لوگوں پر اس نے اپنا اثر کیا۔ اور علوم سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کا اس ذوق و شوق سے اس کے اندر داخل ہونا جس کی نظیر مذہب کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ اس امر نے روز روشن کی طرح یہ واضح کردیا۔ کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اعلےٰ اور ادنےٰ میں یکساں ترقی کرسکتا ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مذہب ساری نسل انسانی کے لیئے ہے۔ اگر وہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو ایک ادنےٰ مرتبہ ترقی پر ہیں۔ تو وہ بھی جو بزعم خود اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ انسانیت پر پہنچ چکے ہیں۔ حقیقی انسان۔ با اخلاق انسان۔ با خدا انسان بننے کے لیئے اس پاک سرچشمہ سے اپنی پیاس بجھانے کے لیئے اسی طرح دوڑتے ہیں اور اسی طرح اسلام کے پاک اصول کے محتاج ہیں جس طرح ادنےٰ درجہ کے لوگ یا ادنیٰ درجہ کی قومیں ان سوا سو آدمیوں کی فہرست میں اگر ہم نظر دوڑائیں تو جہاں اُن میں ایک لارڈ ایک وائیکونٹ ایک شہزادہ کا نام نظر آتا ہے۔ وہیں ایک عالم ایک پروفیسر ایک فاضل ایک اڈیٹر کا نام بھی نظر آتا ہے۔ بوڑھے ہیں نوجوان بھی ہیں۔ مرد ہیں تو خواتین بھی ہیں۔ کاروباری لوگ بھی ہیں۔ مزدوری پیشہ بھی ہیں۔ غرضکہ ہر قسم کے لوگوں میں سے اسلام نے اسقدر جلدی اپنا حصہ لے لیا ہے۔ اور اس کی ہر دلعزیزی یکساں ہر طبقہ اور ہر گروہ پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔

لارڈ ہیڈلے۔ فرانسیسی نواب۔ پوٹیئر۔ روسی امیر یوریکویچ۔ کپتان مسگریو۔ میجر لیگ۔ لفٹنٹ بیری گرفورڈ۔ پروفیسر سٹیفن۔ پروفیسر لیون ایم۔ اے۔ ڈاکٹر آف فلاسفی۔ پروفیسر این وائی مانٹ ڈاکٹر آف فلاسفی وغیرہ مشہور اخبار نویس ڈڈلے رائیٹ۔ فاضل خاتون آمینہ۔ کلفورڈ وغیرہم یہ سب نام پادری صاحبان کے اس اعتراض کا جواب کہ اسلام صرف ادنےٰ طبقہ انسانی اور وحشی لوگوں کے لیئے موزوں ہے۔ ان کو اپنے گھر میں مل گیا ہے۔ اور یہ ابھی ابتدا ہے۔ خدا تعالیٰ چاہے تو

بادشاہوں کو بھی اسلام کا حلقہ بگوش بنا دے۔ کیونکہ جب ایک دفعہ اسلام نے اپنے معمولی حلقہ بگوشوں کو دُنیا کے بادشاہ بنا دیا تو دُنیا کے بادشاہوں کو حلقہ بگوش بنا لینا تو اس کے سامنے کوئی بڑا کام نہیں۔

پھر ان نومسلموں میں ایک اور امر قابل تذکرہ ہے۔ اور وُہ یہ کہ وہ اس قسم کے مسلمان نہیں۔ کہ آج مُسلمان ہوئے تو بس ایک فرض ادا ہوگیا۔ بلکہ ان میں سے اکثر ایک سچا اسلامی جوش اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ایک تڑپ اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ اور اسلام کے پیغام اپنے دوسرے بھائیوں اور بھینوں تک پُہنچانا اپنا مقدم فرض سمجھتے ہیں۔ ان میں بُہت ہیں کہ جن کے دلوں میں اسلام کی ایسی عظمت اور ایسی محبّت جاں گزین ہے۔ کہ وُہ کبھی وقت بھی اس پاک پیغام کو دوسرے تک پُہنچانے میں غفلت سے کام نہیں لیتے۔ خود اسلامک ریویو کو پڑھ جاؤ۔ تو معلوم ہوگا کہ ایک خاصہ حصّہ اس کے مضامین کا اُنہی لوگوں کی قلم سے نکلتا ہے۔ جو ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اور پھر ان کے مضامین ایسے اعلےٰ درجہ کے۔ ایسے محققانہ ایسے لطیف مقابلہ مذاہب کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف اسلام کی محبّت ان کے دلوں میں جاگزین ہے۔ بلکہ اُس کی صداقت کے روشن دلائل بھی ان کے دِلوں پر پورا کام کر چکے ہیں۔ یہی وہ رُوح ہے جو کسی نئی سوسائیٹی میں حقیقی رُوح کہلا سکتی ہے۔ جو یہ امید دلا سکتی ہے کہ یہ قوم ترقی کرے گی۔ سو ہم اپنے انگریز مُسلمان بھائیوں اور بھینوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اُن کی اسلامی محبّت۔ ان کے دلوں پر اسلامی صداقت کا اثر۔ ان کا جوش اور اُن کی تڑپ کہ یہ پاک پیغام دُوسرے لوگوں تک پُہنچے۔ یہ سب یقین دلا رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس درخت کو بُہت جلد نشو ونما دے گا۔ اور اسے بڑھائے گا۔ یہانتک کہ اس کی شاخیں سارے یورپ کو اپنے سایہ کے نیچے لے لیں گی۔

اگر ووکنگ کے اسلامی مشن نے غیر مسلموں پر یہ نمایاں اثر کیا ہے تو دوسری طرف خود انگلستان کی مسلمان آبادی پر جن میں ایک بڑا حصّہ طلباء کا ہے۔ جو وہاں تعلی

حاصل کرنے جاتے ہیں۔ایک نہایت نیک اثر پیدا کیا ہے۔نہ صرف یہ کہ اُن کے دلوں میں اسلام سے محبت کا جوش اور اسلام سے سچی ہمدردی پیدا کردی ہے۔بلکہ اُن کے اندر ایک طاقت پیدا کردی ہے۔کہ وہ اپنے مذہب کے مشنری بن سکتے ہیں۔اور اپنی قیام کے اندر دوسروں پر ایک نیک اثر ڈال کر ان کو اسلام کا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔اور یہ اثر بذریعہ اس اجتماع کے پیدا کیا ہے جو ہر جمعہ کو نماز جمعہ میں ہوتا ہے۔نماز جمعہ میں صرف خطبہ کے سُننے کا ہی ان کو موقعہ ملتا ہے۔بلکہ اکثر ان اجتماعوں میں جب وہ کسی نیکدل مرد یا عورت کو اسلام کے اندر داخل ہوتا ہُوا دیکھتے ہیں۔تو اُن کی رُوح پر ایک نہائت نیک اثر پیدا ہوتا ہے۔اور اُن کو اسلام کی اس قوت اور شوکت کی ایک جھلک نظر آنے لگتی ہے۔کہ کس طرح باوجود اپنی ملکی مغلوبیت کے یہ دلوں پر فتوحات حاصل کر رہا ہے۔پھر عیدین کے موقعوں پر جو عظیم الشان اجتماع اسلامی ہوتا ہے۔وہ ایک نہایت پاک اثر دلوں پر پیدا کرتا ہے۔اور در حقیقت جمعہ اور عیدین میں مسلمانوں کا اجتماع بجائے خود ووکنگ مشن کے مفید اور بابرکت نتائج میں سے ایک ایسا نتیجہ ہے۔کہ اگر سوائے اس کے کچھ بھی اور مفید کام نہ ہوتا تو یہ بھی کوئی چھوٹی سی کامیابی نہ تھی۔

لیکن اس سے بہت بڑھ کر اسلام کی صداقت کی وہ روشنی ہے جو رسالہ اسلامک ریویو نے خود مسلمانوں کے دلوں کے اندر پیدا کردی ہے۔مادہ پرستی اور دہریت نے جو نقصان دُوسرے مذاہب کو پہنچایا وہ ناقابل تلافی ہے۔اور اس کا کوئی علاج اب ان مذاہب کے پاس نہیں۔کیونکہ ان کے اصول ایسے نہ تھے۔کہ اس خطرناک حملہ کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتے۔مگر جہاں دیگر مذاہب پر مادیت کے حملہ کا اثر مستقل ہُوا ہے۔مسلمانوں پر بھی اسکا اثر تو ضرور ہُوا ہے۔مگر وہ اثر اصل اصول اسلامی پر نہیں بلکہ محض مسلمانوں کے دلوں پر ہی۔اور اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کے اصول حقہ سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔اس مادیت کی زہریلی ہوا نے بہت سے مسلمانوں کو مذہب کے نام سے متنفر کردیا ہُوا ہے۔کیونکہ اُنھوں نے بغیر اصول اسلامی سے حقیقی واقفیت حاصل کئے ہوئے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح عقل کے خلاف کچھ باتیں

منوانا چاہتا ہے۔ اس اجنبیت اور غلط فہمی کا علاج اسلامک ریویو نے کیا ہے۔ اور گذشتہ دو تین سال کے عرصہ میں بہت کثرت کے ساتھ خطوط ایسے مسلمانوں کے آئے ہیں جنھوں نے کھُلا کھُلا اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ کہ وہ عملاً اسلام سے بالکل کچھ تعلق نہ رکھتے تھے۔ اسلامک ریویو نے ان کو از سرِ نو مسلمان کیا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی خدمت نہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ جب تک پہلے خود مسلمان مسلمان نہ بنیں اسلام پھیل نہیں سکتا یہ ایک نہائیت ضروری کام ہے۔ غیر مذاہب میں تو جو کچھ یہ رسالہ کام کر رہا ہے وُہ ہوتا رہے گا۔ مگر پہلی ضرورت یہ ہے کہ خود اہل اسلام اس کا مطالعہ کریں اپنی مذہبی لٹریچر سے واقف ہوں۔ اُن کو پتہ لگے کہ اسلام کے اصول کس طرح پر دُنیا میں غالب ہو رہے ہیں۔ ہاں یہ عجیب نظارہ ہے۔ کہ جس قدر دُنیا اصول اسلامی کو قبول کرتی جاتی ہے۔ اُسی قدر مُسلمان اُن سے دور جا رہے ہیں۔ یہ ایک عظیم الشان نعمت تھی جس کو دُوسری قومیں آہستہ آہستہ حاصل کر رہی ہیں۔ مگر افسوس کہ مُسلمانوں نے اس کو بہت حد تک کھو دیا۔ اور اب بھی اُس کے حاصل کرنے کی طرف سے بہت حد تک غافل ہیں حالانکہ دُوسروں کے لیئے اس کے لینے میں کس قدر مشکلات ہیں۔ مگر مسلمانوں کی تو یہ اپنی گم شدہ چیز ہے۔ پھر کس قدر بد قسمتی ہے کہ اپنی کھوئی ہوئی چیز کو حاصل کرنے کے لئے زور نہیں لگایا جاتا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس رسالہ کے پڑھنے سے بہت سے وہ شبہات جو مادیت کی زہریلی ہوا نے عام طور پر اس زمانہ میں پیدا کر رکھے ہیں دور ہوتے چلے جائینگے اور اسلام کی سچی محبت دلوں میں پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

یہ تو مینے مختصراً ان چند باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو کھلے اور صریح نتائج ووکنگ کے اسلامی مشن کے اب تک ظاہر ہو چکے ہیں۔ ایسے عظیم الشان انسانوں کا جیسے لارڈ اور کوئینٹ کالجوں کے فاضل پروفیسروں اخباروں کے ایڈیٹروں کا دائرہ اسلام کے اندر داخل ہو جانا۔ اور پھر ایک مضبوط بنیاد تبلیغ اسلام کی رکھی جانا۔ برٹش مسلم سوسائٹی کا باقاعدہ قائم ہو جانا یہ ایسے امور ہیں جن پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔ مگر یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں۔ کام کرنیوالوں نے محض خدا کے بھروسہ پر ایک کام شروع کر دیا۔

ایک عظیم الشان سمندر میں ایک کشتی کو بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا پڑھ کر چھوڑ دیا۔ نہ اسکے پاس سامان تھا۔ نہ آدمی تھے نہ کوئی کنارہ نظر آتا تھا۔ مگر خدا کے فضل نے اُسکی ایسی دستگیری فرمائی۔ کہ چند دنوں میں ہی اُس کے ایسے کھلے اور ظاہر نتائج پیدا کر دیئے جنھوں نے حاسدوں کو جو ہر کام میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں مایوس کر دیا۔ مگر علاوہ اس کے بہت سے ایسے نتائج بھی ہیں جن کو ابھی آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ جن کو ہر شخص محسوس بھی نہیں کر سکتا۔ مگر وہ قدر و قیمت کے لحاظ سے ان کھلے نتائج سے کسی قدر کم نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی مشنری رپورٹوں میں کس قدر زور ان امور پر دیا جاتا ہے کہ اس قدر بائیبل کے نسخے تقسیم ہو گئے۔ اس قدر لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ بعض لوگ اس کو محض فرضی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اور ایک حد تک درست بھی ہے۔ کیونکہ اگر عیسائی مسلمانوں میں بائیبل کو تقسیم کر دیں گے۔ تو اس سے مسلمانوں کے معلومات میں جو وہ عیسائی مذہب کے متعلق رکھتے ہیں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ بائیبل میں اُن انبیاء کا ذکر ہے جن کو مسلمان پہلے ہی مانتے ہیں۔ اس تعلیم کا ذکر ہے جسے وہ محرف مبدل شکل میں خدا کا کلام ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے بالمقابل اسلامی لٹریچر کا عیسائیوں میں شائع ہونا واقعی ایک بڑی کامیابی ہے۔ عیسائیوں میں اور بالخصوص یوروپین ممالک میں اسلام کے متعلق بہت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ابھی تک اُن کے پھیلانے والے اپنے کام میں غافل نہیں۔ اِن غلط فہمیوں کے دور کرنے کی جو عظیم الشان خدمت اسلامک ریویو نے کی ہے وہ آج تک اس سے پہلے نہیں ہوئی۔ قریباً چھتیس ہزار رسالہ سالانہ تقسیم ہوتا رہا ہے۔ جس میں سے یقیناً نصف انگلستان و دیگر ممالک میں جاتا رہا ہے۔ اور اسطرح پر زیادہ نہیں تو کم سے کم پچاس ہزار کتاب اعلےٰ درجہ کا اسلامی لٹریچر اپنے اندر لیئے ہوئے اس وقت تک تقسیم ہو چکی ہے۔ اور اس طرح پر یہ قیمتی مضامین ان لوگوں کے گھروں تک پہنچا دیئے گئے ہیں جن کو ان کی ضرورت ہے۔ کتابیں اور رسالے لکھ کر اگر بند پڑے رہیں تو وہ کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔ مگر پچاس ہزار کتاب پچاس ساٹھ صفحہ کی جب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ تو یقیناً ایک انقلاب پہلے

خیالات کے اندر پیدا کر سکتی ہے۔ اور درحقیقت ایسا انقلاب اس رسالہ نے پیدا کیا ہے۔ گو یہ کام ابھی برسوں کی محنت چاہتا ہے۔ کہ لاکھوں اور کروڑوں نفوس تک اس پاک پیغام کو پہنچایا جائے۔ علاوہ رسالہ کے اور بھی کئی ایک کتابیں ووکنگ مشن کے ذریعہ سے تقسیم ہو چکی ہیں۔ اصول اسلام پر رسالہ۔ نماز پر رسالہ۔ بعض احادیث نبوی پر مختصر سا رسالہ یہ کتابیں بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع اور تقسیم ہوئی ہیں۔

ایک اور امر اس رسالہ کے متعلق جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے یورپ کی نبض شناسی سے بڑا بھاری کام لیا ہے۔ یہ تو ہر ایک شخص جسکو کچھ بھی واقفیت دُنیا کے حالات سے ہے۔ جانتا ہے۔ کہ یورپ میں اس وقت مذہب کے معاملہ میں لوگوں کے دلوں میں بہت کشمکش ہے۔ ایک وقت تو ایسا بھی یورپ پر آیا تھا۔ کہ دہریت کی طرف طبائع کا میلان بڑے زور سے ہوتا چلا جاتا تھا۔ مگر خدا نے اپنی ہستی کا جو ایک عظیم الشان ثبوت رکھا ہوا ہے۔ وہ خود فطرت انسانی کی شہادت ہے۔ دُنیا میں دہریت کی لہر جب کبھی اُٹھی جلد ہی مر گئی۔ یورپ میں بھی دہریت کا گو خاتمہ نہیں اور اس کے بعض زہریلے اثرات سے طبائع متاثر ہیں۔ مگر جس قدر زور کے ساتھ دہریت کی موج اُٹھی تھی۔ آج وہ زور خود اس رو میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ اس کا سواں حصہ بھی نہیں رہا۔ حالانکہ جس مذہب سے اہل یورپ نے متنفر ہو کر دہریت کے سایہ میں جو ظل ذی ثلث شعب لا ظلیل ولا یغنی من اللھب کا مصداق ہے۔ پناہ لینی چاہی تھی۔ اس موجب سے طبائع اب پہلے سے بھی زیادہ متنفر ہیں۔ مگر دہریت کا زور خود بخود ٹوٹ کر طبائع کا رُجحان اس طرف ہے۔ کہ کوئی مذہب انسان کے لیئے ہونا چاہیئے۔ اس وقت ایسے مذہب کی تلاش میں جو جو طبع آزمائیاں ہو رہی ہیں۔ کہ وہ کس قسم کا مذہب ہو اسکے کیا اصول ہوں۔ ان سب باتوں کا جواب اگر ملتا ہے تو اسلام میں۔ اور چونکہ اس رسالہ کے مضامین میں خصوصیت سے اِس بات کو مدنظر رکھا جاتا رہا ہے۔ کہ انہی سوالات کا جواب قرآن کریم سے احسن طور پر دیا جائے۔ جو اِس وقت عام وخاص طبائع میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیئے اس کے مضامین کا اثر بھی قلوب پر زیادہ ہوتا ہے۔ بے موقعہ بعض وقت

ع۱-۲-۳ ہر سہ کتب منیجر رسالہ ہذا سے مل سکتی ہیں۔ قیمت ع۱ ۱/۱۱، ع۲ ۱/۴، ع۳ ۱/۲، ہے احباب اپنے غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب حاصل کریں

اچھی بات بھی اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ مگر موقعہ پر ایک معمولی بات بھی دل کو کھا جاتی ہے۔ اور یہ در حقیقت یہی موقعہ شناسی ہے۔ جس نے اس رسالہ کو اس قدر جلد کامیاب کر کے بڑے بڑے فاضل اور لائق انسانوں کو اس کے گرویدہ کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک حصہ علانیہ اسکے اصول کو قبول کر چکا ہے تو کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو اس کے مداح ہیں۔ مگر مختلف قسم کی رکاوٹوں کی وجہ سے علانیہ ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ اس فیض شناسی کا ایک نمایاں اثر پیرس کے جلسہ مذاہب میں ہوا جہاں جناب خواجہ صاحب نے ان تمام سوالوں کا جو ایک عالمگیر مذہب کے متعلق بڑے بڑے فاضلوں کے دلوں میں پیدا ہوئے۔ احسن طور پر جواب قرآن کریم سے دیا اور ایسا جواب دیا کہ ان میں سے بہتوں نے اعتراف کیا کہ واقعی دُنیا کو ضرورت ایسے ہی مذہب کی ہے۔ لیکن ان کی طبائع اسقدر جلد اس بات کو قبول کرنے کے لیئے طیار نہ تھیں کہ اسلام جس سے اُن کی طبائع کو بچپن سے ہی تنفر ہے وہ مذہب ہو سکتا ہے۔ سو خدا چاہے تو یہ تنفر بھی دُور ہو سکتا ہے۔

بہت سے دُوسرے پہلو ووکنگ کے اسلامی مشن کے متعلق ہیں۔ مثلاً ایک مادہ پرست قوم میں نماز کی عزت اور محبت پیدا کر دینا یہاں تک کہ وہ نماز کو اب ایک تماش بین کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ اسکا اس قدر اثر انکے دلوں پر ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ وقتاً فوقتاً جماعت کیساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی ایسی عزت و تکریم ان کے دلوں میں پیدا کر دینا کہ بجائے تنفر یا تحقیر کے سچے دل سے ایک مسلمان کی عزت وہ لوگ کرنے لگے ہیں جنکو کبھی مسجد ووکنگ میں جانیکا اتفاق ہوا ہے۔ مسلمانوں کے اخلاق کا ایسے تمام لوگوں کو گرویدہ کر لینا بالخصوص اہل ووکنگ کو جو اخلاق کی وجہ سے بہت ہی محبت اور تکریم ان لوگوں کی کرتے ہیں جنکا تعلق مسجد ووکنگ سے ہے۔ اسلام کی فیاضی اور مہمان نوازی اور اسکی وسیع الاخلاقی کا ثبوت اس پہلو سے دینا کہ دشمن و دوست مُسلم و عیسائی کی یکسان عزت سے مہمان نوازی کیجاتی ہے۔ اور بعض اوقات عیسائی یتیم خانہ کے بچوں کو بھی دعوت دیگئی ہے۔ اسلام کی اخوت کا عملی ثبوت اس رنگ میں دینا کہ لارڈ اور شہزادے اور بڑے بڑے امراء اور ایک غریب مزدور نہ صرف نماز میں ایکدوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر رب العالمین کے حضور اپنے یکسان ہونیکا ثبوت دیتے ہیں بلکہ کھانیکی میز پر بھی اسیطرح بھائیوں کیطرح بیٹھتے ہیں کہ سوسائٹی کی تمام مصنوعی تفریقات وہاں جا کر دور ہو جاتی ہیں۔ یہ اور اسکے علاوہ بیسیوں اور ایسی باتیں ہیں جنکا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور اسکے علاوہ پھر اسلامی دُنیا اور بالخصوص ہندوستان میں اس اسلامی مشن کا جو مفید اثر ہوا ہے انشاء اللہ انمیں سے بعض*

* ان امور پر آئندہ رسالہ میں کچھ لکھا جائے گا

* Miracle of mohd